تخریج شدہ ایڈیشن

تاریخ اسلام

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ

دوم


مکتبہ خلیل
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور فون: 7321118

نام کتاب .... تاریخ اسلام (جلد دوم)
مصنف .... مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
طباعت .... گنج شکر پرنٹرز لاہور
اشاعت پنجم .... دسمبر 2009ء

ملنے کے پتے

اسلامی کتاب گھر، خیابان سرسید، راولپنڈی
مکتبہ رشیدیہ، کمیٹی چوک اقبال روڈ، راولپنڈی
مدنی کتب خانہ، تبلیغی مرکز، مانسہرہ
عثمان دینی کتب خانہ، تبلیغی مرکز، مانسہرہ
مکتبہ المدنیہ، تبلیغی مرکز، بہاولپور
ادارہ الرشید، بنوری ٹاؤن، کراچی
مکتبہ الرحیمیہ، اردو بازار، کراچی

فہرست مضامین

باب : 1

خلافت بنو امیہ

تمہید

اسلام اور خاندانی عصبیت

خلافت راشدہ کے بعد اب ہم کو سلطنت بنو امیہ کے حالات شروع کرنے ہیں' خلافت راشدہ میں پہلے دو خلیفہ (ابوبکر و عمر) نہ بنی امیہ سے تھے نہ بنی ہاشم سے' ان دونوں کا عہد خلافت خلافت راشدہ کا بہترین زمانہ تھا۔ تیسرے بنو امیہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے' اور چوتھے بنو ہاشم سے' خلافت راشدہ کے آخری نصف زمانہ میں بنو امیہ اور بنو ہاشم دونوں قبیلوں کے خلیفہ تخت پر متمکن رہے' یہ آخری نصف زمانہ پہلے نصف زمانہ کے مقابلہ میں ناکام زمانہ کہا جا سکتا ہے' اگرچہ بعد کی خلافتوں سے یقیناً اچھا تھا' کیوں کہ صحابہ کرام ہی برسر حکومت تھے اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا میں زندہ موجود تھے۔

اسلام دنیا میں شرک کو مٹانے اور توحید قائم کرنے کے لیے آیا' رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل توحید اور حقیقی کامرانی کا راستہ نسل انسانی کو دکھایا' شرک سے بڑھ کر کوئی نقصان وزیاں' اور توحید سے بڑھ کر کوئی سعادت و کامیابی انسان کے لیے نہیں ہو سکتی' شرک در حقیقت ایک ناانصافی اور ظلم کا نام ہے اسی لیے قرآن کریم میں اس کو ظلم عظیم کہا گیا ہے' اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے حقیقی معبود کو چھوڑ کر ان مجبور ہستیوں کو معبود ٹھہرائے' جو معبود حقیقی کی مخلوق اور غلام ہیں؟ پس شرک میں وہی شخص مبتلا ہو سکتا ہے' جو عدل کے خلاف ناانصافی اور ظلم کو اپنا شعار بنائے' اس ظلم و ناانصافی میں مبتلا کرنے والی سب سے بڑی چیز جہالت اور بے جا محبت ہے' جس کو اصطلاح قرآنی میں ضلال اور گمراہی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

اب غور کرو اور سوچو' کہ اپنے خاندان اور قبیلے کے بزرگوں کی بے جا محبت میں ان کے ناموں' ان کی تصویروں' ان کے مجسموں' ان کی قبروں کی بے جا تعظیم کے ذریعہ دنیا میں سب سے زیادہ شرک

نے رواج پایا' اور اسی گمراہی کے ذریعہ نوع انسانی نے اپنے خالق و مالک و معبود کو فراموش کر کے اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرایا' رسول اللہ ﷺ نے مبعوث ہو کر جہاں شرک کے دیگر امکانات کو مٹا دیا' وہاں اس بے جا خاندانی عصبیت اور عدل و انصاف سے دور کرنے والی گمراہ کن اور بے جا محبت سے انسانوں کو بچایا۔

دوسری چیز جو انسان کو ظلم عظیم میں مبتلا کر سکتی ہے اور کرتی رہی ہے' تکبر اور بیجا تفاخر ہے' اسی نے ابلیس کو ابلیس بنا کر شیطان رجیم بنایا' اور اسی کے ذریعہ شیطان نے اکثر انسانوں کو صراط مستقیم سے ہٹا کر ہلاکت آفریں راہوں پر چلایا' یہ بیجا تفاخر جب بیجا محبت کے ساتھ مل جاتا ہے' تو گمراہی اور ہلاکت کا نہایت زود اثر معجون نوع انسان کے لیے تیار ہو جاتا ہے' رسول اللہ ﷺ نے اس ہلاکت آفریں سامان شرک تعصب و تکبر کو مٹانے اور دور کرنے کے لیے فتح مکہ کے روز خانہ کعبہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر تمام باشندگان مکہ اور شرفاء عرب کے اجتماع عظیم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

''اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا کے فخر کو دور کر دیا' تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے' خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: اے لوگو! ہم نے تم کو نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبائل بنائے تاکہ تمہاری الگ الگ پہچان ہو' اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ نیک ہے''۔[1]

نسلی و قبائلی تفاخر کو مٹانا درحقیقت شرک کے امکانات کو مٹا کر توحید کی استعداد کا پیدا کرنا تھا' ساتھ ہی قبیلوں اور برادریوں کے وجود اور ان کے امتیازات سے بھی انکار نہیں ہے' لیکن بزرگی اور فضیلت کو نسل و برادری سے متعلق نہیں رکھا گیا' بزرگی و برتری صرف خداشناسی و اللہ تعالیٰ ترسی سے تعلق رکھتی ہے' ہر ایک شخص متقی و با اللہ تعالیٰ بن کر مستحق کرامت بن سکتا ہے اور ہر ایک قبیلہ کا ہر ایک شخص اپنی بداعمالیوں کے ذریعہ رذالت و ذلت کما سکتا ہے' اس صحیح روش اور جادہ مستقیم پر گامزن کر کے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو فلاح دارین اور سعادت انسانی تک پہنچایا۔

خلافت راشدہ کے ابتدائی نصف زمانہ میں مسلمانوں کو ترک کردہ سامان گمراہی ار فراموش شدہ عصبیت خاندانی سے کوئی تعلق نہ تھا' بلال حبشی کو اکابر قریش سیدی (میرے آقا) کہہ کر پکارتے' اور نیک اعمال کی بنا پر ان کو اپنے آپ سے زیادہ مکرم و معظم جانتے تھے' اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں بڑے بڑے خاندانی مہاجرین و انصار کو محکوم بنا کر بھیجنے میں یہی حکمت تھی کہ کسی کے گوشہ

---

[1] سیرت ابن ہشام (مترجم) شائع کردہ مقبول اکیڈمی' لاہور' صفحہ ۴۹۹ و ۵۰۰۔ الرحیق المختوم (اردو)' صفحہ ۵۵۰ و ۵۵۱۔

قلب میں یہ خیال باقی نہ رہ سکے کہ محض قوم یا نسل یا خاندان کی وجہ سے کوئی معظم و مکرم بن سکتا ہے۔
حکومت و خلافت اگر کسی خاص قبیلہ اور خاص خاندان کا حق ہوتا' تو رسول اللہ ﷺ صوبوں اور ولایتوں کی حکومت میں بنی ہاشم کے سوا کسی دوسرے کو عامل بنا کر نہ بھیجتے اور فوجوں کی سپہ سالاری سوائے بنی ہاشم کے کسی دوسرے کو عطا نہ فرماتے' لیکن آپ ﷺ نے بہت ہی کم کسی ہاشمی کو فوج کی سپہ سالاری یا کسی ولایت کی حکومت پر مامور فرمایا' آپ ﷺ نے ہمیشہ ذاتی قابلیت کے موافق لوگوں کو سرداریاں اور حکومتیں عطا فرمائیں' اور کسی خاندان یا قبیلہ سے تعلق رکھنے کو حکومت و سرداری کے لیے جائز استحقاق نہیں سمجھا' یہی سبب تھا کہ دربار نبوی ﷺ سے غلاموں تک کو قابلیت کے سبب اکابر قریش کی سرداری اور عظیم الشان فوجوں کی سپہ سالاری حاصل ہو سکتی تھی' توحید کامل سکھانے والے استاد کامل سے اس کے سوا کسی دوسرے طرز عمل کی توقع بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

بنی ہاشم اور بنی امیہ کی رقابت

قبیلہ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں پہلے سے ایک رقابت اور مسابقت چلی آتی تھی' یعنی ان دونوں میں ہر ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتا تھا' غالباً یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی (جو بنی ہاشم میں سے تھے) بنو امیہ نے ابتداء میں زیادہ مخالفت کی اور بنو ہاشم سے نسبتاً آپ ﷺ کو امداد پہنچی' جب ملک عرب سے مشرکوں کا استیصال ہو گیا' اور ان دونوں قبائل کے عنادی مشرک بھی قتل ہو کر بقیہ خوش نصیب اسلام میں داخل ہو گئے تو ان مسلمان ہو جانے والے بنی امیہ میں ایک کافی تعداد ذی حوصلہ اور قابل آدمیوں کی موجود تھی جن کی قدر دانی رسول اللہ ﷺ نے علیٰ قدر قابلیت ضروری سمجھی۔
چنانچہ فتح مکہ کے روز ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو امان کے معاملہ میں کعبہ کا ہمسر ٹھہرا کر انہیں خوش کر دیا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو بنی امیہ میں سے تھے رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے' ان کے لیے بیعت رضوان ہوئی۔ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی بنو امیہ کے قبیلہ سے یعنی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے نجران کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چچا تھے' ان کو رسول اللہ ﷺ نے طائف اور اس کے متعلقات کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ فاروق اعظم نے ان کو عمان و بحرین کا حاکم مقرر فرمایا' عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ ابو سفیان کے چچا ابوالعیص کے پوتے تھے' مکہ کی فتح کے دن مسلمان ہوئے اور مکہ کے حاکم مقرر کیے گئے۔ خالد بن سعید ابوسفیان کے چچا عاص کے پوتے تھے' ان کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ یہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

عثمان بن سعید کو رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا اور ان کے بھائی ابان کو بحرین کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے دل میں بنو امیہ اور بنو ہاشم کی قدیمی رقابت کا کوئی ذرا بھی شائبہ ہوتا اور آپ ﷺ ذاتی قابلیتوں پر نسلی و خاندانی تعلقات کو ترجیح دیتے‘ تو بنی امیہ کے افراد کو اس طرح صوبوں کے عامل ہرگز مقرر نہ فرماتے‘ مگر آپ ﷺ نسلی امتیازات کو ذاتی قابلیت پر ہرگز ترجیح نہیں دیتے تھے‘ ہاں نسلی امتیازات کو آپ ﷺ تسلیم کرتے تھے‘ مگر اسی حد تک کہ جن خاندانوں میں انتظامی قابلیت اور سرداری کی لیاقت ہمیشہ زیادہ پائی گئی‘ آپ ﷺ نے بھی انتظامی کاموں اور سپہ سالاریوں کے لیے ان ہی خاندانوں کے افراد میں سے قابل آدمیوں کو زیادہ تلاش کیا۔

بنو امیہ اور بنو ہاشم دونوں قبیلوں کی پرانی رقابت اسلام نے ابھی نئی نئی مٹائی تھی‘ لہٰذا احتیاط اس کی متقاضی تھی‘ کہ ان کو خلافت کے معاملہ میں اور کچھ دنوں ایسا موقع نہ دیا جاتا کہ وہ اپنی فراموش شدہ رقابت کو پھر تازہ کر سکیں‘ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس خطرہ کا بخوبی احساس فرمایا‘ اور اپنے بعد محض قابلیت کی بنا پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نمازوں کا امام بنا کر ان کی خلافت کے لیے اشارہ فرمایا‘ جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہم و فراست والی جماعت نے بخوبی عمل کیا۔

اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بعد ایسا جانشین مقرر فرمایا جو قابلیت کے اعتبار سے سب پر فائق اور مذکور بالا دونوں قبیلوں میں سے کسی ایک سے بھی تعلق نہ رکھتا تھا۔

اسی طرح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد اگر سیدنا ابوعبیدہ یا سالم مولی ابی حذیفہ میں سے کوئی ایک خلیفہ ہوتا جیسا کہ عمر فاروق کی آرزو تھی‘ تو یہ مردہ رقابت دوبارہ زندہ نہ ہوئی‘ مگر یہ دونوں بزرگ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ پھر اگر ہر شش اصحاب شوریٰ اپنے آپ میں سے کسی کو انتخاب کرنے میں صرف اس اصول پر کاربند ہوتے‘ کہ کوئی بنی امیہ اور کوئی بنی ہاشم خلیفہ نہ بنایا جائے‘ تو آئندہ پیش آنے والے خطرات ممکن ہے کہ پیش نہ آتے اور کم از کم ان دونوں قبیلوں کو اپنی فراموش شدہ رقابت یاد نہ آتی۔ اگر علی رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوتے تب بھی بہت زیادہ ممکن تھا کہ یہ آتش خاموش دوبارہ مشتعل نہ ہوتی کیونکہ علی رضی اللہ عنہ سے یہ توقع نہ ہوتی کیونکہ علی رضی اللہ عنہ سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ بنو ہاشم کی اس طرح غیر معمولی اور قابل احساس رعایت کرتے جیسی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بنو امیہ کی ہوئی۔

بہرحال ہم کو یہ ایمان رکھنا چاہیئے‘ کہ جو کچھ ہوا مشیت الٰہی کے ماتحت ہوا اور یہی ہونا چاہیئے‘ کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ ہم وقوع یافتہ اعمال و افعال کے نتائج پر اپنی نابودہ وغیر واقع شدہ تجاویز کے نتائج کو یقینی طور پر ترجیح دے سکیں۔ ہاں ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں‘ کہ بنی ہاشم

اور بنی امیہ کی رقابت کا عہد اسلامی میں دوبارہ پیدا ہو کر تادیر باقی رہنا اسلام کے لیے بے حد نقصان رساں تھا' اور آج تک اس رقابت کو قائم اور باقی رکھنے والے اور کسی خاندان یا قبیلہ کے تعلق کو خلافت کے لیے ضروری سمجھنے والے لوگ تعلیم اسلامی کے سخت مخالف اور اسلام کے لیے بے حد نقصان رساں ثابت ہو رہے ہیں۔

بنو امیہ اپنی ذاتی قابلیتوں کی وجہ سے پہلے ہی خلافت اسلامیہ کے ایک ضروری جزو بنے ہوئے تھے' سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہو جانے کے بعد ان کی نرم مزاجی اور مروان بن الحکم کے اقتدار سے فائدہ اٹھا کر بنی امیہ نے اپنی طاقت اور اثر کو یک لخت اس قدر بڑھا لیا' کہ تمام عالم اسلامی پر چھا گئے' اور اپنی سیادت تمام ملک عرب پر قائم کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے جس کو وہ عہد جاہلیت میں بنو ہاشم کے مقابلہ میں قائم نہ کر سکے تھے' سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت' نیز منافقوں اور مسلم نما یہودیوں کی سازشوں نے ان کو اور بھی امداد پہنچائی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے عہد خلافت میں زیادہ پریشانیوں اور دقتوں کا سامنا اس لیے بھی کرنا پڑا کہ وہ ہاشمی تھے' تمام اہل عرب کی نگاہوں میں بنی ہاشم اور بنو امیہ کی رقابتوں کے نقشے گھومنے لگے' انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہر اس کوشش کو جو وہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ کے خلاف کرتے تھے' اسی رقابت پر محمول کر کے ان کا پورے طور پر ساتھ نہ دیا' کیوں کہ وہ ان دونوں قبیلوں کی پرانی رقابتوں کو دوبارہ زندہ کرنے میں کوئی حصہ نہیں لینا چاہتے تھے۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جگہ کوئی دوسرا غیر ہاشمی شخص خلیفہ ہوتا' تو یقیناً اس کو عرب قبائل کی زیادہ امداد حاصل ہوتی' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اگر خود خلیفہ نہ ہوتے' تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شکست دینے اور بنی امیہ کو نیچا دکھانے میں زیادہ کام کر سکتے' اور اس غیر ہاشمی خلیفہ کو کامیاب بنانے میں اپنی قوت اور اثر کو بہت زیادہ پاتے۔

اس موقعہ پر بے اختیار سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے وہ آخری الفاظ یاد آ جاتے ہیں' جو انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو فوت ہوتے وقت بطور وصیت سنائے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک خلافت پہنچی تو تلواریں میانوں سے نکل آئیں' اور یہ معاملہ طے نہ ہوا' اب میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ نبوت اور خلافت ہمارے خاندان میں جمع نہیں رہ سکتیں۔[1]

---

[1] نامعلوم حسن رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات سنداً ثابت ہیں یا نہیں' یہ معاملہ مزید تحقیق کا متقاضی ہے۔ البتہ ہمیں حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتنوں کے وقت مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کروائیں گے۔ (صحیح بخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۷۴۶) اس لیے ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ وہ ایسے الفاظ زبان سے نہیں نکال سکتے جن سے حالات مزید خراب ہو سکتے ہوں' والعلم عند اللہ!

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کی صداقت پر مستقبل جو آج تک ماضی بن چکا ہے' اپنی مہر صداقت ثبت کر چکا ہے' خلافت راشدہ کے بعد تقریباً نوے سال تک بنو امیہ نے دمشق کو دارالخلافہ بنا کر تمام عالم اسلام پر حکومت کی' ادھر اندلس میں بھی کئی سو سال تک ان کی شاندار خلافت و حکومت قائم رہی اور خاندان بنو عباس کی حکومت بغداد میں پانچ سو برس سے زیادہ عرصہ تک قائم رہی۔ بنو عباس بنی ہاشم تو ضرور ہیں لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی اولاد نہیں ہیں۔ (یعنی صرف سادات کو خاندان نبوت کہا جا سکتا ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ شامل ہے' لیکن عباسیوں میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی آمیزش نہیں ہے' لہٰذا ان کو خاندان نبوت نہیں کہا جا سکتا)۔

مصر کے ایک حکمران خاندان (بنو عبید) نے اپنے آپ کو فاطمی[1] کہا' لیکن محققین نے ان کو اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا پایا' ہندوستان میں بھی ایک حکمران خاندان گذرا ہے' جن کو خاندان سادات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' مگر یہ حقیقت عالم آشکارا ہے کہ خضر خاں حاکم ملتان جو اس خاندان کا مورث اعلیٰ تھا ہرگز سید نہ تھا' اس کے سید مشہور ہونے کی وجہ صرف یہ تھی' کہ ایک بزرگ صوفی نے اس کو سید (سردار) کہہ کر پکارا تھا' جیسے کہ آج کل بھی لوگ مغل اور پٹھان سرداروں کو ''سیدی'' کہہ کر مخاطب کر لیتے ہیں۔

غرض کہ آج تک کسی ملک میں سادات کی کوئی قابل تذکرہ خود مختار حکومت اور بادشاہت کبھی قائم نہ ہو سکی' ایک طرف یہ حقیقت ہمارے سامنے ہے' دوسری طرف ہم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ان آخری الفاظ کو دیکھتے ہیں' تو بے اختیار ہمارا دل ان الفاظ کی پرعظمت صداقت کا مقر اور ان الفاظ کی ہیبت و شوکت سے مرعوب ہو جاتا ہے۔

خاندان نبوی (سادات) اور خلافت اسلامیہ

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت جو کچھ اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا' یہ صرف ان ہی کا اجتہاد یا الہام نہ تھا' بلکہ صحابہ کرام کی تمام اس جماعت کا' جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ رہنے کا موقع ملا تھا' یہی خیال تھا' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ہاشمی کو نہ کسی صوبہ کی مستقل حکومت عطا فرمائی' نہ کسی بڑی فوج کا خود مختار اور ذمہ دار سپہ سالار بنایا' جنگ موتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری پر نامزد فرمایا' مگر اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان پر مقدم

[1] وہ فاطمی کہلاتے تھے۔ مذہباً وہ شیعہ تھے۔ اس خاندان کو عبیدی خاندان/عبیدیین بھی کہا جاتا تھا۔

اور فائق رکھا' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چند روز کے لیے یمن کے خراج کی وصولی پر مامور فرمایا' مگر یمن کی اعلیٰ حکومت وافسری معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری کو تفویض کی۔

اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بنو ہاشم کو ذمہ دارانہ عہدوں اور صوبوں کی حکومتوں پر مامور نہیں فرمایا حالاں کہ یہ دونوں اولین خلیفہ بنو ہاشم کی بڑی تعظیم وتکریم بجالاتے' اور ان کی راحت وخوشنودی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے' اپنے کاموں میں ان ہی سے مشورہ طلب کرتے' اور عموماً انہیں کے مشوروں پر عمل بھی کرتے تھے' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر صاف فرمادیا تھا کہ اگر شرف نبوت کے ساتھ ان لوگوں کو حکومت بھی مل گئی' تو وہ لوگوں کو اپنے حد سے زیادہ محکوم ومغلوب پاکر غرور قومی میں مبتلا ہو جائیں گے' اور اس طرح اسلام کی حقیقی روح کو ضائع کر کے خود بھی ضائع ہو جائیں گے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص عہد جاہلیت کی عقیدت وعصبیت کی طرف ترغیب دلائے وہ واجب القتل ہے۔ پھر ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنی قرابت داری یا دوستی کی وجہ سے کسی کو امیر یا حاکم بنادیا' حالانکہ مسلمانوں میں اس سے بہتر شخص مل سکتا تھا' تو اس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اور تمام مسلمانوں کی خیانت کی۔

غرض صرف سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہی کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ خاندان نبوت کے لیے شرف نبوت ہی کافی ہے' اور اس کے ساتھ شرف حکومت کی جمع نہیں ہونا چاہیئے' بلکہ یہی عقیدہ اکثر دوسرے صحابہ کرام کا بھی تھا' اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا سے شرک کے مٹانے اور شرک کے امکانات کا استیصال کرنے کے لیے سادات عظام کو جو سردار دو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں' دنیا کی حکومت اور مادی دولت کا خواہش مند بھی نہ ہونا چاہیئے' تاکہ وہ فرزندی محمد اور اپنے آل رسول ہونے کا پورا پورا ثبوت پیش کر سکیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم نہ فرماتے کہ سادات عظام کے لیے صدقہ حرام ہے تو ہم کو یہ توقع ہو سکتی تھی کہ سادات یعنی خاندان نبوی ہی مستحق خلافت اور شہنشاہی کا حق دار ہے' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان نبوت کے لیے یہ انتظام فرمانا سب سے بڑی دلیل اس امر کی ہے' کہ دنیوی حکومت وسلطنت اور مادی دولت سے بے تعلق ہونا اپنے خاندان والوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تجویز فرما چکے' یا الہام الٰہی سے معلوم کر چکے تھے' سادات عظام کے لیے یہ اتنا بڑا فخر ہے' اور ان کے مرتبہ کو اتنا بلند کر دیتا ہے کہ دنیا کی دوسری قومیں جو شریعت اسلام سے تعلق رکھتی ہیں' ان پر جس قدر رشک کریں کم ہے۔

دنیوی دولت اور حکومت بھی وہ چیز ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور مہجور کر دیتی ہے' اور اسی

لیے قرآن و حدیث میں دولت دنیا کو حقارت کی نظر سے دیکھا گیا ہے' تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ دولت و حکومت کی وجہ سے علم صحیح بھی اعمال صالحہ پر لوگوں کو آمادہ نہیں کر سکا' پس شریعت حقہ کی حفاظت ان ہی لوگوں نے کی ہے جو دولت و حکومت سے کچھ زیادہ تعلق نہ رکھتے تھے' اور اسی قسم کے لوگ قیامت تک اسلام کی حفاظت کا کام کرتے رہیں گے۔

اس حدیث پر بھی غور کرو' جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''میں تم میں قرآن اور اپنی آل یعنی سادات کو چھوڑتا ہوں'' ۔[1]

پس یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہو جاتی ہے' کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عین منشائے حدیث کے موافق فرمایا تھا کہ ''میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ نبوت اور خلافت ہمارے خاندان میں جمع نہیں رہ سکتیں۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

ابتدائی حالات

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئے تھے' یعنی وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے چھ سال چھوٹے تھے' سیدنا امیر معاویہ کی ماں ہند بنت عتبہ کی شادی اول فاکہ بن مغیرہ قریشی سے ہوئی تھی' فاکہ کو ایک مرتبہ اپنی بیوی ہند کی عصمت و پاک دامنی کے متعلق شبہ گذرا' اس نے ہند کو ٹھوکریں مار کر گھر سے نکال دیا' اس کا لوگوں میں چرچا ہوا' اور ہند کے باپ عتبہ نے بیٹی سے پوچھا' کہ یہ کیا معاملہ ہے صاف بتاؤ' اگر فاکہ تم کو متہم کرنے میں سچا ہے تو ہم کسی شخص سے کہہ دیں گے کہ وہ فاکہ کو قتل کر دے گا' اور ہم بدنامی سے بچ جائیں گے' لیکن اگر وہ جھوٹا ہے' اور بلاوجہ بدنام کرتا ہے' تو ہم اس معاملہ کو کسی کاہن کی طرف رجوع کریں گے۔

ہند نے اپنی برات و بے گناہی ثابت کرنے کے لیے قسمیں کھائیں اور الزام سے قطعی انکار کیا' عتبہ کو جب بیٹی کی بے گناہی کا یقین آ گیا' تو اس نے فاکہ بن مغیرہ کو مجبور کیا کہ وہ اپنی قوم بنی مخزوم کے لوگوں کو ہمراہ لے کر یمن کے کسی کاہن کے پاس چلے......اسی طرح عتبہ بن ربیعہ بھی اپنے ہمراہ عبد مناف کے چند لوگوں اور ہند کو مع اس کی ایک سہیلی کے لے کر روانہ ہوا' کاہن کے پاس ان لوگوں نے پہنچ کر کہا کہ ان دونوں عورتوں کے معاملہ کی طرف توجہ کیجئے۔

---

[1] صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ان الاسلام بدأ غریبا

کاہن اول ہند کی سہیلی کے پاس گیا' اور اس کے دونوں مونڈھوں پر کچھ ضربیں لگا کر کہا کہ اٹھ' پھر ہند کے پاس آیا اور اس کو بھی مار کر کہا' اٹھ' نہ تجھ سے کوئی بدی سرزد ہوئی ہے نہ تو نے زنا کیا ہے' اور تو ایک بادشاہ کو جنے گی' جس کا نام معاویہ ہو گا۔

فاکہ نے یہ سن کر ہند کا ہاتھ پکڑ لیا' مگر ہند نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور کہا کہ اگر میرے پیٹ سے کوئی بادشاہ ہونے والا ہے تو وہ تیرے نطفہ سے نہ ہو گا۔ چنانچہ اس تصدیق بے گناہی کے بعد ہند نے فاکہ سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ اس کے بعد ابوسفیان بن حرب نے ہند سے شادی کر لی' اور معاویہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی عمر چالیس سال سے کچھ زیادہ تھی' ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال عمر میں بڑے تھے' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں لڑکپن ہی سے ایسے علامات پائے جاتے تھے' جس سے لوگ ان کو کسرائے عرب کہتے تھے' ان کی دانائی' خوش تدبیری' سلامت روی اور اعتدال پسندی کی خاص طور پر شہرت تھی' وہ طویل القامت' سرخ و سفید رنگ' خوبصورت' اور مہیب آدمی تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ عرب کے کسریٰ ہیں' جس روز معاویہ رضی اللہ عنہ تم میں سے اٹھ جائیں گے تو تم دیکھو گے کہ بہت سے سر جسموں سے جدا کئے جائیں گے۔ آخر عمر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ کسی قدر بڑھ گیا تھا اور ممبر پر بیٹھ کر خطبہ سناتے تھے' بیٹھ کر خطبہ سنانے کی ابتداء امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی سے ہوئی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خوب پڑھے لکھے آدمی تھے' فتح مکہ کے روز اپنے باپ ابوسفیان کے ہمراہ آ کر پچیس سال کی عمر میں مسلمان ہوئے' اور پھر وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے' جنگ حنین اور محاصرہ طائف میں بھی شریک تھے' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لا کر عمرہ ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے' تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ میں آئے اور کاتب وحی مقرر ہوئے' کتابت وحی کی خدمت کے علاوہ باہر سے آئے ہوئے وفود کی مدارت اور ان کے قیام و طعام کا اہتمام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ شام کی طرف بھیجا' تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ فوج دے کر ان کا کمکی مقرر کیا' فتوحات شام میں انہوں نے اکثر لڑائیوں کے اندر بطور مقدمۃ الجیش کا

رہائے نمایاں انجام دیئے اور اپنی شجاعت و مردانگی کا سکہ دلوں پر بٹھایا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو علاقہ اردن کا مستقل حاکم مقرر کیا' طاعون عمواس میں جب سیدنا ابوعبیدہ اور یزید بن ابی سفیان وغیرہ صحابی فوت ہو گئے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے بھائی یزید کی ولایت دمشق کا والی مقرر فرمایا' علاقہ اردن اور دوسرے اضلاع بھی ان کی حکومت میں شامل رہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لے گئے' تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کا استقبال کیا' اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہم رکاب رہے' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا کہ تم نے شاہانہ شان و شکوہ اختیار کی ہے' اور سنا ہے' کہ تم نے دربان بھی مقرر کیے ہیں؟

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ شام کی سرحدوں پر قیصر کی فوجوں کا اجتماع اور حملہ آوری کا ہمیشہ خطرہ رہتا ہے' قیصر کے جاسوس ملک شام میں پھیلے ہوئے ہیں' قیصر اور عیسائیوں کو مرعوب رکھنے کے لیے ظاہری شان و شوکت اور قیصر کے جاسوسوں سے محفوظ رہنے کے لیے دربانوں کو ضروری سمجھتا ہوں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس جواب کو معقول سمجھ کر پھر کوئی تعرض نہیں فرمایا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بحری حملے کی اجازت طلب کی کہ قسطنطنیہ پر بحری حملہ کیا جائے اور بحر روم کے جزیروں کو فتح کر لیا جائے' لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کی اجازت نہیں دی۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے' تو انہوں نے امیر معاویہ کو تمام ملک شام اور اس کے متعلقات کا حاکم بنا دیا' بحری فوج کے تیار کرنے کی بھی اجازت دے دی' ان کے اختیارات کو بھی وسیع کر دیا' سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام ملک شام پر قابض و متصرف ہو کر اس ملک میں حکومت اسلامیہ کو خوب مضبوط و مستحکم کیا اور ہمیشہ قیصر روم کو اپنی طرف سے خائف و مرعوب رکھ کر اس امر کا موقع نہیں دیا کہ عیسائی لوگ اسلامی ممالک پر حملہ آوری کی جرأت کر سکیں۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے مابین جو کچھ ہوا' اس کا ذکر پہلی جلد میں آ چکا ہے' ربیع الاول ۴۱ ہجری کے آخری عشرہ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان مصالحت ہوئی' اور تمام عالم اسلامی نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو خلیفہ وقت تسلیم کیا' اس وقت یعنی ربیع الاول ۴۱ ہجری تک امیر معاویہ بیس سال اور زندہ رہے' ان کی حکمرانی کا کل زمانہ چالیس سال ہے' اس چالیس سال کے نصف اول میں وہ ایک صوبہ دار یا گورنر تھے' اور نصف آخر میں خلیفہ نصف اول کے مجمل حالات اور اہم واقعات پہلی جلد میں بیان ہو چکے ہیں' اس جگہ ہم کو ان کے حالات بحیثیت خلیفہ یعنی نصف آخر کے واقعات بیان کرتے ہیں' اور ان کا نام بطور خلیفہ زیب

۹۲۲۶۵

عنوان کیا گیا ہے۔

فضائل و خصائل

علم، حلم اور حکمت: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سو تریسٹھ حدیثیں مروی ہیں، جن کو بعد میں ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابن زبیر رضی اللہ عنہ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ابن المسیب و حمید بن عبدالرحمن وغیرہ تابعین نے روایت کیا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی بہت سی حدیثیں مشہور ہیں، ترمذی نے احادیث حسن کے ذیل میں لکھا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا کہ "الٰہی معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت پانے والا کر دے۔[1] مسند امام احمد حنبل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الٰہی معاویہ رضی اللہ عنہ کو حساب کتاب سکھا اور عذاب سے بچا"[2] خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ کو خلافت کی اس وقت سے امید تھی، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جب تو بادشاہ ہو جائے تو لوگوں سے بحسن سلوک پیش آنا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حلم اور ان کی دانائی ضرب المثل کے طور پر مشہور تھی، ایک مرتبہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں حج سے فارغ ہو کر مدینہ میں آئے، اور یہاں چند روز ٹھہرے، ایک روز عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، کہ ابو قتادہ انصاری بھی اس طرف آ نکلے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ مجھ سے ملنے کے لیے تمام لوگ آئے مگر انصار نہیں آئے۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے پاس سواری نہیں ہے، اس لیے نہیں آ سکے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے اونٹ کیا ہوئے؟ ابو قتادہ نے جواب دیا کہ تمہارے اور تمہارے باپ کے تعاقب میں ہمارے سارے اونٹ تھک گئے ہیں، پھر کہنے لگے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میرے بعد ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ حق دار کے مقابلہ میں غیر حق دار کو ترجیح دیں گے۔ امیر معاویہ نے فرمایا کہ ایسی حالت کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کی نسبت ارشاد فرمایا ہے، کہ صبر کرنا چاہیے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس پھر تم صبر کرو۔

قریش میں سے ایک جوان آدمی امیر معاویہ کے پاس گیا، اور ان کو برا بھلا کہنے لگا، امیر معاویہ

---

[1] جامع ترمذی المحقق الالبانی رحمہ اللہ، ابواب المناقب۔

[2] فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم۔ مسند امام احمد بن حنبل بحوالہ حکمران صحابہ رضی اللہ عنہم الشیخ محمود غضنفر۔

نے اس کی بذزبانی سن کر فرمایا کہ اے میرے بھتیجے اس حرکت سے باز آ جا' کیوں کہ بادشاہ کا غصہ بچے کا سا ہوتا ہے اور اس کا مواخذہ شیر کا سا۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عاقلان عرب چار ہیں۔ معاویہ' عمرو بن العاص' مغیرہ بن شعبہ اور زیادہ۔ معاویہ حلم وخردمندی کی وجہ سے' عمرو بن العاص پیش آمدہ کے سلجھانے کی قابلیت کے سبب سے' مغیرہ اوسان خطا نہ ہونے کی وجہ سے' اور زیاد ہر چھوٹی بڑی بات میں رضی اللہ عنہم نیز قاضی بھی چار ہیں' عمر رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ' ابن مسعود رضی اللہ عنہ' زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر قرآن وفقہ کا عالم' اور طلحہ بن عبید اللہ سے بڑھ کر بغیر سوال کے عطا کرنے والا' اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حلیم وعاقل اور عمرو بن العاص سے بڑھ کر خالص دوست میں نے نہیں دیکھا۔

سیدنا عقیل بن ابی طالب ایک روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر از راہ خوش طبعی کہا کہ دیکھو یہ عقیل ہیں' ان کے چچا ابولہب تھے' سیدنا عقیل نے فوراً جواب میں کہا کہ دیکھو یہ معاویہ ہیں' ان کی پھوپھی حمالۃ الحطب تھی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس سے کسی نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا حلم غصہ کے لیے تریاق تھا اور ان کی سخاوت زبانوں پر قفل لگا دیتی تھی' ان کو دلوں کو جوڑنا خوب آتا تھا اور یہی سبب ان کے استحکام حکومت کا ہوا۔ ایک روز امیر معاویہ نے خود فرمایا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں مجھ کو جو کامیابی حاصل ہوئی اس کے چار سبب ہیں:

① یہ کہ میں اپنے راز کو مخفی رکھتا تھا' اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ تمام باتیں لوگوں پر ظاہر کر دیتے تھے۔
② یہ کہ میرے پاس فرماں بردار فوج تھی' اور علی رضی اللہ عنہ کے پاس نافرمان لوگ تھے۔
③ یہ کہ میں نے جنگ جمل میں مطلق حصہ نہیں لیا۔
④ یہ کہ میں قریش میں مقبول تھا اور علی رضی اللہ عنہ سے لوگ ناراض تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اہم واقعات

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو عالم اسلام میں عقائد واعمال کے اعتبار سے تین قسم کے لوگ موجود تھے۔

پہلا گروہ شیعان علی رضی اللہ عنہ کا تھا' یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مستحق خلافت سمجھتے تھے اور اب ان کے بعد ان ہی کی اولاد کو منصب خلافت کا حق دار مانتے تھے' یہ گروہ عراق وایران میں زیادہ آباد تھا' اور مصر میں بھی اس خیال کے لوگ بکثرت پائے جاتے تھے' مگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت چھوڑ دینے اور امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لینے سے اس گروہ کی تعداد پہلے سے بہت کم ہو گئی تھی۔

دوسرا گروہ شیعان معاویہ رضی اللہ عنہ یا شیعان بنو امیہ کا تھا' اس گروہ میں تمام ملک شام اور بنو کلب وغیرہ بعض حجازی قبائل بھی شامل تھے۔ یہ لوگ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کی وجہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنوامیہ ہی کو مستحق خلافت سمجھتے' اور ان کی امداد واعانت کے لیے ہر طرح آمادہ تھے۔

تیسرا گروہ خوارج کا تھا' یہ لوگ شیعان علی رضی اللہ عنہ اور شیعان بنی امیہ دونوں کو گمراہ اور کافر یقین کر کے ان کے مقابلہ میں ہر قسم کی قوت وشدت کام میں لاتے تھے' ان ہی میں منافق اور سازشی لوگ بھی جو متفقہ طور پر عالم اسلام کے دشمن تھے' ملے جلے رہتے تھے' ان خوارج کی تعداد زیادہ تر ملک عراق یعنی بصرہ وکوفہ اور ایران میں موجود تھی۔

ان تین گروہوں کے علاوہ ایک چوتھا گروہ ایسے لوگوں کا بھی موجود تھا جو ان تمام جھگڑوں اور ہنگاموں سے الگ تھلگ رہنا اور خاموشی وگوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے' ان لوگوں میں اکثر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ یہ لوگ زیادہ تر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں پائے جاتے تھے اور حجاز کے دیہات یا اونٹوں کی چراگاہوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔

خوارج سے مقابلہ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلے خوارج کا مقابلہ کرنا پڑا' جب ربیع الاول ۴۱ ھجری کے آخری عشرہ میں صلح نامہ تحریر ہوا' اور کوفہ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت عام ہوئی' تو فروہ بن نوفل اشجعی خارجی پانچ سو خارجیوں کی جمعیت لے کر علانیہ مخالفت پر آمادہ اور کوفہ سے نکل کر مقام نخیلہ میں جا کر خیمہ زن ہوا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے ساتھ زیادہ سختی وتشدد نامناسب سمجھ کر تدبیر سے کام لیا' اہل کوفہ کو جمع کر کے نصیحت کی' اور کہا کہ یہ لوگ تمہارے ہی بھائی بند ہیں تم ہی ان کو سمجھاؤ' اور جنگ و مخالفت کے بدنتائج سے آگاہ کرو' قبیلہ اشجع کے لوگوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ گئے اور فروہ بن نوفل اشجعی کو پکڑ کر باندھ لائے۔

فروہ کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن ابی الحوساء کو اپنا سردار بنا لیا' اور صلح کی طرف قطعاً اپنا میلان ظاہر نہ کیا' آخر کوفیوں نے ان کا مقابلہ کیا اور عبداللہ لڑائی میں مارا گیا۔

اس کے بعد ان کی تعداد صرف ڈیڑھ سو رہ گئی' اور حوثرہ اسدی کو انہوں نے اپنا سردار بنا لیا' ان بقیہ لوگوں کو بھی مصالحت کی دعوت دی گئی' لیکن انہوں نے لڑ کر مر جانا پسند کیا اور مصالحت کی طرف

متوجہ نہ ہوئے' آخر ابوحوثرہ اور اس کے ہمراہی لڑ کر مارے گئے' اور کچھ لوگ عراق و ایران کے مختلف شہروں میں چلے گئے۔

یہ پہلا مقابلہ تھا جو امیر معاویہ کو خلیفہ مقرر ہوتے ہی کوفہ میں پیش آیا اور ساتھ ہی خارجیوں کی اسی قسم کی جمعیت کا حال معلوم ہوا کہ ہر شہر میں موجود اور تمام عراق میں پائی جاتی ہیں۔

عمال کا تقرر

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر کی حکومت تو پہلے ہی سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دے دی تھی' اب تمام عالم اسلام کے خلیفہ ہونے پر سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو مکہ کا اور مروان بن حکم کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا' سعید اور مروان دونوں ان کے رشتہ دار تھے' اس لیے مکہ و مدینہ میں انہوں نے ان دونوں کو مقرر و مامور فرمایا تاکہ عالم اسلامی کے ان دونوں مرکزی شہروں میں ان کے خلاف کوئی گروہ پیدا نہ ہو اور کوئی سازش کامیاب نہ ہو سکے' وہ ہر سال حج کے لیے خود نہیں جاتے تھے' اس لیے ان ہی دونوں میں سے کوئی ایک امیر حج بھی ہوتا تھا' ان کو اس بات کا بھی خیال تھا کہ مکہ و مدینہ کی مرکزیت سے فائدہ اٹھا کر ان دونوں میں سے کوئی ایک اگر چاہے' تو ان کے خلاف طاقت و اثر پیدا کر سکتا ہے لہٰذا وہ ان دونوں کو ہر سال ایک دوسرے کی جگہ تبدیل کرتے رہتے تھے۔

کوفہ میں بیعت خلافت لینے کے بعد ہی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا اور سمجھایا کہ خوارج کے فتنہ کو جس طرح ممکن ہو دور کرو' باقی صوبوں اور ولایتوں کے حاکموں کے نام پروانے بھیجے' اور ان کو لکھا کہ لوگوں سے ہمارے نام پر بیعت لے لو اور اپنے آپ کو ہماری جانب سے منصوب و مامور سمجھو۔

فارس کی حکومت پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو مقرر و مامور کر رکھا تھا' زیاد شیعان علی رضی اللہ عنہ میں سے سمجھا جاتا تھا' زیاد کی عقل و دانائی تمام ملک عرب میں مشہور تھی' فارس کے صوبہ پر زیاد کی حکومت نہایت عمدگی سے قائم تھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ اگر زیاد منحرف ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ بنا کر اس کی بیعت کر لے اور مجھ سے باغی ہو جائے تو بڑی مشکل پیش آئے گی' اس لیے انہوں نے زیاد کو قابو میں لانے کی تدبیر سب سے مقدم سمجھی۔

زیاد بن ابی سفیان

زیاد کی ماں سمیہ حارث بن کلاب ثقفی کی لونڈی تھی' زیاد کے باپ کی نسبت لوگوں کو کچھ شبہ تھا' حقیقت یہ تھی کہ سمیہ کے ساتھ ابوسفیان نے زمانہ جاہلیت میں نکاح کیا تھا اور ابوسفیان کے نطفہ سے

زیاد کی پیدائش ہوئی تھی، زیاد کی شکل وصورت بھی ابوسفیان سے بہت مشابہ تھی، لیکن ابوسفیان کے خاندان والے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا تسلیم نہ کرتے تھے، زیاد نے جب یہ سنا کہ امیر معاویہ کو خلیفہ وقت تسلیم کرلیا گیا تو انہوں نے بیعت کرنے اور امیر معاویہ کے خلیفہ وقت تسلیم کرنے میں تامل کیا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہی مناسب سمجھا کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو جو زیاد کے دوست بھی تھے امان نامہ دے کر زیاد کے پاس بھیجیں، اور ان کو ابوسفیان کا بیٹا تسلیم کر کے اپنے خاندان اور نسب میں شامل کرلیں۔

چنانچہ مغیرہ بن شعبہ امان نامہ لے کر زیاد کے پاس فارس گئے اور وہاں کے تمام حساب وکتاب اور خزانہ کی تصدیق کر کے زیاد کو اپنے ہمراہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کی خوب آؤ بھگت کی، ان کو اپنا بھائی تسلیم کیا، تمام تحریروں میں ان کا نام زیاد بن ابی سفیان لکھا جانے لگا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ زیاد کو ابی سفیان کا بیٹا یقین کرتے تھے کیونکہ ان کے سامنے ابی سفیان نے خود ایک موقع پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تسلیم کیا تھا کہ زیاد میرا بیٹا ہے، اسی لیے انہوں نے زیاد کو فارس کا حاکم مقرر کیا تھا، اب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کی عزت اور مرتبہ بڑھا کر زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا، اور اہل بصرہ کے درست کرنے اور درست رکھنے کی فرمائش کی۔

زیاد نے بصرہ میں پہنچ کر اہل بصرہ کو جامع مسجد میں مخاطب کر کے ایک نہایت زبردست تقریر کی، اہل بصرہ اس زمانہ میں زیادہ ناہموار ہو گئے تھے، اور چوریوں، ڈکیتیوں، اور بغاوتوں کا بہت زور تھا، زیاد نے بصرہ میں جاتے ہی مارشل لا نافذ کر دیا اور حکم دیا کہ جو شخص رات کو اپنے گھر سے باہر راستے یا میدان میں دیکھا جائے گا وہ فوراً بلا سماعت عذر قتل کر دیا جائے، چنانچہ اس حکم کی بڑی سختی سے تعمیل ہوئی اور چند روز کے بعد اہل بصرہ کے تمام تکلے کی طرح بل نکل گئے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بصرہ میں زیاد کو اور کوفہ میں مغیرہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما کر عراق وفارس کی طرف سے بہت مطمئن ہو گئے تھے، کیوں کہ ایران کے تمام صوبے کوفے اور بصرے کے ماتحت تھے، زیاد کی حکومت براہ راست امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فارس، جزیرہ اور بحستان تک وسیع کر دی تھی اور یہ تمام علاقے گورنر بصرہ کی حکومت میں شامل کر کے انہوں نے مشرقی فتنوں کا سدباب کر دیا تھا۔

خوارج کے فتنے آئے دن عراق وفارس میں برپا ہوتے رہتے تھے، لیکن زیاد ومغیرہ دونوں نے ان فتنوں کو بڑی قابلیت اور ہمت کے ساتھ فرو کیا اور کوئی ایسی نازک حالت پیدا نہ ہونے دی جس سے امیر معاویہ کی پریشانیوں میں اضافہ ہو۔ زیاد نے اپنے متعلقہ علاقوں میں صرف سختی ہی سے کام

نہیں لیا بلکہ جہاں کہیں نرمی اور محبت کی ضرورت ہوتی تھی وہاں نرمی اور رعایت سے بھی کام لیتے تھے' ایک مرتبہ ان کو معلوم ہوا کہ ابوالخیر جو ایک بہادر اور عقلمند شخص ہے خوارج کا ہم خیال ہو گیا ہے' انہوں نے فوراً ابوالخیر کو بلایا' اور جند سابور کا عامل مقرر کر کے بھیج دیا' اور اس طرح پیش آنے والے خطرہ کا نہایت عمدگی کے ساتھ سدباب ہو گیا۔

عمرو بن العاص کی وفات

۴۳ ہجری میں مصر کے حاکم سیدنا عمرو بن العاص فوت ہوئے' ان کی جگہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر کا حاکم مقرر کیا' اسی سال کوفہ میں خوارج نے یہ دیکھ کر کہ مغیرہ بن شعبہ زیاد بن ابی سفیان کی طرح زیادہ سختی نہیں کرتے اور چشم پوشی سے بہت کام لیتے ہیں' بغاوت کے لیے ایک سازش شروع کی' مغیرہ بن شعبہ کی جگہ اگر کوفہ میں زیاد بن ابی سفیان ہوتے' تو خوارج کو اس سازش کی جرأت نہ ہوتی کیونکہ زیاد بن ابی سفیان خوارج کی نبض کو خوب پہچانتے تھے' اور بصرہ والوں کو انہوں نے اچھی طرح سیدھا کر دیا تھا۔

مستورد بن علقمہ کی سرداری میں تین سو سے زیادہ خوارج یکم شوال ۴۳ ہجری کو عین عید الفطر کے روز کوفہ سے نکلے' مغیرہ نے ان تین سو کی گرفتاری کے لیے تین ہزار کا لشکر بھیجا' مقابلہ ہوا' اور تین سو خوارج نے تین ہزار کے لشکر کو شکست دی' اس کے بعد اور فوج بھیجی گئی' اس کو بھی شکست ہوئی' بالآخر معقل بن قیس کی سرداری میں ایک زبردست لشکر مغیرہ نے روانہ کیا' نتیجہ یہ ہوا کہ معقل بن قیس اور مستورد بن علقمہ دونوں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے اور خوارج کے پانچ آدمیوں کے سوا سب کے سب کھیت رہے' اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ مغیرہ بن شعبہ خوارج کی طرف سے زیادہ چوکس رہنے لگے۔

بحری بیڑے کی تیاری

قیصر روم کی طرف سے ملک شام کی شمالی سرحدوں کو ہمیشہ خطرہ رہتا تھا' شام کے ساحل پر بحری حملوں کا بھی اندیشہ تھا' مصر و افریقہ پر بھی رومیوں کی بحری چڑھائیاں ہوتی رہتی تھیں' سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشرقی مسائل کی طرف سے مطمئن ہو کر رومی خطرہ کی طرف اپنی تمام تر ہمت صرف کی' بحری فوج تیار کی' بحری فوج کے سپاہیوں کی تنخواہیں زیادہ کیں' تاکہ بحری فوج میں داخل ہونے کی لوگوں کو ترغیب ہو۔ قریباً دو ہزار جنگی کشتیاں تیار کرائیں اور جنادہ بن امیہ کو بحری فوج کا سپہ سالار یا امیر البحر مقرر فرمایا۔

بری فوجوں کو بھی پہلے سے زیادہ مضبوط کیا' انتظامی فوج (پولیس) کے علاوہ جنگجو فوج اور جارحانہ پیش قدمی کرنے والی فوج کا جداگانہ انتظام کیا' اس فوج کے دو حصے بنائے' ایک کا نام شاتیہ یعنی سرمائی فوج رکھا اور دوسری کا نام صائفہ یعنی گرمائی لشکر تجویز کیا' اس طرح گرمی وسردی دونوں موسموں میں بری فوج سرحدوں پر رومی لشکر کو ہٹانے اور دبانے میں مصروف رہنے لگی۔

ادھر بحری لشکر نے قبرص روڈس وغیرہ جزیروں کو اپنا مستقر ومرکز بنا کر قیصر کے جہازوں کو بحر روم سے بے دخل کر کے مصر وشام کے ساحلوں کو بحری حملوں سے محفوظ کر دیا۔

۴۳ ہجری میں بجستان کے ملحقہ علاقے رخج وغیرہ فتح ہوئے' اسی سال برقہ وسوڈان کی طرف اسلامی لشکر نے پیش قدمی کی اور ان علاقوں میں حکومت اسلامیہ کا رقبہ بہت وسیع ہوا۔

قسطنطنیہ پر حملہ

۴۸ ہجری میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر کی طاقتوں کا اندازہ کرنے کے بعد مناسب سمجھا کہ اب قیصر کے دارالسلطنت قسطنطنیہ پر بحری حملہ کر کے قیصری رعب کو مٹا دیا جائے اور آئندہ کے لیے عیسائیوں کے حوصلوں کو ایسا پست کیا جائے کہ وہ اسلامی حدود کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکیں' انہوں نے قسطنطنیہ پر فوج کشی کرنے کا مصمم ارادہ فرما کر مکہ و مدینہ میں بھی اعلان کرا دیا کہ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا حملہ ہونے والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مشہور تھی اور سب کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "پہلا لشکر میری امت کا جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا وہ مغفرت یافتہ ہے"[1]

لہٰذا اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن زبیر' عبداللہ بن عباس' حسین بن علی' ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم وغیرہ وعدہ مغفرت کے شوق میں آ آ کر شریک لشکر ہوئے' ایک عظیم الشان لشکر مرتب ہو گیا تو سفیان بن عوف کی سپہ سالاری میں قسطنطنیہ کی جانب روانہ کیا' سفیان بن عوف کی ماتحتی میں اپنے بیٹے یزید کو بھی جو صائفہ فوج کا افسر تھا' ایک حصہ فوج کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔

یہ لشکر بحری راستے سے روانہ ہوا' اور ایک حصہ بری راستے سے بھی قسطنطنیہ کی جانب روانہ کیا گیا' مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا' چوں کہ فصیل شہر مضبوط اور شہر کا محل وقوع قدرتی طور پر بے حد مضبوط تھا' لہٰذا یہ محاصرہ اور مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہو سکا' بعض بڑے بڑے جاں باز' شیر مرد اسلامی لشکر کے شہید ہوئے۔ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اثنائے محاصرہ ہی میں وفات پائی' اور فصیل

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الجہاد' حدیث ۲۹۲۴۔

شہر کے نیچے دفن کئے گئے۔

سردی کی شدت اور قدرتی موانع کے سبب مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کئے بغیر واپس چلے آئے' بظاہر یہ حملہ ناکام ثابت ہوا' کیونکہ قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہو سکا' لیکن نتائج کے اعتبار سے مسلمانوں کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ یعنی قیصر اور قیصری لشکر نے مسلمانوں کے واپس چلے جانے کو بہت ہی غنیمت سمجھا۔ اور اس کے بعد قیصر کی طرف سے کسی حملہ آوری کا خطرہ بالکل دور ہو گیا اور وہ تمام علاقے جو اب تک مسلمانوں اور عیسائیوں کے متنازعہ فیہ چلے آتے تھے' مستقل طور پر مسلمانوں کے قبضہ وتصرف میں آ گئے۔

افریقہ پر حملہ اور فتوحات

۵۰ ہجری میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عقبہ بن نافع کو مصر و برقہ وسوڈان کا سپہ سالار بنا کر بھیجا' اور بعد میں دس ہزار کا لشکر ان کے پاس بھیج کر حکم دیا کہ مغرب کی جانب براعظم افریقہ کو فتح کرتے ہوئے چلے جائیں' بربری لوگوں کی اب تک یہ حالت رہی تھی کہ جب کبھی اسلامی لشکر ان کے علاقے میں پہنچتا' وہ مسلمانوں کے فرماں بردار بن جاتے' جب مسلمانوں کو غافل اور دوسری طرف مصروف دیکھتے' باغی ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیتے' عقبہ بن نافع نے مصر و برقہ سے گذر کر مغرب الادنیٰ یعنی ٹیونس وطرابلس پر حملہ کیا' اور اس تمام علاقے کو فتح کرنے کے بعد مغرب الاوسط یعنی تلمسان والجزائر (الجیریا) کی طرف بڑھے۔

سندھ پر حملہ اور فتوحات

اسی سال مکران وبلوچستان کے عامل عبداللہ بن سوار نے سندھیوں کی تادیب کے لیے سندھ پر حملہ کیا اور سندھیوں نے جو پہلے سے جنگ کی تیاری کئے ہوئے تھے مقام کیقان میں جم کر مقابلہ کیا' عبداللہ بن سوار میدان جنگ میں شہید ہوئے' ان کے بعد مہلب بن ابی صفرہ نے سندھ پر انتقاماً چڑھائی کی اور سندھ کا ایک بڑا حصہ فتح کیا۔

یزید کی ولی عہدی

اسی سال یعنی ۵۰ ہجری میں مغیرہ بن شعبہ کوفے سے دمشق آ گئے' اور انہوں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ مدینہ میں دیکھا ہے اور تمام نظارے میری آنکھوں میں گھوم رہے ہیں کہ خلافت کے متعلق مسلمانوں میں کیسی کیسی ہنگامہ آرائیاں ہوئی ہیں' پس میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ آپ اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ نامزد فرما دیں' اسی

میں مسلمانوں کی بہتری اور رفاہیت ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اب تک اس کا خیال بھی نہ گذرا تھا کہ اپنے بیٹے کو خلیفہ بنانے کی تمنا کریں' مغیرہ بن شعبہ سے یہ الفاظ سن کر پہلی مرتبہ ان کی توجہ اس طرف مائل ہوئی' انہوں نے مغیرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ ممکن ہے کہ لوگ میرے بعد میرے بیٹے کی خلافت کے لیے بیعت کر لیں؟ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بات بڑی آسانی سے ممکن ہے' کوفہ والوں کو میں آمادہ کر لوں گا' بصرہ والوں کو زیاد بن ابی سفیان مجبور کر دیں گے' مکہ و مدینہ میں مروان بن حکم اور سعید بن عاص لوگوں کو ہموار کر سکیں گے' ملک شام میں کسی قسم کی مخالفت کا امکان ہی نہیں' یہ سن کر امیر معاویہ نے مغیرہ کو کوفہ کی جانب واپس بھیجا' کہ وہاں جا کر اس کام کو انجام دو۔

اسی واقعہ کو ایک دوسری روایت میں اس طرح لکھا ہے' کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ حاکم کوفہ کو لکھا کہ تم میرا یہ خط پڑھتے ہی اپنے آپ کو معزول سمجھو' مگر جب یہ خط مغیرہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس کی تعمیل میں دیر کی' جب وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے' تو انہوں نے تعمیل حکم میں دیر کرنے کی وجہ دریافت کی' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دیر کی وجہ یہ تھی کہ میں ایک خاص کام کی تیاری میں مصروف تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ کام کیا تھا؟ مغیرہ نے کہا کہ میں لوگوں سے تمہارے بیٹے یزید کی آئندہ خلافت کے لیے بیعت لے رہا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر خوش ہو گئے اور انہوں نے مغیرہ کو پھر بحال کر کے کوفہ کی جانب روانہ کر دیا' جب دمشق سے کوفہ میں واپس آئے تو کوفہ والوں نے پوچھا کہ کہیے کیا گذری؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک ایسی دلدل میں پھنسا آیا ہوں کہ وہ اس سے قیامت تک نہیں نکل سکتا۔

بہر حال اس میں شک نہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مغیرہ بن شعبہ ہی نے ایک ایسے کام پر آمادہ کیا' جس سے آئندہ مسلمانوں میں باپ کے بعد بیٹا بادشاہ ہونے لگا اور مشورہ و انتخاب کا دستور جاتا رہا' یزید امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا تھا' باپ کو بیٹے کے ساتھ محبت ہونا اور باپ کا بیٹے کی حکومت و عزت بڑھانے کے لیے کوشش کرنا ایک فطری تقاضا ہے' اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کچھ نہ کچھ معذور بھی سمجھے جا سکتے ہیں' لیکن مغیرہ بن شعبہ کی طرف سے کوئی معذرت پیش نہیں ہو سکتی۔[1]

[1] صحیح سند کے ساتھ یہ واقعہ ثابت نہیں۔ روافض اور منافقین نے ہزاروں جھوٹی روایات کو احادیث کے طور پر مشہور کیا۔ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں اللہ کے خوف کو ملحوظ نہیں رکھتے' وہ خلفاء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ کا خوف کیسے کریں گے۔ ایسے جھوٹے واقعات و روایات سے کتب تاریخ بھری پڑی ہیں۔ ان میں جہاں صحیح الاسناد روایات موجود ہیں' وہاں سینکڑوں جھوٹی روایات بھی جگہ پا گئی ہیں۔

اہل کوفہ کی تائید

مغیرہ نے کوفہ میں آ کر وہاں کے شرفاء اور روساء کو بلا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ یزید کی ولیعہدی پر رضامند ہو جائیں' جب کوفہ کے بااثر لوگ اس بات پر رضامند ہو گئے' اور انہوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ آئندہ مسلمانوں کو فتنہ و فساد اور خوں ریزی سے اسی طرح نجات مل سکتی ہے کہ امیر المومنین اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد نامزد فرما دیں' تو مغیرہ نے اپنے بیٹے موسیٰ کے ہمراہ اکابر کوفہ کا ایک وفد امیر معاویہ کے پاس روانہ کیا۔

ان لوگوں نے دمشق میں حاضر ہو کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم اس رائے کو پسند کرتے ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کے لیے بیعت لے لی جائے' اس وفد کے آنے سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ارادے اور خواہش میں جو مغیرہ پیدا کر گئے تھے' اور بھی قوت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے وفد مذکور کو عزت کے ساتھ رخصت کیا اور کہا کہ جب وقت آئے گا تم لوگوں سے بیعت لے لی جائے گی۔

امیر معاویہ بہت دور اندیش اور احتیاط کو کام میں لانے والے شخص تھے' وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ عالم اسلام کی کثرت آراء ان کی خواہش کے موافق ہے یا نہیں' اب انہوں نے ایک طرف مروان بن حکم والی مدینہ کو' دوسری طرف زیاد بن ابی سفیان والی بصرہ کو لکھا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں' مجھ کو خوف ہے کہ میرے بعد مسلمانوں میں خلافت کے لیے فتنہ و فساد برپا نہ ہو' میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں کسی شخص کو نامزد کر دوں کہ وہ میرے بعد خلیفہ ہو' بوڑھے لوگوں میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا' نوجوانوں میں میرا بیٹا یزید سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے' تم کو چاہیئے کہ لوگوں سے احتیاط کے ساتھ اس معاملہ میں مشورہ کرو اور ان کو آئندہ یزید کی خلافت کے لیے بیعت کرنے پر آمادہ کرو۔

والیٔ بصرہ کا اندیشہ

زیاد بن ابی سفیان والی بصرہ کے پاس خط پہنچا' تو انہوں نے بصرہ کے ایک رئیس عبید بن کعب نمیری کو بلا کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط دکھایا اور کہا کہ میرے نزدیک امیر المومنین نے اس معاملہ میں عجلت سے کام لیا ہے' اور اچھی طرح غور نہیں فرمایا' کیونکہ یزید ایک لہو و لعب میں مصروف رہنے والا نوجوان ہے' لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ سیر و شکار میں بہت مشغول رہتا ہے' وہ ضرور اس کی بیعت میں پس و پیش کریں گے۔

عبید بن کعب نے کہا کہ آپ کو امیر المومنین کی رائے کے خلاف اظہار رائے کی ضرورت نہیں' آپ مجھ کو دمشق بھیج دیجیے' میں یزید سے جا کر ملوں گا اور اس کو سمجھاؤں گا کہ تم اپنی حالت میں اصلاح

پیدا کرو تا کہ تمہاری بیعت میں کوئی دقت اور رکاوٹ پیدا نہ ہو یقین ہے کہ یزید ضرور اس نصیحت کو مان لے گا' جب اس کی حالت میں خوش گوار تبدیلی پیدا ہو گی' تو پھر لوگوں کو بھی بیعت میں کوئی تامل نہ ہو گا اور امیر المومنین کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ زیاد نے اس رائے کو پسند کر کے فوراً عبید کو دمشق کی جانب روانہ کر دیا' عبید نے یزید کو تمام نشیب و فراز سمجھائے' اور یزید نے اپنی حالت میں نمایاں تبدیلی کر کے لوگوں کی زبانوں کو بند کر دیا۔

اہل مدینہ کا ردعمل

مدینہ منورہ میں جب مروان کے پاس خط پہنچا' تو اس نے شرفائے مدینہ کو جمع کر کے اول صرف اس قدر سنایا کہ امیر المومنین کا ارادہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں مسلمانوں کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے کے لیے کسی شخص کو اپنے بعد خلافت کے لیے نامزد فرما دیں' یہ سن کر سب نے کہا کہ یہ رائے بہت پسندیدہ ہے' ہم سب اس کے موید ہیں' چند روز کے بعد مروان بن حکم نے پھر لوگوں کو جمع کیا اور سنایا' کہ دمشق سے امیر المومنین کا دوسرا خط آیا ہے' انہوں نے لکھا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کی بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے یزید کو ولیعہدی کے لیے منتخب کیا ہے' یہ سن کر عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے سخت مخالفت کا اظہار کیا' اور کہا کہ یہ انتخاب مسلمانوں کی بہتری کے لیے نہیں بلکہ بربادی کے لیے کیا گیا ہے' کیوں کہ اس طرح تو خلافت اسلامیہ قیصر و کسریٰ کی سلطنت سے مشابہ ہو جائے گی' کہ باپ کے بعد بیٹا تخت نشین ہوا کرے' یہ انتخاب منشائے اسلام کے خلاف ہے۔

ایک شبہے کا ازالہ

اس جگہ جملہ معترضہ کے طور پر اس طرف توجہ دلانی ضروری ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مروان بن حکم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے منشاء کا اعلان کیا ہے' تو سیدنا حسن کے انتقال کو چند ہی مہینے گذرے تھے' لوگوں کو عام طور پر اس بات کا بھی علم تھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت کرتے وقت عبداللہ بن عامر کی کوشش کے موافق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معاہدہ صلح میں اس اقرار کو اپنی طرف سے درج کرانے پر آمادہ تھے' کہ ان کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے جائیں' لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ بات صلح نامہ میں درج نہیں کرائی' لوگوں کا خیال تھا کہ اگرچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی آئندہ خلافت کا کوئی تذکرہ عہد نامہ میں درج نہیں ہوا' مگر عالم اسلام سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہو جائے گا۔

مروان بن حکم نے مدینہ میں جب پہلی مرتبہ امیر معاویہ کے خط کا مضمون سنایا' تو اکثر کا خیال

اسی طرف گیا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے سبب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ کسی کو خلیفہ نامزد کریں، کیوں کہ جب تک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ زندہ تھے، اس وقت تک وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہی کو نامزد شدہ آئندہ خلیفہ سمجھتے تھے، اس تصور میں ایک طرف سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پاک نیتی و انصاف پسندی مضمر تھی، تو دوسری طرف ان لوگوں کے دلوں میں جو اپنے آپ کو تخت خلافت کا مستحق سمجھتے تھے امید کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔ مروان نے جب دوسری مرتبہ یزید کی نسبت اعلان کیا، تو وہ دونوں باتیں جو پہلے اعلان سے پیدا ہوئی تھیں یک لخت منہدم ہو گئیں، اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کارروائی کے متعلق قسم قسم کے شبہات پیدا ہونے لگے، بعض لوگوں نے تو یہاں تک مضمون آفرینی کی، کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوایا تھا، جبکہ یزید کی ولیعہدی کے ابتدائی اعلان سے پیشتر کسی قسم کا وہم وگمان بھی اس طرف منتقل نہیں ہوا تھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوشش وخواہش میں کوئی تعلق ہے یا نہیں۔

اس جگہ قارئین کرام کو اس طرف توجہ دلانی مناسب ہے، کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن زہر خورائی امام حسن رضی اللہ عنہ سے قطعاً پاک ہے، اور مغیرہ بن شعبہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کی ولیعہدی کے لیے توجہ دلائی تھی اور خود ان کو پہلے سے اس کا کوئی خیال ہی نہ تھا۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جس طرح یزید کی ولیعہدی میں محرک تھے، اسی طرح وہ اس کام کے سرانجام دلانے کے مہتمم اور سب سے زیادہ کوشش کرنے والے بھی تھے، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل مدینہ اور اہل حجاز کی مخالفت کا حال مروان بن حکم کے خط سے معلوم کرنے کے بعد کچھ خاموش تھے، اور سوچ رہے تھے کہ اہل مدینہ کو کس طرح رضامند کیا جائے، کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ نے وفات پائی، یہ ۵۱ ہجری کا واقعہ ہے۔

زیاد حاکم عراقین

مغیرہ بن شعبہ کی وفات کی خبر سن کر انہوں نے زیاد بن ابی سفیان کو کوفہ کی حکومت بھی سپرد کر دی اور زیاد حاکم عراقین کہلائے۔

زیاد بن ابی سفیان کوفہ میں

زیاد بن ابی سفیان کو بصرہ و کوفہ دونوں جگہ کی حکومت سپرد کرنے میں یہ مصلحت بھی تھی، کہ جس طرح وہ تمام اہل عراق کو بیعت یزید پر آمادہ کرنے کی خدمت انجام دے سکتے تھے کوئی دوسرا اس کام

کو بہ حسن و خوبی پورا نہیں کر سکتا تھا' مغیرہ بن شعبہ کے مزاج میں کسی قدر نرمی اور درگذری بھی تھی' لیکن زیاد بن ابی سفیان عراقیوں کے مزاج سے خوب واقف تھے' وہ جانتے تھے کہ جب تک ان کے ساتھ سختی نہ برتی جائے یہ راہ راست پر قائم نہیں رہ سکتے' اسی لیے ان کی حکومت کا زمانہ بہت کامیاب رہا اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جو کوفہ و بصرہ دونوں کے حاکم مقرر ہوئے' اور بعد میں تمام ایران و خراسان بھی ترکستان تک ان کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

زیاد بن ابی سفیان کوفہ میں

زیاد بن ابی سفیان نے بصرہ میں سمرہ بن جندب کو اپنا نائب مقرر کیا' اور خود کوفہ کی طرف دو ہزار آدمی لے کر روانہ ہوئے' کوفہ کی جامع مسجد میں جا کر جب پہلی مرتبہ انہوں نے خطبہ سنانا شروع کیا تو اہل کوفہ نے جو اپنے حاکموں کی تحقیر اور حکومت وقت کی خلاف ورزی کے عادی تھے' ان کے ساتھ بھی تمسخرانہ برتاؤ شروع کیا' یعنی چاروں طرف سے ان کی جانب سنگریزے آنے لگے۔

زیاد نے فوراً خطبہ بند کر کے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا' کہ مسجد کا محاصرہ کر کے کسی شخص کو باہر نہ نکلنے دیں' پھر مسجد کے دروازے پر کرسی بچھا کر بیٹھ گئے اور چار چار شخصوں کو بلا کر قسمیں لینے لگے کہ انہوں نے سنگریزے پھینکے ہیں یا نہیں' کل تیس آدمی ایسے نکلے جنہوں نے سنگریزے پھینکے تھے' باقی کو چھوڑ کر ان تیس کے ہاتھ کٹوا دیئے' اسی طرح اور بعض سخت سزائیں اہل کوفہ کو ان کی غلطیوں پر دی گئیں' تو چند روز میں وہ بالکل سیدھے ہو گئے' زیاد چھ مہینے کوفے اور چھ مہینے بصرے میں رہنے لگے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمال سے مشاورت

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کے نام ایک حکم جاری کیا کہ لوگوں سے یزید کی خوبیاں بیان کرو' اور اپنے اپنے علاقوں کے بااثر لوگوں کا ایک ایک وفد میرے پاس بھیجو کہ میں بیعت یزید کی نسبت لوگوں سے بھی خود گفتگو کروں' چنانچہ ہر صوبہ سے ایک ایک وفد دمشق میں آیا' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے الگ الگ گفتگو کی' پھر ایک مجلس ترتیب دے کر سب کو اس میں جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا' جس میں حمد و ثنا کے بعد اسلام کی خوبیاں' خلفاء کے فرائض و حقوق' حکام کی اطاعت اور عوام کے فرائض بیان فرما کر یزید کی شجاعت' سخاوت' عقل و تدبر اور انتظامی قابلیت کا ذکر کر کے' اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ یزید کی ولیعہدی پر بیعت کر لینی چاہیئے۔

محمد بن عمرو بن حزم کی تنبیہ

ان وفود میں مدینے سے محمد بن عمرو بن حزم گئے تھے' انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ امیر المومنین

رضی اللہ عنہ آپ یزید کو خلیفہ تو بنائے جاتے ہیں، لیکن ذرا اس بات پر بھی غور فرما لیں کہ قیامت کے دن آپ کو اپنے اس فعل کا خدائے تعالیٰ کی جناب میں جواب دہ ہونا پڑے گا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن کر فرمایا، کہ میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے اپنی رائے کے موافق میری خیر خواہی کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت لڑکے ہی لڑکے رہ گئے ہیں اور میرا بیٹا ان میں زیادہ مستحق ہے۔

ضحاک بن قیس کی تائید

اس کے بعد ضحاک بن قیس کھڑے ہوئے، انہوں نے اپنی زبردست تقریر میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیال کی خوب زور و شور سے تائید کی، ان کے بعد اور لوگ یکے بعد دیگرے کھڑے ہوئے، اور سب نے تائید ہی کی۔

احنف بن قیس کا پر حکمت جواب

مصر سے احنف بن قیس گئے تھے، جب سب کی تقریریں ہو چکیں، تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے احنف بن قیس کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ آپ کیوں خاموش ہیں، انہوں نے کہا کہ اگر جھوٹ بولوں تو اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے، اور سچ بولوں تو آپ کا خوف ہے، آپ ہم سے اس معاملہ میں مشورہ کیوں لیتے ہیں، آپ ہم سے زیادہ یزید کی حالت سے واقف ہیں، آپ کی ذمہ داری پر ہم بیعت کرنے کو تیار ہیں، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے احنف بن قیس کے ان الفاظ کو بھی بہت غنیمت سمجھا اور بعد میں ان کو بھاری انعام دے کر خوش کیا، اسی طرح باہر سے آئے وفود کو خوب انعام و اکرام سے مالا مال و خوش حال کر کے واپس بھیجا۔[1]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ حجاز یعنی مکہ و مدینہ کے لوگوں کا خیال تھا، اور وہیں ایسے لوگ موجود تھے جو جرأت کے ساتھ اظہار مخالفت کر سکتے تھے، انہوں نے ۵۱ ہجری کے آخر ایام میں حج بیت اللہ کا ارادہ کیا، مصلحت اس میں یہ بھی تھی کہ وہ اہل حجاز کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہوں، چنانچہ اول مدینہ منورہ پہنچے، ان کی آمد کی خبر سن کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ کو چلے گئے، انہوں نے مدینہ پہنچ کر لوگوں کو خوب انعام و

[1] معاویہ رضی اللہ عنہ اس طرح خلافت کی بقا و استحکام چاہتے تھے نہ کہ اپنی بادشاہت و اقربا نوازی۔ ان پر بادشاہت یا اقربا نوازی کا الزام ہرگز نہیں لگایا جا سکتا۔ ایسے کسی الزام میں کوئی حقیقت نہیں ہو سکتی۔ ہمیں تو احادیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر لعن طعن کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کو فتنوں وغیرہ سے بچانا چاہتے تھے کیونکہ وہ قبل ازیں خوارج وغیرہ کے فتنے دیکھ چکے تھے، واللہ اعلم سبحانہ و تعالیٰ!

اکرام دیئے' اوران کے دلوں پر قبضہ پا کر اپنا ہم خیال بنایا اور مروان بن حکم کو سمجھایا کہ مدینہ والوں کے روزینے بڑھا دو' ان کو قرض کی ضرورت ہو تو بلا دریغ بیت المال سے قرض دو اور قرض کی وصولی کا تقاضا نہ کرو' جس سے مخالفت کا زیادہ اندیشہ ہو اس کو زیادہ عطا کرو اس طرح ان کو زیر بار احسان بناؤ۔

ابن عمر کا جواب

اس کے بعد مکہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں مذکورہ بالا چاروں حضرات کو اپنے پاس بلایا اور یزید کی بیعت کے معاملہ میں گفتگو کی' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں صرف اس قدر اقرار کر سکتا ہوں کہ تمہارے بعد جس شخص کی خلافت پر لوگ متفق ہو جائیں گے میں اس کو خلیفہ تسلیم کر لوں گا' اگر ایک حبشی غلام کو بھی لوگ خلیفہ بنا لیں گے تو میں اس کی اطاعت کروں گا اور جماعت کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔[1]

ابن زبیر کی مدلل مخالفت

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم آپ کے سامنے چند باتیں پیش کرتے ہیں آپ ان میں سے جس کو چاہیں اختیار فرمالیں۔

اول یہ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں اور خلافت کے معاملہ کو ویسے ہی بلا نامزدگی مسلمانوں کے انتخاب پر چھوڑ جائیں' کہ وہ جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں' اور اگر آپ کو یہ بات پسند نہیں ہے' تو سنت صدیقی پر عمل کریں کہ ایسے شخص کو اپنا قائم مقام مقرر فرما جائیں جو نہ آپ کی قوم کا ہو نہ خاندان کا۔ یہ بھی پسند نہ ہو تو پھر آپ سنت فاروقی پر عامل ہوں کہ ایسے چھ اشخاص کو نامزد کر جائیں جو نہ آپ کے خاندان و قبیلے کے ہوں' نہ ان میں آپ کا بیٹا شامل ہو' وہ چھ شخص اپنے آپ میں سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔

ان تینوں صورتوں کے سوا اور کوئی چوتھی صورت نہیں جس پر ہم رضا مند ہو سکیں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تائید باقی صاحبوں نے بھی کی' سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حج سے فارغ ہو کر مذکورہ حضرات کے سوا باقی تمام اہل مکہ سے یزید کی ولی عہدی کے متعلق بیعت لی اور لوگوں کو اپنی جود و عطا سے مالا مال کیا' اس میں شک نہیں کہ لوگوں کو یزید کے معاملہ میں اپنا ہم خیال و ہم نوا بنانے کے لیے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مال و دولت سے زیادہ کام لیا' اور ممکن ہے کہ وہ یزید کی نامزدگی و ولی عہدی کو

---

[1] انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ایسا کہا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''امیر کی بات سنو اور مانو خواہ تم پر چھوٹے سر والا غلام امیر بنایا جائے۔'' (صحیح بخاری' کتاب الاحکام' حدیث ۷۱۴۲)

حقیقتاً عالم اسلام کے لیے زیادہ مفید اور مسلمانوں کی فلاح و صلاح کا موجب یقین کرتے ہوں اور اس کے مضر پہلو قطعاً ان کی نگاہ کے سامنے نہ آئے ہوں۔

ابوموسیٰ اشعری کی وفات

حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر وہ واپس دمشق میں آئے تو خبر سنی کہ کوفہ میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری فوت ہو گئے' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو بصرہ و کوفہ کا حاکم تو پہلے ہی بنا دیا تھا اور بجستان تک کا علاقہ ان کے ماتحت تھا' اب انہوں نے مناسب سمجھا کہ سندھ و کابل و بلخ و جیحون و ترکستان تک کے تمام مشرقی ممالک زیاد کے ماتحت کر دیئے جائیں' چنانچہ زیاد کا مرتبہ اب اس قدر بلند ہو گیا کہ وہ خود فارس و خراسان وغیرہ صوبوں کے گورنر اپنے اختیار سے مقرر کرتے اور جس کو چاہتے معزول کر دیتے۔

زیاد نے ان تمام مشرقی ممالک کا انتظام بڑی قابلیت اور خوبی کے ساتھ قائم رکھا اور خوارج کو بھی سر ابھارنے کا موقع نہیں دیا' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو زیاد کی وجہ سے بڑی امداد ملی اور ایسے لائق اور قابل شخص کا ہاتھ آ جانا ان کی خوش قسمتی تھی۔ اگر زیاد ان مشرقی ممالک میں امن و امان قائم نہ رکھ سکتے تو خوارج کے خروج اور منافقوں کے فتنے برپا ہو کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اتنا ہوش ہی نہ لینے دیتے کہ وہ یزید کی بیعت کے اہتمام و انصرام میں مصروف ہو سکتے' ادھر مشرقی ممالک کے ہنگامہ کا مغربی ممالک پر بھی بہت بڑا اثر پڑتا اور قیصری حملوں سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطمینان و سکون حاصل نہ ہوتا۔

مصر اور افریقہ وغیرہ کا حاکم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن مخلد کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بعد مقرر فرمایا تھا۔ عقبہ بن نافع فہری جو طرابلس الغرب اور الجیریا و مراکو کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے اور جن کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود اس مہم پر نامزد و مامور فرما کر روانہ کیا تھا' ابن مسلمہ بن مخلد گورنر مصر کے ماتحت کر دیے گئے تھے۔ مدینہ میں مروان بن حکم اور مکہ میں سعید بن العاص رضی اللہ عنہ حاکم تھے۔ شام و فلسطین براہ راست امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر انتظام تھے۔ ادھر عقبہ بن نافع فہری نے شمالی افریقہ کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر ایک جنگل کو صاف کر کے شہر قیروان کی آبادی کا سنگ بنیاد رکھا۔ افریقہ کے لیے قیروان کی فوجی چھاؤنی ایسی ضروری تھی جیسی عراق کے لیے بصرہ و کوفہ۔ سنہ ۵۵ھ میں قیروان کی آبادی پایہ تکمیل کو پہنچی تھی کہ مسلمہ بن مخلد نے عقبہ بن نافع کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے ایک غلام ابوالمہاجر کو سپہ سالار مقرر کر دیا۔ عقبہ بن نافع دمشق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے۔ مروان' سعید اور عقبہ وغیرہ کئی صاحب الرائے اور صاحب عزم و ہمت سرداروں کے دمشق میں موجود ہو جانے اور زیادہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے اکثر بلاد اسلامیہ پر مستولی ہو جانے کے بعد سنہ ۵۶ھ میں یزید کی ولی

عہدی کے لیے تمام عالم اسلام میں عاملوں کی معرفت بیعت عام لی گئی۔ صرف تین چار شخص یعنی عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم وغیرہ نے بیعت نہیں کی۔ ان لوگوں کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے حال پر چھوڑ دیا اور زیادہ مجبور کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

زیاد بن ابی سفیان کی موت

سنہ ۵۳ھ میں زیاد بن ابی سفیان مرض طاعون سے فوت ہوئے' اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے فوت ہونے کا سخت ملال ہوا' زیاد نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمائش کی تھی کہ مجھ کو عراق و فارس کے علاوہ حجاز و عرب کی حکومت عطا کی جائے' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس فرمائش اور خواہش کو منظور کر لیا' لیکن اہل حجاز اس خبر کو سن کر خائف ہوئے' اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ زیاد کی حکومت سے کس طرح محفوظ رہیں' انہوں نے قبلہ رو ہو کر دعا کی۔ سب نے آمین کہی۔

اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیاد کی انگلی میں ایک دانہ نکلا' اور اسی میں وہ فوت ہوئے' زیاد نے کوفہ کے اندر ماہ رمضان المبارک میں وفات پائی۔ زیاد نے کوفہ کی حکومت اپنی طرف سے عبداللہ بن خالد بن اسید کو سپرد کر رکھی تھی۔

زیاد کی وفات کے وقت اس کے بیٹے عبیداللہ بن زیاد کی عمر ۲۵ سال کی تھی' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے باپ نے کس کس کو کہاں کہاں کی حکومت عطا کی؟ عبیداللہ نے کہا کہ سمرہ بن جندب کو بصرہ کی حکومت' اور عبیداللہ بن خالد بن اسید کو کوفہ کی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تمہیں کہاں کی حکومت دی تھی؟ عبیداللہ نے کہا مجھ کو کہیں کی حکومت سپرد نہیں کی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تمہارے باپ نے تم کو کہیں کی حکومت نہیں دی تو پھر میں بھی تم کو کہیں کا حاکم مقرر نہ کروں گا۔ عبیداللہ نے کہا میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت و بدنامی ہو گی کہ میرے باپ نے بھی مجھ کو کہیں کا حاکم مقرر نہیں فرمایا' اور اب آپ میرے چچا ہیں' آپ بھی مجھ کو کوئی سرداری عطا نہیں فرماتے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ سوچ کر اور عبیداللہ کو قابل پا کر بصرہ و خراسان و فارس کا اعلیٰ حاکم مقرر فرما دیا۔

سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی' جب ان کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ' حسین بن علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بیعت نہیں کی' تو انہوں نے کہا کہ میرا باپ ان لوگوں کے باپ سے کم نہ تھا' میں نے ناحق یزید کے لیے بیعت کی' پھر انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے باپ نے آپ کے ساتھ کوئی برائی نہیں

کی تھی' بتایئے آپ نے مجھ پر کیا احسان کیا؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خراسان کا صوبہ عبیداللہ بن زیاد سے نکال کر سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور مہلب بن ابی صفر کو سعید کا کمکی اور سپہ سالار مقرر کیا' زیاد کے بعد انہوں نے مروان بن وسعید بن عاص کو پھر مدینہ و مکہ کی حکومت پر بھیج دیا۔

زیاد بن ابی سفیان کے فوت ہوتے ہی خارجیوں نے پھر سر اٹھایا' اور عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کا حاکم مقرر ہوتے ہی اول خارجیوں سے معرکہ آراء ہونا پڑا۔ خارجیوں کی جماعتوں نے متواتر خروج شروع کر دیا' اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک عبیداللہ بن زیاد خارجیوں کی سرکوبی میں مصروف رہا۔

سیدنا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات

۵۸ ھ میں سیدنا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فوت ہو کر جنت البقیع میں مدفون ہوئیں' آپ مروان کی مخالفت کیا کرتی تھیں' کیوں کہ اس کے اعمال اچھے نہ تھے' مروان نے ایک روز دھوکے سے دعوت کے بہانے بلا کر ایک گڑھے میں جس میں ننگی تلواریں اور خنجر وغیرہ رکھ دیئے تھے آپ کو گرا دیا' آپ بہت ضعیف اور بوڑھی تھیں' زخمی ہوئیں' اور ان ہی زخموں کے صدمہ سے فوت ہو گئیں۔

وفات ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

۵۹ ھ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی' سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے' الٰہی میں لڑکوں کی حکومت اور ۶۰ ھ سے پناہ مانگتا ہوں' ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور وہ ۶۰ ھ سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔

وفات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

شروع ماہ رجب ۶۰ ھ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے' اس بیماری میں جب ان کو یقین ہونے لگا کہ اب آخری وقت قریب آ گیا ہے تو انہوں نے یزید کو بلوایا۔ یزید اس وقت دمشق سے باہر شکار میں یا کسی مہم پر گیا ہوا تھا' فوراً قاصد روانہ ہوا اور یزید کو بلا لایا۔ یزید حاضر ہوا تو انہوں نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

> "اے بیٹے! میری وصیت کو توجہ سے سن اور میرے سوالوں کا جواب دے۔ اب اللہ تعالیٰ کا فرمان یعنی میری موت کا وقت قریب آ چکا ہے' تو بتا کہ میرے بعد مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہتا ہے؟"

یزید نے جواب دیا کہ:

> "میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کروں گا۔"

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''سنت صدیقی پر بھی عامل ہونا چاہیے کہ انہوں نے مرتدین سے جنگ کی اور اس حالت میں فوت ہوئے کہ امت ان سے خوش تھی۔''

یزید نے کہا:

''نہیں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کافی ہے۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر کہا:

''اے بیٹے! سیرت عمر کی بھی پیروی کر کہ انہوں نے شہروں کو آباد کیا اور فوج کو قوی کیا اور مال غنیمت فوج پر تقسیم کیا۔''

یزید نے جواب دیا کہ:

''نہیں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کافی ہے۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

''اے بیٹے! سیرت عثمان پر بھی عامل ہونا کہ انہوں نے لوگوں کو زندگی میں فائدہ پہنچایا اور سخاوت کی۔''

یزید نے کہا کہ:

''نہیں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میرے لیے کافی ہے۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ:

''اے بیٹے! تیری ان باتوں سے مجھ کو یقین ہو گیا ہے کہ تو میری باتوں پر عمل درآمد نہ کرے گا۔ میری وصیت اور نصیحت کے خلاف ہی کرے گا۔''[1]

اے یزید تو اس بات پر مغرور نہ ہونا کہ میں نے تجھ کو اپنا ولی عہد بنا دیا ہے اور تمام مخلوق نے تیری فرماں برداری کا اقرار کر لیا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے تو زیادہ اندیشہ نہیں ہے' کیونکہ وہ دنیا سے بیزار ہیں۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو اہل عراق ضرور تیرے مقابلہ کے لیے میدان میں نکالیں گے۔ تو اگر ان پر فتح پائے تو ان کو قتل ہرگز نہ کرنا۔ اور قرابت و رشتہ داری کا پاس و لحاظ رکھنا۔ عبداللہ بن زبیر بھی روباہ باز (چالباز) شخص ہیں ان پر اگر تو قابو پائے تو ان کو قتل کر دینا۔

مکہ اور مدینہ کے رہنے والوں پر ہمیشہ احسان کرنا اور اہل عراق اگر ہر روز عامل کے تبدیل کرنے کی فرمائش کریں' تو ہر روز عامل کو ان کی خوشی کے لیے تبدیل کرتے رہنا۔ اہل شام کو ہمیشہ اپنا

---

[1] یہ بھی جھوٹا واقعہ ہے' صحیح سند سے ثابت نہیں۔

مددگار سمجھنا اور ان کی دوستی پر بھروسہ کرنا''۔

اس کے بعد یزید پھر شکار میں چلا گیا۔ امیر معاویہ کی حالت دم بدم نازک ہوتی چلی گئی آخر بروز جمعرات بتاریخ ۲۲ رجب ۶۰ ھ کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوئے۔ ستر سال کی عمر پائی۔

ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے بال و ناخن تھے' مرتے وقت انہوں نے وصیت کی کہ یہ بال اور ناخن میرے منہ اور آنکھوں میں رکھ دینا۔ ضحاک بن قیس نے جنازہ کی نماز پڑھائی' دمشق میں باب جابیہ اور باب صغیر کے درمیان مدفون ہوئے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ایک نظر!

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطنت کو جس کا زمانہ بیس سال ہے ضرور کامیاب سلطنت کہا جا سکتا ہے' کیوں کہ ان کے زمانہ سلطنت میں کوئی مدعی سلطنت اور ان کا رقیب ان پر خروج نہیں کر سکا۔ ان کے زمانہ میں مشرق' مغرب' شمال' جنوب ہر طرف اسلامی حکومت کے رقبہ نے وسعت پائی' کوئی ملک اور کوئی علاقہ سلطنت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوا اور کوئی ایسی بغاوت اس عرصہ میں نہیں پھوٹی جو قابل تذکرہ ہو۔ ملک میں ڈاکہ زنی اور شورش جیسی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق و ایران کے اندر پائی جاتی تھی باقی نہیں رہی۔

مسلمانوں نے بحری لڑائیاں شروع کیں اور مسلمانوں کی بحری طاقت کا لوہا بھی رومیوں اور عیسائیوں نے مانا۔ ان کے زمانہ میں زیاد بن ابی سفیان اور بعض دوسرے عاملوں نے عراقیوں اور ایرانیوں پر کسی قدر سختی اور تشدد کو روا رکھا لیکن ان عراقیوں اور ایرانیوں پر اگر سختی اور تشدد نہ ہوتا تو ظلم تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا ایک نقص سمجھا جاتا۔

مسلمانوں پر سب سے پہلے امیر معاویہ نے برید مقرر کیے اور ان کے لیے ایک نظام اور آئین مقرر فرمایا جس کو محکمہ ڈاک کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے احکام پر مہر لانے اور ہر حکم کی نقل دفتر میں محفوظ رکھنے کا طریقہ انہوں نے ایجاد کیا اور امیر معاویہ کی مہر پر ''لکل عمل ثواب'' (یعنی ہر عمل کا ثواب ہے) کندہ تھا۔

خانہ کعبہ پر اب تک غلاف پہلے غلافوں کے اوپر ہی چڑھائے جاتے تھے' انہوں نے تمام غلافوں کو اتروایا' اور حکم دیا کہ جب نیا غلاف چڑھایا جائے تو پرانا غلاف اتار لیا جائے۔ اسلام میں سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے پہرہ دار دربان مقرر کئے' انہوں ہی نے سب سے پہلے محکمہ

رجسٹری قائم کیا' سب سے پہلے انہوں نے ہی نے بحری جہاز بنائے' اور بحری فوج تیار کی۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنی قوم اور خاندان کے اقتدار کو بنو ہاشم پر فائق کرنے کے ضرور خواہش مند تھے لیکن ساتھ ہی وہ اپنی اس خواہش کو پورا کرنے میں کسی ایسے شخص کو چیرہ دستی کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے جو بنو امیہ اور بنو ہاشم یا معاویہ اور علی دونوں کا یکساں دشمن ہو' یا سلطنت اسلامیہ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہو۔

چنانچہ ایک مرتبہ جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مخالفت کی آگ مشتعل تھی عیسائیوں کی ایک زبردست فوج نے ایران کے شمالی صوبوں پر جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں شامل تھے حملہ کرنا اور مسلمانوں کی نا اتفاقی سے خود فائدہ اٹھانا چاہا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس علاقے کو جس پر عیسائیوں کا حملہ ہونے والا تھا بچانے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے۔ اگر عیسائیوں کا یہ حملہ ہوتا تو سلطنت اسلامیہ کا ایک وسیع ٹکڑا کٹ کر عیسائی حکومت میں شامل ہو جاتا۔

عیسائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مشکلات سے واقف اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مطمئن تھے۔ کیوں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور ایک دوسرے کے خلاف زور آزمائی بھی وہ دیکھ رہے تھے۔ ان کو توقع تھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہماری حملہ آوری سے خوش ہوں گے' جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کی جائے گی۔

لیکن سیدنا معاویہ نے اس خبر کے سنتے ہی عیسائی قیصر کی توقع کے خلاف ایک خط قیصر کے نام بھیجا جس میں لکھا تھا کہ ہماری آپس کی لڑائی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے' اگر تم نے علی رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کیا تو علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے سب سے پہلا سردار جو تمہاری گوشمالی کے لیے آگے بڑھے گا وہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہوگا' اس خط کا اثر اس سے بھی زیادہ ہوا' جو ایک زبردست فوج کے بھیجنے سے ہوتا اور عیسائیوں نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفتوں کی وہ حیثیت اور حقیقت ہرگز نہ تھی' جو آج کل جہالت کی وجہ سے مسلمانوں میں مشہور ہے' اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے ہم کو یہ بات فراموش نہیں کر دینی چاہیئے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے مصاحب تھے۔ اور سیدنا علی کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی زیاد بن ابی سفیان پر پورا اعتماد تھا۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سر دربار برا بھلا کہہ سکتے تھے اور ہمیشہ امیر معاویہ کی طرف سے مورد الطاف رہتے تھے۔

ایک خدشہ کا جواب

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تذکرہ ختم کرنے سے پیشتر ایک خدشہ کا جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت کردہ' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں شامل' آپ کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے اور آپ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔ سیدنا امیر معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے یعنی سیدنا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے' ان دونوں یعنی علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں مخالفت اور لڑائی کیوں ہوئی' پھر عمرو بن العاص' طلحہ' زبیر رضی اللہ عنہم' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ صحابہ کی ایک معقول تعداد نے ان آپس کی مخالفتوں اور لڑائیوں جھگڑوں میں کیوں حصہ لیا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان مشاجرات اور آج کل کے دنیاداروں کی لڑائیوں میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا' پس کیوں نہ تسلیم کیا جائے کہ ان لوگوں پر صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اثر نہیں ہوا' جو ہونا چاہیئے تھا۔

اس خدشہ کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک صحابی یقیناً نجم ہدایت ہے اور اس بزرگ و برتر پاک جماعت پر صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے شبہ و شک و ریب وہی اثر ہوا ہے جو ہونا چاہیئے تھا۔ ہماری کوتاہ فہمی اور تنگ نظری ہے کہ ہمارے قلوب اس قسم کے شکوک و شبہات کا مقام و مسکن بن جاتے ہیں' سنو اور غور سے سنو' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت لے کر آئے اس میں نوع انسان کی فلاح کے جمیع اصول اتم و اکمل طور پر موجود ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کامل و مکمل شریعت کی تعلیم و تبلیغ کا فرض پورے طور پر انجام دیا' اس شریعت کے بعد اب قیامت تک کوئی دوسری شریعت نازل ہونے والی نہیں' جب کہ اس شریعت کا دامن قیامت کے دامن سے ملا ہوا ہے اور نوع انسان کو اپنی سعادت اور صلاح و فلاح تک پہنچنے کے لیے اسی شریعت کی احتیاج ہے' تو اس جیسی عظیم الشان اور کامل شریعت کو دوسری شریعتوں کی مانند بگڑنے اور خراب ہونے سے بچانے کے لیے کوئی ایسا ہی عظیم الشان سامان اور بندوبست بھی ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ نوع انسان کی تسکین خاطر اور اطمینان قلب کے لیے خدائے تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾

پس معلوم ہوا کہ اس شریعت کی حفاظت کے سامان خدائے تعالیٰ خود ہی حسب ضرورت پیدا کرتا رہے گا' اور اس ساڑھے تیرہ سو سال کے عرصہ میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے شریعت حقہ کی حفاظت کے سامان خود ہی پیدا کیے ہیں' جس طرح ہم نے رحم مادر میں اپنی حفاظت کے سامان خود تجویز اور فراہم نہیں کیے تھے' جس طرح اپنے کھیتوں کو سرسبز رکھنے کے لیے سمندر سے

بخارات اٹھانے' بادل بنانے' ہوائیں چلانے اور بارش برسانے کا مشورہ ہم نے خدائے تعالیٰ کو نہیں دیا تھا' اسی طرح ہمارا کیا حق ہے کہ ہم شریعت اسلام کی حفاظت کے سامان اور طریقے خود تجویز کریں' اور خدائے تعالیٰ کو مجبور کرنے کی جرأت کریں کہ وہ فلاں طریقہ استعمال کرے اور فلاں سامان کو کام میں نہ لائے۔

ہمارا تو جی چاہتا ہو گا کہ آسمان سے پکی پکائی روٹیاں برس جایا کریں اور سالن کی پکی پکائی دیگچیاں زمین سے خود بخود ابل پڑا کریں۔ لیکن خدائے تعالیٰ ہماری اس خواہش کا پابند و ماتحت نہیں بن سکتا۔ اس نے تمازت آفتاب سے سمندروں کے پانی کو بھاپ بنایا کرہ ہوائی کی بلندیوں نے بادلوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھایا' ہواؤں نے چل کر ان بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا' طبقات ہوا کی حرارت و برودت نے تغیرات پیدا کر کے بادلوں کو برسایا' کاشت کاروں نے زمین کو اپنے بیلوں اور زرعی آلات کے ذریعہ نرم کیا' بیج بکھیرا' بادلوں سے بارش ہوئی' درخت اگے ان کی حفاظت کی گئی' پک جانے کے بعد کھیتی کاٹی گئی' غلہ اور بھس الگ کیا گیا' غلہ کو چکی میں پیس کر آٹا تیار ہوا' پھر اس کو گوندھا گیا' پھر خاص صنعت کے ذریعہ روٹی پک کر تیار ہوئی۔

غور کرو اور سوچو کہ خدائے تعالیٰ نے ایک روٹی کے مہیا کرنے میں کاموں کا کس قدر طویل و پیچیدہ سلسلہ پسند فرمایا ہے' مگر یہ ہماری حماقت اور کج فہمی ہو گی اگر ہم اللہ تعالیٰ کو ملزم ٹھہرائیں' اور اپنے مجوزہ اختصار کو ترجیح دیں۔ اللہ تعالیٰ کے کاموں کو طوالت پسندی سے متہم کرنا حقیقتاً ہماری نابینائی و بے بصیرتی ہے' کیوں کہ وہ لاتعداد حکمتیں جو اس سلسلہ کار اور پیچیدہ راہ عمل میں مضمر ہیں ہماری چشم کوتاہ و فہم ناتمام سے اوجھل ہیں۔

اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر سوچو گے تو یقیناً تسلیم کر لو گے کہ صحابہ کرام کے مشاجرات درحقیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت شریعت کا ایک سامان تھا' لیکن ہم نالائقوں نے بجائے اس کے کہ بصیرت اندوز و عبرت آموز ہوتے گمراہی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے۔

کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام کے تمام اختلافات ان کے اجتہاد پر مبنی تھے' ان میں سے اگر کسی سے غلطی ہوئی تو وہ اجتہادی غلطی تھی' نیت اور ارادے پر مبنی نہ تھی۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا' جو دیدہ و دانستہ شریعت اسلام اور احکام خداوندی و ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر آمادہ ہو سکتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا حق سمجھ کر کیا۔ اسی طرح سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو کچھ کرتے تھے' اپنے آپ کو حق و راستی پر سمجھ کر کرتے تھے' یہی حالت دوسرے صحابہ کرام کی تھی' جس نے جس کو حق پر سمجھا وہ اسی کا طرف دار و حامی بن گیا۔ اور یہ سب منشاء الٰہی کے ماتحت ہوا۔

خدائے تعالیٰ نے یہ اندرونی جھگڑے پیدا کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو تو ان کاموں میں مصروف کر دیا' اور دوسری جماعت نے ان آپس کے تنازعات سے بددل ہو کر حکومت و سلطنت کے کاموں سے بالکل لاتعلقی اختیار کر کے تنہائی و گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ جب تک یہ اندرونی اختلافات پیدا نہیں ہوئے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تمام تر کوشش و ہمت کفار کا مقابلہ کرنے اور جنگ و پیکار کے میدانوں میں کامیابی حاصل کرنے میں صرف ہوتی تھی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کا تمام زمانہ ایسی معرکہ آرائیوں اور جنگ آزمائیوں سے پر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام طبقات کی نگاہیں میدان کارزار اور فتوحات ملکی کی طرف لگی رہتی تھیں' ان دونوں متبرک خلافتوں کے زمانہ میں بھی اگرچہ جمع قرآن کا کام انجام دیا گیا' جو اسی ابتدائی زمانہ میں ہونا چاہیئے تھا' لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کوئی معقول تعداد اور بزرگ جماعت یکسو ہو کر اور فارغ بیٹھ کر اپنی تمام تر توجہ اور پوری ہمت فقہی ترتیب و تنظیم اور احادیث نبوی کی حفاظت و تبلیغ میں صرف کر سکے۔

مدینہ منورہ ایک ایسا فوجی کیمپ بنا ہوا تھا' جس کے شہنشاہ خیمہ نشین کے سامنے گویا میدان جنگ کے نقشے ہر وقت کھلے رہتے تھے اور بڑے بڑے مدبر جنگی پالیسی متعین کرنے اور سرداران لشکر کی نقل و حرکت کے پروگرام تیار کرنے میں مصروف نظر آتے تھے' جوں جوں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا تھا یہ جنگی مصروفیت بڑھتی جاتی تھی' اور وہ لوگ جو ایک استاد کی حیثیت سے درس شریعت دیتے اور نکات حکمت سمجھاتے' تلواروں کے گھاٹ اور تیروں کی انی درست کرنے میں مصروف اور نیزوں کی انی کے مقابلے میں اپنے سینوں کو سپر بنانے میں زیادہ مشغول ہوتے جاتے تھے۔

اس جنگی مظاہرہ کی بھی اس زمانہ کی دنیا میں اسلام کو قائم رکھنے اور مسلمانوں کو بے خوف بنانے کے لیے بے حد ضرورت تھی اور خلافت عثمانی تک وہ مطلوبہ حالت پیدا ہو گئی اور اسلام تمام دنیا میں ایک غالب مذہب اور زبردست طاقت تسلیم کر لیا گیا۔

اور اب ضرورت اس امر کی تھی' کہ اسلام کا مکمل نظام اور شریعت کے تمام پہلو محفوظ و مامون ہو جائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک محترم جماعت کو موقع و فراغت میسر ہو کہ وہ اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لیے تابعین کی ایک ایسی جماعت تیار کر سکیں جو ان کے بعد اوروں کو تعلیم دے سکے اور یہ سلسلہ آئندہ جاری رہ کر اسلام کی حفاظت کا موجب ہو۔

پس خدائے بزرگ و برتر نے اپنی قدرت کاملہ سے عبداللہ بن سبا اور اس کے اتباع یعنی مسلم نما یہودیوں کی ایک جماعت پیدا کر کے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت' جنگ جمل اور جنگ صفین کے

سامان یکے بعد دیگرے مہیا کر دیئے' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم جو میدان جنگ میں رستم واسفندیار کے کارناموں کو حقیر ثابت کر رہے تھے اپنی اپنی کمانوں اور تلواروں کو توڑ کر گھروں میں آ بیٹھے' اور سپہ سالاری کے کام سے جدا ہو کر معلمی کے کام میں مصروف ہو گئے۔

گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں' سیدنا سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فاتح ایران جن کی سپہ سالاری میں جنگ قادسیہ کا خون ریز میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا تھا' ان اندرونی اختلافات کے وقت گوشہ نشینی وگمنامی کی زندگی اپنے لیے پسند کر کے اونٹوں' بکریوں کے ریوڑ کی نگہداشت میں مصروف ہو گئے تھے' یہی حالت اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھی' فتوحات کا سلسلہ رکنے اور اندرونی مخالفتیں برپا ہونے کے بعد بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم شمشیر و تیر کے استعمال کو برا سمجھنے لگے' حالاں کہ اور کوئی صورت ایسی ممکن ہی نہ تھی کہ ان کو میدان جنگ کی صف اول سے ہٹا کر پیچھے لایا جا سکے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وہ شخص تھے' جن کو خلیفہ وقت تسلیم کرنے کے لیے تمام عالم اسلام متفق اور ہم آہنگ ہو سکتا تھا' لیکن ان اندرونی جھگڑوں نے ان کو بالکل گوشہ گزین وزاویہ نشین بنا دیا تھا۔

اس کتاب میں تم صحابہ میں سے کئی لوگوں کے نام اب تک بار بار پڑھ چکے ہو ان میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے اندرونی اختلافات میں شریک تھے' لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی بھی تھی جنہوں نے ان جھگڑوں میں کوئی حصہ نہیں لیا اور اسی لیے ان کا نام ان واقعات میں نہیں لیا جا سکا' اس عظیم الشان جماعت نے ان اختلافات کے زمانہ میں ان لوگوں کو جو ادب و محبت کے جذبات لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے' شریعت اسلام کی حقیقت سمجھائی اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو آگاہ کیا' ان میں سے ہر ایک شخص ایک مدرس اور لوگوں کو حقیقت شرع سمجھانے میں مصروف تھا۔

مدینہ منورہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہما کا گہوارہ' اور اس کے بعد خانہ کعبہ کی وجہ سے مکہ معظمہ دوسرا مرکز اسلام تھا' جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم و تدریس کی فرصت میسر نہ تھی مدینہ منورہ دارالخلافہ رہا' لیکن جب خدائے تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تعلیم اسلام کا کام لینا چاہا تو مدینہ منورہ سے مرکز خلافت ہٹا دیا' اور وہ مدینہ منورہ جو کچھ دنوں پہلے جنگی طاقت کا مرکز اور فوجی کیمپ بنا ہوا تھا ایک دارالعلوم کی شکل میں تبدیل ہو گیا' حدیث اور فقہ کی کتابوں کو تحقیق و تدقیق کی نگاہ سے دیکھو تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی' کہ حدیث وفقہ وتفسیر کا تمام تر مواد صرف اسی زمانہ کا رہین منت ہے' جس زمانہ میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مشاجرات برپا تھے۔

اگر یہ مشاجرات برپا نہ ہوتے اور اگر سیدنا امیر معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کی معرکہ آرائیاں نہ

ہوتیں تو ہم آج شریعت اسلام کے بڑے اور ضروری حصے سے محروم و تہی دست ہوتے‘ لیکن یہ کیوں ہونے لگا تھا‘ اللہ تعالیٰ خود اس دین کا محافظ و نگہبان ہے‘ وہ خود اس کی حفاظت کے سامان پیدا کرتا ہے‘ چنانچہ اب اس نے وہ سامان سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف کی صورت میں پیدا کیا۔

اب اسی مذکورہ مدعا کے ایک دوسرے پہلو پر نظر کرو‘ ہر ایک حکومت‘ ہر ایک سلطنت‘ اور ہر ایک نظام تمدن کے لیے جس جس قسم کی رکاوٹیں‘ دقتیں اور پیچیدگیاں پیدا ہونی ممکن ہیں‘ اور آج تک دنیا میں دیکھی گئی ہیں‘ ان سب کے نمونے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشاجرات میں موجود ہیں‘ ان مشکلات کے پیدا ہونے پر عام طور پر حکمرانوں‘ حکمران خاندانوں اور بادشاہوں نے آج تک جن اخلاق اور جن کوششوں کا اظہار کیا ہے ان سب سے بہتر اور قابل تحسین طرز عمل وہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسی حالتوں میں ظاہر کیا۔

سلطنتوں کے بننے اور بگڑنے‘ قوموں کے گرنے اور ابھرنے‘ خاندانوں کے ناکام رہنے اور بامراد ہونے کے واقعات سے اس دنیا کی تمام تاریخ لبریز ہے‘ چالاکیوں ریشہ دوانیوں اور فریب کاریوں کے واقعات سے کوئی زمانہ اور کوئی عہد حکومت خالی نظر نہیں آتا‘ ان سب چیزوں کے متعلق ہم جب تلاش کرتے ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفتوں کی روئیداد[1] ہمارے سامنے یکجا سب کے نمونے پیش کر دیتی ہے‘ اور ہم اپنے لیے بہترین طرز کار اور اعلیٰ ترین راہ عمل تجویز کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

یہ ہماری نابینائی اور بدنصیبی ہے‘ کہ ہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجتہادی مخالفتوں اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ و سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مشاجرات کو بجائے اس کے کہ اپنے لیے موجب عبرت و بصیرت اور باعث خیر و نفع بناتے‘ اپنی نااتفاقی و درندگی اور اپنی ہلاکت و نکبت کا سامان بنالیا۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود
آنچہ گیرد کاملے ملت شود

مندرجہ بالا سطور کی نسبت شاید اعتراض کیا جائے کہ تاریخ نویسی کی حدود سے باہر قدم رکھا گیا ہے‘ لیکن میں پہلے ہی اقرار کر چکا ہوں کہ میں لامذہب مورخ بن کر اس کتاب کو نہیں لکھ رہا ہوں‘ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں ہی کے مطالعہ کی غرض سے میں نے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا ہے۔ لہٰذا اس اظہار خیال سے کوئی چیز مجھ کو نہیں روک سکتی تھی۔

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ مشاجرات بہتر تھے اور ان کا ہونا مفید ثابت ہوا۔ قبل ازیں یہ تحریر ہو چکا ہے کہ مشاجرات صحابہ کے ضمن میں منافقین اور سبائی گروہ کی بہت سی سازشیں تھیں‘ انہوں نے فتنوں کو ہوا دی۔

اب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات ختم کرنے سے پیشتر ان الفاظ کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو سید امیر علی صاحب سابق جج ہائی کورٹ کلکتہ نے جن کو شیعہ اور معتزلی کہا جاتا ہے' اپنی کتاب تاریخ اسلام میں مسعودی کے حوالہ سے درج کیے ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ روزانہ نماز فجر کے بعد مقامی فوج دار یا کپتان پولیس کی رپورٹ سنتے' اس کے بعد وزراء اور مشیران و مصاحبین خاص امور سلطنت اور مہمات ملکی کی سرانجام دہی کے لیے حاضر ہوتے' اسی مجلس میں پیش کار دربار اور محکمہ جات کے ناظم صوبہ جات سے آئی ہوئی رپورٹیں اور تحریریں سناتے' ظہر کے وقت نماز ظہر کی امامت کے لیے وہ محل سے باہر نکلتے اور نماز پڑھا کر مسجد ہی میں بیٹھ جاتے' وہاں لوگوں کی زبانی فریادیں سنتے' عرضیاں لیتے' اس کے بعد محل میں واپس آ کر رئیسوں کو شرف ملاقات بخشتے' پھر دوپہر کا کھانا کھاتے اور تھوڑی دیر قیلولہ کرتے' نماز عصر سے فارغ ہو کر وزیروں' مصاحبوں اور مشیروں سے ملاقات کرتے' شام کے وقت سب کے ساتھ دربار میں کھانا کھاتے' اور ایک مرتبہ لوگوں کو ملاقات کا موقع دے کر آج کا کام ختم کر دیتے۔

بہ حیثیت مجموعی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں سلطنت کے اندر اور باہر فتوحات کا سلسلہ قائم رہا۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر مستقل مزاج و بردبار شخص نہیں دیکھا' ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھا اور وہ مسند پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے' ان کے پاس تحریری رپورٹ پہنچی کہ قیصر روم اپنی پوری فوج کے ساتھ حملہ آور ہونا چاہتا ہے' امیر معاویہ نے اس کاغذ کو پڑھ کر میری طرف ڈال دیا' میں نے پڑھا اور منتظر رہا کہ دیکھوں اب کیا کہتے ہیں' مگر وہ اسی طرح بیٹھے رہے اور کچھ نہ کہا۔ تھوڑی دیر میں ایک اور تحریر پہنچی کہ نائل بن قیس نے جو خوارج کا سردار ہے اس نے ایک جمعیت فراہم کر لی ہے اور فلسطین پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس تحریر کو بھی پڑھ کر میری طرف پھینک دیا اور کچھ نہ کہا' میں اس تحریر کو پڑھ کر اور بھی زیادہ منتظر رہا کہ اب کیا کہتے ہیں' مگر وہ اسی طرح بیٹھے رہے اور ان کے چہرے سے کوئی تغیر محسوس نہ ہوا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک تیسرا خط پہنچا کہ موصل کے جیل خانہ کو توڑ کر خوارج قیدی فرار ہو گئے اور موصل کے قریب ان کا اجتماع ہو رہا ہے' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر پڑھ کر بھی میری طرف پھینک دی اور اسی طرح تکیہ لگائے بیٹھے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک اور خط پہنچا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک بڑی فوج کے ساتھ شام پر حملہ آور ہونے والے ہیں' اس خط کو بھی پڑھ کر میری طرف پھینک دیا اور اسی طرح بیٹھے رہے۔

مجھ سے صبر نہ ہوسکا میں نے کہا کہ چاروں طرف سے غم کی خبریں آئی ہیں اب آپ کیا کریں گے انہوں نے کہا کہ قیصر اگرچہ بڑی فوج رکھتا ہے لیکن وہ مجھ سے صلح کر کے واپس چلا جائے گا۔ نائل بن قیس اپنے مذہب اور عقیدے کی وجہ سے جنگ کرتا ہے وہ جس ایک شہر پر قابض ہوگیا ہے چاہتا ہے کہ اس کو اپنے قبضے میں رکھے میں اس کو چھوڑ دوں گا تاکہ وہ اسی میں مشغول رہے۔ وہ خوارج جو جیل خانہ توڑ کر بھاگ گئے ہیں اللہ تعالیٰ کے قید خانہ سے بھاگ کر کہاں جائیں گے۔

لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ہم کو سوچنے اور تدبیر کرنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح ان سے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیا جائے۔ اس کے بعد وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اسی وقت ہر ایک معاملہ کے متعلق بندوبست کے احکام جاری کر دیئے۔ اور پھر بدستور سابق تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان و شکوہ دیکھ کر فرمایا تھا کہ جس طرح ایران میں کسریٰ اور روم کے قیصر ہیں اسی طرح عرب میں معاویہ رضی اللہ عنہ ہے۔

اب صحابہ رضی اللہ عنہم کی سب سے آخری حکومت و سلطنت ہوگی جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آنے والا ہے۔

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ

ابو خالد یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ۶۵ھ یا ۶۶ھ میں جب کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تمام ملک شام کے حاکم تھے پیدا ہوئے اس کی ماں کا نام میسون بنت بحدل تھا جو قبیلہ بنو کلب میں سے تھی نہایت موٹا تازہ آدمی تھا اس کے جسم پر بال بہت زیادہ تھے یزید نے پیدا ہوتے ہی حکومت و امارت کے گھر میں آنکھیں کھولی تھیں۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت ذی ہوش و مآل اندیش شخص تھے انہوں نے یزید کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص طور پر اپنی توجہ منعطف رکھی تھی ایک یا دو مرتبہ اس کو امیر حج بھی بنا کر بھیجا گیا تھا فوج و لشکر کی سرداری بھی اس کو دی تھی قسطنطنیہ کے حملے اور محاصرے میں بھی وہ ایک حصہ فوج کا سردار تھا اس کو شکار کا بہت شوق تھا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں وہ دمشق کے اندر موجود نہ تھا آدمی بھیج کر اس کو بلوایا گیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو وصیت کی لیکن اس وصیت کے بعد ہی وہ باپ کے مرض کو خطرناک نہ سمجھ کر پھر شکار پر چلا گیا چنانچہ جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو وہ دمشق میں موجود نہ تھا کئی دن کے بعد واپس آیا اور ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی

---

[1] اس واقعہ کا نفس مضمون ہی بتا رہا ہے کہ یہ جھوٹا واقعہ ہے یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قیصر روم اور خوارج کے حملہ آور ہونے کی رپورٹیں سن کر تو آرام سے بیٹھے رہے لیکن علی رضی اللہ عنہ کی خبر سن کر مقابلہ کے لیے تیار ہوگئے۔

شعروشاعری میں بھی اس کو دست گاہ کامل حاصل تھی' سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اس کے لیے بیعت ہو چکی تھی' لیکن اکثر لوگ اسی وجہ سے اور بھی زیادہ اس کی طرف سے منقبض اور دل سے ناراض تھے' مدینہ منورہ کے بعض اکابر نے تو بیعت سے قطعی انکار کر دیا تھا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی زندگی میں یزید کے لیے بیعت لینا ایک سخت غلطی تھی' یہ غلطی غالباً محبت پدری کے سبب ان سے سرزد ہوئی' لیکن مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی غلطی ان سے بھی بڑی ہے' کیوں کہ اس غلطی کا خیال اور اس پر عامل ہونے کی جرأت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہی کی تحریک کا نتیجہ تھا' اس لیے سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے مسلمانوں میں ایک ایسی رسم جاری ہونے کا موقع پیدا کر دیا جس سے مشورہ جاتا رہا' اور باپ کے بعد بیٹا بادشاہ ہونے لگا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد اہل شام نے تو بلا تامل بطیب خاطر یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی' دوسرے صوبوں کے لوگوں نے بھی عمال کے ذریعہ بیعت کی اور رعب سلطنت کے مقابلہ میں جرأت انکار نہ کر سکے' یزید نے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی صوبوں اور ولایتوں کے عاملوں کو لکھا' کہ لوگوں سے میرے نام پر بیعت لے لو' اس زمانہ میں مدینہ کے والی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان اور کوفہ کے والی نعمان بن بشیر تھے' یہ دونوں عامل نیک طبیعت اور صلح جو انسان تھے' ان دونوں کے مزاج میں سختی ودرشتی دوسرے عاملوں کے مقابلہ میں بالکل نہ تھی۔

جب یزید کا حکم مدینہ میں ولید بن عتبہ کے پاس پہنچا تو ولید نے اکابر مدینہ کو جمع کر کے یزید کا خط سنایا' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا حال سن کر اظہار افسوس کیا' ان کے لیے دعا مغفرت کی اور ولید سے کہا کہ ابھی میری بیعت کے لیے جلدی نہ کیجئے' میں سوچ کر فیصلہ کروں گا' مروان بن حکم جو پہلے مدینہ کا عامل اور اب ولید بن عتبہ کی ماتحتی میں بطور مشیر موجود تھا اس نے ولید کو ترغیب دی کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے اسی وقت بیعت لے لی جائے اور ان کو جانے نہ دیا جائے' لیکن ولید نے مروان کے مشورہ کو قبول نہ کیا اور ان کی بیعت کو اگلے دن پر ملتوی رکھا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ولید کے پاس نہیں آتے تھے' ان کو بلوایا گیا' انہوں نے آنے سے انکار کر دیا اور ایک شب کی مہلت طلب کی' ان کو بھی ولید نے مہلت دے دی' رات کو موقع پا کر عبداللہ بن زبیر معہ اہل وعیال مدینہ سے نکل گئے اور مدینہ کے معروف راستہ کو چھوڑ کر کسی غیر معروف راستے سے روانہ ہوئے' اگلے دن ان کی گرفتاری کے لیے مروان اور ولید تیس آدمیوں کا ایک دستہ لے کر نکلے' مگر کہیں سراغ نہ ملا' شام کو واپس آ گئے۔

یہ تمام دن چوں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے تجسس میں گذرا' لہٰذا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ

نہ ہو سکی' اس دوسری شب میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی موقع پا کر مدینہ سے مع اہل و عیال روانہ ہو گئے' صبح کو ان کی روانگی کا حال معلوم ہوا تو ولید نے کہا کہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا تعاقب نہ کروں گا' ممکن ہے کہ وہ مقابلہ کریں اور مجھ کو ان کے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں' جو مجھ کو کسی طرح گوارا نہیں۔

ولید بن عتبہ نے ان دونوں صاحبوں کی روانگی کے بعد اہل مدینہ سے خلافت یزید کی بیعت لی' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی خطرہ ہی نہیں تھا' کیوں کہ انہوں نے کبھی خلافت کی خواہش ہی نہیں کی' ادھر یزید نے بھی لکھ دیا تھا کہ اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیعت نہ کریں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے' لہٰذا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیعت کے لیے کسی نے کچھ نہ کہا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ چند روز کے بعد مکہ کی طرف چلے گئے تھے۔ مکہ میں حارث بن حرکو یزید نے عامل بنا کر بھیج دیا تھا' اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما دونوں مکہ میں ساتھ ہی داخل ہوئے' ان کو دیکھتے ہی عبداللہ بن صفوان بن امیہ نے جو شرفاء مکہ میں تھے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اس کے بعد مکہ کے دو ہزار آدمیوں نے جو شرفاء و عمائدین شمار ہوتے تھے' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حارث کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور مکہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی مکہ میں موجود تھے' نہ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی' نہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یا ان کے اہل خاندان سے بیعت لینا چاہی' اسی طرح جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مکہ میں تشریف لے آئے' تو ان سے بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کے لیے کوئی خواہش ظاہر نہیں کی' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنا زیادہ وقت خانہ کعبہ میں مصروف عبادت رہ کر بسر کرتے تھے' ان چند حضرات کے سوا تمام اہل مکہ ان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے تھے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اکثر ملتے' اور مشورہ کرتے رہتے تھے' معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خلافت کی بیعت نہیں لی تھی بلکہ اس بیعت کا منشاء صرف یہ تھا کہ یزید کو خلیفہ تسلیم نہ کیا جائے اور جب تک خلیفہ عالم اسلام کے لیے متفقہ طور پر متعین نہ ہو' اس وقت تک امن و امان اور انتظام قائم رکھنے کے لیے عبداللہ بن زبیر مکہ کے حاکم تسلیم کیے جائیں۔ لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو یہ بات کچھ گراں گذرتی تھی' کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو حکومت مکہ کیوں حاصل ہے' اس لیے کہ وہ اور ان کے اہل خاندان عبداللہ بن زبیر کے پیچھے نماز نہ پڑھتے اور شریک جماعت نہ ہوتے۔

ادھر عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے مدینہ سے چل جانے اور اہل مدینہ کے بیعت کر لینے کی کیفیت مروان نے یزید کے پاس لکھ کر بھیجی' یزید نے فوراً ولید بن عتبہ کو معزول کر کے ان کی جگہ

عمرو بن سعید بن عاص کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا' عمرو بن سعید نے مدینہ کی حکومت آ کر سنبھالی اور ولید بن عتبہ مدینہ سے یزید کے پاس چلے گئے۔

ادھر مکہ پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قابض ہو جانے اور حارث کے قید ہونے کی کیفیت حارث بن خالد نے جو مکہ میں موجود تھے' اور اپنے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے' لکھ کر یزید کے پاس روانہ کی' مکہ کی حالت سے واقف ہو کر یزید نے عمرو بن سعید کو لکھا کہ مکہ جا کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرو اور پابہ زنجیر میرے پاس روانہ کر دو' عمرو نے ایک زبردست فوج مکہ کی جانب بھیجی' وہاں لڑائی ہوئی' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو فتح ہوئی' اور مدینہ سے آئی ہوئی فوج کا سپہ سالار گرفتار ہو کر قید ہوا۔

کوفہ والے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ خط و کتابت رکھتے' اور بار بار لکھتے رہتے تھے کہ آپ کوفہ میں چلے آئیں' ہم آپ کہ ہاتھ پر بیعت کر لیں گے' کوفہ والوں کی ان خفیہ کاروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی واقف تھے' سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کوفہ والوں کی عادات کا نہایت صحیح اندازہ رکھتے تھے' اسی لیے انہوں نے فوت ہوتے وقت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی' کہ تم کو کوفہ والوں کے فریب میں نہیں آنا چاہیئے۔ ادھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو بتا گئے تھے کہ کوفہ والے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ضرور خروج پر آمادہ کریں گے اگر ایسی صورت پیش آئے اور تم سیدنا حسین پر قابو پاؤ تو ان کے ساتھ رعایت کا برتاؤ کرنا' چونکہ مکہ کی حکومت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آ گئی تھی' لہٰذا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی توجہ اب کوفہ کی طرف زیادہ مبذول رہتی تھی۔

کوفہ میں جب وہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کے پاس یزید کا خط پہنچا اور عام طور پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر مشہور ہوئی تو شیعان بنی امیہ نے فوراً نعمان بن بشیر کے ہاتھ پر خلافت یزید کی بیعت کی' لیکن شیعان علی اور شیعان حسین رضی اللہ عنہ نے جو پہلے ہی سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں بلانے کی کوشش کر رہے تھے' بیعت میں تامل کیا' اور سلیمان بن صرد کے مکان میں جمع ہوئے' سب نے اس قرارداد پر اتفاق کیا کہ یزید کو خلیفہ تسلیم نہ کیا جائے' اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں بلایا جائے' ابھی یہ خفیہ مشورہ ہو ہی رہے تھے کہ انہوں نے سنا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ چلے گئے ہیں مگر وہاں اہل مکہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو نہیں بلکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنا حاکم بنا لیا ہے' اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مکے میں ہی موجود ہیں' اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی' چنانچہ انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خط روانہ کیا کہ:

''ہم آپ کے اور آپ کے والد بزرگوار کے شیدائی اور بنی امیہ کے دشمن ہیں' ہم نے آپ کے والد ماجد کی حمایت میں طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کی' ہم نے میدان صفین میں ہنگامہ کارزار

گرم کیا اور شامیوں کے دانت کھٹے کر دیئے' ہم اب آپ کے ساتھ مل کر بھی جنگ کرنے کو تیار ہیں' آپ فوراً اس خط کو دیکھتے ہی کوفہ کی طرف روانہ ہو جائیے۔ یہاں آئیے تا کہ ہم نعمان بن بشیر کو قتل کر کے کوفہ آپ کے سپرد کر دیں' کوفہ وعراق میں ایک لاکھ سپاہ موجود ہے' وہ سب کے سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں' ہم آپ کو حق دار خلافت یقین کرتے ہیں' یزید تو کسی طرح بھی آپ کے مقابلے میں خلافت کا استحقاق نہیں رکھتا' یہ موقع ہے' دیر مطلق نہ کیجئے' ہم یزید کو قتل کر کے آپ کو تمام عالم اسلام کا تنہا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں' ہمارے سربرآوردہ لوگوں نے یزید کے عامل یعنی نعمان بن بشیر کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنی بھی ترک کر دی ہے' کیوں کہ ہم امامت کا مستحق آپ کے نائبین کو سمجھتے ہیں''۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس مکہ میں اسی مضمون کے خطوط مسلسل پہنچنے شروع ہوئے تو انہوں نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو بلایا (یہ مسلم ان ہی عقیل بن ابی طالب کے بیٹے ہیں جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مصاحب خاص اور مشیر با اخلاص تھے) اور فرمایا کہ تم میرے نائب بن کر کوفہ میں جاؤ' پوشیدہ طور پر جاؤ' پوشیدہ طور پر کوفہ میں رہو اور میرے نام پر لوگوں سے پوشیدہ طور پر بیعت لو' جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کریں ان کی تعداد اور خاص خاص کے نام خط میں لکھ کر میرے پاس روانہ کر دو' تم اپنے آپ کو پنہاں رکھنے کی بہت کوشش کرو' اور ان لوگوں کو جو بیعت میں داخل ہوں سمجھاؤ' کہ جب تک میں وہاں نہ پہنچوں ہرگز لڑائی نہ لڑیں۔

مسلم نہایت احتیاط کے ساتھ کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہ ہو سکے مکہ سے روانہ ہوئے' راستہ میں انہوں نے کچھ سوچا' اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ مجھ کو اس کا انجام کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا' آپ مجھ کو معاف رکھیں اور بجائے میرے کسی دوسرے شخص کو کوفہ کی طرف بھیجیں' لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا کہ تم بزدلی کا اظہار نہ کرو' اور تم ہی کوفہ میں جاؤ' چنانچہ مسلم بن عقیل روانہ ہوئے' اور کوفہ میں پہنچ کر مختار بن ابی عبید کے مکان پر اترے' اسی وقت یہ خبر شیعان علی رضی اللہ عنہ میں پہنچ گئی' لوگ جوق درجوق آ آ کر بیعت ہونا شروع ہوئے' پہلے ہی دن ۱۲ ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔

مسلم نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام اپنے بخیریت پہنچنے اور لوگوں کے بیعت کرنے کا حال لکھا' اور ان کو اطلاع دی کہ پہلے ہی دن بارہ ہزار آدمی بیعت میں داخل ہوئے جن میں سلطان بن صرد' میتب بن ناجیہ' رقاطہ بن شداد' ہانی بن مروہ بھی شامل ہیں' آپ جب آئیں گے اور علانیہ بیعت لینا شروع کریں گے' تو لاکھوں آدمی بیعت میں داخل ہو جائیں گے' یہ خط سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس قیس و عبدالرحمن دو شخص لے کر روانہ ہوئے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے' اور دونوں

نامہ بروں کو فوراً واپس کر دیا' اور کہلا بھجوایا کہ میں بہت جلد کوفہ پہنچنا چاہتا ہوں۔

اب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کر کے کہ بصرہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گروہ کی کافی تعداد موجود ہے اپنے ایک معتمد کو احنف بن مالک اور دوسرے شرفاء بصرہ کے نام خطوط دے کر بصرہ کی جانب روانہ کر دیا' ان خطوط میں لکھا تھا' کہ آپ لوگوں کو میرے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیئے اور فوراً کوفہ پہنچ جانا چاہیئے۔

کوفہ میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے پہنچنے اور لوگوں کے بیعت کرنے کا حال جب عام طور پر مشہور ہو گیا تو عبداللہ بن مسلم الحضرمی نعمان بن بشیر کے پاس آیا اور کہا کہ اے امیر' خلیفہ وقت کے کام میں ایسی سستی نہیں کرنی چاہیئے' آج کئی روز ہوئے مسلم بن عقیل کوفہ میں آ کر لوگوں سے حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کے لیے بیعت لے رہے ہیں' آپ کو چاہیئے کہ مسلم کو قتل کر دیں یا گرفتار کر کے یزید کے پاس بھیج دیں اور جن لوگوں نے بیعت کی ہے' ان کو بھی قرار واقعی سزا دیں' نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ لوگ جس کام کو مجھ سے چھپا کر کر رہے ہیں' میں اس کو آشکارا کرنا مناسب نہیں سمجھتا' جب تک یہ لوگ مقابلہ کے لیے نہ نکلیں گے میں ان پر حملہ نہ کروں گا' عبداللہ یہ سن کر باہر آیا اور اسی وقت یزید کو ایک خط لکھا:

''مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ میں آ کر حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کے لیے بیعت لے رہے ہیں اور لوگ ان کے ہاتھ پر کثرت سے بیعت کر رہے ہیں' حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے بھی آنے کی خبر ہے' نعمان اس معاملہ میں بڑی کمزوری دکھا رہے ہیں' آپ اگر ولایت کوفہ کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں' تو کسی زبردست گورنر کو فوراً کوفہ میں بھیجیں' تا کہ وہ آ کر مسلم کو گرفتار کرے اور لوگوں سے بیعت فسخ کرائے' اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو کوفہ میں داخل ہونے سے روکے' اس کام میں اگر دیر ہوئی تو آپ کوفہ کو اپنے قبضے سے نکلا ہوا سمجھیں''۔

اسی مضمون کے خطوط عمارہ بن عتبہ' اور ابن ابی معیط نے بھی یزید کے نام روانہ کیے' ان خطوط کو پڑھ کر یزید بہت فکر مند اور پریشان ہوا' سرجون نامی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک آزاد کردہ غلام تھا' سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بعض پیچیدہ باتوں اور اہم معاملات میں اس سے مشورہ لیا کرتے' اور اس کے مشورہ سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے' یزید نے اس کو بلایا اور عبداللہ بن الحضرمی کا خط دکھا کر مشورہ طلب کیا' اس جگہ جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات قابل تذکرہ ہے کہ یزید ہمیشہ زیاد بن ابی سفیان سے ناراض رہتا تھا' زیاد کے بعد وہ عبیداللہ بن زیاد سے بھی بہت ناخوش و متنفر تھا' عبیداللہ بن زیاد کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا' یزید یہ ارادہ کر رہا تھا' کہ بصرہ کی حکومت سے عبیداللہ بن

زیاد کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو بصرہ کا حاکم بنائے۔ اب کوفہ سے یہ وحشت ناک خبریں آنے پر یزید نے جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سے مشورہ طلب کیا تو اس نے عرض کیا کہ اس وقت عراق آپ کے قبضہ سے نکلنا چاہتا ہے' اگر آپ عراق کو بچانا چاہتے ہیں تو عبیداللہ بن زیاد کے سوا کوئی دوسرا شخص آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو یہ میرا مشورہ ناگوار گذرے گا مگر عبیداللہ بن زیاد کے سوا جس شخص کو بھی آپ کوفہ کی حکومت پر بھیجیں گے وہ کوفہ کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے گا' ساتھ ہی میرا مشورہ یہ بھی ہے' کہ جس طرح سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ کے باپ زیاد کو بصرہ و کوفہ دونوں ولایتوں کی حکومت سپرد کر رکھی تھی' اسی طرح آپ بھی عبیداللہ کو بصرہ و کوفہ دونوں ولایتیں سپرد کر دیں' بصرہ کے لیے کسی دوسرے حاکم کو انتخاب کرنے کی ضرورت نہیں یزید نے یہ مشورہ سن کر تھوڑی دیر تامل کیا' پھر فوراً عبیداللہ بن زیاد کے نام حکمنامہ لکھا کہ:

''ہم نے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی ولایت بھی تم کو سپرد کی' اب تم کو چاہیئے کہ اس حکم کے پہنچتے ہی بصرہ میں کسی کو اپنا نائب بنا کو چھوڑ دو اور خود بلا توقف کوفہ میں پہنچو'' وہاں مسلم بن عقیل آئے ہوئے ہیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لے رہے ہیں' ان کو پکڑ کر قید یا قتل کر دو اور جن لوگوں نے ان کو بیعت کی ہے' ان کو بھی اگر فسخ بیعت سے انکار کریں تو تلوار کے گھاٹ اتار دو' اور اس قسم کے ہر ایک خطرہ کا بندوبست کر دو''۔

عبیداللہ بن زیاد کو یقین تھا' کہ یزید مجھ کو بصرہ کی حکومت سے معزول و برطرف کئے بغیر نہ رہے گا' اس کو پڑھ کر وہ حیران رہ گیا' پھر خوش بھی ہوا اور رنجیدہ بھی' کیوں کہ اس حکم کے پڑھنے سے اس کے دل میں یہ خطرہ بھی پیدا ہوا تھا' کہ یزید اس بہانہ سے مجھ کو بصرہ سے نکالنا چاہتا ہے تاہم اس نے اس حکم کی تعمیل کو مناسب سمجھا اور اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے خود اگلے دن کوفہ کی طرف روانہ ہونے کا عزم کیا' اتنے میں منذر بن الحارث اس کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا فرستادہ ایک شخص آیا ہے اور آپ سے چھپا کر لوگوں سے امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لے رہا ہے' عبیداللہ بن زیاد نے یہ سن کر اسی رات میں دھوکے سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاصد کو گرفتار کر لیا اور اگلے دن لوگوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور کہا کہ:

''حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا ایک قاصد بصرہ میں آیا اور بہت سے لوگوں کے نام خطوط لایا ہے' میں نے اس قاصد کو گرفتار کر لیا ہے' بصرہ میں جن جن لوگوں کے نام وہ خطوط یا پیغام لایا ہے' میں نے سب کے نام اس سے دریافت کر لیے ہیں' اور جن جن لوگوں نے بیعت اس کے ہاتھ پر کی ہے ان کی فہرست بھی تیار کر لی ہے' آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ میں زیاد بن ابی سفیان کا بیٹا ہوں' مسلم بن عقیل

رضی اللہ عنہ کوفہ میں آئے ہوئے ہیں میں اب کوفہ کو جارہا ہوں' وہاں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے' سب کو قتل کر ڈالوں گا اور اگر تمام کوفہ بیعت کر چکا ہے' تو ایک شخص کو بھی وہاں زندہ نہ چھوڑوں گا' تمہارے ساتھ اس وقت یہ رعایت کرتا ہوں' کہ بجز حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے قاصد کے اور کسی کو کچھ نہیں کہتا' لیکن یہاں سے میرے جانے کے بعد اگر کسی نے ذرا بھی کان ہلایا تو پھر اس کی خیر نہ ہوگی''۔

یہ کہہ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاصد کو بلایا اور اس کو تمام مجمع کے روبرو قتل کرا دیا' کسی نے اف تک نہ کی اس کارروائی کے بعد مطمئن ہو کر وہ کوفہ کی طرف روانہ ہوا' سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں بیٹھے ہوئے یہ خیال کر رہے تھے کہ بصرہ میں بھی ہمارے نام پر بیعت ہو رہی ہوگی' لیکن یہاں ان کا فرستادہ قتل کیا جارہا تھا۔

عبیداللہ بن زیاد نے قادسیہ کے مقام پر پہنچ کر اپنی رکابی فوج کو وہیں چھوڑا' اور خود اپنے باپ کے آزاد کردہ غلام کے ساتھ ایک اونٹ پر سوار ہو کر کوفہ کی جانب تیز رفتاری سے روانہ ہو کر مغرب و عشاء کے درمیان کوفہ میں داخل ہوا' عبیداللہ بن زیاد نے عمامہ حجازیوں کی وضع کا باندھ رکھا تھا' یہاں لوگوں کو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی آمد کا انتظار تھا' شیعان علی رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کا یہاں تک زور ہو گیا تھا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ شام ہی سے اپنے دیوان خانے کا دروازہ بند کر لیتے اور اپنے خاص خاص آدمیوں کے ساتھ مجلس گرم کرتے۔ دروازے پر غلام کو بٹھا دیتے'' کہ ہر آنے والے کا نام و پتہ معلوم کرنے کے بعد اگر وہ اندر آنے کے قابل ہو' تو دروازہ کھولے ورنہ انکار کر دے۔

عبیداللہ بن زیاد جب کوفہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ جن کا انتظار تھا کوفہ میں آ گئے' جس طرف عبیداللہ کا اونٹ گذرتا' لوگ کہتے السلام علیک یا ابن رسول اللہ' عبیداللہ اپنا اونٹ لیے سرکاری دیوان خانے تک پہنچا' وہاں دیکھا تو دروازہ بند ہے عبیداللہ نے دروازہ کھٹکھٹایا' اور زبان سے کچھ نہ کہا' نعمان بن بشیر اپنے دوستوں کے ساتھ چھت پر بیٹھے ہوئے تھے' وہ اٹھے اور چھت کے کنارے پر آ کر دیکھا' تو چوں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا تمام شہر میں انتظار کیا جارہا تھا' وہ عبیداللہ کو یہی سمجھے کہ امام حسین آ گئے ہیں' چنانچہ انہوں نے اوپر ہی سے کہا کہ ''اے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ واپس چلے جایئے' اور فتنہ برپا نہ کیجئے' یزید ہرگز کوفہ آپ کو نہ دے گا۔

نعمان کے دوستوں نے جو چھت پر بیٹھے تھے' نعمان سے کہا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتنی بے مروتی نہ کیجئے' کم از کم دروازہ کھول کر ان کو اندر آنے کی اجازت دیجئے' کیوں کہ وہ سفر سے آ رہے ہیں اور سیدھے آپ کے مہمان بن کر آئے ہیں' نعمان نے کہا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ

لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ نعمان کے عہد حکومت میں کوفہ کے اندر حسین رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے' عبیداللہ نے اپنا عمامہ اتارا اور کہا کم بخت دروازہ تو کھول' عبیداللہ کی آواز سن کر لوگوں نے اس کو پہچانا' دروازہ کھولا اور سب ادھر ادھر منتشر ہو گئے' عبیداللہ اندر داخل ہوا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد عبیداللہ کا لشکر کوفہ میں داخل ہونا شروع ہوا جس کو وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا' اسی وقت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی' کہ ابن زیاد مع لشکر آ گیا ہے' وہ جس مکان میں مقیم تھے اور لوگوں کو عام طور پر اس کا علم تھا' اس کو چھوڑ دیا اور ہانی بن عروہ کے مکان میں جا کر پناہ گزین ہوئے' اس وقت تک مسلم کے ہاتھ پر بیعت ہونے والوں کی تعداد کوفہ میں اٹھارہ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

عبیداللہ بن زیاد نے اگلے دن صبح کو مجمع عام کے روبرو تقریر کی اور یزید کا حکم نامہ جو اس کے پاس بصرہ میں پہنچا تھا سنایا' عبیداللہ نے کہا کہ:

''تم لوگ میرے باپ زیاد بن ابی سفیان کو خوب جانتے ہو اور تم کو معلوم ہے کہ وہ کس قسم کی سیاست برتنے کے عادی تھے' مجھ میں اپنے باپ کی تمام عادات موجود ہیں' تم لوگ مجھ سے بھی خوب واقف ہو اور میں بھی تمہارے ایک ایک شخص کا نام جانتا اور ہر ایک کا گھر اور محل پہچانتا ہوں' مجھ سے تم کوئی چیز چھپا نہیں سکتے' میں یہ نہیں چاہتا کہ کوفہ میں خون کے دریا بہاؤں اور تم کو قتل کروں' مجھ کو معلوم ہے کہ تم نے حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے' میں تم سب کو امان دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم اس بیعت سے رجوع کر لو' اور جو شخص بغاوت پر آمادہ ہے اس کو کوئی شخص اپنے مکان میں پناہ نہ دے' ورنہ ہر ایک پناہ دہندہ کو اسی کے دروازہ پر قتل کیا جائے گا''۔

اس تقریر کے بعد عبیداللہ نے مسلم بن عقیل کا پتہ دریافت کیا کہ وہ کس جگہ ہیں' کسی نے پتہ نہ بتایا' آخر عبیداللہ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وہ ہانی بن عروہ کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں' عبیداللہ نے معقل نامی ایک شخص کو جو تمیم کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا اور اس کو کوفہ میں کوئی نہیں جانتا تھا' بلا کر تنہائی میں تین ہزار درہم کی ایک تھیلی دی اور کہا کہ فلاں محلہ میں ہانی بن عروہ کے مکان پر جاؤ' جب ہانی بن عروہ سے ملاقات ہو جائے' تو اس سے کہو کہ مجھ کو آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا ہے' جب تنہائی میں پہنچو تو ہانی سے کہو کہ مجھ کو بصرہ کے فلاں فلاں شخصوں نے بھیجا ہے' اور تین ہزار درہم دیئے ہیں کہ کوفہ میں جا کر مسلم بن عقیل کے پاس پہنچا دو اور ان سے کہو کہ ہمارے پاس مکہ سے حسین رضی اللہ عنہ کا خط آیا ہے' انہوں نے ہم کو لکھا ہے کہ تم فلاں تاریخ کو کوفہ پہنچ جاؤ' اسی تاریخ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی کوفہ پہنچیں گے' آپ بالکل مطمئن رہیں' ہم سب تاریخ مقررہ کو کوفہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ داخل ہوں گے' یہ تین ہزار درہم اپنی ضروریات میں صرف کرو اور ہماری طرف سے بطور

ہدیہ قبول کرو' لہٰذا آپ مجھ کو مسلم بن عقیل کے پاس پہنچا دیجئے' تا کہ میں تمام پیغامات اور یہ روپیہ ان کی خدمت میں پہنچا دوں اور فوراً کوفہ سے چلا جاؤں کیوں کہ عبیداللہ بن زیاد آ گیا ہے اور وہ مجھ کو پہچانتا ہے' ایسا نہ ہو کہ میں گرفتار ہو جاؤں۔

معقل تین ہزار درہم کی تھیلی لے کر ہانی کے پاس پہنچا' وہ مکان کے دروازے پر بیٹھا تھا' معقل کی باتیں سن کر فوراً مسلم بن عقیل کے پاس لے گیا...... مسلم بن عقیل نے خوش ہو کر وہ تھیلی لے لی اور پیغامات سن کر معقل کو رخصت کر دیا' معقل وہاں سے چل کر سیدھا عبیداللہ کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں تھیلی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو دے آیا ہوں اور خود ان سے باتیں کی ہیں' وہ ہانی کے مکان میں موجود ہیں' عبیداللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ کو بلا کر پوچھا' کہ مسلم کہاں ہیں' ہانی نے لاعلمی ظاہر کی' عبیداللہ نے معقل کو بلوا کر سب کے سامنے اس کا بیان سنوایا' ہانی شرمندہ ہو کر کہنے لگا کہ ہاں میرے ہاں مسلم بن عقیل پناہ گزین ہیں' لیکن میں اپنی یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا' کہ اب ان کو آپ کے سپرد کر دوں' عبیداللہ نے ہانی کو وہیں گرفتار کر لیا' شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ہانی کو عبیداللہ نے قتل کر دیا ہے' ہانی بن عروہ کے گھر کی عورتیں یہ سن کر رونے لگیں' مسلم بن عقیل نے جب یہ صورت دیکھی تو وہ ضبط نہ کر سکے' اور فوراً شمشیر بدست ہانی کے گھر سے نکل کر ان لوگوں کو آواز دی جنہوں نے مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' اٹھارہ ہزار میں سے صرف چار ہزار آدمی ان کے گرد جمع ہوئے' مسلم نے باقیوں کو بھی بلایا' لیکن ہر ایک نے یہ جواب دیا کہ ہم سے تو بیعت کے وقت یہ اقرار لیا گیا ہے' کہ جب تک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نہ آ جائیں کسی سے جنگ نہ کریں گے' ان کے آنے تک آپ کو بھی صبر کرنا چاہیے۔

مسلم بن عقیل چوں کہ اب باہر آ چکے تھے' لہٰذا دوبارہ نہیں چھپ سکتے تھے' ان ہی چار ہزار آدمیوں کو لے کر مسلم بن عقیل نے عبیداللہ بن زیاد کا محاصرہ کیا' عبیداللہ اس وقت دارالامارۃ میں تیس چالیس آدمیوں کے ساتھ تھا' چھتوں پر چڑھ کر محاصرین پر تیروں کی بارش شروع کی' مسلم کے ہمراہیوں کو ان کے رشتہ داروں اور دوستوں نے آ آ کر سمجھانا شروع کیا کہ اپنے آپ کو کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہو' غرض رفتہ رفتہ سب جدا ہو گئے' اور مسلم بن عقیل کے ساتھ صرف تیس چالیس آدمی رہ گئے۔

مسلم بن عقیل اور ہانی کا قتل

اس حالت میں مسلم بن عقیل وہاں سے بھاگے اور اہل کوفہ میں سے کسی شخص کے گھر میں بنا۔

گزین ہوئے، عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن جریر مخزومی کو ان کی گرفتاری کے لیے بھیجا، مسلم بن عقیل نے کوئی مفر نہ دیکھ کر تلوار کھینچی، لیکن عمرو بن جریر نے کہا کہ ناحق آپ اپنی جان کیوں ضائع کرتے ہو آپ اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیں، میں اپنی ذمہ داری پر آپ کو امیر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لیے جاتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اس سے آپ کی جان بخشی کرا دوں گا۔ مسلم بن عقیل نے تلوار ہاتھ سے رکھ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا، وہ مسلم کو عبیداللہ کے پاس لے گیا، عبیداللہ نے مسلم کو بھی اسی کمرہ میں قید کر دیا جس میں ہانی بن عروہ پہلے سے قید تھے۔

اگلے روز بیعت کرنے والوں میں سے دس ہزار آدمی جمع ہوئے، اور عبیداللہ بن زیاد کے مکان کو جا کر گھیر لیا اور مسلم و ہانی دونوں کی رہائی کا مطالبہ کیا کہ اگر دونوں کو رضامندی سے رہا کر دو، تو بہت اچھا ہے، نہیں تو ہم زبردستی چھین کر لے جائیں گے۔ عبیداللہ بن زیاد نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ چھت پر لے جا کر مسلم اور ہانی دونوں کو ان لوگوں کے سامنے قتل کر دو، چنانچہ دونوں کو قتل کر دیا گیا، یہ دیکھ کر سب منتشر ہو گئے، گویا وہ ان دونوں کو قتل ہی کرانے آئے تھے۔ عبیداللہ نے حکم دیا کہ محل کا دروازہ کھول دیں اور ان دونوں کے جسموں کو دار پر لٹکا دیں، اور سروں کو یزید کے پاس دمشق لے جائیں۔

یزید نے عبیداللہ کو لکھا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں اور بہت جلد کوفہ پہنچنے والے ہیں تم اچھی طرح اپنی حفاظت کرو، اور فوجیں متعین کر دو کہ وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی راستہ میں روک دیں اور کوفہ تک نہ پہنچنے دیں۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ سے روانگی

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ سے روانگی کی تیاری کی۔ جب سامان سفر درست ہو گیا، اور مکہ میں یہ خبر مشہور ہوئی، کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کوفہ کو جانے والے ہیں تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے محبت و ہمدردی رکھنے والوں نے آ آ کر ان کو اس ارادے سے باز رکھنا چاہا اور سمجھایا کہ آپ کا کوفہ کی طرف روانہ ہونا خطرہ سے خالی نہیں، اول عبدالرحمٰن بن حارث نے آ کر عرض کیا کہ آپ کوفہ کا عزم ترک کر دیں، کیوں کہ وہاں عبیداللہ بن زیاد حاکم عراق موجود ہے، کوفہ والے لالچی لوگ ہیں، بہت ممکن ہے کہ جن لوگوں نے بلایا ہے وہی آپ کے خلاف لڑنے کے لیے میدان میں نکلیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آ کر کہا کہ تم بیعت لینے اور امارت حاصل کرنے کے لیے مکہ سے باہر نہ جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں سے ایک کے اختیار کرنے کی

آزادی دی تھی' آپ نے آخرت کو اختیار کیا' تم بھی خاندان نبوت سے ہو' دنیا کی طلب نہ کرو' اپنے دامن کو دنیا کی آلائش سے آلودہ نہ ہونے دو۔ یہ نصیحت کر کے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رو پڑے حسین رضی اللہ عنہ بھی رو پڑے مگر انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ مجبور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رخصت ہو کر چلے گئے۔

اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آئے اور انہوں نے کہا کہ مکہ کو نہ چھوڑو' اور خانہ اللہ تعالیٰ سے دوری اختیار نہ کرو' تمہارے والد محترم نے مکہ اور مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو ترجیح دی تھی' مگر تم نے دیکھا کہ ان کے ساتھ کوفہ والوں نے کس قسم کا سلوک کیا' یہاں تک کہ ان کو شہید ہی کر کے چھوڑا تمہارے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو بھی کوفیوں نے لوٹا' قتل کرنا چاہا' آخر زہر دے کر مار ہی ڈالا' اب تم کو ان پر ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیئے' نہ ان کی بیعت اور قسم کا کوئی بھروسہ ہے' نہ ان کے خطوط اور پیغامات قابل اعتماد ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ باتیں سن کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا. کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں سب درست ہے' لیکن مسلم بن عقیل کا خط آ گیا ہے' بارہ ہزار آدمی اس کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اور اس سے پہلے شرفاء کوفہ کے ڈیڑھ سو خطوط میرے پاس آ چکے ہیں' اب کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے' میرا وہاں جانا ہی مناسب ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ جواب سن کر کہا' کہ اچھا کم از کم اس ذی الحجہ کے مہینے کو ختم اور نئے سال کو شروع ہو لینے دو' پھر عزم سفر کرنا' اب حج کے دن آ گئے ہیں سارے جہان کے لوگ دور دور سے مکہ میں آ رہے ہیں اور تم مکہ کو چھوڑ کر باہر جا رہے ہو' محض اس لیے کہ دنیا اور دنیا داروں پر تم کو حکومت حاصل ہو' لوگوں کو حج سے فارغ ہو کر واپس ہو لینے دو' پھر اگر ضروری سمجھتے ہو تو روانہ ہو جاؤ۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ اب میں تاخیر نہیں کر سکتا' مجھ کو فوراً روانہ ہی ہو جانا چاہیئے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اچھا اگر تم میرا کہنا نہیں مانتے ہو تو کم از کم عورتوں اور بچوں کو تو ساتھ نہ لے جاؤ' کیوں کہ کوفہ والوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے' بارہ ہزار شخص جب کہ تمہاری خلافت کے لیے بیعت کر چکے ہیں تو ان کا فرض تھا کہ وہ اول یزید کے عامل کو کوفہ سے نکال دیتے' خزانہ پر قبضہ کرتے اور پھر آپ کو بلاتے۔ لیکن موجودہ صورت میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید کے عامل یعنی کوفہ کے عامل کے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتے' جبکہ ان کے پاس خزانہ بھی نہیں اور عامل کو نکال دینے کی جرأت بھی نہیں' تو یقیناً کوفہ کا عامل ان کو خوف دلا کر اور لالچ دے کر اپنے حسب منشاء جب چاہے گا

استعمال کر سکے گا' اور ہو سکتا ہے کہ یہی لوگ جو آپ کو بلا رہے ہیں آپ سے لڑنے کے لیے یزید کی طرف سے میدان میں آئیں' ان حالات پر غور کرنے سے آپ کی جان کا خطرہ نظر آتا ہے' اگر عورتیں اور بچے بھی آپکے ساتھ ہوئے' تو جس طرح عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے روبرو قتل کیے گئے اسی طرح آپ کے اہل وعیال کو بھی آپ کا قتل ہونا دیکھنا پڑے گا اور دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر لونڈی غلام بننے کا اندیشہ رہے گا۔

جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس بات کو بھی نہ مانا' تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ کو امارت وخلافت کا ایسا ہی شوق ہے' تو آپ اول یمن کے ملک میں جائیے' وہاں آپ کے بہت سے ہمدرد بھی موجود ہیں۔ وہاں پہاڑی سلسلہ بھی حفاظت کے لیے خوب کام آ سکتا ہے۔ حجاز کی حکومت بھی اگر آپ چاہیں تو بڑی آسانی سے آپ کو مل سکتی ہے۔ آخر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مجبور ہو گئے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے کسی مشورہ کو بھی نہ مانا۔

اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما آئے اور انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہرگز کوفہ کا عزم نہ کریں' آپ کی روانگی کے عزم کا حال جب سے مکہ میں مشہور ہوا ہے' میں بعض شخصوں سے یہ بھی سن رہا ہوں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اب حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے چلے جانے سے بہت خوش ہو گا کیوں کہ مکہ میں اس کا کوئی رقیب باقی نہ رہے گا۔ لہٰذا میں ان بدگمان لوگوں کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے آپ سے نہایت خلوص کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ آپ مکہ کی حکومت قبول فرمائیں اور اپنا ہاتھ بڑھائیں تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں اور آپ کے حکم کی تعمیل میں شمشیر زنی کے لیے میدان میں نکلوں' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اب اطلاع دے چکا اور روانگی کا عزم مصمم کر چکا ہوں لہٰذا کسی طرح رک نہیں سکتا۔

آخر ۳ ماہ ذی الحجہ ۶۰ھ بروز دوشنبہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے مع اہل خاندان روانہ ہوئے' اسی تاریخ یعنی بروز دوشنبہ بتاریخ ۳ ذی الحجہ کوفہ میں مسلم بن عقیل قتل کیے گئے' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جب مکہ سے روانہ ہونے لگے تو عمرو بن سعد بن العاص رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے اہل مکہ نے آ کر ان کو روکنا چاہا اور کہا کہ اگر آپ ویسے نہیں مانتے تو ہم آپ کو زبردستی روکیں گے اور آپ کا مقابلہ کریں گے' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو کچھ تم سے ہو سکے کر گذرو' اور لڑائی کا ارمان بھی نکال لو' یہ سن کر سب لوگ ان کے سامنے سے ہٹ گئے' اور وہ روانہ ہوئے' رخصت کرتے وقت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں اس وقت تمہارے اونٹ کے آگے لیٹ جاتا' کہ وہ مجھ کو بغیر کچلے ہوئے آگے نہ بڑھ سکے' لیکن میں جانتا ہوں کہ تم پھر بھی نہ رکو گے' اور عزیمِ کوفہ سے باز نہ رہو گے۔

آخر آپ مکہ سے روانہ ہوئے' مقام تیعم میں ایک قافلہ ملا جو یزید کے پاس عامل یمن کی طرف سے تحائف لے جا رہا تھا' آپ نے اس قافلہ کو گرفتار کر لیا' اور کچھ سامان اس قافلہ سے لے کر آگے روانہ ہوئے' مکہ اور کوفہ کے درمیان مقام صفاح میں عربی کے مشہور شاعر فرزق سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آ رہا تھا' فرزوق جب کوفہ سے چلا تھا' تو اس وقت تک عبیداللہ بن زیاد کوفہ میں داخل نہ ہوا تھا' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرزوق سے کوفہ اور کوفیوں کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ اہل کوفہ کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں' لیکن ان کی تلواریں آپ کی حمایت میں بلند نہیں ہو سکتیں۔

کچھ دور آگے بڑھے تھے' کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا خط جو انہوں نے مدینہ سے اپنے بیٹوں عون اور محمد کے ہاتھ روانہ کیا تھا آپ کو ملا' عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا کہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ کوفہ کے ارادہ سے باز رہیے' اور مدینہ میں آ جائیے' مجھ کو اندیشہ ہے کہ آپ قتل نہ ہو جائیں' اللہ کے لیے آپ اس معاملہ میں جلدی نہ کریں' ساتھ ہی مدینہ کے والی کا خط بھی ان ہی قاصدوں نے دیا' جس میں لکھا تھا کہ آپ مدینہ میں آ کر رہنا چاہیں تو آپ کو امان ہے' مگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی سے قطعاً انکار کیا' اور محمد اور عون کو بھی ہمراہ لے لیا۔

آپ نے اپنے دلیل راہ سے جو بصرہ کا ایک شخص تھا کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ہم کو کوفہ میں پہنچاؤ' تاکہ ہم عبیداللہ بن زیاد کے پہنچنے سے پہلے کوفہ میں داخل ہو جائیں وہاں لوگ ہمارے سخت منتظر ہوں گے۔ اتفاقاً اسی روز عبیداللہ بن زیاد کے پاس یزید کا خط پہنچا تھا' کہ اپنی حفاظت کرو اور چوں کہ سیدنا حسین مکہ سے روانہ ہو چکے ہوں گے' لہٰذا ہر ایک راستے پر فوجیں متعین کر دو' کہ ان کو کوفہ تک نہ پہنچنے دیا جائے' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے دل میں یہ خیال کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ہر روز لوگ بیعت کرتے ہوں گے' اور جماعت اب بہت زیادہ ہو چکی ہوگی' لیکن کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد ان کی گرفتاری یا قتل کے لیے فوجیں نامزد کر رہا تھا۔

چند منزلیں اور طے کرنے کے بعد عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی' انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ارادے سے واقف ہو کر نہایت اصرار کے ساتھ روکا اور مکہ کی طرف واپس چلنے کے لیے قسمیں دلائیں' پھر ان کو سمجھایا کہ آپ عراقیوں کے فریب میں نہ آئیں' اگر آپ بنوامیہ سے خلافت چھیننے کی کوشش کریں گے تو وہ آپ کو ضرور قتل کر دیں گے اور ہر ایک ہاشمی' ہر ایک عرب اور ہر ایک مسلمان کے لیے قتل پر دلیر ہو جائیں گے' آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال کر اسلام' عرب اور قریش کی حرمت کو نہ مٹائیں' مگر امام حسین رضی اللہ عنہ پر ان کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بدستور کوفہ کی جانب گرم سفر رہے۔

مقام حاجر سے آپ نے قیس بن مسہر کے ہاتھ اہل کوفہ کے پاس ایک خط بھیجا' کہ ہم قریب پہنچ گئے ہیں ہمارے منتظر رہو' قیس قادسیہ میں پہنچے تھے' کہ لشکر ابن زیاد کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے' ابن زیاد کے روبرو معہ خط پیش کیے گئے' اس نے قصر امارت کی چھت پر چڑھا کر اوپر سے گرا دیا' اور قیس گرتے ہی فوت ہو گئے' پھر اگلی منزل سے اپنے رضائی بھائی عبداللہ بن یقطر کو اسی طرح خط دے کر بھیجا' وہ بھی اسی طرح گرفتار ہو کر قصر امارت سے گرا کر قتل کیے گئے۔

یہ قافلہ جب مقام ثعلبیہ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ میں قتل کر دیئے گئے اور اب کوئی متنفس کوفہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا حمایتی نہیں ہے' اس خبر کے سنتے ہی تمام قافلہ پر مایوسی چھا گئی' اور واپسی کا ارادہ ہوا' کیوں کہ کوفہ کی طرف جانے میں قوی احتمال تھا کہ جو سلوک مسلم کے ساتھ ہوا ہے' وہی اس قافلے کے ساتھ ہوگا' یہ سن کر مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے بیٹوں نے کہا کہ ہم کو ہرگز واپس نہیں ہونا چاہیئے۔ اب تو ہم مسلم کا قصاص لیں گے ورنہ ان ہی کی طرح جان دیں گے' دوسرے یہ کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں' ان کو جب کوفہ والے دیکھیں گے' تو ضرور ان کے شریک حال ہو جائیں گے' اور ابن زیاد کو گرفتار کر لیں گے۔

اس قافلہ میں کئی سو آدمی شامل تھے اور راستے میں لوگ شامل ہو ہو کر ان کی تعداد کو دم بدم بڑھاتے جاتے تھے' لیکن ثعلبیہ میں اس خبر کو سن کر جب قافلہ آگے بڑھا تو دوسرے قبائل کے لوگ بتدریج جدا ہونے شروع ہوئے' یہاں تک کہ خاص اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگ باقی رہ گئے' جن کی تعداد بہتر اسی کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ بعض روایتوں میں ڈھائی سو کے قریب بیان کی گئی ہے۔

حادثہ کربلا

عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن سعد بن ابی وقاص کو رے کی حکومت پر نامزد کیا' اور فی الحال چار ہزار فوج دے کر مامور کیا کہ صحرا میں نکل کر تمام راستوں اور سڑکوں کی نگرانی کرواؤ' حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا کھوج لگاؤ' کہ وہ کس طرف سے آرہے ہیں اور کہاں ہیں اور ایک ہزار آدمی حر بن یزید تمیمی کے سپرد کر کے اس کو بھی گشت و گرداوری پر مامور کیا' عمرو بن سعد مقام قادسیہ میں ہو کر ہر سمت کی خبریں منگوانے کا انتظام کرنے لگا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ایک عجیب شش و پنج کے عالم میں مقام سراف تک پہنچے' اس سے آگے بڑھے تو حر بن یزید تمیمی معہ اپنی ایک ہزار فوج کے سامنے آیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حر سے کہا کہ میں تم ہی لوگوں کے بلانے سے یہاں آیا ہوں اگر تم لوگ اپنے عہد و اقرار پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر

میں داخل ہوں' نہیں تو جس طرف سے آیا ہوں اسی طرف واپس چلا جاؤں گا' حر نے کہا ہم کو عبیداللہ بن زیاد کا حکم ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ رہیں اور آپ کو اس کے سامنے زیر حراست لے چلیں' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ ذلت تو ہرگز گوارا نہیں ہو سکتی' کہ ابن زیاد کے سامنے گرفتار ہو کر جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے واپس ہونے کا ارادہ کیا تو حر نے ابن زیاد کے خوف سے ان کو واپس ہونے سے روکا' اور واپسی کے راستے میں اپنی فوج لے کر کھڑا ہو گیا' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے وہاں سے شمال کی جانب کوچ کیا اور قادسیہ کے قریب پہنچ گئے' وہاں معلوم ہوا کہ عمرو بن سعد ایک بڑی فوج کے ساتھ مقیم ہے حر آپ کے پیچھے پیچھے تھا' قادسیہ کے قریب پہنچ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے لوٹے اور دس میل چل کر مقام کربلا میں آ کر مقیم ہوئے۔ عمرو بن سعد آپ کی خبر سن کر معہ فوج روانہ ہوا اور سراغ لیتا ہوا اگلے روز کربلا پہنچ گیا' قریب پہنچ کر عمرو بن سعد اپنی فوج سے جدا ہو کر آگے آیا' اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر اپنے قریب بلایا' سلام علیک کے بعد ابن سعد نے کہا:

''بے شک آپ یزید کے مقابلہ میں زیادہ مستحق خلافت ہیں' لیکن خدائے تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ آپ کے خاندان میں حکومت و خلافت آئے' سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حالات آپ کے سامنے گذر چکے ہیں' اگر آپ اس سلطنت و حکومت کے خیال کو چھوڑ دیں' تو بڑی آسانی سے آزاد ہو سکتے ہیں' نہیں تو پھر آپ کی جان کا خطرہ ہے اور ہم لوگ آپ کی گرفتاری پر مامور ہیں''۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں اس وقت تین باتیں پیش کرتا ہوں' تم ان تین میں سے جس کو چاہو میرے لیے منظور کر لو۔ اول تو یہ کہ جس طرف سے میں آیا ہوں اسی طرف مجھ کو واپس جانے دو' تاکہ میں مکہ معظمہ میں پہنچ کر عبادت الٰہی میں مصروف رہوں۔

دوم یہ کہ مجھ کو کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو' کہ وہاں کفار کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔

سوم یہ کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ' اور مجھ کو سیدھا یزید کے پاس دمشق کی جانب جانے دو' میرے پیچھے پیچھے اپنے اطمینان کی غرض سے تم بھی چل سکتے ہو' میں یزید کے پاس جا کر براہ راست اس سے اپنا معاملہ اسی طرح طے کر لوں گا' جیسا کہ میرے بڑے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے طے کیا تھا''۔

عمرو بن سعد یہ سن کر بہت خوش ہوا' اور کہا کہ میں بطور خود کوئی پختہ جواب آپ کو اس وقت ان باتوں کے متعلق نہیں دے سکتا' ابھی عبیداللہ بن زیاد کو اطلاع دیتا ہوں' یقین ہے کہ وہ ضرور ان میں سے کسی ایک بات کو منظور کر لے گا' عمرو بن سعد بھی اسی میدان میں خیمہ زن ہو گیا' اور ابن زیاد کو یہ

تمام کیفیت لکھ کر بھیجی۔

۲ محرم ۶۱ ھ کو کربلا میں عمرو بن سعد امام حسین رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے اگلے دن جا کر مقیم ہوا تھا' اور اسی روز یہ گفتگو ہوئی تھی' عبید اللہ بن زیاد عمرو بن سعد کا خط پڑھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے کہا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے وہ بات کی ہے' جس سے فتنہ کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا اور وہ یزید کے پاس جا کر بیعت کر لیں گے تو پھر کوئی خطرہ باقی ہی نہ رہے گا۔ لیکن شمر ذی الجوشن اس وقت اس کے پاس موجود تھا اس نے کہا اے امیر اس وقت تجھ کو موقع حاصل ہے کہ تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بلا تکلف قتل کر دے' تجھ پر کوئی الزام عائد نہ ہو گا۔ لیکن اگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس چلے گئے' تو پھر ان کے مقابلہ میں تیری کوئی عزت وقدر باقی نہ رہے گی اور وہ تجھ سے زیادہ مرتبہ حاصل کر لیں گے' یہ سن کر ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو جواب میں لکھا کہ:

''یہ تینوں باتیں کسی طرح منظور نہیں ہو سکتیں' ہاں صرف ایک صورت قابل پذیرائی ہے' وہ یہ کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو ہمارے سپرد کر دیں اور یزید کی بیعت اول نیابتاً میرے ہاتھ پر کریں' پھر میں ان کو یزید کے پاس اپنے اہتمام سے روانہ کروں گا''۔

اس جواب کے آنے پر عمرو بن سعد نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی اور کہا کہ میں مجبور ہوں' ابن زیاد خلافت یزید کی بیعت اول اپنے ہاتھ میں چاہتا ہے اور کسی دوسری بات کو منظور نہیں کرتا' امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس سے تو مر جانا بہتر ہے کہ میں ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کروں۔

ابن سعد اس کوشش میں مصروف تھا کہ کسی طرح کشت وخون نہ ہو' یا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہی ابن زیاد کی شرط مان لیں' یا ابن زیاد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی منشاء کے موافق ان کو جانے کی اجازت دے دے۔ اس خط وکتابت اور انکار واصرار میں ایک ہفتہ تک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ابن سعد دونوں اپنے اپنے ہمرائیوں کے ساتھ کربلا کے میدان میں خیمہ زن رہے' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھی ابن سعد کے لشکریوں کے ساتھ مل کر نمازیں پڑھتے' اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ صفوں کو درست کرتے' ابن زیاد کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو اس کو فکر پیدا ہوئی' کہ کہیں ابن سعد امام حسین رضی اللہ عنہ سے سازش نہ کرے' اس نے فوراً ایک چوب دار جویریہ بن تمیمی کو بلایا اور ابن سعد کے نام ایک خط لکھ کر دیا کہ:

''میں نے تم کو حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی گرفتاری پر مامور کیا تھا' تمہارا فرض تھا کہ ان کو گرفتار کر کے میرے پاس لاتے یا گرفتار نہ کر سکتے تو ان کا سر کاٹ کر لاتے' میں نے تم کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ تم ان کی مصاحبت اختیار کر کے دوستانہ تعلقات بڑھاؤ' اب تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ فوراً بلا تامل خط پڑھتے ہی یا تو حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو میرے پاس لاؤ' ورنہ جنگ کر کے

ان کا سر کاٹ کر بھیجو؛ اگر ذرا بھی تامل تم سے سرزد ہوا تو میں نے اپنے سرہنگ کو جو یہ خط لیکر آ رہا ہے، حکم دیا ہے کہ وہ تم کو گرفتار کر کے میرے پاس پہنچائے اور لشکر وہیں مقیم رہ کر دوسرے سردار کا منتظر رہے، جس کو میں تمہاری جگہ مامور کر کے بھیجوں گا"۔

جویرہ یہ خط لے کر جمعرات کے دن ۹ محرم ۶۱ ھ کو ابن سعد کے پاس پہنچا' ابن سعد اس وقت اپنے خیمہ میں بیٹھا تھا' خط پڑھتے ہی کھڑا ہو گیا' اور گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر کو تیاری کا حکم دیا' اور جویرہ بن بدر سے کہا کہ تم گواہ رہنا' کہ میں نے امیر کا حکم پڑھتے ہی اس کی تعمیل کی ہے' پھر صفوف جنگ آراستہ کر کے جویرہ کو ہمراہ لے کر آگے بڑھا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو سامنے بلوا کر کہا کہ امیر ابن زیاد کا حکم آیا ہے اگر میں اس کی تعمیل میں ذرا بھی دیر کروں تو یہ قاصد موجود ہے' جس کو حکم دیا گیا ہے کہ فوراً مجھ کو قید کر لے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھ کو کل تک کے لیے اور سوچنے کی مہلت دو' ابن سعد نے جویرہ کی طرف دیکھا' اس نے کہا کہ کل کچھ دور نہیں ہے' اتنی مہلت دے دینی چاہیے' ابن سعد میدان سے واپس آیا اور فوج کو حکم دیا' کہ کمر کھول دو' آج کوئی لڑائی نہ ہو گی۔

عبیداللہ بن زیاد نے جویرہ بن بدر کے ہاتھ یہ حکم روانہ کرنے کے بعد سوچا' اگر ابن سعد نے سستی کی اور جویرہ نے اس کو قید کر لیا تو فوج بغیر افسر منتشر ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہی سے جا ملے' اس صورت میں ضرور وقت و پریشانی کا سامنا ہو گا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو موقع مل جائے گا کہ وہ مکہ کی طرف فرار ہو جائیں اور قابو میں آئے ہوئے نکل جائیں' چنانچہ اس نے فوراً شمر ذی الجوشن کو بلوایا اور کہا کہ میں جویرہ کو بھیج چکا ہوں اور اس کو حکم دے دیا ہے کہ اگر ابن سعد لڑائی میں تامل کرے تو اس کو گرفتار کر کے لے آئے' ابن سعد کی طرف سے مجھ کو منافقت کا شبہ ہے' اگر ابن سعد کو جویرہ نے گرفتار کر لیا تو فوج جو میدان میں پڑی ہوئی ہے' سب آوارہ اور ضائع ہو جائے گی' میں تجھ سے بہتر اس کام کے لیے دوسرا شخص نہیں پاتا' تو میدان کربلا کی طرف جا اور ابن سعد گرفتار ہو چکا ہو تو فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے' اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے لڑ کر ان کا سر کاٹ لا' اگر ابن سعد گرفتار نہ ہوا ہو اور لڑائی میں تامل کر رہا ہو تو فوراً جاتے ہی لڑائی چھیڑ دے' اور کام کو جلدی ختم کر دے' شمر ذی الجوشن نے کہا کہ میری ایک شرط ہے' وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ میری بہن ام نسبین بنت حرام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی' جس کے بطن سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چار بیٹے عبیداللہ' جعفر' عثمان' عباس پیدا ہوئے' میرے یہ بھانجے بھی اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ میدان کربلا میں موجود ہیں' آپ ان چاروں کو جان کی امان دے دیں' عبیداللہ بن زیاد نے اسی وقت کاغذ منگوا کر چاروں کے لیے امان لکھ کر اور مہر لگا کر شمر ذی الجوشن کے سپرد کیا اور اسی وقت اس کو رخصت کر دیا۔

جویریہ رات کے وقت روانہ ہوا تھا اور جمعرات کے دن علی الصبح لشکر گاہ کربلا میں پہنچ گیا تھا' شمر صبح کے وقت روانہ ہوا' اور عصر کے وقت پہنچا' شمر کے آنے پر تمام کیفیت جو پیش آئی تھی سنا دی' شمر نے کہا کہ میں تو ایک لحہ کی بھی مہلت نہ دوں گا' یا تو اسی وقت لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ' ورنہ لشکر میرے سپرد کر دو' ابن سعد اسی وقت سوار ہوا اور شمر کو ہمراہ لے کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ عبیداللہ بن زیاد نے یہ دوسرا قاصد بھیجا ہے اور مہلت آپ کو بالکل دینا نہیں چاہتا' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سبحان اللہ اب مہلت کے دینے یا نہ دینے کی کیا ضرورت ہے' آفتاب تو غروب ہو رہا ہے' کیا رات کے وقت بھی تم لوگ جنگ کو کل کے لیے ملتوی نہ رکھو گے' یہ سن کر شمر ذی الجوشن نے بھی کل صبح تک کا انتظار مناسب سمجھا' اور دونوں اپنے لشکر گاہ کو واپس چلے آئے۔

حسین رضی اللہ عنہ پر پانی کی بندش

رات کے وقت عبیداللہ بن زیاد کا حکم پہنچا کہ ''اگر ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی ہے' تو اسی وقت جب کہ یہ حکم پہنچے پانی پر قبضہ کر لو اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کے لیے پانی بند کر دو' اور اگر سپاہ شمر کے زیر کمان آ گئی ہے تو شمر کو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیے۔

عمرو بن سعد نے اس حکم کے پہنچتے ہی عمرو بن الحجاج کو پانچ سو سوار دے کر ساحل فرات پر متعین کر دیا' اتفاقاً دن میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمرائیوں نے پانی اپنے لیے نہیں بھرا تھا' ان کے تمام برتن خالی ہو گئے تھے' رات کو جب پانی بھرنا چاہا تو معلوم ہوا' کہ دشمنوں نے پانی پر قبضہ کر لیا ہے' امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عباس بن علی رضی اللہ عنہما کو پچاس آدمیوں کے ہمراہ پانی لینے کو بھیجا کہ زبردستی پانی لائیں' مگر ان ظالموں نے پانی نہ لینے دیا' اب دم بدم پیاس کی شدت نے تکلیف پہنچانی شروع کی' یہ ایسی اذیت تھی جو تیر و شمشیر کی اذیت سے زیادہ سوہان روح تھی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بیٹے علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیمار تھے اور خیمے میں پڑے رہتے تھے وہ اور ان کی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر کہ صبح کو دشمنوں کا حملہ ہو گا اور تمام عزیز و اقارب جو اس وقت موجود ہیں قتل و شہید ہوں گے' رونے لگے' ان دونوں کے رونے کی آواز سن کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ خیمہ کے اندر آئے اور کہا کہ دشمن ہمارے قریب ہی خیمہ زن ہے' تمہارے رونے کی آواز سن کر وہ خوش ہوں گے اور ہمراہیوں کے دل تھوڑے ہوں گے' تم کو ہرگز ہائے وائے کچھ نہیں کرنی چاہیے' ان کو بہ مشکل خاموش کیا اور باہر آ کر فرمایا کہ واقعی بچوں اور عورتوں کو ہمراہ لانے میں ہم سے بڑی غلطی ہوئی ہے' ان کو ہرگز ہمراہ نہ لانا چاہیے تھا۔

اس کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام ہمراہیوں کو اپنے سامنے بلا کر کہا کہ تم لوگ یہاں سے جس طرف مناسب سمجھو چلے جاؤ، تم کو کوئی کچھ بھی نہیں کہے گا، کیوں کہ دشمن کو صرف میری ذات سے بحث ہے، تمہارے چلے جانے کو تو وہ غنیمت سمجھیں گے۔ میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ اپنی اپنی جان بچالو، ہمرائیوں نے یہ سن کر کہا کہ ہم ہرگز ہرگز آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے، ہم سب آپ کے اوپر قربان ہو جائیں گے، اور جب تک ہمارے دم میں دم ہے آپ کو آزار نہ پہنچنے دیں گے۔

اسی شب تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص طراح بن عدی جو اس نواح میں آیا ہوا تھا، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ابن سعد کے لشکروں کا حال سن کر امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ تنہا میرے ساتھ چلیں، میں آپ کو ایک ایسے راستے سے لے چلوں گا کہ کسی کو مطلق اطلاع نہ ہو سکے گی اور آپ کو قبیلہ بنی طے میں لے جا کر پانچ ہزار آدمی اپنے قبیلے کے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، آپ ان پانچ ہزار سے جو چاہیں کام لیں، امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ابھی ان سب سے کہا تھا کہ مجھ کو تنہا چھوڑ کر تم سب چلے جاؤ، انہوں نے اس بات کو گوارا نہیں کیا، اب یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ان سب کو چھوڑ کر تنہا اپنی جان بچا کر نکل جاؤں، ان کے ہمرائیوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو تو وہ کچھ کہیں گے نہیں، جیسا کہ آپ ابھی فرما چکے ہیں، وہ تو تنہا آپ کے دشمن ہیں، لہٰذا آپ اپنی جان بچانے کے لیے نکل جائیں، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں کے بغیر کوئی چیز بھی گوارا نہیں ہو سکتی، میں آپ لوگوں کی معیت کے اپنی جان بچانے کے لیے ہرگز نہ جاؤں گا، چنانچہ اس شخص کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔

جب صبح ہوئی تو شمر ذی الجوشن اور عمرو بن سعد صفوف لشکر کو آراستہ کر کے میدان میں آئے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ہمرائیوں کو مناسب ہدایات دے کر متعین کیا، شمر ذی الجوشن نے عبیداللہ، جعفر، عثمان، عباس کو میدان میں بلوا کر کہا کہ تم کو امیر زیاد نے امان دے دی ہے، انہوں نے کہا کہ ابن زیاد کی امان سے اللہ کی امان بہتر ہے، شمر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

بعض روایات کے موافق آپ کے ہمراہ اس وقت جب کہ لڑائی ۱۰ محرم ۶۱ ھ کی صبح کو شروع ہوئی ہے، بہتر آدمی موجود تھے، بعض روایات کے موافق ایک سو چالیس اور بعض کے موافق دو سو چالیس تھے، بہر حال اگر بڑی سے بڑی تعداد یعنی دو سو چالیس بھی تسلیم کر لیں تو دشمنوں کی ہزار ہا جرار فوج کے مقابلے میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھی کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے ہمرائیوں کو مناسب مقامات پر کھڑا کر کے اور ضروری وصیتیں فرما کر اونٹ پر سوار ہوئے، اور کوفی لشکر کی صفوف کے سامنے تنہا گئے، ان لوگوں کو بلند آواز سے مخاطب ہو کر

کے ایک تقریر شروع کی اور فرمایا کہ۔

اے کوفیو! میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تقریر کوئی نتیجہ میرے لیے اس وقت پیدا نہ کرے گی اور تم کو جو کچھ کرنا ہے تم اس سے باز نہ آؤ گے' لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی حجت تم پر پوری ہو جائے' اور میرا عذر بھی تم پر ظاہر ہو جائے۔

ابھی اسی قدر الفاظ کہنے پائے تھے' کہ آپ کے خیموں سے عورتوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں' ان آوازوں کے سننے پر آپ کو سخت ملال ہوا اور سلسلہ کلام کو روک کر اور لاحول پڑھ کر آپ نے کہا۔ کہ عبداللہ بن عباس مجھ سے سچ کہتے تھے کہ عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جاؤ' مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے ان کے مشورے پر عمل نہ کیا' پھر لوٹ کر اپنے بھائی اور بیٹوں کو پکار کر کہا کہ ان عورتوں کو رونے سے منع کرو' اور کہو کہ اس وقت خاموش رہو' کل خوب دل بھر کر رو لینا۔ انہوں نے عورتوں کو سمجھایا اور وہ آوازیں بند ہوئیں' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پھر کوفیوں کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تقریر اس طرح شروع کی:

''لوگو! تم میں سے ہر ایک شخص جو مجھ سے واقف ہے اور ہر ایک وہ شخص بھی جو مجھ کو نہیں جانتا' اچھی طرح آگاہ ہو جائے' کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری ماں اور جعفر طیار رضی اللہ عنہ میرے چچا تھے' اس فخر نسبی کے علاوہ مجھ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ اور میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو جوانانِ اہل جنت کا سردار بتایا ہے' اگر تم کو میری بات کا یقین نہ ہو تو ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابیؓ زندہ ہیں تم ان سے میری اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو' میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی' میں نے کبھی نماز قضا نہیں کی' اور میں نے کسی مومن کو قتل نہیں کیا اور نہ آزار پہنچایا' اگر عیسیٰ علیہ السلام کا گدھا بھی باقی ہوتا تو تمام عیسائی قیامت تک اس گدھے کی پرورش اور نگہداشت میں مصروف رہتے' تم کیسے مسلمان اور کیسے امتی ہو کہ اپنے رسول کے نواسے کو قتل کرنا چاہتے ہو' نہ تم کو اللہ تعالیٰ کا خوف ہے' نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم ہے' میں نے جب کہ ساری عمر کسی شخص کو بھی قتل نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ مجھ پر کسی کا قصاص بھی نہیں' پھر تم بتاؤ کہ تم نے میرے خون کو کس طرح حلال سمجھ لیا ہے' میں دنیا کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پڑا تھا' تم نے وہاں بھی مجھ کو نہ رہنے دیا' پھر مکہ معظمہ کے اندر بیت اللہ میں مصروف عبادت تھا' تم کوفیوں نے مجھ کو وہاں بھی چین نہ لینے دیا' اور میرے پاس مسلسل خطوط بھیجے' کہ ہم تم کو امارت کا حق دار سمجھتے' اور تمہارے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنا چاہتے ہیں' جب تمہارے بلانے کے موافق میں یہاں آیا تو اب تم مجھ سے برگشتہ ہو گئے' اب بھی اگر تم میری مدد کرو' تو میں صرف یہ چاہتا

ہوں کہ مجھ کو قتل نہ کرو اور آزاد چھوڑ دو تا کہ میں مکہ یا مدینہ میں جا کر مصروف عبادت ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ خود اس جہان میں فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ظالم تھا''۔

اس تقریر کو سن کر سب خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا' تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے تم پر حجت پوری کر دی' اور تم کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے۔

پھر آپ نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی کہ ''اے شبث بن ربعی' اے حجاج بن الحسن' اے قیس بن الاشعث' اے حر بن یزید تمیمی' اے فلاں وفلاں کیا تم نے مجھ کو خطوط نہیں لکھے تھے' اور مجھ کو باصرار یہاں نہیں بلوایا تھا' اب جب کہ میں یہاں آیا ہوں' تو تم مجھ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو۔

یہ سن کر ان سب لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا اور نہ آپ کو بلایا' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے وہ خطوط نکالے اور الگ الگ پڑھ کر سنائے کہ یہ تمہارے خطوط ہیں انہوں نے کہا کہ خواہ ہم نے یہ خطوط بھیجے ہیں یا نہیں بھیجے' مگر اب ہم علی الاعلان آپ سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں' یہ سن کر حسین رضی اللہ عنہ اونٹ سے اترے اور گھوڑے پر سوار ہو کر لڑائی کے لیے مستعد ہو گئے۔

کوفی لشکر سے اول ایک شخص میدان میں مقابلہ کی غرض سے نکلا' مگر اس کا گھوڑا ایسا بدکا کہ وہ گھوڑے سے گرا اور مر گیا' اس کیفیت کو دیکھ کر حر بن یزید تمیمی اس انداز سے جیسے کوئی حملہ آور ہوتا ہے اپنی ڈھال سامنے کر کے اور گھوڑا دوڑا کر حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ڈھال پھینک دی' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تو کس لیے آیا ہے' اس نے کہا کہ میں وہ شخص ہوں' جس نے آپ کو ہر طرف سے گھیر کر اور روک کر واپس نہ جانے دیا اور اس میدان میں قیام کرنے پر مجبور کیا میں اپنی اس خطا کی تلافی میں اب آپ کی طرف سے کوفیوں کا مقابلہ کروں گا' آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں' حسین رضی اللہ عنہ نے اس کو دعا دی اور بہت خوش ہوئے۔

شمر ذی الجوشن نے عمرو بن سعد سے کہا کہ اب دیر کیوں کر رہے ہو' عمرو بن سعد نے فوراً ایک تیر کمان جوڑ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر کی طرف پھینکا' اور کہا کہ تم گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے' اس کے بعد کوفیوں کے لشکر سے دو آدمی نکلے' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک بہادر نے مقابلہ پر جا کر دونوں کو قتل کر دیا' پھر اسی طرح لڑائی کا سلسلہ جاری ہوا' دیر تک مبارزت کی لڑائی[1]

---

[1] جنگ مبارزت وہ لڑائی ہوتی تھی' جس میں دونوں طرف کے لشکروں میں سے ایک ایک بہادر آدمی باہر نکلتا تھا اور ان دونوں کا مقابلہ ہوتا تھا۔ ان میں سے اگر ایک قتل ہو جاتا تو قتل کرنے والا آدمی اپنے مخالف لشکر کو پھر دعوت دیتا کہ تم میں سے اگر کوئی میرا مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو وہ باہر نکلے اور میرا مقابلہ کرے۔ اس طرح دو تین بار مقابلہ ←

ہوتی رہی اور اس میں کوفیوں کے زیادہ آدمی مارے گئے' پھر اس کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایک آدمیوں نے کوفیوں کی صفوں پر حملہ کرنا شروع کیا' اس طرح بہت سے آدمیوں کا نقصان ہوا۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہمرائیوں نے آل ابی طالب کو اس وقت تک میدان میں نہ نکلنے دیا' جب تک کہ وہ ایک ایک کر کے سب کے سب نہ مارے گئے' آخر میں مسلم بن عقیل کے بیٹوں نے آل ابی طالب پر سبقت کی' ان کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے علی اکبر رضی اللہ عنہ نے دشمنوں پر رستمانہ حملے کئے' اور بہت سے دشمنوں کو ہلاک کرنے کے بعد خود بھی شہید ہو گئے' ان کے قتل ہونے کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا' اور آپ رونے لگے' پھر آپ کے بھائی عبداللہ ومحمد وجعفر وعثمان نے دشمنوں پر حملہ کیا اور بہت سے دشمنوں کو مار کر خود بھی ایک ہی جگہ ڈھیر ہو گئے' آخر میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ایک نوعمر بیٹے محمد قاسم نے حملہ کیا اور وہ بھی مارے گئے۔

غرض کہ حسین رضی اللہ عنہ کے لیے کربلا میں اپنی شہادت اور دوسری تمام مصیبتوں سے بڑھ کر مصیبت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو شہید ہوتے ہوئے' اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ان روح فرسا نظاروں کا تماشا دیکھتے ہوئے دیکھا' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ہمرائیوں اور خاندان والوں نے ایک طرف اپنی بہادری کے نمونے دکھائے' تو دوسری طرف وفاداری وجاں نثاری کی بھی انتہائی مثالیں پیش کر دیں' نہ کسی شخص نے کمزوری و بزدلی کا اظہار کیا' نہ بیوفائی وتن آسانی کا الزام اپنے اوپر لیا' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سب سے آخر تنہا رہ گئے تھے' خیمہ میں عورتوں کے سوا صرف علی بوسط معروف بہ زین العابدین جو بیمار اور چھوٹے بچے تھے باقی رہ گئے' عبیداللہ بن زیاد ظالم نے یہ بھی حکم بھیج دیا تھا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کاٹ کر ان کی لاش گھوڑوں سے یہاں تک پامال کرائی جائے کہ ہر ایک عضو ٹوٹ جائے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تنہا رہ جانے کے بعد جس بہادری وجواں مردی کے ساتھ دشمنوں پر حملے کئے ہیں ان حملوں کی شان دیکھنے والا ان کے ہمرائیوں میں کوئی نہ تھا' مگر عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ہم نے آج تک ایسا بہادر وجری انسان نہیں دیکھا' اس غم کی داستان اور روح کو مضمحل کر دینے والی کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے جسم پر پینتالیس

← ہوتا اور پھر دونوں لشکروں میں کھلی جنگ شروع ہوتی۔

زخم تیر کے تھے' مگر آپ برابر دشمنوں کا مقابلہ کئے جا رہے تھے' ایک دوسری روایت کے موافق ۳۳ زخم نیزے کے اور ۳۴ زخم تلوار کے تھے اور تیروں کے زخم اس کے علاوہ تھے۔

شروع میں آپ گھوڑے پر سوار ہو کر حملہ آور ہوتے رہے تھے' لیکن جب گھوڑا مارا گیا' تو پھر پیدل لڑنے لگے' دشمنوں میں کوئی شخص یہ نہیں چاہتا تھا' کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ میرے ہاتھ سے شہید ہوں' بلکہ ہر شخص آپ کے مقابلہ سے بچتا اور طرح دیتا تھا' آخر شمر ذی الجوشن نے چھ شخصوں کو ہمراہ لے کر آپ پر حملہ کیا' ان میں سے ایک نے شمشیر کا ایسا وار کیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا بایاں ہاتھ کٹ کر الگ گر پڑا' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس پر جوابی وار کرنا چاہا لیکن آپ کا داہنا ہاتھ بھی اس قدر زخمی و مجروح ہو چکا تھا کہ تلوار نہ اٹھا سکے' پیچھے سے سنان بن انس نخعی نے آپ کے نیزہ مارا جو شکم پار ہو گیا' آپ نیزہ کا یہ زخم کھا کر گرے' اس نے نیزہ کھینچا اور اس کے ساتھ ہی آپ کی روح بھی کھینچ گئی۔ **انا لله وانا اليه راجعون**

اس کے بعد شمر نے یا شمر کے حکم سے دوسرے شخص نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر جسم سے جدا کیا اور عبیداللہ بن زیاد کے حکم کی تعمیل کے لیے بارہ سوار متعین کئے گئے' ان سے گھوڑے کی ٹاپوں سے آپ کے جسد مبارک کو خوب کچلوایا' پھر خیمہ کو لوٹا' آپ کے اہل بیت کو گرفتار کیا' زین العابدین جو لڑکے تھے' شمر ذی الجوشن کی نظر پڑی تو ان کو اس نے قتل کرنا چاہا' مگر عمرو بن سعد نے اس کو اس حرکت سے باز رکھا۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اور آپ کے اہل بیت کوفہ میں ابن زیاد کے پاس بھیجے گئے' کوفہ میں ان کو تشہیر کیا گیا' ابن زیاد نے دربار کیا اور ایک طشت میں رکھ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر اس کے سامنے پیش ہوا' اس نے اس سر کو دیکھ کر گستاخانہ کلمات کہے۔ پھر تیسرے روز شمر ذی الجوشن کو ایک دستہ فوج دے کر اس کی نگرانی میں یہ قیدی اور سر مبارک یزید کے پاس دمشق کی جانب روانہ کیا۔

علی بن حسین یعنی سیدنا زین العابدین اور تمام عورتیں جب یزید کے پاس پہنچے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اس نے دیکھا تو وہ سر دربار رو پڑا اور عبیداللہ بن زیاد کو گالیاں دے کر کہنے لگا کہ اس پسر سمیہ کو میں نے یہ حکم کب دیا تھا کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دینا' پھر شمر ذی الجوشن اور عراقیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میں تمہاری اطاعت و فرماں برداری سے ویسے ہی خوش تھا' تم نے حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو کیوں قتل کیا' شمر ذی الجوشن اور اس کے ہمراہی اس توقع میں تھے کہ یزید ہم کو انعام دے گا اور ہماری عزت بڑھائے گا مگر یزید نے کسی کو کوئی انعام و صلہ نہیں دیا اور اپنی ناخوشی و ناراضی کا اظہار کر کے سب کو واپس لوٹا دیا۔

پھر درباریوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ماں میری ماں سے اچھی تھیں ان کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے بہتر اور اولاد آدم کے سردار ہیں' لیکن ان کے باپ علی رضی اللہ عنہ اور میرے باپ معاویہ رضی اللہ عنہ میں جھگڑا ہوا' اسی طرح میرے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے درمیان نزاع ہوا' علی رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دونوں کہتے تھے کہ جس کے باپ دادا اچھے ہوں وہ خلیفہ ہو' اور قرآن شریف کی اس آیت پر انہوں نے غور نہیں فرمایا کہ ﴿قل اللھم ملک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشآء﴾ آخر سب کو معلوم ہو گیا کہ خدائے تعالیٰ نے ہمارے حق میں فیصلہ کیا' یا ان کے حق میں۔

اس کے بعد ان قیدیوں کو آزادی دے کر بطور معزز مہمان اپنے محل میں رکھا' عورتیں اندر عورتوں میں گئیں' تو انہوں نے دیکھا کہ یزید کے محل سرا میں بھی اسی طرح ماتم برپا ہے اور سب عورتیں رو رہی ہیں' جس طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بہن اپنے بھائی اور عزیزوں کے لیے رو رہی تھیں[1] چند روز شاہی مہمان رہ کر یہ برباد شدہ قافلہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

یزید نے ان کو ہر قسم کی مالی امداد دی' اور علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے ہر قسم کی امداد کا وعدہ کیا' کہ جب تم لکھو گے تمہاری فرمائش کی ضرور تعمیل کی جائے گی۔

عبیداللہ بن زیاد کی مایوسی

عبیداللہ بن زیاد کو توقع تھی کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ کے بعد میری خوب قدردانی ہو گی۔ لیکن یزید نے واقعہ کربلا کے بعد سلم بن زیاد کو خراسان کا حاکم مقرر کر کے ایران کے بعض وہ صوبے بھی جو بصرہ سے تعلق رکھتے تھے مسلم کے ماتحت کر کے اس کو کوفہ کی جانب روانہ کیا' اور ایک خط عبیداللہ بن زیاد کے نام لکھ کر دیا کہ تمہارے پاس عراق کی جس قدر فوج ہے اس میں سے چھ ہزار آدمی جس کو سلم پسند کرے اس کے ساتھ کر دو' عبیداللہ کو یہ بات ناگوار گذری اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر افسوس کرنے لگا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو یزید کو میری احتیاج رہتی اور وہ میری عزت و مرتبہ بڑھانے میں کمی نہ کرتا' لیکن اب وہ بے فکر ہو گیا ہے' اسی لیے اس نے ملک اور فوج دونوں میرے تصرف سے نکالنی شروع کر دیں۔

سلم نے جب لشکر کوفہ کی موجودات لے کر سرداران لشکر سے کہا کہ تم میں سے کون کون میرے ہمراہ خراسان کی طرف چلنا چاہتا ہے' تو ہر ایک شخص نے جانے کی خواہش ظاہر کی' عبیداللہ بن زیاد نے

---

[1] یہ واقعہ حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اور خلیفہ یزید کے درمیان غلط فہمیاں سبائی اور منافقین سازشیوں نے پیدا کیں اور یہ کہ خلیفہ یزید کا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حال سن کر افسوس کرنا اور متعلقہ عمال پر اظہار ناراضگی کرنا بھی حقیقت کشائی کرتا ہے۔

رات کے وقت سرداران لشکر کے پاس آدمی بھیجا اور کہا کہ تعجب ہے کہ تم سلم کو میرے اوپر ترجیح دیتے ہو' سرداران لشکر نے جواباً کہلا بھجوایا کہ آپ کے پاس رہ کر تو اہل بیت نبوی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے پڑتے ہیں لیکن سلم کے ساتھ جا کر ہم کو ترکوں اور مغلوں کے ساتھ جہاد کرنے کا موقع ملے گا۔
اگلے دن سلم ۶ ہزار چیدہ آدمی لشکر کوفہ سے لے کر خراسان کی طرف روانہ ہوا اور عبیداللہ بن زیاد کو واقعہ کربلا کے بعد ندامت وافسوس کے سوا کچھ اور حاصل نہ ہوا۔

مکہ ومدینہ کے واقعات

یزید نے جب عمرو بن سعد رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے کوفہ کی جانب عبیداللہ بن زیاد کے پاس روانہ ہونے کا حکم دیا تو عمرو بن سعد کی جگہ پھر ولید بن عتبہ کو مدینہ کا عامل بنا کر بھیج دیا تھا' یہی ولید بن عتبہ عامل مدینہ تھا جس نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی فرمائش سے ایک تحریر اس امر کی لکھ دی تھی کہ اگر سیدنا حسین مدینہ میں آ جائیں تو ان کو امان ہے' یہ تحریر اپنے خط کے ساتھ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے بیٹوں عون ومحمد کے ہاتھ بھیجی تھی' جب کہ آپ کوفہ کو جا رہے تھے' مکہ سے یزید کی حکومت اٹھ چکی تھی' وہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حکمران تھے' جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر مکہ میں پہنچی' تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور کہا کہ:

''لوگو! دنیا میں عراق کے آدمیوں سے برے کہیں کے آدمی نہیں ہیں اور عراقیوں میں سب سے بدتر کوفی لوگ ہیں کہ انہوں نے بار بار خطوط بھیج کر باصرار سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کی خلافت کے لیے بیعت کی' لیکن جب ابن زیاد کوفہ میں آیا تو اسی کے گرد ہو گئے۔ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو جو نماز گذار' روزہ دار' قرآن خوان اور ہر طرح مستحق خلافت تھے قتل کر دیا اور ذرا بھی اللہ تعالیٰ کا خوف نہ کیا''۔

یہ کہہ کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما رو پڑے' لوگوں نے کہا کہ اب آپ سے بڑھ کر کوئی مستحق خلافت نہیں ہے' آپ ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور آپ کو خلیفہ وقت مانتے ہیں' چنانچہ تمام اہل مکہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کی' بیعت خلافت کی یہ خبر یزید کو پہنچی تو اس نے چاندی کی ایک زنجیر بنوا کر دو آدمیوں کے ہاتھ ولید بن عتبہ کے پاس مدینہ میں بھیجی اور کہا کہ عبداللہ بن زبیر کے گلے میں یہ زنجیر ڈال کر اور مکہ سے گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو' لیکن بعد میں وہ اپنی اس حرکت پر خود ہی متاسف ہوا' کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما آسانی سے اپنے گلے میں زنجیر ڈلوانے والے نہیں ہیں' چنانچہ ولید بن عتبہ نے اس حکم کی کوئی تعمیل نہیں کی' یزید بھی یہ سوچتا رہا

کہ کس طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو قابو میں لایا جائے' اور خانہ کعبہ کی حرمت کو بھی کشت وخون سے نقصان نہ پہنچایا جائے' ماہ ذی الحجہ ۶۱ ھ میں حج کے لیے مکہ میں اطراف و جوانب سے لوگ آنے شروع ہوئے' یزید کی طرف سے ولید بن عتبہ عامل مدینہ امیر حج ہو کر مکہ میں گیا' ادھر عبداللہ بن زبیر جدا امیر حج تھے' غرض دونوں نے جدا جدا اپنے گروہ کے ساتھ حج کیا اور کسی نے کسی کی مخالفت نہ کی' ولید بن عتبہ نے ایسی تدبیریں شروع کر دیں کہ کسی طرح عبداللہ بن زبیر کو گرفتار کر کے یزید کی خوشنودی حاصل کر سکے' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ولید کے ارادوں سے واقف ہو گئے' اور انہوں نے ایام حج کے بعد مطمئن ہو کر یزید کو ایک خط لکھا کہ:

''ولید اگر چہ تیرا چچا زاد بھائی ہے' لیکن بہت ہی بے وقوف ہے اور اپنی بے وقوفی سے کاموں کو تباہ کر رہا ہے' مناسب یہ ہے کہ کسی دوسرے کو عامل بنا''۔

اس خط کے پڑھنے سے یزید بہت متاثر ہوا' اس نے سمجھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا دل میری طرف سے صاف ہے اور وہ ہرگز میرے مخالف نہیں ہیں' اس سے پیشتر چوں کہ مروان بن حکم بھی ولید کی شکایت میں اس قسم کے الفاظ لکھ چکا تھا' اس لیے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خط کی نسبت یزید کو کسی بدگمانی کا موقع نہیں مل سکتا تھا' لہٰذا اس نے فوراً ولید بن عتبہ کو معزول کر کے اس جگہ اپنے دوسرے چچا زاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔

عثمان بن محمد نے مدینہ میں آ کر مے خواری شروع کر دی' جس سے لوگ بہت ہی ناخوش ہوئے' عثمان محرم ۶۲ ھ میں مدینہ کا عامل مقرر ہو کر آیا۔ چند روز کے بعد اس نے شرفائے مدینہ میں سے دس شخص انتخاب کر کے یزید کے پاس دمشق کی جانب بھیجے' اس وفد میں منذر بن زبیر اور عبداللہ بن حنظلہ' عبداللہ بن عمرو بن حفص بن مغیرہ بھی شامل تھے' یہ لوگ جب دمشق پہنچے تو یزید نے ان کی خوب خاطر مدارات کی اور اول الذکر دونوں شخصوں کو ایک ایک لاکھ اور باقی آٹھ شخصوں کو دس دس ہزار درہم انعام دے کر رخصت کیا' انہوں نے دمشق میں یزید کو بھی گانے بجانے کی محفلیں برپا کرتے اور خلاف شرع کاموں میں مصروف دیکھا تھا۔

واپسی میں سب نے ارادہ کیا کہ یزید کی خلافت کے خلاف کوشش کرنی چاہیئے' دمشق سے نو شخص تو مدینہ کی طرف واپس آئے تھے اور ایک شخص منذر بن زبیر کوفہ کی طرف چلے گئے تھے۔ کیوں کہ عبیداللہ بن زیاد اور منذر بن زبیر کے درمیان دوستی تھی۔ انہوں نے عبیداللہ کی ملاقات کے لیے کوفہ کا عزم کیا تھا' جب عبداللہ بن حنظلہ معہ ہمرائیوں کے مدینہ میں آئے تو لوگ حالات معلوم کرنے کی غرض سے ان کے گرد جمع ہو گئے۔

مدینہ میں پہنچ کر عبداللہ نے کہا کہ یزید ہرگز مستحق خلافت نہیں کیوں کہ وہ خلاف شرع کاموں میں مصروف دیکھا جاتا ہے' اس کے مسلمان ہونے میں بھی کلام ہے' اس سے تو مسلمانوں کو جہاد کرنا چاہیئے' اہل مدینہ نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ یزید نے آپ کو خوب انعام واکرام دیا ہے' عبداللہ نے کہا کہ ہم نے اس لیے قبول کرلیا کہ ہم میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی' ان باتوں کو سن کر لوگ یزید سے بے حد متنفر ہو گئے۔ عبداللہ بن حنظلہ نے تجویز پیش کی کہ یزید کو معزول کر دیا جائے' چنانچہ قریش نے عبداللہ بن مطیع اور انصار نے عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا اپنا سردار منتخب کر کے یزید کی خلافت وحکومت کا انکار کر دیا۔

عثمان بن محمد بن مروان بن حکم اور تمام بنی امیہ جن کی تعداد مدینہ میں ایک ہزار کے قریب ہوگی یہ رنگ دیکھ کر کچھ تو مدینہ سے باہر چلے گئے' اور کچھ مروان بن حکم کی حویلی میں پناہ گزین ہوئے' اہل مدینہ نے تمام بنو امیہ کو جو ان کے ہاتھ آئے گرفتار وقید کرلیا' صرف مروان کے بیٹے عبدالملک کو جو سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ فقیہ مدینہ کی خدمت میں ہمہ وقت موجود رہتا اور مسجد سے باہر کم نکلتا تھا اور بہت ہی عابد وزاہد اور نیک سمجھا جاتا تھا کچھ نہیں کہا۔

ان حالات کی اطلاع بنی امیہ نے یزید کے پاس دمشق پہنچائی' یزید نے فوراً ایک خط عبیداللہ بن زیاد کو لکھا کہ منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ تمہارے پاس کوفہ میں گیا ہوا ہے فوراً اس کو گرفتار کر کے قید رکھو اور مدینہ کی طرف ہرگز نہ جانے دو۔ عبیداللہ بن زیاد چوں کہ یزید سے خوش نہ تھا کیوں کہ اس کی کوئی قدر دانی اور عزت افزائی قتل حسین رضی اللہ عنہ کے صلہ میں یزید نے نہیں کی تھی' لہٰذا اس نے فوراً منذر کو مدینہ کی طرف رخصت کر دیا اور یزید کو لکھ دیا کہ آپ کا خط آنے سے پہلے منذر مدینہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

زین العابدین

منذر نے مدینہ پہنچ کر عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن مطیع سے کہا کہ تم کو چاہیئے کہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ (سیدنا زین العابدین رح) کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرو' چنانچہ سب مل کر علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے پاس گئے' انہوں نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میرے باپ اور دادا دونوں نے خلافت کے حصول کی کوشش میں اپنی جانیں گنوائیں' میں اب ہرگز ایسے خطرناک کام کی جرأت نہیں کرسکتا' میں اپنے آپ کو قتل کرانا پسند نہیں کرسکتا' یہ کہہ کر وہ مدینہ سے باہر ایک موضع میں چلے گئے۔

مروان جو معہ دیگر بنی امیہ اپنی حویلی میں قید تھا' اس نے عبدالملک کے ہاتھ علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے پاس کہلا بھجوایا کہ آپ نے جو کچھ کیا بہت ہی اچھا کیا' ہم اس قدر امداد کے اور خواہاں ہیں کہ

ہمارے بعض قیمتی اموال اور اہل وعیال جن کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے' آپ کے پاس بھجوائے دیتے ہیں' آپ ان کی حفاظت کریں' علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے اس کو منظور کرلیا اور مروان بن حکم نے رات کی تاریکی میں پوشیدہ طور پر اپنے اہل وعیال اور قیمتی اموال علی بن حسین کے پاس ان کے گاؤں بھیج دیئے' علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے مدینہ کے حالات یزید کو لکھ کر بھیجے اور اپنی نسبت لکھا کہ میں آپ کا وفادار ہوں اور بنی امیہ کی حمایت وحفاظت میں ممکن کوششیں بجالا رہا ہوں۔

یزید نے مدینہ کے حالات سے واقف ہو کر نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ تم مدینہ جا کر لوگوں کو سمجھاؤ کہ ان حرکات سے باز رہیں اور مدینہ میں کشت وخون کے امکانات پیدا نہ کریں' نیز عبداللہ بن حنظلہ کو بھی نصیحت کرو کہ تم یزید کے پاس گئے' اور وہاں سے انعام واکرام حاصل کر کے خوش وخرم رخصت ہوئے' لیکن مدینہ میں آ کر یزید کے مخالف بن گئے' اور بیعت فسخ کر کے یزید پر کفر کا فتوی لگا کر لوگوں کو برانگیختہ کیا' یہ کوئی مردانگی اور دانائی کا کام نہیں کیا' علی بن حسین رضی اللہ عنہما (سیدنا زین العابدین) سے مل کر میری طرف سے پیغام پہنچاؤ کہ تمہاری وفاداری وکارگذاری کی ضرور قدر کی جائے گی' بنو امیہ سے جو وہاں موجود ہیں کہو کہ تم سے اتنا بھی کام نہ ہوا کہ مدینہ میں فتنہ پیدا کرنے والے دو شخصوں کو قتل کر کے اس فتنے کو دبا دیتے۔ یہ باتیں سن کر نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما ایک سانڈنی پر سوار ہوئے' اور مدینہ کی طرف چلے' مدینہ میں آ کر انہوں نے ہر چند کوشش کی اور سب کو سمجھایا مگر کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوا' مجبوراً وہ مدینہ سے دمشق واپس آ گئے' اور تمام حالات یزید کو سنائے۔

شامی لشکر کی مدینہ کی طرف روانگی

یزید نے مطلع ہو کر مسلم بن عقبہ کو طلب کیا اور کہا کہ ایک ہزار چیدہ جنگ جو ہمراہ لے کر مدینہ پہنچو' لوگوں کو اطاعت کی طرف بلاؤ اگر وہ اطاعت اختیار کرلیں تو بہتر ہے' نہیں تو جنگ کر کے سب کو سیدھا کر دو۔ مسلم نے کہا کہ میں فرماں بردار ہوں' لیکن آج کل بیمار ہوں' یزید نے کہا کہ تو بیمار بھی دوسرے تندرستوں سے بہتر ہے اور اس کام کو تیرے سوا دوسرا انجام دینے کی قابلیت نہیں رکھتا' مجبوراً مسلم نے فوج انتخاب کر کے اپنے ہمراہ لی اور تیسرے روز دمشق سے روانہ ہو گیا۔

یزید نے رخصت کرتے وقت مسلم کو نصیحت کی کہ جہاں تک ممکن ہو نرمی اور درگذر سے کام لے کر اہل مدینہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا' لیکن جب یقین ہو جائے کہ نرمی اور نصیحت کام نہیں آ سکتی تو پھر تجھ کو اختیار کامل دیتا ہوں کہ کشت وخون اور قتل وغارت میں کمی نہ کرنا' مگر اس بات کا ضرور خیال رکھنا کہ علی بن حسین رضی اللہ عنہما کو کوئی آزار نہ پہنچے' کیوں کہ وہ میرا وفادار اور خیر خواہ ہے اور اس کا

خط میرے پاس آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ مجھ کو اس شورش اور بغاوت سے کوئی تعلق نہیں ہے' یزید نے مسلم بن عقبہ سے یہ بھی کہا' کہ اگر تیری بیماری بڑھ جائے' اور تو فوج کی سپہ سالاری خود نہ کر سکے تو میں مناسب سمجھتا ہوں کہ حصین بن نمیر تیرا قائم مقام ہو' تو بھی اس کو اپنا نائب مقرر کر دے۔

اس فوج کو رخصت کرنے کے بعد اسی روز یزید نے عبیداللہ بن زیاد کے پاس ایک قاصد کو خط دے کر بھیجا' خط میں لکھا تھا کہ تو کوفہ سے فوج لے کر مکہ پر حملہ کر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنہ کو مٹا' عبیداللہ بن زیاد نے جواباً لکھا کہ دو کام مجھ سے نہیں ہوں گے۔ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کا ایک کام کر چکا ہوں اب خانہ کعبہ کے ویران کرنے کا دوسرا کام مجھ سے نہ ہو گا' یہ کام کسی دوسرے شخص کو سپرد کرنا چاہیے۔

مسلم بن عقبہ جب فوج لیے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچا تو مدینہ والوں نے عبداللہ بن حنظلہ سے کہا کہ بنی امیہ جو مدینہ میں موجود ہیں یہ دمشق کی فوج آنے پر سب دشمنوں سے آملیں گے اور ہم کو اندرونی لڑائی میں مبتلا کر کے سخت نقصان پہنچائیں گے' مناسب یہ ہے کہ ان سب کو مسلم کے پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دیا جائے۔

عبداللہ بن حنظلہ نے کہا کہ اگر ہم نے بنی امیہ کو قتل کیا تو یزید تمام شامیوں کو اور عبیداللہ بن زیاد تمام عراقیوں کو لے کر چڑھ آئیں گے اور ہم سے ان کا قصاص طلب کریں گے' مناسب یہ ہے کہ ہم تمام بنی امیہ کو بلا کر ان سے اقرار لیں اور اس بات کی قسم دیں کہ وہ ہم سے نہ لڑیں گے اور ہمارے خلاف کسی قسم کی مدد حملہ آور فوج کو نہ دیں گے' یہ عہد و اقرار لے کر ہم ان کو مدینہ سے باہر نکال دیتے ہیں۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور عبداللہ بن حنظلہ نے تمام بنی امیہ سے مذکورہ عہد و اقرار لے کر سب کو مدینہ سے رخصت کر دیا' بجز عبدالملک بن مروان کے کہ اس کو مدینہ میں رہنے کی آزادی حاصل رہی۔

ان لوگوں کی وادی القریٰ میں مسلم بن عقبہ کے لشکر سے ملاقات ہوئی' مسلم نے ان سے پوچھا کہ ہم کو مدینہ پر کس طرف سے حملہ آور ہونا چاہیے' انہوں نے اپنے عہد و اقرار کا لحاظ کر کے مسلم کو جواب دینے سے انکار کیا اور اپنے عہد و اقرار کا عذر پیش کیا' مسلم نے پوچھا کہ تم میں کوئی ایسا بھی ہے جس نے کوئی عہد نہ کیا ہو' اور اس سے قسم نہ لی گئی ہو' انہوں نے کہا ہاں عبدالملک بن مروان ایک ایسا شخص ہے' اور وہ مدینہ میں موجود ہے۔ مسلم نے کہا کہ وہ نوجوان ہے' ہم کو تجربہ کار بوڑھے کی ضرورت ہے' جو ضروریات جنگ سے واقف ہو' انہوں نے کہا کہ وہ نوجوان بوڑھوں سے بہت بہتر ہے' چنانچہ مسلم نے کسی کو بھیج کر مدینہ سے عبدالملک کو بلایا' اور اس کے مشوروں کو سن کر حیران رہ گیا اور ان ہی پر

عامل ہوا۔

مسلم نے مدینہ کے قریب پہنچ کر اہل مدینہ کے پاس پیغام بھیجا' کہ امیر المومنین یزید تم کو شریف سمجھتے اور تمہاری خوں ریزی کو پسند نہیں کرتے ہیں' بہتر یہی ہے' کہ تم اطاعت اختیار کرو ورنہ مجبوراً مجھ کو شمشیر نیام سے نکالنی پڑے گی' یہ پیغام بھیج کر تین دن مسلم نے انتظار کیا' مگر اہل مدینہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔

آخر مسلم نے حرہ شرقیہ کی جانب سے مدینہ پر حملہ کیا۔ اہل مدینہ نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور لشکر شام کا منہ پھیر دیا' لیکن مسلم بن عقبہ کی بہادری و تجربہ کاری سے اہل مدینہ کو شکست ہوئی۔ عبداللہ بن حنظلہ' فضیل بن عباس بن عبدالمطلب' محمد بن ثابت بن قیس' عبداللہ بن زید بن عاصم' محمد بن عمرو بن حزم انصاری' وہب بن عبداللہ بن زمعہ' زبیر بن عبدالرحمٰن بن عوف' عبداللہ بن نوفل بن حرث بن عبدالمطلب بہت سے سرداران مدینہ جنگ میں کام آئے۔

فتح مند فوج مدینہ میں داخل ہوئی' مسلم بن عقبہ نے تین دن تک قتل عام اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھا' اس لڑائی اور قتل عام میں ایک ہزار کے قریب آدمی مارے گئے جن میں تین سو سے زیادہ شرفائے قریش و انصار شامل تھے' چوتھے روز مسلم نے قتل عام کو موقوف کر کے بیعت کا حکم دیا' جس نے مسلم کے ہاتھ پر آ کر بیعت کی وہ بچ گیا' جس نے بیعت سے انکار کیا وہ قتل ہوا۔

۲۷ ذی الحجہ ۶۳ھ مسلم بن عقبہ فاتحانہ مدینہ میں داخل ہوا' اور قتل عام کا حکم دیا' اسی روز محمد بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب پیدا ہوا' یہی وہ محمد بن عبداللہ ہے' جو محمد ابوالعباس سفاح کے نام سے مشہور ہے' اور عباسیوں کا پہلا خلیفہ ہے منذر بن زبیر کو مسلم نے بہت تلاش کرایا' مگر وہ بچ کر مکہ کی طرف نکل گئے تھے۔

مکہ کا محاصرہ اور یزید کی موت

مدینہ سے فارغ ہو کر مسلم بن عقبہ اپنی فوج لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوا' مسلم بیمار تو تھا ہی راستے میں بیماری نے اور ترقی کی اور مقام ابواء میں اس کی حالت نازک ہو گئی' اس نے حصین بن نمیر کو بلا کر اپنی جگہ فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور خود مر گیا' مدینہ سے جو لوگ فرار ہوئے تھے وہ بھی مکہ میں آ کر جمع ہو گئے تھے' ادھر خوارج نے بھی عبداللہ بن زبیر کی مدد کرنا مناسب سمجھی اور وہ بھی مکہ میں آ کر جمع ہو گئے تھے' اس سال حج کے موقعہ پر تمام اہل حجاز نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی تھی۔

حصین بن نمیر لشکر شام کو لیے ہوئے مکہ کے قریب پہنچا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس پیغام بھیجا' کہ یزید کی اطاعت کرلو ورنہ مکہ پر حملہ ہوگا' عبداللہ بن زبیر نے مقابلہ کی تیاری کی' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ جو مدینہ سے مکہ میں آ گئے تھے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی فوج کے ایک حصے کے سردار مقرر ہوئے' سب سے پہلے انہوں نے میدان میں نکل کر لشکر شام کو للکارا' اول مبارزہ کی' جنگ میں منذر بن زبیر کے ہاتھ سے کئی شامی مارے گئے' پھر جنگ مغلوبہ شروع ہوئی' شام تک لڑائی جاری رہی اور کوئی فیصلہ شکست وفتح کا نہ ہوا' یہ لڑائی ۲۷ محرم ۶۴ھ کو شروع ہوئی تھی۔

کعبہ پر سنگ باری

اگلے روز حصین بن نمیر نے کوہ ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی اور مکہ کا محاصرہ کرلیا' یہ محاصرہ وسنگ باری ۳ ماہ ربیع الاول ۶۴ھ تک جاری رہی' ۳ ربیع الاول کو شامیوں نے روئی اور گندھک اور رال کے گولے بنا بنا کر اور جلا جلا کر پھینکنے شروع کیے' جس سے خانہ کعبہ کا غلاف جل گیا اور دیواریں سیاہ ہوگئیں' دو منجنیق رات دن سنگ باری اور گولہ باری میں مصروف تھیں' مکہ والوں کے لیے گھر سے باہر نکلنا دشوار تھا' پتھروں کے صدمے سے خانہ کعبہ کی دیواریں شکستہ ہوگئیں تھیں اور چھت گر گئی تھی۔

اہل شام کے اس محاصرے نے بہت شدت اور سختی اختیار کی اور بعد کی امدادی فوج کے آ جانے سے اہل شام کی کل تعداد پانچ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

یزید کی اچانک موت

یہاں اہل شام خانہ اللہ تعالیٰ اور شہر مکہ پر سنگباری کر رہے تھے' ادھر ۱۰ ربیع الاول کو یزید نے مقام حوران میں تین سال اور آٹھ ماہ کی حکومت کر کے ۳۸ یا ۳۹ سال کی عمر میں انتقال کیا' یزید کے مرنے کی خبر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچی' انہوں نے بلند آواز شامیوں سے کہا کہ بدبختو تم اب کیوں لڑ رہے ہو تمہارا گمراہ سردار مر گیا ہے۔

حصین بن نمیر نے اعتبار نہ کیا اور اس بات کو عبداللہ بن زبیر کی فریب دہی پر محمول کیا' لیکن تیسرے دن جب اس کے پاس ثابت بن قیس نخعی نے کوفہ سے آ کر یزید کے مرنے کی خبر پہنچائی' تو اس نے فوراً محاصرہ اٹھانے اور کوچ کرنے کا حکم دیا۔

شامی لشکر کی ابن زبیر کو عجیب پیشکش

روانگی سے پیشتر حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس پیغام بھیجا' کہ آج شب کو بطحا

میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں‘ چنانچہ قرارداد کے موافق دس آدمی عبداللہ بن زبیر نے ہمراہ لیے اور دس آدمی حصین بن نمیر کے ہمراہ گئے‘ مقام مقررہ میں پہنچ کر حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو ہمراہ لے کر تنہا ایک گوشہ میں جا کر باتیں کیں‘ حصین بن نمیر نے کہا کہ میں آپ کو خلیفہ تسلیم کرنے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں‘ میرے ساتھ پانچ ہزار جنگ جو لشکر شام کا موجود ہے یہ بھی میری تقلید کریں گے‘ آپ میرے ساتھ شام کے ملک میں چلیں‘ میں تمام اہل شام کو آپ کی بیعت کے لیے آمادہ کروں گا‘ حجاز والے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر ہی چکے‘ اہل شام کے بعد تمام عالم اسلام بلا اختلاف آپ کو خلیفہ تسلیم کر لے گا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ سمجھا کہ مجھ کو فریب دیا جا رہا ہے‘ چنانچہ انکار کیا اور کہا کہ جب تک میں اہل شام سے انتقام نہ لے لوں گا ہرگز ان کو معاف نہ کروں گا‘ حصین بن نمیر آہستہ کلام کرتا تھا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بلند آواز اور درشتی سے جواب دیتے تھے‘ حصین نے کہا کہ میں آپ کو خلافت دینا چاہتا ہوں اور آپ مجھ سے لڑتے اور سختی سے جواب دیتے ہیں۔

غرض حصین بن نمیر وہاں سے جدا ہو کر اپنے لشکر میں آیا اور کوچ کا حکم دیا‘ بعد میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے قاصد کے ہاتھ کہلا بھجوایا کہ مجھ کو شام کے ملک میں جانے کے لیے مجبور نہ کیا جائے‘ یہیں آ کر بیعت کر لو‘ حصین نے کہا بغیر آپ کے شام میں جائے ہوئے کام نہ چلے گا‘ غرض عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ سے جدا نہ ہوئے۔

ادھر حصین بن نمیر مکہ سے مدینہ کے قریب پہنچا تو وہاں معلوم ہوا کہ یزید کے انتقال کی خبر سن کر اہل مدینہ نے پھر بنی امیہ کے خلاف کھڑے ہو کر یزید کے عامل کو مدینہ سے نکال دیا ہے‘ جس کو مسلم بن عقبہ مدینہ میں مامور و متعین کر آیا تھا‘ حصین مدینہ کے باہر جا کر خیمہ زن ہوا تو مدینہ کی شورش ہنگامہ آرائی کم ہو گئی اور جس قدر بنی امیہ مدینہ میں موجود تھے وہ سب حصین بن نمیر کے لشکر میں چلے آئے اور کہا ہم کو اپنے ساتھ ملک شام کی طرف لے چلو‘ حصین نے کہا‘ کہ آج رات کو تم یہیں ٹھہرو صبح تم کو ساتھ لے کو کوچ کریں گے۔

شامی لشکر کی زین العابدین کی دعوت خلافت

جب رات ہوئی تو حصین بن نمیر تنہا علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلا‘ ان سے ملا اور کہا‘ کہ یزید فوت ہو گیا‘ اس وقت عالم اسلام کا کوئی امام نہیں ہے‘ تم میرے ساتھ ملک شام کی طرف چلو‘ میں تمام جہان کو تمہاری بیعت پر آمادہ کر دوں گا اور تم خلیفہ وقت ہو جاؤ گے‘ اہل شام کو تم اہل عراق کی طرح

نہ سمجھو وہ تم کو ہرگز دھوکہ نہ دیں گے اور نہ تمہارے درپے آزار ہوں گے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ ساری عمر کسی سے بیعت نہ لوں گا' تم مجھ کو اسی حال میں رہنے دو' اور کسی دوسرے کو خلافت کے لیے تلاش کر لو' یہ کہہ کر وہ حصین سے جدا ہو گئے۔ حصین اپنے لشکر میں آیا اور صبح بنی امیہ کو لے کر شام کی طرف روانہ ہوا۔

عہد یزیدی کی فتوحات

سلسلہ کلام میں ہم یزید کی وفات تک پہنچ گئے' لیکن یہ تذکرہ رہ گیا تھا کہ عقبہ بن نافع بانی شہر قیروان افریقہ سے دمشق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے تھے اور ابوالمہاجر کی شکایت کی تھی' امیر معاویہ نے وعدہ کیا تھا کہ ہم تم کو پھر افریقہ کی سپہ سالاری پر بھیج دیں گے' ابھی یہ وعدہ پورا نہ ہوا تھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے' یزید نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی عقبہ کو افریقہ کی سپہ سالاری پر نامزد کر کے افریقہ کی طرف روانہ کیا۔

عقبہ نے قیروان پہنچ کر ابوالمہاجر کو گرفتار کر کے قید کر دیا' اس قید و بند کا سبب یہ تھا کہ ابوالمہاجر نے اپنے عہد حکومت میں عقبہ کو ناجائز طور پر برا کہنے اور بدنام کرنے کی کوشش کی تھی' اسی حالت قید میں ابوالمہاجر فوت ہوا اور مرنے سے پہلے عقبہ بن نافع کو وصیت کر گیا کہ ایک بربری نومسلم مسمی کسیلہ سے ہوشیار رہنا' کسیلہ کو ابوالمہاجر نے مسلمان کیا تھا اور وہ اس کے مزاج و عادات سے واقف ہونے کی وجہ سے جانتا تھا کہ عقبہ نے چونکہ مجھ کو قید کیا ہے' اس لیے کسیلہ موقع پا کر ضرور عقبہ سے انتقام لے گا' عقبہ بن نافع نے اس بات کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہ کی اور کسیلہ کو بدستور اپنی فوج کے ایک چھوٹے حصہ پر سردار رہنے دیا۔

بحر ظلمات تک اسلامی لشکر کی مسلسل یلغار

۶۲ھ میں عقبہ بن نافع نے اپنے بیٹوں کو بلا کر وصیت کی اور کہا کہ میں راہ اللہ تعالیٰ میں جہاد کی غرض سے روانہ ہوتا ہوں اور دل سے خواہشمند ہوں کہ مجھ کو درجہ شہادت حاصل ہو اس کے بعد زہیر بن قیس بلوی کو مختصر فوج کے ساتھ قیروان کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر اور خود مجاہدین کا لشکر لے کر مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔

شہر باغانہ پر رومی لشکر سے مقابلہ ہوا' سخت لڑائی کے بعد رومی فرار ہوئے۔ پھر شہر اربہ پر رومیوں نے دوبارہ سخت مقابلہ کیا' اس لڑائی میں بھی ان کو ہزیمت ہوئی۔ مسلمانوں کی فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر رومیوں نے بربریوں کو جو ابھی تک عیسائی مذہب میں داخل نہ ہوئے

تھے اپنے ساتھ ملایا اور مسلمانوں کی تھوڑی سی جمعیت کے مقابلہ میں رومیوں اور بربریوں کی افواج کثیر نے میدان میں قدم جمایا' خوں ریز جنگ کے بعد مسلمانوں کو فتح کامل حاصل ہوئی۔

آخر شہر طنجہ پر رومی بطریق سے آخری مقابلہ ہوا جس میں اس رومی گورنر نے اپنے آپ کو عقبہ بن نافع کے حوالے کر دیا' عقبہ نے اسے آزاد کر دیا اور شہر طنجہ کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر آگے بڑھے' پھر تمام ملک مراقش کو فتح کرتے ہوئے بحر ظلمات یعنی بحر اطلانتک کے ساحل تک پہنچ گئے' ساحل سمندر پر پہنچ کر عقبہ نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال کر کہا۔

الٰہی یہ سمندر اگر میرے راستے میں حائل نہ ہو جاتا' تو جہاں تک زمین ملتی میں تیری راہ میں جہاد کرتا ہوا چلا جاتا۔

عقبہ کی شہادت

ساحل سمندر سے ہٹ کر عقبہ نے قیروان کی جانب واپسی کا ارادہ کیا' اب تمام شمالی افریقہ فتوحات اسلامی میں شامل ہو چکا تھا' واپسی میں عقبہ نے فوج کے کئی حصے کر کے الگ الگ روانہ کئے' اور ایک حصہ اپنی معیت میں رکھا' سفر میں ایک مقام ایسا آیا کہ وہاں پانی دستیاب نہ ہوا' لوگ پیاس کے مارے مرنے لگے' عقبہ بن نافع نے جناب الٰہی میں دعا کی' اسی وقت ان کا گھوڑا اپنا پاؤں زمین پر مارنے لگا اور وہیں سے چشمہ پھوٹ کر پانی بہنے لگا' تمام لشکر سیراب ہوا' اور اس چشمہ کا نام ماء الفرس مشہور ہوا' جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

وہاں سے جب عقبہ اپنے چھوٹے لشکر کے ساتھ روانہ ہو کر مقام تہوذا میں پہنچے تو رومیوں اور بربریوں نے ان کے ساتھ تھوڑی سی جمعیت دیکھ کر مقابلہ کا ارادہ کیا' حالانکہ یہ سب مطیع و منقاد ہو چکے تھے' کسیلہ نے جو عقبہ کے ساتھ تھا اس موقعہ کو مناسب سمجھ کر اور جدا ہو کر رومیوں کی شرکت اختیار کی' اپنی قوم کی ہمت کو بھی بڑھایا اور ایک لشکر عظیم چڑھا لایا اور چاروں طرف سے اس قلیل جمعیت کو گھیر لیا' مٹھی بھر مسلمانوں نے تلواریں سونت لیں' اور دشمنوں کو قتل کرنے میں مصروف ہو گئے' بہت سے رومیوں اور بربریوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے' اور خود بھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے اور سیدنا عقبہ بن نافع کی آرزوئے شہادت پوری ہوئی۔

کسیلہ عقبہ کی شہادت کے بعد اپنا لشکر عظیم لیے ہوئے قیروان کی طرف بڑھا' قیروان میں جب عقبہ کے شہید ہونے اور لشکر عظیم کے قریب پہنچنے کی خبر پہنچی تو زہیر بن قیس نے مقابلہ کی تیاری کی' لیکن فوج کے اندر آپس میں اختلاف اور نااتفاقی پیدا ہو گئی' زہیر بن قیس مشکلات پر غالب نہ آسکے'

مجبوراً مسلمانوں کو قیروان چھوڑ کر برقہ کی طرف آنا پڑا' اور کسیلہ قیروان پر قابض و متصرف ہو گیا۔

یزید کی سلطنت پر ایک نظر

یزید کی سلطنت تقریباً پونے چار سال رہی' اس کے دور حکومت میں افریقی فتوحات کے علاوہ مسلمانوں کو کوئی خاص فتح و کامیابی حاصل نہیں ہوئی' بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیس سالہ حکومت و خلافت کے بعد اندرونی جھگڑوں اور بیرونی اقوام کی طرف سے غافل ہونے کا زمانہ شروع ہو گیا' یزید کے دامن پر سب سے بڑا داغ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ہے' جس نے اس کے اور دوسرے معائب کو بھی نمایاں کر دیا ہے[1] لیکن اسی کے ساتھ اگر ہمیں تحقیق حق منظور ہے تو سکون قلب کے ساتھ واقعات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش میں ہمت نہیں ہارنی چاہیئے' اور غور کرنا چاہیئے' کہ ان تمام مظالم اور ناشدنی برتاؤ کے جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں ہوئے اصل محرکات کیا تھے؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا' کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی تحریک پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد بنایا' ورنہ اس سے پہلے ان کو اس کا خیال بھی نہ گزرا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے خلیفہ بنانے کی تمنا کریں' سب سے پہلے اس تجویز کو مغیرہ رضی اللہ عنہ ہی نے کوفہ میں پروان چڑھایا' لیکن بنیادی طور پر یہ تجویز چوں کہ خلافت راشدہ کی سنت کے خلاف اور اسلامی جمہوریت کی روح کے منافی تھی' اس لیے اسی وقت مدینہ منورہ میں اس کی مخالفت شروع ہوئی' چنانچہ سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما' اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی شدت سے مخالفت کی۔ مروان نے جب اس مسئلہ کو مدینہ میں صائب الرائے اور سنجیدہ حلقوں کے سامنے رکھا تو ہر طرف سے اس کی مخالفت شروع ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر نے صاف لفظوں میں کہا' کہ ہمارے لیے خلیفہ کے انتخاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقے سوا اور کوئی طریقہ پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔

سیدنا عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ امیر معاویہ نے جو انتخاب کا طریقہ اختیار کیا ہے' یہ سنت خلفاء راشدین نہیں' بلکہ یہ تو قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے' جو ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ انتخاب مسلمانوں کی بہتری کے لیے نہیں بلکہ بربادی کے لیے

---

[1] ذاتی طور پر خلیفہ یزید میں بہت سی خامیاں ہوں گی۔ سوائے انبیاء علیہم السلام کے کون ان خامیوں' کوتاہیوں سے بچا ہے۔ کسی میں کم ہوتی ہیں اور کسی میں زیادہ۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یزید کی حیثیت خلیفہ کی تھی اور اس کی (معروف میں) اطاعت مسلمانوں پر فرض تھی۔

کیا گیا ہے' کیوں کہ اس طرح تو خلافت اسلامیہ قیصر و کسریٰ کی سلطنت سے مشابہ ہو جائے گی کہ باپ کے بعد بیٹا تخت نشین ہو۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان صاحبان بصیرت کو راضی کرنے کے لیے یہاں تک کہلایا کہ آپ حضرات اس کو محض خلیفہ مان لیں' باقی تمام ملک کا نظم و نسق' عہدہ داروں کا تقرر و تبدل اور دوسرے انتظام مملکت وہ سب آپ حضرات ہی کے مشورے سے ہوگا' لیکن اس پر بھی ان میں سے کوئی تیار نہیں ہوا۔

اس دور کے عوام کے جذبات اور یزید کے کردار کا اندازہ اس سے کیجئے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کے نام ایک عام حکم جاری کیا کہ لوگوں سے یزید کی خوبیاں بیان کرو' اور اپنے اپنے علاقوں کے بااثر لوگوں کا ایک ایک وفد میرے پاس بھیجو کہ میں بیعت یزید کے متعلق لوگوں سے خود بھی گفتگو کروں' چنانچہ ہر صوبے سے جو وفد آیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے الگ الگ بھی گفتگو کی' اور پھر سب کو ایک مجلس میں جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں خلفاء کے فرائض' حقوق حکام کی اطاعت اور عوام کے فرائض بیان کر کے یزید کی شجاعت' سخاوت' عقل و تدبیر اور انتظامی قابلیت کا تذکرہ کر کے اس بات کی خواہش ظاہر کی کہ یزید کی ولیعہدی پر بیعت کر لینی چاہیئے' لیکن اس کے جواب میں مدینہ کے وفد کے ایک رکن محمد بن عمرو بن حزم نے کھڑے ہو کر کہا:

''امیر المومنین آپ یزید کو خلیفہ تو بناتے ہیں' لیکن ذرا اس بات پر بھی خیال فرمالیں' کہ قیامت کے دن آپ کو اپنے اس فعل کا خدائے تعالیٰ کی جناب میں جواب دہ ہونا پڑے گا''۔

محمد بن عمرو بن حزم کے ان الفاظ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عوام بھی یزید کی خلافت سے خوش نہ تھے' اور اس کی خلافت کے جوئے کو اپنی گردن پر رکھنے کے لیے تیار نہ تھے۔ خود آخر وقت میں امیر معاویہ کے سامنے یزید نے جس قسم کی سرکشی کا اظہار کیا تھا اس سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ کہاں تک خلافت کا اہل تھا۔

شروع ماہ رجب ٦٠ھ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے' اس بیماری میں جب انہیں یقین ہونے لگا' کہ اب آخری وقت قریب آ گیا ہے تو انہوں نے یزید کو بلوایا' یزید اس وقت دمشق سے باہر شکار میں یا کسی مہم پر گیا ہوا تھا' فوراً قاصد گیا اور یزید کو بلا کر لایا' یزید حاضر ہوا تو انہوں نے اس سے مخاطب ہو کر کہا:

''اے بیٹے میری وصیت کو توجہ سے سن اور میرے سوالوں کا جواب دے' اب اللہ تعالیٰ کا فرمان یعنی میری موت کا وقت قریب آ چکا ہے' تو بتا کہ میرے بعد مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا

چاہتا ہے۔

یزید نے جواب دیا کہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کروں گا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا سنت صدیقی پر بھی عامل ہونا چاہیئے' کہ انہوں نے مرتدین سے جنگ کی اور اس حالت میں وفات پائی کہ امت ان سے خوش تھی۔

یزید نے کہا' نہیں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اللہ کی پیروی کافی ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ اے بیٹے سیرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کر' کہ انہوں نے شہروں کو آباد کیا' فوج کو قوی کیا' اور مال غنیمت فوج پر تقسیم کیا۔

یزید نے کہا نہیں' صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کافی ہے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے بیٹے سیرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر عامل ہونا کہ انہوں نے لوگوں کو زندگی میں فائدہ پہنچایا' اور سخاوت کی۔

یزید نے کہا نہیں' صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میرے لیے کافی ہے''۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا' اے بیٹے تیری ان باتوں سے مجھ کو یقین ہو گیا' کہ تو میری باتوں پر عمل درآمد نہیں کرے گا' بلکہ میری وصیت و نصیحت کے خلاف ہی کرے گا۔

بہر حال مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوشش سے یزید عالم اسلامی کا خلیفہ ہوا' سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنی زندگی میں یزید کے لیے بیعت لینا ایک سخت غلطی تھی اور یہ غلطی ان سے غالباً محبت پدری کی وجہ سے سرزد ہوئی' مگر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی غلطی ان سے بھی بڑی ہے' کیوں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خیال مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہی کی تحریک پر پیدا ہوا تھا[1] لیکن یزید نے اس منصب کو حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو خلافت کا اہل ثابت نہیں کیا' وہ خوب جانتا تھا کہ اس زمانے میں ایسے بزرگ موجود ہیں جو اپنی پاکیزہ سیرت' بلند اخلاق' عبادت و ریاضت اور عملی زندگی اور قوت ایمانی کی وجہ سے آفتاب سمجھے جاتے ہیں' بجائے اس کے کہ وہ اپنی حکومت کا نظم و نسق ان بزرگوں کے

---

[1] امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی کے درمیان جو کچھ ہوا' تحقیق کے بعد اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اس میں بنیادی کردار سبائی گروہ اور منافق کا تھا۔ دوسرا یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بشری تقاضے کے تحت جو کچھ غلطیاں سرزد ہوئیں' وہ ماضی کا حصہ ہیں۔ ہمیں ان کو اچھالنے اور بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ آج کوئی عام کلمہ گو مسلمان جو دین سے بے بہرہ اور عملی اعتبار سے بھی دین سے کوسوں دور ہو' اس کے مر جانے کے بعد ہم اس کے کردار کے بارے میں بحث نہیں کرتے بلکہ اس کے بارے میں خاموش رہتے ہیں' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ تو اس امت کا صالح ترین گروہ تھا۔ وہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ ان کے اچھے کردار کا تذکرہ ہوتا رہے۔

مشورے سے چلاتا' اس نے خلافت کے حاصل کرتے ہی اپنے ظلم و استبداد کی چکی کو تیز سے تیز تر کر دیا' اس نے مدینہ اور مکہ میں اس وقت جتنے بزرگ موجود تھے' مثلاً سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے بزرگوں سے بیعت لینے کے لیے وہاں کے عاملوں کے نام احکام جاری کیے کہ ان سب سے میری بیعت لی جائے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو جب اس کا یہ پیغام پہنچا' تو جناب عالی مقام جیسی مقدس شخصیت اس کے ہاتھ پر بیعت کیسے کر سکتی تھی' کیوں کہ اول تو اس کا انتخاب ہی غیر شرعی طریقہ پر ہوا تھا اور اس کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی' دوسرے یہ کہ وہ اپنے اعمال و کردار کے اعتبار سے بھی اس قدر گرا ہوا تھا' کہ وہ ہمیشہ لہو و لعب اور سیر و شکار میں مصروف رہتا تھا' خواجہ سراؤں کو اس نے اپنی خدمت گذاری پر مامور کیا تھا' رقص و سرود کی محفلوں میں وہ بے محابا شریک ہوتا تھا' یہ اور اس قسم کے بہت سے عیوب اس میں تھے' وہ کسی طرح بھی اس قابل نہیں تھا کہ اسے ایک منٹ کے لیے بھی مسلمانوں کا خلیفہ یا سردار تسلیم کیا جائے' تو ان حالات میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اس کو کیسے خلیفہ تسلیم کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کر سکتے تھے۔

یہ تھے وہ محرکات جس کی وجہ سے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزیدی حکومت کے نظام باطل کی مخالفت کی اور ظلم و استبداد اور باطل حکومت کے خلاف آپ نے اپنے عمل سے ایک ایسی شمع روشن کی کہ جس کی روشنی میں قیامت تک حق پرستوں کے قافلے آگے بڑھتے رہیں گے۔

چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو اپنے مختلف خطبوں میں جو آپ نے میدان کربلا اور دوران سفر کربلا میں دیئے تھے بیان فرمایا' مقام بیضہ میں آپ نے حر کے ساتھیوں اور اپنے ہمرائیوں کے سامنے ایک خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

''لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ایسے بادشاہ کو دیکھا جو ظالم ہے' اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتا ہے' اللہ کے عہد کو توڑتا ہے' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے' اللہ کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرتا ہے اور دیکھنے والے کو اس پر اپنے عمل اور قول سے غیرت نہ آئی' تو اللہ کو یہ حق ہے کہ اس بادشاہ کی بجائے اس دیکھنے والے کو جہنم میں داخل کر دے' تم اچھی طرح سمجھ لو کہ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت قبول کر لی ہے اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے اور زمین پر فتنہ و فساد پھیلا رکھا ہے' حدود الٰہی کو معطل کر دیا ہے اور مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں' اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے' اس لیے مجھے ان باتوں پر غیرت آنے کا زیادہ حق ہے''۔

یہ تھے وہ اسباب جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں لائے' آپ اور آپ کے اہل بیت اظہار کلمۃ الحق کرتے ہوئے ایک نظام باطل کے مٹانے کی سعی میں شہید ہوئے۔

عام نقطہ نظر سے بھی یزید امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی اچھا جانشین نہ تھا' اس کو مذہب اور روحانیت سے بہت ہی کم تعلق تھا' اس نے حکومت اور سیاست میں بھی کسی قابلیت کا اظہار نہیں کیا' وہ اگر کسی قابل ہوتا تو سب سے پہلے اس کی کوشش اور ہمت اس کام میں صرف ہوتی کہ لوگ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تنازعات کو بھول جائیں' لیکن اس نے یا تو اس طرف توجہ ہی کم دی' یا وہ اپنی نا قابلیت کے سبب کامیاب نہ ہو سکا۔

یزید نے اپنی عملی زندگی کا جو نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا' اس میں چونکہ فسق و فجور اور خلاف احکام شرع اعمال بھی تھے' لہٰذا عام طور پر مسلمانوں کی مذہبی خصوصیات اور عملی زندگی کو نقصان پہنچا' اور ضعیف الایمان لوگ گناہوں کے ارتکاب میں شاہی نمونہ دیکھ کر دلیر ہو گئے' یزید ہی کے بدنما نمونے نے مسلمانوں کو گانے بجانے اور شراب پینے کی بھی ترغیب دی' ورنہ اس سے پہلے عالم اسلام ان خرابیوں سے بالکل پاک تھا۔

یزید کے زمانہ تک حکومت و خلافت میں وراثت کے اصول کو مسلمانوں نے تسلیم نہیں کیا تھا' اور وہ سمجھتے تھے' کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کا خلیفہ ہو جانا ایک سخت غلطی ہے' اور اس غلطی کی اصلاح ہونی چاہیے' چنانچہ حصین بن نمیر اسی لیے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنانے کا خواہشمند تھا' لیکن یزید کے بعد بتدریج اس وراثت کے خیال کو بنی امیہ کی کوششوں کے سبب تقویت پہنچی' اور بالآخر اس رسم بد نے ایسی جڑ پکڑی کہ آج تک مسلمانوں کو اس سے رست گاری (نجات) حاصل نہ ہوئی۔

یزید کا پہلا نکاح ام ہاشم بنت عتبہ بن ربیعہ کے ساتھ ہوا تھا' جس سے دو بیٹے معاویہ اور خالد پیدا ہوئے۔ یزید کو خالد کے ساتھ زیادہ محبت تھی' لیکن معاویہ کو اس نے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

دوسرا نکاح اس کا ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر سے ہوا'' جس کے بطن سے عبداللہ بن یزید پیدا ہوا جو تیر اندازی کی قابلیت میں کمال شہرت رکھتا تھا' اس کے علاوہ چند بیٹے یزید کے لونڈیوں کے پیٹ سے بھی پیدا ہوئے۔

معاویہ بن یزید

معاویہ بن یزید کی کنیت ابو لیلیٰ اور ابو عبدالرحمٰن تھی' معاویہ کی وفات کے وقت اس کی عمر بیس سال اور چند ماہ تھی' یہ جوان صالح اور عابد و زاہد شخص تھا' اہل شام نے یزید کی وفات کے بعد اس کے

ہاتھ پر بیعت کی' حصین بن نمیر جب لشکر شام اور بنی امیہ کو لیے ہوئے دمشق پہنچا ہے' تو معاویہ بن یزید کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تھی' معاویہ اپنی خلافت اور لوگوں سے بیعت لینے کا خواہش مند نہ تھا' وہ کچھ بیمار بھی تھا' اور اس حالت بیماری ہی میں اس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی' اس نے لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر بیعت لی' اور صرف چالیس روز یا دوسری روایت کے موافق دو ماہ اور تیسری روایت کے موافق تین ماہ خلافت کر کے فوت ہوا' اور وہ اس قلیل مدت میں کوئی قابل تذکرہ کام نہیں کر سکا۔

معاویہ بن یزید کی وفات

معاویہ کے مرض نے جب ترقی کی تو لوگوں نے کہا کہ اپنے بعد کسی کو خلافت کے لیے نامزد کر دو' معاویہ نے کہا کہ میں پہلے ہی اپنے اندر خلافت کی طاقت نہیں پاتا تھا' تم لوگوں نے زبردستی مجھ کو خلیفہ بنایا' میں نے سوچا کہ کوئی شخص عمر فاروق کی مانند مل جائے' تو اس کو خلافت سپرد کر دوں لیکن نہیں ملا' پھر میں نے چاہا کہ جس طرح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چند شخصوں کو نامزد کر دیا تھا کہ ان کے بعد وہ خلیفہ کو منتخب کریں اسی طرح میں بھی چند شخصوں کو نامزد کر دوں' لیکن میری نگاہ میں ایسے اشخاص بھی نہیں آئے۔ لہٰذا اب میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کہتا' تم کو اختیار ہے جس کو چاہو خلیفہ بناؤ' مجھے کوئی سروکار نہیں' یہ کہہ کر معاویہ نے لوگوں کو باہر نکلوا کر اپنی محل سرائے کا دروازہ بند کرا لیا اور اس کے بعد اس کا جنازہ ہی محل سرائے سے نکلا۔

بصرہ میں ابن زیاد کی بیعت

معاویہ بن زید کی خلافت کو صرف اہل شام اور اہل مصر نے تسلیم کیا تھا' اہل حجاز نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کی تھی' یزید کے مرنے کی خبر جب عراق میں پہنچی تو اس وقت عبیداللہ بن زیاد بصرہ میں تھا' اس نے اہل بصرہ کو جمع کر کے کہا کہ امیر المومنین یزید کا انتقال ہو گیا ہے' اب کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو خلافت کے کاموں کو چلانے کی قابلیت رکھتا ہو' میں اسی ملک میں پیدا ہوا اور یہیں میں نے پرورش پائی' میرا باپ بھی اس ملک کا حاکم تھا اور اب میں بھی اسی ملک کا حاکم ہوں' آمدنی پہلے سے زیادہ ہے' خزانہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہے' لوگوں کی تنخواہیں اور وظیفے بھی اب پہلے سے زیادہ ہیں' مفسد اور شریر لوگوں سے ملک پاک و صاف ہے' تم لوگ اگر چاہو تو اپنی الگ خلافت قائم کر سکتے ہو' کیوں کہ تم اہل شام کے محتاج نہیں ہو۔

یہ تقریر سن کر سب نے کہا کہ بہت مناسب ہے' ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ اہل بصرہ نے عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کر لی' مگر دل سے وہ عبیداللہ کو ناپسند

کرتے تھے اہل بصرہ سے بیعت لے کر عبیداللہ کوفہ کی طرف گیا' کہ وہاں کے لوگوں سے بھی بیعت لے' لیکن کوفہ والوں نے صاف انکار کر دیا۔

اہل بصرہ کو جب معلوم ہوا کہ اہل کوفہ ابن زیاد سے منحرف ہو گئے' تو انہوں نے بھی اپنی بیعت فسخ کر دی' ابن زیاد مجبور اور مایوس ہو کر عراق سے بھاگا اور دمشق پہنچا' یہ دمشق میں اس وقت پہنچا تھا جب کہ معاویہ بن یزید فوت ہو چکا تھا اور انتخاب خلیفہ کے متعلق ملک شام میں جھگڑا اور نزاع برپا تھا۔

عراق میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت

اہل کوفہ کی حالت یہ تھی کہ حادثہ کربلا کے بعد ان لوگوں کے دلوں میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے اندر ہی اندر ایک اثر پیدا کیا' جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط بھیج کر بلایا اور پھر ان کے قتل میں شریک ہوئے' اپنی اس حرکت سے ان کے دلوں میں پشیمانی پیدا ہوئی' ادھر ابن زیاد کو بھی کوئی انعام وصلہ نہ ملا' بلکہ خراسان کا علاقہ اس کی ماتحتی سے جدا کر دیا گیا' لہٰذا وہ بھی قتل حسین رضی اللہ عنہ سے پشیمان ہوا اور اہل کوفہ کو اظہار پشیمانی سے نہ روکا' کوفہ کے ان لوگوں نے جو شیعان حسین رضی اللہ عنہ کہلائے جاتے تھے' سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان میں جمع ہو کر ایک خفیہ جلسہ کیا اور اپنی خطاؤں کا اقرار کرنے کے بعد ان کی تلافی کے لیے اس تجویز پر اتفاق کیا' کہ اب ہم کو خون حسین رضی اللہ عنہ کا معاوضہ ضرور لینا چاہیئے' چنانچہ سب نے سلیمان بن صرد کے ہاتھ پر بیعت کی' سلیمان نے لوگوں کو سمجھایا کہ تم اپنے اس اقرار اور ارادے پر قائم رہو' لیکن اس کے اظہار سے ابھی پرہیز کرو اور لوگوں کو رفتہ رفتہ اپنا ہم خیال بناتے رہو' جب موقع آئے گا تو ہم خروج کریں گے اور خون حسین رضی اللہ عنہ کا قصاص لے کو چھوڑیں گے۔

جب عبیداللہ بن زیاد نے اہل کوفہ کو اپنی بیعت کی طرف متوجہ کرنا چاہا' تو لوگوں نے اسی لیے انکار کیا' کہ وہ سلیمان بن صرد کی ہدایت و تجویز کے ماتحت ابن زیاد سے انتقام کی تیاریاں کر رہے تھے وہ بھلا اس کے ہاتھ پر بیعت کیوں کرنے لگے تھے؟

یزید کی وفات کا حال سن کر شیعان علی رضی اللہ عنہ نے سلیمان بن صرد سے کہا کہ اب مناسب موقع ہے' آپ خروج کیجئے۔ لیکن سلیمان نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا اور کہا کہ اہل کوفہ کی ایک بڑی تعداد ایسی باقی ہے جو ہماری ہم خیال اور شریک کار نہیں ہے' مناسب یہ ہے کہ ابھی چند روز تک اور اندر اندر اپنی کوششوں کو جاری رکھو اور اپنی جمعیت اور طاقت بڑھاؤ۔

ابن زیاد کو صاف جواب دینے کے بعد اہل کوفہ نے عمرو بن حرث کو جو ابن زیاد کی طرف سے

کوفہ کا حاکم تھا نکال دیا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم کر لیا' عبداللہ بن زبیر کی طرف سے عبداللہ بن یزید انصاری کوفہ کے گورنر اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ محصل خراج مقرر ہو کر آ گئے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے گورنر کی آمد سے ایک ہفتہ پیشتر مختار بن ابوعبید بھی جو محمد بن الحنفیہ کے پاس گیا ہوا تھا' واپس کوفہ میں آیا' یہ رمضان ۶۴ ھ کا واقعہ ہے۔

بصرہ والوں نے بھی ابن زیاد کے چلے جانے پر عبداللہ بن حرث کو اپنا سردار بنا لیا اور پھر اہل کوفہ کی تقلید میں اپنا ایک وفد بھیج کر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم کر لیا' اس طرح تمام ملک عراق پر بھی سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت مسلم اور قائم ہو گئی۔

مصر میں ابن زبیر کی خلافت

مصر کا حاکم عبدالرحمٰن بن جحدم تھا' اس نے جب معاویہ بن یزید کے انتقال کی خبر سنی تو فوراً بذریعہ وفد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت کی۔ حمص کے گورنر نعمان بن بشیر اور قنسرین کے حاکم ظفر بن حارث تھے' ان دونوں نے بھی معاویہ بن یزید کی وفات کا حال سن کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہی کی خلافت کو تسلیم کرنا مناسب سمجھا۔

معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد چونکہ جلد خلیفہ کا انتخاب نہیں ہو سکا تھا' لہٰذا اہل دمشق نے ضحاک بن قیس کے ہاتھ پر اس اقرار کے ساتھ بیعت کی تھی کہ جب تک مسلمانوں کا کوئی امیر اور خلیفہ منتخب و متعین ہو' اس وقت تک ہم آپ کو اپنا امیر و امام مانیں گے' اور آپ کے احکام کی فرماں برداری کریں گے۔ یہ ضحاک بن قیس بھی خلافت کے لیے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہی کو سب سے بہتر سمجھتے تھے۔ فلسطین کا گورنر حسان بن مالک تھا' وہ البتہ اس امر کا خواہاں تھا کہ آئندہ بھی جو خلیفہ منتخب ہو وہ بنی امیہ میں سے ہو۔

غرض معاویہ بن یزید کی وفات پر تمام عالم اسلام سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت پر متفق ہو چکا تھا' اور بنی امیہ کے سوا باقی تمام با اثر اشخاص وراثت کو خلافت سے مٹانے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنانے پر آمادہ پائے جاتے تھے۔

عبیداللہ بن زیاد کی یزید کے بعد عراق میں جو حالت ہوئی' اوپر پڑھ چکے ہو اب اس کے بھائی مسلم بن زیاد کا حال سنو جو خراسان کا گورنر تھا۔

خراسان میں جب یزید کے مرنے کی خبر پہنچی' تو مسلم بن زیاد نے اہل خراسان سے کہا کہ یزید کا انتقال ہو گیا ہے' جب تک کوئی دوسرا خلیفہ مقرر ہو کر احکامات جاری کرے اس وقت تک کے لیے تم

میرے ہاتھ پر بیعت کرلو' اہل خراسان نے خوشی سے بیعت کر لی' لیکن چند روز کے بعد انہوں نے اس بیعت کو فسخ کر دیا' مسلم بن زیاد کا بھی قریباً وہی حشر ہوا جو اس کے بھائی عبیداللہ بن زیاد کا عراق میں ہوا تھا۔

مسلم بن زیاد نے اپنی جگہ مہلب بن ابی صفرہ کو حاکم خراسان مقرر کر کے خود دمشق کا ارادہ کیا' راستے میں اس کو عبداللہ بن حازم ملا' اس نے عبداللہ بن حازم کو اپنی طرف سے حاکم خراسان مقرر کر دیا' اور مہلب بن ابی صفرہ بدستور سپہ سالار فوج رہا' عبداللہ بن حازم نے خراسان پہنچ کر تمام سرکشوں اور باغیوں کو درست کر دیا' ادھر دمشق میں خلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا' ادھر عبداللہ بن حازم ترکوں اور مغلوں کو شکست دے کر اسلامی حکومت کا سکہ دلوں پر بٹھا رہا تھا۔

اگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حصین ابن نمیر کا مشورہ قبول کر لیتے اور شام کے ملک میں تشریف لے آتے تو یقیناً ان کی خلافت کے قیام و استحکام میں کوئی شک وشبہ باقی نہ تھا اور وہ تنہا عالم اسلامی کے خلیفہ بن کر ضرور ان برائیوں کو جن کی بنیاد پڑ چکی تھی' کلیتہً مٹا دینے میں کامیاب وہ جاتے' مگر شدنی امور اس کے خلاف تھے جو ہو کر رہے۔

مروان بن حکم

مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی پیدائش کا زمانہ ۲ھ ہے' ماں کا نام آمنہ بنت علقمہ بن صفوان ہے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں میر منشی اور وزارت کا عہدہ حاصل رہا' سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کئی مرتبہ مدینہ کی حکومت حاصل رہی' معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد چھ سات مہینے تک تنہا سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہی خلیفہ تھے' ان کے سوا اور کوئی شخص بنی امیہ میں سے مدعی خلافت نہ تھا' تمام عمال و حکام نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم کر لیا تھا۔ چھ سات مہینے کے بعد مروان اپنی کوششوں میں کامیاب ہو کر ملک شام پر قابض ہوا' لہٰذا مروان کی حیثیت ایک باغی کی قرار دی جا سکتی ہے اور چونکہ خلافت بنو امیہ سے بالکل نکل چکی تھی' لہٰذا مروان کو بنو امیہ کی خلافت کا مجدد بھی کہا جا سکتا ہے۔

بیعت خلافت اور جنگ حرج راہط

معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے' ملک شام میں بھی دو گروہ ہو گئے تھے' ایک تو بنی امیہ تھے' جو اپنے ہی قبیلے میں خلافت کو رکھنا چاہتے تھے' دوسرے ضحاک بن قیس حاکم

دمشق اور ان کے ہم خیال عمال تھے' جو دل سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے مؤید مگر علانیہ زبان سے کچھ نہ کہتے تھے۔

سب سے پہلے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے حمص میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے نام پر لوگوں سے بیعت لینا شروع کی' قنسرین کے حاکم ظفر بن حارث نے بھی ان کی تقلید کی' دمشق میں بنی امیہ اور بنو کلب کی کثرت تھی اور یہ دونوں قبیلے ہم خیال اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مخالف تھے' لہٰذا ضحاک بن قیس جو دل سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے زبان سے کچھ نہ کہتے اور دمشق پر حکومت کرتے تھے' دمشق والوں کو اس کی اطلاع نہ تھی' کہ حمص اور قنسرین کی افواج عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت پر بیعت کر چکی ہیں۔

سب سے پہلے حسان بن مالک کلبی جو فلسطین کا عامل اور اپنی رشتہ داری کی وجہ سے بنی امیہ کا طرف دار تھا اس خبر سے مطلع ہوا' اس نے روح بن زنباع کو اپنا قائم مقام بنا کر کہا کہ سرداران لشکر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے جاتے ہیں' میری قوم کے آدمی اردن میں ہیں' میں وہاں جا کر ان کو خبردار کرتا ہوں' تم یہاں خوب چوکس رہنا' جو کوئی مخالفت کرے اس کو فوراً قتل کر دینا' یہ سمجھا کہ حسان بن مالک اردن کی طرف روانہ ہوا' اس کے جاتے ہی نابل بن قیس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا طرفدار ہو کر روح بن زنباع کو فلسطین سے نکال دیا تھا' روح بھی اردن میں حسان بن مالک کے پہنچ گیا' اور فلسطین کا علاقہ بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں شامل ہو گیا۔

حسان بن مالک نے اہل اردن کو جمع کر کے عبداللہ بن زبیر کے خلاف آمادہ کیا اور ان سے وعدہ لیا کہ ہم خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کو خلیفہ بنانے کی کوشش کریں گے۔ حسان بن مالک کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ضحاک بن قیس امیر دمشق بھی در پردہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا طرفدار ہے مگر علانیہ اس کی طرف داری کا اظہار ابھی تک نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا حسان نے ایک خط ضحاک بن قیس کے نام لکھا' اس خط میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی برائیاں لکھیں اور خاندان معاویہ رضی اللہ عنہ کا حق دار خلافت ہونا بیان کر کے لکھا' کہ جابجا لوگ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت کرتے جاتے ہیں' جلد اس کا تدارک کرو' یہ خط جس قاصد کے ہاتھ دمشق کی جانب روانہ کیا اس کو سمجھا دیا کہ یہ خط جامع مسجد میں جمعہ کے دن جب کہ تمام رؤسائے شہر اور بنی امیہ موجود ہوں' ضحاک بن قیس کو پڑھ کر سنا دینا' چنانچہ یہ خط سب کی موجودگی میں جمعہ کے دن پڑھا گیا۔

یہاں پہلے ہی ضحاک بن قیس کے ہم خیال لوگوں کی کافی تعداد موجود تھی' اس خط کے سنتے ہی لوگوں کے دو گروہ ہو گئے' ایک بنی امیہ اور ان کے طرفدار' دوسرے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے طرف دار

دونوں گروہ آپس میں الجھنے لگے' اور نوبت یہاں تک پہنچی' کہ ہتھیار لے لے کر ایک دوسرے پر حملہ آوری کے لیے تیار ہو گئے' مگر خالد بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیچ میں آ کر دونوں کو سمجھایا اور لڑائی سے باز رکھا' ضحاک بن قیس خاموش مسجد سے اٹھ کر دار الامارت میں آئے اور تین دن تک باہر نہ نکلے۔

ان ہی ایام میں عبیداللہ بن زیاد جو عراق سے مایوس و بے دخل ہو کر شام کی طرف بھاگا تھا' دمشق میں پہنچا' عبیداللہ بن زیاد کے دمشق پہنچنے سے بنی امیہ اور ان کی طرف داروں کو بہت تقویت پہنچی' ضحاک بن قیس اور بنی امیہ سب مل کر جابیہ کی طرف نکلے' ثور بن معن سلمی ضحاک کے پاس پہنچا اور کہا کہ تم نے ہم کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت کے لیے مشورہ دیا اور ہم نے اس کو تسلیم کیا' اب تم حسان بن مالک کلبی کے کہنے سے اس کے بھانجے خالد بن یزید کی بیعت کے لیے کوشش کرنا چاہتے ہو' ضحاک کچھ شرما سے گئے' اور ثور بن معن سے کہا کہ اچھا اب تمہاری کیا رائے ہے' اس نے کہا کہ اب تک تم نے جس چیز کو پوشیدہ رکھا ہے اسے ظاہر کر دو اور علانیہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت کے لیے لوگوں کو دعوت دو' چنانچہ ضحاک اپنے ہم خیال لوگوں کو لے کر الگ ہو گئے اور مقام مرج راہط میں جا کر قیام کیا۔

بنو امیہ اور ان کے طرف دار بنو کلب مقام جابیہ میں مقیم رہے' یہیں حسان بن مالک کلبی بھی اردن سے معہ اپنی جمعیت کے پہنچ گیا تھا' جابیہ میں پانچ ہزار بنو امیہ اور بنو کلب جمع ہو گئے تھے' مرج راہط میں ضحاک بن قیس کے پاس کل ایک ہزار بنو قیس تھے' ضحاک بن قیس نے دمشق میں جو اپنا نائب چھوڑا تھا اس کو یزید بن انیس نے بے دخل کر کے بیت المال پر قبضہ کر لیا' یہ درحقیقت ایک بڑی شکست ضحاک کو پہنچی' اگر دمشق اور بیت المال ضحاک کے قبضہ میں رہتا' تو ان کی طاقت کو اس قدر صدمہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ضحاک نے مرج راہط سے فوراً نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما' ظفر بن حارث اور نائل بن قیس کو حمص' قنسرین اور فلسطین میں حالات کی اطلاع دی' ان لوگوں نے ضحاک کی امداد کے لیے مرج راہط کی طرف فوجیں روانہ کیں۔

ادھر جابیہ میں حسان بن مالک نے امامت کی خدمات انجام دینی شروع کیں اور یہ مسئلہ پیش ہوا' کہ پہلے اپنا ایک امیر اور خلیفہ منتخب کر لو' عام طور پر خالد بن یزید ہی کا نام لیا جاتا تھا اور اسی کی طرف زیادہ لوگ مائل تھے۔

مروان نے در پردہ لوگوں کو اپنی خلافت کے لیے ترغیب دینی شروع کی اور روح بن زنباع

نے مروان کے حسب منشاء آمادہ ہو کر ایک روز مجمع عام میں کھڑے ہو کر اپنی رائے اس طرح پیش کی کہ:

''خالد بن یزید ابھی نوعمر ہے' ہم کو ایک تجربہ کار اور ہوشیار خلیفہ کی ضرورت ہے' لہٰذا مروان بن حکم سے بہتر کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہے' وہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لے کر آج تک برابر خلافت وحکومت کے کاموں کا تجربہ رکھتا ہے' مناسب یہ ہے کہ ہم مروان بن حکم کو خلیفہ منتخب کر لیں' مگر اس شرط کے ساتھ کہ مروان کے بعد خالد بن یزید خلیفہ بنایا جائے' اور خالد بن یزید کے بعد عمرو بن سعید بن عاص کو خلافت سپرد کی جائے''۔

شام میں مروان بن حکم کی بیعت

غرض انتخاب خلیفہ کا مسئلہ چالیس روز تک مقام جابیہ میں زیر بحث رہا' بالآخر روح بن زنباع کی مذکورہ تجویز عبیداللہ بن زیاد کی تائید وکوشش سے منظور ہوئی' اور ۳ ذیقعدہ ۶۴ھ کو مقام جابیہ میں مروان کے ہاتھ پر بنوامیہ' بنوکلب اور غسان وطے وغیرہ قبائل نے بیعت کر لی۔

اس بیعت کے بعد مروان بن حکم اپنی جمعیت کو لے کر مرج راہط کی طرف بڑھا اور ضحاک بن قیس کے مقابل جا کر خیمہ زن ہوا' مروان کے پاس کل تیرہ ہزار جنگ جو تھے' ادھر ضحاک کے پاس اس سے چوگنی جمعیت فراہم ہو چکی تھی' طرفین نے اپنے اپنے میمنہ ومیسرہ کو درست کر کے لڑائی کا سلسلہ شروع کیا' بیس روز تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا' مگر کوئی فیصلہ کن جنگ نہ ہوئی' آخر عبیداللہ بن زیاد نے مروان بن حکم کو اپنی فوج کی قلت کی طرف توجہ دلا کر مشورہ دیا کہ دشمنوں پر شب خون مارنا چاہیئے۔

چوں کہ بیس روز سے طرفین برابر صف آراء ہوتے رہے تھے اور کسی نے کسی پر شب خون مارنے کا ارادہ نہیں کیا تھا' لہٰذا ضحاک اور ان کی فوج بے فکر تھی' اس پر مستزاد یہ کہ مروان نے دن میں ضحاک کے پاس صلح کا پیغام بھیج کر استدعا کی کہ لڑائی کو بند کر دیجیے اور شرائط صلح کے طے ہونے تک کوئی کسی پر حملہ آور نہ ہو' اسی قرارداد کے موافق لڑائی بند ہو گئی۔ غروب آفتاب کے بعد جب رات شروع ہوئی' تو ابن زیاد کی تجویز کے موافق شب خون کی تیاری ہونے لگی' اور وہاں بالکل فارغ ومطمئن ہو کر ضحاک اور ان کی فوج مصروف خواب ہوئی' آدھی رات کے وقت انہوں نے کئی جانب سے حملہ شروع کیا' اس اچانک حملے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنوقیس کے اسی سردار اور بنوسلیم کے چھ سو آدمی مقتول ہوئے' ضحاک بن قیس بھی کام آئے' اور بقیۃ السیف جس طرف کو منہ اٹھا بھاگ نکلے۔

یہ لڑائی درحقیقت بنوکلب اور بنوقیس کی لڑائی تھی' ان دونوں قبیلوں میں عہد جاہلیت سے رقابت چلی آتی تھی' اسلام نے اس رقابت کو بھلا دیا تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں قبیلوں سے بڑی قابلیت کے ساتھ کام لیا اور ان کی آپس کی رقابتوں کو دبائے رکھا تھا' یزید کی شادی بھی انہوں نے بنو کلب میں اسی لیے کی تھی کہ ایک زبردست قبیلے کی حمایت اس کو حاصل رہے' بنوقیس کی تعداد بنوکلب سے بھی زیادہ تھی' ان کی مدارات و دل جوئی کا بھی خاص طور سے لحاظ رکھا جاتا تھا' یہی دونوں قبیلے ملک شام کی سب سے بڑی طاقت سمجھے جاتے تھے' جس طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ رقابت پھر تازہ ہوگئی تھی' اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بنوقیس اور بنوکلب کی فراموش شدہ رقابت از سر نو بیدار ہوگئی' اور جنگ مرج راہط نے اس رقابت کو تادیر اور ہمیشہ باقی رہنے والی عداوت و دشمنی کی شکل میں تبدیل کر کے مقاصد اسلامی کو عالم اسلام میں سخت نقصان پہنچایا۔

جس زمانے میں معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد دمشق میں انتخاب خلیفہ کے متعلق اختلاف آراء اور بنوکلب و بنوقیس کے درمیان رقابتیں آشکارا ہونے لگی تھیں' تو مروان بن حکم نے یہ دیکھ کر کہ عراق و مصر اور شام کا بھی بڑا حصہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم کر چکا ہے ارادہ کیا کہ دمشق سے روانہ ہو کر مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کر لے اور خلافت تسلیم کرنے میں زیادہ دیر نہ لگائے' چنانچہ جامع دمشق میں جب لوگوں کے اندر فساد برپا ہوا' تو مروان بن حکم بنوامیہ کی خلافت سے قطعاً مایوس ہو کر مکہ کے سفر کا سامان درست کر چکا تھا' کہ اتنے میں عبیداللہ بن زیاد دمشق میں وارد ہوا اور مروان بن حکم کے ارادے سے واقف ہو کر اس نے مروان کو باصرار روانگی سے باز رکھا' اور اسی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ مروان کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی' اور اسی کی تدبیر سے مرج راہط میں ضحاک بن قیس قتل اور بنوقیس کو شکست ہوئی۔

مروان کا یزید کی بیوہ سے نکاح

مرج راہط کی فتح کے بعد مروان دمشق میں آیا اور یزید بن معاویہ کے محل میں فروکش ہوا' یہاں آتے ہی اس نے ابن زیاد کے مشورے کے موافق سب سے پیشتر خالد بن یزید کی ماں ام ہاشم کے ساتھ نکاح کیا' تاکہ بنوکلب کی حمایت حاصل رہے اور آئندہ خالد بن یزید کی ولی عہدی کے اندیشے سے نجات حاصل ہو سکے' اس کے بعد اس نے فلسطین و مصر کی جانب کوچ کیا اور ۶۵ ھ کے ابتدائی ایام میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے تمام ہواخواہوں کو شکست دے کر قتل یا ملک سے خارج کر دیا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے اس معاملہ میں بڑی غلطی ہوئی' کہ انہوں نے ملک شام کے ان واقعات و حالات سے جو ان کے موافق پیدا ہو چکے تھے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور عین وقت پر اپنے ہوا خواہوں کو کوئی امداد روانہ نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شام کے ملک پر حملہ کرنے کی ہدایت کی لیکن اس وقت جب کہ موقعہ ہاتھ سے جاتا رہا تھا اور ان کے طرف داروں کی ہمتیں شام میں پست ہو چکی تھیں۔

جنگ توابین

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ رمضان ۶۴ھ میں عبداللہ بن یزید انصاری عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے کوفہ کا حاکم مقرر ہو کر آیا اور انہیں ایام میں مختار بن ابوعبید بھی کوفہ میں آیا' مختار نے کوفہ میں آ کر لوگوں کو خون حسین رضی اللہ عنہ کا معاوضہ لینے کے لیے ابھارنا شروع کیا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی اس کام کے لیے سلیمان بن صرد کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں' لیکن ابھی اس کام کے لیے مناسب موقع نہیں آیا ہے۔

مختار نے کہا کہ سلیمان ایک پست ہمت آدمی ہے وہ لڑائی سے جی چراتا ہے' مجھ کو امام مہدی محمد بن الحنفیہ برادر امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے' تم لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو' اور خون حسین رضی اللہ عنہ کا معاوضہ ان کے قاتلین سے لو' لوگ یہ سن کر مختار کے ہاتھ پر بیعت ہونے لگے۔

یہ خبر جب عبداللہ بن یزید کو پہنچی' تو انہوں نے اعلان کیا کہ اگر مختار اور اس کے معاونین خون حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے لینا چاہتے ہیں تو اس کام میں ہم بھی ان کی مدد کرنے کو تیار ہیں' لیکن اگر وہ کوئی کاروائی ہمارے خلاف کرنے کا عزم رکھتے ہیں' تو ہم انکا مقابلہ کر کے ان کو قرار واقعی سزا دیں گے' اس اعلان کا اثر یہ ہوا کہ سلیمان بن صرد اور اس کے ہمراہیوں نے علانیہ ہتھیار خریدنے شروع کر دیئے' اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے' اور یکم ماہ ربیع الثانی ۶۵ھ کو سلیمان بن صرد نے کوفہ سے نکل کر مقام نخیلہ میں قیام کیا اور سترہ ہزار آدمی اس کے گرد جمع ہو گئے' عبداللہ بن یزید گورنر کوفہ نے مخالفت نہیں کی۔

مختار چوں کہ اپنی الگ جماعت کے تیار کرنے میں مصروف تھا' حالاں کہ مقصد سلیمان بن صرد کا بھی وہی تھا' جو مختار ظاہر کرتا تھا' لہٰذا بعض شرفاء کوفہ کی تحریک سے عبداللہ بن یزید نے مختار کو پکڑ کر قید کر دیا۔

سلیمان بن صرد ۵ ربیع الثانی کو نخیلہ سے سترہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدود شام کی طرف

روانہ ہوا' روانگی کے وقت عبداللہ بن سعد بن نفیل نے سلیمان سے کہا کہ قریباً تمام قاتلین حسین رضی اللہ عنہ تو کوفہ میں موجود ہیں' ان کو چھوڑ کر اور کہاں قاتلین حسین رضی اللہ عنہ کی تلاش میں جا رہے ہو' سلیمان بن صرد نے کہا کہ یہ لوگ تو سپاہی تھے' ان کو حکم دینے والا سردار ابن زیاد تھا لہٰذا اصل قاتل وہی ہے اور سب سے پہلے ہم کو اسی کی گردن مارنی چاہیے' اس سے فارغ ہو کر باقی لوگوں کو درست کرنا بہت آسان کام ہے۔

نخیلہ سے روانہ ہو کر یہ لوگ کربلا پہنچے' وہاں مقتل حسین رضی اللہ عنہ اور مدفن حسین رضی اللہ عنہ پر جس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی لاش بے سر مدفون تھی' خوب روئے دھوئے' اور ایک دن رات قیام کرنے کے بعد روانہ ہوئے' کوچ و مقام کرتے ہوئے عین الوردہ کے مقام پر پہنچ کر خیمہ زن ہوئے' ان لوگوں کی خبر سن کر عبیداللہ بن زیاد نے جو موصل میں بحیثیت گورنر موصل مقیم تھا' حصین بن نمیر کو ۱۲ ہزار فوج دے کر مقابلہ کے لیے روانہ کیا' سلیمان بن صرد ۲۱ جمادی الاول ۶۵ ہجری کو عین الوردہ پہنچ گیا' اسی روز لڑائی شروع ہوئی' شام تک کی لڑائی میں شامیوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا' لیکن رات نے حائل ہو کر ان کا پردہ رکھ لیا۔

اگلے دن صبح کو آٹھ ہزار کا ایک کمکی لشکر شامیوں میں اور آ ملا جو ابن زیاد نے بھیجا تھا' آج بھی نماز فجر سے مغرب وقت تک خوب زور شور کی لڑائی جاری رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا' رات دونوں لشکروں نے امید و بیم میں بسر کی' صبح ہوتے ہی ابن زیاد کا بھیجا ہوا دس ہزار کا ایک اور لشکر شامیوں کی مدد کے لیے آ گیا اور آج بھی صبح سے شام تک لڑائی جاری رہی' اور سلیمان بن صرد اور کوفیوں کے تمام بڑے بڑے سردار کام آئے' بہت ہی تھوڑے سے آدمی باقی رہ گئے تھے' بقیہ السیف سردار اپنے بچے ہوئے آدمیوں کو لے کر رات کی تاریکی میں وہاں سے چل دیئے' حصین بن نمیر نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔

سلیمان بن صرد اور ان کے ہمرائیوں کو توابین کے نام سے پکارتے تھے' یعنی ان لوگوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بے وفائی کر کے ان کو قتل کرانے کا جرم کیا' پھر اس سے تائب ہو کر تلافی کے درپے ہوئے' اسی لیے جنگ عین الوردہ کو جنگ توابین بھی کہتے ہیں' یہ لوگ کسی سلطنت کی باقاعدہ فوج نہ تھے' بلکہ بطور خود جمع ہو کر ابن زیاد کے قتل کرنے کو گئے تھے' اور خود بہت سے قتل اور تھوڑے سے بچ کر واپس آئے تھے۔

جنگ خوارج

ادھر مقام عین الوردہ میں گروہ توابین مصروف جنگ تھا' ادھر بصرہ میں خوارج جنگ کی تیاریاں

کر رہے تھے' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے بصرہ کا گورنر عبداللہ بن حرث تھا' بصرہ اور بصرہ سے باہر کے خوارج نے مقام دولاب علاقہ اہواز میں مجتمع ہو کر خروج کیا' عبداللہ بن حرث نے مسلم بن عبیس بن کریز بن ربیعہ کو خوارج کی سرکوبی کے لیے مامور کیا' مسلم بن عبیس اپنا لشکر لے کر مقام دولاب میں پہنچا' خوارج نے نافع بن ازرق کو اپنا سردار اور سپہ سالار بنایا۔

ماہ جمادی الثانی ۶۵ھ میں نافع بن ازرق اور مسلم بن عبیس کا مقابلہ دولاب میں ہوا' مسلم و نافع دونوں سپہ سالار مارے گئے' اہل بصرہ نے مسلم کی جگہ حجاج بن باب کو اور خوارج نے نافع کی جگہ عبداللہ بن ماحوز تمیمی کو سردار بنایا' بڑے زور کی لڑائی جاری تھی خوارج کی تازہ دم جماعت کو پہنچ جانے سے پانسا پلٹ گیا اور اہل بصرہ کا امیر مارا گیا' انہوں نے حارثہ بن زید کو اپنا امیر بنایا' آخر خوارج کو فتح ہوئی' اور حارثہ بن زید بقیۃ السیف لشکر بصرہ کو لیے ہوئے لڑتا بھڑتا اہواز کی طرف روانہ ہوا۔

خوارج اس میدان میں چیرہ دست ہو کر بصرہ کی طرف چلے' خوارج کی اس فتح اور لشکر بصرہ کی تباہ حالی کا حال اہل بصرہ کو معلوم ہوا تو ان کو سخت ملال ہوا' فوراً ایک تیز رفتار قاصد نے یہ خبر مکہ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچائی' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مہلب بن ابی صفرہ کو امیر خراسان مقرر کیا اور عبداللہ بن حرث کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر کے حرث بن ربیعہ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا' جب حرث بن ربیعہ نے بصرہ کی امارت کا کام سنبھالا اور مہلب بن ابی صفرہ (یکے از رؤساء بصرہ) نے خراسان کی طرف جانے کا عزم کیا تو خوارج کا لشکر اور بغاوت کا سیلاب بصرہ کے قریب پہنچ گیا تھا۔

حرث بن ربیعہ نے احنف بن قیس کو خوارج کی روک تھام اور مقابلہ کے لیے فوج کا سپہ سالار بنانا چاہا' احنف نے کہا کہ اس کام کے لیے مہلب بن ابی صفرہ سب سے بہتر شخص ہے' مہلب نے کہا کہ میں خراسان کی حکومت پر مامور ہو کر جا رہا ہوں' لیکن اس خدمت کی انجام دہی سے بھی مجھ کو انکار نہیں ہے' بشرطیکہ بیت المال سے ضروریات جنگ کے لیے مجھ کو کافی روپیہ اور سامان دیا جائے' اور جو علاقہ میں خوارج سے چھینوں وہ میری جاگیر قرار دیا جائے۔

حرث بن ربیعہ نے اس شرط کو منظور کر لیا' اور مہلب اہل بصرہ سے بارہ ہزار انتخابی جنگ جو ہمراہ لے کر خوارج کے مقابلہ کو روانہ ہوا' خوارج نے خوب جم کر اور جی توڑ کر مقابلہ کیا' کئی مرتبہ خوارج نے اہل بصرہ کے منہ پھیر دیئے' لیکن مہلب کی ذاتی بہادری و تجربہ کاری نے اہل بصرہ کو سنبھال لیا' خوارج کو بھی شکستیں ہوئیں' مگر وہ پھر اپنے آپ کو سنبھال سنبھال کر مقابلہ پر مستعد ہو گئے' بالآخر کئی لڑائیوں کے بعد خوارج پسپا ہوئے اور کرمان و اصفہان کی طرف چلے گئے۔

محاصرہ قرقیسا

اوپر پڑھ آئے ہو کہ مروان بن حکم کی امارت وخلافت سے پہلے قنسرین کی حکومت ظفر بن حارث کے ہاتھ میں تھی' مروان کی کامیابی کے بعد ظفر بن حارث سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس گیا' اور مصر پر مروان کے قابض ہونے کی خبر سنائی' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کو قرقیسا کا عامل بنا کر بھیج دیا' جو شام وعراق کے درمیان سرحدی ضلع تھا' مروان نے جنگ عین الوردہ کے بعد عبیداللہ بن زیاد کو مامور کیا' کہ ظفر بن حارث کو قرقیسا سے بے دخل کر دے۔

عبیداللہ بن زیاد نے قرقیسا کا محاصرہ کیا اور ظفر بن حارث نے پوری ہمت واستقامت کے ساتھ مدافعت کی' اس محاصرہ اور مدافعت نے اس وقت تک طول کھینچا کہ جب عبیداللہ بن زیاد مروان کے مرنے کی خبر سن کر اور محاصرے سے مایوس ہو کر دمشق کی طرف واپس ہوا۔

پسران مروان کی ولی عہدی

عبیداللہ بن زیاد کو قرقیسیا کے محاصرہ کا حکم دے کر مروان بن حکم نے اپنے بیٹے عبدالملک اور عبدالعزیز کی ولی عہدی کے لیے اس طرح کوشش شروع کی کہ لوگوں میں اس بات کہ شہرت دلائی کہ عمرو بن سعید بن عاص کہتا ہے کہ مروان کے بعد خالد بن یزید کو ہرگز تخت نشین نہ ہونے دوں گا' بلکہ میں اپنی خلافت کے لیے لوگوں سے بیعت لوں گا' اس بات کے مشہور ہونے سے لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

مروان نے اس موقع کو مناسب دیکھ کر حسان بن مالک کلبی کو جو خالد بن یزید کا سب سے بڑا طرف دار تھا' لالچ اور فریب دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہی یہ تحریک پیش کرے کہ مروان کے بعد عبدالملک بن مروان اور اس کے بعد عبدالعزیز بن مروان خلیفہ بنائے جائیں۔ چنانچہ حسان بن مالک نے جامع دمشق میں مجمع عام کے روبرو کھڑے ہو کر کہا کہ ہم سن رہے ہیں کہ لوگ امیر المومنین مروان کے بعد خلافت کے معاملہ میں ضرور جھگڑا کریں گے' لہٰذا میں اس خطرہ سے محفوظ رہنے کی ایک تجویز پیش کرتا ہوں اور امید ہے کہ امیر المومنین اور کافہ مسلمین اس کو پسند فرمائیں گے۔ وہ تجویز یہ ہے کہ امیر المومنین اپنے بعد اپنے بیٹے عبدالملک اور اس کے بعد عبدالعزیز کو خلافت کے لیے نامزد فرما دیں اور لوگوں سے اس امر کے لیے بیعت لے لیں۔ یہ بات سن کر کسی کو بھی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی' سب نے اظہار پسندیدگی کیا' اور اسی وقت عبدالملک وعبدالعزیز کی ولی عہدی کے لیے لوگوں نے بیعت کر لی۔

مروان بن حکم کی وفات

یہ بیعت چوں کہ خالد بن یزید کے خلاف تھی' اور خالد بن یزید کے طرف داروں کو مروان نے پہلے ہی اپنی طرف مائل کر لیا تھا' لہٰذا خالد بن یزید کو سخت صدمہ ہوا اور وہ کچھ نہ کر سکا' اس کے بعد مروان نے خالد بن یزید کے اثر و قبولیت کو نقصان پہنچانے کی کوششیں جاری رکھیں اور اس کی تذلیل و تخفیف کے درپے رہا' پھر اس پر صبر نہ کر کے اس کے قتل کی تدبیریں کرنے لگا۔

خالد نے اپنی ماں یعنی مروان کی بیوی سے شکایت کی کہ مروان میرے قتل پر آمادہ ہے' ام خالد نے کہا کہ تم بالکل خاموش رہو' میں مروان سے پہلے ہی انتقام لے لوں گی چنانچہ اس نے اپنی چار پانچ باندیوں کو آمادہ کیا' رات کو مروان محل سرائے میں آ کر لیٹ گیا' ام خالد کے حکم کے موافق عورتوں نے مروان کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر کہ آواز بھی نہ نکال سکے اور قابو کر کے گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔

یہ واقعہ ۳ رمضان المبارک ۶۵ ہجری کو وقوع پذیر ہوا' اسی روز دمشق میں عبدالملک کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت خلافت کی اور عبدالمالک نے مروان کے قصاص میں ام خالد کو قتل کیا' مروان بن حکم کی عمر ۶۳ سال کی ہوئی' اور ساڑھے نو مہینے خلافت و حکومت کی۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کی خلافت کے حالات اوپر بیان ہوتے چلے آئے ہیں' مروان بن حکم کی وفات چوں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں ہوئی' اور اس کی وفات کے بعد بھی بہت دنوں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت قائم رہی' لہٰذا مناسب یہی سمجھا گیا کہ یزید بن معاویہ اور معاویہ بن یزید کے بعد مروان بن حکم کے حالات قلم بند کئے جائیں اور اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بقیہ حالات خلافت ختم کر دیے جائیں' عبدالملک بن مروان اب تخت نشین ہو چکا ہے' لیکن اس کی خلافت و سلطنت کا زمانہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے بعد بھی چوں کہ باقی رہے گا لہٰذا عبدالملک کے عنوان سے اس کی حکومت کے حالات سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بعد لکھے جائیں گے۔

حادثہ کربلا کے بعد سے جو زمانہ شروع ہوتا ہے وہ آئندہ ۲۰ سال تک عالم اسلام کے لیے ایسا ہی پر آشوب زمانہ ہے جیسا کہ ۶ھ سے ۴۰ھ تک کا زمانہ گذر چکا ہے' ہم اس وقت ایک نہایت خطرناک زمانہ کے حالات کا مطالعہ کر رہے ہیں' اس زمانہ کے حالات لکھنے میں کسی تسلسل زمانی

کا قائم رکھنا بھی بے حد دشوار ہے۔ حالات کچھ ایسے پیچیدہ وژولیدہ ہیں کہ اگر ترتیب زمانی کا لحاظ ترک کر کے ان کی الگ الگ تقسیم کی جائے' تو یہ بھی ممکن نہیں ہے' تاہم میں نے کوشش کی ہے' کہ دوسری تاریخوں کے مقابلہ میں اس کتاب کے اندر ربط اور ترتیب زیادہ پائی جائے' پڑھنے والے کے دماغ پر بوجھ کم پڑے' اور حقیقت کا عکس دماغ میں عمدگی سے قائم ہو سکے۔

ابتدائی حالات اور خصائل

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی' آپ کی کنیت ابوخبیب ہے' خود بھی صحابی ہیں اور صحابی کے بیٹے ہیں' آپ کے والد زبیر بن عوام عشرہ مبشرہ میں سے ہیں' آپ کی والدہ سیدنا اسماء رضی اللہ عنہا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں' آپ کی دادی سیدنا صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لانے سے بیس مہینے کے بعد سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے' آپ مدینہ منورہ میں مہاجرین کی سب سے پہلی اولاد ہیں' آپ کے پیدا ہونے سے مہاجرین میں غیر معمولی طور پر بہت خوشیاں منائی گئیں' کیوں کہ یہود ان نامسعود نے جب دیکھا' کہ ایک مدت تک مہاجرین کے کوئی اولاد مدینہ میں پیدا نہیں ہوئی' تو انہوں نے مشہور کر دیا تھا' کہ ہم نے جادو کر دیا ہے' اب مہاجرین کے کوئی اولاد پیدا نہ ہو گی' اسی لیے آپ کے پیدا ہونے سے جس طرح مسلمانوں کو خوشی ہوئی' اسی طرح یہودیوں کو رنج و ملال اور ذلت و ندامت حاصل ہوئی' پیدا ہونے کے بعد ہی آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور اپنے منہ میں چبا کر آپ کو چٹائی۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روزے بہت رکھتے اور نمازیں بھی بہت پڑھتے تھے' کبھی ساری ساری رات قیام میں' کبھی ساری ساری رات رکوع میں' کبھی ساری ساری رات سجدے میں پڑے رہتے تھے' صلہ رحمی کا آپ کو بہت خیال تھا' آپ بہت بڑے بہادر اور زبردست سپہ سالار تھے' آپ کی شہ سواری قریش میں ضرب المثل اور موجب افتخار تھی' آپ نہایت مستقل مزاج اور مصائب کے وقت قائم رہنے والے شخص تھے' آپ نہایت خوش تقریر اور جہیر الصوت تھے' آپ کی آواز پہاڑوں سے جا کر ٹکرایا کرتی تھی۔

عمر بن قیس کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس سو غلام تھے جن میں سے ہر ایک کی زبان

جدا جدا تھی، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اسی کی زبان میں باتیں کیا کرتے تھے، ان ہی کا قول ہے کہ جب میں عبداللہ بن زبیر کو کوئی دین کا کام کرتے ہوئے دیکھتا تو خیال کرتا تھا، کہ ان کو کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی دنیا یاد نہ آتی ہوگی۔

ایک روز عبداللہ بن زبیر اسدی سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ امیر المومنین! میں اور آپ فلاں سلسلہ سے رشتہ دار ہیں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا ہاں درست ہے، لیکن اگر غور کرو تو تمام بنی آدم آپس میں رشتہ دار ہیں، کیوں کہ سب آدم وحوا کی اولاد ہیں۔

عبداللہ اسدی نے کہا کہ میرا نفقہ تمام ہو چکا ہے، یعنی میرے پاس اب خرچ کرنے کو کچھ نہیں رہا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا، میں نے تمہارے نفقہ کی کوئی ضمانت نہیں کی تھی۔

عبداللہ اسدی نے کہا میرا اونٹ سردی سے مرا جاتا ہے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تم اس کو کسی گرم مقام میں پہنچا دو، اور اس پر کوئی گرم کپڑا، نمدا یا کمبل وغیرہ ڈال دو۔

عبداللہ اسدی نے کہا، کہ میں آپ سے مشورہ لینے نہیں آیا تھا، بلکہ کچھ مانگنے آیا تھا، اس اونٹ پر لعنت ہے، جس نے مجھے آپ تک پہنچایا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اس اونٹ کے سوار پر بھی تو لعنت کہو۔

خلافت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے اہم واقعات

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت مکہ معظمہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہی سے قائم تھی، اور انہوں نے یزید کے عہد حکومت میں مکہ پر کبھی یزید کی حکومت قائم نہیں ہونے دی، یزید کے مرنے پر انہوں نے لوگوں سے بیعت خلافت لی اور بہت جلد شام کے بعض مقامات کے سوا تمام عالم اسلام میں وہ خلیفہ تسلیم کر لیے گئے، اس زمانہ میں ان کو ملک شام کی اس حالت کا جوان کے موافق پیدا ہو چکی تھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا اور وہ بنی امیہ کی طاقت وقبولیت کا جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے شام میں انکو حاصل تھی اندازہ کرنے میں غلطی کھا گئے، اگر ان کو بنو قیس اور بنو کلب کی نا اتفاقی ورقابت اور اپنی قبولیت کا جو ملک شام میں پیدا ہو چکی تھی، صحیح اندازہ ہو جاتا، تو وہ ضرور ملک شام کا ایک سفر کرتے اور یہ سفر ایسا ہی مفید ثابت ہوتا، جیسا کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سفر شام عالم اسلام کے لیے مفید

ثابت ہوا تھا' اس کے بعد مروان کی خلافت اور بنو امیہ کے اثر واقتدار کی واپسی ہرگز ظہور میں نہ آتی۔

اگر وہ بجائے مکہ معظمہ کے مدینہ منورہ کو دار الخلافہ بناتے اور وفات یزید کے بعد ہی مدینہ میں چلے آتے تب بھی نسبتاً ملک شام کے قریب ہونے کے سبب شام کو اپنے قابو سے نہ نکلنے دیتے' اور ضحاک بن قیس' ظفر بن حارث' نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن حجدم کو اس طرح مغلوب نہ ہونے دیتے' ان لوگوں کو اگر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذرا سا سہارا اور تھوڑی سی مدد پہنچ جاتی' تو یہ مروان اور حسان بن مالک اور عبیداللہ بن زیاد سے دبنے اور مغلوب ہونے والے ہرگز نہ تھے' بہرحال اس غلطی یا غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہوا' کہ مصر اور شام معہ فلسطین ان کے قبضے سے جاتے رہے اور مروان نے آل مروان کے لیے خلافت کی بنیاد قائم کر دی۔

فتنہ مختار

مختار بن عبید بن مسعود ثقفی کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ جب سلیمان بن صرد توابین کے گروہ کو لے کر خون حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے کوفہ سے نکلا تو کوفہ کے گورنر نے انتظاماً مختار کو قید کر دیا تھا۔ توابین کے بقیۃ السیف جب کوفہ میں واپس آئے' تو مختار نے جیل خانہ سے تعزیہ کے طور پر ایک خط لکھ کر بھیجا' کہ تم لوگ بالکل غم نہ کرو اور مطمئن رہو اگر میں زندہ رہا تو ضرور تمہارے تمام شہداء اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا عوض قاتلین سے لوں گا' ایک کو بھی نہ چھوڑوں گا اور ایسا خون بہاؤں گا کہ لوگوں کو بخت نصر کا زمانہ یاد آ جائے گا کہ اس نے بنی اسرائیل کو کس طرح قتل کیا تھا' پھر لکھا تھا' کہ کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی ہے جو خون حسین رضی اللہ عنہ کا قصاص لینا چاہتا ہو اور وہ اس کام کے لیے مجھ سے عہد کرے۔

'اس خط کو رفاعہ بن شداد' مثنی بن مخربہ عبدی' سعد بن حذیفہ بن الیمان' یزید بن انس' احمر بن سمیط حمسی' عبداللہ بن شداد بجلی' عبداللہ بن کامل وغیرہ توابین نے پڑھا اور بے حد مسرور ہوئے' کہ اللہ کا شکر ہے ابھی ایک ایسا شخص موجود ہے جو اپنے دل میں خون حسین رضی اللہ عنہ کے لیے اس قدر جوش اور اولوالعزمی رکھتا ہے' چنانچہ رفاعہ بن شداد چار پانچ آدمیوں کو لے کر جیل خانہ میں گیا' اور اجازت حاصل کرنے کے بعد مختار سے ملا اور کہا کہ ہم آپ کو جیل خانہ توڑ کر نکال لے جائیں گے' اور قید سے آزاد کر دیں گے' مختار نے کہا کہ نہیں آپ بالکل تکلیف نہ فرمائیں' میں خود جب چاہوں آزاد ہو سکتا ہوں اور کوفہ کا گورنر عبداللہ بن یزید مجھ کو آپ ہی رہا کرے گا' ابھی وہ وقت نہیں آیا' تم چند روز اور صبر کرو۔

توابین کے ہزیمت خوردہ واپس آنے سے پہلے مختار ایک خط جیل خانہ ہی سے کسی کے ہاتھ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس روانہ کر چکا تھا' اس میں لکھا تھا' کہ مجھ کو عبداللہ بن یزید حاکم کوفہ نے قید کر رکھا ہے' آپ عبداللہ بن یزید کو میری سفارش کا خط لکھ دیں میں مظلوم ہوں' آپ کو اللہ تعالیٰ سفارش کا ثواب عطا فرمائے گا' مختار کو یقین تھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ضرور سفارش فرما دیں گے' اور میں قید سے آزاد ہو جاؤں گا' اس حقیقت کو چھپا کر رفاعہ سے اس نے اس انداز میں اپنی رہائی کی نسبت باتیں کیں' جس سے اس کی کرامت کا سکہ بیٹھے' چنانچہ چند روز کے بعد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا سفارشی خط عبداللہ بن یزید کے پاس آیا اور اس نے ان کی سفارش کی تکریم میں مختار بن عبید کو جیل خانہ سے بلا کر کہا کہ میں تم کو قید سے آزاد کرتا ہوں' مگر شرط یہ ہے کہ کسی قسم کی شورش کوفہ میں نہ پھیلاؤ' اور اپنے گھر ہی میں بیٹھے رہو' مختار نے اقرار کر لیا' اور قید سے آزاد ہو کر اپنے گھر آ بیٹھا۔

شیعان حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی اس اچانک آزادی کو اس کی کرامت پر محمول کیا اور اس کے پاس عقیدت و نیاز مندی کے ساتھ آنے جانے لگے' عقیدت مندوں کی یہ آمد و رفت پوشیدہ طور پر ہوتی تھی' کچھ دن اسی حالت میں گذرے' کہ اتنے میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن یزید کو معزول کر کے عبداللہ بن مطیع کو کوفہ کی حکومت پر بھیج دیا۔

عبداللہ بن مطیع ۲۵ رمضان ۶۶ھ کو کوفہ پہنچا' اس عزل و نصب کو بھی مختار نے اپنی کرامت پر محمول کیا اور پرانے حاکم کے کوفہ سے چلے جانے کے بعد اپنی پابندی کو توڑ کر اور بھی آزادی برتنی شروع کر دی لوگوں کی آمد و رفت اس کے پاس زیادہ ہونے لگی' اور اس کے متبعین کی جماعت حیرت انگیز طور پر ترقی کر گئی' عبداللہ بن مطیع نے ایاس بن ابی مضارب کو کوتوال شہر مقرر کیا تھا' ایاس نے ایک روز عبداللہ بن مطیع گورنر کوفہ سے کہا کہ مختار کی جماعت خطرناک اور بہت طاقتور ہو گئی ہے' مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں یہ خروج نہ کرے' مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختار کو بلا کر قید کر دیا جائے' جیسا کہ وہ پہلے بھی قید تھا۔

عبداللہ بن مطیع نے مختار کے چچا زید بن مسعود ثقفی کو حسین بن رافع ازدی کے ہمراہ بھیجا کہ مختار کو ذرا میرے پاس بلا لاؤ' اس سے مجھ کو کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں' یہ دونوں مختار کے پاس گئے اور امیر کوفہ کا پیغام پہنچایا' مختار فوراً کپڑے پہن کر چلنے کے لیے تیار ہونے لگا' زید نے اس وقت یہ آیت پڑھی ﴿وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ﴾ (الانفال: ۸/۳۰) ''اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! وہ وقت یاد کرو) جب کافر آپ کے متعلق خفیہ تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا جلا وطن کر دیں......'' مختار اس آیت کو سنتے ہی سمجھ گیا کہ زید کا مطلب کیا ہے'

اسی وقت بولا' جلدی لحاف لاؤ' مجھ کو جاڑا چڑھ آیا ہے اور لحاف اوڑھ کر پڑ گیا' کہ مجھ کو سردی معلوم ہوتی ہے' پھر حسین بن رافع کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھئے میں تو چلنے کے لیے تیار تھا' مگر کیا کروں مجھ پر مرض کا حملہ یکا یک ہوا' اور اب میں حرکت نہیں کر سکتا' میری تمام حالت جو آپ دیکھ رہے ہیں امیر سے بیان کر دیں' کل صبح جب حالت درست ہو جائے گی' تو حکم کی تعمیل میں ضرور حاضر ہوں گا۔

یہ دونوں شخص وہاں سے رخصت ہوئے' راستے میں حسین بن رافع نے زید سے کہا کہ تم نے یہ آیت اسی لیے پڑھی تھی' کہ مختار امیر کے پاس نہ جائے' ورنہ وہ جانے کے لیے تیار تھا تمہارے روکنے سے رک گیا ہے' اور اس نے محض بہانہ بنایا ہے' یہ کہہ کر حسین نے پھر زید سے کہا کہ تم اطمینان رکھو' اس کا تذکرہ عبداللہ بن مطیع سے نہ کروں گا' کیوں کہ ممکن ہے کہ مختار کے ہاتھوں سے مجھ کو کوئی فائدہ پہنچے' عبداللہ بن مطیع کے پاس دونوں نے جا کر کہہ دیا کہ مختار سخت بیمار ہے' ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئے ہیں' وہ اس وقت آنے کے قابل نہیں ہے' کل ان شاء اللہ ضرور حاضر ہو جائے گا۔

مختار نے زید اور حسین کے جاتے ہی اپنے مریدوں یعنی بیعت شدہ لوگوں میں سے خاص خاص اور با اثر لوگوں کو بلوایا اور کہا کہ اب زیادہ توقف اور انتظار کا موقع باقی نہیں ہے' ہم کو فوراً خروج پر آمادہ ہو جانا چاہیئے' ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کے تابع فرمان ہیں' جو حکم ہو اس کی تعمیل کے لیے آمادہ ہیں' لیکن ہم کو ایک ہفتہ کی مہلت ملنی چاہیئے' تا کہ ہم اپنے ہتھیاروں کو درست کر لیں اور اپنی جنگی تیاریوں سے فارغ ہو جائیں' مختار نے کہا کہ عبداللہ بن مطیع مجھ کو ایک ہفتہ کی کہاں مہلت دینے لگا ہے' سعد بن ابی سعد نے کہا کہ آپ مطمئن رہیں اگر عبداللہ بن مطیع نے آپ کو بلا کر قید کر دیا تو ہم بلا تکلف آپ کو جیل خانہ سے نکال لائیں گے' مختار یہ سن کر خاموش ہو گیا' اور لوگوں نے اس کو اس مکان سے لے جا کر ایک دوسرے غیر معروف مکان میں روپوش کر دیا۔

اس کے بعد سعد بن ابی سعد نے اپنے ہم خیال لوگوں سے کہا کہ ہم کو خروج کرنے سے پیشتر تحقیق کر لینا چاہیئے' کہ آیا محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے مختار کو اپنا نائب اس کام کے لیے بنایا ہے یا نہیں؟ اگر واقعی یہ محمد بن حنفیہ کی طرف سے بیعت لینے کے لیے مامور ہے' تو ہم کو بلا تکلف مختار کی ماتحتی میں خروج کرنا چاہیئے' اور اگر محمد بن حنفیہ نے مامور نہیں کیا ہے اور اس نے ہم کو دھوکہ دینا چاہا ہے تو پھر ہم کو اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیئے' چنانچہ اسی وقت سعد بن ابی سعد تین چار اور آدمیوں کو ہمراہ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا' وہاں پہنچ کر محمد بن حنفیہ سے دریافت کیا' تو انہوں نے کہا کہ ہاں مختار کو خون حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کی ہم نے اجازت دی ہے' یہ سن کر سعد بن ابی سعد معہ ہمراہیوں کے کوفہ میں آیا اور سب کو یہ حال سنایا' اس خبر کے سنتے ہی لوگ مختار کی بیعت اور متابعت پر آمادہ ہو گئے۔

مختار کو جب معلوم ہوا کہ میری بات کی تصدیق ہوگئی ہے' تو وہ بہت خوش ہوا' کہ لوگوں کا شک بھی دور ہو گیا' مختار نے کہا کہ ہم کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ابراہیم بن مالک بن اشتر کو بھی جو کوفہ کے رؤساء میں شمار ہوتا ہے' ضرور شامل کر لینا چاہیئے' چنانچہ مختار کے مریدوں میں سے عامر بن شرجیل فوراً ابراہیم بن مالک کے پاس گیا' اور کہا کہ تیرے باپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں' اب لوگوں نے مصمم ارادہ کیا ہے' کہ خون حسین رضی اللہ عنہ کا معاوضہ طلب کریں' چنانچہ ایک معقول جمعیت اس ارادہ پر متفق ہو چکی ہے۔ تجھ کو تو سب سے پہلے اس کام میں شریک ہونا چاہیئے تھا۔ ابراہیم نے کہا کہ میں اس شرط پر لوگوں کا شریک ہو سکتا ہوں کہ مجھ کو امیر بنایا جائے' عامر نے کہا' کہ محمد بن حنفیہ درحقیقت ہمارے امام ہیں اور انہوں نے مختار کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا ہے لہٰذا ہم نے مختار کے ہاتھ پر بیعت کی ہے' ابراہیم نے کہا کہ اچھا میں خود ہی مختار سے ملوں گا۔

عامر نے واپس آ کر یہ حال مختار کو سنایا' مختار اگلے دن پندرہ آدمیوں کو ہمراہ لے کر خود ابراہیم بن مالک کے مکان پر پہنچا' اس وقت ابراہیم مصلے پر بیٹھا تھا' مختار نے جاتے ہی کہا کہ تیرا باپ شیعان علی رضی اللہ عنہ میں سے بہت نامور شخص تھا' ہم تجھ کو بھی اپنی جماعت میں سے سمجھتے ہیں' امام مہدی محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ نے مجھ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے' تجھ کو میرے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیئے' میں وعدہ کرتا ہوں کہ کامیابی کے بعد جو منصب اور عہدہ تو پسند کرے گا' تجھ کو دیا جائے گا' ہمراہیوں نے اس وعدہ کی ضمانت اور تصدیق کی' ابراہیم فوراً اپنے مصلے سے اٹھا' اور مختار کو اپنی جگہ بٹھا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور مختار بیعت لے کر واپس چلا آیا' اگلے روز ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ کو رات کے وقت مختار نے ابراہیم بن مالک کے پاس آدمی بھیجا' کہ اس وقت ہم خروج کا ارادہ کر چکے ہیں' تم بھی اپنی جمعیت لے کر ہمارے پاس پہنچو' ابراہیم کے پاس آدھی رات تک اس کی جماعت کے لوگ آ آ کر جمع ہوئے۔

ایاس بن مضارب کو جاسوسوں نے یہ خبر دے دی تھی' کہ آج شب میں بغاوت پھوٹنے والی ہے' اس نے عبداللہ بن مطیع کو اطلاع دی' عبداللہ بن مطیع نے تدبیر پوچھی تو اس نے مشورہ دیا' کہ کوفے کے سات محلے ہیں' ہر محلہ میں پانچ سو آدمیوں کا ایک دستہ متعین کر دیا جائے' کہ جب اس محلہ میں کسی کو رات کے وقت نکلتے دیکھے' گرفتار یا قتل کر دے' چنانچہ اس رائے پر عمل ہوا' اور ہر محلہ میں ایک ایک سردار بھیج دیا گیا کہ راستوں اور سڑکوں پر لوگوں کو جمع نہ ہونے دیں' اتفاقاً جب ابراہیم اپنی جمعیت کو لے کر مختار کی طرف چلا ہے' تو راستے میں ایاس بن مضارب ہی سے مقابلہ ہو گیا' طرفین سے ایک دوسرے پر حملے ہوئے' اور ایاس بن مضارب ابراہیم کے ہاتھ مارا گیا۔

ادھر مختار کے مکان پر بھی چار ہزار آدمی اس کے گرد جمع ہو چکے تھے' وہاں سرکاری فوج کے

دوسرے دستہ سے جنگ چھڑ گئی' ادھر سے ابراہیم لڑتا بھڑتا مختار کے مکان کے قریب پہنچا' ادھر ہر محلے کی فوجیں آ گئیں' اور مختار کی قیام گاہ کے سامنے جنگ ہونے لگی' ابراہیم نے سرکاری فوج کو شکست دے کر بھگایا' ادھر سے عبداللہ بن مطیع اور تازہ دم فوج لے کر آیا' کبھی ابراہیم و مختار عبداللہ بن مطیع کو دھکیل کر دارالامارۃ میں داخل کر دیتے' کبھی عبداللہ بن مطیع ان کو پیچھے ہٹاتا ہوا کوفے سے باہر نکال دیتا رات بھر یہ لڑائی جاری رہی' جوں جوں لڑائی نے طول کھینچا مختار کی جماعت ترقی کرتی رہی' یعنی لوگ آ آ کر شامل ہوتے رہے' بالآخر عبداللہ بن مطیع کو دارالامارۃ میں محصور ہونا پڑا' مختار نے تین دن محاصرہ جاری رکھا' چونکہ اندر آدمی زیادہ تھے' جگہ تنگ تھی اور کھانے پینے کا سامان بھی نہیں تھا' لہٰذا عبداللہ بن مطیع کسی پوشیدہ راستے سے نکل کر ابوموسیٰ اشعری کے مکان میں جا کر چھپ گیا' اور باقی لوگوں نے امان طلب کر کے دارالامارۃ کا دروازہ کھول دیا۔

مختار نے دارالامارۃ اور بیت المال پر قبضہ کر کے بہت سا روپیہ اپنے آدمیوں میں تقسیم کیا' جامع کوفہ میں اہل کوفہ جمع ہوئے' مختار نے خطبہ دیا' اور محمد بن حنفیہ کی بیعت و امامت تسلیم کرنے کی ترغیب دی' چنانچہ اہل کوفہ نے کتاب و سنت کی پیروی اور اہل بیت کی ہمدردی کا بیعت کے ذریعہ اقرار کیا' مختار نے بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کا وعدہ کیا' اس بیعت عام کے بعد مختار نے سنا' کہ عبداللہ بن مطیع ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے مکان میں روپوش ہے' اس نے ایک لاکھ درہم اس کے پاس بھجوائے اور کہلا بھیجا' کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم سامان سفر کے نہ ہونے کی وجہ سے ابوموسیٰ کے مکان میں ٹھہرے ہوئے ہو' لہٰذا یہ ایک لاکھ درہم قبول کرو' اور تین دن کے اندر اپنا سامان درست کر کے کوفہ سے روانہ ہو جاؤ۔ عبداللہ بن مطیع شرم کی وجہ سے مکہ معظمہ کی طرف نہیں گیا' بلکہ کوفہ سے بصرہ چلا آیا۔

جس زمانہ میں سلیمان بن صرد کے ہمراہی ہزیمت خوردہ کوفہ میں آئے تھے' ان ہی میں مثنیٰ بن مخرمہ عبدی نامی ایک شخص بصرہ کا رہنے والا تھا۔ مختار کے خط کو پڑھ کر یہ لوگ جیل خانہ میں اس سے ملنے گئے تھے' اوپر اس کا ذکر آ چکا ہے' اسی وقت مثنیٰ نے مختار کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی' اور مختار نے اس کو یہ وصیت کر کے بصرہ کی طرف رخصت کیا تھا کہ تم وہاں جا کر شیعان علی رضی اللہ عنہ سے میری نیابت میں بیعت کر لو' اور اپنی جمعیت کو بڑھاؤ' جس وقت میں کوفہ میں خروج کروں گا' اسی وقت تم بھی بصرہ میں خروج کرنا' چنانچہ مثنیٰ بن مخرمہ نے بصرے میں لوگوں سے خفیہ بیعت لینی شروع کی اور ایک گروہ کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

مختار نے جب کوفہ میں خروج کا ارادہ کیا تو بصرہ میں مثنیٰ کے پاس بھی اطلاع بھیج دی' اس نے بھی وہاں تاریخ مقررہ پر خروج کیا' لیکن بصرہ میں اس وقت سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے

حرث بن ابی ربیعہ حاکم بصرہ تھا' حرث بن ابی ربیعہ نے ان باغیوں کے منصوبوں کو پورا نہ ہونے دیا' اور سب کو ایک محلہ میں گھیر کر محصور کر لیا' پھر سب کو بصرہ سے نکال دیا' یہ لوگ بصرہ سے نکل کر کوفہ میں مختار کے پاس چلے آئے' اس طرح بصرہ تو بچ گیا مگر کوفہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت سے نکل گیا۔

کوفہ میں مختار نے اپنا تسلط قائم کر کے شرفاء کوفہ کو اپنا مصاحب بنایا اور دوسرے بلاد اسلامیہ پر قبضہ کرنے کے لیے چند جھنڈے بنائے' ایک علم عبداللہ بن حرث بن اشتر کو دے کر آرمینیا کی طرف بھیجا' ایک علم محمد بن عمیر بن عطارد کو دے کر آذر بائیجان کی طرف روانہ کیا' ایک علم عبدالرحمٰن بن سعید بن قیس کو دے کو موصل کی طرف رخصت کیا' اسحاق بن مسعود کو مدائن کا علم اور سعد بن حذیفہ بن الیمان کو حلوان کا علم سپرد کیا' عبداللہ بن کامل کو کوفہ کا کوتوال اور شریح کا قاضی کوفہ بنایا' بعد میں شریح کو معزول کر کے عبداللہ بن مالک طائی کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔

ہر طرف مختار کے فرستادہ سرداروں کو کامیابی حاصل ہوئی' اور لوگوں نے مختار کی حکومت کو تسلیم کر کے بیعت کر لی' صرف موصل پر عبدالرحمٰن بن سعید کو کوئی قابو نہ ملا' کیوں کہ وہاں عبدالملک بن مروان کی طرف سے عبیداللہ بن زیاد بطور گورنر مامور تھا' عبدالرحمٰن بن سعید نے بجائے موصل کے تکریت میں جا کر قیام کیا' اور مختار کو حالات سے اطلاع دی' مختار نے موصل کی مہم یزید بن انس کو سپرد کی اور تین ہزار سوار دے کو موصل کی جانب رخصت کیا' عبیداللہ بن زیاد نے جب یزید بن انس کے آنے کی خبر سنی' تو ربیعہ بن مختار غنوی کو یزید بن انس کے مقابلہ پر روانہ کیا' بابل کے مقام پر دونوں کا مقابلہ ہوا' یہ لڑائی ۹ ذی الحجہ ۶۶ھ کو ہوئی' ربیعہ مارا گیا' اور شامی لشکر کو شکست ہوئی۔

شکست خوردہ شامی واپس جا رہے تھے کہ راستے میں عبداللہ بن جملہ خثعمی تین ہزار کی جمعیت سے آتا ہوا ملا' جس کو عبیداللہ بن زیاد نے ربیعہ کی امداد کے لیے روانہ کیا تھا' عبداللہ نے منہزمین کو روک کر اپنے ساتھ لیا' اور اگلے دن ۱۰ ذی الحجہ بروز عید الاضحیٰ کوفی لشکر پر حملہ کیا' اس لڑائی میں بھی کوفیوں کو فتح اور شامیوں کو شکست ہوئی' کوفیوں نے کئی ہزار شامیوں کو گرفتار کیا' اور یزید بن انس کے حکم سے قتل کیے گئے' اسی روز شام کے وقت یزید بن انس بھی جو پہلے سے بیمار تھا فوت ہو گیا اور مرتے وقت ورقاء بن عازب کو امیر لشکر بنا گیا۔

اگلے روز ورقہ بن عازب کے جاسوس نے خبر دی' کہ عبیداللہ بن زیاد خود مقابلہ پر آنے والا ہے' ورقہ نے عبیداللہ کا نام سنتے ہی بابل سے کوچ کیا اور عراق کی حدود کے اندر واپس آ کر قیام کیا اور مختار کو لکھا کہ میرے پاس تھوڑی فوج تھی' لہٰذا میں پیچھے ہٹ آیا ہوں' اس خبر کو سن کر کوفہ میں لوگوں نے

رقہ کو ملامت سے یاد کیا کہ فتح مند ہو کر شکست یافتوں کا طرز عمل کیوں اختیار کیا گیا' مختار نے کوفہ سے سات ہزار فوج دے کر ابراہیم بن مالک بن اشتر کو روانہ کیا اور حکم دیا' کہ یزید بن انس کا تمام لشکر بھی رقاء کی سرداری سے نکال کر تم اپنے ماتحت کر لینا۔

ابراہیم کے رخصت ہونے کے بعد اہل کوفہ نے شیث بن ربیع کے پاس آ کر شکایت کی کہ مختار ہماری پوری پوری قدر دانی نہیں کرتا اور ہمارے حقوق غصب کرتا ہے۔

شیث بن ربعی نے کہا کہ میں مختار سے مل کر گفتگو کر لوں' اور دیکھوں کہ وہ کیا جواب دیتا ہے' شیث جب مختار کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ میں ہر ایک کام اہل کوفہ کی مرضی کے موافق کرنے کو تیار ہوں' اور مال غنیمت میں بھی ان کو حصہ دینے کا اقرار کرتا ہوں' بشرطیکہ وہ مجھ سے اس بات کا اقرار کریں کہ ہم بنوامیہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑیں گے' یہاں تک کہ دونوں کی طاقت کو نابود کر دیں' شیث بن ربعی نے کہا اچھا میں اہل کوفہ سے دریافت کر لوں' شیث بن ربعی مختار کے پاس سے اٹھ کر آیا۔

کوفہ میں کچھ لوگ ایسے تھے' جو مختار کے ہاتھ پر اس کی حکومت سے پہلے ہی بیعت کر چکے تھے' وہ اس کے ہم عقیدہ و ہم خیال تھے ان کے ساتھ مختار بڑی بڑی رعایتیں کرتا تھا' کچھ ایسے تھے جنہوں نے صرف اس کی حکومت کو تسلیم کر کے بیعت اطاعت کی تھی' وہ اس کے ہم خیال اور خون حسین کے مطالبہ میں اس کے ہم نوا نہ تھے' انہیں کو مختار سے شکایات تھیں۔

چنانچہ شیث بن ربعی کے واپس آنے پر ان لوگوں نے مختار کے خلاف ہجوم کیا اور دارالامارۃ میں پہنچ کر مختار سے کہا کہ ہم نے تم کو معزول کر دیا' تم حکومت چھوڑ کر الگ ہو جاؤ' کیوں کہ تم محمد بن حنفیہ کے نائب اور خلیفہ نہیں ہو' مختار نے اس وقت بڑی چالاکی اور دور اندیشی سے کام لیا' لوگوں کو سمجھایا کہ میں تم پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا' میں نے تم سب کو خون حسین رضی اللہ عنہ بھی معاف کر دیا' ہر قسم کی رعایت بھی تم کو دی جائے گی' اس وقت بنوامیہ کا مقابلہ درپیش ہے' تم کو چاہیئے کہ ایسے وقت میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو' ورنہ نتیجہ اچھا نہ ہو گا' جاؤ سوچو اور خوب غور کرو' کہ تم جس کام پر آمادہ ہوئے ہو وہ تمہارے لیے اچھا نتیجہ پیدا نہ کرے گا۔

ان لوگوں کے سرداروں نے اس وقت مختار کی ان باتوں کو منظور کر لیا' اور کہا کہ اچھا ہم غور کریں گے' ان کا مدعا یہ تھا کہ ابراہیم بن مالک جو کوفہ سے روانہ ہوا ہے دور چلا جائے اور ہمارے لیے کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ ادھر مختار نے بھی ابراہیم کی غیر موجودگی میں اپنی بے بسی کو محسوس کر لیا تھا' لہٰذا اس نے فوراً ایک تیز رفتار سانڈنی پر اپنا قاصد ابراہیم کے پاس بھیجا کہ فوراً اپنے آپ کو کوفہ میں واپس

پہنچاؤ' اور خود دارالامارۃ میں مضبوطی کر کے بیٹھ گیا' لوگوں نے اگلے روز دارالامارۃ کا محاصرہ کر لیا' تیسرے روز ابراہیم راستے سے لوٹ کر کوفہ میں معہ اپنی فوج کے داخل ہوا اور ان لوگوں کو جو مختار کی مخالفت میں اٹھے تھے' قتل کرنا شروع کیا' غرض کوفہ میں کوئی گھر ایسا نہیں بچا جس سے ایک دو یا زیادہ آدمی قتل نہ کیے گئے ہوں۔

مختار نے لوگوں کو جمع کر کے ان تمام لوگوں کی فہرستیں مرتب کرائیں جو ابن زیاد کے لشکر میں قتل حسین رضی اللہ عنہ کے وقت موجود تھے' یا جنہوں نے کسی قسم کا کوئی حصہ میدان کربلا میں لیا تھا' عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن بھی گرفتار ہو کر مقتول ہوئے' عمرو بن سعد نے مختار سے امن حاصل کر لیا تھا' لیکن مختار نے اپنے قول و اقرار کا لحاظ نہ کر کے اس کا سر اتروا لیا' عمرو بن سعد کا لڑکا حفص بن عمرو مختار کی مصاحبت میں تھا' جس وقت عمرو بن سعد کا سر دربار میں آیا تو مختار نے حفص بن عمرو سے کہا کہ تم اس کو پہچانتے ہو' کس کا سر ہے' حفص نے کہا کہ ہاں میں پہچانتا ہوں' لیکن اب اس کے بعد زندگی کا لطف جاتا رہا' مختار نے اسی وقت حکم دیا کہ حفص کا سر بھی کاٹ لو۔ چنانچہ حفص کا بھی سر اتار لیا گیا' غرض اس قتل و گرفتاری کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا' لوگ گھروں سے گرفتار ہو کر آتے تھے' اور قتل کیے جاتے تھے' عمرو بن سعد اور شمر وغیرہ کے سر مختار نے محمد بن حنفیہ کے پاس مدینہ بھجوا دیئے تھے۔

مختار بہت ذی ہوش اور چالاک آدمی تھا' اس نے کوفہ پر قابض و متصرف ہو کر ایک خط سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو لکھا' کہ میں دارالامارۃ کوفہ میں آج کل مقیم ہوں' مجھ کو دل سے آپ کی اطاعت منظور اور آپ کی خلافت تسلیم ہے' آپ کوفہ کی گورنری مجھ کو عطا کر دیجئے' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سمجھ گئے' کہ یہ مجھ کو دھوکہ دے کر اور اپنی طرف سے غافل رکھ کر حکومت و سلطنت حاصل کرنا چاہتا ہے' انہوں نے مختار کی اطاعت کا امتحان لینے کی غرض سے عمر بن عبدالرحمٰن بن حرث بن ہشام مخزومی کو کوفہ کی گورنری کا پروانہ دے کر کوفہ کی طرف روانہ کیا' مختار کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے زائد بن قدامہ کو پانچ سو سواروں کے ساتھ ستر ہزار درہم دے کر روانہ کیا' کہ راستے ہی میں عمر بن عبدالرحمٰن کو روک کر اور یہ رقم دے کر واپس کر دو' اگر وہ واپس ہونے سے انکار کرے' تو تم اپنے پانچ سو سواروں سے اس کو گرفتار کر لینا۔

عمر بن عبدالرحمٰن نے اول تو انکار کیا' لیکن پھر پانچ سو سواروں کی جمعیت دیکھ کر مناسب سمجھا' کہ ستر ہزار درم قبول کر لیے جائیں' چنانچہ ستر ہزار درہم لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو گیا' عبداللہ بن مطیع بھی بصرہ ہی میں چلا گیا تھا۔ اب عمر بن عبدالرحمٰن نے بھی بصرہ ہی کا رخ کیا' جہاں حرث بن ابی ربیعہ حکومت کر رہا تھا۔

مختار کا دعویٰ نبوت اور کرسی علی رضی اللہ عنہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ میں تشریف رکھتے تھے تو آپ کی ایک کرسی تھی' اسی پر بیٹھ کر اکثر حکم احکام جاری کیا کرتے تھے' آپ کا ایک بھانجا جعدہ بن ہبیرہ جو ام ہانی بنت ابی طالب کا بیٹا تھا کوفہ میں رہا کرتا تھا' وہ کرسی اسی کے قبضہ میں تھی' مختار نے کوفہ میں اپنا قبضہ بٹھا کر اس کرسی کے حاصل کرنے کی کوشش کی' جعدہ نے کہا اچھا مجھے ایک ہفتہ کی مہلت دیجئے کہ میں اس کو تلاش کر کے آپ کی خدمت میں پیش کروں' مختار نے کہا کہ میں تین دن سے زیادہ مہلت ہرگز نہ دوں گا' اگر اس عرصہ میں تم نے کرسی نہ پہنچائی' تو سختی وتشدد کا برتاؤ شروع کیا جائے گا۔

جعدہ کے محلہ میں ایک روغن فروش رہتا تھا' اس کے پاس بھی اسی قسم کی ایک کرسی تھی' جعدہ نے وہ کرسی اس سے خریدی اور پوشیدہ طور پر اپنے گھر لے گیا' اس کو خوب صاف کیا اور بڑے تکلف اور احتیاط کے ساتھ غلافوں میں لپیٹ کر مختار کے پاس لے گیا' مختار نے کرسی لے کر جعدہ کو خوب انعام و اکرام دیا' کرسی کو بوسہ دیا' اس کو سامنے رکھ کر دو رکعت نماز پڑھی' پھر اپنے مریدوں کو جمع کر کے کہا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے تابوت سکینہ کو موجب نصرت و برکت بنایا تھا' اسی طرح شیعان علی رضی اللہ عنہ کے لیے اس کرسی کو نشانی قرار دیا ہے' اب ہم کو ہر جگہ فتح ونصرت حاصل ہو گی۔

اس کے مریدین نے اس کرسی پر آنکھیں ملیں' بوسے دیئے' اور اس کے آگے سر جھکائے' پھر مختار نے حکم دیا کہ ایک تابوت بنایا جائے' چنانچہ نہایت خوب صورت تابوت تیار ہوا اس کے اندر وہ کرسی رکھی گئی' چاندی کا ایک قفل اس تابوت میں لگایا گیا' اور اس تابوت کی حفاظت کے لیے آدمی متعین کئے گئے۔ جامع مسجد کوفہ میں وہ تابوت رکھا گیا' ہر شخص نماز پڑھنے کے بعد اس تابوت کو بوسہ دیتا تھا' مختار نے کوفہ کی حکومت کرنے سے پہلے ہی اپنے مکر وتنویر کا جال پھیلانا اور اپنی غیر معمولی روحانی طاقتوں کا لوگوں کو معتقد بنانا شروع کر دیا تھا' حکومت کوفہ حاصل کرنے کے بعد اس کی چالاکی وہوشیاری کو اور بھی زیادہ کامیابی کے مواقع میسر آنے لگے' اور رفتہ رفتہ وہ نبوت کے دعووں تک پہنچنے لگا۔

جس زمانہ نے میں مختار نے کوفہ پر قبضہ کیا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو مذکورہ خط لکھا' اسی کے قریب زمانہ میں چند روز کے لیے عبدالملک بن مروان نے' عبدالملک بن الحکم بن ابی العاص کو ایک لشکر دے کر وادی القریٰ کی طرف روانہ کیا' یہ گویا عبدالملک بن مروان کی طرف سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر پہلی چڑھائی تھی۔ اس چڑھائی کا حال سن کر مختار نے دوسرا خط سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو

لکھا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی مدد کے لیے فوج کوفہ سے۔۔۔۔۔روانہ کروں' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے لکھا' کہ اگر تم میرے فرماں بردار و مطیع ہونے کی حیثیت سے فوج روانہ کرتے ہو تو فوراً ایک فوج وادی القریٰ کی طرف بھیج دو' مختار نے شرجیل بن دوس ہمدانی کو تین ہزار کی جمعیت سے یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ سیدھے اول مدینہ میں جا کر قیام کرو' پھر وہاں سے حالات لکھ کر مجھ کو بھیجو' اس کے بعد جو حکم بھیجوں اس کی تعمیل کرو' مدعا اس سے مختار کا یہ تھا' کہ میں اس بہانہ سے مدینہ میں فوج بھیج کر محمد بن حنفیہ کی خوشنودی اس طرح حاصل کر سکوں گا' کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا اور میرا اثر شیعان علی میں ترقی کر سکے گا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مختار کی ان چالاکیوں کو سمجھتے تھے' انہوں نے مذکورہ جواب مختار کے پاس بھیج کر فوراً عباس بن سہل بن سعد کو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ متعین کیا کہ اگر کوفہ سے مختار کوئی لشکر بھیجے' تو اول یہ معلوم کرو' کہ وہ محکوم ہو کر آیا ہے یا خود مختار ہے' اگر محکوم ہو تو اس سے کام لو' اور اگر وہ محکوم ہو کر نہیں آیا تو اس کو واپس کر دو' واپس ہونے سے انکار کرے تو اس کا مقابلہ کرو' مقام قیم میں عباس و شرجیل کی ملاقات ہوئی' عباس نے کہا تم لوگ مقام وادی القریٰ کی طرف ہمارے ساتھ دشمن کے مقابلہ کو چلو' شرجیل نے کہا' ہم کو تو سیدھے مدینے جانے کا حکم ہے' وہاں ہم دوسرے حکم کا انتظار کریں گے' تب کہیں جا سکیں گے۔

عباس نے اول ان کوفیوں کو کھانے پینے کا سامان دے کر تواضع کی' پھر تعمیل حکم سے انکار کرنے کی پاداش میں حملہ کر کے اپنے دو ہزار آدمیوں سے ان تین ہزار کو مجبور کر دیا اور ستر آدمی قتل کر کے کوفہ کی طرف زبردستی لوٹا دیا' مختار نے اس سے بھی فائدہ اٹھایا اور محمد بن حنفیہ کو خط لکھ کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شکایت کی کہ انہوں نے میری فوج کو آپ تک نہ پہنچنے دیا جو آپ کی حفاظت کے لیے میں نے روانہ کی تھی' اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنا ایک معتمد خاص بھیج دیجئے' تا کہ میں اس کے ساتھ ایک زبردست فوج روانہ کر دوں اور لوگوں کو بھی آپ کے فرستادہ کی زیارت سے اطمینان حاصل ہو۔

محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً جواب لکھا کہ میں تمہاری حق پسندی سے واقف ہوں' تم مجھ کو گوشہ عافیت میں بیٹھا رہنے دو' اور مخلوق اللہ تعالیٰ کی خون ریزی سے پرہیز کرو' میں اگر حکومت و امارت کا خواہاں ہوتا' تو تم سے زیادہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر سکتا تھا' لیکن میں نے اپنے تمام دوستوں اور ہوا خواہوں کو معطل کر رکھا ہے' اللہ تعالیٰ خود ہی جو چاہے گا فیصلہ کرے گا۔

عبیداللہ بن زیاد کا قتل

اوپر ذکر ہو چکا ہے' بابل کے میدان میں بروز عید الاضحیٰ ٦٦ ھ کوفیوں کے مقابلہ میں شامیوں کو شکست ہوئی تھی' مگر کوفی سپہ سالار ابن زیاد کے آنے کی خبر سن کر پیچھے ہٹ آیا تھا' اس خبر کو سن کر مختار نے اپنے سپہ سالار اعظم ابراہیم بن مالک بن اشتر کو سات ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا تھا' لیکن راستے ہی سے ابراہیم کو کوفہ کی طرف واپس لوٹنا پڑا تھا' کوفہ میں نہایت کثرت سے لوگ قتل کیے گئے' اور شیعان علی کی مخالف جماعت یا شیعان علی رضی اللہ عنہ کے سوا جو لوگ تھے ان کو اچھی طرح کچل دیا گیا' جس سے آئندہ کے لیے اس قسم کے خطرے کا سد باب ہو گیا' اس کام سے فارغ ہو کر ٢٢ ذی الحجہ ٦٦ ھ کو مختار نے کوفہ سے ابراہیم بن مالک کو پھر اسی مہم پر ابن زیاد کے مقابلہ کی غرض سے روانہ کیا' اس مرتبہ چوں کہ کوفہ کی بغاوت کا کوئی خطرہ قطعاً باقی نہ رہا تھا' اور لوگ بہت زیادہ خائف ہو چکے تھے' لہٰذا ابراہیم کے ساتھ تمام بڑے بڑے سردار اور بہادر لوگ بھیج دیئے گئے' ساتھ ہی وہ تابوت بھی بھیجا گیا جس میں وہ کرسی رکھی تھی' اس تابوت کے بھیجنے سے یہ مدعا تھا کہ فوج کو پہلے ہی سے اپنی فتح کا یقین ہو جائے۔

ابراہیم بن مالک نہایت تیزی سے سرحد عراق کو عبور کر کے حدود موصل میں داخل ہوا جہاں عبیداللہ بن زیاد عبدالملک بن مروان کی طرف سے بطور گورنر مامور تھا' عبیداللہ بن زیاد اس لشکر کے آنے کی خبر سن کر موصل سے روانہ ہوا اور نہر خازر کے متصل دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن ہوئے' رات بسر کرنے کے بعد نماز فجر پڑھتے ہی دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے' بڑی سخت و خون ریز جنگ ہوئی' اول کوفیوں کی طرف آثار ہزیمت نمایاں ہوئے مگر ابراہیم بن مالک کی جرات اور استقامت سے کوفیوں کے پاؤں جم گئے' دونوں طرف کے سرداروں نے بڑی بڑی بہادریاں دکھائیں' آخر لشکر شام کو شکست ہوئی' اور ان کا سپہ سالار اعظم عبیداللہ بن زیاد بھی مارا گیا۔ عبیداللہ بن زیاد کے ساتھ شامیوں کا دوسرا زبردست سردار حصین بن نمیر بھی شریک بن جدید تغلبی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

لڑائی کے ختم ہونے اور شامیوں کے مقتول و مفرور ہونے کے بعد ابراہیم بن مالک نے کہا کہ نہر کے کنارے علم کے نیچے میں نے ایک شخص کو قتل کیا ہے' جس کے لباس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی' میری تلوار نے اس کے دو حصے کر دیئے ہیں جا کر دیکھو کہ وہ کون شخص تھا' لوگ اس طرف گئے' اور دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہی عبیداللہ بن زیاد ہے' چنانچہ اس کا سر کاٹ کر جسم کو جلا دیا گیا' فتح کی خوشخبری کے ساتھ عبیداللہ بن زیاد کا سر بھی مختار کے پاس کوفہ کی جانب روانہ کیا گیا۔

یمامہ پر نجدہ بن عامر کا قبضہ

نجدہ بن عامر بن عبداللہ بن ساد بن مفرح نے یمامہ کے علاقہ میں سورش و بغاوت کا سلسلہ ۶۵ھ سے شروع کر دیا تھا' لیکن اس نے مصلحتاً اپنی جمعیت کی سرداری خود نہیں قبول کی تھی' بلکہ ابو طالوت نامی ایک شخص کو سردار بنایا تھا' ۶۵ھ میں اس جماعت کو کوئی زیادہ اہمیت حاصل نہ تھی' بجز اس کے قافلوں پر چھاپے مارتے اور مسافروں کے لیے راستوں کو پر خطر بناتے تھے' ۶۶ھ میں ان لوگوں کو یہاں تک تقویت حاصل ہوئی' کہ وہ شہروں کو لوٹنے اور غارت کرنے لگے' ابو طالوت کو معزول کر کے نجدہ بن عامر خود امیر جماعت بنا اور ۶۶ھ کے آخری ایام میں وہ یمامہ اور اس کے نواحی علاقہ کا مستقل حکمراں بن گیا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان ایام میں یمامہ کی طرف کوئی فوج نہ بھیج سکے' کیوں کہ ان کے لیے اس سے زیادہ ضروری اور اہم کام شام و عراق کے متعلق در پیش تھے' لہٰذا نجدہ بن عامر کی فرماں روائی یمامہ پر ۶۹ھ یا ۷۰ھ تک قائم رہی۔

کوفہ پر حملہ کی تیاری

۶۴ ہجری میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما قریباً تمام عالم اسلامی کے خلیفہ تسلیم کیے جاتے تھے' اسی سال مصر' فلسطین اور تمام شام کا ملک ان کے دائرہ خلافت سے خارج ہو گیا اور بنوامیہ کی خلافت دوبارہ دمشق میں قائم ہو گئی' ۶۵ ہجری میں بعض صوبوں کے اندر بغاوتیں ہوئیں' لیکن سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ ضرور تسلیم کیا جاتا رہا' اور کوئی صوبہ قبضہ سے نہیں نکلا' ۶۶ھ میں کوفہ اور یمامہ دونوں قبضے سے نکل گئے' کوفہ میں مختار کی حکومت اور یمامہ میں نجدہ بن عامر کی حکومت خود مختارانہ طور پر قائم ہو گئی' بصرہ کو حرث بن ربیعہ نے اور فارس کو مہلب بن ابی صفرہ نے سنبھالے رکھا اور خوارج کے فتنوں کو سر ابھارتے ہی دبا دیا۔

مختار کی طرف سے بصرہ پر ڈورے ڈالے جا رہے تھے اور بصرہ میں عبداللہ بن مطیع سابق گورنر کوفہ اور عمرو بن عبدالرحمٰن نامزد شدہ گورنر کوفہ بھی موجود تھے' ان دونوں کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ندامت و شرمندگی تھی' اس لیے بصرہ میں ان دونوں کی موجودگی موجب خطرہ بھی ہو سکتی تھی' کہ کہیں کسی سازش میں شریک نہ ہو جائیں' جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ سنا کہ عبیداللہ بن زیاد ابراہیم بن مالک کے مقابلہ میں مقتول ہو چکا ہے' تو ان کو اہل شام اور عبدالملک بن مروان کی طرف سے تو گونہ اطمینان ہوا کہ ان کی طاقت کو ایک بڑا صدمہ پہنچا تھا اور وہ جلد حجاز پر حملہ آور ہونے کا ارادہ نہیں کر سکتے

تھے لیکن بصرہ کے متعلق خطرات بڑھ گئے تھے کیوں کہ مختار بن عبید کی توجہ اس فتح کے بعد بصرہ ہی کی طرف مبذول ہونے والی تھی لہٰذا انہوں نے فوراً بصرہ کے عامل حرث بن ربیعہ کو معزول کر کے اپنے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بصرے کی گورنری پر مامور کر کے بھیجا۔

بصرہ میں آج کل کوفہ کے بہت سے آدمی مختار کے خوف سے بھاگ کر چلے آئے تھے یہ سب وہ لوگ تھے جن کو اندیشہ تھا کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ کے معاوضہ میں مختار ہم کو بھی کہیں قتل نہ کر دے کوفہ کے ان ہی مفرورین میں شیث بن ربعی اور محمد بن الاشعث بھی تھے مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بصرہ کی حکومت و امارت اپنے ہاتھ میں لے کر حالات کا پر غور مطالعہ شروع کیا کوفہ سے آئے ہوئے لوگوں نے جن میں بعض بہت معزز اور تجربہ کار شخص بھی تھے مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ کوفہ پر حملہ کرو مصعب نے کہا کہ مجھ کو امیر المومنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حکم دیا ہے کہ مہلب بن ابی صفرہ کو ہمراہ لیے بغیر کوفہ پر حملہ نہ کروں لہٰذا سب سے پہلے فارس سے مہلب کو بلوانا چاہیے چنانچہ مصعب نے ایک خط مہلب کے نام لکھا اور محمد بن الاشعث کے ہاتھ مہلب کے پاس روانہ کیا مہلب نے محمد بن الاشعث کو دیکھ کر کہا کہ مصعب کو آپ کے سوا اور کوئی قاصد نہیں ملا انہوں نے کہا کہ میں قاصد نہیں ہوں بلکہ خود اپنی غرض کو آیا ہوں کہ کوفہ کے حالات آپ کو سناؤں ہمارے غلام زادوں نے ہمارے اموال اور مکانات پر قبضہ کر کے ہم کو بے دخل کر دیا ہے اور مصیبت کے مارے بصرہ کی طرف بھاگ کر آئے ہیں اور فریاد کرتے ہیں کہ اللہ کے لیے ہماری مدد کرو اور مصیبت سے ہم کو نجات دلاؤ۔

مہلب بن ابی صفرہ فارس کے صوبہ کی حکومت اپنے بیٹے مغیرہ بن مہلب کے سپرد اور ملک کا قابل اطمینان بندوبست کر کے بصرہ کی طرف کافی سامان اور لشکر لے کر روانہ ہوا اور مصعب بن زبیر بصرہ میں آ کر ملا مہلب بن ابی صفرہ کے پاس سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا خط بھی براہ راست پہنچ چکا تھا کہ تم بصرہ میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ سے آ کر ملو اور کوفہ پر حملہ کرو مہلب کو کسی قدر توقف ہوا تو مصعب کو بصرہ سے قاصد بھیجنا پڑا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شاید کوفہ پر چڑھائی کرنے میں ابھی اور تامل فرماتے لیکن مختار نے جب کوفہ میں لوگوں کو بڑی کثرت سے قتل کیا اور یہ بھی مشہور کیا کہ میرے پاس جبرائیل امین آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لاتا ہے اور میں بطور نبی مبعوث ہوا ہوں تو لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگے کچھ تو بصرہ کی طرف گئے بعض سیدھے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچے اور مختار کی نبوت کا حال بھی علاوہ مظالم کے سنایا سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ سن کر کہ مختار نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کے استیصال میں توقف کرنا کسی طرح مناسب نہ سمجھا اور مہلب کو خط لکھا اور مصعب کو تاکید کی کہ

بصرہ میں جا کر بغیر مہلب کے آئے ہوئے کوفہ پر حملہ آور نہ ہونا۔

مختار کا قتل اور کوفہ پر قبضہ

جب مہلب آ گیا' تو مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کو حکم دیا کہ جبرا کبر پر اپنے لشکر کو مرتب کرو' عبدالرحمٰن بن احنف کو کوفہ کی طرف روانہ کیا کہ وہاں جا کر قیام کرو اور پوشیدہ طور پر لوگوں سے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے نام پر بیعت لو' عباد بن حصین حطمی تمیمی کو مقدمۃ الجیش کا افسر بنایا' میمنہ پر عمر بن عبیداللہ بن معمر کو اور میسرہ پر مہلب بن ابی صفرہ کو مامور کیا اور قلب لشکر کی سرداری خود مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے پاس رکھی' اس طرح یہ لشکر مرتب ہو کر بصرہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوا۔

مختار کو جب اس فوج کشی کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی فوج لے کر کوفہ سے نکلا' ابراہیم بن مالک اس زمانہ میں موصل کی حکومت پر مامور تھا اور وہ کوفہ نہیں آ سکا تھا' بصرہ کی فوج میں ایک دستہ فوج ان لوگوں کا تھا' جو کوفہ سے بھاگ کر بصرہ پہنچے تھے' اس دستہ فوج کی سرداری محمد بن الاشعث کو دی گئی تھی' دونوں فوجوں کا مدارا نامی گاؤں کے قریب مقابلہ ہوا خوب زور شور کی لڑائی ہوئی' آخر مختار کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہو کر کوفہ میں داخل ہوا' قصر امارت کی مضبوطی کر کے محصور ہو بیٹھا۔

میدان جنگ سے جب کوفی لشکر بھاگا تو محمد بن الاشعث نے فراریوں کا تعاقب کیا اور بھاگتے ہوؤں کو دور تک قتل کرتا چلا گیا' مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دارالامارۃ کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ کئی روز تک جاری رہا' مختار کے ساتھ ایک ہزار آدمی قصر کے اندر محصور تھے' آخر سامان رسد کی کمی سے مجبور ہو کر مختار نے قلعہ کا دروازہ کھولنے اور مقابلہ کر کے مرنے کا ارادہ کیا' اس کے ہمراہیوں نے اس کو منع کیا اور مشورہ دیا کہ مصعب سے جان کی امان طلب کر کے دروازہ کھولو' یقین ہے کہ مصعب بن زبیر ضرور امان دے گا' لیکن مختار نے اس مشورے کو ناپسند کیا' سر میں خوشبودار تیل ڈالا' کپڑوں کو عطر ملا' اور ہتھیار لگا کر قصر سے نکلا' صرف انیس آدمیوں نے اس کا ساتھ دیا' باقی قصر کے اندر ہی رہے' مختار نے نکل کر حملہ کیا اور طرفہ وطراف پسران عبداللہ بن دجاجہ صفی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

مختار ۱۴ رمضان المبارک ۶۷ھ کو مقتول ہوا' مختار کے ہمرائیوں میں عبیداللہ بن علی بن ابی طالب بھی مقتول ہوئے' مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کو جو قصر امارت کے اندر محصور تھے ......گرفتار کیا' تمام وہ لوگ بھی جو میدان جنگ میں گرفتار ہوئے تھے کوفہ کے اندر لائے گئے' اور ایک وسیع مقام پر ان تمام قیدیوں کو فراہم کر کے ان کی نسبت مشورہ کیا گیا' مہلب بن ابی صفرہ نے کہا کہ ان سب کو چھوڑ دینا چاہیئے' لیکن محمد بن الاشعث اور تمام دوسرے کوفیوں نے یہ سن کر مصعب بن

زبیر رضی اللہ عنہما کو اس رائے پر عمل کرنے سے منع کیا۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما حیران تھے کہ میں کیا کروں' کوفی کہتے تھے' کہ ان لوگوں نے مختار کے ہاتھ پر بیعت کر کے کوفہ میں کوئی گھر ایسا نہیں چھوڑا' جس میں کوئی نہ کوئی آدمی قتل نہ کیا ہو' اگر یہ لوگ اب چھوڑ دیئے گئے تو اسی وقت تمام کوفہ باغی ہو جائے گا' ان لوگوں کی کل تعداد چھ ہزار تھی جن میں صرف سات سو عرب اور باقی ایرانی لوگ تھے' مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے آخر سوچ کر یہی فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے' چنانچہ وہ سب قتل کر دیئے گئے' اور اہل کوفہ کو اطمینان میسر ہوا' مصعب نے مختار کے دونوں ہاتھ کٹوا کر جامع مسجد کوفہ کے دروازہ پر لٹکا دیئے' جو حجاج کے عہد امارت تک وہاں لٹکے رہے۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کوفہ پر قابض ہو کر ابراہیم بن مالک کو جو موصل پر قابض اور مختار کی طرف سے مامور تھا ایک خط لکھا کہ تم کو اب میری اطاعت کرنی چاہیئے' میں تم کو ملک شام کی سند دے دوں گا اور ساتھ ہی وعدہ کرتا ہوں کہ شام سے مغرب کی جانب جس قدر ممالک پر تم قبضہ کرتے چلے جاؤ گے وہ سب تمہاری جاگیر سمجھے جائیں گے' ادھر مختار کے مارے جانے کی خبر سن کر عبدالملک بن مروان نے دمشق سے ابراہیم کے پاس خط بھیجا' کہ تم میری اطاعت اختیار کر لو' میں تم کو عراق کی سند دے دوں گا اور جس قدر ممالک تم مشرق کی طرف فتح کرتے چلے جاؤ گے' وہ سب تمہاری حکومت میں شامل رہیں گے' دونوں طرف سے ایک ہی قسم کے خطوط ابراہیم کے پاس پہنچے' اس نے عبدالملک پر مصعب کو ترجیح دی' اور کوفہ میں آ کر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم کر کے مصعب کے ہاتھ پر بیعت کی۔

مصعب نے موصل و جزیرہ کی حکومت پر مہلب بن ابی صفرہ کو مامور کر کے بھیج دیا' اور ابراہیم کو اپنے پاس مہلب کی جگہ سپہ سالاری پر رکھا' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جب مختار کے مارے جانے اور کوفہ پر قبضہ ہونے کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے مصعب کو کوفہ کی گورنری پر نامزد کر کے بصرہ کی گورنری پر اپنے بیٹے حمزہ بن عبداللہ کو بھیجا' حمزہ نے اہل بصرہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خطوط لکھے' کہ حمزہ کو معزول کر کے مصعب کو بصرہ کی حکومت پر بھیج دیجئے' آخر ۶۸ھ میں مصعب کو بصرہ کی حکومت بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سپرد کر دی۔

عمرو بن سعید کا قتل

اوپر بیان ہو چکا' کہ عبیداللہ بن زیاد ابن حرث کے مقابلہ اور محاصرہ میں ناکام رہ کر قرقیسا سے

واپس گیا تھا' جب ابن زیاد مارا گیا تو عبدالملک نے فوج مرتب کر کے عراق پر حملہ آوری کا قصد کیا اور سب سے اول زفر بن حرث کلبی والی قرقیسا پر حملہ کرنا ضروری سمجھا' چنانچہ عبدالملک نے اپنے ہمشیر زادے عبدالرحمٰن بن ام حکم کو دمشق میں اپنا نائب مقرر کیا' اور خود عمرو بن سعید بن عاص کو ہمراہ لے کر قرقیسا کی جانب معہ لشکر روانہ ہوا' اوپر یہ بھی ذکر آ چکا ہے کہ مروان بن حکم کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا تھا کہ اس کے بعد خالد بن یزید اور اس کے بعد عمرو بن سعید تخت نشیں ہوں گے' مروان نے بجائے ان دونوں کے اپنے بیٹوں عبدالملک و عبدالعزیز کو ولی عہد بنایا' خالد و عمرو دونوں کو ولیعہدی سے معزول کر دیا تھا۔

عمرو بن سعید بنو امیہ کے اندر ہر دل عزیز اور بہت ذی عزت تھا' اس کے پاس حشم و خدم کی بھی کثرت تھی' اور سرداری و افسری کی قابلیت بھی رکھتا تھا' مروان کے بعد جب عبدالملک تخت نشیں ہوا' تو عمرو بن سعید کے ساتھ اس نے ایسا سلوک کیا' جس سے اس کے دل کا انقباض دور ہو گیا' اب جب کہ عبدالملک فوج لے کر قرقیسا کی جانب روانہ ہوا تو عمرو بن سعید نے اس سے راستے میں کہا کہ آپ اپنے بعد میرے لیے تخت خلافت کی وصیت کر دیں مجھ کو اپنا ولی عہد مقرر فرمائیں۔ اس قسم کے وعدے عمرو بن سعید کے ساتھ شروع ہی میں کر لیے گئے تھے' وہ صرف باقاعدہ ان کا اعلان چاہتا تھا' عبدالملک نے عمرو بن سعید کی خواہش کے پورا کرنے سے صاف انکار کیا' عمرو بن سعید کو اس سے دل گرفتگی ہوئی' وہ راستے ہی سے موقع پا کر دمشق کی جانب واپس چلا آیا اور یہاں آتے ہی عبدالرحمٰن کو نکال دیا اور خود دمشق پر قابض ہو کر اپنی خلافت و حکومت کا اعلان کیا' لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور وظائف مقرر کرنے اور بحسن سلوک پیش آنے کا وعدہ کیا۔

یہ خبر سن کر عبدالملک بھی فوراً دمشق کی جانب واپس ہوا اور دمشق کا محاصرہ کر لیا' مدتوں لڑائی کا سلسلہ جاری رہا' اور عبدالملک کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو سکا' بالآخر لوگوں نے بیچ میں پڑ کر دونوں میں صلح کرادی' عہد نامہ لکھا گیا اور عمرو بن سعید نے شہر سے نکل کر عبدالملک کے خیمے میں آ کر ملاقات کی اور دمشق اس کے سپرد کیا۔

عبدالملک کو ہمیشہ عمرو بن سعید بن عاص کی طرف سے اندیشہ رہتا تھا' اب اس نے مناسب سمجھا کہ اس خدشہ کو بھی مٹا دیا جائے' چنانچہ اس نے دھوکہ سے عمرو بن سعید کو ملاقات کے لیے دربار میں بلا بھیجا' عمرو بن سعید آیا اور حسب دستور عبدالملک کے برابر تخت پر جا بیٹھا' عبدالملک نے پہلے سے اس کام کے لیے آدمیوں کو جمع کر رکھا تھا' چنانچہ عمرو بن سعید کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔

عمرو بن سعید کے بھائی یحییٰ کو خبر لگی تو وہ ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ دارالامارۃ پر چڑھ آیا اور

اس کا محاصرہ کر لیا' عبدالملک نے عمرو بن سعید کا سر کاٹ کر اوپر سے ان لوگوں کی طرف پھینک دیا اور ساتھ ہی ہی روپیوں اور اشرفیوں کی بکھیر بھی شروع کر دی' لوگ روپے اور اشرفیوں کو اٹھانے میں مصروف ہو گئے' اور یحییٰ تنہا کھڑا رہ گیا' آخر یحییٰ کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور عمرو بن سعید کے لڑکوں کو بھی یحییٰ کے پاس جیل خانے بھیج دیا گیا' یہ لوگ اس وقت تک قید رہے جب مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما قتل ہوئے اور عبدالملک کا عراق پر قبضہ ہوا' عمرو بن سعید کے قتل کا واقعہ ۶۵ھ کا ہے۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بے احتیاطی

اوپر ذکر ہو چکا کہ بصرہ پر چند مہینے یا ایک سال حمزہ بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حکومت کی' اس کے بعد بصرہ کا انتظام مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ماتحت کر دیا گیا' مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خود بصرہ کا جا کر عمرو بن عبیداللہ بن معمر کو بصرہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور حکم دیا' کہ ضرورت پڑے تو خوارج کے مقابلہ کی غرض سے خود فارس جائیے اور بصرہ میں اپنی طرف سے کسی کو نامزد کر جائے' اسی طرح اس نواح کے تمام عاملوں اور صوبہ داروں کا مناسب تغیر و تبدل کر کے چند روز قیام کے بعد مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما بصرہ سے پھر کوفہ میں چلے آئے' لیکن ۷۰ھ میں ایسی صورت پیش آئی' کہ فارس میں خوارج کے فتنے نے بہت زور پکڑا' اور مغیرہ بن مہلب اور عمرو بن عبداللہ بن معمر دونوں خوارج کے فتنے نہ دبا سکے' مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے موصل کی حکومت سے مہلب بن ابی صفرہ کو تبدیل کر کے پھر فارس کی حکومت پر مامور کیا اور حکم دیا کہ وہاں جا کر خوارج کے فتنے کو فرو کرو' اس میں شک نہیں کہ مہلب بن ابی صفرہ سے بہتر کوئی دوسرا شخص خوارج کا علاج نہیں کر سکتا تھا' مہلب بن ابی صفرہ نے کہا کہ میں تو فارس جانے سے خوش ہوں مگر فی الحال مجھ کو موصل سے جدا کرنا آپ کے لیے بے حد مضر ثابت ہوگا اس لیے کہ عبدالملک بن مروان نے خفیہ سازشوں کا ایک جال عراق میں پھیلانا شروع کیا ہے' میں اس کی تدابیر کو خوب غور سے مطالعہ کر رہا ہوں' ایسا نہ ہو کہ میرے یہاں سے جدا ہونے کے بعد وہ اپنی تدابیر میں کامیاب ہو جائے۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فارس کی ضرورت کو اس موہوم ضرورت پر ترجیح دی اور مہلب بن ابی صفرہ کو فارس کی طرف روانہ ہونا پڑا' مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس ابراہیم و مہلب دو زبردست سپہ سالار اور تجربہ کار افسر تھے' انہوں نے ان دونوں میں سے ایک کو اپنے پاس سے جدا کر دیا' ساتھ ہی عبیداللہ بن حازم کو خراسان کی حکومت پر بھیج دیا' عباد بن حصین کو مہلب کے ساتھ مامور کر دیا' یہ دونوں بھی بڑے زبردست سپہ سالار اور جنگی تجربہ کار تھے' اس طرح مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کام کے

آدمیوں کو اپنے پاس سے جدا کر کے دور دراز کے مقامات پر بھیج دیا تھا' کوفہ میں ان کے پاس صرف ابراہیم بن مالک اور بصرہ میں عمرو بن عبداللہ بن معمر باقی رہ گئے تھے۔

عبدالملک بن مروان نے عمرو بن سعید کے قتل سے فارغ ہوتے ہی سازشی تدابیر شروع کر دی تھیں' اس نے فارس کی طرف اپنے آدمیوں کو بھیج کر وہاں خوارج کو توقعات دلائیں' اور ان کو خروج پر آمادہ کر دیا ادھر کوفہ اور بصرہ میں بھی اپنے آدمیوں کو بھیج کر ہواخواہان بنوامیہ کے ذریعہ سازشوں کا ایک جال پھیلایا' اور مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے فوجی سرداروں کو بھی خفیہ طور پر خط بھیج بھیج کر بڑے لالچ دینے شروع کئے' حتیٰ کے مہلب اور ابراہیم کو بھی اس نے توڑنا اور اپنی طرف ملانا چاہا' مگر یہ دونوں ایسے نہ تھے کہ مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بے وفائی کرتے' اسی لیے مہلب فارس کی طرف روانہ ہوتے وقت فکر مند تھا۔

عبدالملک کی جنگی تیاریاں

عبدالملک نے خالد بن عبیداللہ بن اسید کو خفیہ طور پر بصرہ میں بھیجا' کہ وہاں جا کر سیدنا عبداللہ بن زبیر کے خلاف اور بنوامیہ کے موافق لوگوں کو اپنا ہم خیال بنائے' چنانچہ خالد نے بصرہ میں آ کر بنو بکر بن وائل اور قبیلہ ازد میں اپنا سازشی کام شروع کیا اور ایک بڑی جماعت اپنے ہم خیال بنالی' اس کا حال عمر بن عبداللہ بن معمر کو معلوم ہوا تو اس نے فوج بھیجی' خالد کے ہمراہیوں نے مقابلہ کیا اور بالآخر خالد کو بصرہ سے نکال دیا گیا۔ بصرہ کی جب یہ پریشان کن خبریں کوفہ میں پہنچیں اور حالات کا صحیح علم ہوا' تو ناممکن تھا کہ مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما خاموش بیٹھے رہتے۔

بصرہ کی ایسی تشویشناک حالت سن کر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کوفہ سے بصرہ آئے' اور وہاں خالد کے ہمراہیوں اور ہم خیالوں کو سزائیں دیں' جرمانے کئے' بعض کے مکانات منہدم کرا دیئے' اسی طرح کوفہ میں بھی اندر ہی اندر عبدالملک کے لوگ اپنا کام کر رہے تھے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ فوجی سردار مثلاً عتاب بن ورقاء وغیرہ بھی اندرونی طور پر عبدالملک سے ساز باز کر چکے تھے۔

ایک طرف عبدالملک نے فوجی تیاریاں شروع کیں' تو دوسری طرف کوفہ و بصرہ کی فوجوں میں بغاوت کی سازشیں بڑے بڑے لالچ دے کر پھیلا دیں' چنانچہ ایک مرتبہ ابراہیم بن اشتر کے پاس عبدالملک بن مروان کا ایک سربمہر خط آیا' ابراہیم جانتا تھا کہ اس میں کیا لکھا ہوگا اس نے اس خط کے لفافے کو کھولے بغیر بجنسہ مصعب کی خدمت میں پیش کر دیا' مصعب نے اس کو کھول کر پڑھا' تو اس میں عبدالملک نے ابراہیم کو لکھا تھا کہ تم میرے پاس چلے آؤ' میں تم کو تمام ملک عراق کا گورنر مقرر کر

دوں گا۔

مصعب نے ابراہیم سے کہا' کہ کیا تم جیسا شخص بھی ایسے فقروں میں آ سکتا ہے' ابراہیم نے کہا' کہ میں تو کبھی غدر و خیانت نہ کروں گا' لیکن عبدالملک نے آپ کے تمام سرداروں کو اسی قسم کے خطوط لکھے ہیں' اگر آپ میری رائے مانتے ہیں' تو ان تمام سرداروں کو قتل یا قید کر دیں' مصعب نے اس رائے کو ناپسند فرمایا' اور اپنے کسی سردار سے نہ کچھ دریافت کیا' نہ کچھ مواخذہ کیا۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قتل

آخر عبدالملک اپنی مکمل تیاریوں کے بعد شام سے عراق کی جانب فوج لے کر چلا' عبدالملک دمشق سے اس وقت روانہ ہوا جب کہ اس کے پاس رؤساء کوفہ کے بہت سے خطوط پہنچ چکے تھے' کہ آپ کو عراق پر فوراً حملہ آور ہونا چاہیے' عبدالملک کے مشیروں نے روانگی کے وقت اس کو روکا کہ کہیں اہل عراق اور اہل کوفہ کے یہ خطوط اسی قسم کے نہ ہوں جیسے انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو لکھے تھے' عبدالملک نے کہا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تو محض کوفہ کے بھروسے پر چل دیئے تھے' اور میں ایک زبردست فوج کے ساتھ جا رہا ہوں' مجھ کو ان کی بدعہدی یا بے وفائی سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا' اور مجھ کو یقین ہے کہ وہ جب مجھ کو ایک طاقت ور فوج کے ساتھ دیکھیں گے' تو ہرگز اپنے ان وعدوں سے جو وہ خطوط میں کر رہے ہیں نہ پھریں گے۔

آخر عبدالملک فوج لے کر چلا' ادھر سے اس کے آنے کی خبر سن کر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی روانہ ہوئے' جس زمانے میں عبدالملک کی فوج کشی کی خبر کوفہ میں پہنچی اس سے پہلے مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما عمر بن عبداللہ بن معمر کو خوارج کے مقابلہ کے لیے بصرہ سے فارس کی طرف بھیج چکے تھے' لہٰذا عمر بن عبداللہ بھی اس لڑائی میں موجود نہ تھا' دار جاثلیق کے قریب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلہ پہنچ کر خیمہ زن ہوئے' مصعب بن زبیر کی فوج بہت تھوڑی تھی' کیوں کہ عین روانگی کے وقت بہت سے لوگوں نے حیلے بہانے کر کے جانے سے انکار کر دیا تھا' جو لوگ میدان میں ساتھ آئے تھے' ان میں سے بھی زیادہ حصہ دشمن سے ملا ہوا تھا' اور اس بات کا منتظر تھا کہ لڑائی شروع ہو تو دشمن سے جا ملیں' غرض لڑائی شروع ہوئی' عبدالملک نے پوری طاقت سے اول اسی حصہ فوج پر حملہ کیا' جو ابراہیم بن مالک کی ماتحتی میں تھی' کیوں کہ اس کو ابراہیم بن مالک کی طرف سے بہت خوف تھا' یہ حملہ عبدالملک کے بھائی محمد بن مروان نے کیا تھا' طرفین سے خوب خوب داد شجاعت دی گئی' آخر ابراہیم نے محمد بن مروان کو پیچھے دھکیل دیا' محمد بن مروان کو ہزیمت ہوتے ہوئے دیکھ کر عبدالملک نے عبیداللہ بن زید کو

ایک تازہ دم فوج کے ساتھ محمد کی مدد پر بھیجا' اب جم کا مقابلہ ہونے لگا' اسی معرکہ میں مسلم بن عمرو باہلی (قتیبہ بن مسلم کا باپ) بھی کام آیا۔

ابراہیم پر دشمنوں کا ہجوم دیکھ کر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے عتاب بن ورقاء کو ابراہیم کی مدد کے لیے بھیجا' عتاب بن ورقاء پہلے ہی در پردہ عبدالملک کی بیعت کر چکا تھا' وہ قرارداد کے موافق فوراً میدان سے فرار ہو گیا' ابراہیم دشمنوں کے نرغہ میں گھر کر بڑی بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا' ابراہیم بن مالک کے مارے جاتے ہی عبدالملک اور اہل شام کا دل بڑھ گیا اور انکو اپنی فتح کا کامل یقین ہو گیا۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دوسرے سرداروں اور اپنے ہمراہیوں سے آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کے لیے کہا مگر کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا' سب نے اس کان سنا اور اس کان اڑا دیا' معدودے چند آدمی تھے جو میدان میں لڑ رہے تھے' باقی تمام فوج کوفیوں کی کھڑی ہوئی تماشا دیکھ رہی تھی۔[1]

کوفیوں کی یہ غداری درحقیقت اس غداری سے جو انہوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کی بہت بڑھی ہوئی تھی' کیوں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے میں ان کو ابن زیاد اور اس کے لشکر نے مجبور کر دیا تھا' اور خوف و ہراس ان پر غالب ہو گیا تھا۔ لیکن مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ نہ دینا سراسر ان کی شرارت وغداری اور محسن کشی تھی۔

عبدالملک یہ نہیں چاہتا تھا' کہ مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما قتل کیے جائیں' اس لیے اس اپنے بھائی محمد بن مروان کو مصعب کے پاس بھیجا' اور کہلا بھجوایا' کہ آپ کی طرف سے اب لڑائی کی شکل بگڑ چکی ہے' آپ کو کسی طرح فتح نہیں ہو سکتی' میں آپ کو امان دیتا ہوں' آپ میری امان قبول کر لیں' مصعب نے اس کا انکاری جواب دیا' اور کہا کہ مجھ کو صرف اللہ تعالیٰ کی امان کافی ہے' اس کے بعد مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بیٹے عیسیٰ سے محمد بن مروان نے کہا کہ تم کو اور تمہارے باپ مصعب دونوں کو امیر المومنین عبدالملک نے امان دی ہے' عیسیٰ نے یہ سن کر باپ سے آ کر کہا' مصعب نے کہا کہ ہاں یہ تو مجھ کو بھی یقین ہے کہ اہل شام تمہارے ساتھ وعدہ پورا کریں گے اگر تمہارا جی چاہے تو تم ان کی امان میں چلے جاؤ۔

عیسیٰ نے کہا کہ میں قریش کی عورتوں کو یہ کہنے کا موقع ہرگز نہ دوں گا کہ عیسیٰ اپنی جان بچانے کے لیے باپ سے جدا ہو گیا' مصعب نے کہا' اچھا تم اپنے چچا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس مکہ کی جانب روانہ ہو جاؤ' اور ان کو اہل عراق کی غداری کا حال سناؤ' مجھ کو یہیں چھوڑ جاؤ' میں نے اپنے آپ کو مقتول سمجھ لیا ہے' عیسیٰ نے کہا میں یہ خبر جا کر نہ سناؤں گا' مناسب یہ ہے کہ آپ اس میدان جنگ

---

[1] کوفی تو پہلے ہی کوفی لا یوفی مشہور اور بدنام تھے۔ اس واقعہ نے ان کے اس کردار کو مزید واضح کر دیا۔

سے واپس چلیں اور سیدھے بصرہ پہنچیں' وہاں کے لوگ آپ سے بہت خوش ہیں اور آپ کے ہر طرح مطیع ہیں' بصرے پہنچ کر کچھ تدارک کیا جا سکے گا' یا پھر مکہ کی طرف چلیے۔

مصعب نے کہا صاحب زادے یہ ممکن نہیں ہے' کیوں کہ تمام قریش میں میرے میدان سے بھاگنے کا چرچا ہو جائے گا' بہتر یہ ہے کہ تم ہر ایک خیال کو چھوڑ دو' اور دشمن پر حملہ کرو' عیسیٰ یہ سنتے ہی اپنے چند ہمراہیوں سمیت دشمن پر حملہ آور ہوا' اور سینکڑوں کو خاک و خون میں لٹا کر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کی آنکھوں کے سامنے خود بھی ہمیشہ کے لیے سو گیا۔

اس کے بعد عبدالملک آگے بڑھ کر آیا' اور مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بڑی منت اور اصرار کے ساتھ کہا' کہ آپ اب میدان سے واپس چلے جائیں' یا امان قبول کر لیں' یہاں تک کہ اس نے اس اصرار میں الحاح و عاجزی سے کام لیا' مگر مصعب نے اس کی طرف مطلق التفات نہ کیا' یہ وقت بھی عجیب و غریب وقت ہوگا کہ عبدالملک اپنی خفیہ تدابیر کے نتائج دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہوگا' کوفیوں کا لشکر میدان میں موجود ہے' مگر اپنے امیر کا ساتھ نہیں دیتا اور دور سے تماشا دیکھ رہا ہے' دوسری طرف مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما حیران ہوں گے' کہ جو لشکر میرے اشاروں پر کام کرتا اور گردنیں کٹواتا تھا' وہ میری مدد نہیں کرتا' کوفیوں نے مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما اور امام حسین رضی اللہ عنہ دونوں کے قتل کرانے میں ایک ہی درجہ کا جرم کیا' لیکن یہ دونوں جرم دو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے' وہاں امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے دشمنوں سے چاہتے تھے' کہ وہ ان کو میدان جنگ سے مکہ یا دمشق یا کسی اور طرف کو بچ کر جانے دیں' یہاں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دشمنوں نے ان کی بات قبول نہیں کی اور یہاں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے دشمنوں کی بات نہیں مانی نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہوا۔

سیدنا مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے عیسیٰ کے مارے جانے کے بعد اپنے خیمہ میں گئے سر میں تیل ڈالا' خوشبو لگائی' اور باہر آ کر شمشیر بدست دشمن پر حملہ آور ہوئے' اس حملہ میں آپ کا ساتھ دینے والے صرف سات آدمی باقی تھے' جو ان کے ساتھ ہی مارے گئے' مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایسا سخت حملہ کیا' کہ شامیوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا' آخر تیروں تلواروں اور نیزوں کے زخموں سے چور چور ہو کر بے ہوش ہو گئے' ان کے گرتے ہی شامیوں نے ان کا سر کاٹ لیا اور ۷۱ھ میں دس برس بعد کربلا کا تماشا دار جاثلیق میں دہرایا گیا۔

عبدالملک نے اسی میدان میں تمام لشکر کوفہ سے اپنی خلافت کی بیعت لی اور وہاں سے روانہ ہو کر کوفہ کے قریب مقام نخیلہ میں چالیس دن ٹھہرا رہا' جب اہل کوفہ کی طرف سے بہر طور اطمینان حاصل ہو گیا' تو شہر میں داخل ہوا' جامع مسجد میں خطبہ دیا لوگوں سے حسن سلوک کا وعدہ کیا انعام و

اکرام سے خوش کیا' فارس وخراسان وبصرہ واہواز کے عاملوں کو لکھا کہ رعایا سے ہمارے نام پر بیعت لے لو۔

مہلب بن ابی صفرہ کو بھی اس کی جگہ بدستور قائم رکھا' سب نے عبدالملک کی خلافت کا تسلیم کر لیا' بجز تسلیم کے اب ان کے لیے کوئی چارہ بھی نہ تھا' صرف عبداللہ بن حازم نے کہ وہ بھی ایک حصہ خراسان کے حاکم تھے' بیعت سے انکار کیا اور بحرین بن ورقاء صریمی کے ہاتھ سے چند ہی روز کے بعد مارے گئے۔

بصرہ کی گورنری عبدالملک نے خالد بن اسید کے سپرد کی اور اپنے بھائی بشیر بن مروان کو کوفہ کا گورنر بنایا' مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کا سر عبدالملک نے کوفہ سے دمشق کی جانب بھیج دیا تھا یہ سب جب دمشق میں پہنچا' تو لوگوں نے اس کا تشہیر کا ارادہ کیا' لیکن عبدالملک کی بیوی عاتکہ بنت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ممانعت کی اور اس سر کو لے کر غسل دینے کے بعد دفن کر دیا' مہلب بن ابی صفرہ نے بھی عبدالملک کی اطاعت اختیار کر کے لوگوں سے بیعت لے لی۔

زفر بن حرث اور عبدالملک

محاصرہ قرقیسا کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے' عبیداللہ بن زیاد اور دوسرے سردار زفر بن حرث کو مغلوب نہیں کر سکے' اور ہر ایک حملہ میں اہل شام کو ناکامی حاصل ہوئی' اب جب کہ عبدالملک بن مروان فوج لے کر عراق کی طرف متوجہ ہوا تھا تو اس نے اپنی روانگی سے پیشتر ابان بن عقبہ بن ابی معیط گورنر حمص کو ایک فوج دے کر آگے روانہ کر دیا تھا' کہ قرقیسا میں پہنچ کر زفر بن حارث کو مغلوب کرے' ابان نے پہنچ کر لڑائی چھیڑ دی' مگر ابھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہونے پایا تھا' کہ خود عبدالملک بھی مع فوج گراں پہنچ گیا' اور بڑی سختی سے قرقیسا کا محاصرہ شروع کیا' زفر بن حارث نے اپنے بیٹے ہذیل کو حکم دیا' کہ اہل شام پر دھاوا کرو اور جب تک عبدالملک کے خیمے کو نہ گرا لو واپس نہ آؤ' ہذیل نے باپ کے حکم کی تعمیل کی' اور اس سختی سے حملہ کیا کہ عبدالملک کے خیمہ کو جا کر گرا دیا اور واپس چلا آیا' عبدالملک نے یہ دیکھ کر کہ قرقیسا کی فتح اور زفر بن حرث کا مغلوب کرنا آسان نہیں ہے' زفر بن حرث کے پاس پیغام بھیجا' کہ تم کو اور تمہارے لڑکے کو امان دی جاتی ہے' اور جو علاقہ یا عہدہ تم پسند کرو وہ لے لو۔

زفر بن حرث نے کہلا بھجوایا کہ میں اس شرط پر صلح کرنے کو تیار ہوں کہ ایک سال تک مجھ سے بیعت کرنے کی خواہش نہ کی جائے اور عبداللہ بن زبیر کے خلاف کسی قسم کی اعانت طلب نہ کی جائے قریب تھا کہ صلح نامہ تحریر ہو' اتنے میں عبدالملک کو یہ خبر پہنچی' کہ شہر پناہ کے چار برج منہدم ہو چکے ہیں'

عبدالملک نے فوراً صلح سے انکار کر کے شہر پر حملہ کیا' مگر یہ حملہ سراسر ناکام رہا اور زفر بن حرث نے عبدالملک کی فوج کو پسپا کر کے اس کے مورچوں میں پہنچا دیا' عبدالملک نے دوبارہ پیغام بھیجا' کہ ہم آپ کی تمام شرائط کو منظور کرتے ہیں' زفر بن حرث نے کہا کہ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی زندگی میں کسی دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ کروں گا' نیز یہ وعدہ بھی لوں گا کہ مجھ سے اور میرے ہمراہیوں سے کسی قسم کا کوئی مواخذہ یا قصاص طلب نہ کیا جائے۔

عبدالملک نے سب کچھ منظور کر لیا' اور عہد نامہ لکھ کر بھیج دیا' تاہم زفر بن حرث عبدالملک کے پاس نہیں آیا' کیوں کہ عمرو بن سعید کا واقعہ سب کو معلوم تھا' آخر عبدالملک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا جو اس کے پاس تھا زفر بن حرث کے پاس بھیج دیا' زفر بن حرث اس کو کافی ضمانت سمجھ کر فوراً عبدالملک کے پاس چلا آیا' عبدالملک نے زفر بن حرث کو اپنے برابر تخت پر جگہ دی اور بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا اور اپنے بیٹے مسلمہ بن عبدالملک سے زفر بن حرث کی لڑکی کا عقد کیا' یہاں سے فارغ ہو کر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف بڑھا تھا۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کی خبر مکہ میں

جب مکہ معظمہ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس یہ خبر پہنچی کہ ان کے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما عراقیوں کی بے وفائی سے قتل ہو گئے' اور تمام ملک عراق پر عبدالملک بن مروان کا قبضہ ہو گیا' تو انہوں نے اہل مکہ کو جمع کر کے اس طرح تقریر فرمائی کہ:

"**الحمدللہ الذی لہ الخلق والامر یوتی الملک من یشاء وینزع الملک ممن یشاء ویعزل من یشاء ویذل من یشاء۔** آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے' کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو ذلیل نہیں کیا کرتا' جو حق پر ہو چاہے وہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو' اور اس کی عزت نہیں کرتا' جس کا ولی شیطان ہو چاہے اس کے ساتھ بہت سے آدمی کیوں نہ ہوں' اور آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے پاس ملک عراق سے ہم کو غمگین اور خوش کرنے والی خبر آئی ہے یعنی ہمارے پاس مصعب کے قتل کی خبر آئی' ہم خوش اس لیے ہوئے ہیں کہ اس کا قتل ہونا شہادت ہے' اور ہم رنجیدہ اس لیے ہیں کہ دوست کی جدائی مصیبت کے وقت ایک سوزش ہوتی ہے۔ جس کا دوست کو احساس ہوتا ہے' صاحب عقل سلیم صبر واستقامت ہی سے کام لیتا ہے' مصعب کیا تھا؟ وہ اللہ کے بندوں میں ایک بندہ اور میرے مددگاروں میں سے ایک مددگار تھا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عراق بڑے بے وفا اور منافق ہیں انہوں نے ان منافع کو جو مصعب کے ذریعہ ان کا حاصل تھے بہت ہی کم قیمت پر بیچ ڈالا' مصعب اگر قتل ہوا تو اس

کے باپ بھائی اور ابن عمر بھی تو قتل ہی ہوئے تھے' جو نہایت نیک اور صالح تھے' اور اللہ کی قسم ہم اپنے بستروں پر اس طرح نہ مریں گے' جیسے کہ ابوالعاص کی اولاد اپنے بستروں پر مر رہی ہے۔ اللہ کی قسم ان لوگوں میں سے کوئی شخص نہ کبھی جاہلیت میں مارا گیا' اور نہ اسلام میں' اور ہم نیزوں کے زخم کھا کر تلواروں کے نیچے دم دیا کرتے تھے' اور بھائیو آگاہ رہو کہ دنیا اس عظیم الشان شہنشاہ سے ادھار لی گئی ہے جس کی حکومت ہمیشہ رہے گی اور جس کا ملک کبھی زائل نہ ہوگا۔ پس اگر دنیا ہمارے پاس آئے گی تو ہم اس کو کمینہ و گمراہ و رذیل و نابکار لوگوں کی طرح نہ لیں گے' اور اگر وہ ہم سے پشت پھیر کر بھاگے گی تو ہم اس پر کم زور و ناتواں و ضعیف و بے اوسان لوگوں کی طرح نہ روئیں گے۔ بس مجھ کو یہی کہنا تھا' اور میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں''۔

عبدالملک اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

عبدالملک نے عراق پر قابض ہو متصرف ہونے کے بعد عروہ بن انیف کو چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا' اور حکم دیا کہ مدینہ کے باہر قیام کرنا' جب تک میرا دوسرا حکم نہ پہنچے مدینہ میں ہرگز داخل نہ ہونا' مدینہ میں حرث بن حاطب بن معمر جمحی سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے حاکم و عامل مقرر تھے' عروہ کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر حرث مدینہ سے چل دیئے' عروہ ایک مہینہ تک مدینہ کے باہر مقیم رہا' اور بلا کسی چھیڑ چھاڑ کے عبدالملک کے حکم کے موافق دمشق کو واپس گیا' اور حرث پھر مدینہ میں واپس چلے گئے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سلیمان بن خالد کو خیبر و فدک کا عامل مقرر فرما کر روانہ کیا تھا' عبدالملک نے حرث بن حکم کو چار ہزار فوج دے کر روانہ کیا کہ حجاز پر تصرف کرتا ہوا چلا جائے' اس نے وادی القریٰ میں پہنچ کر مقام کیا اور وہاں سے ابن قمقام کو ایک دستہ فوج کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ کیا' کہ سلیمان پر شب خون مارو' سلیمان گرفتار ہو کر مقتول ہوا' اور ابن قمقام نے خیبر میں قیام کیا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حجاز پر حملہ آوری کی خبر سن کر حرث بن حاطب کو مدینہ منورہ کی حکومت سے معزول کر کے جابر بن اسود بن عوف زہری کو مدینہ منورہ کا عامل مقرر فرمایا' جابر نے مدینہ منورہ پہنچ کر ابوبکر بن ابوقیس کو چھ سو آدمیوں کی جمعیت دے کر خیبر کی طرف روانہ کیا' ابن قمقام اور ابوبکر کی جنگ ہوئی' ابن قمقام شکست کھا کر بھاگا اور اس کی ہمراہی کچھ میدان جنگ میں مارے گئے' کچھ فرار ہو کر اپنی جان سلامت لے گئے۔

عبدالملک بن مروان کو یہ خبر پہنچی' تو اس نے طارق بن عمر کو حجاز کی مہم کا افسر بنا کر روانہ کیا' اور

حکم دیا کہ وادی القریٰ اور ایلہ کے درمیان قیام کر کے جہاں تک ممکن ہو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے عاملوں کو تصرف سے روکو اور حجازیوں میں ہمارے خلاف جو تحریک پیدا ہو اس کو کامیاب ہونے سے پہلے مٹانے کی کوشش کرو' طارق نے عبدالملک کے حکم کے موافق حجاز میں پہنچ کر قیام کیا اور ایک زبردست دستہ فوج خیبر کی طرف روانہ کیا وہاں جنگ ہوئی اور ابوبکر بن ابوقیس معہ دوسو ہمراہیوں کے میدان جنگ میں مقتول ہوا' طارق نے خیبر میں جا کر قیام کیا' جابر بن اسود نے یہ خبر سن کر مدینہ منورہ سے دو ہزار آدمیوں کا لشکر طارق سے لڑنے کے لیے خیبر کی طرف روانہ کیا' خیبر کے قریب دونوں لشکروں میں سخت لڑائی ہوئی' طارق نے فتح پائی اور میدان جنگ کے قیدیوں اور زخمیوں کو قتل ڈالا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جابر بن اسود کو مدینہ منورہ کی حکومت سے معزول کر کے ۷۰ ہجری میں طلحہ بن عبداللہ بن عوف معروف بہ طلحہ النداء کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا' اس کے بعد خیبر کا علاقہ عبدالملک بن مروان کی حکومت میں شامل رہا اور طلحہ بن عبداللہ مدینہ منورہ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر کی طرف سے مدینہ میں حکومت کرتا رہا' دو برس تک طرفین میں کوئی قابل تذکرہ معرکہ آرائی نہیں ہوئی' اور عبدالملک کی توجہ عراق وایران کی طرف مبذول رہی۔

محاصرہ مکہ

عبدالملک بن مروان نے سرداران شام کو مکہ معظمہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرنا چاہا مگر سب نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ پر جانے اور خانہ کعبہ کو رزم گاہ بنانے سے انکار کیا' عبدالملک دمشق سے کوفہ گیا' وہاں اس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو اس کام پر آمادہ کیا' حجاج تین ہزار آدمیوں کو ہمراہ لے کر جمادی الاول ۷۲ھ میں کوفہ سے روانہ ہوا' اور مدینہ منورہ کو چھوڑتا ہوا عبدالملک کی ہدایت کے موافق طائف میں پہنچ کر قیام کیا' یہاں سے وہ اپنے سواروں کو عرفہ کی طرف روزانہ روانہ کرتا اور وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سواروں سے لڑ بھڑ کر واپس آ جاتے' کئی مہینے اسی حالت میں گذر گئے' تو حجاج نے عبدالملک کو لکھا' کہ میری امداد کے لیے کچھ فوج بھیجی جائے۔ نیز مجھ کو اجازت دی جائے کہ آگے بڑھ کر مکہ کا محاصرہ کرلوں۔

عبدالملک نے حجاج کی درخواست کو منظور کر کے پانچ ہزار آدمی اس کی امداد کے لیے اور روانہ کر دیئے' اور طارق کو لکھا' کہ مدینہ منورہ پر حملہ کرو اور مدینہ سے فارغ ہو کر مکہ کی طرف جاؤ اور حجاج کی مدد کرو' حجاج نے بماہ رمضان المبارک مکہ معظمہ کا محاصرہ کرلیا اور کوہ ابوقبیس پر منجنیق لگا کر سنگ باری شروع کر دی' اہل مکہ کے لیے یہ رمضان کا مہینہ اس سنگ باری کے عالم میں بڑی مصیبت کا مہینہ تھا'

لوگ محاصرہ کی شدت سے تنگ آ کر مکہ سے نکل نکل کر بھاگنا شروع ہوئے' رمضان و شوال کے بعد ذیقعدہ کا مہینہ بھی آ گیا اور اہل مکہ کی مصیبت اور محاصرہ کی شدت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روزانہ مقابلہ پر جاتے اور محاصرین کو پسپا کرنے کی کوششیں عمل میں لاتے' لیکن روزانہ ان کے ساتھیوں کی تعداد کم ہو رہی تھی' اس لیے ان کی تدابیر کوئی ایسا نتیجہ پیدا نہ کر سکیں' جس سے کامیابی کی امید ہوتی۔

اہل مکہ ایک طرف مکہ سے باہر نکلے چلے جا رہے تھے' دوسری طرف سامان خورد و نوش کی نایابی و گرانی نے محصورین کے حوصلوں کو پست کر رکھا تھا' ماہ ذیقعدہ ۷۲ھ میں طارق نے مدینہ منورہ سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عامل طلحہ النداء کو نکال دیا' اور ایک شامی کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے خود مکہ معظمہ کی طرف پانچ ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہوا' اس زبردست امداد کے پہنچنے پر حجاج کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی' اور اہل مکہ کی رہی سہی امیدیں بھی منقطع ہو گئیں' اسی حالت میں ماہ ذی الحجہ شروع ہو گیا' اور دور دور سے لوگ حج کے لیے آنا شروع ہوئے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حجاج کو حج کرنے کی اجازت دے دی تھی مگر اس نے نہ طواف کیا' نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے میدان عرفات میں جانا چاہا تو حجاج نے روک دیا چنانچہ انہوں نے مکہ ہی میں قربانی کی' میدان عرفات میں کوئی امام نہ تھا' غرض اس سال لوگ ارکان حج ادا نہ کر سکے' ایام حج میں بھی حجاج نے سنگ باری کو بند نہ کیا' اس لیے خانہ کعبہ کا طواف بھی خطرے سے خالی نہ تھا' حاجیوں کی آمد سے مکہ میں قحط اور بھی زیادہ بڑھ گیا' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس سال حج کے لیے تشریف لائے تھے' انہوں نے یہ حالت دیکھ کر حجاج کے پاس پیغام بھیجا'' کہ بندہ اللہ تعالیٰ اتنا تو خیال کر' کہ دور دور سے لوگ حج کے لیے آئے ہوئے ہیں ان کو طواف کرنے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا تو موقع مل جائے' اس سنگ باری کو حج کے ختم ہونے تک بند کرا دے''۔ اس پیغام کا یہ اثر ہوا' کہ حجاج نے سنگ باری بند کرا دی' مگر خود طواف نہیں کیا' اور نہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو میدان عرفات میں جانے دیا' ایام حج کے گذرتے ہی حجاج کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ باہر سے آئے ہوئے تمام اشخاص فوراً اپنے اپنے شہروں کو روانہ ہو جائیں' کیوں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما پر سنگ باری شروع ہونے والی ہے' اس آواز کو سنتے ہی لوگوں کے قافلے روانہ ہو گئے' اور ساتھ ہی بچے ہوئے مکہ والوں میں سے بھی بہت سے لوگ اپنی اپنی جان بچا کر نکل گئے۔

حجاج نے پھر سنگ باری شروع کر دی ایک بڑا پتھر خانہ کعبہ کی چھت پر آ کر گرا اور چھت ٹوٹ کر گری' اس پتھر کے آتے ہی آسمان سے ایک سخت کڑک کی آواز آئی' بجلی چمکی اور زمین و آسمان پر

تاریکی چھا گئی' حجاج کی فوج کے لوگ ڈر گئے اور پتھر پھینکنے بند کر دیئے' حجاج نے لوگوں کو تسلی و تشفی دی اور کہا کہ یہ بجلی اور یہ کڑک میری امداد کے لیے آئی ہے اور یہ میری فتح کا نشان ہے' تم لوگ مطلق خوف وہراس کو اپنے دلوں میں راہ نہ دو۔

دو روز تک تاریکی چھائی رہی اور کڑک کی آواز کے خوف سے کئی آدمی حجاج کی فوج کے مر گئے' حجاج کی فوج میں بڑی تشویش پھیلی ہوئی تھی' اتفاقاً اگلے روز پھر بجلی گری اور دو آدمی سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی فوج کے بھی اس کے صدمے سے فوت ہو گئے' اس سے حجاج کو بڑی خوشی ہوئی' اور اس کے لشکر والوں کو بھی کچھ اطمینان ہوا' حجاج نے خود اپنے ہاتھ سے منجنیق پر پتھر رکھ رکھ کر پھینکنے شروع کئے اس کے بعد تمام لشکر کا خوف جاتا رہا' اور زور شور سے سنگ باری شروع ہو گئی۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے تھے اور بڑے بڑے پتھر ان کے ارد گرد آ آ کر گرتے تھے' لیکن ان کی توجہ الی اللہ اور نماز کے خشوع وخضوع میں رتی برابر فرق نہیں آتا تھا۔

یہ محاصرہ اسی شدت سے برابر جاری رہا' مکہ معظمہ میں باہر سے کسی قسم کی امداد و سامان رسد نہیں پہنچ سکتا تھا' نوبت یہاں تک پہنچی' کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنا گھوڑا ذبح کر کے لوگوں میں تقسیم کر دیا' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس غلہ اور کھجوروں کا ایک ذخیرہ موجود تھا' وہ اس ذخیرہ میں سے صرف اس قدر لوگوں کو تقسیم کرتے تھے' جس سے حیات باقی رہے' مدعا ان کا یہ تھا' کہ ہم دیر تک محاصرین کے مقابلہ پر قائم رہ سکیں۔

حجاج نے جب یہ دیکھا کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی ہے' تو اس نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہمراہیوں کے پاس امان نامے لکھ لکھ کر بھیجنے شروع کر دیئے' یہ امان نامہ والی تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور بہت سے آدمی سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر حجاج کے پاس چلے آئے بہت ہی تھوڑے سے آدمی سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس رہ گئے' حتیٰ کہ ان کے دو لڑکے حمزہ وحبیب بھی باپ کو چھوڑ کر حجاج کے پاس آ گئے' تیسرا لڑکا باپ کے ساتھ رہا اور آخر وقت تک داد مردانگی دیتا رہا' حتیٰ کہ عین معرکہ کارزار میں کام آیا۔

جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس سے ہزاروں آدمی حجاج کے پاس آ گئے' اور معدودے چند شخص باقی رہ گئے تو حجاج نے اپنے لشکر کو ایک جگہ جمع کر کے اس طرح تقریر کی کہ:

''تم لوگ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا اندازہ کر چکے ہو' ان کے ہمراہی اس قدر تھوڑے ہیں' کہ اگر تم میں سے ہر شخص ان پر ایک ایک مٹھی کنکریاں پھینکے تو وہ سب کے سب مر جائیں' پھر لطف یہ کہ وہ بھوکے پیاسے ہیں' اے شامی دکوفی دلاورو بڑھو' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما چند ساعت کا مہمان ہے''۔

اس تقریر سے پیشتر حجاج عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک خط بھیج چکا تھا' اس میں لکھا تھا کہ "اب آپ کے پاس کوئی طاقت نہیں رہی' آپ ہر طرح مجبور ہو چکے ہیں' بہتر یہی ہے' کہ آپ ہماری امان میں آ جائیں' اور امیر المومنین عبدالملک کی بیعت اختیار کر لیں' آپ کے ساتھ انتہائی عزت و تکریم کا برتاؤ کیا جائے گا اور آپ کی ہر ایک خواہش پوری کر دی جائے گی' مجھ کو امیر المومنین نے یہی حکم دیا ہے' کہ میں جہاں تک ممکن ہو آپ کو صلح و آشتی کی طرف متوجہ کروں' اور آپ کے قتل میں حتی الامکان عجلت سے کام نہ لوں۔

شہادت ابن زبیر رضی اللہ عنہما

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس خط کو پڑھ کر اپنی ماں سیدنا اسماء بنت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ:

"میرے پاس اب کوئی آدمی نہیں رہا' برائے نام صرف پانچ آدمی باقی ہیں جو میرا ساتھ دینے پر بظاہر اب تک آمادہ ہیں' لوگوں نے میرے ساتھ اسی طرح دھوکے کا برتاؤ کیا' جیسا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا تھا' لیکن ان کے بیٹے جب تک زندہ رہے باپ کے سامنے تلوار لے کر دشمنوں سے لڑتے رہے' میرے تو بیٹے بھی اس فاسق کی امان میں چلے گئے' اب حجاج کہتا ہے' کہ تم بھی امان میں آ جاؤ' اور جو کچھ مانگو ہم دینے کو تیار ہیں' پس میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں"۔

سیدنا اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ:

"تم اپنے معاملے کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو' اگر تم حق پر ہو' اور حق کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو' تو اس کام میں برابر مصروف رہو' تمہارے ساتھی بھی راہ حق میں شہید ہوئے' اور تم بھی اسی راہ پر گامزن رہ کر شہادت حاصل کرو' اگر تم نے دنیا حاصل کرنے کا قصد کیا تھا' تو تم بہت ہی نالائق آدمی ہو' تم خود بھی ہلاکت میں پڑے' اور تم نے اپنے ہمراہیوں کو بھی ہلاکت میں ڈالا' میری رائے یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو بنو امیہ کے حوالے نہ کرو' موت اپنے وقت پر ضرور آ جائے گی' تم کو مردوں کی طرح جینا اور مردوں کی طرح مرنا چاہیئے' تمہارا یہ کہنا کہ میں حق پر تھا' اور لوگوں نے مجھ کو دھوکہ دے کر کمزور کر دیا ایک ایسی شکایت ہے جو نیک آدمیوں کی زبان پر نہیں آیا کرتی"۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ:

''مجھ کو اس بات کا خوف ہے کہ وہ لوگ قتل کرنے کے بعد مجھ کو مثلہ کریں گے اور صلیب پر لٹکائیں گے''۔

سیدنا اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ:

''بیٹا بکری جب ذبح کر ڈالی گئی' تو اسے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے کہ اس کی کھال کھینچی جاتی ہے' تم جو کچھ کر رہے ہو بصیرت کے ساتھ کیے جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرتے رہو''۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ماں کے سر کا بوسہ لیا اور عرض کیا کہ:

''میری بھی یہی رائے تھی جو اپنی رائے آپ نے ظاہر فرمائی' مجھ کو دنیا کی خواہش اور حکومت کی تمنا بالکل نہ تھی' میں نے اس کام کو صرف اس لیے اختیار کیا تھا' کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی نہیں کی جاتی تھی اور ممنوعات سے لوگ بچتے نہ تھے' جب تک میرے دم میں دم ہے میں حق کے لیے لڑتا رہوں گا' میں نے آپ سے مشورہ لینا ضروری سمجھا اور آپ کی باتوں نے میری وصیت کو بہت کچھ بڑھا دیا' اور اماں جان میں آج ضرور مارا جاؤں گا' تم زیادہ مغموم نہ ہونا' تم مجھ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو' میں نے کبھی ناجائز کام کا قصد نہیں کیا' اور نہ کسی سے بدعہدی کی' نہ کسی پر ظلم کیا' نہ ظالم کا معاون بنا' حتی الامکان اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا' الٰہی میں نے یہ باتیں فخر کی راہ سے نہیں کہیں' بلکہ صرف اس لیے کہ میری ماں کو تسکین خاطر حاصل ہو''۔

سیدنا اسماء رضی اللہ عنہا بولیں:

''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کا اجر عطا فرمائے گا' تم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دشمنوں پر حملہ کرو''۔

بیٹے کو رخصت کرتے وقت سیدنا اسماء رضی اللہ عنہا نے گلے سے لگایا' تو ہاتھ زرہ پر پڑا' پوچھا تم نے یہ زرہ کس ارادہ سے پہن رکھی ہے' کہا صرف اطمینان و مضبوطی کی غرض سے' اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا اس کو اتار دو' اور معمولی کپڑے پہنے ہوئے دشمنوں سے لڑو' سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے وہیں زرہ اتار کر پھینک دی' قمیص کے دامن اٹھا کر کمر سے باندھے' دونوں آستینیں چڑھائیں اور گھر سے باہر نکل آئے' اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ:

''اے آل زبیر رضی اللہ عنہم تم تلوار کی جھنکار سے خوف زدہ نہ ہونا' کیوں کہ زخم میں دوا لگانے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے بمقابلہ اس تکلیف کے جو زخم پیدا ہونے سے ہوتی ہے' تم لوگ اپنی اپنی تلواریں تول لو' جس طرح اپنے چہرے کو بچاتے ہو' اسی طرح ان کو بھی خون ناحق سے بچاؤ' اپنی آنکھیں نیچی کر لو کہ تلواروں کی چمک سے چکا چوند نہ ہو جائیں' ہر شخص اپنے مقابل پر حملہ آور ہو' تم مجھے

ڈھونڈتے نہ پھرنا' اور اگر میری تلاش ہی ہو تو میں سب سے آگے دشمنوں سے لڑتا ہوا ملوں گا''۔

یہ کہہ کر شامیوں پر ایک سخت حملہ کیا' صفوں کو چیرتے لوگوں کو مارتے اور گراتے ہوئے شامیوں کی پچھلی صفوں تک پہنچ گئے' اور پھر اسی طرح لشکر شام کے سمندر میں تیرتے ہوئے واپس آ گئے' حجاج ہر چند لوگوں کو ترغیب دے رہا تھا' مگر کوئی شخص سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابل ہونے کی جرات نہ کرتا تھا' آخر حجاج نے خود پیدل فوج لے کر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے علم بردار کو گھیر لیا' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فوراً حملہ کر کے اپنے علمبردار کو دشمنوں کے نرغہ سے نکالا اور دشمنوں کو پیچھے ہٹا دیا' واپس آ کر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی' حجاج نے پھر حملہ کیا اور باب بنو شیبہ پر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا علم بردار مارا گیا' مسجد حرام کے کل دروازوں پر شامی ڈٹے ہوئے تھے' مکہ معظمہ کی بھی انہوں نے ناکہ بندی کر لی تھی' حجاج و طارق نے ابطح کی جانب مروہ تک گھیر لیا تھا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کبھی ایک طرف کبھی دوسری طرف حملہ کر رہے تھے' نماز سے فارغ ہو کر پھر لڑنے لگے' باب صفا کی طرف آپ نے حملہ کیا' اور شامیوں کو ہٹاتے ہوئے دور تک لے گئے' کوہ صفا کے اوپر سے ایک شخص نے تیر مارا' پیشانی پر لگا' خون بہنے لگا' آپ اسی حالت میں برابر لڑتے رہے' غرض آپ نے اور آپ کے ہمرائیوں نے صبح سے بعد ظہر تک شامیوں کے قتل کرنے میں وہ چابک دستی اور حیرت انگیز شجاعت دکھائی کہ چشم فلک نے آج تک نہ دیکھی تھی' آخر ایک ایک کر کے تمام ہمراہی کام آئے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر دشمنوں نے چاروں طرف سے پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کر دی حالانکہ نیزے اور تلواریں اس سے پیشتر اپنی اپنی کاٹ دکھا چکے تھے۔

بالآخر یوم سہ شنبہ ماہ جمادی الثانی ۷۳ھ کو یہ دنیا کا عظیم الشان بہادر و متقی انسان شہید ہوا' بہادری و شجاعت زہد و عبادت اور ہمت و شرافت وغیرہ کے سوا کوئی انسان اس میدان میں ان کی لاش پر کف افسوس ملنے والا نہ تھا' لشکر شام نے اس مردہ شیر ببر کا سر کاٹنے میں بڑی عجلت و چابک دستی سے کام لیا' حجاج کے سامنے لے گئے' تو اسی وقت اس نے سجدہ شکر ادا کیا' اور لشکر سے نعرہ تکبیر بلند ہوا' لاش اسی جگہ یعنی مقام حجون میں دار پر لٹکا دی گئی اور سر عبدالملک کے پاس بھیجا گیا' ایک دوسری روایت کے موافق سر عبدالملک کے پاس نہیں بھیجا گیا' بلکہ خانہ کعبہ کی دیوار یا پرنالہ پر لٹکا دیا گیا۔

سیدنا اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے لاش کے دفن کرنے کی اجازت چاہی' مگر ان کو حجاج نے اس کی اجازت نہ دی' عبدالملک کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے حجاج کو ملامت کی اور لاش کو دفن کرنے کی اجازت دی' چند روز کے بعد سیدنا اسماء رضی اللہ عنہما کا بھی انتقال ہو گیا۔

حجاج شہادت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے بعد خانہ کعبہ میں داخل ہوا، پتھروں کی بڑی کثرت تھی جو باہر سے خانہ کعبہ پر پھینکے گئے تھے، فرش مبارک پر خون کے جابجا نشانات تھے، پتھروں کو اٹھوایا، اور خون کو دھلوایا، اہل مکہ سے خلافت عبدالملک کی بیعت لی، اس کے بعد مدینہ منورہ کو واپس ہوا، وہاں دو مہینے تک ٹھہرا رہا، وہاں تمام اہل مدینہ کو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قاتل سمجھ کر سختیاں شروع کیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت آزار پہنچائے، وہاں سے پھر مکہ معظمہ کی جانب آیا، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو ڈھا کر پھر از سر نو خانہ کعبہ کی تعمیر کی، عبدالملک بن مروان نے حجاج کو ملک حجاز کا گورنر مقرر کیا اور اس نے طارق کی جگہ مدینہ منورہ میں رہنا شروع کیا۔

خلافت ابن زبیر رضی اللہ عنہما پر ایک نظر

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا بیٹا یزید اس بات کا مستحق نہ تھا کہ مسلمانوں کا خلیفہ بنایا جائے، کیوں کہ اس کے سوا بہت سے لوگ مسلمانوں میں ایسے موجود تھے جو یزید سے زیادہ حکومت و خلافت کی قابلیت رکھتے تھے، ان ہی میں ایک سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے، یزید کی عملی زندگی بہت ہی قابل اعتراض تھی اور اسی لیے بعض حضرات نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد اگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے، تو بہت زیادہ ممکن تھا، کہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ یا شہنشاہ تسلیم کر لیے جاتے، یزید کے مقابلہ میں اگر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدعی خلافت بن کر کھڑے ہوتے تو نہ صرف تمام دوسرے طبقات اہل اسلام ان کے شریک ہوتے، بلکہ خود بنی امیہ میں سے بھی ایک بڑی جماعت ان کی حمایت میں سرگرم نظر آتی، مگر انہوں نے کبھی اس طرف توجہ ہی نہ کی، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے خود خلافت کے حصول کی بہت کوشش کی مگر ان کو کوفہ والوں نے دھوکہ دیا، مکہ و مدینہ کے لوگوں کا مشورہ انہوں نے قبول نہ کیا اور اہل حجاز ان کی کوئی امداد نہ کر سکے، اب ان کے بعد سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بہتر کوئی شخص نہ تھا، جو مستحق خلافت ہو۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے صحیح خلافت ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تمام عالم اسلام میں لوگوں نے اپنی آزاد مرضی سے ان کو خلیفہ تسلیم کیا اور جہاں جہاں لوگوں کو آزادی حاصل تھی، کسی نے بھی ان کی خلافت سے انکار نہیں کیا، ہاں بنو امیہ جو خلافت کے معاملہ میں ان کے رقیب تھے ان کی مخالفت پر آمادہ ہوئے، اور شام و فلسطین و مصر وغیرہ میں جبر و قہر کے ساتھ انہوں نے اپنی حکومت دوبارہ قائم کی اور پھر اسی جبر و قہر کے ساتھ وہ تمام عالم اسلامی پر اپنی حکومت قائم کر سکے، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے بالمقابل مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان کی حکومت کو

باغیوں کی حکومت کہا جا سکتا ہے' پس عبدالملک بن مروان کی حکومت کا وہ زمانہ جو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد شروع ہوتا ہے اس کو باقاعدہ حکومت اور جائز خلافت سمجھنا چاہیئے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنے عہد حکومت میں کوئی ایسا موقع نہیں ملا کہ وہ لڑائیوں اور چڑھائیوں کی فکر سے مطمئن بیٹھے ہوں' اس لیے اگر ان کے عہد حکومت میں جدید فتوحات اور اندرونی اصلاحیں ہم کو نظر نہ آئیں' تو کوئی تعجب کا مقام نہیں' وہ بہت بڑے سپہ سالار اور جنگی شہ سوار تھے' ساتھ ہی وہ بڑے مدبر اور حکمران بھی تھے' یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ ان کے حریفوں کی تدبیریں ان کے خلاف کامیاب ثابت ہوئیں اور ان کو جام شہادت نوش کرنا پڑا' ان کی زندگی کا عملی نمونہ زہد و عبادت کے اعتبار سے بہت ہی قابل تعریف تھا۔

بنوامیہ کے خلفاء میں یہ بات خصوصیت سے نمایاں تھی کہ وہ اپنی خلافت و حکومت کے قیام و استحکام کے لیے روپیہ سے خوب کام لینا جانتے تھے' وہ روپیہ کے حاصل کرنے میں بھی خوب مستعد تھے اور اس روپیہ کو اپنے حصول مقصد کے لیے خرچ بھی خوب سلیقہ کے ساتھ کرتے تھے' اگر لوگوں میں روپیہ کی محبت پیدا نہ ہو گئی ہوتی' تو وہ ہرگز کامیاب نہ ہو سکتے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو ان کے مقابلے میں ہرگز ناکامی حاصل نہ ہوتی' سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اگر عبدالملک بن مروان کی طرح بیت المال کو اپنے دوستوں اور مددگاروں کے لیے وقف کر دیتے اور کمزوروں کا لحاظ نہ کرتے' تو ان کے گرد بھی بہت سے شمشیر زن جمع ہو جاتے اور بنوامیہ کو نیچا دیکھنا پڑتا لیکن سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس خلاف تقویٰ راہ عمل کو ہمیشہ ناپسند کیا' اور ان کے لیے یہی موزوں بھی تھا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں مختار بن ابی عبیدہ کا کوفہ میں قتل ہونا ایک بڑا کارنامہ تھا' فارس کے فتنہ خوارج کو بھی انہوں نے خوب دبایا اور حتی الامکان ان کو سر نہیں اٹھانے دیا' اگر بنوامیہ کے ساتھ اندرونی معرکہ آرائی اور زور آزمائی جاری نہ ہوتی تو وہ بہترین خلیفہ ثابت ہوتے اور شریعت اسلام کو دنیا میں بہت رواج دیتے' ان کی شہادت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حکومت و فرماں روائی کا زمانہ ختم ہو گیا وہ سب سے آخری صحابی تھے جنہوں نے ملکوں پر حکومت کی' ان کی زاہدانہ و عابدانہ زندگی ایک مشعل راہ اور نجم ہدایت تھی' وہی ایک ایسے خلیفہ تھے جن کا دارالخلافہ مکہ معظمہ تھا' نہ ان سے پہلے مکہ معظمہ کبھی دارالخلافہ بنا' نہ ان کے بعد آج تک کسی نے مکہ معظمہ کو دارالخلافہ بنایا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے بھائی سیدنا مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے باپ سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی بہادریوں کے کارنامے پڑھ کر اور ان کی والدہ سیدنا اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

شجاعت' وحوصلہ مندی دیکھ کر انسان کا دل مرعوب ہو جاتا اور دنیا کے شجاعت پیشہ لوگوں کو بے اختیار اس بہادر خاندان کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے' خاک وخون میں لوٹنا' حمایت حق میں سینے پر برچھیوں اور تیروں کے زخم کھا کر آگے بڑھنا' اور دشمنان حق کو تہ تیغ کرنا' جیسے دشوار اور مشکل کام ہے' اس سے زیادہ مزے دار اور خوش گوار بھی ہے۔ قلب کی قوت' ارادے کی پختگی' اور ہمت وحوصلہ کی بلندی کے اظہار کا موقع تلواروں کی چمک' برچھیوں کی انی اور تیروں کی بارش ہی میں سب سے بہتر میسر آ سکتا ہے۔

ہمارا زمانہ بھی کیسا منحوس وقت ہے کہ صفحات تاریخ میں مومنوں کی بہادری اور بہادروں کی جاں فروشی کے افسانے تھوڑی دیر کے لیے ہماری رگوں میں خون کے دوران کو بڑھا دیتے ہیں لیکن ہم اپنی آنکھوں سے کوئی ایسا میدان نہیں دیکھ سکتے' جہاں سر تلواروں سے کٹ کٹ کر گر رہے ہوں' نیزے سینوں کو چھید چھید کر پار نکل رہے ہوں' گردنوں سے خون کے فوارے نکل رہے ہوں' لاشیں خون کی کیچڑ میں تڑپ رہی ہوں' گھوڑوں کی ٹاپوں میں کچل کچل کر لاشوں کے قیمے بن رہے ہوں' کٹے ہوئے سر فٹ بال کی طرح گھوڑوں کی ٹھوکروں سے ادھر ادھر لڑھک رہے ہوں' گرد وغبار میں آفتاب چھپ گیا ہو' تکبیر کے نعرے بلند ہو رہے ہوں' مردان با اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حقیقی کا بول بالا کرنے کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اس خوش فضا نظارے کا احاطہ کر لیا ہو۔

یہ مسرت افزاء اور دل فریب نظارے طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ' خالد رضی اللہ عنہ و ضرار رضی اللہ عنہ' شرجیل رضی اللہ عنہ و عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ' حسین بن علی رضی اللہ عنہما' وعبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما طارق بن زیاد' محمد بن قاسم' محمد خاں ثانی' سلیمان اعظم' صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ' ونور الدین زنگی' محمود غزنوی' وشہاب الدین غوری کے حصے میں آئے تھے ہم ضعیف الایمان و بزدل لوگوں کی ایسی قسمت کہاں تھی' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تلواروں' نیزوں اور تیروں کو بے کار کر کے ان کی جگہ توپوں' بندوقوں اور ہوائی جہازوں کو دنیا میں بھیج دیا ہے' کیوں کہ قلب کی قوت' ارادے کی پختگی' ہمت وحوصلے کی بلندی' یعنی ایمان کامل کے اظہار کا مظہر جس خوبی سے تلوار کی دھار بن سکتی تھی' بارود کا شعلہ نہیں بن سکتا تھا۔

سرزمین کوفہ

اب تک جس قدر حالات بیان ہو چکے ہیں' ان سب کے مطالعہ سے کوفہ اور اہل کوفہ کی نسبت قلب میں عجیب عجیب قسم کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں اور کوفہ روئے زمین کی ایک عجیب بستی نظر

آنے لگتی ہے' عبداللہ بن سبا اور ہر ایک سازشی گروہ کو کوفہ میں کامیابی حاصل ہوئی' اہل کوفہ ہی سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل میں پیش پیش تھے' اہل کوفہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ فدائی و شیدائی نظر آتے تھے۔ پھر اہل کوفہ ہی نے سب سے زیادہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پریشان کیا' اور وہی ان کی بہت سی ناکامیوں کا باعث بنے۔ اہل کوفہ ہی نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو آزار پہنچایا' پھر اہل کوفہ ہی خون علی رضی اللہ عنہ کے مطالبہ اور خلافت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے آمادہ ہوئے' آخر اہل کوفہ ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث بنے اور انہوں نے بڑی بے دردی سے کربلا کے میدان میں ان کو قتل کرایا۔

اس کے بعد اہل کوفہ ہی نے خون حسین رضی اللہ عنہ کا معاوضہ لینے پر سب سے بڑھ کر آمادگی و استادگی اختیار کی اور حیرت انگیز طور پر اپنی محبت کا ثبوت پیش کیا' پھر اہل کوفہ ہی تھے جنہوں نے اہل بیت کے سب سے بڑے حامی مختار بن عبید کے خلاف کوشش کی اور مصعب بن زبیر کو کوفہ پر حملہ آور کروا کر مختار کو قتل کرایا' اس کے بعد اہل کوفہ ہی تھے جو مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کا باعث ہوئے۔

اہل کوفہ نے اپنی انتہائی شجاعت اور حیرت انگیز بہادریوں کے نمونے بھی دکھائے' اور ساتھ ہی ان کی انتہائی بزدلی و نامردی کے واقعات بھی ہم مطالعہ کر چکے ہیں' کبھی انہوں نے اپنے آپ کو نہایت بے جگری کے ساتھ قتل کرایا' اور کوفہ کے حاکموں کی علی الاعلان مخالفت کی لیکن کبھی اس طرح مرعوب و خوفزدہ ہوئے کہ عبیداللہ بن زیاد وغیرہ امرائے کوفہ کے ہر ایک جابرانہ حکم کی تعمیل بلا چون و چرا کرنے لگے۔

اس قسم کی متضاد کیفیت و حالات دریافت کرنے کے لیے ہم کو کوفہ کے باشندوں کی حالت و حقیقت سے آگاہ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ ان لوگوں کی چھاؤنی بنائی گئی تھی' جو مجوسی سلطنت کے مقابلہ میں برسر پیکار تھے' اس فوج میں ایک حصہ ان لوگوں کا تھا جو حجاز و یمن' اور حضرموت وغیرہ صوبوں کے رہنے والے تھے' یہ لوگ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اعلان عام پر مدینہ منورہ میں آ کر جمع ہوئے' اور ان کے حکم کے موافق عراق کی طرف بھیج دیئے گئے تھے۔

کچھ لوگ ایسے تھے' جو عرب کے ان صوبوں کے باشندے تھے جو عراق کی سرحد پر واقع اور بمقابلہ مدینہ کے کوفہ یا بصرہ سے قریب تر تھے' یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر مسلمان ہو ہو کر اسلامی لشکر میں شریک ہو گئے تھے' اور مدینہ منورہ سے کوئی خصوصی تعلق ان کو حاصل نہ ہو سکا تھا' نہ انہوں نے کبھی مدینہ دیکھا تھا۔

کچھ لوگ ایسے تھے کہ ان کی زبان تو عربی تھی' مگر وہ مجوسی سلطنت کی رعایا تھے' اور اب مسلمان ہو کر اور مسلمانوں کے طرز حکومت کو بہتر پا کر دل سے مسلمانوں کے حامی ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے

ساتھ مل کر ایرانیوں سے لڑتے تھے۔

کچھ وہ سردار تھے جو مدینہ کے رہنے والے مہاجرین وانصار میں سے تھے۔

جب اس لشکر کی چھاؤنی کوفہ قرار پائی' اور خلیفہ وقت کا نائب اور عراقی لشکر کا سپہ سالار کوفہ میں رہنے لگا' تو ایرانی شہروں کے بہت سے شہریوں کو ان کی ضرورتوں نے دارالصدور کوفہ سے تعلقات قائم رکھنے پر مجبور کیا' اور ایرانیوں کی بھی ایک جماعت کوفہ میں رہنے لگی۔

عرب کے ریگستانوں کی زاہدانہ زندگی کے مقابلے میں کسریٰ ونوشیروان وکیکاؤس و کے خسرو کے ملکوں کو فتح کرنے والے لشکریوں کی فاتحانہ وحاکمانہ زندگی جو کوفہ میں بسر ہوئی تھی' یقیناً بہت خوش گوار ہوگی' مال غنیمت کی فراوانی بھی ضرور محرک ہوئی ہوگی' لہٰذا اس عطر مجموعہ لشکر کا اکثر و بیشتر حصہ کوفہ ہی میں زمین گیر ہو کر رہ گیا' اور کوفہ نہ صرف ایک فوجی چھاؤنی اور عارضی قرار گاہ رہا' بلکہ بہت جلد ایک عظیم الشان شہر بن گیا' اور بالآخر اس نے دارالسلطنت اور دارالخلافہ کی صورت اختیار کر لی' اس شہر کی آبادی میں چوں کہ فوجیوں کا بڑا عنصر شامل تھا اور علم وتعلم' درس وتدریس اور تہذیب اخلاق وتہذیب نفس کے سامان بہت ہی کم تھے' لہٰذا مجموعی طور پر شہر کا مزاج متلون اور اخلاقی حالت متغیر رہی' ظاہر ہے کہ ایسی بستی میں علوم ومعقولات اور فہم وتدبر کو تلاش نہیں کیا جا سکتا' لیکن جذبات سے خوب کام لیا جا سکتا ہے' چنانچہ اہل کوفہ ہمیشہ جذبات کے محکوم ومغلوب رہے اور انہوں نے جو کچھ کیا جذبات سے مغلوب ومتاثر ہی ہو کر کیا۔

یہی وجہ تھی' کہ جس شخص نے ان کو مشتعل کرنا چاہا' مشتعل کر دیا' جس شخص نے ان کو رضامند کرنا چاہا' وہ رضامند ہو گئے' جب کبھی ان کو ڈرایا گیا تو وہ ڈر گئے' جب کبھی ان کو کسی کا مخالف بنایا گیا' وہ فوراً مخالفت پر آمادہ ہو گئے' جب ان کو بہادر بنایا گیا وہ بہادر ہو گئے' جب ان کو بے وفائی پر آمادہ کیا گیا وہ بے وفا بن گئے' جب وفاداری یاد دلائی گئی تو وہ وفاداری کی شرائط پورے کرنے لگے۔

کوفہ کے اندر جذبات تھے' دماغ نہ تھا' جوش تھا' مگر عقل نہ تھی' خروش تھا مگر غور وفکر کا سکون نہ تھا' ایسی حالت میں کوفہ سے ان ہی باتوں کی توقع ہو سکتی تھی جو ظہور میں آئیں' جب چند نسلیں گذر گئیں' اور زمانے کے حوادث نے اس مختلف الاجزاء مجموعے کو کیمیاوی امتزاج سے ایک خاص مزاج دے دیا تو پھر کوفہ کی یہ متلون مزاجی بھی رفتہ رفتہ دور ہو گئی۔

عبدالملک بن مروان

عبدالملک بن مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی بن

کلاب ماہ رمضان المبارک ۲۳ھ میں پیدا ہوا' اس کی کنیت ابوالولید تھی' اور ابوالملوک کے نام سے بھی مشہور ہے' کیوں کہ اس کے کئی بیٹے یکے بعد دیگرے تخت سلطنت پر بیٹھے۔

یحییٰ عنانی کہتے ہیں' کہ عبدالملک اکثر ام الدرداء رضی اللہ عنہا صحابیہ کے پاس بیٹھا کرتا تھا' ایک مرتبہ انہوں نے پوچھا' کہ میں نے سنا ہے کہ تو عبادت گذار ہونے کے بعد شراب خور ہو گیا ہے' عبدالملک نے کہا کہ میں تو خوں خوار بھی ہو گیا ہوں۔

نافع کہتے ہیں' کہ مدینہ میں کوئی جوان عبدالملک کی مانند چست و چالاک اور قرآن و حدیث کا واقف اور عابد زاہد نہ تھا۔

ابوالزناد کہتے ہیں' کہ سعید بن المسیب' عبدالملک بن مروان' عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' اور قبیصہ بن زویب فقہائے مدینہ ہیں' عبادہ بن مثنیٰ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کے بعد ہم مسائل کس سے دریافت کریں' انہوں نے کہا کہ مروان کا بیٹا فقیہ ہے اس سے دریافت کرنا۔

ایک روز عبدالملک سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا' کہ یہ شخص ایک دن عرب کا بادشاہ ہو جائے گا۔

ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے بعد از خلافت ایک روز عبدالملک سے کہا' کہ میں پہلے ہی سمجھتی تھی کہ تو ایک روز بادشاہ ہو جائے گا' عبدالملک نے پوچھا کہ کس طرح' انہوں نے فرمایا' کہ میں نے تجھ سے بہتر نہ کوئی بات کرنے والا دیکھا' نہ بات سننے والا۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں جس شخص کی صحبت میں بیٹھا وہ میرے علم کا قائل ہو گیا' مگر میں عبدالملک کے علم و فضل کا قائل ہوں' میں نے اس سے جب کبھی کوئی حدیث بیان کی تو اس میں اس نے کچھ نہ کچھ ایزاد کر دیا' اور جب کبھی کوئی شعر پڑھا تو اس نے بھی اس کے ہم مضمون بہت سے اشعار پڑھ دیئے۔

ذہبی رحمۃ اللہ کہتے ہیں عبدالملک نے عثمان رضی اللہ عنہ' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' ابوسعید رضی اللہ عنہ' ام سلمہ رضی اللہ عنہا' ابن عمر رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی' اور اس سے عروہ' خالد بن سعدان' رجاء بن حیوۃ' زہری' یونس بن میسرہ' ربیعہ بن یزید' اسماعیل بن عبیداللہ' جریر بن عثمان وغیرہ نے روایت کی۔

یحییٰ غسانی کہتے ہیں کہ جب مسلم بن عقبہ (۶۳ھ میں یزید بن معاویہ کے حکم سے مدینہ پر حملہ کرنے والی فوج کا سپہ سالار) مدینہ میں پہنچا تو میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گیا اور عبدالملک کے پاس جا بیٹھا' اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تو بھی اس فوج میں ہے؟ میں نے کہا ہاں' عبدالملک نے کہا کہ تو نے ایسے شخص کے خلاف ہتھیار اٹھائے ہیں' جو ظہور اسلام کے بعد سب سے پہلے پیدا ہوا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے صحابی اور ذات النطاقین[1] کی اولاد ہے' جس کو رسول اللہ ﷺ نے تحنیک کی' اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں جب کبھی اس سے دن میں ملا ہوں تو اس کو روزہ دار پایا ہے' اور جب رات کو اسے دیکھا تو نماز ہی پڑھتے ہوئے دیکھا ہے' یاد رکھ جو اس سے مخالف ہو کر لڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو اوندھے منہ دوزخ میں گرائے گا۔

لیکن تعجب ہے کہ جب عبدالملک تخت پر بیٹھا تو اس نے حجاج کو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑنے کو بھیجا' اور اس نے ان کو قتل کر ڈالا۔

جریج کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد عبدالملک نے خطبہ پڑھا' اس میں حمد و ثنا کے بعد کہا کہ:

''میں نہ خلیفہ ضعیف یعنی عثمان رضی اللہ عنہ ہوں' نہ خلیفہ سست یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں' نہ خلیفہ ضعیف الرائے یعنی یزید ہوں' مجھ سے پہلے جو خلیفہ تھے' وہ اس مال سے کھاتے پیتے رہے ہیں' مجھ سے سوا تلوار کے اس کا علاج اور کچھ نہ ہوگا' چاہیے کہ تمہارے نیزے میری مدد کے لیے بلند ہو جائیں' تم مہاجرین کے اعمال سے' ہمیں تو مکلف کرتے ہو' اور خود ان کی مانند عمل نہیں کرتے' یاد رکھو میں تمہیں سخت عذاب سے ہلاک کروں گا اور تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی' تم ذرا دیکھتے جاؤ' میری تلواریں کیا حال کرتی ہیں' میں تمہاری تمام باتیں گوارا کر لوں گا مگر حاکم سے جنگ کرنا برداشت نہیں کر سکتا' میں ان کے تمام افعال ان کی گردنوں میں ڈال دوں گا' پھر چاہے کوئی خوف اللہ تعالیٰ سے ڈرایا کرے''۔

سب سے پہلے عبدالملک ہی نے کعبہ پر دیباج کے پردے ڈالے' عبدالملک سے کسی نے کہا کہ امیر المومنین آپ پر بڑھاپا بہت ہی جلد آ گیا' تو اس نے کہا کیسے نہ آتا' میں ہر جمعہ کو اپنی بہترین عقل لوگوں پر خرچ کرتا ہوں' عبدالملک سے کسی نے پوچھا' کہ آدمیوں میں سب سے بہتر کون ہے' اس نے کہا کہ جس شخص نے بلند رتبہ ہو کر تواضع کی' اور بحالت اختیار زہد کو ترجیح دی' اور بحالت قوت عدل و انصاف سے کام لیا۔

جب عبدالملک کے پاس باہر سے کوئی شخص آتا تو وہ اس سے کہا کرتا' کہ دیکھو چار باتوں کا لحاظ رکھنا' ایک تو جھوٹ نہ بولنا' کیوں کہ مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے' دوسرے جو کچھ میں پوچھوں اسی کا

---

[1] یعنی اسماء رضی اللہ عنہا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ خطاب تب دیا تھا جب نبی ﷺ ہجرت کے لیے مکہ سے نکل کر غار ثور میں فروکش ہوئے تھے اور اسماء رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ ﷺ اور جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں کے لیے کھانا لے کر غار ثور میں جاتی تھیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری' کتاب مناقب الانصار' حدیث ۳۹۰۵۔

جواب دینا' تیسرے میری مدح نہ کرنا' کیوں کہ میں اپنا حال خود ہی جانتا ہوں' چوتھے مجھ کو میری رعیت پر برانگیختہ و مشتعل نہ کرنا' کیوں کہ ان کو میری عنایات کی زیادہ ضرورت ہے۔

مدائنی کہتے ہیں' کہ جب عبدالملک کو اپنے مرنے کا یقین ہو گیا' تو اس نے کہا کہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں' اس وقت سے لے کر اب تک مجھے یہ آرزو ہے' کاش میں حمال ہوتا' پھر اپنے بیٹے ولید کو بلایا اور خوف اللہ تعالیٰ کی وصیت کی' آپس کی مخالفتوں سے منع کیا اور کہا کہ:

''لڑائی میں نہایت سرگرمی دکھانا' نیک کاموں میں ضرب المثل بننے کی کوشش کرنا' کیوں کہ لڑائی قبل از وقت موت کو نہیں بلاتی' نیک کام کا اجر ملتا ہے اور مصیبت میں اللہ مددگار ہوتا ہے' سختی میں نرمی اختیار کرنی چاہیئے' آپس میں رنجشیں نہ بڑھانا' کیوں کہ ایک تیر کو جو چاہے توڑ سکتا ہے اور جب بہت سے تیر جمع ہو جائیں تو کوئی نہیں توڑ سکتا' اے ولید میں جس معاملہ میں تجھے خلیفہ کرتا ہوں اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف کرنا' حجاج کا خیال رکھنا' اسی نے گویا تجھ کو خلافت تک پہنچایا ہے' اس کو اپنا داہنا بازو اور اپنی تلوار سمجھنا' وہ تجھ کو تیرے دشمنوں سے پناہ میں رکھے گا' اس کے حق میں کسی کا قول نہ سننا' اور یاد رکھنا کہ تجھ کو حجاج کی زیادہ ضرورت ہے اور حجاج کو تیری اتنی ضرورت نہیں' جب میں مر جاؤں تو لوگوں سے اپنی بیعت لے اور جو شخص انکار کرے اس کی گردن اڑا دے''۔

نزع کے وقت ولید اس کے پاس آیا اور رونے لگا' عبدالملک نے کہا کہ لڑکیوں کی طرح رونے سے کیا فائدہ ہے' میرے مرنے کے بعد تیار ہو کر اور جرأت کو کام میں لا کر اپنی تلوار کو کندھے پر رکھ' اور جو شخص ذرا بھی سر اٹھائے اس کا سر کاٹ لے' جو چپ رہے اسے چھوڑ دے کہ وہ اپنے مرض میں آپ ہی مر جائے گا۔

عبدالملک ماہ شوال ۸۶ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں فوت ہوا۔

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عبدالملک کہا کرتا تھا کہ میں رمضان میں پیدا ہوا' رمضان ہی میں میرا دودھ چھڑایا گیا' رمضان ہی میں میں نے قرآن شریف ختم کیا' رمضان ہی میں میں بالغ ہوا' رمضان ہی میں میں ولی عہد ہوا' رمضان ہی میں خلیفہ بنا' مجھے خوف ہے کہ میں رمضان ہی میں مروں گا' لیکن جب رمضان گذر گیا' اور عبدالملک کو اطمینان ہو گیا تو وہ ماہ شوال میں فوت ہو گیا۔

ایک روز عبدالملک کے پاس ایک عورت آئی' اور کہا کہ میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرا ہے' تقسیم میراث میں مجھ کو صرف ایک دینار دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے' کہ تجھے اسی قدر حق پہنچتا ہے۔ عبدالملک نے اسی وقت شعبی کو بلایا اور دریافت کیا' انہوں نے کہا کہ یہ تقسیم بالکل درست ہے' متوفی دو بیٹیاں چھوڑ کر مرا' ان دونوں کو دو تہائی یعنی ۴۰۰ دینار ملیں گے' اور ماں کو چھٹا حصہ یعنی ایک سو دینار'

بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی پچھتر دینار' اور ۱۲ بھائیوں کو ۲۴ دینار' پس اس حساب سے اس کے حصے میں ایک ہی دینار آئے گا۔

خلافت عبدالملک کے اہم واقعات

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد عبدالملک نے حجاج کو ملک حجاز کا حاکم بنا دیا تھا' حجاج نے خانہ کعبہ کو ڈھا کر اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ کی تعمیر میں حصہ کم کر کے' خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا' حجاج نے مکہ و مدینہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بڑے بڑے ظلم روا رکھے' سیدنا انس رضی اللہ عنہ وغیرہ جلیل القدر صحابیوں کی مشکیں کسوائیں اور کوڑے پٹوائے' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جو بڑے جلیل القدر اور بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ تھے حجاج کو محض اس لیے عداوت تھی کہ وہ ہمیشہ صاف گو اور حق پسند تھے' حجاج کی حکمرانی ان کو مرعوب نہیں کر سکتی تھی' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کوئی چیز ان کو نہ روک سکتی تھی' حجاج نے ایک شخص کو تعینات کر دیا کہ وہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی و ہلاک کرے' چنانچہ حج کے موقع پر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے لوگوں کی بھیڑ میں ایک شخص نے اپنا برچھا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں مارا' یعنی پاؤں کے پنجے کو برچھے کی نوک سے چھید دیا' برچھے کی نوک پنجے کو چھیدتی ہوئی تلوے کے پار ہو گئی اور فرش پر جا کر رکی' اس زخم کے صدمے سے چند روز کے بعد آپ فوت ہو گئے۔

حجاج کے یہ مظالم جو اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روا رکھے' جس طرح حجاج کو ظالم و ملزم ثابت کرتے ہیں اسی طرح عبدالملک کو بھی مجرم ٹھہراتے ہیں' کیونکہ اسی نے ایسے ظالم اور سخت گیر شخص کو مکہ و مدینہ کی حکومت سپرد کی تھی' حجاج اور عبدالملک دونوں میں بعض خوبیاں بھی تھیں' جن کے مقابل اسی درجہ کی بعض برائیاں بھی نظر آتی ہیں۔

فتنہ خوارج

جس زمانہ میں خلافت ابن زبیر رضی اللہ عنہما میں انحطاط کے آثار نمایاں ہوئے اور عبدالملک بن مروان کے کارندوں نے عراق و فارس میں سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف اشاعتی اور سازشی کام شروع کیا' تو خوارج کے گروہ جو ایرانی صوبوں میں خاموش زندگی بسر کرنے لگے تھے پھر کروٹیں بدل کر ہوشیار اور مستعد کار ہونے لگے' مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل اور عبدالملک کے تسلط سے عراق کے اندر باغیانہ خیالات کے لوگ سرگوشیاں کرنے لگے' عبدالملک نے عراق پر قابض ہو کر بصرہ کی حکومت خالد بن عبداللہ کو سپرد کی تھی' عراق سے دمشق میں جا کر عبدالملک کی تمام تر توجہ خوارج کی طرف

مبذول نہیں رہ سکتی تھی' کیوں کہ اس کو حجاز اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بھی خیال دامن گیر تھا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل سے فارغ ہو کر عبدالملک نے بصرہ و کوفہ کے عاملوں کو معزول کر کے اپنے بھائی بشیر بن مروان کو بصرہ و کوفہ دونوں مقامات کی حکومت عطا کی' اور حکم دیا کہ مہلب بن ابی صفرہ کو جنگ خوارج پر مامور کر کے فارس کی طرف بھیج دیا جائے کہ وہ جہاں کہیں ان کو پائے ان کا استیصال کرے' ساتھ ہی حکم دیا کہ مہلب کو اختیار دیا جائے کہ وہ بصرہ سے جن جن لوگوں کا انتخاب کرے اور اپنے ساتھ لے جانا چاہے لے جائے اور ایک زبردست فوج کوفہ سے بھی تیار کر کے مہلب کی کمک کے لیے بھیجی جائے تا کہ اس فتنہ کا مکمل استیصال و انسداد ہو جائے' یہ حکم مہلب کے نام بھی براہ راست بھیج دیا گیا۔

بشیر بن مروان کو یہ بات ناگوار گزری کہ امیر المومنین نے براہ راست مہلب کی تعیناتی کیوں کی' وہ چاہتا تھا کہ خوارج کی سرکوبی کا کام میرے زیر اہتمام انجام پذیر ہونا چاہیے تھا' میں اپنے اختیار سے جس کو چاہتا اس کام پر مامور کرتا' مہلب بن ابی صفرہ عبدالملک کے حکم کی تعمیل میں بصرہ سے ایک جمعیت لے کر روانہ ہوا' ادھر بشیر بن مروان نے بھی کوفہ سے عبدالرحمٰن بن مخنف کی سرکردگی میں ایک لشکر مہلب کی کمک کے لیے روانہ کیا' مگر روانگی کے وقت عبدالرحمٰن بن مخنف سے کہا کہ میں تم کو مہلب سے زیادہ قابل سرداری سمجھتا ہوں' تم اپنے آپ کو بالکل مہلب کا ماتحت ہی بنا کر نہ رکھنا' بلکہ اپنی رائے سے بھی کام لینا۔

عبدالرحمان بن مخنف دار ہرمز میں مہلب سے جا کر ملا' لیکن وہ اپنی فوج الگ لے کر خیمہ زن ہوا' اور اپنی خود مختاری کے علامات ظاہر کرنے لگا' چند ہی روز کے بعد اسی مقام پر خبر پہنچی کہ بشیر بن مروان فوت ہوا' اور مرتے وقت خالد بن عبداللہ کو اپنا قائم مقام بنا گیا ہے' اس خبر کو سنتے ہی اہل بصرہ بھی اور اہل کوفہ بھی اپنے اپنے شہروں کو واپس چل دیئے' خالد بن عبداللہ نے ہر چند ان لوگوں کو سمجھایا اور ڈرایا' لیکن کوئی بھی مہلب کی طرف واپس جانے پر آمادہ نہ ہوا۔

ادھر خراسان کی یہ حالت تھی' کہ عبداللہ بن حازم کے قتل کے بعد سے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے' ترکستان و مغولستان کے بادشاہ رتبیل نامی نے خراسان کی سرحدوں پر فوج کشی شروع کر دی تھی' اور عبداللہ بن حازم کے بیٹے موسیٰ بن عبداللہ بن حازم نے اپنے باپ کے ہمراہیوں کو لے کر اور مرو سے فرار ہو کر قلعہ ترمذ میں اقامت اختیار کی' اور اپنی ایک خود مختار ریاست قائم کر لینے میں کامیابی حاصل کی تھی۔

موسیٰ بن عبداللہ ایک طرف ترکوں سے لڑ کر کامیابی حاصل کرتا تھا' تو دوسری طرف عبدالملک

کے مقرر کیے ہوئے عامل خراسان سے برسر پیکار رہتا تھا' خراسان میں بکیر بن وشاح عامل تھا' اس کو معزول کر کے عبدالملک نے امیہ بن عبداللہ بن خالد بن اسید کو خراسان کا عامل بنا کر بھیجا' امیہ بن عبداللہ کے پہنچنے پر بکیر بن وشاح خراسان ہی میں بعد معزولی مقیم رہا' اور امیہ بن عبداللہ نے اس کو مرو کا کوتوال شہر بنا دیا' امیہ نے خراسان پہنچ کر رتبیل بادشاہ ترکستان پر چڑھائی کی' اور اس کو مجبور کر کے اس شرط پر صلح کی' کہ آئندہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہوگا۔

امیہ شاہ ترکستان سے یہ صلح نامہ کیے ہوئے بلخ سے مرو کی طرف واپس آ رہا تھا' کہ موسیٰ بن عبداللہ بن حازم نے اس پر حملہ کیا' مگر وہ بہزار خرابی اس حملہ سے بچ کر مرو کے قریب پہنچ گیا اور موسیٰ بن عبداللہ واپس چلا گیا' مرو کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ بکیر بن وشاح مرو پر قابض و متصرف ہو کر بر سر مقابلہ ہے' یہاں بھی معرکہ ہوا اور بکیر بن وشاح شہر کی مضبوطی کر کے بیٹھ گیا' آخر چند روز کے بعد صلح ہوئی اور امیہ بن عبداللہ نے بکیر بن وشاح کو خراسان کے کسی صوبہ کی حکومت دینے کا وعدہ کر کے مرو کو اس کے قبضہ سے نکالا۔

ادھر دار ہرمز میں مہلب بن ابی صفرہ اور عبدالرحمٰن بن مخنف بہت تھوڑی جمعیت کے ساتھ خوارج سے برسر پیکار تھے اور فوج کے واپس چلے جانے سے ان کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی' ان تمام حالات سے واقف و مطلع ہو کر عبدالملک بن مروان نے یہی مناسب سمجھا' کہ حجاج بن یوسف ثقفی کو حجاز کی گورنری سے تبدیل کر کے عراق کی حکومت پر مامور کرے' چنانچہ ۷۵ھ میں حجاج کو عبدالملک نے بصرہ و کوفہ کی سند حکومت عطا کر کے کوفہ کی طرف روانہ کیا' حجاج ماہ رمضان ۷۵ھ میں کوفہ میں داخل ہوا' جامع مسجد میں جا کر ممبر پر بیٹھا' اور لوگوں کو مجتمع ہونے کا حکم دیا۔

کوفہ کے لوگ عموماً گستاخ اور اپنے امیروں اور حاکموں کی توہین و گستاخی کرنے کے عادی تھے' چنانچہ وسنگریزے مٹھیوں میں لے کر آئے کہ دوران خطبہ میں سنگریزے اس جدید امیر کی طرف پھینکیں گے' لیکن جب حجاج نے تقریر شروع کی تو اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ سہم گئے اور ڈر کے مارے وہ سنگریزے ان کے ہاتھوں سے گر گئے' حجاج نے اپنی تقریر میں کہا کہ:

''بہت سے عمامے اور ڈاڑھیاں یہاں نظر آ رہی ہیں کہ اب وہ خون میں تر بتر ہونے والی ہیں۔ بہت سے سر اس مجمع میں نظر آ رہے ہیں' کہ ان کے کٹنے کا زمانہ قریب آ گیا ہے' امیر المومنین عبدالملک نے اپنے ترکش کے تمام تیروں کو دیکھا' جو ان تیروں میں سب سے زیادہ سخت اور کاری تھا وہ تم پر چلایا' یعنی مجھ کو تم پر حاکم بنا کر بھیجا' میں تمہاری تمام شرارتوں کا علاج کر کے تم کو اچھی طرح سیدھا کر دوں گا' تم ایک عرصہ سے شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کے مرکز بنے رہے ہو' اب وقت آ گیا

ہے کہ تم کو تعلیم دی جائے اور تمہاری آنکھیں کھول دی جائیں' اور تم لوگ مہلب کے پاس خوارج کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو جاؤ' تنخواہ تقسیم ہونے کے بعد تم کو صرف تین دن کی مہلت ہے' اگر چوتھے روز کوئی شخص کوفہ میں نظر آیا تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی' یہ بھی یاد رکھو کہ یہ محض دھمکی نہیں ہے' بلکہ تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے' جو کچھ میں کہتا ہوں وہی کرتا بھی ہوں''۔

حجاج جامع مسجد سے اٹھ کر دارالامارۃ میں آیا اور لوگوں کو تنخواہیں تقسیم کرنی شروع کیں' ایک بوڑھے شخص نے جس کے جسم میں بڑھاپے کی وجہ سے رعشہ پیدا ہو گیا تھا آ کر کہا کہ میں بوڑھا ضعیف شخص ہوں' میرا لڑکا مجھ سے زیادہ توانا ہے' میری جگہ اس کو بھیج دیجئے' حجاج نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے' اس نے کہا عمیر بن ضابی برجمی' حجاج نے کہا' تم وہی عمیر بن ضابی ہو جس نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مکان پر حملہ کیا' اس نے کہا ہاں' حجاج نے کہا تجھے کس چیز نے اس کام پر آمادہ کیا تھا' اس نے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے میرے بوڑھے باپ کو قید کر دیا تھا۔ حجاج نے کہا کہ میں تیرا زندہ رہنا پسند نہیں کرتا' یہ کہہ کر اس نے عمیر بن ضابی کے قتل کرنے اور اس کے گھر باپ کے لوٹ لینے کا حکم دیا۔

تیسرے روز حجاج کے منادی نے ندا کی کہ آج رات جو شخص اپنے گھر میں رہے گا اور مہلب کے لشکر کی طرف روانہ نہ ہو جائے گا وہ قتل کر دیا جائے گا' اس آواز کے سنتے ہی لوگ مہلب کے لشکر کی طرف روانہ ہونے شروع ہوئے اور بہت جلد مہلب کے پاس ایک طاقتور لشکر خوارج کا مقابلہ کرنے کے لیے جمع ہو گیا۔

اس کے بعد حجاج نے حکم بن ایوب ثقفی کو اپنی طرف سے بصرہ کا امیر مقرر کر کے روانہ کیا' اس کے بعد حجاج نے سندھ پر سعید بن اسلم بن زرعہ کو متعین کیا' معاویہ بن حرث کلابی اور اس کا بھائی محمد بھی جہاد کی غرض سے نکل کھڑے ہوئے' اکثر شہروں پر قبضہ کیا' جنگ آوروں کو قید و قتل کیا' اور اس کام سے فارغ ہو کر خود سعید پر بھی ہاتھ صاف کر دیا؟

اس خبر کو سن کر حجاج نے بجائے اس کے مجاعہ بن سعید تمیمی کو مامور کیا' ابن زرعہ نے اس سرحد پر بزور قوت قبضہ حاصل کر کے اپنی حکومت کے ایک برس کے بعد مکران' دارابیل کے اکثر شہروں کو فتح کیا۔

حجاج نے کوفہ کا انتظام کر کے وہاں عروہ بن مغیرہ بن شعبہ کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود بصرہ کی طرف آیا' بصرہ میں آ کر ایک ایسا ہی خطبہ دیا' جیسا کہ کوفہ میں دیا تھا اور مہلب کا ساتھ چھوڑ دینے والوں کو خوب دھمکایا۔

شریک بن عمرو یشکری حجاج کے پاس آیا' اور کہا کہ میں فتق کے عارضہ میں مبتلا ہوں میری اس

معذرت کو بشیر بن مروان نے بھی قبول کر لیا تھا' آپ بھی قبول کریں اور مجھ کو مہلب کے لشکر کی طرف جانے سے معاف رکھیں' حجاج نے اسی وقت اس کے قتل کرنے کا حکم دیا' یہ دیکھ کر تمام اہل بصرہ ڈر گئے' اور فوراً بصرہ سے نکل نکل کر مہلب کے لشکر کی طرف روانہ ہو گئے۔

لوگوں کو بصرہ و کوفہ سے نکال کر حجاج خود بھی مہلب کے لشکر کی طرف روانہ ہوا' جب مہلب کے لشکر گاہ دار ہرمز کا اٹھارہ فرسخ کا فاصلہ رہ گیا تو ڈیرے ڈال دیئے اور کہا کہ اے اہل کوفہ و بصرہ تم لوگ اب اس وقت تک یہاں مقیم رہو گے' جب تک کہ خوارج کا بالکل استیصال نہ ہو جائے' اس جگہ حجاج نے خود اپنے لیے ایک نیا فتنہ برپا کر لیا۔

مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں لشکریوں کے وظائف میں سو سو درہم کا اضافہ کیا گیا تھا' یہ اضافہ آج تک برابر چلا آتا تھا اور کسی نے اس کے کم کرنے کی طرف توجہ نہیں کی تھی' حجاج نے اس مقام پر حکم دیا کہ ہر ایک لشکری کو وظیفہ وہی دیا جائے گا' جو مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما سے پہلے مقرر تھا' یعنی سو سو درہم ہر شخص کی تنخواہ سے کم کیے جاتے ہیں' عبداللہ بن جارود نے اس حکم کو سن کر کہا کہ ہمارے یہ وظیفے عبدالملک اور اس کے بھائی بشیر بن مروان نے بھی جائز رکھے ہیں' تم اس کو کم کرنے کی غلطی کا ارتکاب نہ کرو۔

حجاج نے عبداللہ بن جارود کی بات پر کچھ التفات نہ کیا' عبداللہ بن جارود نے پھر باصرار حجاج کے اس حکم کی مخالفت میں آواز بلند کی' مصقلہ بن کرب عبدی نے عبداللہ بن جارود سے کہا' کہ امیر نے جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرنا ہمارا فرض ہے' مخالفت کرنا ہمارے لیے شایاں نہیں' عبداللہ بن جارود مصقلہ کو گالیاں دیتا ہوا حجاج کے دربار سے اٹھ آیا' اور حکیم بن مجاشعی کے پاس جا کر تمام کیفیت بیان کی' وہ بھی ہمنوا ہو گیا' پھر یکے بعد دیگرے اکثر لشکری عبداللہ بن جارود کے موید ہو گئے' اور سب نے مل کر عبداللہ بن جارود کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی کہ ہم حجاج کو گورنری سے معزول کر کے عراق سے نکال دیں گے' چنانچہ سب نے عبداللہ بن جارود کی افسری میں حجاج کے خیمے کا محاصرہ کر لیا۔

حجاج کے ساتھ بہت ہی تھوڑے آدمی تھے' مقابلہ ہوا' قریب تھا کہ حجاج مقتول یا گرفتار ہو جائے' لیکن شام ہو جانے کی وجہ سے اس کام کو کل پر ملتوی رکھ کر سب اپنے اپنے خیموں کی طرف واپس ہوئے' ان کا اصل مقصد حجاج کو قتل کرنا نہ تھا' بلکہ وہ اس کو عراق سے نکال دینا چاہتے تھے۔

رات کو حجاج کے دوستوں نے اس کو مشورہ دیا کہ تم یہاں سے بھاگ کر عبدالملک کے پاس چلے جاؤ' حجاج اس شش و پنج میں تھا' کہ اسی رات مخالفین کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور عباد بن حصین حبطی ابن جارود سے ناراض ہو کر حجاج کے پاس چلا آیا' اس کی دیکھا دیکھی قتیبہ بن مسلم بھی اپنی

جماعت کو لے کر حجاج کے پاس آ گیا' پھر سبرہ بن علی کلابی' سعید بن اسلم کلابی' جعفر بن عبدالرحمٰن بن مخنف ازدی بھی آ گئے' غرض صبح ہوتے ہوتے حجاج کے پاس چھ ہزار کی جمعیت فراہم ہو گئی' صبح کو دونوں گروہوں میں خوب جم کر مقابلہ ہوا۔

حجاج اور اس کے ساتھیوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے' اور عبداللہ بن جارود کو فتح حاصل ہو چکی تھی' کہ ایک تیر عبداللہ بن جارود کے گلے میں آ کر لگا اور اس کا کام تمام کر گیا' عبداللہ بن جارود کے مرتے ہی حجاج کی شکست فتح میں تبدیل ہو گئی' ابن جارود کے ہمراہی بہت سے مقتول ہوئے' بہت سے امان طلب کر کے پھر حجاج کے لشکر میں آ کر شریک ہو گئے۔

حجاج نے عبداللہ بن جارود اور اس کے ہمراہی سرداروں کے اٹھارہ سر کاٹ کر مہلب کے پاس بھجوائے' مہلب نے ان کو نیزوں پر نسب کرا دیا' تا کہ خوارج مرعوب ہوں' ادھر ابن جارود کے ساتھ حجاج کی معرکہ آرائی ہو رہی تھی' ادھر بصرہ کی طرف سے خبر آئی کہ سووان کا ایک قبیلہ رنج نامی جو بصرہ اور اس کے نواح میں سکونت پذیر تھا باغی ہو گیا ہے۔

ابن جارود کے قتل سے فارغ ہو کر حجاج نے اپنے بیٹے حفص نامی کو ایک مختصر فوج دے کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور کوفہ کے نائب کو لکھا' کہ کوفہ سے اس جدید بغاوت کے فرو کرنے کے لیے فوج روانہ کرے' چنانچہ کئی معرکہ آرائیوں کے بعد اس بغاوت کو بھی فرو کر دیا گیا۔

خوارج کی جمعیتیں ایران و خراسان اور عراق کے شہروں سے کھچ کھچ کر مقام دار ہرمز کے مہلب کے مقابلہ پر آ گئی تھیں' اور نہایت سختی و شدت کے ساتھ لڑ کر مہلب کو پسپا کرنے اور بصرے تک پہنچ کر اس پر قبضہ کر لینے کی کوشش میں یہ لوگ مصروف تھے۔

جب کوفہ و بصرہ سے پیہم امدادی فوجیں روانہ ہوئیں' تو مہلب اور عبدالرحمٰن بن مخنف کو جو خوارج کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے' بہت قوت حاصل ہو گئی' اس سے پہلے تو وہ اپنی فوج کے کم ہونے کی وجہ سے صرف مدافعت میں مصروف تھے اور خوارج کو آگے بڑھنے سے روک رکھا تھا' لیکن اب تقویت پا کر ان دونوں نے خوارج پر جارحانہ حملے شروع کر دیئے' اور خوارج کی فوج کو پیچھے دھکیلتے ہوئے گازرون تک لے گئے' گازرون کے قریب پہنچ کر خوارج جم گئے اور مورچے جما کر مقابلہ کرنے لگے۔

مہلب نے یہ رنگ دیکھ حفاظت کی غرض سے اپنے لشکر گاہ کے گرد خندق کھدوائی' اور دمدمے بنا لیے' عبدالرحمٰن بن مخنف شروع ہی سے اپنا لشکر لے کر مہلب کے لشکر سے جدا رکھتا' اور الگ ہی خیمہ زن ہوتا تھا' یہاں بھی عبدالرحمٰن نے تھوڑے فاصلہ پر اپنی لشکر گاہ قائم کی۔

مہلب نے عبدالرحمٰن کے پاس کہلا بھجوایا کہ اس جگہ شب خون کا سخت خطرہ ہے' مناسب یہ ہے کہ تم بھی اپنے لشکر کے گرد خندق کھدوا لو' عبدالرحمٰن نے جواباً کہلا بھجوایا' کہ تم اطمینان رکھو' ہماری تلواریں خندق کا کام دیں گی' یہ کہہ کر وہ کھلے میدان میں خیمہ زن رہا۔

ایک روز خوارج نے مہلب پر شب خون مارا' لیکن خندق کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے' وہاں سے ناکام رہ کر وہ عبدالرحمٰن بن مخنف کی طرف بڑھے' میدان صاف تھا برابر بڑھتے چلے گئے' اور قتل کرنا شروع کر دیا' عبدالرحمٰن بن مخنف کی فوج والے سوتے ہوئے اس اچانک حملے کی تاب نہ لا کر گھبراہٹ میں جدھر کو منہ اٹھا بھاگ کھڑے ہوئے' عبدالرحمٰن نے بہت تھوڑے سے آدمیوں کو ہمراہ لے کر مقابلہ کیا' اور مع ہمراہیوں کے خوارج کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔

مہلب وعبدالرحمان دو سردار تھے' مہلب کی فوج میں تمام بصری لوگ شامل تھے اور عبدالرحمان کی فوج کوفیوں پر مشتمل تھی' کوفی لشکر کا اس معرکہ میں سخت نقصان ہوا' اس کی اطلاع حجاج کے پاس پہنچی تو اس نے عبدالرحمان مخنف کی جگہ عتاب بن ورقاء کو کوفی لشکر کا سردار مقرر کر کے صاف حکم دیا کہ عتاب مہلب کا ماتحت رہے گا اور مہلب کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرنا اس کا اولین فرض ہوگا' عتاب کو یہ بات ناگوار گذری اور اس لیے مہلب وعتاب میں ناچاقی وشکررنجی پیدا ہوئی۔

عتاب نے حجاج کو لکھا کہ مجھ کو واپس بلوا لیجئے' حجاج نے اس کی یہ درخواست منظور کر کے اسے واپس بلا لیا' اور تمام کوفی لشکر براہ راست مہلب کی سرداری میں دے دیا گیا' مہلب نے اس کوفی حصہ فوج پر اپنی طرف سے اپنے بیٹے حبیب بن مہلب کو فوجدار مقرر کیا' اور قریب ایک سال نیشاپور میں ٹھہرا خوارج کا مقابلہ کرتا رہا' آخر خوارج کے اندر خود پھوٹ پڑی' اور دو گروہ ہو کر آپس میں لڑنے لگے' مہلب نے اس حالت میں ان پر کوئی حملہ نہیں کیا' جب ایک فرقہ نے دوسرے فرقہ کو مغلوب کر کے طبرستان کی طرف نکال دیا تو مہلب نے غالب فرقہ پر حملہ کر کے اس کو قتل کیا' اور اس طرح خوارج کے فتنے سے ۷۷ھ میں مہلب نے فراغت پائی۔

خوارج اس قدر بہادر اور ایسی بے جگری سے لڑنے والے لوگ تھے' کہ انہوں نے بسا اوقات دس دس اور بیس بیس گنی فوج کو شکست دے کر بھگا دیا تھا' ایک مرتبہ ایک ہزار خوارج نے کوفہ کے قریب پچاس ہزار کے لشکر کو شکست فاش دے کر بھگا دیا تھا۔

خوارج کے مقابلہ میں صرف مہلب بن ابی صفرہ ہی کا ایک ایسا سردار تھا جو پورے طور پر کامیاب ہوا' جس وقت مہلب خوارج کی جنگ سے فارغ ہو کر کوفہ میں حجاج کے پاس آیا ہے' تو حجاج نے ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا اور مہلب کو اپنے برابر مسند پر بٹھایا' مہلب کے سات بیٹے تھے

انہوں نے بھی خوارج کے مقابلہ میں انتہائی بہادری کے نمونے دکھلائے تھے' لہٰذا ان کی تنخواہوں میں دو دو ہزار درہم سالانہ اضافہ کیا گیا۔

خوارج کا جو مغلوب گروہ طبرستان کی طرف بھاگا تھا' اس کے سر پر بھی حجاج نے فوج روانہ کی اور ان ہی ایام میں وہ لوگ بھی برباد کر دیئے گئے۔

۷۶ھ میں خوارج کے ایک گروہ نے صالح بن مسرح کی سرداری میں موصل کے اندر شورش برپا کی تھی' ان کے مقابلہ کے لیے محمد بن مروان برادر عبدالملک امیر موصل نے فوج متعین کی' بہت سے مقابلوں اور معرکوں کے بعد صالح مارا گیا' اس کی جگہ شبیب خوارج کا سردار بنا' وہ اپنی جمعیت کو لے کر مدائن کی طرف چلا گیا' حجاج نے ان کے تعاقب میں بھی فوجیں بھیجنی شروع کیں' مگر ان کو مغلوب نہ کیا جا سکا' شبیب کے ہمراہ کل ایک ہزار آدمی تھے' ایک مرتبہ وہ ان ہی ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ کوفہ میں مقیم رہ کر چلا گیا' انہیں ایک ہزار کے مقابلہ پر حجاج نے پچاس ہزار کوفیوں کی فوج بھیجی اور خوارج نے ان پچاس ہزار کو شکست دے کر بھگا دیا' آخر یہ ایک ہزار کی جمعیت بھی معہ اپنے سردار شبیب کے غارت و برباد ہو گئی۔

حجاج و مہلب کی عزت افزائی

عبدالملک بن مروان کے لیے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بعد سب سے زیادہ خطرناک خوارج کا فتنہ تھا' اگر عبدالملک خوارج کی طرف سے چند روز اور بے فکر رہتا' اور ان کے استیصال کی تدبیروں میں مصروف نہ ہو جاتا' تو یقیناً خراسان' وفارس و عراق وغیرہ صوبے اس کے قبضے سے نکل گئے ہوتے' اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے حجاج نے اپنے فرائض کو عراق میں آ کر نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا' مہلب بن ابی صفرہ کا انتخاب بھی خوارج کی سرکوبی کے لیے بہت عمدہ اور صحیح انتخاب تھا' اب جب کہ کئی برس کی کوششوں کے بعد خوارج کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا تو عبدالملک نے ۷۸ھ میں کوفہ و بصرہ یعنی عراق کے سوا خراسان و سجستان بھی براہ راست حجاج کی حکومت و انتظام میں دے دیے' اس طرح حجاج کو گویا تمام مشرقی ممالک اسلامیہ کا حاکم بنا دیا' حجاج نے اسی سال مہلب بن ابی صفرہ کو خراسان کا امیر اور عبیداللہ بن ابوبکرہ کو سجستان کا امیر بنا کر روانہ کیا' مہلب اب تک ایک مشہور سپہ سالار تھا لیکن اب وہ امیر خراسان بن گیا۔

مہلب ۸۰ھ تک خود بصرہ ہی میں مقیم رہا اور اپنی طرف سے اپنے بیٹے حبیب کو خراسان کا امیر بنا کر بھیجا' حبیب نے باپ کی ہدایت کے موافق خراسان میں جا کر امیہ بن عبداللہ اور اس کے اہل

کاروں سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا' نہ ان کی تعظیم وتکریم میں کسی قسم کا فرق آنے دیا' مہلب کی بیٹی ہند بنت مہلب سے حجاج نے شادی کی اور اس طرح مہلب کو حجاج کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق بھی حاصل ہو گیا۔

۸۰ ہجری میں مہلب نے خود خراسان میں آ کر ملک کا اہتمام وانتظام اپنے ہاتھ میں لیا' اور پانچ ہزار کی جمعیت لے کر ماوراء النہر کی طرف بڑھ کر مقام کش کا محاصرہ کیا' یہاں بادشاہ ختن کے چچا زاد بھائی نے آ کر مدد کی درخواست کی' مہلب نے اپنے بیٹے یزید کو اس کے ساتھ بھیج دیا' یزید نے شاہ ختن کو قتل کیا' اور ختن کا ملک اس کے بھتیجے کو سپرد کر کے حسب المنشاء عہد نامہ لکھوا کر واپس آیا۔

انہیں ایام میں مہلب نے اپنے بیٹے حبیب کو چار ہزار فوج دے کر بخارا پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا' والی بخارا نے چالیس ہزار فوج سے مقابلہ کیا' مگر انجام کار حبیب کو فتح اور بخارا والوں کو شکست حاصل ہوئی' حبیب بہت سا سامان غنیمت لے کر مہلب کی خدمت میں واپس آیا' کش کا محاصرہ دو برس تک جاری رہا' آخر اہل کش نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور مہلب بعد صلح قلعہ کش سے واپس ہوا۔

اہل کش اور حریث بن قطنہ کی غداری

مہلب جب خراسان کے دارالسلطنت مرو میں آ کر وہاں سے ماوراء النہر یعنی شہر کش کی طرف روانہ ہوا' تو مرو میں اپنے لیے مغیرہ کو اپنی طرف سے امیر مقرر کر گیا تھا' ابھی کش کا محاصرہ جاری تھا' کہ مہلب کے پاس مغیرہ کے فوت ہونے کی خبر پہنچی' مہلب نے اپنے بیٹے یزید کو جو مہلب کے پاس موجود تھا' مرو کا حاکم مقرر کر کے تیس آدمیوں کے ساتھ مرو کی طرف روانہ کیا' یزید جب بست کے ایک درے میں پہنچا تو وہاں پانچ سو ترکوں سے مڈبھیڑ ہو گئی' انہوں نے تمام مال واسباب طلب کیا جو ان کے ہمراہ تھا' یزید نے انکار کیا' آخر یزید کے کسی ہمراہی نے کچھ تھوڑا سا مال دے کر ان ترکوں کو رضا مند کر لیا' لیکن وہ یہ مال لے کر کچھ دور چلے گئے' اور پھر لوٹ کر آئے' کہ ہم تمام مال واسباب لیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ یزید نے انہیں تیس آدمیوں سے ان کا مقابلہ کیا' ان کے سردار کو مار ڈالا اور سب کو بھگا دیا' مرو پہنچ کر یزید اپنے بھائی کی جگہ حکومت کرنے لگا۔

اس واقعہ کے چند ہی روز کے بعد مہلب اہل کش سے صلح کر کے لوٹا' اس مصالحت میں یہ بات بھی طے ہو گئی تھی' کہ اہل کش اپنے بادشاہ کے لڑکوں کو مسلمانوں کے سپرد کر دیں اور یہ لڑکے بطور ضمانت اس وقت تک مسلمانوں کی زیر حراست رہیں' جب تک مقررہ رقم جزیہ اہل کش مسلمانوں کی خدمت میں حاضر کریں' مہلب اپنی طرف سے حریث بن قطنہ کو وہاں زرفدیہ یا جزیہ وصول کرنے اور

لڑکوں کو واپس دینے کی غرض سے چھوڑ آیا تھا' مہلب جب کش سے روانہ ہو کر بلخ پہنچا تو اس نے حریث بن قطنہ کو ایک قاصد کے ذریعہ اطلاع دی کہ تم زرفدیہ لے کر لڑکوں کو اس وقت تک نہ چھوڑنا جب تک کہ تم خود سرزمین بلخ میں نہ پہنچ جاؤ۔

مدعا اس سے مہلب کا یہ تھا کہ جو دقت راستے میں یزید کو پیش آئی تھی وہی مصیبت حریث کو پیش نہ آئے' حریث نے فوراً یہ خط اہل کش کو دکھا دیا اور کہا کہ اگر تم فوراً زرجزیہ مجھ کو دے دو' تو میں تمہارے لڑکوں کو یہیں تمہارے سپرد کر دوں گا اور امیر مہلب سے کہہ دوں گا کہ آپ کا خط آنے سے پہلے میں روپیہ لے کر لڑکے واپس دے چکا تھا' اہل کش نے فوراً روپیہ ادا کر دیا اور لڑکے واپس لے لیے۔

راستے میں ترکوں نے حریث کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جو یزید کے ساتھ کیا تھا' لڑائی ہوئی' بہت سے آدمی حریث کے مارے گئے' بہت سے ترکوں نے گرفتار کر لیے' اور پھر ان گرفتاروں کو زرفدیہ لے کر واپس کیا۔

جب مہلب کے پاس حریث بن قطنہ پہنچا تو اس نے اپنے حکم کی خلاف ورزی کی سزا میں کوڑے لگوائے' اس سزا کے بعد حریث نے لوگوں کے سامنے مہلب کے مار ڈالنے کی قسم کھائی' مہلب کو اس کا حال معلوم ہوا تو اس نے حریث کے بھائی ثابت بن قطنہ کو بلا کر نرمی کے ساتھ سمجھایا' اور حریث کو اپنے سامنے بلوایا' حریث نے مہلب کے سامنے بھی اپنی گستاخانہ قسم کا اعادہ کیا' مہلب نے چشم پوشی کی راہ سے رخصت کر دیا' حریث و ثابت اب اپنے دل میں ڈرے اور اپنے تین ہمراہیوں کو لے کر مہلب کے پاس سے بھاگ گئے' اور سیدھے موسیٰ بن عبداللہ بن حازم کے پاس مقام ترمذ میں پہنچ گئے' موسیٰ بن عبداللہ بن حازم کا حال اوپر پڑھ چکے ہو کہ اس نے اپنی ایک الگ خود مختار حکومت قائم کر لی تھی اور خراسان کے امیروں سے برسر پرخاش رہتا تھا' یہ واقعہ ۸۲ھ کا ہے۔

مہلب کی وفات اور بیٹوں کو وصیت

مہلب کو اپنے بیٹے مغیرہ کی وفات کا سخت صدمہ ہوا تھا' مرو میں واپس آ کر وہ زیادہ دن نہیں رہا ۸۲ھ کے آخری مہینوں میں بیمار رہ کر مرو میں فوت ہوا' امیر مہلب کی بہادری نیک طینتی اور وفاداری خاص طور پر مشہور ہے' مہلب کا چال چلن کبھی بدعہدی و بے وفائی اور غدر و بغاوت سے ملوث نہیں ہوا۔ اس نے ہمیشہ خلیفہ وقت کی اطاعت اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کو ضروری سمجھا' مرتے وقت اپنے بیٹے یزید کو اپنی جگہ خراسان کا امیر اور دوسرے بیٹے حبیب کو نمازوں کا امام مقرر کر گیا اور تمام بیٹوں کو جمع کر کے اس طرح وصیت کی کہ:

''میں تم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں' کیوں کہ اس سے عمر کی درازی' مال کی زیادتی اور نفوس کی کثرت ہوتی ہے' خوف اللہ تعالیٰ اور صلہ رحم کے ترک کرنے سے میں تم کو منع کرتا ہوں' کیونکہ ان کے ترک کرنے سے دوزخ میں جانے کا سامان ہوتا ہے' ذلت حاصل ہوتی ہے' اور نفوس کی کمی ہو جاتی ہے' تم پر امیر کی اطاعت اور جماعت مسلمین سے اتفاق کرنا فرض ہے' مناسب یہ ہے کہ تمہارے افعال تمہارے اقوال سے بہتر ہوں' جلد جواب دینے سے پرہیز کرو اور زبان کو لغزش سے بچاؤ' کیونکہ آدمی پاؤں کی لغزش سے سنبھل جاتا ہے اور زبان کی لغزش سے مارا جاتا ہے' جن لوگوں کے حقوق تم پر ہوں ان کو ادا کرو' لوگوں کے حقوق ادا کرنا صبح شام بیٹھ کر باتیں بنانے اور فضول کہنے سے بہتر ہے' خوشامدیوں کی خوشامد میں نہ آ جانا' سخاوت کو کنجوسی پر ترجیح دینا' نیکی کو زندہ رکھو' اور ہمیشہ نیک کام کرنے کی کوشش کرو' لڑائی میں چوکس اور ہوشیار رہنے کا زیادہ خیال رکھنا' کیونکہ یہ شجاعت زیادہ مفید ہے' جس وقت مقابلہ ہوتا ہے اس وقت آسمان سے قضا نازل ہوتی ہے' اگر آدمی نے ہمت باندھ لی اور ہوشیاری سے کام لیا تو کامیاب ہو گیا اور اگر بدحواسی چھا گئی تو ناکام رہا' لیکن سب پر حکم الٰہی غالب ہے' قرأت قرآن تعلیم سنن اور آداب صالحین اپنے اوپر فرض کر لو' اور اپنی مجلس میں زیادہ گفتگو کرنے سے پرہیز کرو''۔

حجاج بن یوسف اور عبدالرحمٰن بن محمد

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ ۷۸ھ میں حجاج نے مہلب کو خراسان کا اور عبیداللہ بن ابی بکرہ کو بجستان و سندھ کا امیر مقرر کیا تھا' سندھ و بجستان (سیستان) پر مشرق کی طرف سے ہندیوں کے اور شمال کی طرف سے ترکوں اور مغلوں کے حملے ہوتے رہتے تھے' اس لیے حجاج نے ہمیان بن عدی اسدی کو ایک چست و چالاک اور خوب مسلح دستہ فوج دے کر مقام کرمان میں مقیم کر دیا تھا' اور حکم دیا تھا کہ جس وقت بجستان و سندھ کے عامل کو ضرورت پیش آئے' اس کی مدد کرو' عبیداللہ بن ابی بکرہ اپنے صوبوں میں پہنچ کر انتظام ملکی میں مصروف ہوا' اور ہمیان بن عدی کرمان میں ایک زبردست فوج اپنے ماتحت دیکھ کر باغی ہو گیا' اور بجائے مدد دینے کے خود عبیداللہ بن بکرہ کے علاقہ پر حملہ کرنے لگا۔

حجاج نے اس واقعہ سے واقف ہو کر عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کو ہمیان بن عدی کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا' عبدالرحمان بن محمد نے ہمیان بن عدی کو ہزیمت دے کر آوارہ کر دیا اور خود چند روز کرمان میں مقیم رہ کر واپس چلا آیا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ شاہ ترکستان مسمیٰ رتبیل نے خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے مسلمانوں سے

صلح کر لی تھی' عبیداللہ کے آنے پر وہ چند روز عبیداللہ کو خراج ادا کرتا رہا' لیکن پھر سرکشی پر آمادہ ہو گیا' عبیداللہ نے اس کے ملک پر چڑھائی کی' رتبیل کے قبضہ میں بدخشاں و کافرستان و افغانستان وغیرہ کا علاقہ تبت تک تھا' عبیداللہ نے اس کے علاقہ پر فوج کشی کی' وہ سامنے سے فرار ہوتا ہوا عبیداللہ بن ابی بکرہ کو ایسے مقام تک لے گیا جہاں سے عبیداللہ کے لیے واپس آنا سخت دشوار تھا' آخر مسلمانوں کی فوج دروں میں گھر گئی' بہت سے آدمی ضائع ہوئے' شریح بن ہانی بھی اسی جگہ کام آئے' بقیہ جو واپس آئے' بڑی بری حالت میں اپنے مقام تک پہنچے۔

بجستان کے لشکر کی اس تباہی و بربادی کا حال حجاج بن یوسف ثقفی کو معلوم ہوا تو اس نے عبدالملک کو اطلاع دے کر رتبیل کے علاقہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی' عبدالملک نے اجازت دے دی' حجاج نے بیس ہزار سوار کوفہ سے اور بیس ہزار پیدل بصرہ سے مرتب کر کے اس چالیس ہزار کے لشکر آزمودہ کار پر عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کو سردار بنایا' اسی عرصہ میں خبر پہنچی کہ عبیداللہ بن ابی بکرہ نے بجستان میں وفات پائی۔

حجاج نے عبدالرحمان بن محمد بن اشعث کو بجستان کی سند گورنری بھی عطا کی' اور رتبیل کے ملک پر چڑھائی کرنے کے لیے روانہ کیا' عبدالرحمان بن محمد جب عساکر اسلام کے ساتھ بجستان پہنچا اور رتبیل کو معلوم ہوا کہ اب میرے ملک پر حملہ ہونے والا ہے تو بہت گھبرایا' مگر کچھ نہ ہو سکا' عبدالرحمان نے اس کے ملک کو فتح کرنا شروع کیا اور اس بات کا لحاظ رکھا' کہ جوں جوں آگے بڑھے' پہاڑوں کے دروں اور گھاٹیوں میں چوکی پہرے قائم کرتا جائے' غرض رتبیل کے ملک کا آدھے سے زیادہ حصہ فتح کر کے پیش قدمی کو آئندہ سال کے لیے روک دیا اور حجاج کو فتح نامے کے ساتھ اطلاع دی کہ باقی حصہ ہم نے آئندہ سال کے لیے چھوڑ دیا ہے' تاکہ اس مفتوحہ علاقے کا انتظام عمدگی سے کر لیں اور فوج بھی تازہ دم ہو جائے۔ حجاج اس عرض داشت کو پڑھ کر سخت ناراض ہوا اس نے فوراً حکم بھیجا' کہ تم اپنی پیش قدمی کو جاری رکھو' رتبیل کی فوج کے لوگوں کو جو تمہاری قید میں ہیں قتل کر دو' اور قلعوں کو منہدم کر دو' اس حکم کے پہنچنے سے پہلے ہی فوراً دوسرا اور تیسرا حکم بھی اسی مضمون کا روانہ کیا' تیسرے حکم میں یہ بھی لکھا' کہ اگر تو نے ہمارے اس حکم کی تعمیل کی تو بہتر ورنہ تو اپنے آپ کو معزول سمجھ' اور تیری جگہ تیرا بھائی اسحاق بن محمد بن اشعث امیر لشکر ہے۔

یہ تینوں حکم عبدالرحمان بن محمد کے پاس یکے بعد دیگرے پہنچے' عبدالرحمان نے حجاج کے احکام کو پڑھ کر تمام لشکر کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور کہا کہ میں نے تم سب لوگوں کے مشورے سے یہ بات قرار دی تھی' کہ ہم ترکوں کے مفتوحہ ملک کا انتظام کریں' اور اس سال اپنی مضبوطی اور تیاری مکمل کر کے

آئندہ سال بقیہ ملک کو فتح کریں' لیکن حجاج ترکوں سے لڑنے اور بلاتوقف حملہ آور ہونے کو لکھتا ہے' اسے تمہارے تھک جانے اور آرام کرنے کا بھی خیال نہیں ہے' یہ وہی ملک ہے جہاں تمہارے بھائی پچھلے دنوں برباد ہو چکے ہیں' میں بھی تمہارا بھائی اور تم ہی جیسا ایک شخص ہوں' اگر سب لوگ لڑنے اور آگے بڑھنے پر آمادہ ہیں' تو میں سب کے ساتھ ہوں۔

اس تقریر کو سن کر تمام کوفی و بصری یک لخت برافروختہ ہو گئے' اور یک زبان ہو کر کہنے لگے' کہ ہم حجاج کی اطاعت ہرگز نہ کریں گے' اور ہرگز اس کا کہنا نہ مانیں گے' عائل بن واثلہ کہانی کہنے لگا' کہ حجاج تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے' اس کو امارت سے معزول کر کے عبدالرحمان بن محمد کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کر لو' ہر طرف سے لوگ بول اٹھے کہ ہاں ہاں' ہمیں یہ بات بالکل منظور ہے' عبدالرحمان بن شیث ربعی نے اٹھ کر کہا' چلو دشمن اللہ تعالیٰ حجاج کو اپنے شہر سے نکال دو' یہ سنتے ہی تمام لشکری عبدالرحمان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو ٹوٹ پڑے' اور انہوں نے عہد کیا کہ ہم حجاج کو عراق سے نکال کر چھوڑیں گے' اسی وقت عبدالرحمان بن محمد نے رتبیل کے پاس پیغام بھیجا' اور اس شرط پر فوراً صلح ہو گئی' کہ اگر ہم حجاج کو خارج کرنے میں کامیاب ہو گئے' تو رتبیل کے ملک کا تمام خراج معاف کر دیا جائے گا اور اگر حجاج غالب آیا تو رتبیل اس کو یا اس کی فوج کو اپنے علاقے میں داخل ہونے سے روکے گا اور برسر مقابلہ پیش آئے گا۔ چنانچہ یہ لشکر تمام فتح کیے ہوئے علاقے کو چھوڑ کر عراق کی طرف واپس روانہ ہوا۔

جب اس لشکر کے واپس آنے کا حال حجاج کو معلوم ہوا' تو اس نے عبدالملک کو لکھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے' اب میری مدد کے لیے فوج روانہ کرو' عبدالملک نے فوج روانہ کی۔

مہلب کو جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی' تو اس نے حجاج کو ہمدردانہ لکھا کہ تم اہل عراق کو واپس آ کر اپنے اپنے گھروں میں پہنچ لینے دو' اور ان سے بالکل متعارض نہ ہو۔ حجاج نے اس مشورے کی کوئی پرواہ نہیں کی' بلکہ وہ عراقیوں سے بدظن ہو گیا' اس نے مہلب کی نسبت بھی اپنے دل میں بدگمانی کو راہ دی' اور یہ خیال کیا کہ مہلب گورنر خراسان بھی ضرور ان لوگوں کا ہم خیال و مشیر ہو گا۔

عبدالملک کی فرستادہ فوجیں جب آ گئیں' تو حجاج ان کو لے کر بصرہ سے اس طرف آگے بڑھا' اور مقام تستر میں پہنچ کر سواروں کے دستے کو بطور مقدمۃ الجیش آگے بڑھایا' عبدالرحمان بن محمد بھی قریب پہنچ چکا تھا' عبدالرحمان کے سواروں نے حجاج کے سواروں کو شکست دے کر بھگایا اور ایک بڑے حصے کو قتل کر ڈالا۔

اب حجاج تستر سے مجبوراً بصرہ کی طرف لوٹا' اور مقام زاویہ کی طرف مڑ گیا' عبدالرحمان سیدھا

بصرہ میں داخل ہوا' اہل بصرہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی' حجاج کو مہلب کی نصیحت یاد آئی' اس نے جو کچھ لکھا تھا' درست لکھا تھا' اہل بصرہ حجاج کی سخت گیری سے نالاں تھے' سب کے سب عبدالملک بن مروان کے خلع خلافت اور حجاج سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

یہ واقعہ آخر ذی الحجہ ۸۱ھ کا ہے' شروع محرم ۸۲ھ سے حجاج اور عبدالرحمان بن محمد کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہو گیا' کبھی حجاج غالب ہوتا کبھی عبدالرحمان' لیکن ۲۹ محرم ۸۲ھ کو جو لڑائی ہوئی' اس میں عبدالرحمان بن محمد کو شکست فاش حاصل ہوئی' عبدالرحمان بن محمد بن اشعث اپنے شکست خوردہ ہمراہیوں کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا اور کوفہ دارالامارۃ پر قابض ہو گیا۔

اہل بصرہ نے عبدالرحمان بن محمد کی شکست کے بعد عبدالرحمان بن عباس بن ربیعہ بن حرث بن عبدالمطلب کے ہاتھ پر بیعت کی اور حجاج کے ساتھ مقابلہ و مقاتلہ کا سلسلہ جاری رکھا' پانچ چھ روز تک عبدالرحمان بن عباس نے حجاج کا خوب سختی سے مقابلہ کیا' اس فرصت سے عبدالرحمان بن محمد آسانی سے کوفہ پر قابض و متصرف ہو گیا' آخر عبدالرحمان بن عباس بھی معہ بہت سے بصریوں کے بصرہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوا' اور عبدالرحمان بن محمد سے کوفہ میں جا ملا۔

حجاج بصرہ میں داخل ہوا اور حکیم بن ایوب ثقفی کو بصرہ میں حاکم مقرر کر کے خود کوفہ کی طرف روانہ ہوا' مقام دیر قرہ میں ڈیرے ڈالے اُدھر کوفہ سے عبدالرحمان بن محمد نکلا اور دیر جم پر مورچے باندھے' طرفین سے خندقیں' مورچے' دمدمے باندھے گئے اور لڑائی شروع ہوئی' یہ لڑائی عرصہ تک جاری رہی' ہر روز دونوں طرف کی فوجیں میدان میں نکلتیں اور ایک دوسرے کو پیچھے ہٹاتیں' لیکن کوئی فیصلہ جنگ کا نہ ہوتا تھا' آخر عبدالملک نے اپنے بیٹے عبداللہ اور اپنے بھائی محمد بن مروان کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ کیا' اور اہل عراق کی طرف ان دونوں کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ:

''ہم حجاج کو معزول کیے دیتے ہیں' اہل عراق کے وظائف مثل اہل شام کے مقرر کر دیں گے' عبدالرحمان بن محمد جس صوبہ کی حکومت پسند کرے اس کو دے دی جائے گی''۔

حجاج کو اس پیغام کا حال معلوم ہو کر سخت صدمہ ہوا' اس نے عبداللہ بن محمد کو اس پیغام کے پہنچانے سے روک کر عبدالملک کو خط لکھا کہ اس طرز عمل سے اہل عراق کبھی آپ کے مغلوب و محکوم نہ ہوں گے اور ان کی سرکشی ترقی کرے گی' لیکن عبدالملک نے حجاج کی بات کو ناپسند کیا' اور عبداللہ بن محمد نے اہل عراق تک عبدالملک کا پیغام پہنچا دیا۔

اہل عراق کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی تھی اور عبدالرحمان بن محمد اس کے تسلیم کرنے پر آمادہ تھا' لیکن لشکریوں نے اس بات کو نہیں مانا' اور سب نے مخالفت میں آواز بلند کر کے عبدالملک کے خلع

خلافت کے لیے تجدید بیعت کی' عبداللہ و محمد یہ صورت دیکھ کر اپنی فوج حجاج کے پاس چھوڑ کر خود عبدالملک کے پاس واپس چلے گئے' اب طرفین میں تازہ جوش اور تازہ تیاریوں کا ساتھ پھر بڑے زور کی لڑائی شروع ہوئی' اور ایک سال تک برابر لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا' طرفین ہر روز اپنے اپنے موروچوں سے نکل کر نبرد آزما ہوتے اور شام کو اپنے مورچوں میں واپس چلے جاتے' ان لڑائیوں میں عبدالرحمان بن محمد کا پلہ بھاری نظر آتا تھا' اور حجاج کا نقصان زیادہ ہوتا تھا' لیکن حجاج کے پاس شام سے برابر امداد پہنچ رہی تھی۔

آخر ۱۵ جمادی الثانی ۸۳ھ کو ایک بہت بڑی فیصلہ کن جنگ ہوئی' اس لڑائی میں بعض اتفاقی واقعات کی بناپر حجاج کو فتح ہوئی' اور وہ فوراً کوفہ میں داخل ہو کر قابض ہو گیا' عبدالرحمان بن محمد نے وہاں سے بصرہ کا رخ کیا' اور حجاج کے عامل کو نکال کر فوراً بصرہ پر قبضہ کر لیا' حجاج نے کوفہ والوں سے بیعت لینی شروع کی اور جس نے تامل کیا اس کو بلا دریغ قتل کیا گیا۔

عبدالرحمان بن محمد کے پاس بصرہ میں ایک بڑا لشکر مجتمع ہو گیا' اور اس نے حجاج پر حملہ کرنے کا قصد کیا' حجاج نے یہ خبر سن کر کوفہ سے ایک زبردست شامی لشکر لے کر بصرہ کی طرف چلا' یکم شعبان ۸۳ھ سے لڑائی شروع ہوئی' ۱۵ شعبان تک نہایت زور شور کے ساتھ لڑائی جاری رہی' حجاج کو کئی مرتبہ شکست ہوئی' لیکن وہ سنبھل گیا' حجاج کے لشکر میں عبدالملک بن مہلب بھی موجود تھا' ۱۵ شعبان کو جب کہ عبدالرحمان بن محمد نے حجاج کو شکست فاش دے دی تھی' عبدالملک بن مہلب نے اپنے ہمراہی سواروں کو لے کر اچانک عبدالرحمان پر حملہ کیا' جب کہ وہ حجاج کے کیمپ کو لوٹ کر اور میدان سے بھگا کر اپنے لشکر گاہ میں مظفر و فتح مند واپس آیا تھا' اس اچانک حملہ نے عبدالرحمان کے ہمرائیوں کو سراسیمہ کر دیا' اور وہ بھاگ پڑے' بہت سے خندقوں میں گر کر ہلاک ہوئے' بہت سے مارے گئے' بہت سے اپنی جان سلامت لے گئے۔

حجاج جو شکست پاچکا تھا' واپس آکر عبدالرحمان بن محمد کے لشکر گاہ پر قابض ہوا' اس شکست کے بعد عبدالرحمان بن محمد بصرہ سے سوس' سابور' کرمان' زرنج' بست ہوتا ہوا رتبیل شاہ ترکستان کے پاس چلا گیا' عبدالرحمان بن محمد کے ہمراہیوں نے بجستان کے قریب جمع ہو کر عبدالرحمان بن عباس بن ربیعہ بن حرث بن عبدالمطلب کو اپنی نمازوں کا امام بنایا اور اپنے ساتھیوں کو ہر طرف سے بلایا اور عبدالرحمان بن محمد کے پاس پیغام بھیجا' کہ تم واپس چلے آؤ اور خراسان پر قبضہ کر لو' عبدالرحمان بن محمد نے کہا کہ خراسان پر یزید بن مہلب حکمران ہے' خراسان کا اس سے چھین لینا آسان کام نہیں' لیکن ان لوگوں نے باصرار عبدالرحمان بن محمد کو بلوایا' وہ رتبیل کے پاس سے رخصت ہو کر آیا' ان لوگوں کی

تعداد بیس ہزار تھی' ان کو لے کر ہرات کی طرف گیا' ہرات پر قبضہ کیا' یزید بن مہلب فوج لے کر مقابلہ پر آیا' جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے' تو لڑائی شروع ہونے سے پیشتر ہی عبدالرحمان بن محمد کے لشکری میدان سے بھاگنے لگے' مجبوراً عبدالرحمان بن محمد نے اپنے چند ہمرائیوں سے مقابلہ کیا' بہت سے مقتول و گرفتار ہوئے' عبدالرحمان بن محمد وہاں سے سندھ کی طرف بھاگا' یزید نے اپنی فوج کو تعاقب کرنے سے روک دیا' عبدالرحمان بن محمد سندھ پہنچ گیا۔

یزید نے جنگ ہرات میں جن لوگوں کو قید کیا تھا' انہیں مرو لے جا کر وہاں سے حجاج کے پاس بھیج دیا' انہیں قیدیوں میں محمد بن سعد بن ابی وقاص بھی تھے' جو حجاج کے حکم سے قتل کیے گئے۔

عبدالرحمان بن محمد بن اشعث سندھ سے رتبیل کے پاس چلا گیا اور وہاں جا کر سل کے عارضہ میں بیمار ہو گیا' حجاج نے رتبیل کو لکھا' کہ عبدالرحمان بن محمد کا سر کاٹ کر بھیج دو تو دس برس کا خراج معاف کر دیا جائے گا' رتبیل نے اس بیمار کا سر کاٹ کر حجاج کے پاس بھیج دیا' یہ واقعہ ۸۴ھ کا ہے۔

شہر واسط کی آبادی

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں' کہ عبدالرحمان بن محمد کے مقابلہ کی غرض سے حجاج کو عبدالملک کے پاس سے بار بار فوجی امداد طلب کرنی پڑی تھی' جب عبدالرحمان بن محمد عراق سے بے دخل ہو کر بجستان کی طرف واپس آیا ہے تو حجاج کے پاس شامی لشکر بہت زیادہ تعداد میں موجود تھا' اہل بصرہ و کوفہ کی طرف سے حجاج کو اطمینان نہ تھا' کیوں کہ عبدالرحمان بن محمد کے ساتھ شریک ہو کر لڑنے والے اہل کوفہ و اہل بصرہ ہی تھے۔ لہٰذا شامی لشکر کو ایک عرصہ تک کوفہ میں اپنے پاس رکھنا نہایت ضروری تھا۔

اول حجاج نے حکم دیا کہ شامی لوگ کوفیوں کے گھروں میں قیام کریں' لیکن چند ہی روز کے بعد شامی لوگوں نے کوفی عورتوں کے ساتھ بدعنوانیاں شروع کر دیں' اس کا حال حجاج کو معلوم ہوا' تو اس نے شامی لشکر کے لیے ایک الگ چھاؤنی قائم کرنی ضروری سمجھی' چنانچہ اس نے تجربہ کار لوگوں کی ایک جماعت کو مامور کیا کہ وہ چھاؤنی کے لیے کوئی مناسب مقام تجویز کریں۔

ان لوگوں نے ایک راہب کو دیکھا کہ وہ ایک مقام کو نجاست سے پاک و صاف کر رہا ہے' راہب سے جب اس کی وجہ دریافت کی' تو اس نے جواب دیا' کہ ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے' کہ اس مقام پر عبادت کے لیے ایک مسجد بنائی جائے گی جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے گی' لہٰذا میں اس جگہ کو پاک صاف کر رہا ہوں' ان لوگوں نے حجاج سے آ کر یہ کیفیت بیان کی' حجاج نے اس خاص مقام پر ایک مسجد بنا کر اسی کے اردگرد فوجی چھاؤنی قائم کر دی' اور شامیوں کو وہاں چلے جانے کا

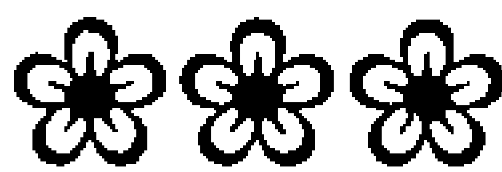
حکم دیا' یہی شہر واسط کی ابتداء تھی' یہ واقعہ ۸۳ھ کا ہے۔

یزید بن مہلب کی معزولی

حجاج نے عبدالرحمان بن محمد بن اشعث سے فارغ ہو کر اہل عراق پر نہایت سختی روا رکھی اور چن چن کر ان کے سرداروں کو قتل کرنا شروع کیا' عراق یعنی کوفہ و بصرہ کا کوئی بھی نامور گھرانہ ایسا نہ تھا جس میں سے کوئی نہ کوئی شخص حجاج کے حکم سے قتل نہ ہوا ہو اور اس کو ذلت و سختی برداشت کرنی نہ پڑی ہو' صرف ایک مہلب کا گھرانہ ایسا تھا جو باوفا رہنے کے سبب محفوظ تھا۔

یزید بن مہلب خراسان کا گورنر اور عبدالملک و حجاج کا فرماں بردار تھا' حجاج نے یزید کو کئی مرتبہ اپنے پاس کوفہ میں طلب کیا' لیکن ہر مرتبہ خراسان میں ایسی مصروفیتیں یزید کے لیے موجود تھیں' کہ اس نے عذر کیا اور کوفہ نہ آسکا' حجاج شکی مزاج بھی تھا' اس نے یزید بن مہلب کی نسبت بدگمانی کو دل میں جگہ دی' اور اس امر کے درپے ہوا کہ اس کو خراسان کی حکومت سے بے دخل کیا جائے' چنانچہ اس نے عبدالملک کو یزید کی شکایتیں لکھنی شروع کیں' عبدالملک نے ہر مرتبہ حجاج کو لکھا' کہ مہلب اور اس کے بیٹے ہمیشہ ہمارے خیر خواہ اور نمک حلال رہے ہیں' وہ مستحق رعایت ہیں لیکن حجاج بار بار اور با اصرار شکایتیں لکھتا رہا' عبدالملک نے مجبور ہو کر حجاج کو لکھا کہ تم کو چوں کہ اپنی تجویز پر اصرار ہے' لہٰذا میں تم کو اجازت دیتا ہوں' کہ جس کو مناسب سمجھو خراسان کا حاکم مقرر کر دو۔

حجاج نے اس اندیشے سے کہ کہیں خراسان کا مسئلہ پیچیدگی اختیار نہ کرے اور اس پر دوسرے عامل کا قبضہ نہ ہو سکے اول یہ حکم یزید کے پاس بھیجا' کہ تم اپنے بھائی مفضل بن مہلب کو خراسان کا ملک سپرد کر کے میرے پاس آ ؤ' یزید ابھی سامان سفر درست کر رہا تھا' کہ حجاج کا دوسرا حکم اور مفضل کے نام خراسان کی سند گورنری پہنچی یزید نے اپنے بھائی سے کہا کہ تم اس سند گورنری سے دھوکہ نہ کھا جانا' حجاج نے صرف میری وجہ سے کہ کہیں خراسان کی حکومت چھوڑنے سے انکار نہ کرے' تم کو خراسان کا گورنر بنایا ہے' وہ چند روز کے بعد تم کو بھی معزول کر دے گا' یہ کہہ کر یزید مرو سے ربیع الثانی ۸۵ھ کو روانہ ہو گیا' یزید کا خیال بالکل صحیح ثابت ہوا اور حجاج نے نو مہینے کے بعد مفضل بن مہلب کو خراسان کی گورنری سے معذول کر کے قتیبہ بن مسلم کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا۔



باب : ۲

ولید بن عبدالملک

ابوالعباس ولید بن عبدالملک بن مروان ۵۰ھ میں پیدا ہوا' اور ۳۶ سال کی عمر میں اپنے باپ عبدالملک بن مروان کی وفات کے بعد دمشق میں تخت خلافت پر بیٹھا' چوں کہ نہایت ناز ونعمت کا پلا ہوا تھا' لہٰذا علم وفضل سے بے بہرہ اور پڑھنے لکھنے میں بہت' ہی ناقص تھا' اپنے باپ عبدالملک کے کفن دفن سے فارغ ہو کر اس نے جامع مسجد دمشق میں آ کر خطبہ دیا' اور بیان کیا کہ:

''لوگو! جس کو اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا اس کو کوئی مؤخر نہیں کر سکتا' اور جس کو اللہ تعالیٰ نے مؤخر کیا اس کو کوئی مقدم نہیں کر سکتا' موت اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں تھی جس کو اس نے انبیاء وصلحاء سب کے لیے لازم کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے اب اس امت کا ولی ایک ایسے شخص کو بنا دیا ہے' جو مجرموں پر سختی اور اہل فضل واہل حق پر نرمی کرنے اور حدود شرعیہ کو قائم رکھنے کا عزم کرتا ہے' اور وہ خانہ کعبہ کے حج' اور سرحدوں پر جہاد یعنی دشمنان دین پر حملے کرتے رہنے کا عازم ہے' لوگو! تم خلیفہ وقت کی اطاعت کرو اور مسلمانوں میں اتفاق کو قائم رکھو' یاد رکھو' جو سرکشی کرے گا اس کا سر توڑ دیا جائے گا اور جو خاموش رہے گا' وہ اپنے مرض میں خود ہی ہلاک ہو جائے گا''۔

اس کے بعد لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی' ولید نے خلیفہ ہو کر حجاج کے اختیار و اقتدار کو بدستور قائم رکھا' حجاج نے قتیبہ بن مسلم باہلی کو جو رے کا حاکم تھا مفضل بن مہلب کی جگہ خراسان کا گورنر مقرر کیا اور قتیبہ بن مسلم نے چین و ترکستان تک پیہم فتوحات حاصل کیں۔ مغرب کی جانب موسیٰ بن نصیر گورنر افریقہ نے اسلامی فتوحات مراقش سے گزر کر اندلس تک پہنچایا' ولید کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک نے رومیوں کے مقابلے میں بہت سے شہر و قلعے فتح کیے۔

محمد بن قاسم بن محمد ثقفی نے جو حجاج کا قریبی رشتہ دار یعنی بھتیجا اور داماد تھا' سندھ و ہند کی طرف فتوحات حاصل کیں' ولید نے اپنے چچازاد بھائی سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ منورہ کا عامل وحاکم مقرر کیا' ۸۷ھ میں ولید نے جامع مسجد دمشق کی توسیع وتعمیر کی اور اسی سال سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے زیر اہتمام مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کو از سر نو تعمیر کرایا' اور ازواج مطہرات کے حجروں کو بھی مسجد

میں شامل کر کے اس کو وسیع کیا' مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے قیصر روم نے بھی بہت سے قیمتی پتھر اور ہوشیار معمار ہدیۃً ولید کے پاس بھیجے' ولید نے رفاہ خلائق کے بہت سے کام کئے' سڑکیں نکلوائیں' شہروں اور قصبوں میں مدرسے جاری کئے' سرائیں بنوائیں' کنویں کھدوائے' شفا خانے کھلوائے' راستے میں امن وامان اور مسافروں کی حفاظت کا انتظام کیا' مدینہ منورہ میں پانی کی قلت تھی وہاں ایک نہر لا کر اہل مدینہ کی تکلیف کو دور کیا محتاج خانے قائم کئے' رعایا کی تکلیف کو دور کرنے اور لوگوں کو راحت پہنچانے کا اس کو بہت خیال تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ہر طرف فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رہا اور کوئی اندرونی بغاوت اور فتنہ وفساد جو قابل تذکرہ ہو نمودار نہیں ہوا' مسلمانوں کی پیہم فتوحات لوگوں کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ یاد دلاتی تھیں۔ ولید نے فقراء وفقہاء اور علماء کے روزینے اس قدر مقرر کئے' کہ وہ سب فارغ البال وخوش حال رہنے لگے' رفاہ رعایا کے لیے اس نے نہایت مفید ضابطے اور قاعدے مقرر کئے۔

ولید نے ہشام بن اسماعیل مخزومی کو امارت مدینہ سے معزول کر کے جب عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ کا عامل مقرر کیا تو عمر بن عبدالعزیز نے سب سے پہلا کام مدینہ کی امارت اپنے ہاتھ میں لے کر یہ کیا' کہ فقہائے مدینہ میں سے دس اعلیٰ درجہ کے عالموں کو منتخب کیا' جن میں مدینہ کے فقہائے سبعہ بھی شامل تھے' ان دس آدمیوں کی ایک مجلس بنا کر اس مجلس کے مشورے سے ہر ایک کام کو انجام دینے لگے' اس مجلس کے ارکان کو اپنی حکومت میں شریک کر کے سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے ایک ایسی اچھی مثال عمال سلطنت کے لیے قائم کی' کہ اہل مدینہ نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے تقرر پر ولید بن عبدالملک کی خدمت میں شکر گذاری کے خطوط بھیجے اور خلیفہ وقت کو دعائیں دی۔

ولید بن عبدالملک کے تخت نشینی کے بعد ہی حجاج نے یزید بن مہلب اور اس کے بھائیوں کو قید کر دیا' اور ان پر غبن کا الزام لگایا۔

۸۷ھ میں مسلمہ بن عبدالملک نے بلاد روم پر براہ مصیصہ چڑھائی کی اور قلعہ لولق' اخرم' بولس' قمقیم وغیرہ کو فتح کیا۔

۸۸ھ میں جرثومہ اور طوانہ مفتوح ہوئے۔

۸۹ھ میں مسلمہ بن عبدالملک اور عباس بن ولید نے بلاد روم پر حملہ کیا' رومیوں کے ایک ٹڈی دل نے ان کا مقابلہ کیا' لیکن مسلمانوں کی فوج نے ہر مقام پر ان کو شکست دے کر پسپا کیا۔ قلعہ سوریا' قلعہ اردولیہ' عموریہ' ہرقلہ' قمولیہ وغیرہ مسلمانوں نے فتح کر لیے۔ اسی سال مسلمہ بن عبدالملک نے آذر بائیجان کی طرف ترکوں پر حملہ کر کے بہت سے شہروں اور قلعوں کو فتح کیا' اسی سال جزیرہ منورقہ د

میورقہ مفتوح ہوئے۔

۹۰ھ میں عباس بن ولید نے پانچ زبردست قلعے منوریہ کے علاقے میں فتح کیے۔

۹۱ھ میں ولید نے اپنے چچا محمد بن مروان کو جزیرہ آرمینیا کی گورنری سے معزول کر کے اس کی جگہ اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو مامور فرمایا' مسلمہ بن عبدالملک نے براہ آذربائیجان ترکوں پر جہاد کیا اور مقام باب تک فتح کرتا ہوا چلا گیا' اسی سال نسف' کشف' شومان وغیرہ کے قلعے مسلمانوں نے فتح کیے۔

۹۲ھ میں مسلمہ بن عبدالملک نے تین قلعے فتح کیے' اور اہل سرسنہ کو بلاد روم کی طرف جلاوطن کر دیا' اسی سال سندھ میں دیبل فتح ہوا۔ اسی سال کرخ' ابرہم' باجہ' بیضاء' خوارزم' سمرقند اور صفد فتح ہوئے۔

۹۳ھ میں مسلمہ بن عبدالملک اور عباس و مروان پسران ولید نے بلاد روم کی طرف حملہ کیا' اور سبیطلہ' حجرہ' ماشہ' حصن الحدید' غزالہ' ملطیہ وغیرہ کو فتح کر لیا۔

۹۴ھ میں عباس بن ولید نے انطاکیہ اور عبدالعزیز بن ولید نے غزالہ دوبارہ فتح کیا' اسی سال ولید بن ہشام معیطی مروج الحمام تک اور یزید بن ابی کبشہ سرزمین سوریہ تک فتح کرتا ہوا چلا گیا' اس سال کابل' فرغانہ' شاش' سندھ وغیرہ مفتوح ہوئے۔

۹۵ھ میں ہرقلہ والوں نے عساکر اسلامیہ کو دوسری طرف مصروف دیکھ کر سرکشی و بغاوت اختیار کی اور عباس بن ولید نے دوبارہ اس کو فتح کیا' اسی سال موقان مدینۃ الباب وغیرہ مفتوح ہوئے۔

۹۶ھ میں طوس اور اس کا علاقہ مفتوح ہوا۔

ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جس قدر لڑائیاں اور جہاد ہوئے' ان سب کے حالات اگر تفصیلی بیان کیے جائیں' تو اس مختصر کتاب کی کئی جلدیں ولید ہی کے عہد خلافت میں ختم ہو جائیں گی' لہٰذا اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے عہد ولیدی کے چند نامور فتح مند سرداروں کے کارنامے بطور اشارات درج کیے جاتے ہیں تاکہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ کی حالت اور اس زمانہ کے عالم اسلام کا اندازہ کرنے میں اس کتاب کے مطالعہ کرنے والوں کو کسی قدر آسانی رہے' مسلمہ بن عبدالملک بھی عہد ولید کے فتحمند سرداروں میں شامل ہے جس کی فتوحات کا ذکر اوپر ہو چکا' اب باقی نامور سرداروں کے حالات ملاحظہ ہوں۔

قتیبہ بن مسلم باہلی

حجاج نے قتیبہ بن مسلم باہلی کو ۸۶ھ میں امیر خراسان مقرر کیا تھا' قتیبہ نے مرو میں پہنچ کر ایاس بن عبداللہ بن عمرو کو صیغہ جنگ و صیغہ پولیس کا افسر مقرر کیا' اور عثمان بن سعدی کو محکمہ مال سپرد کیا اور خود ایک زبردست فوج لے کر طالقان کی طرف روانہ ہوا' وہاں ترکوں کا بادشاہ صغد خدمت میں حاضر ہوا اور فرماں برداری و خراج گذاری کا اقرار کر کے آخرون و شومان یعنی بلاد طغارستان کے حکمرانوں پر چڑھائی کرنے کی ترغیب دی' قتیبہ جب آخرون و شومان کے قریب پہنچا' تو وہاں کے بادشاہوں نے بھی اطاعت و خراج گذاری کا اقرار کر کے صلح کی اور قتیبہ اپنے بھائی صالح کو فرغانہ کی طرف بھیج کر خود مرو میں واپس آیا' صالح نے کاشانہ ورشت و اخسکیت وغیرہ بلاد فرغانہ کو فتح کر لیا۔

۸۷ھ میں قتیبہ نے علاقہ بخارا پر فوج کشی کی' اردگرد کے ترکوں نے مل کر مقابلہ کیا مگر سب ناکام رہے اور لشکر اسلام کے ہاتھ بے قیاس مال غنیمت آیا۔

۸۸ھ میں اہل صغد و فرغانہ نے سرکشی اختیار کی' اور بادشاہ چین کے ہمشیر زادہ کو اپنا افسر بنا کر دو لاکھ کی جمعیت سے مقابلہ پر تیار ہوئے' قتیبہ نے حملہ کر کے شکست دی اور مرو کو واپس چلا آیا۔

۸۹ھ میں بخارا' کش' نسف' صغد کے سرداروں نے مل کر بغاوت اختیار کی اور قتیبہ نے حملہ آور ہو کر ان کو شکست دی اور فرماں برداری پر مجبور کیا' اور مرو کو واپس چلا آیا۔

۹۰ھ میں وردن بادشاہ بخارا اور بادشاہ صغد اور اردگرد کے ترک سرداروں نے پھر بغاوت پر استادگی کی' مگر نیزک طرخان والئی بادغیس مسلمانوں کا فرماں بردار رہا' قتیبہ نیزک طرخاں کو ہمراہ لے کر بخارا کی طرف بڑھا' ترکوں نے مقابلہ پر خوب ہمت دکھائی' اول مقامی مقدمۃ الجیش کو شکست ہوئی' لیکن پھر سنبھل کر اسلامی لشکر نے حملہ کیا' تو ترکوں کے مورچوں پر قابض ہو گئے' ترکوں کا خاقان اور اس کا لڑکا مجروح ہو کر بھاگا' اور مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی' طرخون والی صغد نے سالانہ جزیہ ادا کرتے رہنے کا اقرار کیا' اور قتیبہ مرو کی طرف واپس ہوا۔

قتیبہ کے واپس آتے ہی نیزک طخارستان میں پہنچ کر باغی ہو گیا' سبہند بادشاہ بلخ و باذان بادشاہ مروالروز بادشاہ طالقان و فاریاب' والی جورجان' بادشاہ کابل سب نے ایک زبردست سازش کی اور متفق ہو کر قتیبہ کے عاملوں کو نکال دیا' قتیبہ نے اپنے بھائی عبدالرحمان بن مسلم کو بارہ ہزار فوج دے کر بھیجا' کہ مقام بروقان میں قیام کرنا' اور موسم سرما کے ختم ہوتے قتیبہ نے نیشاپور کی طرف فوجیں روانہ کیں اور باغیوں پر کئی جانب سے حملے کئے' نتیجہ یہ ہوا' کہ سب کو قرار واقعی سزا دی' اور سب نے

عجز و فرماں برداری کا اقرار کیا اور ادائے جزیہ کا وعدہ کیا' اسی سلسلہ میں سمنگان کا قلعہ بھی فتح کر کے حکومت اسلامیہ میں شامل کیا' تیزک گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔

بادشاہ جرجان کی خطا معاف کر کے اس کو اس کے ملک پر قابض کر دیا گیا' غرض ان ترک سرداروں نے بار بار بغاوت کی اور ہر مرتبہ قتیبہ نے ان کو شکست دی' یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انکے دماغوں سے بغاوت و سرکشی کا خیال دور ہونے لگا۔

۹۲ھ میں رتبیل بادشاہ سجستان نے بغاوت کا ارادہ کیا' قتیبہ فوج لے کر اس کے سر پر پہنچا اور اس نے معافی مانگ کر زر جزیہ ادا کر دیا۔

۹۳ھ میں قتیبہ نے خوارزم کا ملک فتح کر کے وہاں کے بادشاہ کو خراج کی ادائیگی کا اقرار لے کر واپس دے دیا' جس زمانہ میں قتیبہ خوارزم کو فتح کر رہا تھا' اہل صغد نے یہ دیکھ کر کہ قتیبہ کو ہم سے بہت فاصلہ ہے' اس کے عامل کو نکال دیا اور بغاوت اختیار کی' قتیبہ نے مال غنیمت خوارزم سے مرو کی طرف روانہ کیا' اور خود فوج لے کر نہایت تیز رفتاری سے صغد کی جانب روانہ ہوا۔

قتیبہ کی آمد کا حال سن کر خاقان چین سے اہل صغد نے مدد طلب کی اور اس نے اپنے نامور سپہ سالاروں اور شہزادوں کو قتیبہ کے مقابلہ کی غرض سے روانہ کیا' سمرقند کے قلعہ پر ترکوں نے مقابلہ کی تیاریاں کیں' قتیبہ نے آ کر لڑائی شروع کر دی' نہایت خوں ریز معرکے ہوئے' خاقان چین کا بیٹا مارا گیا' قلعہ کو مسلمانوں نے زور و قوت کے ساتھ فتح کر لیا' ہزارہا ترک تہ تیغ ہوئے' ان پر نہایت بھاری خراج مقرر کیا' اور نامور سردار جو ترکوں کے قید ہوئے تھے حجاج کے پاس بھیجے گئے' انہیں قیدیوں میں ایک عورت تھی' جو یزدجرد کی نسل سے تھی' اس عورت کو حجاج نے ولید بن عبدالملک کے پاس بھیج دیا' ولید نے اس سے نکاح کر لیا' جس سے اس کا بیٹا یزید پیدا ہوا' مرو میں واپس آ کر قتیبہ نے مغیرہ بن عبداللہ کو نیشاپور کا عامل مقرر کیا۔

۹۴ھ میں اہل شاش نے سرکشی کی علامات ظاہر کیں' قتیبہ نے اہل بخارا کشف' نسف' خوارزم سے امدادی افواج طلب کی' سب نے فوجیں روانہ کیں' اور ۲۰ ہزار کا لشکر جمع ہو گیا' قتیبہ نے خود مقام خجند پر ڈیرے ڈالے اور فوج کو سرداروں کے ساتھ شاش پر روانہ کیا۔ شاش مفتوح ہوا اور قتیبہ مرو کو واپس آیا' مرو کو واپس آتے ہوئے اس نے سنا کہ حجاج کا انتقال ہو گیا' قتیبہ نے اس کے بعد کاشغر تک کے تمام علاقہ پر قبضہ کر کے ترکستان پر پورے طور پر اسلامی تسلط قائم کر دیا' اس کے بعد ہبیرہ بن مشمرج کلابی کے ہمراہ چند شخصوں کی ایک سفارت بادشاہ چین کے پاس بھیجی' کہ اسلامی سیادت کو تسلیم کرو ورنہ ملک چین کو غازیان اسلام کے گھوڑے روند ڈالیں گے' اس سفارت کے پہنچنے سے

بادشاہ چین مرعوب ہو گیا اور اس نے قیمتی تحائف اور نذرانے بھیج کر قتیبہ سے صلح کی درخواست کی۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ

جس زمانے میں مسلمانوں نے ملک عرب سے باہر فاتحانہ قدم نکالا ہے‘ تو ملک سندھ میں بودھ مذہب کے راجہ حکمران تھے‘ ایرانی شہنشاہی مسلمانوں کے ہاتھ سے پارہ پارہ ہوئی‘ تو ایرانی سردار کچھ تو فرار ہو کر سندھ‘ ترکستان‘ چین کی طرف بھاگ گئے اور مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہوئے کچھ مسلمان ہو کر عزت و آرام کے ساتھ اپنے ملک میں زندگی بسر کرنے لگے‘ سوء اتفاق سے بنی ہاشم اور بنو امیہ میں جب قومی و خاندانی رقابتوں نے ترقی کی‘ تو ان ایرانیوں کو بھی قومی رقابت یاد آ گئی‘ اور انہوں نے عبداللہ بن سبا اور دوسرے منافقوں کی سازشوں میں بڑے ذوق وشوق سے حصہ لینا شروع کیا[1] ان سازشوں اور مسلمانوں کی خانہ جنگیوں سے ان ایرانیوں کے منصوبوں میں جو سندھ و کابل و چین و تبت وغیرہ میں جلاوطن ہو کر اور مخالف اسلام کوششوں میں مصروف تھے‘ از سر نو جان پڑ گئی‘ اور یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کو ایرانیوں کی بدولت کوفہ و بصرہ میں بھی اور ایران و خراسان کے علاقوں میں بھی بار بار مشکلات کا سامنا ہوا۔

سندھ کا ملک چوں کہ بصرہ و کوفہ یعنی عراق سے نسبتاً قریب تھا اور ایرانی حکومت کی سرحد اس سے ملتی تھی لہٰذا زیادہ تر شرارت پیشہ ایرانیوں کا مامن ملک سندھ ہی بنا ہوا تھا‘ اسلامی فتوحات کے سیلاب کو دیکھ دیکھ کر سندھ کا راجہ خود بھی ایرانیوں کی بربادی سے متاسف اور اس امر کا کوشاں تھا کہ کسی طرح ایرانی اپنی سلطنت پھر قائم کر سکیں‘ چنانچہ ایران کے آخری بادشاہ نے معرکہ نہاوند کے بعد کئی مرتبہ فوجیں جمع کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کیا‘ تو ان مقابلوں اور معرکوں میں سندھ کی امدادی فوج شاہ ایران کے ساتھ ضرور ہوتی تھی‘ ایران کی سلطنت جب برباد ہوئی‘ تو سندھ کے راجہ نے اپنے سرحدی ایرانی صوبوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا‘ اور مغلوب و مفتوح ایرانیوں نے کرمان و بلوچستان وغیرہ کے صوبوں کو بخوشی سندھ کے راجہ کو سپرد کر دیا‘ تا کہ وہ مسلمانوں کے قبضے میں نہ جا سکیں اور اس کے معاوضہ میں سندھ کے راجہ کی حمایت ان کو حاصل رہے۔

---

[1] چونکہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے دور کی کفار کی دو بڑی طاقتوں یعنی روم اور ایران کی حکومتوں اور سلطنتوں کو برباد کر ڈالا تھا‘ اس لیے عیسائیوں کی طرح ایرانیوں کے دلوں میں بھی یہ دشمنی اور نفرت و انتقام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ یہ بات کسی طرح بھی بھول نہیں پا رہے تھے کہ عرب ہم پر غالب آ گئے ہیں جن کی تعداد اور وسائل بہت تھوڑے ہیں۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہے عزت عطا فرمائے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔ یہ سارا اختیار اسی ذات کریم و جلیل کا ہے۔

یہ باتیں اس امر کی محرک تھیں، کہ مسلمان سندھ پر حملہ کر کے سندھ کے راجہ کو درست کریں، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ابھی ایران و خراسان پر مکمل قبضہ نہ ہونے پایا تھا، کہ اندرونی فسادات شروع ہو گئے، اور سندھ کی طرف کوئی توجہ نہ ہو سکی، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اندرونی خرخشوں سے نجات حاصل کر کے بیرونی ممالک کی طرف توجہ کی اور ان کے زمانہ میں سندھ کے راجہ سے وہ صوبے جو ایرانی سلطنت کا جزو تھے واپس لینے کی کوشش کی گئی، اس سلسلہ میں معمولی چھیڑ چھاڑ سندھی فوجیوں سے ہوئی، لیکن ان کے بعد یزید کی حکومت میں پھر وہی اندرونی فسادات واپس آ گئے اور مسلمان بیرونی علاقوں کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔

عبدالملک کے زمانہ میں پھر مسلمانوں کو بیرونی ممالک کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ملا، لیکن حجاج نے جو مشرقی ممالک کا وائسرائے تھا سندھ کے مقابلہ میں افغانستان و بدخشاں کے حاکم رتبیل کی سرکوبی کو اس لیے مقدم سمجھا کہ وہ خراسان کے اسلامی صوبہ کے لیے بہت زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا، چنانچہ حجاج کی زیادہ تر توجہ رتبیل اور اس کی وجہ سے بخارا وغیرہ کی طرف مبذول رہی، حجاج کے گورنر قتیبہ نے ملک چین تک کے سرکشوں کو سیدھا کرنے میں کارہائے نمایاں دکھلائے، اس کے بعد سندھ کا ملک ہی ایک ایسا ملک تھا، کہ مسلمان سندھیوں سے اپنے حقوق واپس لینے اور سندھ کے راجہ کو آئندہ کے لیے درست رکھنے کی غرض سے اپنی طاقت و سطوت کا نمونہ دکھاتے، لیکن ابھی مسلمان اس ضروری کام کو اپنی طرف سے شروع نہ کرنے پائے تھے کہ خود سندھ کے راجہ نے مسلمانوں کو اپنے ملک پر حملہ آور ہونے کی دعوت دے دی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ مسلمان سوداگر جزیرہ سراندیپ میں بحالت سفر فوت ہو گئے تھے، ان کے یتیم بچے اور بیوہ عورتیں جو اس جزیرہ میں رہ گئیں، ان کو سراندیپ کے راجہ نے حجاج بن یوسف ثقفی اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کی عنایت و مہربانی اپنی طرف مبذول کرنے کے لیے بہترین ذریعہ سمجھا، سراندیپ کا راجہ مسلمانوں کی فتوحات کا حال سن کر پہلے سے مرعوب اور اپنی نیازمندی کے اظہار کی غرض سے کسی ذریعہ وحیلہ کا متلاشی تھا، چنانچہ اس نے ان یتیم بچوں اور بیواؤں کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے معتمدوں کے ساتھ اپنے خاص جہازوں میں بٹھا کر حجاج کے پاس روانہ کیا۔ بہت سے قیمتی تحفے اور ہدیئے حجاج اور خلیفہ ولید کے لیے بھیجے اور ان یتیموں اور بیواؤں سے امید رکھی کہ یہ ضرور میری تعریف حجاج سے کریں گے۔

یہ کشتیاں سراندیپ سے روانہ ہو کر ساحل کے قریب قریب سفر کرتی ہوئی خلیج فارس کی طرف روانہ ہوئیں، کہ وہاں سے خشکی پر اتر کر یہ لوگ معہ تحفہ وہدایا حجاج کی خدمت میں کوفہ پہنچیں گے، راستے

میں بادمخالف کے طوفان نے ان کشتیوں کو سندھ کے بندرگاہ دیبل میں لا ڈالا' یہاں سندھ کے راجہ مسمی داہر کے سپاہیوں نے ان کشتیوں کو لوٹ لیا' اور سواروں کو قید کرلیا' یہ حال جب حجاج کو معلوم ہوا' تو اس نے سندھ کے راجہ کو لکھا کہ وہ کشتیاں ہمارے پاس آ رہی تھیں' تم لٹیروں کو قرار واقعی سزا دو اور کشتیوں کے آدمیوں کو معہ سامان مسروقہ ہمارے پاس بھیج دو' یہاں سے راجہ نے حجاج کو نہایت مغرورانہ اور نامعقول جواب لکھا۔

حجاج نے اول عبداللہ اسلمی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ سندھ کی طرف روانہ کیا' عبداللہ سندھ میں پہنچ کر راجہ داہر کی فوج کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا اور یہ مہم ناکام رہی' دوسری مرتبہ حجاج نے بدیل نامی سردار کو مامور کیا' کہ وہ بھی ۶ ہزار فوج لے کر دیبل تک پہنچ گیا مگر راجہ حبیب کے مقابلہ میں لڑتا ہوا گھوڑے سے گر کر شہید ہوا۔

اس خبر کو سن کر حجاج کو اور بھی زیادہ ملال ہوا' تیسری مرتبہ اس نے محمد بن قاسم کو جو اس کا داماد بھی تھا' اور صرف سترہ سال کی عمر کا نوجوان تھا ۶ ہزار شامی فوج کے ساتھ سندھ کی طرف روانہ کیا' محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس مرتبہ شامی سپاہی اس لیے بھیجے گئے کہ حجاج کو اس بات کا شبہ تھا کہ عراقی و ایرانی سپاہی سندھیوں سے ساز باز رکھتے ہیں' محمد بن قاسم نے اول صوبہ مکران کو جس پر سندھیوں نے قبضہ کر رکھا تھا فتح کر کے سندھیوں کو بھگایا' دیبل پر آیا اس کو فتح کیا' نیرون اور برہمن آباد کی طرف بڑھا' راجہ داہر کے پاس نہ صرف ایرانی لوگ ہی پناہ گزین تھے بلکہ بہت سے عرب لوگ بھی جو خلیفہ وقت یا عمال خلافت سے باغی ہو ہو کر بھاگے تھے سندھ میں راجہ داہر کے پاس پناہ گزین تھے' اس لیے بھی سندھ پر حملہ کرنا ناگزیر تھا' راجہ داہر نے مقابلہ کیا اور مارا گیا' اس کے بعد محمد بن قاسم نے یکے بعد دیگرے سندھ کے شہروں کو فتح کرنا شروع کیا' حتیٰ کے تمام ملک سندھ اور ملتان اس کے ہاتھ پر مفتوح ہوا۔

سندھ کی فتح میں حجاج کی توجہ پورے طور پر محمد بن قاسم کی طرف مبذول رہی' روزانہ خبریں منگواتا' اور روزانہ محمد بن قاسم کو ہدایات بھیجتا تھا' محمد بن قاسم نے اپنے آپ کو سندھیوں کے لیے نہایت شفیق و رحم دل فاتح اور رعایا پرور حکمران ثابت کیا' اس نوجوان فتح مند نے جس رواداری' بہادری' سیر چشمی اور لطف و عطا کا اظہار کیا اس کی مثالیں تاریخ عالم میں بہت ہی کم دستیاب ہو سکتی ہیں' محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ کا مفصل حال تاریخ ہند میں لکھا جائے گا۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ ملتان کو فتح کر چکا تھا' کہ اس کے پاس حجاج کے فوت ہونے کی خبر پہنچی' مگر اس نے اپنی فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رکھا اور ۹۶ھ تک بندر سورت سے لے کر ملک کشمیر تک تمام مغربی ہندوستان کو مفتوح و محکوم کر لیا۔

حجاج بن یوسف ثقفی

حجاج کے حالات اوپر برابر ذکر ہوتے چلے آئے ہیں' ولید بن عبدالملک کے تخت نشین ہوتے ہی حجاج نے یزید بن مہلب کو خراسان کی گورنری سے اور حبیب بن مہلب کو کرمان کی گورنری سے معزول کر کے قید کر دیا تھا' پھر مہلب کے تمام بیٹوں کو قید کر دیا' یزید معہ اپنے بھائیوں کے قید خانے سے فرار ہو کر فلسطین میں ولید بن عبدالملک کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کے پاس پہنچا جو وہاں کا عامل تھا' حجاج نے ولید کو یزید بن مہلب کی شکایتیں لکھیں' لیکن سلیمان کی سفارش سے یزید بن مہلب اور اس کے بھائیوں سے ولید نے کوئی مواخذہ نہ کیا۔

حجاج کے مزاج کی سختی نے اہل عراق کو پریشان کیا اور اکثر لوگ حجاج سے تنگ آ کر عراق سے فرار ہوئے' اور مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں جا جا کر مقیم ہوئے' وہاں سیدنا عمر بن عبدالعزیز حجاز کے گورنر تھے' انہوں نے عراق سے آئے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کیا' ۹۳ھ میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے ولید کو ایک خط حجاج کی شکایت میں لکھا' کہ اس نے اہل عراق کو بہت ستا رکھا ہے اور اپنے ظلم و زیادتی میں حد سے بڑھ گیا ہے' حجاج کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو اس نے بھی ایک خط سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی شکایت میں ولید کو لکھا' کہ اکثر فتنہ پرداز اور منافق لوگ عراق سے جلاوطن ہو کر سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے پاس چلے جاتے ہیں' اور عمر بن عبدالعزیز ان کی گرفتاری سے مانع ہوتے ہیں' یہ بات حکومت و سلطنت کے لیے موجب نقصان ہو گی' مناسب یہ ہے کہ آپ عمر بن عبدالعزیز کو حجاز کی حکومت سے معزول کر دیں۔ ولید نے ماہ شعبان ۹۳ھ میں عمر بن عبدالعزیز کو حجاز کی حکومت سے معزول کر کے ان کی جگہ خالد بن عبداللہ کو مکہ معظمہ کا اور عثمان بن حبان کو مدینہ کا حاکم مقرر کر دیا۔

خالد نے مکہ میں جاتے ہی کل اہل عراق کو نکال باہر کیا اور ان لوگوں کو بھی دھمکایا' جنہوں نے اپنے مکانات اہل عراق کو کرایہ پر دے رکھے تھے' جو لوگ حجاج کے ظلم و ستم سے بچنے کے لیے مکہ معظمہ میں آئے تھے ان ہی میں سعید بن جبیر بھی تھے' سعید بن جبیر کی خطا یہ تھی کہ وہ عبدالرحمان بن اشعث کے ہم آہنگ ہو گئے تھے اور حجاج کے نگاہ میں یہ خطا کوئی معمولی خطا نہ تھی' خالد نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا' حجاج نے ان کو قتل کر دیا۔

سعید بن جبیر بالکل بے گناہ مقتول ہوئے اور اس قسم کے یہی ایک مقتول نہ تھے بلکہ بہت سے بزرگ اور نیک آدمیوں کو حجاج نے ظالمانہ قتل کیا۔

ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک تخت خلافت کا آرزومند تھا' کیوں کہ عبدالملک نے ولید کے بعد سلیمان کو ولی عہد بنایا تھا اور اسی پر لوگوں سے بیعت لی گئی تھی' ولید نے یہ چاہا' کہ میں سلیمان اپنے بھائی کو محروم کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بناؤں' اس خواہش اور ارادہ کا حال ولید نے جداجدا اپنے سرداروں کے سامنے بیان کئے' تو حجاج اور قتیبہ نے تو پسند کیا' لیکن اوروں نے ولید کو ڈرایا' اور کہا' کہ مسلمانوں میں فتنہ برپا ہو جانے کا سخت اندیشہ ہے۔

اسی سال ۹۵ھ میں بہ ماہ شوال بیس برس عراق کی حکومت کرنے کے بعد حجاج نے وفات پائی' اور مرتے وقت اپنے بیٹے عبداللہ بن حجاج کو عراق کا گورنر مقرر کیا' ولید بن عبدالملک نے حجاج کے تمام عاملوں کو ان کے عہدوں پر بدستور قائم رکھا۔

موسیٰ بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ

جس طرح حجاج مشرقی ممالک کا سب سے بڑا حاکم تھا اسی طرح مغربی ممالک کا حاکم ولید بن عبدالملک کے عہد میں موسیٰ بن نصیر تھا۔ جس کا جائے قیام مقام قیروان تھا' شمالی افریقہ کے اس سب سے بڑے حاکم کے پاس اندلس کے بعض لوگ آئے' اور اپنے بادشاہ لذریق (راڈرک) کے ظلم وستم کی شکایت کر کے التجا کی کہ آپ اندلس (اسپین) پر چڑھائی کر کے مراقش کی طرح اس کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیں۔

موسیٰ نے اہل اندلس کی اس درخواست پر چند روز غور کیا' اس کے بعد اپنے ایک غلام کو چار کشتیوں میں چار سو سپاہیوں کے ساتھ ساحل اندلس کی طرف روانہ کیا کہ وہاں کے حالات سے آگاہی حاصل ہو' اور دوسری طرف خلیفہ ولید سے اندلس پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی' خلیفہ نے چڑھائی کی اجازت عطا کر دی' ادھر چار سو سپاہی بھی سالماً غانماً واپس آئے۔

۹۱ھ یا ۹۲ھ میں موسیٰ نے اپنے دوسرے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کو سات ہزار فوج دے کر اندلس پر حملہ کرنے کا حکم دیا' طارق اس زمانہ میں موسیٰ بن نصیر کی طرف سے طنجہ (واقع مراکو) کا حاکم تھا' وہ اپنے سات ہزار ہمراہیوں کے ساتھ کشتیوں پر سوار ہو کر اور بارہ میل کی چوڑی آبنائے جبل الطارق کو عبور کر کے ساحل اندلس پر اترا' اور شمال کی جانب متوجہ ہوا' علاقہ شذونہ میں اسپین کا بادشاہ لذریق ایک لاکھ جرار فوج کے ساتھ طارق کے مقابلہ پر آیا۔ آٹھ روز تک بڑے زور شور کی لڑائی رہی' آخر آٹھویں روز ۲۸ ماہ رمضان المبارک ۹۲ھ کو شاہ لذریق طارق کے مقابلہ میں مارا گیا اور عیسائی لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔

اسی سال سندھ کا راجہ داہر محمد بن قاسم کے مقابلہ میں مارا گیا تھا' اس کے بعد بڑی آسانی سے طارق اندلس کے شہروں کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھا' اس فتح عظیم کا حال جب موسیٰ بن نصیر کو معلوم ہوا' تو اس نے طارق کو آئندہ پیش قدمی سے رکنے اور اپنے پہنچنے تک انتظار کرنے کے لیے لکھا' مگر طارق اور اس کے بہادر سپاہی اب رک نہیں ۔۔۔۔۔ سکتے تھے' آخر رمضان ۹۳ھ میں موسیٰ بن نصیر بھی اٹھارہ ہزار فوج لے کر اندلس پہنچ گیا اور تمام جزیرہ نمائے اندلس کو کوہ پیری نیز تک فتح کر لیا' مشرق اندلس میں علاقہ پرشلونہ کو فتح کرنے کے بعد موسیٰ نے ولید بن عبدالملک کو لکھا کہ میں نے تمام ملک اسپین کو فتح کر لیا ہے' اب اجازت دیجئے' کہ میں یورپ کے اندر ہوتا اور فتوحات حاصل کرتا ہوا قسطنطنیہ پر پہنچوں' اور فتح قسطنطنیہ کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

لیکن ولید بن عبدالملک نے موسیٰ کو لکھا' کہ تم اسپین میں کسی کو حاکم مقرر کر کے معہ طارق بن زیاد میرے پاس براہ افریقہ واپس آؤ' اگر اس وقت موسیٰ بن نصیر کو اجازت مل جاتی' تو یہ کچھ بھی دشوار نہ تھا' کہ تمام براعظم یورپ فتح ہو جاتا۔

ہر حال خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں موسیٰ نے اندلس میں اپنے بیٹے عبدالعزیز کو گورنر مقرر کیا' اور مراکو اپنے دوسرے بیٹے عبدالملک کو سپرد کیا' اور قیروان میں اپنے تیسرے بیٹے عبداللہ کو جانشین بنایا' اور اس انتظام سے فارغ ہو کر خود معہ تحفہ وہدایا دمشق کی جانب روانہ ہوا' لیکن یہ جس روز دمشق پہنچا ہے' خلیفہ ولید بن عبدالملک کا انتقال ہو چکا تھا۔

ولید بن عبدالملک کی وفات

ولید نے اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹوں کو ولی عہد بنانے کی جو کوشش کرنی چاہی تھی' اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکا' اگر وہ چند روز اور نہ مرتا تو شاید اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاتا' لیکن اب یہ ہوا' کہ سلیمان ان سرداروں کا جنہوں نے ولید کے ارادے کی تائید کی تھی دشمن ہو گیا' نیز ہر ایک اس سے جس کو ولید محبوب و مکرم رکھتا تھا' سلیمان کو دشمنی ہو گئی' اور اس کا نتیجہ آئندہ عالم اسلام کے لیے کسی قدر مضر ثابت ہوا۔

ولید بن عبدالملک نے ۱۵ جمادی الثانی ۹۶ھ مطابق ۲۵ فروری ۷۱۵ء میں پنتالیس سال' چند ماہ کی عمر میں نو سال' آٹھ مہینے خلافت کرنے کے بعد ملک شام کے مقام دیر مران میں وفات پائی اور ۱۹ بیٹے چھوڑے۔

ولید کے عہد خلافت میں سندھ' ترکستان' بخارا' سمرقند' وغیرہ اور اندلس' ایشیائے کوچک کے

اکثر شہر و قلعے اور بعض جزیرے اسلامی حکومت میں شامل ہوئے' ولید کی خلافت مسلمانوں کے لیے ایک طرف راحت و آرام اور خوش حالی کا زمانہ تھا تو دوسری طرف فتوحات ملکی کا خاص زمانہ تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد اس قدر عظیم و اہم فتوحات ملکی اور کسی خلیفہ کے زمانہ میں اب تک مسلمانوں کو حاصل نہ ہوئی تھیں' جب ولید کا انتقال ہوا تو اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک مقام رملہ میں تھا۔

سلیمان بن عبدالملک

سلیمان اپنے بھائی ولید سے چار سال عمر میں چھوٹا تھا' ولید کی وفات کے بعد اس کے ہاتھ پر جمادی الثانی ۹۶ھ میں بیعت خلافت ہوئی' حجاج چوں کہ سلیمان کو ولیعہدی سے معزول کرانے میں ولید کا ہم خیال تھا اور قتیبہ بن مسلم بھی اس معاملہ میں حجاج و ولید کا ہم نوا تھا' لہٰذا سلیمان کو حجاج و قتیبہ دونوں سے سخت عداوت تھی' حجاج سلیمان کے خلیفہ ہونے سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا' قتیبہ البتہ خراسان کی گورنری پر مامور اور زندہ موجود تھا' قتیبہ کو اس بات کا احساس تھا' کہ سلیمان کی خلافت میں میرے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا جائے گا۔

قتیبہ کا قتل

قتیبہ بن مسلم باہلی امیر خراسان نے جب سنا کہ ولید فوت ہو گیا اور اس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا' تو اس نے خراسان کی تمام موجودہ فوج اور سرداران لشکر کو جمع کر کے اپنی رائے کا اظہار کیا' کہ سلیمان بن عبدالملک کی خلافت سے انکار کرنا چاہیئے' قتیبہ کے پاس جو فوج تھی' اس میں ایک زبردست حصہ بنو تمیم کا تھا' بنو تمیم کا سردار وکیع تھا' وکیع نے یہ رنگ دیکھ کر لوگوں سے سلیمان بن عبدالملک کی بیعت خلافت لینی شروع کر دی' رفتہ رفتہ یہ خبر تمام لشکر میں پھیلی اور تمام قبائل وکیع کے گرد جمع ہو گئے' قتیبہ نے ہر چند کوشش کی کہ لوگ اس کی باتیں سنیں اور اس سے افہام و تفہیم کریں' لیکن پھر کسی نے اس کی بات نہ پوچھی اور علانیہ گستاخیاں کرنے لگے' قتیبہ کے ساتھ اس کے بھائی اور بیٹے اور رشتہ دار شریک رہے' آخر لشکریوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور قتیبہ کی ہر چیز کو لوٹنا اور جلانا شروع کیا' قتیبہ کے رشتہ داروں نے قتیبہ کے خیمہ کی حفاظت کرنی چاہی' لیکن وہ سب مارے گئے' اور بالآخر قتیبہ بھی بہت سے زخم کھا کر بے ہوش زمین پر گرا اور لوگوں نے فوراً اس کا سر کاٹ لیا' قتیبہ کے صرف بھائی اور بیٹے گیارہ شخص مارے گئے' اسکے بھائیوں میں صرف ایک شخص عمر بن مسلم اس لیے بچ گیا کہ اس کی ماں قبیلہ بنو تمیم سے تھی وکیع نے قتیبہ کا سر اور اس کی انگوٹھی خراسان سے سلیمان بن عبدالملک

کے پاس بھجوادی۔

قتیبہ بن مسلم خاندان بنوامیہ کے سرداروں میں نہایت زبردست فتح منداور نامور سردار تھا۔ ایسے زبردست سردار کی ایسی موت نہایت افسوس ناک حادثہ ہے' لیکن چوں کہ اس نے خلیفہ وقت کے خلاف کوشش کرنے میں ناعاقبت اندیشی سے کام لیا تھا۔ لہٰذا سلیمان بن عبدالملک پر قتیبہ کے قتل کا کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

سلیمان بن عبدالملک پر سب سے بڑا الزام محمد بن قاسم کے معاملہ میں لگایا جاتا ہے' سلیمان کو اگر حجاج سے عداوت ودشمنی تھی تو اس دشمنی کو حجاج کے رشتہ داروں تک بلاوجہ وسیع نہیں ہونا چاہیئے تھا' لیکن افسوس ہے کہ سلیمان نے محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی طرح کشتنی وگردن ہونی سمجھا' جس طرح وہ حجاج کو سمجھتا تھا' محمد بن قاسم نہایت سمجھدار' بہادر اور مستقل مزاج' نیک طینت اور جوان صالح تھا' اس نوجوان نے سندھ وہند کی فتوحات میں ایک طرف اپنے آپ کو رستم واسکندر سے بڑھ کر ثابت کیا' تو دوسری طرف وہ نوشیروان عادل سے بڑھ کر عادل ورعایا پرور ظاہر ہوا تھا' اس نوجوان فتح مند سردار نے سلیمان کے خلاف قطعاً کوئی حرکت بھی نہیں کی تھی۔

حجاج کی وفات کے بعد بھی وہ اسی طرح فتوحات وملک داری میں مصروف رہا جیسا کہ حجاج کی زندگی میں تھا' اس کے پاس جس قدر فوج تھی' وہ سب کی سب دل وجان سے اس پر فدا اور اس کے ہر ایک حکم کی تعمیل کو بسروچشم موجود تھی' اور یہ بھی سب سے بڑی دلیل اس بات کی تھی کہ محمد بن قاسم نہایت اعلیٰ درجہ کی قابلیت سپہ سالاری رکھتا تھا۔ ایسے نوجوان کی جس کی ابتداء ایسی عظیم الشان تھی' اگر تربیت کی جاتی اور اس سے کام لیا جاتا' تو وہ سلیمان ابن عبدالملک کے لیے تمام براعظم ایشیا کو چین و جاپان تک فتح کر دیتا' لیکن سلیمان بن عبدالملک نے جذبہ عداوت سے مغلوب ہو کر یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے بھیج دو' سلیمان کا یہ حکم درحقیقت تمام کارگذار وفتح مند سپہ سالاروں کو بزدل بنا دینے کا ایک زبردست اعلان تھا' کسی خلیفہ یا سلطان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی قابل شرم بات نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے سرداروں کے عظیم الشان اور قابل تعریف کاموں کا صلہ بجائے تحسین وآفرین اور عزت افزائی کے قید وگرفتاری سے دے۔

یزید بن ابی کبشہ سندھ میں آ کر زور وقوت کے ذریعہ محمد بن قاسم کو ہرگز ہرگز مغلوب نہیں کرسکتا تھا۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہیوں کو جب خلیفہ کے اس نامعقول حکم کا حال معلوم ہوا تو انہوں

نے محمد بن قاسم سے کہا کہ تم اس حکم کی ہرگز تعمیل نہ کرو' ہم تم کو اپنا امیر جانتے اور تمہارے ہاتھ پر اطاعت کی بیعت کیے ہوئے ہیں' خلیفہ سلیمان کا ہاتھ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکتا' حقیقت بھی یہ ہے کہ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو مغلوب کرنے کے لیے خلیفہ سلیمان کو اپنی خلافت کا پورا زور لگانا پڑتا' کیوں کہ یہاں محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس کی ہر دل عزیزی کے سبب ایسے ذرائع موجود تھے کہ سندھ کے ریگستان کا ہر ایک ذرہ اس کی اعانت و امداد کے لیے کوشاں ہوتا' مگر اس جوان صالح نے فوراً بلا توقف اپنے آپ کو ابن ابی کبشہ کے سپرد کر دیا اور کہا کہ خلیفہ وقت کے حکم کی نافرمانی کا جرم مجھ سے ہرگز سرزد نہ ہوگا۔[1]

چنانچہ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کرنے کے بعد ابن ابی کبشہ نے دمشق کی جانب روانہ کر دیا' وہاں سلیمان کے حکم سے وہ واسط کے جیل خانہ میں قید کر دیا گیا اور صالح بن عبدالرحمان کو اس پر مسلط کر دیا۔ جس نے اس کو جیل خانے میں انواع واقسام کی تکلیفیں دے دے کر مار ہی ڈالا۔[2]

موسیٰ بن نصیر کا انجام

موسیٰ بن نصیر کی نسبت اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اس نے تمام شمالی افریقہ میں امن وامان قائم رکھا اور اندلس کی فتح کو تکمیل تک پہنچایا' موسیٰ کا باپ نصیر عبدالعزیز بن مروان بن حکم کا مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام تھا' جو خاندان مروان کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا' اس بہادر سردار کے حوصلے کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ تمام براعظم یورپ کو صرف پندرہ بیس ہزار فوج سے فتح کر لینے کا ارادہ رکھتا تھا' موسیٰ بن نصیر جب دارالخلافہ میں پہنچا' تو اس کا قدرشناس خلیفہ ولید فوت ہو چکا تھا' سلیمان نے موسیٰ کے ساتھ بجائے اس کے کہ عزت وقدردانی کا برتاؤ کرتا' اس کو قید کر دیا اور اس قدر بھاری تاوان اس کے ذمہ عائد کیا' جو موسیٰ کی استطاعت سے باہر تھا' یہاں تک کہ موسیٰ کو تاوان کا روپیہ پورا کرنے کے لیے عرب سرداروں سے مانگ کر اپنی آبرو برباد کرنی پڑی اور اس کی تمام ناموری اور عزت وحرمت خاک میں مل گئی۔

ولید کے زمانے کے نامور سرداروں میں صرف مسلمہ بن عبدالملک سلیمان کی عنایت ریزیوں سے بہرہ ور رہا اور سلیمان نے اس کو بدستور اپنے عہدے اور مرتبہ پر قائم رکھا' مسلمہ سلیمان کا بھائی تھا اور

[1] کیا کہنے اس اطاعت امیر کے۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فی الواقع نہایت صالح' دور اندیش اور پاکیزہ فطرت کا حامل مسلم تھا۔

[2] یہ حادثہ کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا۔ یہ بہت بڑا المیہ تھا جو اس امت میں واقع ہوا اور اس سے خلافت اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

اس کو ولی عہدی کے معاملہ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا' اس لیے سلیمان نے اس کو اپنے دشمنوں کی فہرست میں داخل نہیں کیا۔

یزید بن مہلب

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حجاج مہلب کے بیٹوں سے ناراض تھا اور یزید بن مہلب کو معہ اس کے بھائیوں کے قید کر دیا تھا' یزید بن مہلب جیل خانے سے بھاگ کر فلسطین میں سلیمان بن عبدالملک کے پاس چلا گیا' اس زمانہ میں سلیمان بن عبدالملک فلسطین کا گورنر تھا' یہ بھی ذکر ہو چکا ہے' کہ حجاج نے مرتے وقت اپنے بیٹے عبداللہ بن حجاج کو عراق میں اپنی جگہ عراق کا گورنر مقرر کیا تھا اور ولید بن عبدالملک نے اس تقرر کا جائز رکھا تھا' اب ولید کی وفات کے بعد جب سلیمان بن عبدالملک تخت خلافت پر بیٹھا تو اس نے سب سے پہلے حجاج کے بیٹے عبداللہ کو معزول کر کے اس کی جگہ یزید بن مہلب کو گورنر عراق مقرر کیا' یزید بن مہلب جانتا تھا کہ اگر لوگوں سے خراج کے وصول کرنے میں میں نے سختی کی تو حجاج کی طرح بدنام ہو جاؤں گا اور اگر رعایت و نرمی سے کام لیا تو سلیمان بن عبدالملک کی نگاہوں سے گر جاؤں گا' اس لیے اس نے یہ تدابیر اختیار کیں' کہ سلیمان بن عبدالملک کو اس بات پر رضامند کیا' کہ وہ عراق کی تحصیل خراج یعنی صیغہ مال کی افسری پر صالح بن عبدالرحمان کو مقرر کر دے اور باقی انتظامی و فوجی معاملات گورنر عراق یعنی یزید بن مہلب سے متعلق رہیں۔

یزید بن مہلب کی یہ خواہش سلیمان کو اس لیے بھی ناگوار نہ گذری کہ وہ جانتا تھا کہ حجاج نے یزید بن مہلب پر سرکاری روپیہ کے خورد برد کرنے کا الزام لگا کر قید کیا تھا' چنانچہ صالح بن عبدالرحمان صیغہ مال کی افسری پر مامور ہو کر اول عراق کی جانب بھیج دیا گیا' اس کے بعد یزید بن مہلب بھی عراق کا گورنر بن کر کوفہ میں وارد ہوا' یہاں یزید و صالح میں ناچاقی پیدا ہوئی' اور یزید بن مہلب کے لیے صالح بن عبدالرحمان کا وجود باعث تکلیف ثابت ہونے لگا۔

اسی دوران میں خبر آئی کہ قتیبہ بن مسلم خراسان میں مارا گیا' یزید خراسان کی گورنری کو ترجیح دیتا تھا' کیوں کہ وہ اور اس کا باپ خراسان کا گورنر رہ چکے تھے' سلیمان بن عبدالملک نے یزید بن مہلب کی خواہش کے موافق اس کو خراسان کے صوبہ کی سند گورنری دے کر عراق کو بھی اسی کے ماتحت رکھا' یزید نے عراق کے اندر کوفہ و بصرہ و واسط وغیرہ میں اپنے جدا جدا نائب چھوڑ کر خود خراسان کا قصد کیا' خراسان میں پہنچ کر یزید بن مہلب نے اول قہستان پر اس کے بعد جرجان پر چڑھائی کی' اور یہاں کے باغی سرداروں سے جرمانہ و خراج وصول کر کے مصالحت کی' اہل جرجان نے چند روز کے بعد پھر

بغاوت کی' یزید نے چڑھائی کر کے چالیس ہزار ترکوں کو معرکہ جنگ میں قتل کیا اور شہر جرجان کا بنیادی پتھر اپنے ہاتھ رکھ کر وہاں جہم بن ذخر جعفی کو اپنی طرف سے حاکم مقرر کیا اس سے پیشتر جرجان کسی شہر کا نام نہ تھا بلکہ وہ ایک پہاڑی علاقہ تھا' جس میں چھوٹے چھوٹے بہت سے دیہات شامل تھے' یزید بن مہلب نے ایک شہر آباد کیا جس کا نام جرجان مشہور ہوا' اس کے بعد طبرستان کو فتح کر کے اپنا عامل مقرر کیا۔

مسلمہ بن عبدالملک

سنہ ۹۷ھ میں مسلمہ بن عبدالملک نے علاقہ رضاحیہ کو فتح کیا۔ سنہ ۹۸ھ میں ایک رومی سردار القون نامی نے حاضر دربار خلافت ہو کر قسطنطنیہ کے فتح کرنے کی ترغیب دی۔ سلیمان نے اپنے بیٹے داؤد اور اپنے بھائی مسلمہ کو فوج دے کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا۔ مسلمہ اس فوج کا سپہ سالار اعظم تھا۔ مسلمہ نے جا کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ جب لشکر اسلام قسطنطنیہ کے قریب پہنچا تھا تو مسلمہ نے لشکریوں کو حکم دیا تھا کہ ایک ایک مد غلہ ہر شخص اپنے ہمراہ لیتا چلے اور لشکر گاہ میں لے جا کر جمع کرے۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے کے بعد یہ غلہ جمع کیا گیا تو غلہ کے انبار پہاڑوں کی طرح جمع ہو گئے۔ مسلمہ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ ڈال کر فوج والوں کے لیے مکانات مٹی پتھر کے بنوا دیے اور میدانوں میں کھیتی کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ کھیتی پک کر تیار ہو گئی۔ روزانہ اخراجات خورد و نوش کے لیے غارہ لوٹ مار کے ذریعہ سے فراہم کیا جاتا تھا۔ غلہ کے انبار محفوظ تھے۔ کھیتی پک کر تیار ہو گئی تھی۔ اہل قسطنطنیہ اس عزم و ہمت اور استقلال کے ساتھ محاصرہ دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ سال بھر گزرنے کے بعد انہوں نے خفیہ پیغاموں کے ذریعے سے اسی رومی سردار القون نامی کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس بات کا لالچ دیا کہ اگر مسلمانوں کا محاصرہ اٹھوا دو اور ان کو یہاں سے رخصت کر دو تو ہم آدھا ملک تم کو دے دیں گے۔ القون اس پر رضامند ہو گیا۔ اس نے مسلمہ کو مشورہ دیا کہ اگر تم اپنے غلہ کے انباروں اور کھیتوں کو آگ لگا دو گے تو رومی لوگ یہ سمجھیں گے کہ اب مسلمان سخت اور فیصلہ کن حملہ کرنے پر مستعد ہو گئے ہیں۔ لہٰذا امید ہے کہ وہ فوراً شہر آپ کے سپرد کر دیں گے اور بغیر لوئے ہوئے بہ آسانی شہر پر قبضہ ہو سکے گا۔ مسلمہ رومی سردار کے اس چکمے میں آ گیا۔ حالانکہ اس سے پیشتر رومی' مسلمہ کے پاس یہ پیغام بھیج چکے تھے کہ ہم سے فی کس ایک اشرفی کے حساب سے جزیہ لے لو اور محاصرہ اٹھا کر چلے جاؤ لیکن مسلمہ ان کی اس درخواست کو رد کر چکا تھا۔ چند روز اور محاصرہ جاری رہتا تو قسطنطنیہ کے فتح ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ابھی منظور نہ تھا کہ مسلمان قسطنطنیہ پر قابض و متصرف ہوں۔ چنانچہ

مسلمہ نے غلہ کے انباروں اور کھیتوں میں آگ لگوا دی۔

اس احمقانہ فعل کا اثر یہ ہوا کہ رومی بہت خوش ہوئے اور مدافعت پر دلیر ہو گئے۔ مسلمانوں کو غلہ کی تکلیف ہونے لگی۔ ادھر القون مع اپنے ہمراہیوں کے لشکر اسلام سے جدا ہو کر رومیوں میں جا ملا۔ سلیمان بن عبدالملک' مسلمہ کو روانہ کرنے کے بعد خود مقام وابق میں مقیم تھا اور یہیں سے ہر قسم کی امداد مسلمہ کو پہنچاتا رہتا تھا۔ ادھر کھیتی اور غلہ کو جلا دیا گیا' ادھر موسم سرما کے آ جانے کی وجہ سے سلیمان سامان رسد وغیرہ کی امداد مسلمہ تک نہ پہنچا سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر اسلام کو فاقے ہونے لگے اور بھوک کی وجہ سے لوگ مرنے شروع ہوئے کیونکہ اب اردگرد کے علاقے سے بھی غلہ لوٹ مار کے ذریعے سے حاصل نہ ہو سکتا تھا۔

مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر قیصر کے سردار برجان نامی نے جو شہر صقلیہ کا گورنر تھا' ایک فوج عظیم کے ساتھ لشکر اسلام پر حملہ کیا۔ مسلمہ نے اس کا مقابلہ کر کے شکست دی اور شہر صقلیہ کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اسی عرصہ میں خبر پہنچی کہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔

سلیمان بن عبدالملک کے اخلاق و عادات

سلیمان بن عبدالملک نہایت فصیح البیان شخص تھا۔ عدل و انصاف کا شوقین اور جہاد کا حریص تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو سلیمان نے اپنا وزیر و مشیر بنایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلیمان کے اخلاق و عادات میں خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ عہد بنو امیہ میں ایک بری رسم جاری ہو گئی تھی کہ وہ نماز عموماً دیر کر کے آخر وقت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان بن عبدالملک نے اس رسم کو مٹا کر نمازیں اول وقت میں پڑھنی شروع کیں۔ راگ اور گانے سے بھی سلیمان بن عبدالملک کو سخت نفرت تھی۔ چنانچہ اس نے گانے بجانے کی ممانعت کی۔ سلیمان نہایت خوبصورت اور وجیہہ شخص تھا۔ تنومند اور پرخور بھی تھا۔ ایک مرتبہ ستر انار' بہت سی کشمش' چھ مہینے کی عمر کا ایک بکرا اور چھ مرغ کھا گیا اور سب کو ہضم کر لیا۔

ولی عہدی

سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بیٹے ایوب کو اپنا ولی عہد بنایا تھا لیکن جب ایوب فوت ہوا اور مقام وابق میں وہ علیل ہوا تو اس نے رجاء بن حیوۃ سے مشورہ کیا کہ میں کس کو اپنی جانشینی کے لیے نامزد کروں؟ اول سلیمان نے اپنے بیٹے داؤد کا نام لیا۔ رجاء بن حیوۃ نے کہا کہ وہ قسطنطنیہ کے محاصرہ میں مصروف اور کفار سے لڑ رہا ہے۔ عرصہ سے وہاں کی کوئی خبر نہیں ملی۔ اللہ جانے وہ زندہ ہے یا شہید ہو گیا؟ ادھر فاصلہ زیادہ ہے۔ ایسے شخص کو ولی عہد بنانے کا مشورہ میں نہیں دے سکتا۔ پھر سلیمان نے

کہا کہ میں اپنے چھوٹے بیٹے کو ولی عہد بنا دوں؟ رجاء بن حیوۃ نے کہا کہ وہ صغیر السن ہے اس قابل نہیں کہ وہ بار خلافت اٹھا سکے۔ سلیمان نے کہا کہ پھر تم بتاؤ میں کس کو اپنا جانشین مقرر کروں؟ رجاء بن حیوۃ نے کہا کہ مسلمانوں کی صلاح و فلاح اور آپ کی نیک و پاک باطنی اور دین داری کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے کہ آپ اپنے چچا زاد بھائی عمر بن عبدالعزیز کو اپنا ولی عہد بنائیں کیونکہ ان سے بہتر دوسرا شخص نہیں مل سکتا۔ نیز وہ آپ کے وزیر اعظم ہونے کے سبب سے امور سلطنت کے متعلق ہر قسم کا کافی تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ سلیمان نے کہا کہ میں بھی عمر بن عبدالعزیز کو سب سے بہتر سمجھتا ہوں لیکن مجھ کو ڈر یہ ہے کہ میرے بھائی یعنی فرزندان عبدالملک راضی نہ ہوں گے اور وہ عمر بن عبدالعزیز کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ رجاء بن حیوۃ نے کہا کہ آپ عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنا کر ساتھ ہی یہ بھی وصیت کر دیجیے کہ ان کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہو۔ سلیمان بن عبدالملک نے اس مشورہ کو پسند کیا اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے لیے ولی عہدی کا فرمان لکھ کر اس پر مہر لگا دی۔ اس کاغذ کو ایک لفافہ میں بند کر کے اس لفافہ کو بھی سربمہر کر دیا اور رجاء بن حیوۃ کو دے کر کہا کہ باہر جاؤ اور یہ لفافہ دکھا کر کہو کہ امیر المومنین نے اس لفافہ میں اپنے بعد خلیفہ ہونے والے شخص کا تعین کر دیا اور فرمان لکھ کر رکھ دیا ہے جس شخص کا نام اس فرمان میں ہے اس کے لیے بیعت کرو۔ جب رجاء نے باہر جا کر لوگوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا تو لوگوں نے کہا کہ ہم بیعت اس وقت کریں گے جب کہ ہم کو اس شخص کا نام بتا دیا جائے گا۔ رجاء بن حیوۃ نے آ کر سلیمان سے یہ کیفیت بیان کی۔ سلیمان نے اسی وقت حکم دیا کہ کوتوال اور پولیس کو بلا کر حکم دو کہ لوگوں سے میرے حکم کے موافق بیعت لیں اور جو شخص انکار کرے اس کی گردن اڑا دیں۔ یہ حکم سنتے ہی سب نے بیعت کی اور مطلق چوں و چرا نہ کیا۔

رجاء بن حیوۃ جب بیعت لے کر واپس آ رہے تھے تو راستے میں ہشام بن عبدالملک ملا اور اس نے کہا کہ مجھ کو خوف معلوم ہوتا کہ امیر المومنین نے کہیں مجھ کو محروم ہی نہ رکھا ہو۔ اگر ایسا ہے تو مجھے بتا دو تا کہ میں اپنا کچھ انتظام کروں۔ رجاء نے کہا کہ امیر المومنین نے مجھ کو سربمہر لفافہ دیا ہے اور سب سے اس بات کو پوشیدہ رکھا' تم کو کیا جواب دے سکتا ہوں۔ آگے چل کر اتفاقاً عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مل گئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھ کو بڑا ہی خوف معلوم ہو رہا ہے کہ کہیں سلیمان نے ولی عہدی کے لیے میرا ہی نام نہ لکھ دیا ہو۔ اگر تم کو معلوم ہو تو مجھے بتا دو تا کہ میں کوشش کر کے اس مصیبت کو ٹالوں اور سبک دوشی حاصل کروں۔ رجاء نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو ہشام بن عبدالملک کو دیا تھا۔

وفات

سلیمان بن عبدالملک سنہ ۹۸ھ میں دمشق سے جہاد کے ارادے پر نکلا اور قسطنطنیہ کی طرف

فوج روانہ کر کے خود مقام وابق میں مقیم رہ کر اس یورش کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ سلیمان کو حالت جہاد ہی میں موت آئی۔ ۱۰ ماہ صفر سنہ ۹۹ھ بروز جمعہ سلیمان نے بمقام وابق متصل قنسرین وفات پائی۔ قریباً پونے تین سال خلافت کی اور ۴۵ سال کی عمر پائی۔ اس خلیفہ کے زمانے میں بھی مسلمانوں کو ملکی فتوحات حاصل ہوئیں۔ خلاف شرع کاموں کا رواج موقوف ہوا۔ حجاج کے عاملوں اور متوسلوں کو جہاں کہیں وہ مامور و مقرر تھے' موقوف و معزول کیا کیونکہ وہ بھی حجاج ہی کی طرح ظلم و تشدد کی جانب مائل تھے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو معاملہ ہوا' اس میں سلیمان سے سخت غلطی ہوئی۔ سلیمان بن عبدالملک کے قابل تعریف کاموں اور عظیم الشان کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ بنایا۔ اس ایک نیکی کے مقابلے میں سلیمان بن عبدالملک کی تمام غلطیوں اور لغزشوں کو بڑی آسانی سے فراموش کیا جاسکتا ہے اور وہ ہر ایک مدح و ستائش کا مستحق نظر آتا ہے۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

ابو حفص سیدنا عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم خلفاء راشدین میں خلیفہ خامس ہیں[۱] وہ خلیفہ صالح کے نام سے بھی مشہور ہیں' اکثر اکابرین مسلمین کا قول ہے کہ خلفاء راشدین پانچ ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ' عمر رضی اللہ عنہ' عثمان رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ' عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ' سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان مصر کے حاکم تھے' کہ ۶۲ھ میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے' ان کی والدہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پوتی یعنی عاصم بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں' ان کے والد عبدالعزیز عبدالملک بن مروان کے بعد خلیفہ ہونے والے تھے' لیکن ان کا انتقال عبدالملک کے سامنے ہوا' لہٰذا وہ خلیفہ نہ ہو سکے۔

بچپن میں گھوڑے نے ان کے لات ماردی تھی' ان کے چہرے پر اس کے زخم کا نشان تھا' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا' اس کے چہرے پر ایک داغ ہوگا' اور وہ زمین کو عدل و داد سے بھر دے گا' یہی وجہ تھی کہ جب گھوڑے نے ان کے لات ماری ہے تو ان کے باپ ان کے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اگر تو وہی داغ دار ہے

---

[۱] یعنی آپ کا دور خلافت بھی خیر کے پہلوؤں کے لحاظ سے ویسی ہی جھلک پیش کرتا ہے جو مجموعی طور پر اسلام کے پہلے چاروں خلفاء یعنی جناب ابوبکر صدیق' جناب عمر فاروق' جناب عثمان غنی اور جناب علی رضی اللہ عنہم کے ادوار خلافت میں نظر آتی تھی۔

تو سعادت مند ہے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں اپنے اس داغ دار بیٹے کا زمانہ پاتا' جو دنیا کو اس طرح عدل و داد سے بھر دے گا' جیسا کہ وہ اس وقت ظلم سے بھری ہوئی ہوگی' بلال بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر بھی ایک داغ تھا' اس لیے خیال تھا' کہ شاید یہی بشارت عمر کے مصداق ہوں' لیکن سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر سب کو معلوم ہو گیا' کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی کے مصداق وہی تھے' ان سے پہلے عام طور پر لوگ آپس میں ذکر کیا کرتے تھے کہ دنیا کا خاتمہ نہ ہوگا جب تک کہ مثیل عمر رضی اللہ عنہ حاکم نہ ہوے۔

بچپن میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے باپ نے ان کو مدینہ بھیج دیا تھا' مدینہ میں ہی ان کی تربیت ہوئی' فقہائے مدینہ کی صحبت میں ان کی عمر کا ابتدائی حصہ گذرا' علمائے مدینہ ہی سے انہوں نے علوم دینیہ حاصل کئے' علم و فضل اور تفقہ فی الدین میں ان کا وہ مرتبہ تھا' کہ اگر وہ خلیفہ نہ ہوتے تو ائمہ شرع میں ان کا شمار ہوتا اور وہ سب سے بڑے امام مانے جاتے' مدینہ میں ان کے والد نے ان کو عبیداللہ بن عبداللہ کے پاس بھیجا تھا' انہیں کے زیر توجہ ان کی تربیت ہوئی' زید بن اسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے بجز عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے اور کسی شخص کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ ہو' زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ رکوع و سجود پوری طرح ادا کرتے تھے' مگر قیام و قعود میں دیر نہ کرتے تھے' محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے کسی نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سوال کیا' تو انہوں نے فرمایا کہ وہ بنی امیہ کے نجیب ہیں' اور قیامت میں بصورت امت واحدہ اٹھیں گے۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہونے سے پیشتر نہایت پرتکلف اور قیمتی لباس پہنتے تھے' لیکن خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے کھانے اور پہننے میں بالکل درویشانہ روش اختیار کر لی تھی' میمون بن مہران کا قول ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ بہت سے مشہور علماء شاگردوں کی طرح رہا کرتے تھے' مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس خیال سے آئے کہ وہ ہم سے کچھ سیکھیں گے' مگر ان کے پاس آ کر ہم کو خود انہیں سے بہت کچھ سیکھنا پڑا۔

جب ان کے والد عبدالعزیز بن مروان کا انتقال ہوا تو یہ مدینہ ہی میں تشریف رکھتے تھے' عبدالعزیز کی وفات کا حال سن کر عبدالملک بن مروان نے ان کو دمشق بلا کر اپنی بیٹی فاطمہ رحمہا اللہ کے ساتھ شادی کر دی' عبدالملک کی وفات کے بعد جب ولید خلیفہ ہوا تو اس نے ان کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا' چنانچہ یہ ۸۶ھ سے ۹۳ھ تک مدینہ کے حاکم رہے' کئی مرتبہ امیر حج کی حیثیت سے حج کیا'

امارت مدینہ کے زمانہ میں تمام فقہاء وعلماء ان کے پاس جمع رہتے تھے۔ فقہائے مدینہ کی ایک کونسل آپ نے بنائی تھی اوران ہی کے مشورہ سے امورات مہمہ انجام دیتے تھے۔

حجاج کی شکایت پر ۹۳ھ میں ولید نے انہیں امارت مدینہ سے معزول کر کے شام میں بلالیا' جب ولید نے ارادہ کیا کہ اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے' تو حجاج وقتیبہ وغیرہ نے تو ولید کے ارادہ کی تائید کی' لیکن دوسرے امراء نے اس کو ناپسند کیا' سب سے پہلے جس شخص نے ولید کے اس ارادہ کی تائید اور پرزور مخالفت کی وہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز تھے' چنانچہ ولید نے ان کو قید کردیا' تین برس تک یہ قید میں رہے' پھر کسی کی سفارش سے رہا کردیئے گئے' سلیمان بن عبدالملک اسی لیے عمر بن عبدالعزیز کا بہت شکر گذار واحسان مند تھا۔ چنانچہ اس نے خود خلیفہ ہونے کے بعد ان کو اپنا وزیراعظم بنایا اور مرتے وقت ان کی خلافت کے لیے وصیت لکھ گیا۔

خلافت کا پروانہ

جب سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا' تو رجاء بن حیٰوۃ وابق کی مسجد میں گئے' تمام بنوامیہ اوراعیان لشکر کو جمع کیا' سربمہر فرمان ولی عہدی ان کے پاس تھا' انہوں نے سب کو خلیفہ کے فوت ہونے کی خبر سنا کر دوبارہ اس ملفوف سربمہر فرمان پر لوگوں سے بیعت لی' پھر سب کے سامنے اس سربمہر فرمان کو کھول کر پڑھا اور لوگوں کو سنایا' اس میں سلیمان بن عبدالملک نے لکھا تھا کہ:

"یہ تحریر بندۂ خدا' امیر المومنین' سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے' عمر بن عبدالعزیز کے نام ہے' میں نے اپنے بعد تم کو اور تمہارے بعد یزید بن عبدالملک کو خلافت کا ولی عہد مقرر کیا' پس لوگوں کو چاہیئے کہ وہ سنیں اور اطاعت کریں اور اللہ سے ڈریں اور آپس میں اختلاف نہ کریں تاکہ دوسروں کو تمہارے مغلوب کرنے کی طمع نہ ہو"۔

اس فرمان کو سن کر ہشام بن عبدالملک نے کہا کہ ہم عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کریں گے' مگر رجاء بن حیٰوۃ نے جرأت سے کام لے کر نہایت سختی سے فوراً جواب دیا کہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا' ہشام یہ سن کر خاموش ہوگیا' عبدالملک کی اولاد اس وصیت اور فرمان کو اپنی حق تلفی کا موجب سمجھتی تھی' لیکن عام طور پر لوگ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کو بہت ہی پسند کرتے اور آپ کے سوا کسی دوسرے کا خلیفہ ہونا نہیں چاہتے تھے' ادھر عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد یزید بن عبدالملک کو چونکہ خلافت کے لیے ولی عہد بنا دیا گیا تھا' لہٰذا اولاد عبدالملک کو کسی قدر تسکین بھی ہوتی تھی کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد خلافت پھر ہمارے ہی گھرانے میں آ جائے گی۔

جب رجاء نے سلیمان کا مذکورہ وصیت نامہ سنایا' تو عمر بن عبدالعزیز خلافت کے لیے اپنا نام سن کر اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھ رہے تھے' عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اس تحریر کو سن کر اپنی جگہ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے' رجاء بن حیٰوۃ نے ہاتھ پکڑ کر ان کو اٹھایا اور منبر پر لے جا کر بٹھایا' سب سے پہلے ہشام ابن عبدالملک کو بلایا کہ آ کر بیعت کرو' ہشام بن عبدالملک آیا اور آ کر بیعت کی' ہشام کی بیعت کے بعد سب لوگوں نے بخوشی خاطر بیعت کی اور کسی نے کسی قسم کی چون و چرا نہ کی۔

بیعت کے بعد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان بن عبدالملک کے جنازے کی نماز پڑھائی' اور دفن سے فارغ ہو کر چلے' تو لوگوں نے شاہی اصطبل کے گھوڑے لا کر حاضر کیے' کہ آپ سوار ہو کر تشریف لے جائیں' آپ نے فرمایا کہ میری سواری کے لیے میرا ذاتی خچر کافی ہے' چنانچہ آپ اسی اپنے خچر پر سوار ہو کر اپنے خیمے تک آئے' لوگوں نے آپ کو قصر خلافت میں لے جانا چاہا' آپ نے فرمایا کہ وہاں ایوب بن سلیمان کے اہل و عیال ہیں' جب تک وہ وہاں رہیں گے میں اپنے خیمے میں رہوں گا۔ بیعت خلافت کے بعد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے جو تقریر کی وہ اس طرح تھی کہ:

(''حمد و ثنا کے بعد) لوگو! قرآن شریف کے بعد ایسی کوئی کتاب نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں' میں کسی چیز کو شروع کرنے والا نہیں بلکہ پورا کرنے والا ہوں' میں مبتدع نہیں' متبع ہوں' میں کسی حال میں تم سے بہتر نہیں ہوں' البتہ میرا بوجھ بہت زیادہ ہے' جو شخص ظالم بادشاہ سے بھاگ جائے وہ ظالم نہیں ہو سکتا' یاد رکھو کہ احکام الٰہی کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے''۔

جب آپ سلیمان بن عبدالملک کے کفن دفن سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے تو آپ کے غلام نے کہا کہ آپ بہت ہی غمگین نظر آتے ہیں' آپ نے اس کو جواب دیا' کہ آج اس دنیا میں اگر کوئی شخص غمگین ہونے کے قابل ہے تو وہ میں ہوں' مجھ پر یہ بوجھ کیا کم ہے...... میں چاہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ میرا نامہ اعمال لکھا جائے اور مجھ سے جواب طلب ہو میں حق دار کو اس کا حق پہنچا دوں' آپ جب اپنے گھر میں بیعت خلافت اور سلیمان کے دفن سے فارغ ہو کر داخل ہوئے' تو آپ کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی' آپ کی بیوی نے گھبرا کر پوچھا' کیوں خیریت تو ہے' آپ نے فرمایا کہ خیریت کہاں ہے' میری گردن میں امت محمدی کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے' ننگے' بھوکے' بیمار' مظلوم' مسافر' قیدی' بچے' بوڑھے' کم حیثیت' عیال دار وغیرہ سب کا بوجھ میرے سر پر آن پڑا ہے' اسی خوف میں رو رہا ہوں کہ کہیں قیامت میں مجھ سے پرسش ہو اور میں جواب نہ دے سکوں۔

خلیفہ ہونے کے بعد آپ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے کہا کہ تم اپنے تمام زیورات

بیت المال میں داخل کر دو' ورنہ میں تم سے جدائی اختیار کر لوں گا' کیوں کہ مجھ کو یہ کسی طرح گوارا نہیں کہ تم اور تمہارے زیورات اور میں ایک گھر میں ہوں' ان کی بیوی نے فوراً تمام زیورات جن میں وہ قیمتی موتی بھی تھا' جو عبدالملک نے اپنی بیٹی کو دیا تھا سب مسلمانوں کے لیے بیت المال بھجوا دیئے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جب یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا' تو اس نے فاطمہ بنت عبدالملک سے کہا کہ آپ چاہیں تو اپنے زیورات بیت المال سے واپس لے لیں' فاطمہ نے جواب دیا' کہ جس چیز کو میں نے اپنی خوشی سے بیت المال میں داخل کر دیا تھا اب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس کو کیسے واپس لے سکتی ہوں۔

عبدالعزیز بن ولید سلیمان کی وفات کے وقت موجود نہ تھا' نہ اس کو عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی بیعت کا حال معلوم تھا' سلیمان کی وفات کا حال سن کر اس نے خلافت کا دعویٰ کیا اور فوج لے کر دمشق کی جانب آیا' جب دمشق کے قریب پہنچا اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا حال سنا' تو بلا توقف ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور کہا کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کا حال مجھ کو معلوم نہیں تھا' عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر تم خلافت اور حکومت لینے پر مستعد ہوتے تو میں ہرگز تمہارا مقابلہ نہ کرتا اور لڑائی کے پاس نہ جاتا بلکہ اپنے گھر بیٹھ جاتا' عبدالعزیز بن ولید نے کہا کہ واللہ میں آپ کے سوا کسی دوسرے کو مستحق خلافت نہیں سمجھتا۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی حکم جاری کیا' کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی شخص ناشدنی الفاظ ہرگز استعمال نہ کرے' اب تک بنو امیہ میں عام طور پر رواج تھا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو برا کہتے اور جمعہ کے خطبہ میں بھی ان پر لعن طعن سے دریغ نہ کرتے۔

حجاج بن یوسف ثقفی کو آپ ظالم سمجھتے تھے' اسی لیے سلیمان کے زمانے میں اس کے عاملوں اور متوسلوں کو جو حجاج کے نقش قدم پر چلتے تھے آپ نے معزول کرا دیا تھا' یزید بن مہلب گورنر خراسان کو آپ برا جانتے تھے' اور یہ آپ کو معلوم تھا' کہ یزید بن مہلب نے جرجان کے علاقہ کا جزیہ وصول کر کے بیت المال میں نہیں بھجوایا ہے' چنانچہ آپ نے یزید بن مہلب کو طلب کیا' اس نے حاضر دربار ہو کر مذکورہ رقم کے داخل کرنے میں عذر و انکار اور حیلے حوالوں سے کام لیا' آپ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے میں اس کو کیسے معاف کر سکتا ہوں' چنانچہ یزید بن مہلب کو آپ نے معزول کر کے قلعہ حلب میں قید کر دیا اور اس کی جگہ جراح بن عبداللہ حکمی کو خراسان کی گورنری پر بھیج دیا' مسلمہ بن عبدالملک اور اس کے لشکریوں کو جو رومیوں کے مقابلے میں اور قسطنطنیہ کے محاصرے میں مسلسل مصروف رہنے کے سبب شکستہ حال ہو رہے تھے آپ نے واپس بلوا لیا' چند روز کے بعد آپ کے پاس جراح بن عبداللہ

حکمی گورنر خراسان کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ موالی کو (آزاد کردہ غلاموں کو) بلا وظیفہ ورسد جہاد پر بھیج دیتا ہے اور ذمیوں میں سے جو لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں ان سے بھی خراج وصول کر لیتا ہے' آپ نے یہ شکایت سن کر جراح بن عبداللہ کے پاس حکم بھیجا کہ:

''جو شخص نماز پڑھتا ہو اس کو جزیہ معاف کر دو''۔

لوگ یہ سنتے ہی جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے' جراح بن عبداللہ حکمی کو ان نومسلموں کی طرف سے اطمینان نہ تھا' اس نے ختنہ کے ذریعہ سے لوگوں کا امتحان لیا' سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے جراح کو لکھ بھیجا' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے داعی بنا کر مبعوث کیا ہے' ختان بنا کر نہیں بھیجا' اس کے بعد آپ نے جراح بن عبداللہ کو اپنے پاس طلب کیا' جراح اپنی طرف سے عبدالرحمان بن نعیم کو اپنا نائب مقرر کر کے خود دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تم کب خراسان سے روانہ ہوئے تھے' اس نے عرض کیا' کہ ماہ رمضان المبارک میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص تجھ کو ظالم بتاتا ہے وہ سچا ہے' تو نے کیوں نہ وہیں قیام کیا اور ماہ صیام کے گذرنے کا انتظار کیوں نہ کیا۔

اس کے بعد آپ نے عبدالرحمان بن نعیم کو حرب اور نمازوں پر امیر مقرر کر کے عبدالرحمان قشیری کو خراج کا افسر مقرر کیا۔

آذربائیجان کے علاقہ پر دشمنوں نے حملہ کر کے مسلمانوں کو لوٹا' سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے ابن حاتم باہلی کو فوج دے کر اس طرف روانہ کیا' اس نے وہاں پہنچ کر دشمنوں کو قرار واقعی سزا دی' اور اسلامی رعب از سر نو قائم کیا' سندھ کے لوگوں اور وہاں کے راجاؤں نے آپ کے ہی عہد میں بطیب خاطر اسلام قبول کیا اور سندھ میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی' اندلس کی طرف ضرورت پیش آئی' تو آپ نے اس طرف فوج معہ ساز و سامان روانہ کی' اس طرح رومیوں کے مقابلے میں بھی فتوحات حاصل ہوئیں۔

بنو امیہ کی ناراضی کا سبب

بنو امیہ نے اپنی خلافت و حکومت کے زمانے میں اچھی اچھی جاگیروں پر اپنے استحقاق سے زیادہ قبضہ کر لیا تھا' جس میں دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی تھی' مگر چوں کہ بنو امیہ حکمران تھے' اس لیے کوئی چوں و چرا نہیں کر سکتا تھا' سیدنا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے' تو انہوں نے سب سے پہلے اپنی بیوی کے زیورات جن میں وہ بلا استحقاق مال کی آمیزش سمجھتے تھے' اپنے گھر سے نکلوا کر بیت المال میں

بھجوائے' پھر آپ نے بنوامیہ کو جمع کر کے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس باغ فدک تھا' جس کی آمدنی سے نبیؐ بنو ہاشم کے بچوں کی خبر گیری کرتے اور ان کی بیواؤں کے نکاح کر دیا کرتے تھے' سیدہ فاطمۃ الزہرا نے اس باغ کو رسول اللہ ﷺ سے مانگا' مگر رسول اللہ ﷺ نے دینے سے انکار کر دیا' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ باغ اسی حالت میں رہا آخر مروان نے اس پر قبضہ کر لیا' مروان سے منتقل ہوتے ہوئے وہ مجھے ورثہ میں پہنچا ہے' مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی' کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کو دینے سے انکار کر دیا تھا' وہ مجھ پر کس طرح حلال ہو گئی' لہٰذا میں تم سب کو گواہ کرتا ہوں' کہ میں باغ فدک اسی حالت میں چھوڑے دیتا ہوں' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا۔

اس کے بعد آپ نے اپنے تمام رشتہ داروں اور تمام بنوامیہ سے وہ تمام جائدادیں اور اموال و سامان واپس کرائے جو ناجائز طور پر ان کے قبضہ و تصرف میں تھے۔

اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک روز آپ کے مکان میں بنوامیہ کے اکثر اشراف و سردار بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہاری یہ خواہش ہے کہ میں تمہیں کسی لشکر کا سردار اور کسی علاقہ کا مالک و حاکم بنا دوں' یاد رکھو! میں اس بات کا بھی روادار نہیں ہوں' کہ میرے مکان کا فرش تمہارے پیروں سے ناپاک ہو' تمہاری حالت بہت ہی افسوس ناک ہے' میں تم کو اپنے دین اور مسلمانوں کے اغراض کا مالک کسی طرح نہیں بنا سکتا' انہوں نے عرض کیا کہ کیا ہم کو بوجہ قرابت کوئی حق اور کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس معاملے میں تمہارے اور ایک ادنیٰ مسلمان کے درمیان میرے نزدیک رتی برابر فرق نہیں ہے۔

خلافت راشدہ کے بعد خلافت بنوامیہ میں شان جمہوریت بالکل جاتی رہی تھی' اور حکومت میں وہی شخصی اور مطلق العنان حکومت کا رنگ پیدا ہو گیا تھا جو قیصر و کسریٰ کی حکومتوں میں پایا جاتا تھا' سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی جمہوری شان کو پھر واپس لانے کی کوشش فرمائی' اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ پھر لوگوں کی نگاہوں میں گھومنے لگا۔

چوں کہ بنی امیہ کو آپ کی خلافت میں بہت نقصان پہنچا' وہ جائدادیں جو غاصبانہ طور پر ان کے قبضے میں تھیں ان سے چھن گئیں' اور عزت و عظمت کا بلند مقام جو ان کو دوسرے قبائل کے مقابلے میں اپنی قومی حکومت کے سبب حاصل تھا' مساوات سے تبدیل ہونے لگا' لہٰذا تمام بنوامیہ ان کی خلافت کو اپنے لیے بے حد مضر اور باعث نقصان سمجھنے لگے' ان کی نیکی و پاک باطنی کے بنوامیہ بھی اسی طرح قائل تھے' جیسے اور لوگ' مگر بنی امیہ ان کے وجود کو اپنی قوم اور قبیلے کے لیے سم قاتل سمجھنے لگے۔

ایک مرتبہ بنوامیہ نے اپنی جائیدادوں کو بچانے کے لیے یہ تدبیر کی کہ عمر بن عبدالعزیز کی پھوپھی فاطمہ بنت مروان کے پاس گئے اور سفارش کرنے کی درخواست کی' عمر بن عبدالعزیز اپنی پھوپھی کا بہت ادب ولحاظ کرتے تھے' چنانچہ فاطمہ بنت مروان نے آ کر بنی امیہ کی سفارش کی' انہوں نے پھوپھی کو اس طرح سمجھایا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئیں کہ میں تو تمہارے بھائیوں کے اصرار سے تمہیں سمجھانے آئی تھی' مگر جب تمہارے ایسے پاک اور نیک خیالات ہیں تو میں کچھ نہیں کہتی' یہ کہہ کر واپس آئیں' اور بنوامیہ سے کہا کہ تم نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پوتی سے رشتہ کیا تھا' لہٰذا وہی فاروقی رنگ اولاد میں موجود ہے۔

فضائل وخصائل

ابونعیم نے صحیح سند سے بیان کیا ہے' کہ ایک روز رباح بن عبیدہ نے دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز نماز کے لیے جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی ان کے ہاتھ پر سہارا دیئے ہوئے چلا جا رہا ہے' جب نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے مکان میں تشریف لے آئے تو رباح نے پوچھا' کہ وہ بوڑھا آدمی کون تھا جو آپ کے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے جا رہا تھا' عمر بن عبدالعزیز نے یہ سن کر تعجب سے کہا کہ آہا تم نے بھی دیکھ لیا ہے' تم بھی ایک صالح آدمی ہو' لہٰذا تم کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے' وخضر تھے مجھ سے امت محمدیہ کا حال پوچھنے اور عدل وانصاف کی تلقین کرنے آئے تھے۔[1]

ایک مرتبہ ایک شخص نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں' آپ کے دائیں طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' بائیں طرف فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں اور سامنے آپ (عمر بن عبدالعزیز) ہیں' اتنے میں دو آدمی کچھ خصومت لائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ (عمر بن عبدالعزیز رح) سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ اپنے دوران خلافت میں ان دونوں (ابوبکر رضی اللہ عنہ' عمر رضی اللہ عنہ) کے قدم بقدم چلنا' یہ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ ایسا ہی کرتے ہیں' یہ خواب بیان کر کے راوی نے اس خواب پر قسم کھائی' تو سیدنا عمر بن عبدالعزیز رونے لگے۔

حکم بن عمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ داروغہ اصطبل حاضر ہوا' اور اصطبل کا خرچ مانگنے لگا' آپ نے فرمایا کہ تم تمام گھوڑوں کو شام کے شہروں میں لے جا کر جس قیمت پر ممکن ہو فروخت کر کے ان کی قیمت فی سبیل اللہ دے دو' میرے لیے میرا

---

[1] یہ قصہ حد درجہ مشکوک ہے' بلکہ صحیح نہیں ہے۔

نچر ہی کافی ہے۔

زہری کا قول ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے بذریعہ خط سالم بن عبداللہ سے دریافت کیا' کہ صدقات کے متعلق فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا طرز عمل کیا تھا' انہوں نے ان کے سوال کا جواب لکھ کر آخر میں لکھا کہ اگر تم وہی عمل کرو گے' جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں لوگوں سے کرتے تھے' تو تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ رتبہ پاؤ گے' جب آپ خلیفہ منتخب ہو گئے' اور لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو آپ رونے اور کہنے لگے' کہ مجھے اپنی نسبت بڑا ہی خوف ہے' سیدنا حماد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ بتائیے آپ کو درہم و دینار کی کتنی محبت ہے' سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بالکل نہیں' حماد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پھر آپ کیوں گھبراتے ہیں' اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد کرے گا۔

حنیفہ بن سعید بن عاص نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ سے پہلے جتنے خلفاء ہوئے وہ ہمیں انعامات دیا کرتے تھے' مگر آپ نے خلیفہ ہو کر وہ سب روک دیئے' میرے پاس کچھ جاگیر بھی ہے' اگر آپ حکم دیں تو میں اس میں سے اس قدر لے لیا کروں کہ میرے عیال کو کافی ہو' آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم مشقت سے حاصل کرو وہ تمہارا مال ہے' پھر فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کیا کرو' کیوں کہ اگر تم تکلیف میں ہو گے تو عیش پاؤ گے' اور عیش میں ہو گے تو اس میں کچھ کمی نہ ہو گی۔

بعض عمال نے آپ کو لکھا کہ ہمارے شہر میں قلعوں اور راستوں کی مرمت ہونی چاہیئے' لہٰذا امیر المومنین ہمیں کچھ مال عطا فرمائیں کہ ہم آبادی و مرمت کی کوشش کریں' آپ نے جواب میں لکھا' کہ اس خط کے پڑھتے ہی تم اس شہر میں عدل قائم کر کے قلعے بنالو' اور ان کے راستوں کو ظلم سے دور کر کے پاک کرو' پس یہ مرمت ہے۔

ابراہیم سکونی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ بولنا عیب ہے' میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اگر اس امت میں کوئی مہدی ہونے والا ہے تو وہ عمر بن عبدالعزیز ہیں۔

محمد بن فضالہ کہتے ہیں' کہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ایک راہب کے پاس سے گذرے جو ایک جزیرہ میں رہتا تھا' وہ راہب ان کو دیکھ کر ان کے پاس چلا آیا' حالاں کہ وہ کبھی کسی کے پاس نہیں آیا تھا اور ان سے کہنے لگا کہ تم کو معلوم ہے میں تمہارے پاس کیوں چلا آیا' انہوں نے کہا کہ نہیں' راہب نے کہا کہ محض اس لیے کہ تم ایک امام عادل کے بیٹے ہو۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے تو چرواہے تعجب سے

دریافت کرنے لگے کہ یہ کون شخص خلیفہ ہوا ہے کہ بھیڑیے ہماری بکریوں کو اب کچھ نقصان نہیں پہنچاتے' موسیٰ بن اعین کہتے ہیں کہ ہم کرمان میں بکریاں چرایا کرتے تھے' بھیڑیے ہماری بکریوں کے ساتھ چلتے پھرتے رہتے تھے اور بکریوں کو نقصان نہ پہنچاتے تھے ایک روز ایسا ہوا کہ بھیڑیا ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا' میں نے اسی روز کہہ دیا' کہ آج خلیفہ صالح یقیناً فوت ہو گیا' چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسی روز سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا۔

ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایک باشندۂ خراسان نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہتا ہے' کہ جب بنو امیہ کا ایک داغ دار آدمی خلیفہ ہو تو فوراً اس کی بیعت کر لینا' چنانچہ وہ ہر ایک خلیفہ کا حلیہ دریافت کرتا رہا' جب سیدنا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو اس نے متواتر تین رات خواب میں دیکھا کہ وہی شخص کہتا ہے کہ جا اب بیعت کر لے' اس پر وہ خراسان سے روانہ ہوا اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حبیب بن ہند اسلمی کہتے ہیں کہ مجھ سے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خلفاء تین ہیں اور وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں' میں نے پوچھا' کہ اول الذکر دونوں بزرگوں کو تو ہم جانتے ہیں یہ تیسرے کون ہیں' انہوں نے فرمایا کہ اگر تم زندہ رہے تو معلوم ہی کر لو گے' اور اگر مر گئے تو وہ تمہارے بعد ہوں گے' ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت سے پہلے ہو چکا تھا۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص زاہد ہو سکتا ہے تو وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں' دنیا ان کے پاس آئی' اور انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

یونس بن ابی شبیب کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے پہلے دیکھا کہ ان کے پاجامہ کا نیفہ فربہی کے سبب ان کے پیٹ میں گھستا ہوا تھا' لیکن خلیفہ ہونے کے بعد وہ اس قدر لاغر ہو گئے تھے ان کی ایک ایک ہڈی گنی جا سکتی تھی۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوجعفر منصور نے پوچھا' کہ جب انہوں نے انتقال کیا تو کیا آمدنی تھی' میں نے کہا کہ کل چار سو دینار اور اگر کچھ دنوں اور زندہ رہتے تو اور بھی کم ہو جاتی۔

مسلمہ بن عبدالملک کا قول ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کے لیے گیا تو دیکھا کہ وہ ایک میلا کرتا پہنے ہوئے ہیں' میں نے اپنی بہن یعنی ان کی بیوی سے کہا کہ تم ان کا کرتا دھو کیوں نہیں دیتیں' انہوں نے کہا کہ ان کے پاس دوسرا کرتا نہیں ہے کہ اس کو اتار کر اسے پہن لیں۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے غلام ابو امیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز اپنے آقا کی حرم محترم کی خدمت میں عرض کی کہ مسور کی دال کھاتے کھاتے ناک میں دم آ گیا ہے' انہوں نے کہا کہ تمہارے آقا کا بھی روز کا یہی کھانا ہے۔

ایک روز اپنی بیوی سے کہا کہ انگور کھانے کو جی چاہتا ہے' اگر تمہارے پاس کچھ ہو تو دو' انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو کوڑی بھی نہیں' تم باوجودیکہ امیر المومنین ہو تمہارے پاس اتنا بھی نہیں کہ انگور لے کر کھا لو' آپ نے فرمایا کہ انگوروں کی تمنا دل میں لے جانا بہتر ہے' بہ نسبت اس کے کہ کل کو دوزخ میں زنجیروں کی رگڑیں کھاؤں۔

آپ کی حرم محترم فرماتی ہیں' کہ ایام خلافت میں آپ کی یہ حالت رہی ہے کہ باہر سے آ کر سجدے میں سر رکھ دیتے اور روتے روتے اسی حالت میں سو جاتے' جب آنکھ کھلتی تو پھر رونے لگتے' ولید بن ابی سائب کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز سے بڑھ کر کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں دیکھا۔

سعید بن سوید کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے آئے تو دیکھا' کہ ان کے کرتے میں سامنے اور پیچھے پیوند لگے ہوئے ہیں' ایک شخص نے کہا کہ امیر المومنین خدائے تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ عطا فرمایا ہے' پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کیوں نہیں بنواتے' آپ تھوڑی دیر سر جھکائے ہوئے کچھ سوچتے رہے' پھر فرمایا کہ تونگری میں میانہ روی اور قدرت میں عفو بڑی چیز ہے۔

ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں پچاس برس بھی تم میں رہوں' تو مراتب عدل کو تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا' میں عدل کرنا اور تمہارے دلوں میں سے طمع دنیوی کو نکال ڈالنا چاہتا ہوں' لیکن دیکھتا ہوں کہ تمہارے دل متحمل نہ ہو سکیں گے' ابراہیم بن میسرہ نے طاؤس سے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مہدی ہیں' انہوں نے کہا کہ صرف مہدی ہی نہیں' بلکہ عادل کامل بھی ہیں۔

آپ کے انتقال کے وقت لوگ بہت سا مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ نے فرمایا کہ یہ سب لے جاؤ' اور اپنے کام میں لاؤ' اس کے بعد آپ نے اپنا مال بھی اس مال میں شامل کر دیا۔

جویریہ کہتی ہیں کہ ہم فاطمہ بنت علی بن ابی طالب کے پاس گئے انہوں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی تعریف کی' اور فرمایا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو ہمیں کسی چیز کی کمی نہیں رہتی۔

اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کی عادت تھی کہ جب کسی شخص کو سزا دینا چاہتے تھے پہلے احتیاطاً

تین روز تک اسے قید کر رکھتے تھے تاکہ غصہ اور جلدی میں اسے سزا نہ دی جائے۔

آپ نے فرمایا کہ جب میں نے نفس کو اس کی خواہش کے موافق کچھ دیا تو اس نے اس سے افضل چیز کی خواہش کی۔

عمر بن مہاجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' کہ آپ کی تنخواہ دو درہم روزانہ مقرر کی گئی اور آپ کا چراغ دان تین لکڑیوں کو کھڑا کر کے اس پر مٹی رکھ کر بنایا گیا تھا' آپ نے اپنے غلام کو پانی گرم کرنے کے لیے کہا' وہ شاہی باورچی خانے سے جا کر گرم کر لایا' آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ایک درہم کی لکڑیاں اس کے عوض میں بھجوا دیں' آپ کی عادت تھی کہ جب تک آپ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ سلطنت کے معاملات میں گفتگو کرتے رہتے آپ بیت المال کا چراغ جلائے رکھتے' اور جب وہ اٹھ جاتے تو اس کو گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلا لیتے۔

خلیفہ کی اردلی میں سو چوکیدار و کوتوال مقرر تھے۔ جب آپ خلیفہ ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میری حفاظت کے لیے قضا و قدر اور اجل کافی ہے' مجھے تمہاری ضرورت نہیں' تاہم اگر تم میں سے کوئی میرے پاس رہنا چاہے' تو دس دینار تنخواہ ملے گی اور اگر نہ رہنا چاہے تو اپنے اہل و عیال میں چلا جائے۔

عمر بن مہاجر کہتے ہیں کہ آپ کا جی انار کھانے کو چاہا' آپ کے ایک عزیز نے انار بھیج دیا' آپ نے اس کی بہت ہی تعریف کی اور اپنے غلام سے فرمایا کہ جس شخص نے یہ بھیجا ہے اس سے میرا اسلام کہنا اور یہ انار واپس کر کے کہہ دینا کہ تمہارا ہدیہ پہنچ گیا' غلام نے کہا کہ امیر المومنین رحمۃ اللہ علیہ یہ تو آپ کے قریبی عزیز نے بھیجا ہے اس کو رکھ لینے میں کیا مضائقہ ہے' آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو ہدیہ قبول فرمالیا کرتے تھے' آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ تھا' مگر ہمارے لیے رشوت ہے' آپ نے سوائے ایک شخص کے جس نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کی تھی' کسی شخص کے درے نہیں لگوائے۔

جب آپ نے اپنے عیال کے نفقہ میں تخفیف کی' تو انہوں نے آپ سے شکایت کی' آپ نے فرمایا کہ میرے مال میں اس قدر وسعت نہیں ہے کہ تمہارا سابقہ نفقہ جاری رکھوں' باقی رہا بیت المال سو اس میں تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے' جتنا اور مسلمانوں کا' یحییٰ غسانی کہتے ہیں' کہ جب سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے موصل کا حاکم بنایا' تو میں نے دیکھا کہ وہاں چوری کی وارداتیں بہت ہوتی ہیں' میں نے آپ کو اس کیفیت سے اطلاع دے کر دریافت کیا کہ ایسے مقدموں میں شہادت پر فیصلہ کروں' یا محض اپنی رائے اور وجدان پر' آپ نے حکم دیا کہ ہر مقدمہ میں شہادت کا لینا ضروری ہے اگر

حق نے ان کی اصلاح نہ کی تو خدائے تعالیٰ ان کی کبھی اصلاح نہیں کرے گا' میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور موصل سب سے زیادہ صاف مقام ہو گیا۔

رجاء بن حیٰوۃ کہتے ہیں کہ ایک روز میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ چراغ گل ہو گیا' وہیں آپ کا غلام سو رہا تھا' میں نے چاہا کہ اسے جگا دوں' آپ نے منع فرما دیا' پھر میں نے چاہا کہ میں خود اٹھ کر چراغ جلا دوں' آپ نے فرمایا' کہ مہمان کو تکلیف دینا خلاف مروت ہے' آپ خود اٹھے اور تیل کا کوزہ اٹھا کر چراغ میں تیل ڈالا' اور اس کو جلا کر پھر اپنی جگہ آ بیٹھے اور فرمایا' کہ میں اب بھی وہی عمر بن عبدالعزیز ہوں جو پہلے تھا' یعنی چراغ جلانے سے میرے مرتبہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

عطاء کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت فقہاء کو جمع فرماتے اور موت و قیامت کا ذکر کر کے اس قدر روتے کہ گویا ان کے سامنے کوئی جنازہ رکھا ہوا ہے' عبداللہ بن غمراء کہتے ہیں کہ ایک روز آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ لوگو اپنی پوشیدہ باتوں میں اصلاح کرو' ظاہری باتوں میں خود اصلاح ہو جائے گی' آخرت کے واسطے عمل کرو اور دنیا کے لیے اسی قدر توجہ کرو' جتنی ضرورت ہو اور یاد رکھو کہ تمہارے آباء و اجداد کو موت کھا چکی ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سلف صالحین کی راہ پر عمل کرو' کیوں کہ وہ تم سے اچھے اور زیادہ عالم تھے۔ جب آپ کے صاحبزادے عبدالملک نے انتقال کیا' تو آپ ان کی تعریف کرنے لگے' مسلمہ نے کہا کہ کیوں' ان کی تو آپ تعریف کرتے ہیں' آپ نے فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ وہ مرحوم میری ہی نظروں میں قابل تعریف تھا یا اور بھی اسے قابل تعریف سمجھتے تھے کیونکہ باپ کی نظروں میں بیٹا ہمیشہ قابل تعریف ہوتا ہے' اس لیے اس کے اندازے کا اعتبار نہیں ہے' اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی آپ کے پاس آئیں' آپ نے ان کا استقبال کیا اور ان کے سامنے مؤدب بیٹھ گئے' انہوں نے جو کچھ طلب کیا ان کو عطا فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ کے قریبی رشتہ داروں نے کہا کہ ہم مزاح و خوش طبعی کے ذریعہ امیر المومنین رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیں گے' چنانچہ کئی شخص جمع ہو کر آپ کے پاس پہنچے' ایک شخص نے خوش طبعی کی راہ سے کوئی بات کہی' دوسرے نے اس کی تائید کی' سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تم لوگ ایک نہایت ذلیل بات پر جمع ہوئے ہو............ جس کا انجام دشمنی ہے' بہتر یہ ہے کہ قرآن شریف پڑھو' اس کے بعد حدیث شریف دیکھو اور معانی حدیث میں تدبر کرو۔

یحییٰ غسانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ نے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو ایک خارجی کے قتل سے منع

فرمایا اور رائے دی کہ اس کو اس وقت تک قید رکھئے جب تک کہ یہ توبہ کرے' سلیمان نے اس خارجی کو بلایا اور کہا کہ بولو اب کیا کہتے ہو' اس نے کہا کہ اے فاسق ابن فاسق کیا پوچھتا ہے' سلیمان نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے مجبور ہوں' پھر ان کو بلایا اور کہا کہ دیکھو یہ کیا کہتا ہے' خارجی نے پھر انہیں الفاظ کا اعادہ کیا' سلیمان نے کہا بتاؤ اب اس کے لیے کیا کہتے ہو' سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کسی قدر سکوت کے بعد کہا کہ امیر المومنین جس طرح اس نے آپ کو گالی دی ہے' آپ بھی اسے گالی دے لیجئے' خلیفہ سلیمان کہا نہیں یہ مناسب نہیں ہے' چنانچہ حکم دیا کہ اس...... کو قتل کر دیا جائے وہ قتل کر دیا گیا۔

آپ وہاں سے نکلے تو راستے میں آپ کو خالد کوتوال ملا اور کہنے لگا' کہ آپ نے عجیب رائے دی' کہ امیر المومنین بھی اس کو ویسی ہی گالی دے دیں' جیسی اس نے دی ہے' میں تو ڈر گیا تھا' کہ کہیں امیر المومنین آپ کی گردن اڑانے کا حکم نہ دے دیں۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اگر میری گردن اڑانے کا حکم ملتا تو میری گردن اڑا دیتے' خالد نے کہا کہ میں ضرور آپ کو قتل کر دیتا۔

جب سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت پہنچی تو خالد حسب معمول اپنے مرتبہ پر آ کر ان کے سامنے کھڑا ہوا' آپ نے خالد کو حکم دیا' کہ یہ تلوار رکھ دو اور اپنے آپ کو معزول سمجھو' پھر عمرو بن مہاجر انصاری کو بلایا اور کوتوال مقرر کر کے کہا کہ میں نے اس کو اکثر قرآن شریف پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کو ایسی جگہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جہاں کوئی اس کو نہ دیکھ سکتا تھا۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص نزاع' غصہ اور طمع سے دور رہا وہ فلاح پا گیا' کسی نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اگر آپ اپنے لیے کوئی لحاظ مقرر کر لیں اور کھانے پینے میں احتیاط رکھیں تو بہت اچھا ہو' آپ نے فرمایا کہ الٰہی اگر میں قیامت کے سوا کسی اور چیز سے ڈرتا ہوں تو مجھے اس سے امن میں نہ رکھنا۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: کہ لوگو اللہ تعالیٰ سے ڈرو' اور طلب رزق میں مارے مارے نہ پھرو' رزق مقسوم اگر پہاڑ یا زمین کے نیچے بھی دبا ہوا ہو گا تو پہنچ کر رہے گا' ازہر کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا ہے آپ کی قمیص میں پیوند لگے ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے عمرو بن قیس سکونی کو لشکر صائفہ کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا' اور رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں کے نیک لوگوں کی بات سننا اور بدوں سے درگزر کرنا' جاتے ہی ان کا قتل شروع نہ کر دینا اور آخر میں بدنامی نہ اٹھانا' متوسط حالت اختیار کرنا کہ وہ تمہارا مرتبہ بھول نہ جائیں اور تمہاری باتیں سننے کی تمنا کرتے رہیں۔

جراح بن عبداللہ عامل خراسان نے آپ کو لکھا کہ اہل خراسان بہت ناہموار لوگ ہیں۔ یہ بغیر تلوار کے سیدھے نہ ہوں گے' آپ نے جواب لکھا کہ تم یہ جھوٹ کہتے ہو کہ اہل خراسان بغیر تلوار کے اصلاح پر نہ آئیں گے' عدل اور حق رسانی وہ چیزیں ہیں کہ ان سے خود درست ہو جائیں گے' پس ان میں انہیں دو چیزوں کی اشاعت کرو۔

صالح بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ میں کوئی بات امیر المومنین رحمہ اللہ سے کہتا اور وہ مجھ سے ناراض ہو جاتے' ایک مرتبہ ان کے سامنے ذکر ہوا کہ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ بادشاہ کی ناراضی سے ڈرنا چاہیئے' اور جب بادشاہ کا غصہ اتر جائے تب اس کے سامنے جانا چاہیئے' آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ صالح میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ تو میرے ساتھ اس کی پابندی نہ کر۔

ذہبی کہتے ہیں کہ میلان نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہد خلافت میں قدر کا انکار کیا' آپ نے اس کو بلا کر توبہ کرنے کا حکم دیا' اس نے کہا کہ اگر میں گمراہ ہوتا' تو آپ کا یہ ہدایت کرنا مناسب تھا' آپ نے فرمایا کہ الٰہی اگر یہ شخص سچا ہے تو خیر ورنہ اس کے ہاتھ اور پیر کاٹ اور سولی پر چڑھا' یہ فرما کر اس کو چھوڑ دیا' وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہا اور اس کی اشاعت بھی کرتا رہا' مگر خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اس کو اس عقیدے کے جرم میں پکڑ کر اس کے اعضاء کٹوائے اور سولی پر چڑھا دیا۔

ایک مرتبہ بنو مروان سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے دروازے پر جمع ہوئے' اور آپ کے صاحبزادے سے کہا کہ اپنے والد سے جا کر کہو کہ آپ سے پہلے جتنے خلفاء ہوتے رہے ہیں وہ سب ہمارے لیے کچھ عطایا اور جاگیریں مخصوص کرتے رہے ہیں' لیکن آپ نے خلیفہ ہو کر ہم پر تمام چیزیں حرام کر دیں' آپ کے صاحب زادے نے یہ پیغام جا کر کہا' تو آپ نے فرمایا کہ ان سے جا کر کہہ دو کہ میرا باپ کہتا ہے: ﴿إِنِّىٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّى عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (الانعام: ۶/۱۵)
''اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''

خوارج!

اب تک کے تمام حالات پڑھنے سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہی کہ خوارج کا فتنہ مسلسل جاری رہا اور کسی زمانے میں بھی اس کا استیصال نہیں ہو سکا' جب کبھی کوئی زبردست خلیفہ تخت خلافت پر متمکن ہوا تو یہ لوگ خاموش ہو کر مناسب موقع کا انتظار کرنے لگے' اور جب کبھی ان کو موقع ملا فوراً میدان میں نکل آئے' خوارج اور تمام خفیہ سازشوں اور بغاوتوں کے لیے عراق و خراسان وغیرہ ہی مخصوص رہے ہیں اور یہیں اس نے پرورش پانے کے مواقع حاصل کئے ہیں' جیسا کہ آئندہ حالات سے بھی ظاہر ہوا

گا' بہر حال خوارج کبھی علانیہ اور کبھی خفیہ سرگرمیوں اور کوششوں میں برابر مصروف رہے ہیں۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور آپ کی نیکی و پاک باطنی کا حال لوگوں کو معلوم ہوا' تو خوارج بھی آپ کے اخلاق فاضلہ کو دیکھ کر شرما گئے' اور انہوں نے خود یہ فیصلہ کیا' کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسے صالح خلیفہ کے زمانہ میں حکومت و سلطنت موجودہ کے خلاف کوئی انقلابی کوشش کرنی کسی طرح مناسب نہیں ہے' بہتر یہی ہے کہ جب تک یہ فرشتہ خصائل خلیفہ موجود ہے' ہم اپنی سرگرمیوں کو ملتوی رکھیں' چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں خارجیوں نے مطلق سر نہیں اٹھایا۔

ایک مرتبہ صرف خراسان میں انہوں نے سر اٹھایا تھا' آپ نے وہاں کے عامل کو لکھ دیا کہ جب تک وہ کسی کو قتل نہ کریں اس وقت تک تم ان سے تعرض نہ کرو' مگر ہاں ان کی حرکات و سکنات سے تم واقف رہو' پھر آپ نے خوارج کے سردار کو ایک خط لکھا کہ

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے لیے اٹھے ہو مگر اس بات کا حق تمہارے مقابلے میں ہم کو زیادہ ہے' تم ہمارے پاس چلے آؤ' اور ہم سے مباحثہ کر لو' ہم حق پر ہیں تو تم ہمارا ساتھ دو' اور اگر تم حق پر ہو گے تو ہم تمہاری بات مان لیں گے۔

اس خط کو پڑھ کر خوارج کے سردار نے اپنی طرف سے دو ہوشیار آدمیوں کو مناظرہ کرنے کے لیے روانہ کیا' ان دونوں نے آ کر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ کیا۔

خوارج نے کہا کہ تمہارے بزرگ یعنی خلفائے بنوامیہ کافر تھے' ان پر لعنت بھیجنا ضروری ہے' سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا' کہ تم نے تو کبھی فرعون پر بھی لعنت نہیں بھیجی' حالاں کہ وہ کافر تھا' لعنت بھیجنے کو ضروری نہ سمجھو' جو لوگ توحید و رسالت کے قائل اور ارکان اسلام پر عامل ہیں' ان کو کافر کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اس مباحثہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں خارجیوں میں سے ایک تو اپنی جماعت کو ترک کر کے عام مسلمانوں میں شامل ہو گیا' باقی خوارج کی جماعت نے بھی بالکل خاموشی اختیار کر لی۔

وفات

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ بنوامیہ آپ کے طرز عمل سے سخت ناراض تھے کیونکہ ان کی جاگیریں' جائدادیں اور تمام اموال جو دوسروں کے حقوق مغصوبہ تھے' چھن گئے تھے اور وہ کوئی ناجائز فائدہ حکومت وقت نہیں اٹھا سکتے تھے۔ آخر وہ دیر تک اپنے ان نقصانات کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے آپ کے قتل کرنے کی سازش کی' آپ کو قتل کرنا کوئی دشوار کام بھی نہ تھا' کیوں کہ اپنی ذاتی حفاظت

کے لیے نہ آپ نے کوئی چوکی پہرہ قائم رکھا تھا' نہ کھانے پینے میں کسی قسم کی احتیاط کرتے تھے' آپ کے قتل کرنے کا سب سے آسان ذریعہ جو بنوامیہ نے سوچا وہ یہ تھا کہ آپ کو زہر دیا جائے' چنانچہ انہوں نے آپ کے غلام کو لالچ دے کر اپنا شریک بنایا اور اس کے ذریعہ آپ کو زہر دلوایا' جب آپ کو زہر دیا گیا' تو آپ کو اس کا علم ہو گیا' جب آپ کی تکلیف واذیت نے ترقی اختیار کی تو لوگوں نے کہا کہ آپ دوا کیوں نہیں کرتے' آپ نے فرمایا کہ جس وقت مجھے زہر دیا گیا' اس وقت اگر کوئی مجھ سے یہ کہتا' کہ تم اپنے کان کی لو کو ہاتھ لگانے سے اچھے ہو سکتے ہو تو میں اپنے کان کی لو کو ہاتھ نہ لگاتا۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ لوگ میری نسبت کیا کہتے ہیں' میں نے کہا کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آپ پر کوئی جادو کرایا گیا ہے' آپ نے فرمایا کہ نہیں میں مسحور نہیں ہوں' بلکہ مجھے جس وقت زہر دیا گیا تھا' اسی وقت معلوم ہو گیا تھا' پھر آپ نے اس غلام کو بلایا جس نے آپ کو زہر دیا تھا' وہ آیا تو آپ نے فرمایا' کہ افسوس تو نے مجھے زہر دے دیا' آخر کس طمع نے تجھ کو اس کام پر آمادہ کیا' اس نے کہا کہ مجھ کو ایک ہزار دینار دیئے گئے ہیں اور آزادی کا وعدہ کیا گیا ہے' آپ نے فرمایا کہ وہ دینار میرے پاس لے آؤ' چنانچہ وہ لے آیا' آپ نے اسی وقت وہ ایک ہزار دینار بیت المال میں داخل کرا دیئے اور غلام کو حکم دیا کہ تو اب یہاں سے نکل کر کہیں بھاگ جا کہ پھر کسی کو تیری صورت نظر نہ آئے۔

عبید بن حسان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب آپ کا وقت آخر آ پہنچا اور نزع کی کیفیت شروع ہوئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم مجھ کو تنہا چھوڑ دو' چنانچہ سب اٹھ کر باہر چلے گئے' مسلمہ بن عبدالملک اور آپ کی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک دروازے پر کھڑے رہے۔ انہوں نے سنا کہ آپ نے فرمایا' بسم اللہ' تشریف لایئے' یہ صورت نہ تو آدمیوں کی ہے نہ جنوں کی' پھر یہ آیت پڑھی ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (القصص : ۲۸/۸۳) "یہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیتے ہیں جو زمین میں بڑائی اور فساد نہیں چاہتے' اور بہتر انجام تو متقین ہی کے لیے ہے۔" اس کے بعد جب کوئی آواز نہ آئی تو وہ دونوں اندر گئے' دیکھا تو آپ فوت ہو چکے ہیں۔

آپ کی وفات ۲۵ ماہ رجب ۱۰۱ھ کو ہوئی' دو برس پانچ مہینے اور چار دن آپ نے خلافت کی' آپ کی وفات علاقہ حمص کے ایک مقام دیر سمعان میں ہوئی' آپ کی وفات کا حال جب سیدنا امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے سنا تو فرمایا کہ افسوس آج دنیا کا سب سے بہتر آدمی اٹھ گیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ نے خلیفہ مابعد یعنی یزید بن عبدالملک کو ایک رقعہ لکھا جس میں لکھا تھا کہ:

''بسم اللہ الرحمان الرحیم' از بندۂ اللہ تعالیٰ عمر بن عبدالعزیز' بعد سلام علیکم کے' یزید بن عبدالملک کو معلوم ہو کہ میں اس اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں' جس کے سوا کوئی اور اللہ تعالیٰ نہیں ہے' میں یہ خط تمہیں اپنے کرب کی حالت میں لکھتا ہوں' میں جانتا ہوں کہ مجھ سے میرے عہد حکومت کی نسبت سوال ہونے والا ہے' اور وہ سوال کرنے والا دنیا و آخرت کا مالک ہے' یہ ممکن نہیں کہ میں اس سے اپنا کوئی بھی عمل پوشیدہ رکھ سکوں' اگر وہ مجھ سے راضی ہو گیا تو میری نجات ہو جائے گی' ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا' میں دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی رحمت کاملہ سے بخش دے اور عذاب دوزخ سے بچائے' اور مجھ سے خوش ہو کر جنت عطا فرمائے۔ تمہیں لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو' اور رعیت کی رعایت کرو' میرے بعد تم بھی زیادہ دن دنیا میں نہ رہو گے۔۔۔۔۔۔۔ والسلام''

یوسف بن مالک کا قول ہے کہ ہم آپ کو قبر میں رکھ کر مٹی برابر کر رہے تھے کہ آسمان کی طرف سے ایک کاغذ گرا' اس میں لکھا تھا' خدائے تعالیٰ کی طرف سے عمر بن عبدالعزیز کو آتش دوزخ سے نجات دے دی گئی۔[1]

اولاد و ازواج

آپ کی تین بیویاں تھیں اور آپ نے گیارہ بیٹے چھوڑے۔ آپ کی بیویوں میں فاطمہ بنت عبدالملک بالکل آپ ہی کی طرح نیک اور اللہ والی خاتون تھیں۔ فاطمہ بن عبدالملک خلیفہ کی پوتی' خلفاء کی بہن' خلیفہ کی بیوی تھیں مگر نہایت زاہدانہ زندگی بسر کی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے اسحاق' یعقوب' موسیٰ' عبداللہ بکر' ابراہیم بیویوں سے اور باقی امہات ولد سے تھے۔ جن کے نام عبدالملک' ولید' عاصم' یزید' عبداللہ' عبدالعزیز اور ریان تھے۔ آپ کے صاحبزادے عبدالملک بالکل باپ کے نمونے پر تھے۔ اکثر آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو اپنے بیٹے عبدالملک کی وجہ سے نیکیوں اور عبادتوں کی ترغیب ہوتی ہے مگر یہ آپ کے سامنے ہی فوت ہو گئے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترکہ چھوڑا' اس کی کل مقدار ۲۱ دینار تھی۔ اسی میں سے چند دینار کفن دفن میں صرف ہوئے' باقی بیٹوں' بیٹیوں میں تقسیم ہوئے۔ عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہ بیٹے چھوڑے اور ہشام بن عبدالملک نے بھی گیارہ ہی بیٹے چھوڑے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہ بیٹے چھوڑے اور ہشام بن عبدالملک نے بھی

[1] یہ بات بے حوالہ اور بے سند ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہمارا گمان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ بہتری کا سلوک فرمائے گا۔

گیارہ ہی بیٹے چھوڑے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ہر ایک بیٹے کو باپ کے ترکہ میں سے ایک دینار ملا اور ہشام بن عبدالملک کے بیٹوں میں سے ہر ایک نے باپ کے ترکہ سے دس دس لاکھ درہم پائے لیکن میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں میں سے ایک کو دیکھا کہ اس نے ایک دن جہاد کے لیے سو گھوڑے دیے اور ہشام کے ایک بیٹے کو دیکھا کہ وہ لوگوں سے صدقہ لے رہا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور خلافت پر ایک نظر

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا زمانہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی طرح بہت ہی مختصر ہے لیکن جس طرح عہد صدیقی بہت ہی اہم اور قیمتی زمانہ تھا' اسی طرح عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا زمانہ بھی عالم اسلام کے لیے قیمتی زمانہ تھا۔ بنوامیہ کی حکومت نے بتدریج لوگوں میں دنیا پرستی اور حب جاہ و مال پیدا کر کے آخرت کی طرف سے غفلت پیدا کر دی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی چندروزہ خلافت نے یک لخت ان تمام خرابیوں کو دور کر کے مسلمانوں کو پھر روحانیت اور نیکی کی طرف راغب کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت اسلامیہ کو خلافت راشدہ کے نمونے پر قائم کر کے عہد صدیقی و عہد فاروقی کو دنیا میں پھر واپس بلا لیا۔

خلفاء کے استبداد اور قہر و جبر کو وہ سخت ناپسند کرتے اور دنیا میں آزادی و امن قائم کر کے ہر شخص کو اس کے انسانی حقوق سے متمتع ہونے کا موقع دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے اللہ کے ایک بھی منکر کو مجبور کرنا نہیں چاہا۔ انہوں نے خوارج کو بھی اپنے اظہار خیال کا موقع دیا۔ وہ خلیفۃ المسلمین کا مرتبہ اسی حد تک قائم رکھنا چاہتے تھے کہ اگر کوئی مجرم خلیفہ کو گالی دے تو زیادہ سے زیادہ خلیفہ بھی ویسی ہی گالی اس کو انتقاماً دے سکتا ہے۔ وہ اپنے ماتحتوں سے اس بات کے خواہاں نہ تھے کہ ان کی ہر ایک جائز و ناجائز بات کی تائید کی جائے۔ وہ خلیفہ کو مسلمانوں کا حکمران اور فرماں رواہ نہیں جانتے تھے بلکہ مسلمانوں کا شفیق باپ سمجھتے تھے۔ غرض عہد صدیقی اور فاردقی میں جو جو کچھ ہم نے دیکھا ہے' اس کے تمام نمونے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اندر موجود تھے اور اسی لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فوت ہونے پر خلافت راشدہ ختم ہو گئی۔ ان کے زمانے میں کثیر التعداد لوگوں نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ نومسلموں کی یہ کثرت کسی دوسرے خلیفہ کے زمانہ میں نظر نہیں آتی۔ حالانکہ آپ کے عہد خلافت میں بہت ہی کم لڑائیاں اور چڑھائیاں ہوئیں۔ آپ کی حکومت و سلطنت کے حدود سندھ' پنجاب' بخارا' ترکستان اور چین سے لے کر مراقش' اندلس اور فرانس تک وسیع تھے۔ اتنی بڑی عظیم الشان سلطنت میں ہر جگہ یکساں سکون اور امن و امان موجود تھا۔

آپ کے عہد مبارک میں سڑکیں نکالی گئیں۔ ہر ملک میں مدرسے اور شفاخانے جاری ہوئے' عدل وانصاف دنیا نے آپ کے بعد تک کبھی ایسا نہیں دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے انتقال پر نہ صرف مسلمانوں کے گھروں میں رونا دھونا ہوا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ عیسائی و یہودی سوگوار پائے گئے۔ راہبوں نے آپ کے مرنے کی خبر سن کر اپنے صومعوں اور عبادت خانوں میں سر پیٹ لیے اور کہا کہ آج دنیا سے عدل اٹھ گیا اور عدل کا قائم کرنے والا اور عدل کی حفاظت کرنے والا دنیا کو خالی کر گیا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ' سنی اور خارجی وغیرہ کے تمام اختلافات مٹا دیے اور آج بھی کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اپنے دل میں کوئی نفرت رکھتا ہو۔ ہر ایک سوچنے اور غور کرنے والے کے لیے موقع ہے کہ سوچے اور غور کرے کہ جو شخص سب سے زیادہ پابند اسلام ہوتا ہے' وہی سب سے زیادہ محبوب عالم بن جاتا ہے۔ آخر یہ اسلام کی خوبی نہیں تو اور کیا ہے؟ صدیق اکبر' فاروق اعظم رضی اللہ عنہما' عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ' نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ' صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو اہل یورپ بڑی عزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ساتھ ہی ان کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ لوگ اسلام کے کس قدر پابند تھے۔ ان کی تمام خوبیاں صرف اسی ایک بات پر منحصر تھیں کہ وہ سچے پکے مسلمان تھے اور انہوں نے اپنی زندگیوں کو اسلامی نمونے پر قائم رکھنا چاہا تھا۔ ایک طرف ہم سوچتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے بہت بڑے خلیفہ تھے اور دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے منبر پر خطبہ دے رہے ہیں تو حیرت واستعجاب کی انتہا نہیں رہتی۔ فرض اور ذمہ داری کے احساس کا اس سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ ہو سکتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نہایت عیش وتنعم کی حالت میں بسر ہوئی تھی لیکن خلیفہ ہونے کے بعد صرف اڑھائی سال کے عرصہ میں اس قدر لاغر ہو گئے تھے کہ جسم کی ایک ایک ہڈی الگ الگ گنی جا سکتی تھی۔

یزید بن عبدالملک

ابو خالد یزید بن عبدالملک بن مروان اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی وصیت کے موافق سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا' تخت نشین ہونے کے بعد اس نے کہا' کہ جتنا میں خدائے تعالیٰ کا محتاج ہوں اس قدر سیدنا عمر بن عبدالعزیز بھی نہ تھے' چنانچہ وہ چالیس روز تک سیدنا عمر بن عبدالعزیز ہی کے نقش قدم پر چلا۔

بنو امیہ نے جب دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بھی کشود کار کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی'

تو انہوں نے یزید بن عبدالملک کو اپنے منشاء کے موافق طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دینے کی کوشش کی' اس قسم کی تمام کوششیں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے تو بے کار ثابت ہوتی رہی تھیں' لیکن یزید بن عبدالملک عمر بن عبدالعزیز نہ تھا وہ ایک ذرا سی کوشش کے مقابلہ میں بہہ گیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ چالیس سفید ریش لوگوں نے حاضر ہو کر اس بات کی شہادت دی کہ خلیفہ وقت جو کچھ کرے اس کا حساب اس سے نہ لیا جائے گا اور نہ اس پر عذاب ہو گا' ایسی تدبیروں کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا' اور یزید بن عبدالملک کی جہالت نے اس کو بتدریج یزید اول کی طرح فسق و فجور کی طرف مائل کر دیا' حتیٰ کہ وہ شراب و مسکرات کا بھی استعمال کرنے لگا' اور یہی سب سے پہلا خلیفہ تھا جس نے علانیہ شراب استعمال کی اور گانے بجانے میں بھی اپنا وقت ضائع کرنے لگا' اس کے بعد بنو امیہ کو کافی موقع مل گیا انہوں نے دربار خلافت پر مستولی ہو کر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کی تمام اصلاحات کو منسوخ کرا دیا اور خلافت بنو امیہ کے اسی طرح غاصبانہ طور پر املاک و جاگیرات پر قابض و متصرف ہو گئے' اور اس بے انصافی میں پہلے سے زیادہ ترقی کر گئے' سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے بعد ہی سے خلافت بنو امیہ کے زوال کا زمانہ سمجھنا چاہیئے' اسی زمانہ میں بنو عباس اور ہاشمیوں کو بنی امیہ کے خلاف کوششیں اور تدبیریں عمل میں لانے کا موقع مل گیا۔

محمد بن یوسف برادر حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے عہد امارت میں اہل یمن پر ایک جدید ٹیکس لگا دیا تھا' جس کو سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد خلافت میں معاف کر کے عشر (دسواں حصہ) قائم کیا اور فرمایا کہ مجھے اس جدید خراج کے قائم کرنے سے یہ پسند ہے کہ یمن سے ایک ذرہ برابر خراج بھی نہ آئے' جب یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے گورنر یمن کو لکھ بھیجا' کہ اس ٹیکس کو اہل یمن سے ضرور وصول کرو' چاہے وہ کتنے ہی ناراض کیوں نہ ہوں' یزید بن عبدالملک کا چچا محمد بن مروان جو جزیرہ و آذربائیجان کا گورنر تھا انہیں دنوں میں فوت ہوا' یزید نے اس کی جگہ اپنے دوسرے چچا مسلمہ بن عبدالملک کو جزیرہ و آذربائیجان کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ یزید بن مہلب کو سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے خراج جرجان کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے قید کر دیا تھا' وہ اب تک قید میں تھا' جب اس نے سنا کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو بنو امیہ نے زہر دے دیا ہے اور وہ شاید جانبر نہ ہو سکیں تو وہ قید خانے سے فرار ہو کر بصرہ کی طرف چل دیا' یزید بن مہلب اور یزید بن عبدالملک کے درمیان سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ سے شکر رنجی اور ناراضی چلی آتی تھی' جب یزید بن مہلب کو یہ معلوم ہوا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی معرض خطر میں ہے اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک تخت نشین ہونے والا ہے تو وہ قید خانے کے محافظین کو بھاری

رشوت دے کر فرار ہو گیا کہ یزید بن عبدالملک اس پر دسترس نہ پا سکے' جاتے ہوئے ایک عریضہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھ کران کے پاس بھجواتا گیا' اس میں لکھا تھا' کہ اگر مجھے آپ کی زندگی کا یقین ہو جاتا تو میں ہرگز آپ کے قید خانے سے نہ بھاگتا' مگر اس اندیشہ سے کہ آپ کے بعد یزید بن عبدالملک مجھے قتل کر ڈالے گا اور بری طرح قتل کرے گا' میں یہاں سے فرار ہو رہا ہوں' یہ تحریر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس وقت پہنچی' جب ان کا آخری وقت آ پہنچا تھا' آپ نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ الٰہی اگر یزید بن مہلب مسلمانوں کے ساتھ برائی کرنے کو بھاگا ہے تو تو اس کو سزا دے' کیونکہ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔

یزید بن عبدالملک نے خلیفہ ہو کر عدی بن ارطاۃ والی بصرہ کو یزید کے بھاگ جانے کا حال لکھ کر لکھا' کہ یزید بن مہلب کے اہل و عیال کو گرفتار کر لو' چنانچہ عدی نے مفضل و مروان پسران مہلب کو گرفتار کر کے قید کر دیا' اسی اثناء میں یزید بن مہلب بصرہ میں پہنچ گیا' اہل بصرہ نے یزید بن مہلب کی طرف داری کی اور عدی بن ارطاۃ کو بصرہ سے بھاگنا پڑا' یزید بن مہلب نے بصرہ پر قابض ہو کر اہواز تک اپنا قبضہ جما لیا' اور اپنی ایک الگ حکومت قائم کر کے ایک زبردست فوج تیار کی اور اہل عراق کو ترغیب دی کہ ترک و دیلم کے جہاد سے اہل شام پر جہاد کرنا افضل ہے' سیدنا امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی مگر لوگوں نے ان کو اس خیال سے خاموش رہنے پر مجبور کیا کہ یزید بن مہلب سن کر کہیں ان کو قتل نہ کر دے۔

یزید اس فوج کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا' یزید بن عبدالملک نے اس فوج کشی کا حال سنا تو اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو فوج دے کر مقابلہ کے لیے روانہ کیا' مقام عقبہ میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا' بڑی خون ریز لڑائی ہوئی' طرفین سے خوب خوب داد شجاعت دی گئی' بالآخر میدان جنگ میں یزید اور اس کا بھائی حبیب دونوں مارے گئے اور مسلمہ بن عبدالملک کو فتح حاصل ہوئی۔

بقیہ آل مہلب کو جب یزید و حبیب کے مارے جانے اور فوج کے شکست کھانے کا حال معلوم ہوا تو وہ بصرہ سے فرار ہوئے اور مشرق کی طرف کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر روانہ ہو گئے' ان کے تعاقب میں ایک دستہ فوج کا روانہ کیا گیا' مقام قندابیل میں اس دستہ فوج سے مقابلہ ہوا' بجز دو بچوں ابو عتبہ بن مہلب اور عثمان بن مفضل بن مہلب کے خاندان مہلب سے کوئی متنفس باقی نہیں بچا' سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔

اس فتح کے بعد یزید بن عبدالملک نے مسلمہ بن عبدالملک کو عراق کا گورنر بنا دیا' پھر عمرو بن ہبیرہ کو مسلمہ کی جگہ حاکم عراق مقرر کیا' اہل صغد اور اہل سمرقند نے بغاوت کی تو عمرو بن ہبیرہ نے سعید

حرشی کو خراسان کا امیر مقرر کر کے معہ فوج خراسان کی طرف روانہ کیا' اس نے وہاں پہنچ کر اہل صفد اور اہل سمرقند کو قرار واقعی سزا دے کر درست کیا۔

بلاد خزر و آرمینا میں بغاوت ہوئی اور وہاں کے لوگوں نے اہل قبچاق سے مدد لے کر مسلمانوں پر حملہ کیا اور وہاں کی اسلامی فوج کے اکثر حصہ کو قتل کر ڈالا' ہزیمت خوردہ اور بقیۃ السیف بھاگ کر دمشق میں یزید بن عبدالملک کے پاس آئے' یزید نے جراح بن عبداللہ حکمی کو فوج دے کر اس طرف روانہ کیا' جراح نے وہاں پہنچ کر لڑائی چھیڑ دی' اہل خزر نے مقابلہ کیا' مگر سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں سے شکست کھائی' اس کے بعد جراح نے اپنی پیش قدمی کو جاری رکھا' اور دور تک علاقہ فتح کرتا ہوا چلا گیا' وہاں کے بادشاہ اور امراء نے اطاعت اختیار کی اور تمام علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

عبدالرحمٰن بن ضحاک سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے حجاز کی گورنری پر مامور تھا۔ وہ تین برس تک اس عہدے پر مامور رہا' اس کے بعد اس کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی پوتی سے شادی کروں' چنانچہ اس نے فاطمہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا یعنی لڑکی کی ماں کے پاس پیغام بھیجا' انہوں نے انکار کر دیا' عبدالرحمٰن بن ضحاک نے دھمکی دی کہ میں تمہارے لڑکے کو شراب خوری کے جرم میں متہم کر کے درے لگواؤں گا' فاطمہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا نے یزید بن عبدالملک کے پاس شکایت کہلا کر بھجوائی' یزید یہ سن کر سخت برافروختہ ہوا' اور عبدالواحد بن عبداللہ قسری کو اپنے ہاتھ سے خط لکھا' کہ میں نے تجھ کو مدینہ کی گورنری پر مامور کیا' تو اس خط کو دیکھتے ہی ابن ضحاک کے پاس جا اور اس کو معزول کر دے اور اس سے چالیس ہزار دینار جرمانہ وصول کر اور اس کو اس قدر اذیت دے کہ اس کی آواز مجھے سنائی دے' درآں حالیکہ میں اپنے بستر استراحت پر ہوں۔

قاصد نے یہ خط لے جا کر عبدالواحد کو دیا' عبدالواحد نے مدینہ کی گورنری کا چارج لے کر ابن ضحاک کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں' لوگ ابن ضحاک سے کچھ خوش نہ تھے' اس لیے اب اس کے معزول ہونے کے بعد اس کی ہجو میں قصیدے لکھے گئے' عبدالواحد کا برتاؤ انصار مدینہ کے ساتھ بہت اچھا تھا' سب اس سے خوش رہے اور قاسم' سالم پسران عبداللہ بن عمر ہر کام میں ان کے مشیر تھے' ابن ضحاک کی معزولی اور عبدالواحد کی تقرری ماہ شوال ۱۰۴ھ میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔

سعید حرشی خراسان کا عامل تھا' جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے چند روز کے بعد ابن ہبیرہ نے حرشی کو معزول کر کے اس کی جگہ مسلم بن سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو خراسان کی حکومت سپرد کی' ابن ہبیرہ یزید بن عبدالملک کے آخر عہد خلافت تک گورنر رہا۔

یزید بن عبدالملک نے اپنے بعد اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک اور اس کے بعد اپنے بیٹے ولید

بن یزید کو ولی عہد بنایا تھا' چار سال ایک ماہ خلیفہ رہ کر ۲۵ شعبان ۱۰۵ھ کو بمقام بلقاء بعمر ۳۸ سال یزید بن عبدالملک فوت ہوا اور اس کی وصیت کے موافق ہشام بن عبدالملک تخت خلافت پر بیٹھا۔

ہشام بن عبدالملک

ابوالولید ہشام بن عبدالملک ۷۲ھ میں پیدا ہوا' اس کی والدہ عائشہ بنت ہشام بن اسماعیل مخزومی تھی' جب یزید بن عبدالملک کا انتقال ہوا تو ہشام حمص میں مقیم تھا' وہیں قاصد یہ خبر اور یزید کا عصا اور انگوٹھی لے کر گیا' ہشام حمص سے دمشق میں آیا اور لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت لی۔

ہشام بن عبدالملک نے تخت نشین ہونے کے بعد ابن ہبیرہ کو عراق کی حکومت سے معزول کر کے اس کی جگہ خالد بن عبداللہ قسری کو حکومت عراق کی سند دے کر روانہ کیا' اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مسلم بن سعید خراسان کا حاکم مقرر ہوا تھا' مسلم نے فوج لے کر ترکوں پر چڑھائی کی اور ۱۰۵ھ کے آخر تک مصروف جنگ رہ کر اکثر ترک سرداروں کو مغلوب کر کے ان سے خراج و جزیہ وصول کیا۔

واقعات خراسان

۱۰۶ھ میں مسلم بن سعید نے جہاد کے ارادے سے بہت بڑی فوج جمع کر لی اور بخارا و فرغانہ کی طرف جا کر باغیوں کو سزائیں دیں' خاقان چین نے اہل فرغانہ کی مدد کی اور خاقان سے مسلم کی کئی زبردست اور خون ریز لڑائیاں ہوئیں' انجام کار خاقان کو شکست ہوئی' اور ترکوں کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں نے گرفتار کر لیے' اسی سال ہشام بن عبدالملک خلیفۂ دمشق نے خالد بن عبداللہ کو خط لکھا کہ مسلم بن سعید کو خراسان کی گورنری سے معزول کر کے اپنے بھائی اسد بن عبداللہ قسری کو خراسان کا گورنر بنا کر بھیج دو' چنانچہ خالد بن عبداللہ نے اسد بن عبداللہ اپنے بھائی کو خراسان کی سند حکومت دے کر روانہ کیا اور مسلم بن سعید نے بخوشی خراسان کی حکومت اس کے سپرد کر دی خالد بن عبداللہ نے جب اپنے بھائی اسد بن عبداللہ کو خراسان کا حاکم بنا کر بھیجا تو اس کے ساتھ ہی عبدالرحمٰن بن نعیم کو اس کا نائب بنا کر بھیج دیا تھا۔

اسد بن عبداللہ نے خراسان کی حکومت سنبھالتے ہیں جبال ہرات یعنی غور وغیرہ کی طرف حملہ کیا اور وہاں سے مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا' ان لڑائیوں میں نصر بن سیار اور مسلم بن احور نے بہت نام وری حاصل کی' اسد بن عبداللہ نے چند ہی روز کے بعد ایسے اخلاق کا اظہار کیا کہ لوگ اس سے پریشان و دہشت زدہ ہونے لگے' اس نے نصر بن سیار کے سو درے لگوائے۔ عبدالرحمٰن

بن نعیم کا سر منڈوایا اور ان لوگوں کو اپنے بھائی خالد بن عبداللہ کے پاس بھیج دیا کہ یہ میرے قتل کی سازش میں شریک تھے۔

اسی طرح وہ اہل خراسان کو بھی بہت لعن وطعن کرتا اور سختی سے پیش آتا تھا' ان باتوں کا حال ہشام بن عبدالملک کو معلوم ہوا تو اس نے دمشق سے خالد بن عبداللہ کو لکھا' کہ اسد بن عبداللہ کو خراسان کی حکومت سے معزول کر دو' پھر خود ہی براہ راست اشرس بن عبداللہ سلمی کو خراسان کی حکومت پر مامور کر کے بھیج دیا اور خالد کو اطلاع دے دی۔

اشرس نے خراسان میں پہنچ کر اپنے نیک سلوک اور خوش اخلاقی سے سب کو خوش کر لیا' اشرس نے ۱۱۰ھ میں ابوالصیداء صالح بن ظریف اور ربیع بن عمران تمیمی کو سمرقند و ماوراءالنھر کی طرف اس غرض سے روانہ کیا کہ وہاں جا کر لوگوں کو سلام کی خوبیاں سمجھائیں اور شرک کی برائیوں سے آگاہ کر کے راہ راست پر لائیں' اس علاقے میں آئے دن بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں اور حکومت اسلامیہ نوک شمشیر کے ذریعہ قائم تھی' اشرس نے اس کا بہترین علاج یہی تجویز کیا کہ ان لوگوں کو اسلام سے آگاہ کر کے مسلمان بنایا جائے تو ان کے اندر جس قدر عیوب ہیں وہ خود بخود دور ہو جائیں گے اور حکومت اسلامیہ کے لیے پھر کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا' چنانچہ اس دعوت اسلام کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔

سمرقند کے علاقہ پر حسن بن عمرطہ کندی صیغۂ مال کا افسر مقرر تھا۔ جب لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے تو اس سے جزیہ کی آمدنی جو ذمیوں سے لیا جاتا تھا کم ہونے لگی' ذمیوں کے نومسلم ہونے سے جو آمدنی میں کمی ہوئی تو حسن بن عمرطہ نے اس کی شکایت اشرس بن عبداللہ سلمی گورنر خراسان کو لکھی' اشرس بن عبداللہ نے جواب دیا کہ بہت سے لوگ ممکن ہے کہ محض جزیہ کی وجہ سے مسلمان ہو گئے ہوں اور دل سے انہوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ لہٰذا تم دیکھو کہ جس نے ختنہ کرالی ہو اور نماز پڑھتا ہو اس کو جزیہ معاف کر دو' ورنہ چاہے وہ اپنے آپ کو مسلمان کہے اس سے ضرور جزیہ وصول کرو۔

اشرس اگرچہ خود اس کو پسند نہ کرتا تھا' مگر خالد اور ہشام کا منشاء یہی تھا' کہ نومسلموں کے ساتھ سختی سے محاسبہ و معاملہ کیا جائے' اشرس کے پاس سے اس جواب کے آنے پر حسن بن عمرطہ نے اس حکم کی تعمیل میں اس لیے تامل کیا' کہ یہ شریعت اسلام کے موافق نہ تھا' اشرس بن عبداللہ نے حسن بن عمرطہ کو صیغۂ مال سے معزول کر کے ہانی ابن ہانی کو مامور کیا اور سمرقند کی حکومت و سپہ سالاری پر اس کو قائم رکھا۔

ہانی ابن ہانی نے نومسلموں سے آ کر جزیہ وصول کرنا شروع کیا' ابوالصیداء نے نومسلموں کو

جزیہ دینے اور ہانی کو جزیہ لینے سے روکا' ہانی نے اشرس کو خط لکھا' کہ یہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں' انہوں نے مسجدیں بھی بنالی ہیں' ان سے جزیہ کیسے وصول ہو سکتا ہے' اس کے جواب میں ہانی کے پاس حکم پہنچا' کہ تم ان تمام لوگوں سے جو جزیہ دیا کرتے تھے جزیہ وصول کرو' چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو گئے ہوں۔

یہ دیکھ کر ابوالصیداء نے نومسلموں کی سات ہزار جمیت لے کر سمرقند سے چند فرسنگ کے فاصلے پر قیام کیا اور مقابلے پر مستعد ہو گیا' چوں کہ ابوالصیداء کے پاس وجہ مخالفت معقول تھی' لہٰذا بہت سے مسلمان سردار حاکم سمرقند کی فوج میں سے ابوالصیداء کے پاس نومسلموں کی حمایت کے لیے چلے گئے' اشرس نے یہ حالت دیکھ کر حسن بن عمرطہ کو سمرقند کی حکومت سے معزول کر کے محشر بن حزاحم سلمی کو مامور کیا' محشر بن مزاحم نے سمرقند پہنچ کر ابوالصیداء اور اس کے ہمراہی سرداروں کو صلح کے بہانے دھوکے سے بلا کر قید کر دیا اور اشرس کے پاس روانہ کر دیا۔

نومسلموں نے ابوفاطمہ کو اپنا سردار بنالیا' آخر مجبور ہو کر ان مسلمانوں کو جزیہ کی معافی کا وعدہ دیا گیا' اور جب ان کی جمعیت اور اتفاق جاتا رہا تو بتدریج ان پر سختی شروع کی گئی' اور طرح طرح سے ذلیل کیا گیا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے پھر مرتد ہو کر باغی ہو گئے اور از سر نو مقابلہ پر آمادہ ہو کر خاقان سے خواہاں امداد ہوئے' خاقان اپنی زبردست فوجیں لے کر آیا اور مسلمانوں کے ساتھ ایک جدید سلسلۂ جنگ شروع ہو گیا' اشرس خود مقابلہ پر پہنچا' طرفین سے خوب داد شجاعت دی گئی' بہت سے مسلمان اور بہت سے ترک تہ تیغ ہوئے آخر اس خوں ریز سلسلۂ جنگ کا خاتمہ صلح پر ہوا۔ اس جگہ ان لوگوں کو جو اسلام کی اشاعت کو بزور شمشیر بتاتے ہیں غور و تامل کرنا چاہیئے' کہ مسلمانوں نے اپنے زور شمشیر کو اسلام کی اشاعت میں صرف کیا یا ان کے بعض نادان حکمران نے زور شمشیر کو اسلام کی اشاعت کے روکنے میں صرف کیا ہے۔

۱۱۱ھ میں ہشام بن عبدالملک نے اشرس بن عبداللہ کو جب کہ وہ ترکوں اور سمرقندیوں سے مصروف پیکار تھا معزول کر کے جنید بن عبدالرحمٰن بن عمر بن حرث بن خارجہ بن سنان بن ابی حارثہ مری کو مامور کیا' جنید جب خراسان کے دارالصدر شہر مرو میں پہنچا تو اس نے وہاں بجائے اشرس کے اس کے نائب خطاب بن محرز سلمی کو پایا' وہ ایک روز قیام کر کے ماوراء النہر کی طرف روانہ ہوا اور اپنی جانب سے محشر بن مزاحم سلمی کو مرو میں چھوڑ کر اور خطاب کو اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوا' اور اشرس کے ساتھ خاقان و اہل بخارا پر فتح یاب ہو کر مرو کی جانب ۱۱۱ھ کے آخری ایام میں واپس آیا' مرو میں آ کر اس نے قطن بن قتیبہ بن مسلم کو بخارا پر' ولید بن قعقاع عبسی کو ہرات پر' اور مسلم بن عبدالرحمٰن باہلی کو بلخ کی

حکومت پر مامور کیا' لیکن چند ہی روز کے بعد مسلم بن عبدالرحمٰن کو معزول کر کے یحیٰ بن ضبیعہ کو بلخ کا حاکم بنایا۔

۱۱۲ھ میں جنید نے طخارستان کے باغیوں کی سرکوبی و سزادہی کے لیے عمارہ بن مریم کو ایک طرف سے اٹھارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ اور ابراہیم بن بسام کو دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ دوسری طرف سے روانہ کیا اور خود بھی اس روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگا' ترکوں کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو وہ خاقان کو اپنا سپہ سالار اعظم بنا کر اور بہت بڑا لشکر جمع کر کے سمرقند پر حملہ آور ہوئے' اس زمانہ میں سمرقند کا عامل سورہ بن الجبر تھا' اس نے جنید کے پاس خبر بھیجی کہ خاقان نے اپنے زبردست لشکر کے ساتھ سمرقند کی طرف حرکت کی ہے' میری مدد کے لیے جلد فوج بھیجیے۔ محشر بن مزاحم وغیرہ نے جنید کو مشورہ دیا' کہ سمرقند کی طرف آپ کو کم از کم پچاس ہزار فوج کے ساتھ جانا چاہئے' کیونکہ ترکوں کا مقابلہ آسان نہیں ہے' لیکن آج کل تمام فوج منتشر ہو چکی ہے' آپ کے پاس بہت ہی تھوڑے سے آدمی ہیں' اس حالت میں آپ سمرقند کا ارادہ نہ کریں' جنید نے سرد آہ کھینچ کر کہا' کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا بھائی سورہ بن الجبر وہاں مصیبت میں گرفتار ہو اور میں یہاں پچاس ہزار فوج کی فراہمی کے انتظار میں بیٹھا ہوں' یہ کہہ کر سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔

خاقان اور ترکوں کو معلوم ہوا کہ جنید خود سمرقند کی طرف آ رہا ہے تو وہ تھوڑی سی فوج سمرقند کے محاصرہ پر چھوڑ کر جنید کے سد راہ ہوئے' راستے ہی میں روک کر لڑائی کا بازار گرم کیا' جنید اور اس کے مٹھی بھر ہمرائیوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے اور ایسی چپقلش مردانہ دکھائی کہ ترکوں کے چھکے چھوٹ گئے' بڑے بڑے نامی سردار مسلمانوں میں سے بھی شہید ہوئے اور ترکوں کی لاشوں کے تو انبار لگ گئے۔

ترکوں کی فوج اور خاقان کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی' جنید نے پہاڑ کو پس پشت رکھ کر خاقان اور اس کے لشکر کو کئی مرتبہ پیچھے ہٹایا' اور ترکوں کو میدان سے بھگایا' آخر سرداروں کے مشورے سے سورہ بن الجبر کے پاس سمرقند میں پیغام بھیجا۔ کہ ہم تم سے صرف دو منزل کے فاصلے پر مصروف جنگ ہیں' تم ہمت کر کے سمرقند سے نکل آؤ اور نہر کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے ہم تک پہنچو اور دوسری طرف سے ترکوں پر حملہ کر دو' سورہ بن الجبر سمرقند سے روانہ ہوا' لیکن جس راستے کی نسبت ہدایت کی گئی تھی اس راستے سے نہیں آیا' بلکہ ایک دوسرے راستے سے آیا' نتیجہ یہ ہوا کہ قریب ہی پہنچ کر ترکوں کے لشکر میں گھر گیا اور لڑ کر بہت سے لشکر کو قتل کرا دیا' اس طرح جنید کو کوئی امداد نہ پہنچ سکی' آخر مسلمانوں نے جی توڑ کر ایسے ایسے سخت حملے کئے کہ خاقان اور ترکوں کو بھگا دیا اور سمرقند میں داخل

ہو گئے۔

یہاں سے ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ مفصل کیفیت لکھ کر ہشام بن عبدالملک کے پاس دمشق کو بھیجی' خلیفہ نے کوفہ اور بصرہ کو احکام بھیجے' کہ دس دس ہزار فوج دونوں مقاموں سے جنید کی مدد کے لیے روانہ کرو اور جنید کو لکھا کہ تم مصروف جہاد رہو' میں بیس ہزار فوج' تیس ہزار نیزے اور تیس ہزار تلواریں تمہاری امداد کے لیے کوفہ اور بصرہ سے بھجوا رہا ہوں' یہ پیغام خلیفہ کا جنید کے پاس سمرقند میں پہنچا' جنید سمرقند میں مقیم رہا۔

لیکن چند ہی روز کے بعد سنا کہ خاقان نے جو جنید کے مقابلے سے بھاگ گیا تھا فوجیں جمع کر کے بخارا پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا ہے' بخارا کی حکومت قطن بن قتیبہ کے سپرد تھی' جنید کو اندیشہ ہوا کہ کہیں قطن کی بھی وہی حالت نہ ہو جو سورہ کی سمرقند میں ہوئی تھی' اس نے عثمان بن عبداللہ کو چار سو سواروں کے ساتھ سمرقند میں چھوڑا اور ہر قسم کا کافی سامان رسد اس کے لیے فراہم کر دیا اور خود عورتوں اور بچوں اور ضروری سامان کو لے کر سمرقند سے بخارا کی طرف روانہ ہوا' طواویس کے قریب مقام کومینیہ میں یکم رمضان ۱۱۲ھ کو خاقان سے مقابلہ ہو گیا' خاقان کو شکست ہوئی اور جنید اپنے سامنے راستہ صاف پا کر بخارا کی جانب سرگرم سفر ہوا' راستے ہی میں ایک مرتبہ پھر ترکوں نے مقابلہ کیا اس میں بھی مسلمانوں نے فتح پائی' اس کے بعد جنید بخارا میں داخل ہو گیا اور یہیں کوفہ و بصرہ کی فوجیں بھی جنید کے پاس پہنچ گئیں۔

جنید نے ترکوں کو متواتر اور پیہم شکستیں دے دے کر خراسان میں ہر طرف امن و امان قائم کر دیا' جنید کو جب خراسان کی طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا تو اس نے ۱۱۶ھ میں فاضلہ بنت یزید بن مہلب کے ساتھ نکاح کیا' ہشام بن عبدالملک کو خاندان مہلب کے ساتھ سخت عداوت تھی' یہ خبر پہنچی' تو اس کو بہت ناگوار گزرا اور جنید کو خراسان کی حکومت سے معزول کر کے عاصم بن عبداللہ بن یزید ہلالی کو خراسان کی سند گورنری دے کر روانہ کیا' ادھر عاصم خراسان کی طرف روانہ ہوا' ادھر جنید کے مرض استسقاء نے خطرناک صورت اختیار کی' جس روز عاصم مرو میں داخل ہوا' اسی روز اس کے آنے سے پہلے فوت ہو چکا تھا' عاصم نے خراسان پہنچ کر جنید کے عاملوں کو معزول کر کے اپنے جدید عامل مقرر کیے۔

حرث بن شریح

۱۰۰ھ سے جب کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا زمانہ تھا' بنو عباس نے اپنی خلافت

کے لیے خلافت بنوامیہ کے خلاف خفیہ کوششوں اور سازشوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا' یہ کوششیں نہایت احتیاط اور دانائی کے ساتھ جاری تھیں' رسول اللہ ﷺ کی بعض احادیث کو خاص طور پر شائع کیا جاتا تھا' بعض روایات مصلحتاً وضع بھی کر لی گئی تھیں' بعض روایات میں کچھ فقرات اضافہ کر دیئے گئے تھے' جن سب کا منشا یہ تھا کہ لوگوں کو اس بات کا کامل یقین دلایا جائے' کہ خلافت اسلامیہ بنوعباس میں ضرور آئے گی اور بہت جلد آئے گی' اس کے علاوہ بنو ہاشم کا حق دار خلافت ہونا اور بنوامیہ کا ناجائز طور پر برسر حکومت آ جانا چونکہ پہلے ہی سے انقلابی جماعتوں کے لیے بطور ایک زبردست ہتھیار کے استعمال ہو رہا تھا لہٰذا ان باتوں سے بھی خوب فائدہ اٹھایا گیا' اس کام کے لیے خاص خاص قابل آدمی بطور مشنری مصروف کار تھے اور بنوامیہ اپنے زعم حکومت میں ایسی باتوں کو خاطر میں نہ لاتے' نہ ان کے انسداد کی طرف متوجہ ہونے کو ضروری سمجھتے تھے' نہ اس قسم کی خفیہ سازشوں کی ٹوہ اور تلاش میں رہنا پسند کرتے تھے۔

فاطمیوں اور علویوں نے بھی عباسیوں کے متوازی اس قسم کی کوششوں اور سازشوں کا سلسلہ پہلے ہی سے باقاعدہ جاری کر رکھا تھا' اور یہ تمام سلسلے خراسان ہی میں نشوونما پا رہے تھے کیونکہ خراسان ہی کی آب و ہوا ایسی کوششوں اور سازشوں کے لیے زیادہ موافق و موزوں تھی' خراسان میں بنی ازد کے نامور قبیلے کا سردار حرث بن شریح خاص طور پر علویوں اور فاطمیوں کا شیدائی تھا' چنانچہ ۱۱۶ھ میں اس نے سیاہ کپڑے پہنے اور لوگوں کو اتباع کتاب و سنت اور بیعت امام رضا کی دعوت دی اور فاریاب میں پہنچ کر اس کام کو شروع کیا' چار ہزار کی جانباز جمعیت اس کے گرد جمع ہو گئی' یہ اس فوج کو لے کر بلخ کی طرف متوجہ ہوا' بلخ میں ان دنوں نصر بن سیار حاکم تھا' وہ دس ہزار فوج لے کر مقابلہ کو نکلا۔ مگر شکست کھائی۔

حرث بن شریح بلخ پر قابض و متصرف ہو کر اور اپنی طرف سے سلیمان بن عبداللہ بن حازم کو بلخ میں مامور کر کے جرجان کی طرف بڑھا' بڑی آسانی سے جرجان پر بھی قابض و متصرف ہو کر مرو کی طرف متوجہ ہوا' مرو میں عاصم بن عبداللہ نے لوگوں کو جمع کر کے مقابلہ پر آمادہ کرنا چاہا' لیکن یہاں بھی پہلے ہی سے حرث بن شریح کے ساتھ لوگوں کی خط و کتابت جاری تھی۔

حرث بن شریح کی جمعیت ساٹھ ہزار تک پہنچ چکی تھی جس میں ازد و تمیم کے نامی گرامی سردار اور فاریاب و طالقان کے زمین دار سب شامل تھے' ادھر عاصم بن عبداللہ نے بھی مقابلہ کے لیے تمام ممکن کوششوں سے کام لیا' حرث بن شریح نے مرو پر نہایت جرأت کے ساتھ حملہ کیا' مگر عین مقابلے کے وقت اس کی فوج میں سے چار ہزار آدمی ازد و تمیم کے کٹ کر عاصم کی فوج میں آ ملے' جس کا نتیجہ یہ ہوا

کہ حرث بن شریح کے ہمرائیوں کی جرأت و دلیری اور جوش و خروش میں کسی قدر فرق آ گیا' مگر لڑائی بڑے زور شور کی ہوئی' نتیجہ یہ ہوا کہ حرث بن شریح شکست کھا کر پیچھے کو لوٹا اور عاصم نے اس کا تعاقب نہ کیا' عاصم نے منازل رہبان کے قریب پہنچ کر اپنا خیمہ نصب کیا تو اس کے پاس کل تین ہزار سوار آ کر جمع ہوئے۔

حرث بن شریح نے اس کے بعد اپنی حالت کو پھر درست کر لیا اور وہ اپنے مقبوضات کو خراسان میں تیزی سے ترقی دیتا رہا۔

ان حالات سے مطلع ہو کر دمشق سے ہشام بن عبدالملک نے عاصم سے جواب طلب کیا تو عاصم نے لکھا' کہ خراسان کا تعلق براہ راست دمشق یعنی دربار خلافت سے ہے' اس لیے اطلاعات کے جانے اور بوقت ضرورت مدد کے آنے میں توقف ہوتا ہے' مناسب یہ ہے کہ جس طرح پہلے خراسان کا صوبہ عراق کے ماتحت تھا' اسی طرح اس کو اب بھی عراق کے ماتحت کر دیا جائے تا کہ بصرہ و کوفہ سے جلد امداد پہنچ سکے' ہشام بن عبدالملک نے اس رائے کو تو پسند کیا مگر عاصم بن عبداللہ کو خراسان کی حکومت سے معزول کر دیا اور خالد بن عبداللہ قسری گورنر عراق کو لکھا' کہ تم اپنے بھائی اسد بن عبداللہ کو پھر خراسان کا حاکم بنا کر بھیج دو۔

عاصم کو جب اپنی معزولی اور اس جدید انتظام کی خبر پہنچی تو اس نے حرث بن شریح کے ساتھ مصالحت کر کے یہ تجویز دی کہ آؤ ہم دونوں ہشام بن عبدالملک کو ایک تبلیغی خط لکھیں اور کتاب و سنت پر عمل کرنے کی دعوت دیں' اگر وہ انکار کرے تو دونوں متفق ہو کر اس کی مخالفت میں کوشاں ہوں' لیکن یہ مصالحت تا دیر قائم نہ رہ سکی اور نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی' دونوں میں کسی بات پر ان بن ہو گئی اور لڑائی تک نوبت پہنچی۔

اس لڑائی میں حرث کو شکست ہوئی اور اس کے اکثر ہمرائیوں کو عاصم نے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا اور اس فتح کو ہشام بن عبدالملک کی خوشنودیٔ مزاج کا ذریعہ بنانا چاہا' مگر اسد بن عبداللہ سند گورنری لیے ہوئے قریب پہنچ چکا تھا اس نے آتے ہی عاصم کو گرفتار کر لیا۔ یہ واقعہ ۱۱۷ھ کا ہے' اسد بن عبداللہ نے خراسان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی حرث بن شریح سے خراسان کے شہروں کو واپس چھیننا شروع کیا' بلخ کو لے کر ترمذ کا قصد کیا' غرض دو برس تک اسد بن عبداللہ حرث بن شریح اور ترکوں کے ساتھ برابر مصروف جانچ رہا' حرث بن شریح کی حالت نہایت کمزور ہو گئی تھی اور وہ اپنے چند رفقاء کے ساتھ ادھر ادھر پناہ ڈھونڈتا پھرتا تھا۔

۱۱۹ھ میں خاقان اور بدر طرخان اسلامی لشکر کے مقابلے میں مارے گئے اور اسد بن عبداللہ کی

فتوحات کا سلسلہ ترکستان سے گزر کر مغربی چین تک پہنچ گیا۔

ماہ ربیع الاول ۱۲۰ھ میں اسد بن عبداللہ قسری مقام بلخ میں فوت ہوا' مرتے وقت اس نے جعفر بن حنظلہ نہروانی کو اپنا جانشین بنایا' جس نے چار مہینے امارت کی' اس کے بعد ماہ رجب میں نصر بن سیار خراسان کا گورنر مقرر ہوا۔

اسی سال یعنی ۱۲۰ھ میں ہشام بن عبدالملک سے خالد بن عبداللہ گورنر عراق کے مخالفوں نے اس کی شکایت کی' ہشام بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ کو عراق کی گورنری سے معزول کر کے یوسف بن عمر ثقفی کو سند گورنری عطا کی' یوسف بن عمر ثقفی ایک طرف عابد وزاہد تھا تو دوسری طرف سفاک واحمق بھی تھا۔

ادھر نصر بن سیار نے خراسان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو سب سے پہلے اس بات کی کوشش کی کہ نومسلموں سے جزیہ وصول کرنے کی رسم بد کو مٹایا جائے' چنانچہ اس نے اپنے عہد حکومت میں نومسلموں سے جزیہ لینا موقوف کیا جس کا اثر فوراً نمودار ہوا کہ ترکوں میں اسلام بڑی سرعت سے پھیلنا شروع ہو گیا۔

بلاد خضر و آرمینیا

جراح بن عبداللہ حکمی کو ہشام بن عبدالملک نے آرمینیا کی گورنری پر مامور کیا تھا' ۱۱۱ھ میں جراح حکمی بحر خزر کی جانب سے جہاد کرتا ہوا بلاد ترکستان میں داخل ہوا اوران کے مشہور شہر بیضاء کو فتح کر کے کامیابی کے ساتھ واپس آیا' ۱۱۲ھ میں ترکوں نے اپنی فوجیں مرتب کر کے متفقہ طور پر بلاد اسلامیہ پر یورش کی' جراح بن عبداللہ حکمی مقابلہ کے لیے نکلا مقام مرج اردبیل میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا' مسلمانوں کی تعداد بہت ہی قلیل تھی' جراح بن عبداللہ حکمی میدان جنگ میں لڑتا ہوا شہید ہوا اوراپنی شہادت سے پہلے پہلے اپنے بھائی حجاج بن عبداللہ حکمی کو اپنا قائم مقام بنا گیا' جراح کی شہادت سے ترکمانوں اور ترکوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور اپنی کامیابی کی خوشی اور جوش میں وہ بڑھتے ہوئے موصل کے قریب تک پہنچ گئے۔

یہ خبر دارالخلافہ دمشق میں پہنچی تو ہشام بن عبدالملک نے سعید حرشی کو بلا کر کہا کہ دیکھو جراح ترکوں سے شکست کھا کر بھاگ نکلا' سعید نے کہا جراح کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف شکست کھا کر بھاگنے سے زیادہ ہے وہ ترکوں سے شکست کھا کر فرار کی ندامت گوارا نہیں کر سکتا' میرا خیال یہ ہے کہ وہ شہید ہو گیا' ہشام نے کہا کہ اب کیا تدبیر کی جائے' سعید حرشی نے کہا کہ آپ مجھ کو صرف چالیس

آدمیوں کے ساتھ اس طرف روانہ کر دیجئے اور روزانہ چالیس آدمی روانہ کرتے رہیئے' نیز ایک حکم عام اس طرف کے تمام امیروں اور عاملوں کے نام بھیج دیجئے' کہ وہ بوقت ضرورت میری مدد کریں۔

ہشام نے اس تجویز کو پسند کیا اور سعید چالیس آدمیوں کے ساتھ روانہ ہو گیا' راستے میں جراح کے ہمراہی ملے جو تباہ حال آ رہے تھے' ان کو بھی سعید نے اپنے ہمراہ لیا اور راستے میں جہاں جہاں مسلمان قبیلوں پر سے اس کا گزر ہوا جہاد کی ترغیب لوگوں کو دیتا گیا' اس طرح اس کے ساتھ ہر جگہ سے لوگ شامل ہوتے رہے' مقام خلاط پر پہنچ کر سعید کا ترکوں سے مقابلہ ہوا' نہایت خوں ریز جنگ کے بعد سعید نے ترکوں کو شکست دی' مسلمانوں کے ہاتھ خوب مال غنیمت آیا۔

اس فتح کے بعد سعید نے مقام برزغہ میں قیام کیا' ترکوں نے مقام ورثان کا محاصرہ کر رکھا تھا' سعید نے برزغہ سے اہل ورثان کے پاس اسلامی لشکر کے پہنچنے کی خبر بھیجی اور ترکوں کو پیغام دیا کہ ورثان کا محاصرہ اٹھا لو ورنہ ہم حملہ آور ہوتے ہیں۔ ترک ڈر کے مارے خود ہی محاصرہ اٹھا کر چل دیئے' سعید ورثان میں داخل ہوا اس کے بعد وہ اردبیل تک بڑھتا چلا گیا' وہاں جا کر قیام' معلوم ہوا کہ وہاں سے چار کوس کے فاصلے پر ترکوں کا دس ہزار لشکر پڑا ہے اور ان کے پاس پانچ ہزار مسلمان قیدی گرفتار ہیں سعید نے رات ہی کو حملہ کیا اور ان دس ہزار ترکوں کو قتل کر کے مسلمان قیدیوں کو آزاد کرا لیا' اگلے روز باجروان کی طرف روانہ ہوا' ایک جاسوس نے اطلاع دی کہ ترکوں کا ایک اور لشکر قریب ہی خیمہ زن ہے' سعید نے اسی رات ان پر بھی حملہ کیا اور سب کو قتل کر کے مسلمان قیدیوں کو چھڑایا' ان ہی قیدیوں میں جراح کے لڑکے اور اہل و عیال بھی تھے۔

اس کے بعد پھر ترکوں نے متفق ہو کر ایک بڑا لشکر مقابلہ کے لیے فراہم کیا' مقام زرند میں دونوں لشکر مقابلے پر آئے' سخت خوں ریز لڑائی ہوئی اور مسلمانوں کے مقابلے سے ترکوں کو پشت پھیر بھاگنا پڑا' اس شکست کی تلافی کے لیے ایک مرتبہ پھر ترکوں نے مقابلہ کی تیاریاں کیں اور انتقام لینے کی غرض سے بہت سے ترک قبائل مارنے مرنے پر تیار ہو کر نہر بیقان کے کنارے مجتمع ہوئے' سعید حرشی نے پہنچ کر لڑائی شروع کر دی' سخت لڑائی ہوئی' میدان جنگ میں بہت سے ترک مارے گئے' جو بچ کر فرار ہوئے ان میں اکثر نہر میں ڈوب کر مر گئے۔

اس فتح کے بعد حرشی مقام باجروان میں واپس آ کر مقیم ہوا' اور خلیفہ ہشام بن عبدالملک کو فتح و کامیابی کا بشارت نامہ روانہ کیا اور مال غنیمت کا خمس بھی خلیفہ کی خدمت میں بھیجا' ہشام بن عبدالملک نے اس کے بعد سعید حرشی کو دمشق میں واپس بلوا لیا اور اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو آرمینیا و آذربائیجان کی سند گورنری عطا کر کے اس طرف روانہ کیا۔

سعید حرشی کے واپس چلے جانے اور اس کی جگہ مسلمہ کے آنے سے ترکوں نے پھر مجتمع ہو کر بہت بڑی جمعیت اور بڑے ساز و سامان کے ساتھ مقابلے اور حملے کی تیاریاں کیں' مسلمہ بن عبدالملک ایک تجربہ کار سپہ سالار اور بہادر شخص تھا وہ اپنی بزدلی کے سبب نہیں بلکہ اسلامی فوج کی قلت تعداد اور غنیم کی قوت کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد اس خطرناک علاقہ کو چھوڑ کر جہاں ترکوں کے ہاتھ میں مال و متاع اور عورتوں بچوں کا گرفتار ہو جانا یقینی تھا مقام دربند میں واپس چلا آیا' مسلمہ بن عبدالملک نے اپنی ڈیڑھ دو سال کی حکومت آرمینیا میں ترکوں کے ساتھ نرمی و ملاطفت کا برتاؤ کیا تھا' اس لیے اور بھی ترکوں کو مسلمانوں کے مقابلے اور بغاوت پر آمادہ ہونے کی جرأت ہوئی۔

مسلمہ کے دربند آجائے کے بعد مروان بن محمد مروان جو مسلمہ کی فوج میں شامل تھا چھپ کر دمشق کی جانب بھاگ آیا' اور ہشام بن عبدالملک سے مسلمہ کی شکایت کی کہ اس نے آرمینیا و آذربائیجان میں نہایت نرمی کا برتاؤ کیا' جس کی وجہ سے ترکوں نے بغاوت پر آمادگی کا اظہار کیا' پھر جب کہ مقابلہ اور معرکہ کا وقت آیا تو وہاں سے پسپا ہو کر اور علاقے کو چھوڑ کر دربند میں واپس چلا آیا' ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر آپ مجھ کو ایک لاکھ بیس ہزار جنگ جو لشکر کے ساتھ اس طرف بھیجیں' تو میں ترکوں کو اچھی طرح سیدھا کروں۔

چنانچہ ہشام بن عبدالملک نے مروان بن محمد بن مروان کو ایک لاکھ بیس ہزار فوج دے کر طنجر (بلاد خزر و آرمینیا) کی طرف روانہ کیا' اسی اثناء میں مسلمہ بن عبدالملک دربند میں بیمار ہو کر فوت ہو گیا' مروان کے ساتھ ایسی زبردست فوج کو دیکھ کر ترکوں کے چھکے چھوٹ گئے اور انہوں نے اطاعت قبول کر لی' مروان نے جیسا کہ اس نے کہا تھا بہت اچھی طرح ترکوں کو سیدھا کیا' اور آرمینیا و سواحل بحر خضر کے تمام علاقے میں امن و سکون قائم ہو گیا' مروان بن محمد کو ہشام بن عبدالملک نے ۱۱۴ھ میں فوج دیکر آرمینیا کی طرف روانہ کیا تھا۔

قیصر روم

ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں قیصر کی فوجوں کو بھی بار بار مسلمانوں نے شکستیں دیں' سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے سے سردی اور گرمی کے موسموں میں شمال کی جانب حملہ آور ہونے والی فوجیں مقرر تھیں' یہ سرمائی اور گرمائی فوجیں قسطنطنیہ اور قیصر کے علاقوں پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں' اور اسی لیے رومیوں پر مسلمانوں کا رُعب قائم تھا' ہشام کے زمانے میں معاویہ بن ہشام' سعید بن ہشام' سلیمان بن ہشام' مسلمہ بن عبدالملک' مروان بن محمد' عباس بن ولید وغیرہ شہزادے ان فوجوں

کے سردار ہو ہو کر حملہ آور ہوتے رہے' ان شہزادوں کے ساتھ عبداللہ بطال اور عبدالوہاب بن بخت وغیرہ مشہور شہسوار سردار ہوتے تھے' جن کی بہادری وجال بازی کی دھاک ملک روم میں بیٹھی ہوئی تھی' رومیوں کو ہشام کے عہد میں مسلمانوں کے ہاتھ سے بڑے بڑے نقصانات برداشت کرنے پڑے اور کبھی ان کو کوئی فتح مسلمانوں کے مقابلے میں حاصل نہ ہو سکی۔

اندلس میں بھی عبداللہ بن عقبہ کے کارنامے یورپ کے عیسائیوں اور عیسائی بادشاہوں کو خوف زدہ رکھنے اور مسلمانوں کے نام سے لرزاں وترساں بنانے کے لیے کافی تھے' حجاز و یمن وغیرہ میں بھی امن وامان ہو گیا۔

زید بن علی رضی اللہ عنہ

حسین بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے ساتھ کربلا میں اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ میں حکومت بنوامیہ کی طرف سے جو سلوک ہوا اس نے اور اس کے بعد حجاج وغیرہ نے حجاز وعراق میں جس قسم کا طرز عمل اختیار کیا تھا اس نے حجاز، عراق کے عرب قبائل کو اول خوف زدہ بنا کر خاموش کر دیا تھا' اس کے بعد ایصال زر اور مال و دولت کے استعمال نے یہ اثر پیدا کیا کہ لوگوں کے دلوں میں بنوامیہ کی طرف سے حاسدانہ جذبہ پیدا ہو کر اندر ہی اندر بنوامیہ کے ساتھ خلوص و ہمدردی دلوں سے دور ہونے لگی' ہشام کی حکومت بست سالہ کا زمانہ بظاہر امن وسکون اور اطمینان کا زمانہ تھا' اب عراق وحجاز میں حجاج وابن زیاد وغیرہ جیسے سخت گیر وتشدد پسند حکمران بھی نہ تھے' بنو ہاشم کو رہ رہ کر اپنی بربادیوں اور بنو امیہ کی کامیابیوں کا خیال آتا تھا' وہ تمام ان لوگوں کو جو براہ راست حکومت وقت سے کوئی غیر معمولی فائدہ نہیں اٹھا رہے تھے اپنا ہمدرد دیکھتے تھے' خوف ودہشت کا پتھر بھی چھاتی سے اتر چکا تھا لہٰذا بنو ہاشم نے بنوامیہ کی حکومت مٹانے اور خود حکومت حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کیا' سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ان کو تجربہ تھا کہ حکومتوں کے مٹانے اور فنا کرنے کے لیے تلوار سے زیادہ تدبیر کارگر ہوتی ہے لہٰذا سازشوں اور خفیہ کارروائیوں کا سلسلہ زور شور سے شروع کیا گیا' یہ کام بنو ہاشم کے دو خاندانوں نے ایک ہی وقت میں شروع کیا' یعنی علی بن ابی طالب اور عباس بن عبدالمطلب کی اولادوں نے جدا جدا کوششیں شروع کیں عباسیوں کی کوششوں کا بیان آگے آئے گا اس وقت علویوں یعنی فاطمیوں کی ایک کوشش کا تذکرہ مقصود ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یوسف بن عمر ثقفی کو ہشام بن عبدالملک نے عراق کا حاکم مقرر کیا تھا' اس کے عہد امارت یعنی ۱۲۲ھ میں زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم نے مخفی طور پر لوگوں

سے بیعت لینی شروع کی' مذکورہ اسباب کی بنا پر چوں کہ بنوامیہ کی قبولیت اس قدر کمزور ہو چکی تھی' کہ اس بیعت میں زید بن علی رضی اللہ عنہ کو بڑی کامیابی ہوئی' شہر کوفہ میں زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر پندرہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی زید بن علی رضی اللہ عنہ کی حامیوں میں تھے' جو لوگ گزشتہ زمانے کے حالات پر نظر رکھتے تھے انہوں نے زید بن علی رضی اللہ عنہ کو خروج سے باز رکھنے اور ابھی انتظار کرنے کا مشورہ دیا لیکن زید بن علی رضی اللہ عنہ نے اس مشورے پر عمل نہ کیا' انہوں نے کوفہ میں خروج کیا' یوسف بن عمر ثقفی نے اس بغاوت کو دبانے کی کوشش کی۔ معرکہ آرائی تک نوبت پہنچی۔

کوفیوں نے جس طرح حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا اسی طرح زید بن علی رضی اللہ عنہ کو بھی دھوکہ دیا' جب تلوار چلانے اور مردانگی کے جوہر دکھانے کا وقت آیا تو انہوں نے زید بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ طالب علمانہ کج بحثی شروع کی' ان سے سوال کیا کہ پہلے آپ یہ فرمایئے کہ صدیق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کیسا سمجھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے خاندان میں کسی کو ان دونوں حضرات کی نسبت برا کہتے نہیں سنا' کوفیوں نے کہا کہ جب خلافت کے اصل حق دار آپ ہی کے خاندان والے تھے اور ان دونوں کے خلافت پر قابض ہو جانے سے وہ ناراض نہ ہوئے تو اب اگر بنوامیہ نے بجائے آپ کے خلافت پر قبضہ کر لیا ہے تو آپ ان کو کیوں برا کہتے اور ان سے کیوں لڑتے ہیں' یہ کہہ کر بیعت فسخ کر کے چل دیئے اور زید بن علی نے ان کو رافضی کا خطاب دیا۔

آخر صرف دو سو بیس آدمی زید بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ گئے' ان مٹھی بھر آدمیوں سے زید بن علی رضی اللہ عنہ نے یوسف ثقفی کی کئی ہزار فوج کا مقابلہ کیا' غرض کوفہ گلیوں میں وہ ایک ایک شخص کے گھر پہنچ کر آواز دیتے اور عہد بیعت یاد دلا کر اپنی حمایت کے لیے بلاتے تھے مگر کوئی نہیں نکلتا تھا' آخر کئی مرتبہ گورنر عراق کی فوجوں کو شکست دینے کے بعد وہ فوت ہوئے' ان کی پیشانی میں ایک تیر آ کر لگا جس کے صدمے سے جانبر نہ ہو سکے یوسف بن عمر ثقفی نے ان کا سر کٹوا کر ہشام بن عبدالملک کے پاس دمشق میں بھجوا دیا' زید بن علی رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے یحییٰ بن زید اپنے باپ کے فوت ہونے کے بعد اول نینوا کی طرف جا کر روپوش رہے پھر موقع پا کر خراسان کی طرف چلے گئے۔

زید بن علی کی یہ کوشش عجلت اور ناعاقبت اندیشی کے سبب ناکام رہی لیکن اس سے عباسیوں نے فائدہ اٹھانے میں کمی نہیں کی' ان کو زیادہ احتیاط برتنے اور زیادہ دور اندیشی سے کام لینے کی ترغیب ہوئی اور وہ اس بات کا بھی صحیح اندازہ کر سکے کہ ملک میں بنوامیہ کے اثر واقتدار کی اب کیا کیفیت ہے' زید بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات نے اور بھی زیادہ لوگوں کی ہمدردی کو بنو ہاشم کی طرف مائل کر دیا' کیونکہ

ہشام بن عبدالملک نے زید بن علی رضی اللہ عنہ کٹے ہوئے سر کو دمشق کے دروازے پر لٹکا دیا اور یوسف ثقفی نے زید بن علی کے ہمرائیوں کی لاشوں کو کوفہ میں سولی پر لٹکا دیا جو برسوں وہاں لٹکتی اور لوگوں کو بنوامیہ سے متنفر اور بنو ہاشم کا ہمدرد بناتی رہیں۔

عباسیوں کی سازش

ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب کی سلیمان بن عبدالملک وغیرہ خلفائے بنوامیہ بہت عزت و مدارات کیا کرتے تھے لیکن بنوامیہ سے ان کو بھی ہاشمی ہونے کے سبب تعصب تھا اور وہ دل سے بنوامیہ کی حکومت کے مٹانے اور بنو ہاشم کو برسر اقتدار لانے کے خواہاں تھے' ان کی کوشش صرف یہیں تک محدود تھی کہ وہ اپنے معتقدوں اور دوستوں میں جس کو اہل پاتے اپنے خیالات سے آگاہ فرما دیتے تھے اور اس قسم کے لوگ ان کو تھوڑے نہیں بہت دستیاب ہو گئے تھے جو عراق میں بھی تھے اور خراسان و حجاز میں بھی رہتے تھے۔

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بھی بنوامیہ کی حکومت کے مٹانے اور بنو عباس کی خلافت قائم کرنے کی فکر میں مصروف تھے' ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد خلافت میں ابو ہاشم عبداللہ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سلیمان بن عبدالملک کے پاس دمشق گئے' وہاں سے واپسی میں وہ مقام حمیمہ علاقہ بلقاء میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے پاس ٹھہرے' اتفاقاً وہ وہاں بیمار ہو کر فوت ہو گئے' فوت ہوتے وقت انہوں نے محمد بن علی بن عبداللہ کو وصیت کی کہ تم خلافت اسلامیہ کے حاصل کرنے کی کوشش کرو اس وصیت نے محمد بن علی کو بہت فائدہ پہنچایا یعنی وہ تمام لوگ جو ابو ہاشم عبداللہ بن محمد کے معتقد و ہم راز تھے محمد بن علی کے ہاتھ پر آ آ کر مخفی طور پر بیعت ہو گئے۔

اس کے بعد ۱۰۰ھ میں بعہد خلافت سیدنا عمر بن عبدالعزیز محمد بن علی عباسی نے اپنے کارندے عراق و خراسان و حجاز و یمن و مصر وغیرہ ممالک اسلامیہ کی طرف روانہ کیے' سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے اگرچہ بنوامیہ کی نسبت اس عداوت و نفرت کو جو اکثر لوگوں کے دلوں میں تھی بہت کم کر دیا تھا لیکن پھر بھی محمد بن علی کی تحریک برابر مصروف عمل رہی' چنانچہ محمد بن علی کی طرف سے میسرہ عراق میں اور ابو محمد صادق خراسان میں عباسیوں کی خلافت کے لیے برابر دعوت کا کام کرتے رہے' محمد بن علی نے مضافات بلقاء میں سکونت اختیار کر کے وہیں سے اپنی تحریک کو ممالک اسلامیہ میں شائع کیا' چند روز کے بعد اس نے اپنے بارہ نقیب مقرر کیے' ہر چہار سمت ممالک اسلامیہ میں بھیجے' ان لوگوں کو ہر جگہ کامیابی حاصل ہوئی۔

۱۰۲ھ اور بہ روایت دیگر ۱۰۴ھ میں ابو محمد صادق خراسانی وہاں کے چند باثر لوگوں کو جنہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا تھا ہمراہ لے کر محمد بن علی کے پاس آیا' انہیں ایام میں محمد بن علی اپنے اس لڑکے کو جس کی عمر صرف پندرہ یوم تھی لے کر آیا اور ان لوگوں سے کہا کہ یہی تمہارا سردار ہوگا (یہی لڑکا عبداللہ سفاح تھا) اس کے بعد بکیر بن ماہان جو سندھ میں جنید کے ساتھ تھا وہاں سے کوفہ میں آیا اور ابو محمد صادق سے ملا اس نے بکیر کو دعوت دی اس نے فوراً قبول کر لیا' یہ ۱۰۵ھ کا واقعہ ہے۔

۱۰۷ھ میں بکیر بن ماہان نے جو کوفہ میں محمد بن علی کی جانب سے دعوت عراق و خراسان کا افسر و مہتمم تھا' ابو عکرمہ' ابو محمد صادق' محمد ختیں' عمار عبادی وغیرہ چند شخصوں کو خراسان کی طرف خلافت عباسیہ کی دعوت کے لیے روانہ کیا' خراسان میں اسد قسری گورنر تھا اس کو اتفاقاً اس کا علم ہو گیا' کہ چند آدمی خلافت عباسیہ کے لیے لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں' اس نے سب کو گرفتار کرا کر قتل کرا دیا' صرف ایک شخص عمار بچ کر بھاگا اور بکیر بن ماہان کو آ کر اطلاع دی' بکیر نے یہ کیفیت محمد بن علی کے پاس لکھ کر بھیجی' محمد بن علی نے جواب میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تمہاری دعوت اور کوشش کامیاب اور نتیجہ خیر ثابت ہوئی' اب تم کو خود اپنے قتل کا بھی منتظر رہنا چاہیے۔

۱۱۸ھ میں بکیر نے عمار بن زید کو ہوا خواہان بنو عباس کا سردار بنا کر خراسان کی جانب روانہ کیا' اس نے وہاں جا کر اپنے آپ کو خراش کے نام سے موسوم کیا' خراش نے ہمدردیٔ بنو عباس کو نماز روزہ پر بھی ترجیح دی اور لوگوں سے کہا کہ روزہ نماز سے بڑھ کر یہ کام ہے کہ بنو عباس کی خلافت قائم کرنے کے لیے کوشش کرو' اور اس معاملہ کو رازداری میں رکھ کر افشا ہونے سے بچاؤ' محمد بن علی نے یہ حالات سن کر خراش کی نسبت ناراضی کا اظہار کیا' گورنر خراسان اسد قسری کو خراش کا حال معلوم ہوا تو اس نے گرفتار کرا کر اس کو قتل کر دیا۔

محمد بن علی اہل خراسان کی اس ضعیف الاعتقادی سے ناراض ہو گئے تھے' لہٰذا خراسان سے باثر لوگوں کا ایک وفد محمد بن علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی خطاؤں کی معافی چاہی۔

محمد بن علی نے خراسان میں خود نقیب مقرر کر کے روانہ کیے اور ان کے لیے چند عصا اپنے پاس سے مرحمت فرمائے جو نقیبی اور سرداری کی علامت سمجھے گئے' ۱۲۴ھ میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کا بحالت قید انتقال ہو گیا' مرتے وقت وہ اپنے بیٹے ابراہیم کو اپنا جانشین بنا گئے اور اپنے نقیبوں اور مریدوں کو وصیت کی کہ میرے بعد سب ابراہیم بن محمد بن علی کو امام تسلیم کر کے ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔

بکیر بن ماہان ابراہیم بن محمد کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ابراہیم بن محمد سے ہدایات لے کر

خراسان کی طرف روانہ ہوا کہ وہاں جا کر لوگوں کو محمد بن علی کے فوت ہونے اور ابراہیم بن محمد کے امام مقرر ہونے کی خبر سنائے' بکیر بن ماہان نے خراسان جا کر پوشیدہ طور پر اپنے ہم خیال لوگوں کو جمع کر کے سب کو حالات سنائے اور ہدایات پہنچائیں' ہوا خواہان بنو عباس نے جو کچھ زرنقد ان کے پاس تھا لا کر جمع کیا اور بکیر بن ماہان اس روپیہ کو لے کر امام ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا' اسی ۱۲۴ھ میں ابراہیم بن محمد نے ابومسلم کو خراسان کی طرف روانہ کیا۔

ابومسلم اور امام ابراہیم کے حالات اور اس تحریک کی آئندہ حالت آگے کسی دوسرے موقع پر بیان کی جائے گی۔

ہشام بن عبدالملک کی خلافت کے حالات جو قابل تذکرہ تھے مختصر طور پر بیان ہو چکے ہیں' یزید بن عبدالملک کی وصیت کے موافق ہشام کے بعد ولید بن یزید ولی عہد تھا' لیکن ہشام کی خواہش تھی' کہ ولید کو معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے' مگر امرائے سلطنت چونکہ اس پر رضا مند نہ تھے' لہٰذا وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا' مگر ہشام اور ولید کے دلوں میں رنجش ضرور پیدا ہو گئی' آخر ۶ ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں ساڑھے انیس سال خلافت کرنے کے بعد ہشام بن عبدالملک نے وفات پائی۔

ولید بن یزید بن عبدالملک

۔ابوالعباس ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان بن حکم ۹۰ھ میں پیدا ہوا' اس کی ماں حجاج بن یوسف ثقفی کی بھتیجی اور محمد بن یوسف کی بیٹی تھی' یزید بن عبدالملک کی وفات کے وقت یہ کم عمر تھا' ابتدا ہی سے اس کا چال چلن اچھا نہ تھا' فسق و فجور اور عیش پرستی میں مصروف رہنے کی وجہ سے انگشت نما تھا' اس لیے ہشام بن عبدالملک کا اس کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا ارادہ کچھ نامناسب نہ تھا' مگر ناعاقبت اندیش امیروں اور سرداروں کی مخالفت نے ہشام کو اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہونے دیا اور ولید بن یزید ہشام بن عبدالملک کے بعد تخت نشین ہوا' ولید بن یزید کا عہد خلافت بنوامیہ کی تباہی و بربادی کا دروازہ کھلنا تھا۔

ولید بن یزید نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی ان لوگوں سے جن کو وہ اپنا مخالف سمجھتا تھا انتقام لینا شروع کیا' کسی کا وظیفہ بند کیا' کسی کو قید کیا' کسی کو قتل کرایا' سلیمان بن ہشام اپنے چچازاد بھائی کو پکڑ کر کوڑوں سے پٹوایا اور داڑھی منڈوا کر تشہیر کرایا' یزید بن ہشام اور ولید بن عبدالملک کے کئی بیٹوں کو قید کر دیا۔ غرض تخت نشین ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے اکثر اہل خاندان کو اپنا دشمن بنایا' پھر ہشام بن اسماعیل مخزومی والی مدینہ کے لڑکوں اور خالد بن عبداللہ قسری سابق گورنر عراق کو پکڑ کر یوسف بن

عمر والی عراق کے سپرد کیا' اس نے ان شرفاء کو نہایت سخت اذیتیں دے دے کر مار ڈالا۔

اپنی خلافت کے پہلے ہی سال یعنی ۱۲۵ھ میں ولید بن یزید نے اپنے بیٹوں عثمان وحکم کے لیے ولی عہدی کی بیعت لوگوں سے لی' اگرچہ بیعت ولی عہدی کی رسم پہلے سے جاری تھی اور لوگ ایسی بیعت کے عادی ہو چکے تھے' لیکن ان لڑکوں کی بیعت کسی نے شرح صدر کے ساتھ نہیں کی' لہٰذا اور بھی دلوں میں انقباض پیدا ہوا۔

ولید بن یزید بن عبدالملک نے صرف مذکورہ غلط کاریوں ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے اپنے عقائد اور آزاد مشربی کے اعلان واظہار سے اور بھی لوگوں کو برافروختہ ہونے کا موقع دیا' چنانچہ وہ علانیہ اپنے ناشدنی عقائد وخیالات کی اشاعت کرتا تھا' مے نوشی اور زنا کے جرموں کا بھی اس سے ارتکاب ہوا' ان تمام باتوں کی شہرت نے صوبوں اور ولایتوں کے حاکموں کو بددل کر دیا' جس نے بیعت اطاعت کی خوف اور ڈر کی وجہ سے کی اور سچی ہواخواہی اور ہمدردی سب کے دلوں سے جاتی رہی۔

۱۲۵ھ یعنی اپنی خلافت کے پہلے سال ہی صوبہ خراسان کو عراق کا ماتحت کر کے خراسان کے حاکم نصر بن سیار کو معزول کیا' نصر کے پاس ایک طرف ولید بن یزید کا اور دوسری طرف سے یوسف بن عمر گورنر عراق کا حکم پہنچا کہ تم معزول کیے گئے' فوراً دارالخلافہ دمشق میں حاضر ہو کر اپنے صوبہ کا حساب کتاب سمجھاؤ۔

عہد بنوامیہ میں صوبوں کی تقسیم

اس جگہ یہ بات سمجھا دینی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ عہد بنوامیہ میں کل ممالک اسلامی چند صوبوں میں تقسیم تھے' ہر صوبہ پر ایک امیر یا وائسرائے یا نائب سلطنت مقرر ہوتا تھا' اس کو اپنے صوبہ میں کامل شاہانہ اختیارات حاصل ہوتے تھے اور وہ خود ہی اپنی طرف سے اپنے صوبہ کی ولایتوں میں حاکم مقرر کرتا تھا' بڑے بڑے صوبے حجاز وعراق' جزیرہ' وآرمینیا' شام' مصر' افریقہ' اندلس' خراسان وغیرہ تھے۔

حجاز کے صوبہ میں مکہ' مدینہ' طائف' یمن کی ولایتیں شامل تھیں' کبھی ایسا ہوتا تھا کہ یمن کو حجاز کی ماتحتی سے نکال کر ایک الگ صوبہ قرار دے دیا جاتا تھا اور وہاں کا حاکم دارالخلافہ سے مقرر ہوتا تھا۔

شام کے صوبہ میں اردن' حمص' دمشق' قنسرین کی ولایتیں شامل تھیں۔

مصر کے صوبہ میں کبھی افریقہ بھی شامل ہوتا تھا اور کبھی افریقہ کو مصر سے الگ صوبہ قرار دے کر

قیروان کا گورنر دربار خلافت سے مقرر کیا جاتا تھا۔

اسی طرح اندلس کبھی الگ صوبہ قرار دیا جاتا تھا اور وہاں کا حاکم خلیفہ خود مقرر کرتا تھا اور کبھی اندلس کو قیروان کے امیر کے ماتحت کر کے صوبہ افریقہ میں شامل کر دیا جاتا تھا' اس حالت میں قیروان کا امیر خود اپنے اختیار سے اندلس میں کسی کو حاکم مقرر کرتا تھا۔

یہی کیفیت عراق و خراسان کی تھی' یعنی خراسان کبھی ایک الگ صوبہ ہوتا تھا اور وہاں کا گورنر یا امیر دربار خلافت سے مقرر ہوتا تھا اور کبھی خراسان کو صوبۂ عراق میں شامل کر دیا جاتا تھا' اس حالت میں خراسان کا حاکم گورنر عراق کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا۔

صوبوں کے امیروں اور ولایتوں کے والیوں کو اپنے متعلقہ ملکوں میں سیاہ وسفید کے کامل اختیارات حاصل ہوتے تھے' لیکن کبھی کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ محکمۂ مال کی افسری یعنی وصولی خراج وجزیہ کے لیے دربار خلافت سے الگ کوئی اہل کار مقرر ہو جاتا تھا' دربار خلافت سے مقرر شدہ افسر مال اپنے آپ کو صوبہ یا ولایت کے حاکم کا ماتحت نہیں سمجھتا تھا' لیکن فوج کا سپہ سالار اور ملک کے امن وامان کا ذمہ دار ہمیشہ اس صوبہ کا امیر یا اس ولایت کا والی ہی ہوتا تھا۔

افسر مال کی طرح کبھی کبھی صوبہ کا امیر شریعت یا قاضی اعظم بھی دربار خلافت سے مقرر ہو کر جاتا تھا' لیکن نمازوں کا امام ہمیشہ امیر یا گورنر ہی ہوتا تھا' یعنی نمازوں کی امامت اور سپہ سالاری لازم وملزوم تھی' بعد میں نمازوں کی امامت اور صوبہ کی امارت بھی جدا جدا ہونے لگی' تاہم جمعہ کا خطبہ حاکم صوبہ اور سپہ سالار اعظم ہی سے متعلق رہا' آج یہ حقیقت جاہل مسلمانوں اور مسجد کے تنخواہ دار اماموں کی سمجھ میں کہاں آ سکتی ہے۔

نصر بن سیار کے پاس جب معزولی کے احکام پہنچے تو اس نے اول ان کی تعمیل کا ارادہ کیا' لیکن پھر متوہم ہو کر خراسان کا قبضہ نہ چھوڑا اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے یہ ایک واقعہ اسی جگہ بیان کر دینا چاہیے کہ نصر بن سیار کے پاس ابھی معزولی کے احکام نہیں پہنچے تھے اور وہ ولید بن یزید کی خلافت کو تسلیم کر چکا تھا کہ اس کے پاس حکم پہنچا' کہ یحییٰ بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کو جو اپنے باپ کے مقتول ہونے کے بعد خراسان پہنچ کر بلخ میں مقیم ہیں' گرفتار کر کے بھیج دو۔ نصر بن سیار نے یحییٰ بن زید کو بلا کر قید کر دیا' اور ولید بن یزید کو لکھ بھیجا' کہ میں نے یحییٰ کو قید کر دیا ہے' ولید نے لکھا' کہ یحییٰ کو ہمارے پاس بھیج دو' نصر بن سیار نے یحییٰ کو آزاد کر کے حکم دیا کہ تم دمشق میں خلیفہ کے پاس چلے جاؤ' یحییٰ وہاں سے روانہ ہو راستہ ہی سے پھر خراسان کی طرف لوٹ پڑے ان کے ساتھ معتقدین کی ایک جمعیت فراہم

ہو گئی' نصر نے مقابلہ کے لیے فوج بھیجی اور یحییٰ پیشانی پر تیر کا زخم کھا کر جیسے کہ ان کے باپ بھی پیشانی پر تیر کھا کر فوت ہوئے تھے' فوت ہو گئے اور ان کے تمام ہمراہی قتل ہوئے' یہ واقعہ ۱۲۵ھ مقام جرجان میں وقوع پذیر ہوا' یحییٰ کا سر ولید کے پاس دیا گیا' اور لاش جرجان میں صلیب پر لٹکا دی گئی' جو سات سال تک برابر لٹکتی رہی' اور ابو مسلم خراسانی نے اس کو اتار کر دفن کرایا۔ ولید بن یزید کے مظالم نے لوگوں کو رنجیدہ و برافروختہ کر ہی رکھا تھا کہ اس کے بنی اعمام نے جن پر ولید نے بڑے بڑے ظلم کئے تھے' اس کے خلاف کوششیں شروع کر دیں ولید بن یزید کا چچا زاد بھائی یزید بن ولید بن عبدالملک خاص طور پر ولید کے خلاف مرصوف کار ہوا' یزید بن ولید خاندان سلطنت میں زیادہ نیک اور باللہ تعالیٰ سمجھا جاتا تھا' لہٰذا اس نے ولید بن یزید کی خلاف شرع باتوں کی شکایات لوگوں سے بیان کرنی شروع کیں اور بہت جلد لوگ اس کے ہم خیال و ہم نوا ہو گئے اس کام میں یزید بن ولید کو نہ صرف سرداران لشکر اور امرائے سلطنت بلکہ خاندان سلطنت کی بھی حمایت حاصل ہو گئی' نتیجہ یہ ہوا کہ سب نے مخفی طور پر یزید بن ولید کے ہاتھ پر بیعت کی اور لشکر شام کا بڑا حصہ یزید بن ولید کے ساتھ شامل ہو گیا...... یزید بن ولید نے دمشق کی سکونت ترک کر کے دمشق سے تھوڑے فاصلے پر ایک گاؤں میں قیام کیا' اور وہیں سے اپنے کارندے بلاد اسلامیہ کی طرف روانہ کئے کہ وہ ولید بن یزید کی بداعمالیوں کے حالات لوگوں کو سنائیں اور اس طرح تمام عالم اسلامی کی رائے عامہ کو ولید کے خلاف اور یزید کے موافق بنائیں' یہ پہلا موقع تھا کہ بنوامیہ کے درمیان بلکہ خاندان سلطنت کے درمیان ایسی پھوٹ پڑی اور مخالفت نے یہاں تک ترقی کی' کہ خفیہ سازشوں اور اشاعتی کارروائیوں سے کام لیا گیا' نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ولید کے خلاف اور یزید کے موافق حالات پیدا ہو گئے' یزید بن ولید کا بھائی عباس بن ولید بھی اگرچہ ولید بن یزید سے سخت ناراض اور اذیت رسیدہ تھا مگر وہ اپنے بھائی یزید کو اس کام سے منع کرنا اور روکنا چاہتا تھا' عباس کے اختلاف سے تنگ آ کر ہی یزید نے دمشق کو چھوڑا اور ایک الگ جائے قیام تلاش کی تھی' یزید نے ہر طرح اپنا اطمینان کر لینے کے بعد ۲۷ جمادی الثانی ۱۲۶ھ روز جمعہ خروج کے لیے مقرر کیا' چنانچہ بعد نماز عشاء دمشق میں داخل ہو کر اول کوتوال شہر کو گرفتار کیا' پھر سرکاری اسلحہ خانہ پر قبضہ حاصل کر لیا ولید بن یزید کو اس سے پیشتر ان سازشوں اور تیاریوں کا کوئی علم نہ ہو سکا' چنانچہ وہ حیران و پریشان ہو کر رہ گیا اور کچھ نہ کر سکا' دارالامارۃ کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا اب اہل دمشق اور اردگرد کے لوگوں نے آ آ کر یزید بن ولید کے ہاتھ پر علانیہ بیعت خلافت کرنی شروع کی ولید بن یزید نے دمشق سے نکل کر حمص کی طرف جانا چاہا' آخر مقام قصر نعمانی میں یزید نے ولید کا محاصرہ کر لیا' ولید کے ہمرائیوں نے خوب جی توڑ کر مقابلہ کیا' عباس بن ولید یعنی یزید کا حقیقی بھائی اپنی

جماعت کو لے کر ولید کی حمایت اور یزید کی مخالفت و مقابلے کے لیے دمشق سے چلا' لیکن راستے میں اس کو منصور بن جمہور نے گرفتار کر کے یزید بن ولید کے سامنے حاضر کر دیا' ولید بن یزید نے جب دیکھا کہ اب کوئی صورت نجات کی نہیں تو یہ کہہ کر کہ آج میرے لیے بھی ویسا ہی دن ہے جیسا سیدنا عثمان غنیؓ پر آیا تھا قرآن شریف لے کر پڑھنے بیٹھ گیا' یزید کے آدمیوں نے قصر کی دیواروں پر چڑھ کر اور قصر کے اندر داخل ہو کر ولید بن یزید کا سر کاٹ لیا اور منصور بن جمہور نے لا کر یزید بن ولید کے سامنے پیش کیا یزید نے حکم دیا' کہ اس کو تشہیر کرا کر ولید کے بھائی سلیمان بن یزید کو دے دیا جائے' چنانچہ ایسا ہی ہوا' ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۶ھ کو ولید ایک برس تین ماہ خلیفہ رہنے کے بعد مقتول اور اسی روز یزید بن ولید بن عبدالملک تخت نشین ہوا' بنوامیہ کے درمیان یہ آپس کی لڑائی ایسی ہوئی کہ اس کے بعد خاندان بنوامیہ...... مسلسل مبتلائے مصائب رہ کر برباد ہی ہو گیا اور پھر دم بدم ان پر [illegible] نازل ہوتی رہی۔

یزید بن ولید بن عبدالملک

ابوخالد یزید بن ولید بن عبدالملک بن مروان بن حکم کو یزید ثالث اور یزید الناقص بھی کہتے ہیں' یزید الناقص اس کو اس لیے کہا جاتا تھا' کہ اس نے لوگوں کے وظائف یعنی فوج کی تنخواہوں کو کم کر دیا تھا' ولید بن یزید نے خلیفہ ہو کر فی کس دس درہم کا اضافہ وظائف میں کر دیا تھا' یزید نے خلیفہ ہوا اضافہ کو موقوف کر کے وہی تنخواہیں مقرر کیں' جو ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں مقرر تھیں۔

یزید نے خلیفہ ہو کر لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ ولید بدعقیدہ بداعمال تھا اسی لیے وہ مارا گیا ہے' اب تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کروں گا' تمہاری تنخواہیں مقررہ وقت پر ضرور مل جایا کریں گی' میں جب تک حدود ممالک اسلامیہ کو مضبوط اور عدل و انصاف سے شہروں کو آباد نہ کر لوں گا اس وقت تک [illegible] ضرورت کسی کو کوئی جاگیر نہ دی جائے گی' میں اپنے دروازے پر دربان نہ رکھوں گا تاکہ ہر شخص آسانی مجھ تک پہنچ سکے' اگر میں غلط روی اختیار کروں تو تم کو اختیار ہے کہ مجھ کو معزول کر دو' اس کے بعد یزید بن ولید نے لوگوں سے اپنے بھائی ابراہیم بن ولید اور اس کے بعد عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک کی ولی عہدی کے لیے بیعت لی۔

اہل حمص کو جب یہ معلوم ہوا کہ ولید بن یزید قتل ہو گیا ہے' تو انہوں نے بغاوت کی اور ولید کے خون کا بدلہ لینے کی غرض سے یزید بن خالد بن یزید بن معاویہ کو اپنا سردار بنا کر دمشق کی طرف روانہ ہوئے' یزید بن ولید نے سلیمان بن ہشام بن عبدالملک کو فوج دے کر مقابلے کے لیے روانہ کیا' اور

اہل حمص کے سامنے صلح کی درخواست پیش کی گئی' لیکن جب وہ نہ مانے تو لڑائی شروع ہوئی' نتیجہ یہ ہوا کہ یزید بن خالد گرفتار ہو کر قید ہوا اور اہل حمص بہت سے مارے گئے' جو باقی رہے وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یہ خبر سن کر اہل فلسطین نے بھی بغاوت کی اور یزید بن سلیمان بن عبدالملک کو اپنا سردار بنایا' اہل اردن نے سنا تو محمد بن عبدالملک کو اپنا بادشاہ بنالیا اور اہل فلسطین کے ساتھ شریک ہو گئے اور دونوں جگہ کی فوجیں مل کر دمشق کی طرف بڑھیں' ان تمام مقامات کے لوگوں کو یزید بن ولید نے پہلے اپنا ہم خیال بنالیا تھا' لیکن خلیفہ کے قتل کا حادثہ تھا لہٰذا ان لوگوں کے دل میں یکایک مقتول خلیفہ کی ہمدردی اور موجودہ خلیفہ کی نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا' یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قاتل ڈاکو کو جب پھانسی کی سزا دی جاتی ہے تو اگرچہ معقول طور پر ہر شخص اس کو پھانسی کا مستحق یقین کرتا ہے لیکن جب اس کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس وقت تمام ہمدردی اسی کے ساتھ شامل حال ہو جاتی ہے اور وہ نفرت جو اس کی نسبت پہلے دل میں موجود تھی کافور ہو جاتی ہے' اس لشکر کا حال سن کر یزید نے سلیمان بن ہشام کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے مامور کیا' چنانچہ سلیمان نے ان سب کو شکست دے کر خلیفہ وقت کی بیعت واطاعت پر آمادہ کر دیا۔

ملک شام کے مذکورہ فسادات کو فرو کرنے کے بعد یزید نے یوسف بن عمر کو عراق وخراسان کی امارت سے معزول کر کے اس کی جگہ منصور بن جمہور کو عراق وخراسان کا حاکم مقرر کیا' یوسف نے منصور کو باقاعدہ اپنی امارت کا چارج نہیں دیا بلکہ عراق سے دمشق کی جانب پوشیدہ طور پر روانہ ہوا' دمشق کے قریب پہنچا تھا' کہ یزید بن ولید نے گرفتار کرا کر قید کر دیا' اور اسی حالت میں مقتول ہوا' منصور بن جمہور نے کوفہ پہنچ کر یوسف کے زمانے کے قیدیوں کو رہا کیا اور اپنی طرف سے خراسان کی گورنری پر اپنے بھائی کو بھیجا وہاں نصر بن سیار نے خراسان میں اس کو داخلہ نہیں دیا' ابھی یہ جھگڑا طے نہیں ہونے پایا تھا اور منصور بن جمہور کو کوفہ میں آئے ہوئے دو مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ یزید بن ولید نے منصور کو معزول کر کے اس کی جگہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو عراق کی امارت پر روانہ کر دیا۔

منصور بن جمہور عراق کی امارت عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے سپرد کر کے شام کی طرف روانہ ہوا' عبداللہ بن عمر نے خراسان کی حکومت پر باقاعدہ طور پر نصر بن سیار کو مقرر فرمایا' ان دنوں یمامہ کی ولایت بھی عراق کے صوبہ سے متعلق تھی' کبھی یمامہ حجاز میں شامل کر دیا جاتا تھا' کبھی عراق میں' یوسف بن عمر کے زمانے سے اہل یمامہ علی بن مہاجر حاکم یمامہ کو نکال کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر چکے تھے' ابھی تک وہ بدستور اپنی خود مختاری پر قائم تھے اور کوئی بندوبست اس علاقہ پر قبضہ قائم کرنے کے لیے نہ

ہو سکا تھا۔

عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے عراق کی امارت اپنے ہاتھ میں لے کر جب نصر بن سیار کو خراسان کا حاکم اپنی طرف سے مقرر کیا تو وہاں جدیع بن علی کرمانی ازدی نے نصر بن سیار سے بغاوت و سرکشی اختیار کی' جدیع بن علی اصل میں ازدی تھا لیکن چونکہ وہ کرمان میں پیدا ہوا تھا اس لیے کرمانی مشہور تھا' وہ یہ دیکھ کر کہ نصر بن سیار جو پہلے خراسان کا خودمختار حاکم تھا اب کوفہ کے گورنر کی طرف سے نامزد و مامور ہو کر مرکز حکومت سے متعلق ہو گیا ہے رنجیدہ ہوا' اور اس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ یہ لوگ فتنہ میں پڑ رہے ہیں تم اپنے کاموں کے لیے کسی کو اپنا امیر منتخب کر لو' اور نصر بن سیار اور کرمانی کے دلوں میں پیشتر سے کچھ کدورت تھی اب کرمانی کے اس جدید فتنہ برپا کرنے پر نصر نے اس کو گرفتار کرالیا اور ۲۷ رمضان ۱۲۶ھ کو قید کر دیا۔

کرمانی چند روز قید رہا اس کے بعد قید خانہ میں نقب لگا کر نکل آیا' اور فوراً تین ہزار آدمیوں کو اپنے گرد جمع کر لیا' ادھر سے نصر نے بھی اس کی سرکوبی کے لیے ایک سردار کو مامور کیا مگر لوگوں نے درمیان میں پڑ کر لڑائی کو روکنے اور صلح کرانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کرمانی نصر کے پاس چلا آیا اور نصر بن سیار نے اس کو خانہ نشینی کی ہدایت کی' چند روز کے بعد پھر کرمانی نے بغاوت و سرکشی کا ارادہ کیا' غرض اس طرح کئی مرتبہ جنگ کی تیاری اور کئی مرتبہ صلح ہوئی' آخر یہ تجویز ہوئی کہ کرمانی خراسان کو چھوڑ کر جرجان کی طرف چلا جائے' چنانچہ اس پر عمل درآمد ہوا۔

جن دنوں نصر اور کرمانی کے درمیان بار بار نزاع پیدا ہو کر صورت حال خطرناک ہو رہی تھی' نصر کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں کرمانی بلاد ترکستان سے حرث بن شریح کو بلوا کر اپنی طاقت کو نہ بڑھا لے' حرث بن شریح کا ذکر اوپر آ چکا ہے' وہ بارہ تیرہ سال سے بلاد ترک میں مقیم تھا' چنانچہ نصر نے حرث کو بلانے اور اپنے پاس لانے کے لیے مقاتل بن حیانی نبطی کو بھیجا' ادھر عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے پاس کوفہ میں اور یزید بن ولید کے پاس دمشق میں خطوط بھیجے جن میں حرث بن شریح کے متعلق اندیشہ و خطرہ کی اطلاع دے کر اس کی سفارش کی تھی کہ اس کو امان دے کر بلوا لینے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے' دونوں جگہ سے امان نامے آ گئے۔

ادھر حرث بن شریح بھی بلاد ترکستان سے خراسان میں آ گیا' نصر نے اس کی خوب خاطر و مدارات کی اور مرو رود میں اس کو ٹھہرایا' پچاس درہم روزانہ اس کا روزینہ مقرر کیا اور کہا کہ آپ جس شہر کی حکومت پسند کریں وہاں کا عامل آپ کو بنا دیا جائے' حرث نے کہا کہ میں حکومت اور دولت کا خواہش مند نہیں ہوں' میں تو کتاب و سنت پر عمل درآمد کرنے کا خواہش مند ہوں' ظلم و تعدی سے

پریشان ہو کر ان شہروں سے نکل گیا تھا' اب بارہ تیرہ برس کے بعد تم نے مجھ کو پھر اس طرف واپس بلایا ہے' نصر یہ سن کر خاموش ہو گیا' حرث نے اس کے بعد کرمانی کے پاس کہلا کر بھجوایا کہ اگر نصر بن سیار نے کتاب وسنت پر عمل کیا تو میں اس کا طرفدار ہو کر اس کے دشمنوں سے لڑوں گا اور اگر اس نے کتاب وسنت پر عمل نہ کیا تو پھر میں تمہارا شریک ہو جاؤں گا بشرطیکہ تم نے کتاب وسنت پر عمل کرنے کا اقرار کیا' اس کے بعد حرث نے قبائل تمیم اور دوسرے لوگوں کو اپنی امارت کی طرف متوجہ کیا' چند روز میں تین ہزار آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

خراسان کی تو یہ کیفیت تھی جو مذکور ہوئی' ادھر آرمینیا میں مروان بن محمد بن مروان اور جزیرہ میں عبدہ بن ریاح غسانی امارت کر رہے تھے' جب ولید بن یزید مقتول ہوا تو عبدہ غسانی جزیرہ سے ملک شام کی طرف چلا گیا' مروان بن محمد کے بیٹے عبدالملک نے جزیرہ کے صوبہ کو خالی دیکھ کر اس پر قبضہ کر کے جابجا اپنے گماشتے بھیج دیئے اور اپنے باپ مروان بن محمد بن مروان کو لکھا کہ یہ موقع نہایت ہی موزوں ہے' آپ خون ولید کا معاوضہ لینے کے لیے کھڑے ہو جائیں' ادھر حمص واردن وفلسطین کی بغاوتوں سے یزید بن ولید کو فرصت نہ ملنے پائی تھی کہ مروان بن محمد کے خروج کی خبر ملی' یزید کے لیے یہ موقع چونکہ بہت ہی نازک تھا' اس نے مروان کو لکھ بھیجا' کہ تم میری بیعت کر لو' میں تم کو جزیرہ' آذربائیجان' آرمینیا' موصل تمام ولائتوں کی حکومت دے دوں گا اور سند گورنری تمہارے پاس بھیجوں گا' مروان بن محمد نے بیعت کر لی اور یزید نے جیسا کہ وعدہ کیا تھا سند گورنری اس کے پاس بھیج دی' اس طرح راستے ہی سے مروان واپس چلا گیا اور اپنے متعلقہ صوبوں پر حکومت کرنے لگا' پہلے وہ صرف آرمینیا پر حاکم تھا اب موصل تک تمام علاقہ کا حکمران مقرر ہو گیا۔

یزید بن ولید المشہور بہ یزید الناقص اپنے اخلاق وقابلیت کے اعتبار سے برا نہ تھا' لیکن اس کی عمر نے وفا نہ کی اور ۲۰ ماہ ذوالحجہ ۱۲۶ھ کو چند روز کم چھ مہینے خلافت کر کے ۳۵ سال کی عمر میں مرض طاعون سے وفات پائی۔

ابراہیم بن ولید بن عبدالملک

ابواسحاق ابراہیم بن ولید بن عبدالملک اپنے بھائی یزید الناقص کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے موافق خلیفہ ہوا' ابراہیم کے ہاتھ پر بیعت عامہ نہیں ہوئی بعض لوگ اس کی بیعت سے انکار بھی کرتے رہے' مروان بن محمد بن مروان گورنر آرمینیا نے جب یزید کے مرنے کی خبر سنی تو وہ دمشق کی جانب فوج لے کر چلا اول قنسرین پہنچا قنسرین کو فتح کر کے حمص کی جانب روانہ ہوا' حمص

کی یہ حالت تھی کہ حمص والوں نے ابراہیم کی بیعت نہیں کی تھی اس لیے دمشق سے لشکر شام عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک کی افسری میں ابراہیم کا فرستادہ حمص کا محاصرہ کیے ہوئے پڑا تھا۔ جب مروان بن محمد کے قریب پہنچنے کی خبر سنی تو عبدالعزیز لشکر شام کو لے کر اور محاصرہ اٹھا کر دمشق کی جانب چل دیا اور مروان کے پہنچنے پر اہل حمص نے بلاتوقف اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

ابراہیم کو جب ان حالات کی اطلاع ملی تو اس نے سلیمان بن ہشام کو ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت سے مروان کے مقابلے کے لیے روانہ کیا' مروان کے پاس کل اسی ہزار فوج تھی' مروان نے جنگ شروع ہونے سے پیشتر یہ پیغام بھیجا کہ ہم ولید بن یزید کے خون کا دعویٰ چھوڑے دیتے ہیں تم اس کے بیٹے حکم وعثمان کو جنھیں ولید نے ولی عہد بنایا تھا رہا کر دو' سلیمان بن ہشام نے اس درخواست کو نامنظور کیا' آخر لڑائی شروع ہوئی' سلیمان بن ہشام کو ۷ ہزار آدمی کٹوا ڈالنے کے بعد شکست فاش حاصل ہوئی۔

مروان نے حکم وعثمان پسران ولید بن یزید کی بیعت لوگوں سے لی اور دمشق کی طرف بڑھا' یہاں دمشق میں ابراہیم اور اس کے مشیروں نے مشورہ کیا کہ حکم وعثمان کو قتل کر دینا چاہیے' چنانچہ یہ دونوں قیدی قتل کر دیے گئے' مروان فاتحانہ دمشق میں داخل ہوا اور ابراہیم وسلیمان وغیرہ دمشق سے تدمر کی طرف فرار ہو گئے' مروان نے حکم وعثمان کی لاشوں کو دیکھا' بہت افسوس کیا' نماز جنازہ پڑھا کر ان کو دفن کرایا' اور یہ سوال لوگوں کے سامنے...... پیش کیا کہ تم کس کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہو' سب نے بالاتفاق مروان بن محمد بن مروان بن حکم کے ہاتھ پر بیعت کی یہ روز دوشنبہ ۲۴ صفر ۱۲۷ھ کا واقعہ ہے ابراہیم کو مروان نے امان دیدی اور اس نے مروان کے حق میں بہ خوشی خلافت سے دست برداری داخل کر دی۔

ابراہیم بن ولید کی خلافت کے متعلق مؤرخین کا اختلاف ہے' بعض اس کو خلیفہ سمجھتے ہیں' اور بعض خلفاء میں اس کا شمار نہیں کرتے کیونکہ اس کی خلافت پورے طور پر تمام عالم اسلام میں تسلیم نہیں ہوئی تھی کہ اس نے خلع خلافت کیا' ابراہیم کی خلافت جیسی کچھ تھی صرف دو مہینے چند روز رہی۔

مروان بن محمد بن مروان بن حکم

مروان بن محمد بن مروان خاندان بنوامیہ کا آخری خلیفہ ہے' اس کو لوگ مروان الحمار بھی کہتے تھے' حمار ملک عرب میں صابر ہونے کی وجہ سے مشہور ہے' صعوبت کش آدمی کو حمار کہہ دیا جاتا تھا' اس لیے اس خلیفہ کو بھی حمار کہنے لگے' کیونکہ اس کی خلافت کا تمام زمانہ لڑائیوں میں بسر ہوا اور اس نے

نہایت صعوبت کش اور صابر ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا' مروان بن محمد نے بجائے دمشق کے مقام حران میں اقامت اختیار کی' تدمر سے ابراہیم (معزول خلیفہ) کو اپنے پاس بلالیا اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

یکم شوال کو مروان کے پاس خبر پہنچی کہ اہل حمص بغاوت و سرکشی کی پوری تیاری کر کے خروج پر آمادہ ہیں اور اطراف و جوانب سے عرب قبائل ان کے پاس پہنچ گئے ہیں' مروان اس خبر کے سنتے ہی فوراً فوج لے کر حمص کی جانب روانہ ہوا' ابراہیم اور سلیمان بھی اس کے ہمراہ تھے' ۳۰ شوال کو حمص کے قریب پہنچے' دیکھا کہ اہل حمص نے شہر کے دروازے بند کر لیے ہیں' مروان کے منادی نے پکار کر کہا کہ تم لوگوں نے امیر المومنین کی بیعت کیوں توڑ دی ہے' شہر والوں نے جواب دیا کہ ہم نے بیعت نہیں توڑی بلکہ ہم مطیع و فرماں بردار اور اپنی بیعت پر قائم ہیں' چنانچہ انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور مروان کے ہمراہی شہر میں داخل ہوئے تو اہل شہر اور مخالفین نے مقابلہ کیا' یہ حالت دیکھ کر مروان شہر کے دروازے پر چڑھ گیا اور مخالفین کا مقابلہ کر کے ان کو شکست دی' شہر پناہ تین سو گز کے قریب ڈھا کر زمین کے برابر کر دی' اہل شہر سے اپنی بیعت لی۔

ابھی مروان حمص ہی میں تھا کہ خبر پہنچی کہ یزید بن خالد کو اہل غوطہ نے اپنا سردار بنا کر دمشق پر حملہ کیا اور والی دمشق کو محصور کر لیا' مروان نے والی دمشق کی امداد کے لیے حمص سے دس ہزار فوج کو روانہ کیا' اس فوج نے پہنچ کر باہر سے اور اہل دمشق نے اندر سے مقابلہ کیا' اہل غوطہ کو شکست ہوئی' یزید بن خالد مارا گیا' اس کا سر کاٹ کر مروان کے پاس بھیج دیا گیا۔

اس فتنے کے فرو ہوتے ہی ثابت بن نعیم نے اہل فلسطین کو مجتمع کر کے طبریہ کا محاصرہ کیا' طبریہ میں اس وقت ولید بن معاویہ بن مروان بن حکم والی تھا' مروان بن محمد نے یہ سنتے ہی ابوالورد اپنے فوجی سردار کو اس طرف بغاوت فرو کرنے کے لیے روانہ کیا' ابوالورد کے پہنچتے ہی اہل طبریہ نے شہر سے نکل کر محاصرین کا مقابلہ کیا' اہل فلسطین نے شکست فاش کھائی' اور ثابت بن نعیم کے تین لڑکے ابوالورد نے گرفتار کر کے مروان کے پاس بھیج دیئے' مروان نے فلسطین کی حکومت پر رماحس بن عبدالعزیز کنانی کو مامور کیا اس نے تلاش کر کے ثابت بن نعیم کو گرفتار کیا اور مروان کے پاس بھیج دیا مروان نے اس کے اور اس کے تینوں لڑکوں کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر صلیب پر چڑھا دیا۔

ان واقعات سے فارغ ہو کر مروان بن محمد نے دیر ایوب میں اپنے لڑکوں عبداللہ و عبیداللہ کی ولی عہدی کی بیعت لی اور ہشام کی لڑکیوں سے ان کا عقد کر دیا' اس کے بعد مروان نے تدمر کی جانب فوج کشی کی' کیونکہ اہل تدمر ابھی تک خود مختاری پر قائم تھے' اہل تدمر کو بیعت اور اطاعت کرنی پڑی۔

اس کے بعد مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو عراق کی جانب روانہ کیا کہ وہ ضحاک شیبانی

خارجی کو جو کوفہ پر مسلط ہو گیا تھا خارج کرے اور امدادی فوجیں عقب سے بھیجتے رہنے کا انتظام کرنے کے لیے خود قرقیسا میں آ ٹھہرا' اس سے پیشتر سلیمان بن ہشام آرام کرنے کے لیے رصافہ ٹھہر گیا تھا' اہل شام کا ایک گروہ کثیر جس کو مروان نے یزید بن عمر ہبیرہ کے ساتھ عراق کی جانب روانہ کیا تھا اس سے جدا ہو کر رصافہ میں سلیمان بن ہشام کے پاس پہنچا اور کہا کہ آپ خلافت قبول کر لیں' سلیمان نے اس بات کو قبول کر لیا اور ان لوگوں کو ہمراہ لیے ہوئے قنسرین کی جانب روانہ ہوا' قنسرین پہنچ کر سلیمان نے اہل شام کو خطوط لکھے جن کا اثر یہ ہوا کہ اہل شام ہر طرف سے سلیمان بن ہشام کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک زبردست فوج سلیمان کے پاس جمع ہو گئی۔

مروان نے یہ خبر سنی تو یزید بن عمر بن ہبیرہ کو قیام کر دینے کا حکم بھیجا اور خود قرقیسیا سے سلیمان کی طرف چلا' قنسرین کے باہر مقام حناف میں مروان و سلیمان کی صف آرائی ہوئی اور سلیمان کو مروان نے شکست دیکر بھگا دیا' سلیمان کے ہمراہیوں کو جو گرفتار ہوئے قتل کیا' سلیمان بن ہشام کا لڑکا اور ہشام بن عبدالملک کا ماموں خالد بن ہشام مخزومی میدان جنگ میں مارے گئے' سلیمان بھاگ کر حمص پہنچا اور دوبارہ لشکر مرتب کر کے شہر پناہ کو درست کرایا۔

مروان یہ سنکر حمص پہنچا' نہایت خوں ریز جنگ ہوئی' پھر مروان نے حمص کا محاصرہ کر لیا' قریباً دس مہینے حمص کا محاصرہ جاری رہا' اسی (۸۰) منجنیقیں برابر مصروف سنگ باری تھیں' مجبور ہو کر اہل حمص نے امان طلب کی اور سلیمان تدمر کی طرف چلا گیا' یہاں سے فارغ ہو کر مروان کوفہ کی طرف ضحاک خارجی سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوا۔

یزید عمر بن ہبیرہ نے کوفہ کی طرف بڑھ کر ضحاک خارجی کے لشکر کو شکست دی' ضحاک نے دوبارہ لشکر مرتب کیا' یزید بن عمر نے دوبارہ اس کو شکست دی اور کوفہ میں داخل ہوا' خارجیوں نے کئی مرتبہ خروج کیا مگر ہر مرتبہ ان کو شکست حاصل ہوئی' یزید بن عمر بن ہبیرہ نے عراق پر قابض و متصرف ہو کر اپنی طرف سے نصر بن سیار کو خراسان کی گورنری پر قائم رکھا' اس نے مروان بن محمد کی بیعت کر لی۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے' خراسان میں حرث بن شریح موجود تھا اور اس کے گروہ میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا' حرث بن شریح کو یہ بھی خیال ہوا کہ مجھ کو یزید بن ولید نے امان دے دی تھی' مروان بن محمد نے تو امان نہیں دی' ادھر عبداللہ بن عبدالعزیز گورنر کوفہ نے بھی امان دی تھی' لیکن یزید بن عمر بن ہبیرہ موجودہ گورنر کوفہ نے امان نہیں دی' لہٰذا حرث بن شریح نے مخالفت کا اعلان کیا' نصر بن سیار نے اس کو بہت سمجھایا' لیکن وہ نہ مانا' بالآخر نوبت لڑائی تک پہنچی خاص شہر مرو کی گلیوں میں جنگ و پیکار کے شعلے بلند ہوئے۔

ادھر کرمانی بھی کرمان میں کافی قوت حاصل کر چکا تھا' نصر بن سیار نے کرمانی کو بلوایا' لیکن اس کا بھی دل صاف نہ ہوا اور اعلانیہ مخالفت پر آمادہ ہو گیا' غرض مرو میں کرمانی' حرث' نصر تین شخص جمع ہو گئے' تینوں کی طاقت مساوی تھی' اور تینوں اپنے الگ الگ مقاصد و اغراض رکھتے تھے' کوئی کسی کا ہمدرد یا شریک نہ تھا' آخر حرث و کرمانی دونوں نے متفق ہو کر نصر بن سیار کو ہزیمت دیکر مرو سے نکال دیا اور چند روز کے بعد دونوں آپس میں لڑے' اس لڑائی میں حرث بن شریح مارا گیا اور کرمانی مرو پر قابض و متصرف ہوا یہ ۱۲۸ھ کا واقعہ ہے۔

جب حرث بن شریح مارا گیا تو نصر نے اپنی جمعیت فراہم کر کے کرمانی کے مقابلے پر یکے بعد دیگرے فوجیں بھیجنی شروع کیں' لڑائیاں۔۔۔ ہوئیں اور قریباً ہر ایک معرکہ میں نصر کے سرداروں کو کرمانی کے مقابلے میں شکست ہوئی' آخر نصر بن سیار خود بڑی جمعیت لے کر مرو پہنچا' طرفین سے مورچے قائم ہوئے اور لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا' یہ لڑائیاں ابھی جاری تھیں اور کوئی فریق غالب یا مغلوب نہ ہونے پایا تھا کہ مسلم خراسانی نے جس کا بیان مفصل آگے آتا ہے اس موقع کو بہت غنیمت سمجھا اور اپنی جمعیت کو فراہم کر کے ادھر نصر سے خط و کتابت جاری کی اور ادھر کرمانی سے' نصر کو لکھا کہ امام ابراہیم نے تمہارے متعلق کچھ مجھ کو ہدایات بھیجی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے تم کو فائدہ پہنچے گا' اسی مضمون کا خط کرمانی کو لکھا کہ میں تمہارا ہمدرد ہوں اور امام ابراہیم نے تمہارے متعلق مجھ کو لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت تمہاری مدد کروں۔

یہ خطوط جن قاصدوں کے ہاتھ روانہ کرتا ان کو ہدایت کرتا کہ جو قبائل نصر کے ہمدرد ہیں راستے میں ان کو نصر کے نام خط دکھاتے ہوئے جائیں اور جو قبائل کرمانی کے ہمدرد ہیں ان کو کرمانی کے نام کا خط دکھاتے ہوئے جائیں' منشاء اس سے یہ تھا کہ تمام قبائل کی ہمدردی حاصل ہو جائے' اسی طرح اس نے خارجیوں کی ہمدردی و حمایت بھی مناسب تدبیروں سے حاصل کر لی' آخر ابو مسلم خراسانی اپنی جمعیت لیکر کرمانی اور نصر بن سیار کے مورچوں کے درمیان آ کر خیمہ زن ہوا' فریقین یہ اندازہ نہ کر سکے کہ یہ کس کی حمایت کرے گا اور کس کی مخالفت' اگلے روز ابو مسلم نے کرمانی کو کہلا بھجوایا' کہ میں تمہاری طرف سے نصر کا مقابلہ کروں گا' کرمانی یہ سن کر خوش ہوا' نصر نے اس خبر سے مطلع ہو کر کرمانی کو لکھ بھیجا کہ ابو مسلم چالاکی سے تم کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے تم اس کے فریب میں نہ آنا' اس کے مقابلہ میں ہم کو اپنی مخالفت فراموش کر دینی چاہیئے' کرمانی نے نصر کی رائے کو پسند کیا اور اگلے روز دونوں میں ملاقات کی تجویز منظور ہوئی' کرمانی دو سو آدمی لے کر نصر بن سیار کی ملاقات کے لیے نکلا' نصر کے آدمیوں نے موقع پا کر کرمانی اور اس کے ہمراہیوں کو قتل کر دیا۔

کرمانی کا بیٹا علی بھاگ کر ابومسلم کے پاس آیا کرمانی کی فوج اور ابومسلم کی جمعیت نے مل کر ابومسلم اور علی بن کرمانی کی سرداری میں نصر بن سیار پر حملہ کیا' نصر بن سیار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر کسی معمولی شخص کے مکان میں چھپا' اور ابومسلم و علی نے مرو پر قبضہ کیا' علی بن کرمانی نے ابومسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی' لیکن ابومسلم نے کہا کہ تم ابھی اسی حالت میں رہو' امام کا حکم آنے پر جو مناسب ہوگا کیا جائے گا' نصر بن سیار نے مرو سے نکل کر پھر اپنے گرد لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا' ابومسلم اور علی بن کرمانی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے' ابومسلم نے خارجیوں کے سردار شیبان خارجی کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا' کیونکہ نصر بن سیار خارجیوں کا دشمن تھا' علی بن کرمانی اس لیے ابومسلم کا شریک تھا کہ وہ نصر بن سیار سے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا چاہتا تھا' نصر بن سیار نے خارجیوں کے سردار کو یہ پیغام بھیج کر جدا کرنا چاہا کہ ابومسلم شیعۂ علی ہے۔

غرض خارجی کبھی ابومسلم سے جدا ہوئے' کبھی ابن کرمانی الگ ہوگیا' یہ چاروں گروہ یعنی ابومسلم' شیبان خارجی' ابن کرمانی' نصر بن سیار تمام ملک خراسان میں ادھر ادھر پھر رہے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف اتفاق و مخالفت جلد جلد قائم ہو ہو کر ٹوٹ جاتی تھی' ان چاروں میں نصر بن سیار اور ابومسلم خراسانی بہت ہوشیار اور مآل اندیش تھے' نتیجہ یہ ہوا کہ ابومسلم خراسانی نے یکے بعد دیگرے مناسب موقع پاکر شیبان خارجی اور ابن کرمانی کو ۱۳۰ھ میں قتل کرادیا اور ۱۳۱ھ میں رے کے متصل نصر بن سیار خود بیمار ہوکر مرگیا اور ملک خراسان میں ابومسلم کا کوئی رقیب باقی نہ رہا۔

خوارج

خراسان کے مجمل حالات اوپر مذکور ہو چکے ہیں' اسی سلسلہ میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ خارجیوں نے سلطنت اسلامیہ میں خانہ جنگیوں کی کثرت اور ضعف کے آثار دیکھ کر خروج کیا اور خراسان کے خارجیوں نے مل کر ضحاک بن قیس شیبانی کو اپنا سردار بنایا' ضحاک نے کوفہ پر حملہ کر کے قبضہ کرلیا اور عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو کوفہ سے واپس آنا پڑا' سلیمان بن ہشام' مروان بن محمد سے ہزیمت پاکر ضحاک بن قیس سے آملا' اس طرح ضحاک کی طاقت اور بھی بڑھ گئی' ضحاک نے طاقت پا کر موصل پر چڑھائی کی' وہاں مروان بن محمد کے بیٹے عبداللہ بن مروان نے مقابلہ کیا' لیکن اس کے پاس کل سات ہزار فوج تھی اور ضحاک کے ساتھ ایک لاکھ آدمی تھے' ضحاک نے عبداللہ بن مروان کا محاصرہ کرلیا' مروان بن محمد یہ خبر سن کر اس طرف متوجہ ہوا' خوب زور شور کا مقابلہ ہوا' ضحاک مارا گیا' خارجیوں نے سعید بن بہدل کو اپنا امیر بنایا' وہ بھی مارا گیا' اس کے بعد شیبان بن عبدالعزیز کو خارجیوں

نے اپنا امیر منتخب کیا۔

مروان نے یزید بن ہبیرہ کو کوفہ کی طرف روانہ کیا' اس نے وہاں سے خارجیوں کو خارج کیا' ادھر شیبان بن عبدالعزیز خارجیوں کی تمام جمعیت کو لے کر فارس کی طرف چلا گیا' وہاں جا کر وہ ابو مسلم کا شریک ہوا جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے' اور ۱۳۰ھ میں مقتول ہوا۔

حجاز و یمن و حضرموت میں بھی بغاوتیں نمودار ہوئیں' ابوحمزہ مختار بن عوف ازدی نے علم بغاوت بلند کیا' حضرموت کا رئیس عبداللہ بن یحییٰ بھی اس کا شریک ہو گیا ابوحمزہ نے اول مدینہ پر قبضہ کیا' اس کے بعد شام کی طرف بڑھا' مروان بن محمد نے ابن عطیہ سعدی کو اس کے مقابلہ پر مامور کیا' وادی القریٰ میں لڑائی ہوئی' ابوحمزہ مارا گیا' ابن عطیہ یمن کی طرف بڑھا' وہاں عبداللہ بن یحییٰ کو مقابلہ پر مستعد پایا' دونوں میں لڑائی ہوئی' عبداللہ بن یحییٰ مارا گیا' ابن عطیہ نے اس کا سر کاٹ کر مروان کے پاس بھیجا۔

جس وقت مروان بن محمد ضحاک خارجی سے موصل کے قریب برسر مقابلہ تھا اس وقت اس کے پاس ایک خط امام ابراہیم کا لکھا ہوا جو ابو مسلم خراسانی کے نام لکھا تھا پکڑا ہوا پیش کیا گیا تھا' اس خط میں امام ابراہیم نے ابو مسلم کو ہدایات لکھی تھیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ خراسان میں کسی عربی النسل یا عربی انسان کو زندہ نہ چھوڑنا' خراسان کے اصلی باشندے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ ہمارے بہت کام آئیں گے اور انھیں پر زیادہ اعتماد رکھنا چاہیئے' اسی خط سے یہ راز بھی منکشف ہوتا تھا کہ بنو عباس نے بنو امیہ کے خلاف عرصہ سے سازش کا جال پھیلا رکھا ہے اور امام ابراہیم اس سازش کے موجودہ امام ہیں جو مقام حمیمہ علاقہ بلقاء میں سکونت پذیر ہیں۔

مروان بن محمد نے اس خط کو پڑھ کر اپنے عامل کو جو بلقاء میں مامور تھا لکھا کہ ابراہیم بن محمد کو حمیمہ سے گرفتار کر کے بھیج دو' چنانچہ ابراہیم بن محمد اور ان کے ساتھ کئی اور اہل خاندان گرفتار ہو کر مروان کے پاس بھیجے گئے' مروان بن محمد نے ان کو مقام حران میں قید کر دیا اور امام ابراہیم کے ساتھ سعید بن ہشام بن عبدالملک اور اس کے دونوں لڑکے عثمان و مروان اور عباس بن ولید بن عبدالملک اور عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز اور ابو محمد سفیانی بھی قید کر دیئے گئے' چند روز کے بعد حران میں وبائی بیماری پھیلی' اسی میں بحالت قید امام ابراہیم' عباس بن ولید' عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز فوت ہو گئے۔

سعید بن ہشام معہ اور قیدیوں کے داروغہ جیل کو قتل کر کے اور جیل خانہ توڑ کر بھاگ نکلا' اہل حران نے ان مفرور قیدیوں کو پکڑ کر مار ڈالا' صرف ابو محمد سفیانی قید خانہ سے نہ نکلا' اس کو مروان بن محمد نے نہر زاب سے شکست خوردہ واپس آ کر آزاد کیا۔

امام ابراہیم نے اپنی گرفتاری وقید کے وقت وصیت کردی تھی کہ میرے بعد میرا جانشین میرا بھائی عبداللہ بن محمد المشہور بہ ابوالعباس سفاح ہوگا' ساتھ ہی یہ بھی وصیت کردی تھی کہ اب ابوالعباس سفاح کو علاقہ بلقاء میں سکونت نہیں رکھنی چاہیے' بلکہ کوفہ میں جا کر رہنا چاہیے' چنانچہ عبداللہ بن محمد سفاح معہ اہل خاندان اسی وصیت کے موافق کوفہ میں آ کر اقامت پذیر ہوا تھا' امام ابراہیم نے اپنی گرفتاری سے پیشتر حکم دیا تھا کہ ابومسلم خراسانی کو اپنا افسر سمجھ کر اس کے احکام کی تعمیل کرو' اس کے بعد وہ قحطبہ بن شبیب کو ایک سیاہ پھریرہ دے کر ابومسلم کے پاس روانہ کر چکے تھے کہ اس جھنڈے کو بلند کر کے خراسان میں خروج اور ملکوں پر قبضہ شروع کردو۔

ابومسلم نے ۱۳۰ھ سے ۱۳۱ھ تک تمام خراسان پر قبضہ کرلیا' اس کے بعد قحطبہ بن شبیب کو فوج دے کر کوفہ کی طرف بھیجا کہ کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد ابوالعباس سفاح عبداللہ بن محمد کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ چنانچہ اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی' یہ خبر سن کر مروان بن محمد حران سے کوفہ کی طرف ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر چلا' راستے میں نہر زاب کے کنارے سفاح کی فوج سے جس کا سردار سفاح کا چچا عبداللہ بن علی تھا مقابلہ ہوا' مروان بن محمد کی فوج اگر لڑنا چاہتی تو بڑی آسانی سے عبداللہ بن علی کے لشکر کو شکست دے سکتی تھی لیکن عین معرکہ جنگ میں جب کہ مروان بن محمد عبداللہ بن علی کی فوج کے اکثر حصے کو شکست دے کر بھگا چکا تھا اور فتح میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی' مروان کی فوج کے اکثر حصے نے لڑنے اور حملہ کرنے سے انکار کردیا' گویا وہ مروان بن محمد کو شکست ہی دلانا چاہتے تھے۔

عبداللہ بن علی نے اپنے آپ کو شکست خوردہ دیکھ کر اور اپنی جان پر کھیل کر اپنے مخصوص ہمرائیوں کے ساتھ حملہ کیا' مگر مروان کی طرف سے ان کی مدافعت میں کوئی سردار نہ بڑھا' مروان نے ان کو انعام واکرام کا لالچ دیا' جب یوں بھی کام نہ چلا تو جس قدر خزانہ اس کے ہمراہ تھا وہ سب مروان نے میدان میں ڈلوا دیا اور کہا کہ حملہ کرو اور کمزور دشمن کو مار کر یہ تمام خزانہ آپس میں تقسیم کرلو' یہ دیکھ کر لشکر اس خزانہ کے لوٹنے میں مصروف ہوگیا اور جو لوگ ابھی تک لڑ رہے تھے وہ بھی لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہو گئے' اس بدنظمی وافراتفری کو دیکھ کر مروان نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بھیجا کہ لوگوں کو اس حرکت سے روکے' اس کے پہنچتے ہی سب کے سب میدان سے بھاگنے لگے اور مروان کو چند ہمراہیوں کے ساتھ تنہا چھوڑ کر چل دیئے۔

مروان اپنے لشکر کی اس بیوفائی سے مجبور ہو کر میدان سے بھاگا اور موصل پہنچا' وہاں لوگوں نے مروان پر اس شکست کی وجہ سے آوازے کسے' وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھ کر مقام حران کی طرف آیا' جہاں اس کا بھتیجا ابان بن یزید بن محمد عامل تھا' نہر زاب کے کنارے یوم شنبہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۰ھ کو

مروان بن محمد نے شکست کھائی تھی' مقام حران میں مروان صرف بیس ہی روز قیام کرنے پایا تھا' کہ عبداللہ بن علی کے آنے کی خبر سنی۔

مروان وہاں سے حمص کی طرف روانہ ہوا' جب عبداللہ بن علی حران کے قریب پہنچا' تو حران کا عامل ابان بن یزید بن محمد سیاہ کپڑے پہن کر اور سیاہ جھنڈا لے کر اس کے استقبال کو نکلا اور اس کے ہاتھ پر سفاح کی خلافت کی بیعت کر لی' عبداللہ بن علی نے اس کو امان دے دی۔

مروان حمص پہنچا' تو وہاں کے لوگوں نے اول تو فرمانبرداری وعقیدت کا اظہار کیا' لیکن مروان کے ہمراہیوں کو کم دیکھ کر سرکشی اور مقابلہ پر آمادہ ہوئے' مروان وہاں سے تین دن کے بعد ہی چل دیا' لیکن اہل حمص نے اس کے مال واسباب کے چھیننے کا ارادہ کیا' مروان نے ان کو اول سمجھایا' لیکن جب وہ باز نہ آئے تو مقابلہ پر آمادہ ہو کر ان کو مار کر بھگا دیا۔

حمص سے مروان دمشق میں پہنچا' یہاں کا عامل اس کا چچازاد بھائی ولید بن معاویہ بن مروان بن حکم تھا' یہاں بھی قیام مناسب نہ سمجھ کر اور ولید بن معاویہ کو مخالفین دولت امویہ سے لڑنے کی ترغیب دے کر فلسطین کی طرف روانہ ہوا' اور وہاں خاموش اور بے تعلق زندگی بسر کرنے کے ارادے سے ٹھہر گیا۔

ادھر عبداللہ بن علی حران میں اس قید خانے کو جس میں ابراہیم بن محمد قید تھے مسمار کر کے دمشق کی طرف روانہ ہوا' راستے میں اس کا بھائی عبدالصمد بن علی جس کو سفاح نے آٹھ ہزار کی جمعیت سے اس کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا آ پہنچا' اس کے بعد عبداللہ بن علی قنسرین وبعلبک ہوتا اور لوگوں سے بیعت لیتا ہوا دمشق آ پہنچا' دمشق کا محاصرہ کیا' چند روز محاصرہ کے بعد بتاریخ ۵ رمضان ۱۳۲ھ بروز چار شنبہ بزور شمشیر دمشق میں داخل ہوا اور دمشق کی گلیوں میں خون کے دریا بہا دیئے' اسی معرکہ میں ولید بن معاویہ حاکم دمشق مارا گیا اس فتح اور قتل عام کے بعد عبداللہ بن علی پندرہ روز دمشق میں مقیم رہا' اس کے بعد فلسطین کی طرف روانہ ہوا' عبداللہ اپنا لشکر لیے ہوئے ابھی سرحد فلسطین پر ہی پہنچا تھا' کہ عبداللہ سفاح کا فرمان پہنچا کہ مروان بن محمد کے تعاقب میں اپنے بھائی صالح بن علی کو مامور کر دو' یہ فرمان شروع ذیقعدہ ۱۳۲ھ میں پہنچا' صالح بن علی فوج لے کر مروان کے تعاقب میں روانہ ہوا' مروان یہ سنکر فلسطین سے روانہ ہو کر مقام عریش میں چلا گیا' وہاں سے نہر نیل کی طرف گیا' وہاں سے صید کی طرف روانہ ہوا۔

صالح بن علی بھی تعاقب میں بڑھتا چلا گیا' اس نے خود فسطاط میں ڈیرہ ڈال کر فوجی دستوں کو آگے مروان کے تعاقب اور سراغ میں روانہ کیا' اتفاقاً صالح کے دستوں سے مروان کے سواروں کا

مقابلہ ہو گیا۔ مروان کے سوار پہلے ہی سے افسردہ خاطر اور بددل تھے انہوں نے مقابلہ نہ کیا اور بھاگ پڑے' ان بھاگنے والوں میں چند گرفتار بھی ہو گئے' ان گرفتار شدہ سواروں سے پوچھا گیا تو انہوں نے مروان بن محمد کے قیام کا پتہ بتلا دیا کہ وہ قصبہ بوصیر میں مقیم ہے' صالح کی فوج کے افسر ابوعون نے یہ سن کر رات ہی میں مروان کی جائے قیام پر شب خون مارنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مروان کا مقابلہ آسان نہیں ہے' چنانچہ شب خون مارا گیا اس اچانک حملہ سے گھبرا کر مروان اپنے مکان سے باہر نکل آیا' ایک شخص نے جو پہلے ہی اس تاک میں کھڑا تھا برچھے کا وار کیا' مروان گرا اور اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ افسوس امیر المومنین مارے گئے' اس آواز کو سن کر ابوعون اور اس کے ہمراہی دوڑ پڑے فوراً مروان کا سر کاٹ لیا اور ابوالعباس عبداللہ سفاح کے پاس روانہ کر دیا۔

یہ واقعہ ۲۸ ھ ذی الحجہ ۱۳۲ھ مطابق ۵ اگست ۷۵۰ء کو وقوع پزیر ہوا اور اس کے ساتھ خلافت بنوامیہ کا خاتمہ ہو کر خلافت بنوعباس کی ابتدا ہوئی' قتل مروان کے بعد اس کے لڑکے عبداللہ وعبیداللہ سر زمین حبشہ کی طرف بھاگے' حبشیوں نے بھی ان کو امان نہ دی' عبیداللہ حبشیوں کے ہاتھ سے مارا گیا اور عبداللہ فلسطین میں آ کر پوشیدہ طور پر رہنے لگا' جس کو خلافت مہدی کے زمانے میں عامل فلسطین نے گرفتار کر کے مہدی کے دربار میں بھیج دیا اور اس نے اس کو قید کر دیا۔

مروان بن محمد کا عہد خلافت

مروان بن محمد بنوامیہ کا آخری خلیفہ ہے' اس لیے عام طور پر خلافت بنوامیہ کی بربادی وتباہی کا ذمہ دار اسی کو سمجھا جاتا ہے' مگر حقیقت یہ ہے کہ بنوامیہ کی بربادی کے سامان اس کی خلافت سے پہلے ہی اس کے پیش روؤں کی غفلت سے مرتب ومہیا ہو چکے تھے' مروان کی خلافت کا زمانہ کچھ عرصہ کم ۶ سال ہے' اس مدت میں مروان کو ایک روز بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔

اس نے اپنا تمام عہد خلافت گھوڑے کی پشت پر ہی بسر کیا' اس کی جفاکشی وبہادری اور اس کے عزم واستقلال کا صحیح اندازہ اس لیے بھی نہیں ہو سکا کہ اس کے ہاتھ میں ایک ایسی سلطنت دی گئی تھی' جو ناقابل علاج امراض میں مبتلا تھی' مروان اگر چند روز پہلے تخت خلافت پر بیٹھتا تو یقیناً وہ دولت امویہ کی بربادی کو ایک طویل زمانہ کے لیے پیچھے ڈال دیتا' مگر موجودہ خرابیوں اور بنوعباس کی سازشوں پر غالب نہ آ سکا' مروان کوئی ایسا غیر معمولی عالی دماغ اور عقلمند بھی نہ تھا کہ کسی قریب المرگ سلطنت میں ازسرنو جان ڈال سکتا' اس کا تمام زمانہ جھگڑوں اور لڑائیوں ہی میں گزر گیا' اس کے عہد خلافت میں عالم اسلام کے اندر ہر طرف تلواریں چمکتی ہوئی نظر آتی تھیں' کسی کو اطمینان حاصل نہ تھا'

کفار پر جہاد کرنے کا تو موقع ہی میسر نہ تھا' اس زمانہ میں مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں سے جس قدر بہایا گیا اس کی نظیر بہت ہی کم کسی زمانے میں مل سکتی ہے۔

مروان ۷۰ھ یا ۷۲ھ میں جب کہ اس کا باپ محمد بن مروان جزیرہ کا گورنر تھا پیدا ہوا تھا' مروان کی ماں کردستان کی ایک پرستار تھی جو ابراہیم اشتر کے پاس تھی' ابراہیم اشتر کے قتل کے بعد محمد بن مروان نے اس کو لے لیا اسی کے پیٹ سے مروان پیدا ہوا تھا۔

خلافت بنوامیہ پر ایک نظر

(۱) سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے نصف آخر سے جو اندرونی خرخشے اور خفیہ سازشیں شروع ہوئیں ان کا ایک ابتدائی حصہ اس نتیجہ پر ختم ہوا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ تسلیم کیے گئے اور خلافت بنوامیہ کی بنیاد رکھی گئی' خلافت کی ابتداء ہی میں اس کی ہلاکت و بربادی اور عالم اسلام کی بد نصیبی کا سب سے بڑا کام بانی خلافت بنوامیہ یعنی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں یہ پیدا ہوا کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا' یہ ولی عہدی کی وبا ایسی شروع ہوئی کہ اس نے آج تک مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑا' سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسی عمل کا نتیجہ تھا کہ وہ خوش گوار اور نافع نوع انسانی جمہوریت جو اسلام نے قائم کی تھی ضائع ہو کر اس کی جگہ خاندانوں کی حکومتیں جو نوع انسان کے لیے ایک لعنت ہیں' برباد ہونے کے بعد دوبارہ قائم ہو گئیں۔

خاندان بنوامیہ میں سیدنا امیر معاویہ ضض' عبدالملک بن مروان' ولید بن عبدالملک' تین خلیفہ اپنی فتوحات ملکی اور قابلیت ملک داری کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں' ان کے بعد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اس خاندان میں بالکل ایک نرالی قسم کے خلیفہ تھے' ان کی خلافت بالکل خلافت راشدہ کے اولین زمانے کا نمونہ تھی' سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پر چونکہ مذہبیت اور للہیت غالب تھی لہٰذا وہ کسی پہلو میں بھی کسی اموی خلیفہ کے مشابہ نہیں کہے جا سکتے' سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا زمانہ اگرچہ بہت ہی تھوڑا زمانہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی خلافت نے خلافت بنوامیہ کے مرتبہ کو بلند کر دیا ہے اور باوجود ہر قسم کی اعتراض اور قابل ملامت حرکات کے خلافت بنوامیہ کو محض سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے قابل فخر خلافت کہا جا سکتا ہے' ان کے بعد ہشام بن عبدالملک بھی ایک ایسا خلیفہ گزرا ہے جس کو اول الذکر تین خلیفوں کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

ہشام بن عبدالملک کے بعد پورے دس برس بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ خلافت بنوامیہ کا عالی شان قصر منہدم ہو کر زمین کے برابر ہو چکا تھا اور اس کی بنیادیں بھی اکھیڑ کر پھینک دی گئی تھیں' جن پانچ

خلیفوں کے نام اوپر لیے گئے ہیں ان کے علاوہ سب کے سب عیش پرست‘ پست ہمت‘ تن آسان اور عقل و بصیرت سے نا آشنا تھے اور ہرگز اس قابل نہ تھے کہ کسی ایسی بڑی شہنشاہی کے فرماں روا ہوں جیسی کہ خلافت بنوامیہ تھی‘ اسلام نے آ کر موسیقی اور شراب نوشی کو مٹا دیا تھا لیکن انہیں خلفاء بنوامیہ نے ان دونوں پلید اور مضر چیزوں کو پھر رواج دیا‘ جن کا سلسلہ آج تک بھی مسلمانوں میں موجود پایا جاتا ہے۔

(۲) بنوامیہ کے جرموں کی فہرست میں ایک یہ جرم بھی قابل تذکرہ ہے کہ اسلام نے خاندانوں اور قبیلوں کی تفریق و امتیاز کو مٹا کر سب کی ایک ہی برادری اور ایک ہی قبیلہ بنا دیا تھا‘ بنوامیہ نے قبیلوں کی عصبیت اور امتیاز کو از سر نو پھر زندہ کر دیا اور حمیت الجاہلیۃ کو پھر واپس بلانے کے سامان فراہم کر دیئے‘ انہوں نے عربوں کے فراموش شدہ سبق کو پھر یاد دلایا اور مسلمان قوم و قبیلے کو اسلامی اخوت پر ترجیح دینے لگے‘ جس چیز کو بنوامیہ نے دوبارہ پیدا کیا‘ بالآخر وہی چیز ان کی بربادی کا باعث ہوئی‘ یعنی علویوں اور عباسیوں نے اسی خاندانی امتیاز کو آلہ کار بنا کر بنوامیہ کی بربادی کے سامان فراہم کیئے۔

(۳) بنوامیہ نے اپنی حکومت و خلافت کے قیام و استحکام کے لیے ظلم و تشدد اور لوگوں کے قتل کرنے میں دریغ و تامل نہیں کیا‘ خلفاء بنوامیہ کے سب سے زیادہ نامور اور کارگزار اہل کار و صوبہ دار وہی تھے جو سب سے زیادہ لوگوں کو بلا دریغ قتل کرنے اور سختی سے کام لینے والے تھے‘ بنوامیہ کو ظلم و تشدد کا طرز عمل مجبوراً اپنی حکومت قائم رکھنے کے لیے اختیار کرنا پڑا تھا‘ لیکن آخر میں یہی طرز عمل ان کی بربادی کا باعث ثابت ہوا‘ کیونکہ رعایا کے دلوں سے ان کی حمایت و ہمدردی مسلسل خوف و دہشت کے جاری رہنے سے جاتی رہی تھی۔

(۴) بنوامیہ اس میں شک نہیں کہ قبائل قریش اور ملک عرب میں ایک نامور اور سردار قبیلہ تھا‘ اس قبیلے میں اکثر ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو تدبیر و رائے میں اپنے ہم عصروں پر فوقیت رکھتے تھے اور حکومت و ملک داری کے اصولوں سے واقف تھے‘ یہ خصوصیتیں اس قبیلہ کو عہد جاہلیت میں بھی حاصل تھیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ بنوامیہ کے گھروں میں کوئی نالائق پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا‘ اگر بنوامیہ میں ولی عہدی کی رسم جاری نہ ہوتی اور خواہ خلیفہ کا انتخاب صرف قبیلہ بنوامیہ میں محدود کر دیا جاتا یعنی مسلمان اپنی مرضی اور کثرت رائے سے بنوامیہ کے کسی قابل و لائق ترین شخص کو خلافت کے لیے منتخب کر لیا کرتے‘ تب بھی اگرچہ بڑی بے انصافی اور غلطی ہوتی‘ تاہم خلافت بنوامیہ کی یہ حالت نہ ہوتی اور عالم اسلام کو اتنا بڑا نقصان نہ پہنچتا جو پہنچا‘ اس طرح ممکن تھا کہ خلافت بنوامیہ کی عمر بہت

زیادہ طویل ہوتی اور وہ شکائتیں جو خلافت بنوامیہ سے پیدا ہوئیں' شاید پیدا نہ ہوتیں۔

(۵) خفیہ تدبیروں' سازشوں اور چالاکیوں میں بنوامیہ کو عرب کے دوسرے قبائل پر فضیلت حاصل تھی اور ان کی خلافت کا قیام انہیں چیزوں سے امداد حاصل کرنے کا نتیجہ تھا' لیکن تعجب ہے کہ انہیں چیزوں کے ذریعہ ہاشمیوں نے ان کو مغلوب کیا حالانکہ ہاشمی ان چیزوں میں ان کے شاگرد تھے' اس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ دولت وحکومت کے مردم افگن نشے نے ان کو جاہل وغافل بنا دیا تھا اور ولی عہدی کی رسم بد نے اس جہالت وغفلت کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔

(۶) مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ بنوامیہ کی خلافت میں بعض ایسی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم دیکھی گئیں اور ان کے جانشینوں کو نصیب نہ ہوئیں' مثلاً خلافت بنوامیہ نے خلافت راشدہ کی فتوحات کو وسعت دے کر مشرق ومغرب میں دور دور تک پھیلا دیا' مشرق میں چین اور مغرب میں بحر ظلمات تک انہوں نے گویا اپنے زمانے کی تمام متمدن دنیا کو فتح کر ڈالا' انہیں کے زمانہ میں' سمندروں کے دور دراز جزیروں' براعظم افریقہ کے ریگستانوں اور ہندوستان کے میدانوں تک اسلام پہنچا' خلافت بنوامیہ کے زمانہ میں اسلامی حکومت زیادہ سے زیادہ دنیا میں پھیل چکی تھی اور حکومت اسلامیہ کا ایک مرکز تھا' بنوامیہ کے بعد مسلمانوں کو جدید فتوحات ملکی کا بہت ہی کم موقع ملا' گویا ملک گیری بنوامیہ پہ ختم ہوگئی' اس کے بعد صرف ملک داری باقی رہی' بنوامیہ کے بعد اسلامی حکومت کا مرکز بھی ایک نہیں رہا بلکہ ایک سے زیادہ الگ الگ حکومتیں قائم ہونے لگیں جن میں خلافت عباسیہ سب سے بڑی حکومت تھی۔

(۷) بنوامیہ کے عہد خلافت میں عربوں کی حیثیت ایک فاتح قوم کی رہی' عربی اخلاق' عربی زبان' عربی تمدن' عربی مراسم سب پر غالب وفائق تھے' لیکن بنوامیہ کے بعد عجمیوں اور دوسری مفتوح قوموں کو یہ مرتبہ حاصل ہونے لگا کہ وہ عربوں پر حکومت کریں اور عربوں کی کسی فضیلت وخصوصیت میں فاتحانہ عظمت کو تسلیم نہ کریں۔

(۸) عہد بنوامیہ میں اگرچہ خارجی' شیعہ اور بعض دوسرے گروہ پیدا ہو گئے تھے لیکن سب کا عمود مذہب اور مدار استدلال قرآن وحدیث کے سوا اور کچھ نہ تھا' کتاب وسنت کے سوا کسی تیسری چیز کو قاضی نہ سمجھتے تھے' لیکن بعد میں ایسے بہت سے فرقے مسلمانوں میں پیدا ہونے لگے جنہوں نے کتاب وسنت کو پس پشت ڈال کر اپنے پیروں' مرشدوں' اماموں اور صاحب گروہ علماء کے اقوال و اجتہاد کی پیروی کو کافی سمجھا' یہی وجہ تھی کہ خلافت بنوامیہ کے زمانہ میں مسلمانوں کی تمام تر توجہ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ کی طرف منعطف رہی اس کے بعد قرآن مجید کی طرف سے مسلمانوں نے کم

التفاتی وغفلت کا برتاؤ شروع کیا اور یہ نحوست یہاں تک ترقی پزیر ہوئی کہ آج ہمارے زمانہ میں ایک واعظ اور ایک فارغ التحصیل مولوی کے لیے بھی یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ وہ قرآن مجید کو ترتیل وتدبر کے ساتھ پڑھ اور سمجھ چکا ہو۔



(۹) خلافت راشدہ میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی اور فتح یہ سمجھی جاتی تھی کہ لوگ شرک وگمراہی سے نجات پا کر توحید اور عبادت الٰہی کی طرف متوجہ ہو جائیں اور مذہب اسلام لوگوں کا دستور العمل زندگی بن جائے' مال ودولت اور مادی شان وشوکت کی کوئی قدر وقیمت اور عزت ووقعت نہ تھی' لیکن خلافت بنوامیہ میں مال ودولت اور شان وشوکت کو کامیابی سمجھا جانے لگا اور بیت المال کا روپیہ ان لوگوں کے لیے زیادہ صرف ہونے لگا' جو خلافت وسلطنت یعنی خاندان بنی امیہ کے لیے موجب تقویت اور مفید ثابت ہو سکتے تھے جن لوگوں سے بنوامیہ کو کسی امداد واعانت کی توقع نہ ہوتی تھی یا جن کا خوش رکھنا وہ اپنے لیے ضروری نہ سمجھتے تھے' ان کی طرف سے بے التفاتی برتی جاتی تھی اور ان کے حقوق ان کو نہ ملتے تھے' یہ رسم بد بعد کی خلافتوں میں اور بھی زیادہ ترقی کر گئی تھی' اسی نسبت سے عام طور پر مسلمانوں میں اغراض پرستی اور باہمی رقابت بڑھتی چلی گئی

(۱۰) ابتدائے اسلام اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں مسلمانوں کی زندگی نہایت سادہ اور ان کی ضروریات زندگی بہت ہی محدود تھیں' عہد بنوامیہ میں سامان عیش کا استعمال شروع ہوا اور وہ سپاہیانہ انداز جو پہلے موجب فخر تھا بتدریج مٹتے مٹتے بالکل دور ہونے لگا' خوبصورت لباس' پرتکلف مکانات اور زیب وزینت کے سامان ضروریات زندگی میں داخل ہونے لگے اور اسی نسبت سے مسلمانوں کے اندر صدیق وفاروق اور خالد وضرار رضی اللہ عنہم کے نمونے کم نظر آنے لگے۔

عہد بنوامیہ میں صوبوں کی تقسیم

عہد بنوامیہ میں کل ممالک اسلامی چند صوبوں میں تقسیم تھے' ہر صوبہ پر ایک امیر یا وائسرائے یا نائب سلطنت مقرر ہوتا تھا' اس کو اپنے صوبہ میں کامل شاہانہ اختیارات حاصل ہوتے تھے اور وہ خود ہی اپنی طرف سے اپنے صوبہ کی ولایتوں میں حاکم مقرر کرتا تھا' بڑے بڑے صوبے حجاز' عراق' جزیرہ' آرمینیا' شام' مصر' افریقہ' اندلس' خراسان وغیرہ تھے۔

حجاز کے صوبہ میں مکہ' مدینہ' طائف' یمن کی ولایتیں شامل تھیں' کبھی ایسا ہوتا تھا کہ یمن کو حجاز کی ماتحتی سے نکال کر ایک الگ صوبہ قرار دے دیا جاتا تھا اور وہاں کا حاکم دارالخلافہ سے مقرر ہوتا تھا۔

شام کے صوبہ میں اردن' حمص' دمشق' قنسرین کی ولایتیں شامل تھیں۔

مصر کے صوبہ میں کبھی افریقہ بھی شامل ہوتا تھا اور کبھی افریقہ کو مصر سے الگ صوبہ قرار دے کر قیروان کا گورنر دربار خلافت سے مقرر کیا جاتا تھا۔

اسی طرح اندلس کبھی الگ صوبہ قرار دیا جاتا تھا اور وہاں کا حاکم خلیفہ خود مقرر کرتا تھا اور کبھی اندلس کو قیروان کے امیر کے ماتحت کر کے صوبہ افریقہ میں شامل کر دیا جاتا تھا' اس حالت میں قیروان کا امیر خود اپنے اختیار سے اندلس میں کسی کو حاکم مقرر کرتا تھا۔

یہی کیفیت عراق وخراسان کی تھی' یعنی خراسان کبھی ایک الگ صوبہ ہوتا تھا اور وہاں کا گورنر یا امیر دربار خلافت سے مقرر ہوتا تھا اور کبھی خراسان کو صوبۂ عراق میں شامل کر دیا جاتا تھا' اس حالت میں خراسان کا حاکم گورنر عراق کی طرف سے مقرر کیا جاتا تھا۔

صوبوں کے امیروں اور ولایتوں کے والیوں کو اپنے متعلقہ ملکوں میں سیاہ وسفید کے کامل اختیارات حاصل ہوتے تھے' لیکن کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ محکمۂ مال کی افسری یعنی وصولی خراج وجزیہ کے لیے دربار خلافت سے الگ کوئی اہل کار مقرر ہو جاتا تھا' دربار خلافت سے مقرر شدہ افسر مال اپنے آپ کو صوبہ یا ولایت کے حاکم کا ماتحت نہیں سمجھتا تھا' لیکن فوج کا سپہ سالار اور ملک کے امن وامان کا ذمہ دار ہمیشہ اس صوبہ کا امیر یا اس ولایت کا والی ہی ہوتا تھا۔

افسر مال کی طرح کبھی کبھی صوبہ کا امیر شریعت یا قاضی اعظم بھی دربار خلافت سے مقرر ہو کر جاتا تھا' لیکن نمازوں کا امام ہمیشہ امیر یا گورنر ہی ہوتا تھا' یعنی نمازوں کی امامت اور سپہ سالاری لازم وملزوم تھی' بعد میں نمازوں کی امامت اور صوبہ کی امارت بھی جدا جدا ہونے لگی' تاہم جمعہ کا خطبہ حاکم صوبہ اور سپہ سالار اعظم ہی سے متعلق رہا۔ (آج یہ حقیقت جاہل مسلمانوں اور مسجد کے تنخواہ دار اماموں کی سمجھ میں کہاں آ سکتی ہے)۔

بنوامیہ کے رقیبوں کی کوشش

شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد ہاشمیوں اور امویوں میں جو رقابت پیدا ہوئی اس کا نتیجہ بحسب ظاہر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دست بردار ہو جانے پر یہ نکلا کہ بنوامیہ نے بنو ہاشم پر غلبہ پا لیا اور بازی لے گئے' جمل اور صفین کی معرکہ آرائیوں اور خارجیوں کی لڑائیوں کے بعد خلافت کا بنوامیہ میں چلا جانا بنو ہاشم کی ایک ایسی ناکامی تھی کہ وہ خلافت کے حصول کے لیے اپنی تلواروں کو کند محسوس کر چکے تھے اور جلد طاقت کے استعمال پر آمادہ نہیں ہو سکتے تھے لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کا خلیفہ مقرر ہونا اور ولی عہدی کی بدعت کا ایجاد ہونا بنوامیہ کے لیے بے حد

مضر اوران کی کمزوری کا سامان تھا' لہٰذا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جرأت سے کام لیا اور اپنے ہمدردوں کی نصیحت پر عمل نہ کیا' جس کے نتیجے میں کربلا کا حادثہ رونما ہوا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کمزور جانشین یزید اور یزید کے غلط کار اہل کار ابن زیاد نے اپنے غلط اعمال سے بنو ہاشم کی ہمتوں کو تو زیادہ پست کر دیا لیکن ساتھ ہی حکومت بنوامیہ کی قبولیت کو نقصان پہنچا کر عام لوگوں کو بنوامیہ کی مخالفت کے اظہار پر دلیر بنا دیا' جس کے نتیجے میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آیا' ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ جب پیش آیا تو حکومت بنوامیہ کا تاج دار ایک زبردست شخص تھا' اس لیے وہ حکومت امیہ کی اس کمزوری کو جلد دور کر کے نہ صرف اقتدار رفتہ ہی کو قائم کر سکا بلکہ اس نے پہلے سے بھی زیادہ لوگوں کو مرعوب وخوفزدہ بنا دیا' اب ہاشمیوں کے لیے تلوار کے استعمال اور طاقت کے اظہار کا کوئی موقع باقی نہ رہا تھا انہوں نے اپنے جوش انتقام کے لیے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا اور ان کارروائیوں سے فائدہ اٹھایا' جو وہ عبداللہ بن سبا اور اس کے اتباع کی دیکھ چکے تھے اور جن کے سبب وہ صفین اور اذرح میں ناکام ہو چکے تھے۔

ہاشمیوں میں صرف دو ہی گھرانے سردار و مقتدا پائے جاتے تھے' ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور دوسری سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی اولاد' سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد تھے اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے' یہ دونوں گھرانے اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار ہوتے تھے اس لیے ان کی عظمت و سیادت سب کو تسلیم تھی' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چونکہ بنوامیہ کے مقابلہ میں براہ راست مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا' اس لیے علویوں میں عباسیوں کی نسبت زیادہ جوش تھا' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سبب علویوں میں سے فاطمیوں کو زیادہ جوش تھا اور وہ زیادہ درپے انتقام تھے۔

علویوں میں دو گروہ تھے' ایک وہ جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کو مستحق خلافت سمجھتے تھے' ایک وہ جو محمد بن الحنفیہ کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار مانتے تھے' تیسرا گروہ عباسیوں کا تھا۔

سب سے زیادہ طاقتور گروہ فاطمیوں یا حسینیوں کا تھا کیونکہ واقعہ کربلا کی وجہ سے ان لوگوں کو زیادہ ہمدردی حاصل تھی' دوسرے یہ کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد ہونے کے سبب بھی وہ زیادہ محبوب و مکرم تھے۔ ان کے بعد دوسرا گروہ محمد بن الحنفیہ کا تھا اس کے بعد عباسیوں کا مرتبہ تھا' بعد میں فاطمیوں کے اندر بھی دو گروہ ہو گئے تھے' ایک وہ جو زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے طرف دار تھے اور وہ زیدی کہلائے' دوسرے وہ جنہوں نے اسماعیل بن جعفر صادق کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور وہ اسماعیلی کے نام سے مشہور ہوئے۔

مذکورہ بالا تینوں گروہ بنوامیہ کے مخالف اور تینوں مل کر اہل بیت کے ہوا خواہ کہلاتے تھے' زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہما اور ان کے بیٹے یحییٰ کے مقتول ہونے کا حال اوپر پڑھ چکے ہو' محمد بن الحنفیہ کی کوششوں اور مختار کی کوفہ میں کاروائیوں کا ذکر بھی اوپر آ چکا ہے' علویوں کو جب کبھی بھی ذرا سا موقع ملا' انہوں نے خروج میں تامل نہیں کیا' مگر اکثر ناکام ہوتے رہے' علویوں کی ان کارروائیوں اور ان کے انجام سے عباسی نصیحت و عبرت حاصل کرتے رہے اور انہوں نے بنوامیہ کے خلاف اپنی کوششوں کو بڑی احتیاط اور مآل اندیشی کے ساتھ جاری رکھا۔

ان تینوں گروہوں نے اپنے لیے ایک ہی راہ عمل تجویز کی کہ پوشیدہ طور پر لوگوں کو اپنا ہم خیال بنایا جائے اور مخفی طور پر لوگوں سے بیعت لی جائے تاکہ بنوامیہ کے مقابلے اور مقاتلے کے قابل طاقت فراہم ہو جائے' اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے اپنے لیے مشنری اور مبلغین ملکوں میں پھیلا دیئے' جو نہایت مخفی طریقوں سے اہل بیعت کی محبت کا وعظ کہتے اور بنوامیہ کی حکومت کے عیوب و نقائص لوگوں کو سمجھاتے اور خلافت و حکومت کا حقدار اہل بیت ہی کو بتاتے تھے[1]

یہ خفیہ اشاعتی کام بڑی احتیاط اور بڑے عزم و حزم کے ساتھ شروع کیا گیا' اس کی ابتداء عبدالملک بن مروان ہی کے زمانے سے ہو چکی تھی اور تینوں گروہوں کو ایک دوسرے کی سرگرمیوں کا علم تھا' لیکن چونکہ تینوں کا دشمن ایک ہی تھا اس لیے ان تینوں گروہوں کے اندر آپس میں کوئی رقابت نہ تھی اور ایک دوسرے کے راز کے اطلاع ہو جانے پر پوشیدہ رکھنے اور افشا ہونے سے بچانے کی کوشش کرتے تھے' ہر ایک کے کارندے اور نقیب اگرچہ جدا جدا تھے' لیکن تبلیغ کے لیے ان کو ایسے الفاظ استعمال کرنے کی تاکید کی گئی تھی' جس سے دوسرے گروہ کے ساتھ تصادم لازم نہ آئے۔

مثلاً بجائے اس کے کہ سیدنا عباس یا محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ یا امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت بیان کی جائے صرف اہل بیت کا ایک عام لفظ استعمال کیا جاتا تھا اور اہل بیت کی فضیلت بیان کر کے ان کو مستحق خلافت ثابت کرنے کی کوشش ہوتی تھی۔

پھر یہی نہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرتے تھے بلکہ بنوامیہ کی مخالفت کے جوش میں خارجیوں کے ساتھ بھی یہ لوگ ہمدردی و اعانت کا برتاؤ جائز سمجھتے تھے' کیونکہ خارجی بھی شروع ہی سے بنوامیہ کو کافر کہتے اور ان کے خلاف کوششوں میں مصروف رہتے تھے' حالانکہ خارجی جس طرح

---

[1] یہ سبائی گروہ تھا جو یہ کام کر رہا تھا۔ اگر خلافت کے حق دار اہل بیت تھے تو پھر اس کے لیے قرآن و حدیث سے دلیل چاہیے تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہی کہ نہ قرآن کریم میں اس کی کوئی نص موجود ہے اور نہ ہی احادیث مبارکہ میں اس کی صراحت کی گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار میں بھی اس بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔

خلافت بنوامیہ کے دشمن تھے اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے بھی مخالف تھے۔[1]

اس خفیہ اشاعت کے کام میں علویوں سے بار بار جلد بازی کا ارتکاب ہوا اور وہ زیادہ خوبی کے ساتھ اس کام کو انجام نہ دے سکے لہٰذا خلفاء بنوامیہ کو علویوں کی کاروائیوں اور سازشوں کا علم ہوتا رہا اور وہ ان کے خلاف انسدادی کاروائیوں کا موقع بھی پاتے رہے' لیکن عباسیوں کی سازش سے خلفاء بنوامیہ آخر تک بے خبر رہے اور اسی لیے عباسی علویوں کو پیچھے چھوڑ کر کامیابی حاصل کر سکے۔

عباسیوں نے علاوہ مذکورہ بالا تدابیر کے ایک اور احتیاط یہ بھی کی کہ اپنا مرکز مدینہ' مکہ' کوفہ' بصرہ' دمشق وغیرہ میں سے کسی بڑے شہر کو نہیں بنایا بلکہ ایک نہایت غیر معروف گاؤں حمیمہ جو بنو امیہ کی عطا کردہ جاگیر اور دمشق و مدینہ کے درمیان واقع تھا اور باوجود دمشق سے قریب ہونے کے خلفاء بنوامیہ یا گورنران بنوامیہ کی توجہ سے محفوظ تھا' اپنی قیام گاہ اور مرکز سازش بنایا' علویوں کی کوششیں اور سازشیں چونکہ طشت از بام ہوتی رہیں لہٰذا وہ بار بار قتل ہوتے رہے' لیکن بنوعباس اس قسم کے نقصانات سے بالکل محفوظ رہے اور ان کی سازش کی رفتار ترقی معتدل رفتار سے برابر جاری رہی۔

اس رفتار ترقی میں بہت بڑی طاقت اس لیے پیدا ہوگئی کہ محمد بن الحنفیہ کی جماعت تمام و کمال بنوعباس کے ساتھ شامل ہو کر ایک جماعت بن گئی یعنی ابو ہاشم بن محمد نے اپنے تمام حقوق محمد بن علی عباسی کو حمیمہ میں فوت ہوتے وقت تفویض کر دیئے اور ان لوگوں کو جو ابو ہاشم کی خلافت کے لیے کوشش کر رہے تھے تاکیدی نصیحت کی کہ آئندہ محمد بن علی کے زیر فرمان کوشش کریں اور محمد بن علی کو اپنا پیشوا مانیں۔

علویوں کا ایک زبردست گروہ جب عباسیوں میں شامل ہو گیا تو عباسیوں نے پہلے سے زیادہ ہمت کے ساتھ باقاعدہ کوششیں شروع کیں اور قریباً تمام طاقت سازش کنندوں کی عباسیوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

محمد بن علی عباسی اس زبردست سازشی جماعت کے پیشوا تھے جب ان کا انتقال ۱۲۴ھ میں ہوا تو ان کے بیٹے امام ابراہیم ان کے جانشین ہوئے' امام ابراہیم نے اس سازش کو پہلے سے زیادہ وسیع اور باقاعدہ اصولوں پر قائم کر کے ہر ایک علاقہ کے لیے الگ الگ موزوں داعی مقرر کئے اور نہایت نظم و ترتیب کے ساتھ عراق' خراسان' فارس' شام' حجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ میں اپنی تحریک کا ایک جال پھیلا دیا۔

امام ابراہیم کو خوش قسمتی سے ایک ایسا شخص مل گیا جس نے آئندہ چل کر بہت جلد اس سازش کو

---

[1] یہ تحریک کس قدر خطرناک تھی' متذکرہ بالا امور سے ہی اس کا کافی حد تک اندازہ ہو جاتا ہے۔

کامیابی تک پہنچانے کا تمام کام اپنے ذمہ لے لیا' وہ شخص ابومسلم خراسانی تھا۔ امام ابراہیم نے ابومسلم خراسانی کو عراق وخراسان کے تمام دعاۃ کا سردار بنا کر سب کو حکم دیا تھا کہ ابومسلم کی ماتحتی میں کام کریں اور ابومسلم کے ہر ایک حکم کو مانیں' ابومسلم کے ساتھ ان کی خط وکتابت رہتی تھی اور وہ ابومسلم کو اپنے ہر ایک منشاء سے مطلع کرتے رہتے تھے' اس میں یہ فائدہ تھا کہ امام ابراہیم کو ہر ایک شخص سے خود خط وکتابت نہیں کرنی پڑتی تھی ۱۳۰ھ میں امام ابراہیم کی گرفتاری اور وفات کے بعد ان کا جانشین عبداللہ سفاح ان کا بھائی ہوا جو امام ابراہیم کی طرح ذی ہوش وعقلمند تھا ادھر ابومسلم کی قابلیت اور طاقت آخری نتائج پیدا کرنے والی تھی' ابومسلم نے جلد جلد خراسان میں طاقت وقوت حاصل کرنی شروع کی' امام ابراہیم کی گرفتاری اور بنوامیہ کو اس عباسی تحریک کی واقفیت اس وقت ہوئی جب کہ ابومسلم خراسان پر گویا مستولی ہو چکا تھا اور اس تحریک کے افشاء ہونے کا مناسب وقت آ چکا تھا لہٰذا عباسیوں کو کسی ناکامی ونقصان کا سامنا نہ ہوا۔

جب ابومسلم کو خراسان میں امام ابراہیم کی وفات کے بعد قوت واقتدار حاصل ہونے لگا اور بنوامیہ کی خلافت کے برباد ہونے کی علامت نمایاں طور پر نظر آنے لگیں تو بنی عباس اور علویوں کے خیر خواہوں اور ان کی سازشی کاروائیوں میں حصہ لینے والوں نے اپنے خاص خاص سربرآوردہ ممبروں کو بماہ ذی الحجہ ۱۳۰ھ میں جبکہ وہ بتقریب حج مکہ میں آئے ہوئے تھے ایک مکان میں جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش ہوا کہ بنوامیہ کی بربادی اور خلافت ان کے قبضہ سے نکالنے کی کوششیں بہت جلد آخری کامیابی حاصل کرنے والی ہیں لہٰذا یہ طے ہو جانا چاہئے کہ خلیفہ کس کو بنایا جائے گا' اس مجلس میں ابوالعباس عبداللہ سفاح کا بھائی ابوجعفر منصور بھی موجود تھا اور اولاد علی رضی اللہ عنہ میں سے بھی چند لوگ تشریف رکھتے تھے' ابوجعفر منصور نے بلاتوقف کہا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لینا چاہئے' حاضرین مجلس نے اس بات کو پسند کیا اور باتفاق رائے سے محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی المعروف بہ نفس ذکیہ کو منتخب کیا گیا۔

یہ نہایت ہی نازک موقعہ تھا' کیونکہ بنوامیہ کی حکومت کو مضمحل کرنے اور خراسان پر ابومسلم کے قابض ہو جانے میں سب سے زیادہ اس بات کو دخل تھا کہ شیعان علی رضی اللہ عنہ اور شیعان بنوعباس رضی اللہ عنہ مل کر کام کر رہے تھے اور متفقہ طاقت کے ساتھ مصروف عمل تھے' اگر اس مجلس میں بنوعباس اور علویوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جاتا تو مکہ سے لے کر خراسان کے آخری سرے تک تمام علاقے میں اختلاف کی ایک لہر ایسی سرعت کے ساتھ دوڑ جاتی کہ پھر اس کی روک تھام قابو سے باہر ہوتی اور خلافت بنوامیہ میں جو مردہ ہو چکی تھی' ازسرنو جان پڑ جاتی' مگر ابوجعفر منصور کی ہوشیاری ودانائی نے اس

موقعہ پر بڑا کام کیا اور شیعان علی پہلے سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ مصروف عمل ہو گئے اور ان کی یہ تمام کوششیں عباسیوں کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوئیں۔

ابو مسلم خراسانی

ابو مسلم کا نام ابراہیم بن عثمان بن بشار تھا' یہ ایرانی النسل تھا اور مشہور ہے کہ برز جمہر کی اولاد سے تھا' اصفہان میں پیدا ہوا تھا ماں باپ نے کوفہ کے متصل ایک گاؤں میں آ کر سکونت اختیار کر لی تھی' جس وقت ابو مسلم کا باپ عثمان فوت ہوا تھا تو ابو مسلم کی عمر سات برس کی تھی' اس کا باپ مرتے وقت وصیت کر گیا تھا کہ عیسیٰ بن موسیٰ بن سراج اس کی پرورش اور تربیت کرے' عیسیٰ اس کو کوفہ میں لے آیا' ابو مسلم جامہ دوزی کا کام عیسیٰ سے سیکھتا تھا اور اسی کے پاس کوفہ میں رہتا تھا۔

عیسیٰ بن موسیٰ اپنے زین اور چار جامے لیکر خراسان' جزیرہ اور موصل کے علاقوں میں فروخت کرنے کے لیے جاتا تھا' اور اس تقریب سے اکثر سفر میں رہتا اور ہر طبقہ کے آدمیوں سے ملتا تھا' اور اس کی نسبت یہ شبہ ہوا کہ یہ بھی بنو ہاشم اور علویوں کا نقیب ہے' اسی طرح اس کے خاندان کے دوسرے آدمیوں پر شبہ کیا گیا' نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف بن عمر گورنر کوفہ نے عیسیٰ بن موسیٰ اور اس کے چچازاد بھائی ادریس بن معقل اور ان دونوں کے چچا عاصم بن یونس عجلی کو قید کر دیا' اسی قید خانہ میں خالد قسری کے گرفتار شدہ عمال بھی قید تھے۔

ابو مسلم قید خانہ میں عیسیٰ بن موسیٰ کی وجہ سے اکثر جاتا جہاں تمام قیدی وہ تھے جن کو حکومت بنو امیہ سے نفرت تھی یا قید ہونے کے بعد لازماً نفرت پیدا ہو جانی چاہئے تھی' ان ہی میں بعض ایسے قیدی بھی تھے جو واقعی بنو عباس یا بنو فاطمہ کے نقیب تھے' لہٰذا ان لوگوں کی باتیں سن کر ابو مسلم کے قلب پر بہت اثر ہوا اور وہ بہت جلد ان لوگوں کا ہمدرد بن کر ان کی نگاہوں میں اپنا اعتبار قائم کر سکا' اتفاقاً قحطبہ بن شبیب جو امام ابراہیم کی طرف سے خراسان میں کام کرتا اور لوگوں کو خلافت عباسیہ کے لیے دعوت دیتا تھا خراسان سے حمیمہ کی طرف جا رہا تھا' راستے میں کوفہ کے ان قیدیوں سے بھی ملا' یہاں اسے معلوم ہوا کہ عیسیٰ و عاصم وغیرہ کا خادم ابو مسلم بہت ہوشیار اور جوہر قابل ہے' اس نے عیسیٰ سے ابو مسلم کو مانگ لیا اور اپنے ساتھ لے کر حمیمہ کی طرف روانہ ہو گیا' وہاں امام ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ابو مسلم کو پیش کیا' امام ابراہیم نے ابو مسلم سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے' ابو مسلم نے کہا کہ میرا نام ابراہیم بن عثمان بن بشار ہے' امام ابراہیم نے کہا نہیں تمہارا نام عبدالرحمٰن ہے' چنانچہ اس روز سے ابو مسلم کا نام عبدالرحمٰن ہو گیا' امام ابراہیم ہی نے اس کی کنیت ابو مسلم رکھی اور قحطبہ بن شبیب سے مانگ

لیا۔

چند روز تک ابو مسلم امام ابراہیم کی خدمت میں رہا اور انہوں نے اچھی طرح ابو مسلم کی فطرت و استعداد کا مطالعہ کیا' اس کے بعد اپنے مشہور نقیب ابو نجم عمران بن اسماعیل کی لڑکی سے اس کا عقد کر دیا' ابو نجم عمران بن اسماعیل ان لوگوں میں سے تھا' جو خلافت اسلامیہ کو اولاد علی میں لانا چاہتے تھے' اس عقد سے یہ فائدہ حاصل کرنا مقصود تھا کہ ابو مسلم کو شیعان علی کی حمایت حاصل رہے اور اس کی طاقت کمزور نہ ہونے پائے' اس انتظام و اہتمام کے بعد امام ابراہیم نے ابو مسلم کو خراسان کی طرف روانہ کیا اور تمام دعاۃ و نقباء کو اطلاع دی کہ ہم ابو مسلم کو خراسان کے تمام علاقے کا مہتمم بنا کر روانہ کیا ہے' سب کو دعوت بنو ہاشم کے کام میں ابو مسلم کی فرماں برداری کرنی چاہئے۔

خراسان کے مشہور اور کارگزار نقباء جو محمد بن علی عباسی یعنی امام ابراہیم کے باپ کے زمانہ سے کام کر رہے تھے یہ تھے' سلیمان بن کثیر' مالک بن ہیثم' زیاد بن صالح' طلحہ بن زریق' عمر بن اعین یہ پانچوں شخص قبیلہ خزاعہ کے تھے قحطبہ بن شبیب بن خالد بن سعدان یہ قبیلہ طے سے تعلق رکھتا تھا' ابو عینیہ' موسیٰ بن کعب لاہز بن قریط' قاسم بن مجاشع' اسلم بن سلام یہ چاروں تمیمی تھے' ابو داؤد خالد بن ابراہیم شیبانی ابو علی ہردی (اسی کو شبل بن طہمان بھی کہتے تھے) اور ابو النجم عمران بن اسماعیل۔

جب ابو مسلم خراسان میں پہنچا تو سلیمانؒ بن کثیر نے اسکو نوعمر ہونے کی وجہ سے واپس کر دیا یہ تمام نقبا سن رسیدہ اور پختہ عمر کے تجربہ کار لوگ تھے' انہوں نے ایک نوعمر شخص کو اپنی خفیہ کارروائیوں اور رازداری کے خفیہ..... کاموں کا افسر و مہتمم بنانا خلاف مصلحت سمجھا۔

جس وقت ابو مسلم خراسان پہنچا تھا اس وقت ابو داؤد خالد بن ابراہیم شیبانی ماوراء النہر کی طرف کسی ضرورت سے گیا ہوا تھا' وہ جب مرو میں واپس آیا اور امام ابراہیم کا خط اس نے پڑھا تو ابو مسلم کو دریافت کیا اس کے دوستوں نے کہا کہ سلیمان بن کثیر نے اس کو نوعمر ہونے کی وجہ سے واپس لوٹا دیا ہے کہ اس سے کوئی کام نہ ہو سکے گا اور یہ ہم سب کو اور ان لوگوں کو جنہیں دعوت دی جاتی ہے خطرات میں مبتلا کر دے گا' ابو داؤد نے تمام نقباء کو جمع کر کے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو خدائے تعالیٰ نے اولین و آخرین کا علم دیا' آپ ﷺ کی عترت واہل بیت اس علم کے وارث ہیں اور آپ ﷺ کے بیت معدن علوم اور ورثاء رسول ہیں' کیا تم لوگوں کو اس میں کچھ شک ہے' حاضرین نے کہا نہیں' ابو داؤد نے کہا تم نے کیوں شک وشبہ کو دخل دیا' اس شخص کو امام نے کچھ سوچ سمجھ کر اور اس کی قابلیت کو جانچ کر ہی تمہاری طرف بھیجا ہو گا' اس تقریر کو سن کر سب کو ابو مسلم کے واپس کرنے کا افسوس ہوا' اسی وقت آدمی روانہ کیا گیا وہ ابو مسلم کو راستے سے لوٹا کر واپس لایا سب نے اپنے تمام کاموں کا متولی' مہتمم ابو مسلم کو

بنا دیا اور بخوشی اس کی اطاعت کرنے لگے چونکہ سلیمان بن کثیر نے اول اس کو واپس کر دیا تھا اس لیے ابو مسلم سلیمان بن کثیر کی طرف سے کچھ کبیدہ خاطر ہی رہتا تھا۔ ۱۲۹ھ میں امام ابراہیم نے نقباء کو ہر طرف شہروں میں پھیلا دیا اور ابو مسلم کو لکھ بھیجا کہ اس سال موسم حج میں مجھ سے آ کر مل جاؤ' تا کہ تم کو تبلیغ دعوت کے متعلق مناسب احکام دیئے جائیں' یہ بھی لکھا کہ قحطبہ بن شبیب کو بھی اپنے ہمراہ لیتے آؤ' اور جس قدر مال و اسباب اس کے پاس جمع ہو گیا ہے وہ بھی لیتا آئے' اس جگہ یہ تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان خفیہ سازشوں کے لیے ایام حج بہترین موقعہ تھا' مکہ' معظمہ میں حج کے لیے دنیا کے ہر حصہ سے لوگ آتے تھے' کسی کو کسی کے آنے پر کوئی شبہ کا موقعہ نہ ملتا تھا اور سازشی لوگ بہ آسانی آپس میں مل کر ہر قسم کی گفتگو کر لیتے تھے' اور حج کے موقعہ کو کبھی فوت نہ ہونے دیتے تھے۔

چنانچہ ابو مسلم اور نقباء کو بھی ہمراہ لے کر معہ قحطبہ بن شبیب امام سے ملنے کی غرض سے مکہ کی جانب روانہ ہوا' مقام قومس میں پہنچا تو امام ابراہیم کا خط ملا جس میں لکھا تھا' کہ تم فوراً خراسان کی طرف واپس ہو جاؤ' اور اگر خراسان سے روانہ نہ ہوئے ہو تو وہیں مقیم رہو اور اب اپنی دعوت کو پوشیدہ نہ رکھو بلکہ اعلانیہ دعوت دینی شروع کر دو' اور جن لوگوں سے بیعت لے چکے ہو ان کو جمع کر کے قوت کا استعمال شروع کر دو' اس خط کو پڑھتے ہی ابو مسلم تو مرو کی جانب لوٹ گیا اور قحطبہ بن شبیب مال و اسباب لیے ہوئے امام ابراہیم کی جانب روانہ ہوا' قحطبہ نے جرجان کا راستہ اختیار کیا' اطراف جرجان میں پہنچ کر خالد بن برمک اور ابو عون کو طلب کیا' یہ لوگ معہ مال و اسباب فوراً حاضر ہوئے' قحطبہ اس مال و اسباب کو بھی لے کر امام کی طرف چلا۔

جب ابو مسلم کو اعلانیہ دعوت اور طاقت کے استعمال کی اجازت ملی تو یہ وہ زمانہ تھا کہ خراسان میں کرمانی اور نصر بن سیار کی لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا' جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے' ابو مسلم نے اپنی جماعت کے لوگوں کو فراہم کیا اور ان کو لیکر کرمانی اور نصر بن سیار کے درمیان خیمہ زن ہوا' اور بالآخر کرمانی قتل ہوا تو اس کا لڑکا علی بن کرمانی ابو مسلم کے پاس آ گیا اور ابو مسلم نے نصر کو مرو سے خارج کر کے قبضہ کر لیا' مگر چند روز قیام کے بعد مرو سے خراسان کی جانب چلا آیا' نصر بن سیار نے مروان بن محمد خلیفہ دمشق کو امداد کے لیے خط لکھا تھا مروان بن محمد ان دنوں ضحاک بن قیس خارجی سے مصروف جنگ تھا' وہ کوئی مدد نصر کے پاس نہیں بھیج سکا تھا' جن دنوں نصر کی عرض داشت مروان کے پاس پہنچی ان ہی دنوں امام ابراہیم کا خط جو ابو مسلم کے نام انہوں نے روانہ کیا تھا اور جس میں لکھا تھا کہ خراسان میں عربی زبان بولنے والوں کو زندہ نہ چھوڑنا اور نصر و کرمانی دونوں کا خاتمہ کر دینا' پکڑا گیا' اور الحمار کی خدمت میں پیش ہوا' یہی پہلا موقعہ تھا کہ بنوامیہ کو عباسیوں کی سازش کا حال معلوم ہوا' مروان نے

علاقۂ بلقاء کے عامل کو لکھا کہ امام ابراہیم کو حمیمہ میں جا کر گرفتار کر لو' چنانچہ امام ابراہیم گرفتار ہو کر آئے اور مروان نے ان کو قید کر دیا' جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے۔

ابو مسلم نے خراسان میں جب اعلانیہ دعوت و تبلیغ شروع کی ہے تو خراسان کے لوگ جوق در جوق اس کے پاس آنے لگے۔ ۱۳۰ھ کے شروع ہوتے ہی ابو مسلم نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور اہل بیت نبوی کی اطاعت و فرماں برداری پر لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی' کرمانی' شیبان خارجی اور نصر بن سیار تینوں ابو مسلم کے اس بیعت لینے اور لوگوں کے فراہم کرنے سے ناراض تھے' لیکن وہ اس طرح اپنی لڑائیوں میں مصروف تھے کہ ابو مسلم کا کچھ نہ بگاڑ سکے' قتل کرمانی کے بعد علی بن کرمانی اپنے باپ کی جماعت کا سردار تھا' ادھر ابو مسلم بھی کافی طاقت حاصل کر چکا تھا' نصر بن سیار اور شیبان خارجی بھی اسی درجہ کی طاقت رکھتے تھے' اب خراسان میں یہی چار طاقتیں موجود تھیں۔

ابو مسلم نے شیبان خارجی کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور ابن کرمانی کو اس کے پاس جانے کی تحریک کی' علی بن کرمانی شیبان خارجی کے پاس چلا گیا' نصر بن سیار نے شیبان خارجی سے صلح کرنی چاہی تا کہ وہ مطمئن ہو کر ابو مسلم سے دو دو ہاتھ کرے' لیکن ابو مسلم نے علی بن کرمانی کے ذریعہ ایسی کوشش کی کہ دونوں کی صلح نہ ہو سکے' جب ان دونوں کی صلح نہ ہوئی تو ابو مسلم نے موقع مناسب دیکھ کر نصر بن نعیم کو ایک جمعیت کے ساتھ ہرات کی طرف روانہ کر دیا۔ نصر بن نعیم نے ہرات پہنچ کر بحالت غفلت ہرات پر قبضہ کر لیا اور نصر بن سیار کے عامل عیسیٰ بن عقیل بن معقل قریشی کو ہرات سے نکال دیا' یحییٰ ابن نعیم بن ہبیرہ شیبانی یہ سن کر ابن کرمانی کے پاس آیا اور کہا کہ تم نصر سے صلح کر لو' اگر تم نے نصر سے صلح کر لی تو ابو مسلم فوراً نصر کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائے گا اور تم سے کوئی تعرض نہ کرے گا' اور اگر تم نے نصر سے صلح نہ کی تو ابو مسلم نصر سے صلح کر کے تمہارے مقابلہ پر مستعد ہو گا' شیبانی نے فوراً نصر کو لکھا کہ ہم تم سے صلح کرنا چاہتے ہیں' نصر فوراً صلح پر آمادہ ہو گیا کیونکہ اس کی پہلے ہی سے یہ خواہش تھی۔

ابو مسلم نے فوراً علی بن کرمانی کو جو شیبان خارجی کا شریک تھا توجہ دلائی کہ نصر بن سیار تمہارے باپ کا قاتل ہے' علی بن کرمانی یہ سنتے ہی شیبان خارجی سے جدا ہو گیا اور اس کے ساتھ لڑائیوں کا سلسلہ شروع کر دیا' ابو مسلم ابن کرمانی کی مدد کے لیے پہنچا ادھر نصر بن سیار شیبان خارجی کی طرف سے آمادۂ پیکار رہا' یہ بھی عجیب زمانہ تھا' لڑنے والے چاروں گروہ مختلف الخیال اور مختلف العقیدہ تھے مگر موقع اور وقت کی مناسبت سے ہر ایک دوسرے کو اپنے ساتھ ملا کر تیسرے کو فنا کرنے کی تدبیروں میں مصروف تھا' خالص شیعان علی بھی خراسان میں بکثرت تھے' وہ بھی سب ابو مسلم کے شریک تھے۔

عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے کوفہ میں لوگوں سے بیعت خلافت لی تھی، مگر عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے غالب ہو جانے پر وہ مدائن کی طرف چلے گئے تھے، ان کے ساتھ کوفہ کے بھی کچھ لوگ آئے تھے، پھر انہوں نے پہاڑی علاقے کا رخ کیا اور اس پر قابض ہو کر حلوان، قومس، اصفہان اور رے پر قابض ہوئے، اصفہان کو اپنی قیام گاہ بنایا، ۱۲۸ھ میں شیراز پر قبضہ کیا، جب یزید بن عمر بن ہبیرہ عراق کا گورنر مقرر ہو کر آیا تو اس نے عبداللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کو لشکر روانہ کیا، اصطخر کے قریب جنگ ہوئی، عبداللہ بن معاویہ کو شکست ہوئی، ان کے بہت سے ہمراہی مارے گئے، منصور بن جمہور سندھ کی طرف بھاگ گیا، اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ ہاتھ نہ آیا، عبداللہ بن معاویہ کے ہمراہیوں سے جو لوگ گرفتار ہو گئے ان میں عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس بھی تھا، جس کو یزید بن عمر گورنر کوفہ نے رہا کر دیا، عبداللہ بن معاویہ فرار ہو کر ابومسلم کی طرف چلے کیونکہ اس سے امداد کی توقع تھی کہ وہ اہل بیت کا ہوا خواہ ہے، لیکن وہ شیراز سے کرمان اور وہاں سے اول ہرات پہنچے، ہرات میں ابومسلم کے عامل نصر بن نعیم نے ان کو ٹھہرا کر ابومسلم کو ان کے آنے کی اطلاع دی، ابومسلم نے لکھ بھیجا کہ عبداللہ بن معاویہ کو قتل کر دو اور ان کے دونوں بھائیوں حسن و یزید کو رہا کر دو۔ چنانچہ نصر بن نعیم نے اس حکم کی تعمیل کر دی۔

۱۳۰ھ کے شروع ہوتے ہی خراسان میں مذکورہ بالا چاروں طاقتیں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں، آخر علی بن کرمانی اور ابومسلم نے نصر بن سیار اور شیبان خارجی کو شکست دے کر مرو پر مستقل قبضہ کر لیا، ابومسلم نے مرو کے دارالامارۃ میں جا کر لوگوں سے بیعت لی اور خطبہ دیا، نصر مرو سے شکست خوردہ سرخس اور طوس ہوتا ہوا نیشاپور میں آ کر مقیم ہوا، اور علی بن کرمانی ابومسلم کے ساتھ ساتھ رہنے لگا اور ہاں میں ہاں ملاتا رہا، شیبان خارجی جو مرو کے قریب ہی شکست خوردہ قیام پذیر تھا اس کے پاس ابومسلم نے پیغام بھیجا کہ تم بیعت کر لو، اس نے جواب میں کہلا بھجوایا کہ تم ہی میری بیعت کر لو، اس کے بعد شیبان خارجی سرخس چلا گیا اور ایک گروہ بکر بن وائل کا اپنے گرد جمع کر لیا، یہ سن کر ابومسلم نے ایک دستہ فوج سرخس کی طرف روانہ کیا، وہاں لڑائی ہوئی اور شیبان خارجی مارا گیا۔

اس کے بعد ابومسلم نے اپنے نقیبوں میں سے موسیٰ بن کعب کو ابیورد کی طرف اور ابوداؤد خالد بن ابراہیم کو بلخ کی جانب بھیجا، دونوں کو کامیابی ہوئی، ابیورد اور بلخ پر جب قبضہ ہو گیا تو ابومسلم نے ابو داؤد کو تو بلا بھیجا، اور یحییٰ بن نعیم کو بلخ کا حاکم مقرر کر کے بھیج دیا۔

زیاد بن عبدالرحمٰن قسری نے جو حکومت بنوامیہ کی طرف سے بلخ کا عامل تھا اور ابوداؤد سے شکست کھا کر ترمذ چلا گیا تھا۔ یحییٰ ابن نعیم سے خط و کتابت کر کے اس کو اپنا ہم خیال بنا لیا، اور مسلم بن

عبدالرحمٰن باہلی اور عیسیٰ بن زرعہ سلمی ملوک طخارستان ملوک ماوراء النہر اور اہل بلخ و اہل ترمذ سب کو مجتمع کر کے اور یحییٰ بن نعیم کو معہ اس کے ہمراہیوں کے ہمراہ لے کر ابو مسلم کی جنگ کے لیے روانہ ہوئے سب نے متفق ہو کر سیاہ پھریرے والوں (دعاۃ بنو عباس) سے لڑنے کی قسمیں کھائیں اور مقاتل بن حیان نبطی کو اپنا شریک لشکر بنایا۔

ابو مسلم نے یہ کیفیت سن کر ابو داؤد کو دوبارہ بلخ کی جانب روانہ کیا بلخ سے تھوڑے فاصلہ پر فریقین کا مقابلہ دریا کے کنارے ہوا مقابل بن حیان نبطی کے ساتھ سردار ابوسعید قرشی تھا ساقہ فوج کا پچھلا حصہ ہوتا ہے اس حصہ کو مسلح اور زبردست اس لیے رکھا تھا کہ کہیں حریف دھوکہ دے کر پیچھے سے حملہ نہ کرے جب لڑائی خوب زور شور سے شروع ہو گئی تو ابوسعید قرشی نے بھی اپنی متعلقہ فوج سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا اور ان کو مار کر پیچھے بھگانا ضروری سمجھا اتفاقاً ابوسعید کا جھنڈا بھی سیاہ تھا وہ جب اپنی فوج لے کر متحرک ہوا تو لڑنے والے اگلی صفوں کے لوگ یہ بھول گئے کہ ہمارا بھی ایک جھنڈا سیاہ ہے وہ ابوسعید کے جھنڈے کو دیکھتے ہی یہ سمجھے کہ دشمنوں کی فوج نے پیچھے سے ہم پر زبردست حملہ کیا ہے اور یہ ان ہی کی فوج فاتحانہ پیچھے سے بڑھتی چلی آتی ہے چنانچہ ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے بہت سے دریا میں غرق ہو کر ہلاک ہوئے زیاد و یحییٰ ترمذ کی طرف چلے گئے اور ابو داؤد نے بلخ پر قبضہ کیا۔

اس فتح کے بعد ابو مسلم نے ابو داؤد کو بلخ سے واپس بلا لیا اور بلخ کی حکومت پر نصر بن صبیح مزنی کو مامور کیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے علی بن کرمانی ابو مسلم کے پاس رہتا تھا اس کے ساتھ اس کا بھائی عثمان بن کرمانی بھی تھا ابو داؤد نے ابو مسلم کو رائے دی کہ ان دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دینا نہایت ضروری ہے ابو مسلم نے اس رائے کو پسند کر کے عثمان بن کرمانی کو بلخ کی حکومت پر نامزد کر کے بھیج دیا عثمان بن کرمانی نے بلخ پہنچ کر فرافصہ بن ظہیر کو اپنا نائب بنایا اور خود معہ نصر بن صبیح کے مرورود چلا گیا یہ خبر سن کر مسلم بن عبدالرحمٰن باہلی نے ترمذ سے مصریوں کو ہمراہ لے کر بلخ پر حملہ کیا اور بزور شمشیر اس پر قابض ہو گیا۔

عثمان و نصر کو اس اطلاع ہوئی تو وہ مرورود سے بلخ کی طرف روانہ ہوئے ان کے آنے کی خبر سن کر عبدالرحمٰن کے ہمراہی راتوں رات بھاگ نکلے نصر نے ایک سمت سے اور عثمان نے دوسری سمت سے بلخ پر حملہ کیا تھا نصر کے ہمراہیوں نے تو بھاگنے والوں سے کوئی تعرض نہ کیا لیکن عثمان بن کرمانی نے لڑائی چھیڑ دی اور خود ہزیمت اٹھا کر بھاگ نکلے اور بہت سے مارے گئے اور بلخ پر قبضہ ہوتے ہوتے رہ گیا یہ خبر سن کر ابو مسلم اور ابو داؤد نے مشورہ کیا ابو مسلم تو نیشاپور کی طرف روانہ ہوا اور

ابوداؤد پھر بلخ کی جانب آیا' ابومسلم کے ہمراہ علی بن کرمانی تھا' ابومسلم نے نیشاپور کے راستے میں علی بن کرمانی کو قتل کیا اور ابوداؤد نے مشورہ کے موافق بلخ پر قابض ہو کر اور عبدالرحمٰن کو بلخ سے بھگا کر عثمان بن کرمانی کو قتل کر دیا اس طرح ان دونوں بھائیوں کے خرخشے کو مٹایا' اوپر پڑھ چکے ہو کہ امام ابراہیم نے ابومسلم کو اول بلایا تھا' پھر اس کو روک دیا تھا کہ اعلانیہ دعوت شروع کر دے' ابومسلم نے قحطبہ بن شبیب کو مال واسباب کے ساتھ روانہ کیا تھا امام ابراہیم سے قحطبہ نے ملاقات کی' مال واسباب پیش کیا' امام ابراہیم نے ایک جھنڈا قحطبہ کے ہاتھ روانہ کیا اور مکہ معظمہ سے خراسان کی جانب رخصت کر دیا اور حمیمہ کی طرف چلے آئے' یہاں آتے ہی گرفتار ہو کر قید ہوئے' قحطبہ یہ جھنڈا لے کر ابومسلم کے پاس آیا اور ابومسلم نے اس جھنڈے کو مقدمۃ الجیش میں رکھا اور قحطبہ بن شبیب کو مقدمۃ الجیش کا سردار بنایا اور ۱۳۰ھ کے ختم ہونے سے پہلے پہلے خراسان کے بڑے حصے پر قابض ومتصرف ہو کر ایک ایک دشمن کا قصہ پاک کیا' علی بن کرمانی کے قتل سے فارغ ہو کر ابومسلم مرو کی طرف لوٹ آیا اور قحطبہ کو چند سرداران لشکر ابوعون عبدالملک بن یزید' خالد بن برمک عثمان بن نہیک اور خازم بن خزیمہ وغیرہ کے ساتھ طوس کی جانب روانہ کیا' اہل طوس نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی' قحطبہ نے بڑی بے دردی سے ان کا قتل عام کیا اس کے بعد قحطبہ نے تمیم بن نصر پر جو مقام سوزقان میں تھا حملہ کی تیاری کی' تمیم بن نصر بن معہ تین ہزار ہمراہیوں کے مقتول ہوا' قحطبہ نے شہر میں داخل ہو کر قتل عام کیا اور خالد بن برمک کو مال غنیمت کی فراہمی پر مامور کیا' اس کے بعد قحطبہ نے نیشاپور کا قصد کیا' یہاں نصر بن سیار مقیم تھا' وہ نیشاپور سے قومس بھاگ آیا' قحطبہ شروع رمضان ۱۳۰ھ میں نیشاپور پر قابض ہوا اور آخر شوال تک نیشاپور میں مقیم رہا' نصر بن سیار کی مدد کے لیے یزید بن عمر بن ہبیرہ کے گورنر کوفہ نے نباتہ بن حنظلہ کے ماتحت ایک فوج کوفہ سے بھیجی تھی' نصر بن سیار قومس میں بھی زیادہ دنوں نہ ٹھہرا وہاں سے وہ جرجان چلا آیا' وہیں نباتہ بن حنظلہ معہ اپنی فوج کے نصر بن سیار کے پاس پہنچا' قحطبہ نے شروع ذی قعدہ میں نیشاپور سے جرجان کی جانب کوچ کیا۔

قحطبہ کے ہمراہیوں نے جب یہ سنا کہ نباتہ بن حنظلہ عظیم الشان لشکر شام کے ساتھ جرجان میں پہنچ گیا ہے تو وہ خوفزدہ ہوئے' قحطبہ نے ان کو ایک پرجوش خطبہ دیا اور کہا کہ امام ابراہیم نے پیشگوئی کی ہے کہ تم لوگ ایک بڑی فوج کا مقابلہ کر کے اس پر فتح پاؤ گے' اس سے لشکریوں کے دل بڑھ گئے' آخر معرکۂ کارزار گرم ہوا' نباتہ بن حنظلہ معہ دس ہزار آدمیوں کے مارا گیا' قحطبہ کو فتح عظیم حاصل ہوئی' اس نے نباتہ بن حنظلہ کا سر کاٹ کر ابومسلم کے پاس بھیج دیا' یہ لڑائی شروع ماہ ذی الحجہ ۱۳۰ھ میں ہوئی' قحطبہ نے جرجان پر قبضہ کیا' تیس ہزار اہل جرجان کو قتل کر ڈالا۔

شکست جرجان کے بعد نصر بن سیار خوار الرائے کی طرف چلا آیا' وہاں کا امیر ابوبکر عقیلی تھا' یزید بن عمر ہبیرہ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے ایک بہت بڑا لشکر ابن غعلیف کی سرداری میں نصر بن سیار کی امداد کے لیے روانہ کیا' قحطبہ نے جرجان سے اپنے لڑکے حسن بن قحطبہ کو خوار الرائے کی طرف روانہ کیا اور عقب سے ایک لشکر ابو کامل اور ابوالقاسم صحرز بن ابراہیم اور ابوالعباس مروزی کی سرداری میں حسن کی امداد کے لیے روانہ کیا' لیکن جب یہ لوگ حسن کے لشکر کے قریب پہنچے تو ابو کامل اپنے ہمراہیوں سے جدا ہو کر نصر سے جا ملا اور اس کو حسن کے لشکر کی نقل وحرکت سے آگاہ کر دیا' آخر لڑائی ہوئی اور حسن بن قحطبہ کو شکست فاش حاصل ہوئی' نصر نے مال غنیمت اور فتح کا بشارت نامہ یزید بن عمر بن ہبیرہ کے پاس روانہ کیا یہ واقعہ محرم ۱۳۱ھ کا ہے ادہر سے نصر بن سیار کے قاصد مال غنیمت اور فتح کی خوشخبری لیے ہوئے جا رہے تھے' ادہر سے ابن غعلیف فوج لیے ہوئے آ رہا تھا' مقام رے میں دونوں کی ملاقات ہوئی' ابن غعلیف نے خط اور مال غنیمت لے لیا اور رے میں قیام کر دیا۔

نصر کو یہ خبر سن کر سخت ملال ہوا' جب نصر نے خود رے کا قصد کیا تو ابن غعلیف معہ فوج ہمدان کی جانب روانہ ہو گیا مگر ہمدان کو چھوڑ کر اصفہان چلا گیا' نصر دو روز تک رے میں مقیم رہا تیسرے روز بیمار ہو گیا' بیمار ہوتے ہی رے سے کوچ کر دیا' مقام سادہ میں پہنچا تھا کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱ھ کو فوت ہو گیا اس کے ہمراہی اس کی وفات کے بعد ہمدان چلے گئے۔

رے کا عامل حبیب بن یزید نہشلی تھا' نصر کی وفات کے بعد جب قحطبہ بن شبیب جرجان سے فوج لے کر رے کی طرف آیا تو حبیب بن یزید اور اہل شام جو اس کے پاس موجود تھے' بلا مقابلہ رے چھوڑ کر چل دیئے' قحطبہ نے رے پر قبضہ کیا اور اہل رے کے اموال واسباب ضبط کئے' رے کے اکثر مفرور ہمدان چلے گئے۔

قحطبہ نے رے سے ہمدان کی طرف اپنے بیٹے حسن کو روانہ کیا لیکن یہ لوگ ہمدان چھوڑ کر نہاوند کی جانب چلے گئے' حسن نے نہاوند پہنچ کر نہایت مضبوطی سے محاصرہ ڈال دیا۔ یزید بن عمر بن ہبیرہ نے ۱۲۹ھ میں اپنے بیٹے داؤد بن یزید کو عبداللہ بن معاویہ سے لڑنے کو بھیجا تھا' اور داؤد بن یزید کرمان تک ان کا مقابلہ کرتا ہوا چلا گیا تھا' داؤد کے ساتھ عامر بن صبارہ بھی تھا' یہ دونوں کرمان میں پچاس ہزار کی جمعیت سے مقیم تھے۔ جب یزید بن عمر بن ہبیرہ کو نباتہ بن حنظلہ کے مارے جانے کا حال معلوم ہوا تو اس نے داؤد اور ابن صبارہ کو لکھا کہ تم قحطبہ کے مقابلہ کو بڑھو' یہ دونوں پچاس ہزار فوج کے ساتھ کرمان سے روانہ ہوئے اور اصفہان جا پہنچے' قحطبہ نے ان کے مقابلہ کے لیے مقاتل بن حکیم

کہبی کو مامور کیا' اس نے مقام قم میں قیام کیا۔

ابن صبارہ نے یہ سن کر کہ حسن بن قحطبہ نے نہاوند کا محاصرہ کر رکھا ہے' نہاوند کے بچانے کا ارادہ کیا اور اس طرف روانہ ہوا اور مقاتل سے مل کر اور اس کو ہمراہ لے کر ابن صبارہ قحطبہ کے مقابلہ کو روانہ ہوا جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو قحطبہ کے ہمراہیوں نے ایسی جاں بازی سے حملہ کیا کہ ابن صبارہ کے لشکر کو ہزیمت ہوئی اور وہ خود بھی مارا گیا۔ یہ واقعہ ماہ رجب ۱۳۱ھ کا ہے۔

قحطبہ نے اس فتح کی خوشخبری اپنے بیٹے حسن کے پاس کہلا بھجوائی اور خود اصفہان میں بیس روز قیام کیا' پھر حسن کے پاس آ کر محاصرہ میں شریک ہو گیا' تین مہینے تک اہل نہاوند محاصرہ میں رہے' آخر نہاوند فتح ہو گیا اور بہت سے آدمی اہل نہاوند کے قتل کیے گئے' اس کے بعد قحطبہ نے حسن کو حلوان کی طرف روانہ کیا' حلوان بآسانی قبضہ میں آ گیا' پھر قحطبہ نے ابوعون عبدالملک بن یزید خراسانی کو شہر زور پر حملہ کرنے کو بھیجا' یہاں کا عامل عثمان بن سفیان تھا' اس کے مقدمۃ الجیش پر عبداللہ بن مروان بن محمد تھا' ابوعون اور عثمان کی آخری ذی الحجہ تک لڑائی ہوتی رہی' آخر عثمان مارا گیا' اس کی فوج کو شکست ہوئی' ابوعون عبدالملک نے بلاد موصل پر قبضہ کر لیا۔

جب عامر بن صبارہ مارا گیا تو داؤد بن یزید اپنے باپ کے پاس بھاگ آیا' داؤد بن یزید نے جب یزید بن عمر بن ہبیرہ کو اس شکست کا حال سنایا تو وہ ایک عظیم الشان لشکر لے کر چلا' خلیفہ مروان بن محمد نے بھی حوثرہ بن سہیل باہلی کو اس کی کمک کے لیے روانہ کیا' یزید بن عمر بن ہبیرہ معہ حوثرہ بن سہیل حلوان پہنچا' قحطبہ بھی یہ سن کو حلوان کی طرف چلا اور دجلہ کو انبار کی طرف عبور کیا' یزید بن عمر نے بھی کوفہ کی طرف مراجعت کی اور حوثرہ کو پندرہ ہزار کی جمعیت سے آگے کوفہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا' قحطبہ نے انبار سے ۸ محرم ۱۳۲ھ کو دریائے فرات عبور کیا۔

اس وقت ابن ہبیرہ دہانہ فرات پر ۲۳ فرسنگ[1] کے فاصلہ پر خیمہ زن تھا' ہمراہیوں نے اس کو رائے دی کہ کوفہ چھوڑ کر خراسان کا قصد کیجئے' قحطبہ مجبوراً کوفہ کا ارادہ ترک کر کے ہمارے تعاقب میں آئے گا' یزید بن عمر نے اس رائے سے اختلاف کر کے دجلہ کو مدائن سے عبور کیا اور دونوں لشکر بقصد کوفہ فرات کے دونوں جانب سفر کرنے لگے' فرات کے ایک پایاب مقام پر قحطبہ نے دریا کو عبور کیا' سخت لڑائی ہوئی' یزید بن عمر بن ہبیرہ کی فوج کو شکست ہوئی مگر قحطبہ بن شبیب بھی مارا گیا' قحطبہ جب معن بن زائدہ کے مارنے سے زخمی ہو کر گرا تو اس نے وصیت کی کہ کوفہ میں شیعان علی کی امارت قائم ہونی چاہئے اور ابوسلمہ کو امیر بنانا چاہئے۔ حوثرہ و یزید بن عمر بن ہبیرہ و ابن نباتہ بن حنظلہ واسط کی

[1] ایک فرسنگ' تین میل کے برابر ہوتا ہے۔

طرف بھاگے‘ قحطبہ کی فوج نے حسن بن قحطبہ کو اپنا سردار بنایا‘ اس واقعہ کی خبر کوفہ میں پہنچی تو محمد بن خالد قصر امارت میں داخل ہو کر قابض ہو گیا۔

اس واقعہ کا حال سن کر حوثرہ واسط سے کوفہ کی طرف لوٹا‘ محمد بن خالد قصر امارت میں محصور ہو گیا مگر حوثرہ کے ہمراہیوں نے دعوت عباسیہ کو قبول کر کے حوثرہ سے جدا ہونا شروع کیا‘ وہ مجبوراً واسط کی طرف واپس چلا گیا‘ محمد بن خالد نے اس واقعہ کی اطلاع اور اپنے قصر امارت میں قبضہ ہونے کی اطلاع ابن قحطبہ کو دی‘ حسن بن قحطبہ کوفہ میں داخل ہوا اور محمد بن خالد کو ہمراہ لے کر ابوسلمہ کے پاس حاضر ہوا اور ابوسلمہ کو بطور امیر منتخب کر کے بیعت کی‘ ابوسلمہ نے حسن بن قحطبہ کو ابن ہبیرہ کی جنگ کے لیے واسط کی طرف روانہ کیا اور محمد بن خالد کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا‘ اس کے بعد ابوسلمہ نے حمید بن قحطبہ کو مدائن کی طرف روانہ کیا اہواز میں عبدالرحمٰن بن عمر بن ہبیرہ امیر تھا‘ اس سے اور بسام سے جنگ ہوئی‘ عبدالرحمٰن شکست کھا کر بصرہ کی جانب بھاگا‘ بصرہ میں مسلم بن قتیبہ باہلی عامل تھا‘ بسام نے عبدالرحمٰن کو شکست دے کر بصرہ کی حکومت پر سفیان بن معاویہ بن یزید بن مہلب کو مامور کر کے بھیجا‘ ماہ صفر ۱۳۲ھ میں لڑائی ہوئی اور مسلم نے فتح پائی اور وہ بصرہ پر اس وقت تک قابض رہا جب تک کہ اس کے پاس یزید بن عمر کے مارے جانے کی خبر پہنچی‘ اس خبر کو سن کر وہ بصرہ سے نکل کھڑا ہوا‘ اور میدان خالی پا کر محمد بن جعفر نے خروج کر کے بصرہ پر قبضہ کیا‘ چند روز کے بعد ابو مالک عبداللہ بن اسید خزاعی ابومسلم کی طرف سے وارد بصرہ ہوا‘ ابوالعباس سفاح نے اپنی بیعت خلافت کے بعد سفیان بن معاویہ کو بصرہ کا عامل مقرر کیا۔

امام ابراہیم کی وفات کے وقت حمیمہ میں ان کے خاندان کے مندرجہ ذیل حضرات موجود تھے۔ ابوالعباس عبداللہ سفاح‘ ابوجعفر‘ اور عبدالوہاب یہ تینوں امام ابراہیم کے بھائی تھے‘ محمد بن ابراہیم‘ عیسیٰ بن موسیٰ‘ داؤد‘ عیسیٰ‘ صالح‘ اسماعیل‘ عبداللہ‘ عبدالصمد۔ یہ آخر الذکر شخص جو امام ابراہیم کے چچا تھے‘ امام ابراہیم نے گرفتاری سے پہلے اپنے بھائی ابوالعباس عبداللہ سفاح کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اور مرتے وقت ابوالعباس عبداللہ سفاح کے لیے وصیت کی تھی کہ کوفہ میں جا کر قیام کریں‘ چنانچہ اس وصیت کے موافق ابوالعباس عبداللہ سفاح معہ مذکورہ بالا اہل خاندان حمیمہ سے روانہ ہو کر کوفہ میں آیا‘ ابوالعباس جب کوفہ میں پہنچا ہے تو یہ زمانہ تھا کہ کوفہ میں ابوسلمہ کی حکومت قائم ہو چکی تھی‘ ابوسلمہ کوفہ میں امام ابراہیم کی طرف سے قائم مقام اور مرکز کوفہ میں تحریک کا مہتمم تھا‘ لیکن اب اس کی تمام تر کوششیں اولاد علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے میں صرف ہونے لگی تھیں‘ قحطبہ بن شبیب بھی اسی خیال کا آدمی تھا‘ لیکن چونکہ ابو ہاشم بن محمد نے وصیت کر دی تھی کہ محمد بن علی عباسی کو ان کی جماعت کے تمام آدمی اپنا پیشوا

تسلیم کریں اس لیے وہ اس آخری نتیجے کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا۔

جب ابوالعباس کے قریب پہنچنے کی خبر پہنچی تو ابوسلمہ معہ شیعان علی بغرض استقبال حمام اعین تک آیا اور ابوالعباس کو ولید بن سعد کے مکان پر ٹھہرایا اور کل شیعان علی و سپہ سالاران لشکر سے چالیس دن تک اس راز کو پوشیدہ رکھا' ابوسلمہ نے چاہا کہ آل ابی طالب میں سے کسی شخص کو خلیفہ منتخب کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے لیکن ابوجہم نے جو شیعان علی میں سے تھا اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ کہیں آل ابی طالب خلیفہ سے محروم نہ رہ جائیں اور لوگ ابوالعباس ہی کو خلیفہ تسلیم نہ کر لیں' اگر ابوالعباس امام ابراہیم کی وصیت کے موافق کوفہ میں نہ آ گیا ہوتا تو بہت زیادہ ممکن تھا کہ ابوسلمہ آل ابوطالب کو خلیفہ بنانے میں کامیاب ہو جاتا۔

ابوسلمہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگوں کو ابوالعباس کے آنے کی اطلاع ہو اور وہ اس کی طرف متوجہ ہونے لگیں' چنانچہ ابوسلمہ نے اس عرصہ میں امام جعفر صادق بن امام باقر بن امام زین العابدین بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ آپ کوفہ میں آیئے اور خلیفہ بن جایئے' انہوں نے جواب میں انکار کیا' اتفاقاً لوگوں کو ابوالعباس سفاح کے کوفہ میں آ جانے کی اطلاع ہو گئی' کوفہ میں اب دو قسم کے لوگ موجود تھے' ایک وہ جو آل عباس کی خلافت کے خواہاں تھے' دوسرے وہ جو آل ابی طالب کو خلیفہ بنانے کے خواہش مند تھے عباسیوں کے طرف داروں نے سنتے ہی ابوالعباس سفاح کے پاس آنا جانا شروع کیا اور ان کے ساتھ ہی شیعان علی بھی ان کے پاس آنے جانے لگے' جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ ابوسلمہ حاکم کوفہ نے جو وزیر اہل بیت کے لقب سے مشہور تھا ابوالعباس عبداللہ سفاح کے ساتھ مہمان نوازی کے لوازم و شرائط میں ادائیگی میں کوتاہی کی ہے تو بہت سے شیعان علی بھی عبداللہ سفاح کے ہمدرد و ہوا خواہ بن گئے' اور اس طرح ابوالعباس عبداللہ سفاح کی کوفہ کی موجودگی نے لوگوں کی توجہ اور ہمدردی کو اپنی طرف منعطف کر لیا۔

آخر ۱۲/ربیع الاول بروز جمعہ ۱۳۲ھ ۳۰/اکتوبر ۷۲۹ء کو لوگوں نے مجتمع ہو کر ابوالعباس عبداللہ سفاح کو اس کی جائے قیام سے ہمراہ لیا اور دارالامارۃ میں داخل ہوئے' عبداللہ سفاح دارالامارۃ سے جامع مسجد میں آیا' خطبہ دیا نماز جمعہ پڑھائی اور نماز جمعہ کے بعد پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا اور لوگوں سے بیعت لی' یہ خطبہ نہایت فصیح و نصیح تھا' اس میں اپنے آپ کو مستحق خلافت ثابت کیا اور لوگوں کے وظائف بڑھانے کا وعدہ کیا' اہل کوفہ کی ستائش کی۔

اس خطبہ کے بعد عبداللہ سفاح کے چچا داؤد نے منبر پر چڑھ کر تقریر کی اور بنو عباس کی خلافت کے متعلق مناسب الفاظ بیان کر کے بنوامیہ کی مذمت کی اور لوگوں سے بیان کیا کہ آج امیر المومنین

عبداللہ سفاح کسی قدر بخار و اعضاء شکنی کی تکلیف میں مبتلا ہیں اس لیے زیادہ بیان نہ کر سکے' آپ سب لوگ ان کے لیے دعا کریں۔

اس کے بعد ابوالعباس عبداللہ سفاح قصر امارت کی طرف روانہ ہوا اور اس کا بھائی ابوجعفر منصور مسجد میں بیٹھا ہوا رات تک لوگوں سے بیعت لیتا رہا' ابوالعباس عبداللہ سفاح بیعت خلافت لینے کے بعد قصر امارت میں گیا' پھر وہاں سے ابوسلمہ کے خیمہ میں جا کر اس سے ملاقات کی' ابوسلمہ نے بھی بیعت تو کر لی مگر وہ دل سے اس بیعت اور عباسیوں کی خلافت پر رضامند نہ تھا۔

عبداللہ سفاح نے مضافات کوفہ کی نیابت اپنے چچا داؤد کو دی اور اپنے دوسرے چچا عبداللہ بن علی کو ابوعون کی کمک کے لیے روانہ کیا' اور اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو حسن بن قحطبہ کی مدد کے لیے بھیجا جو واسط کا محاصرہ کیے ہوئے پڑا تھا اور ابن ہبیرہ کو محصور کر رکھا تھا' اور یحییٰ بن جعفر بن تمام بن عباس کو حمید بن قحطبہ کی امداد پر مدائن کی طرف روانہ کیا' اسی طرح سرداروں کو ہر طرف متعین و مامور کیا۔

ابومسلم خراسان ہی میں موجود تھا اور وہ خراسان کو جلد از جلد دشمنوں سے صاف کر رہا تھا' عبداللہ سفاح کوفہ میں خلیفہ ہو کر ہر ایک اہم معاملہ میں ابومسلم کا مشورہ طلب کرتا تھا اور جیسے ابومسلم لکھتا تھا اسی کے موافق عمل درآمد کرتا تھا۔

یہ زمانہ تمام عالم اسلامی میں بڑا نازک اور خطرناک زمانہ تھا' ہر ایک ملک اور ہر ایک صوبہ میں جابجا لڑائیاں اور فسادات برپا تھے' واسط میں ابن ہبیرہ کو مغلوب کرنا آسان نہ تھا' ادھر مروان بن محمد اموی خلیفہ شام میں موجود تھا' حجاز میں بھی طوائف الملوکی برپا تھی' مصر کی حالت بھی خراب تھی' اندلس میں عباسی تحریک کا کوئی مطلق اثر نہ تھا' جزیرہ و آرمینیا میں اموی سردار موجود تھے اور عباسیوں کے خلاف تحریک پر آمادہ ہو گئے تھے' خراسان بھی پورے طور پر قابو میں نہ آیا تھا' بصرہ میں بھی عباسی حکومت قائم نہ ہو سکتی تھی' حضرموت و یمامہ و یمن کی بھی یہی حالت تھی۔

عبداللہ سفاح کے خلیفہ ہوتے ہی آل ابی طالب یعنی علویوں میں جو اب تک شریک کار تھے ایک ہلچل سی پیدا ہو گئی تھی اور وہ اس نتیجہ پر حیران اور ناراض تھے کیونکہ ان کو اپنی خلافت کی توقع تھی' عباسیوں کی اس کامیابی میں سب سے بڑا دخل محمد بن حنفیہ کے بیٹے ابوہشام عبداللہ کی اس وصیت کو ہے جو انہوں نے مرتے وقت محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے حق میں کی تھی' اس وصیت کی وجہ سے شیعوں کے فرقہ کیسانیہ[1] کا یہ عقیدہ قائم ہوا کہ سیدنا علی ابی طالب کے بعد محمد بن حنفیہ امام تھے' ان کے

---

[1] اس فرقہ کے لوگ محمد بن حنفیہ کو جو علی رضی اللہ عنہ کی غیر فاطمی اولاد تھے' اپنا امام مانتے ہیں اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ انہوں نے بصرہ میں اپنی امامت کا اعلان کیا تھا۔ (غنیۃ الطالبین' شیخ عبدالقادر جیلانی' ص ۲۰۰)

بعد انکے بیٹے ابو ہشام عبداللہ امام ہوئے' ان کے بعد محمد بن علی عباسی ان کے جانشین اور امام تھے' اس طرح شیعوں کی ایک بڑی جماعت شیعوں سے کٹ کر عباسیوں میں شامل ہو گئی اور علویوں یا فاطمیوں کو کوئی موقع عباسیوں کے خلاف کھڑے ہونے کا نہ مل سکا' وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔

جب مروان بن محمد آخری اموی خلیفہ مارا گیا تو حبیب بن مرہ حاکم بلقاء نے عبداللہ سفاح کے خلاف خروج کیا اور سفید جھنڈے لے کر نکلا' ادھر عامل قنسرین بھی اٹھ کھڑا ہوا حالانکہ اس سے پہلے وہ عبداللہ بن علی عباسی کے ہاتھ پر بیعت کر چکا تھا' اہل حمص بھی اس کے شریک ہو گئے' ادھر آرمینیا کے گورنر اسحاق بن مسلم عقیلی نے عباسیوں کے خلاف خروج کیا' ان تمام بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے عبداللہ سفاح نے اپنے سرداروں اور رشتہ داروں کو بھیجا اور بتدریج کامیابی حاصل کی' لیکن یزید بن عمر بن ہبیرہ ابھی تک واسط پر قابض و متصرف تھا اور کوئی سردار اس کو مغلوب و مفتوح نہ کر سکا تھا' آخر مجبور ہو کر یزید بن عمر بن ہبیرہ سے ابو جعفر منصور اور عبداللہ سفاح نے جا کر صلح کی اور یزید بن عمر بیعت پر آمادہ ہوا لیکن ابو مسلم نے خراسان سے عبداللہ بن سفاح کو لکھا کہ یزید بن عمر کا وجود بے حد خطرناک ہے اس کو قتل کر دو' چنانچہ دھوکہ سے منصور عباسی نے اس کو قتل کرا دیا اور اس خطرہ سے نجات حاصل کی۔

اب کوفہ میں ابو مسلمہ باقی تھا اور بظاہر کوئی موقع اس کے قتل کا حاصل نہ تھا کیونکہ عباسی اس ابتدائی زمانہ میں شیعان علی کی مخالفت اعلانیہ نہیں کرنا چاہتے تھے' ابو سلمہ کے متعلق تمام حالات لکھ کر ابو مسلم کے پاس خراسان بھیجے گئے اور اس سے مشورہ طلب کیا گیا' ابو مسلم نے لکھا کہ ابو سلمہ کو فوراً قتل کرا دینا چاہیے' اس پر عبداللہ سفاح نے اپنے چچا داؤد بن علی کے مشورہ سے ابو مسلم کو لکھا کہ اگر ہم اس کو قتل کریں گے تو ابو سلمہ کے طرف داروں اور شیعان علی کی جانب سے اعلانیہ مخالفت اور بغاوت کا خطرہ ہے' تم وہاں سے کسی شخص کو بھیج دو جو ابو سلمہ کو قتل کر دے' ابو مسلم نے مراد بن انس کو ابو سلمہ کے قتل پر مامور کر کے بھیج دیا' مراد نے کوفہ میں آ کر ایک روز کوفہ کی کسی گلی میں جب کہ ابو سلمہ جا رہا تھا اس پر تلوار کا وار کیا' ابو سلمہ مارا گیا' مراد بن انس بھاگ گیا اور لوگوں میں مشہور ہوا کہ کوئی خارجی ابو سلمہ کو قتل کر گیا۔

اس قتل کے بعد ابو مسلم نے اسی طرح سلیمان بن کثیر کو بھی قتل کرا دیا یہ وہی سلیمان بن کثیر ہے جس نے ابو مسلم کو شروع میں وارد خراسان ہونے پر واپس کرا دیا تھا اور ابو داؤد نے ابو مسلم کو راستے سے واپس بلایا تھا' غرض ابو مسلم نے چن چن کر ہر ایک اس شخص کو جو اس کی مخالفت کر سکتا تھا قتل کرا دیا۔

بنو امیہ کا عباسیوں کے ہاتھ سے قتل عام

خلافت اسلامیہ کو جو قوم یا خاندان وراثتاً اپنا حق سمجھے وہ سخت غلطی اور ظلم میں مبتلا ہے' بنو امیہ نے اگر حکومت اسلامی کو اپنی ہی قوم اور خاندان میں باقی رکھنا چاہا تو یہ ان کی غلطی تھی' بنو عباس' بنو ہاشم

اگر اس کو اپنا خاندانی حق سمجھتے تھے تو یہ ان کی بھی (غلطی و ناانصافی تھی) مگر چونکہ دنیا میں عام طور پر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں لہٰذا سلطنت اور حکومت میں بھی حق وراثت کو جاری سمجھا جاتا ہے' اس بنا پر جو شخص کسی غاصب سلطنت سے اپنا حق سلطنت واپس چھینتا ہے وہ اکثر قتل و تشدد سے کام لیا کرتا ہے' لیکن اس قتل و تشدد کو بنو عباس نے بنو امیہ کے حق میں جس طرح روا رکھا ہے اس کی مثال کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔

ہاں تاریخی زمانہ سے گزر کر اگر نیم تاریخی حکایات کو قابل اعتنا سمجھا جائے تو بخت نصر نے بنی اسرائیل کے قتل کرنے میں بڑی سفاکی و بیباکی سے کام لیا تھا اور بنی اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہا تھا' مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی قوم آج تک دنیا میں موجود ہے' اس سے بھی بڑھ کر ہندوستان میں آریوں نے غیر آریوں پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی مگر کوہ ہمالیہ و بندھیاچل کے جنگلوں اور راجپوتانہ کے ریگستانوں نے غیر آریوں کی نسلوں کو اپنے آغوش میں چھپائے رکھا اور ہندوؤں کی شودر قوموں کی صورت میں وہ آج بھی ہندوستان کی آبادی کا ایک قابل تذکرہ حصہ سمجھے جاتے ہیں۔

ہندوستان کے آریہ بھی ایرانی و خراسان لوگ تھے' عباسیوں کے خراسانی سپہ سالار بھی بنو امیہ کے قتل و غارت میں عباسیوں کو ایسے مظالم اور ایسے تشدد پر آمادہ کر سکے کہ ہندوستان کے غیر آریوں کی مظلومی کے افسانے درست نظر آنے لگے۔

دنیا کی خفیہ انجمنوں کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان خفیہ سازشوں کو کامیاب بنانے والے حد سے زیادہ قتل و خونریزی اور مظالم و بے رحمی کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔

خاندان بنو امیہ سے خلافت اسلامیہ کو نکالنا کوئی جرم نہ تھا لیکن خاندان بنو امیہ سے خلافت اسلامیہ کو نکال کر ایک دوسرے خاندان کو اسی طرح خلافت اسلامیہ کے سپرد کر دینا ہرگز کوئی خوبی کی بات نہ تھی' اسلام اور عالم اسلام کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا لہٰذا بنو عباس کو نہایت ہی قابل شرم خونریزی اور قتل و غارت کا ارتکاب کرنا پڑا۔

ابو مسلم اور قحطبہ بن شبیب اور دوسرے نقباء اہل بیت نے خراسان کے شہروں میں جس قدر قتل عام کا بازار گرم کیا اس کا کچھ تھوڑا تھوڑا تذکرہ اوپر کے صفحات میں آ چکا ہے' امام ابراہیم نے خود ابو مسلم کو اپنے آخری خط میں تاکیدی طور پر لکھا تھا کہ خراسان میں کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ رکھنا' اس سے بھی ان کا مدعا یہی تھا کہ بنو امیہ کے طرفدار لوگ خراسان میں وہی عربی قبائل تھے جو فاتحانہ خراسان میں سکونت پذیر تھے' جبکہ باشندگان خراسان کو جو نو مسلم تھے وہ سب کے سب دعوت عباسیہ کے معمول بن سکتے تھے۔

لٰہذا ابو مسلم نے اموی اثر ورسوخ اور باقیات کو ختم کرنے کے لیے عرب لوگ قتل کرائے اور نتیجہ یہ ہوا کہ ملک خراسان میں جو کثیر التعداد عربی قبائل پہنچ کر اس ملک کی زبان' معاشرت' تمدن کو عربی بنانے میں کامیابی حاصل کر رہے تھے سب کے سب قتل ہو گئے اور عربی عنصر جو تمام ملک کو اپنا ہم رنگ بنا رہا تھا یک لخت مغلوب و بے اثر و ناپید ہو گیا' جس کی وجہ سے ایرانی زبان و تمدن' ایرانی معاشرت' ایرانی اخلاق مرتے مرتے پھر زندہ ہو گئے اور ایران و خراسان جو مصر کی طرح سے آج عربی ملک ہوتے پھر فارسی ملک بن گئے۔

ابو مسلم خود خراسانی اور ایرانی النسل تھا' اس کو عربوں کے قتل سے زیادہ دوسرا دلچسپ کام نہیں ہو سکتا تھا' قومی تعصب جس کو اسلام نے بالکل مٹا دیا تھا' عہد بنو امیہ میں پھر عود کر آیا تھا' اور اسی قومی عصبیت اور قبائلی افتراق کے واپس آ جانے کا نتیجہ تھا کہ بنو امیہ نے جس طرح تمام عربی قبائل بالخصوص بنو ہاشم کو مجبور بنا دیا تھا' اس لیے وہ ہر ایک شخص کو جس کی نسبت انہیں معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ قبیلہ بنوامیہ سے تعلق رکھتا ہے نہایت خوف اور دہشت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اب انہوں نے قابو پاتے ہی اپنی تمام قوت اس خوف و خطر سے محفوظ رہنے کے لیے صرف کر دی اور مصمم ارادہ کر لیا کہ اس قبیلہ کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے۔

عبداللہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علی جب ۵ رمضان ۱۳۲ھ کو دمشق میں داخل ہوا ہے تو اس نے قتل عام کا حکم دیا' جب آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد بوصیر میں قتل ہو چکا تو عباسیوں کے لیے سب سے ضروری کام بنوامیہ کا استیصال تھا' لیکن خلافت بنوامیہ کے قصر رفیع کو منہدم کرنے کے کام میں بعض بنوامیہ بھی عباسیوں کے شریک ہو گئے تھے اور فاتح عباسیوں کے ساتھ عزت و تکریم کے ساتھ رہتے تھے...... اسی طرح بنوامیہ کی نسل کا تخم سوخت ہونا ممکن نہ تھا' لیکن ابو مسلم اس کام پر کمر ہمت چست باندھ چکا تھا' اس نے عبداللہ سفاح اور عباسی سرداروں کو بار بار لکھا کہ بنوامیہ کے کسی فرد کو چاہے وہ کیسا ہی ہو' ہمدرد اور بہی خواہ کیوں نہ ہو' ہرگز زندہ نہ چھوڑا جائے لیکن اس مشورے پر عمل نہ ہوا کیونکہ بعض ایسے افراد تھے جنہوں نے بڑی بڑی جمعیت کے ساتھ عین نازک و خطرناک موقعوں پر عباسیوں کی شرکت اور اموی خلیفہ کی بغاوت اختیار کر کے نہایت اہم امداد پہنچائی تھی ان کو قتل کرنے سے انسانی شرافت مانع تھی۔

ابو مسلم نے یہ اہتمام کیا کہ شاعروں اور مصاحبوں کو جو عباسی خلیفہ اور عباسی سپہ سالاروں کے دربار میں آمد و رفت رکھتے تھے رشوتیں بھیج بھیج کر اور اپنی طرف سے لوگوں کو یہ تعلیم دے کر روانہ کیا کہ دربار میں جا کر ایسے اشعار پڑھیں اور ایسی باتیں کریں جس سے بنوامیہ کی نسبت عباسیوں کا غصہ

بھڑکے اور ان کی طبیعت میں انتقام اور قتل کے لیے اشتعال پیدا ہو' چنانچہ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباسیوں نے چن چن کر ہر ایک بنوامیہ کو قتل کر دیا' سفاح نے سلیمان بن ہشام بن عبدالملک کو سر دربار ایک ایسے ہی شاعر کے اشتعال انگیز اشعار سن کر بلا توقف قتل کرا دیا' حالانکہ سلیمان بن ہشام عبداللہ سفاح کی مصاحبت میں موجود اور اس کا بڑا ہمدرد تھا۔

عبداللہ بن علی جن دنوں فلسطین کی طرف تھا وہاں نہر ابی فطرس کے کنارے دستر خوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور اسی (۸۰) نوے (۹۰) بنوامیہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک تھے' اسی اثناء میں شبل بن عبداللہ آ گیا' اس نے فوراً اپنے اشعار پڑھنے شروع کیے جن میں بنوامیہ کی مذمت اور امام ابراہیم کے قید ہونے کا ذکر کر کے بنوامیہ کے قتل کی ترغیب دی گئی تھی' عبداللہ بن علی (عبداللہ سفاح کے چچا) نے اسی وقت حکم دیا کہ ان سب کو قتل کر دو' اس کے خادموں نے فوراً قتل کرنا شروع کیا' ان میں بہت سے ایسے تھے جو بالکل مر گئے تھے' بعض ایسے بھی تھے کہ وہ زخمی ہو کر گر پڑے تھے مگر ابھی ان میں دم باقی تھا' عبداللہ بن علی نے ان سب مقتولوں اور زخمیوں کی لاشوں کو برابر لٹا کر ان کے اوپر دستر خوان بچھوایا اس دستر خوان پر کھانا چنا گیا اور عبداللہ بن علی معہ ہمراہیوں کے پھر اس دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں مصروف ہوا' یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے اور ان کے نیچے وہ زخمی جو ابھی مرے نہیں تھے کراہ رہے تھے حتیٰ کہ یہ کھانا کھا چکے اور وہ سب کے سب مر گئے۔

ان مقتولوں میں محمد بن عبدالملک' معز بن یزید' عبدالواحد بن سلیمان' سعید بن عبدالملک' ابوعبیدہ بن ولید بن عبدالملک بھی تھے' بعض کا بیان ہے کہ ابراہیم معزول خلیفہ بھی ان ہی میں شامل تھا۔

اس کے بعد عبداللہ بن علی بن عباس نے ...... خلفائے بنوامیہ کی قبروں کو آ کر کھدوایا' عبدالملک کی قبر سے اس کی کھوپڑی برآمد ہوئی' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قبر میں سے کچھ نہ نکلا' بعض قبروں سے بعض اعضاء برآمد ہوئے' باقی سب مٹی بن چکے تھے' ہشام بن عبدالملک کی قبر کھودی گئی تو صرف ناک کی اونچائی جاتی رہی تھی' باقی تمام لاش صحیح سالم نکلی[۱] عبداللہ بن علی نے اس لاش کو کوڑے لگوائے' پھر اس کو صلیب پر چڑھایا' پھر جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی۔

عبداللہ بن علی کے بھائی سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس نے بصرہ میں بنوامیہ کے ایک گروہ کو قتل کر کے لاشوں کو راستے میں پھنکوا دیا اور دفن کرنے کی ممانعت کر دی' ان لاشوں کو مدتوں کتے

---

۱ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ (ابوداؤد' کتاب الوتر' حدیث ۱۵۳۱۔ نسائی' کتاب الجمعہ' حدیث ۱۳۷۷۔ ابن ماجہ' کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیھا' حدیث ۱۰۸۴' حدیث صحیح الالبانی رحمہ اللہ)

کھاتے رہے، عبداللہ بن علی کے دوسرے بھائی یعنی سفاح کے چچا داؤد بن علی نے مکہ و مدینہ اور حجاز و یمن میں چن چن کر ایک ایک اموی کو قتل کرا دیا اور بنو امیہ میں سے کسی کا نام و نشان باقی نہ رکھا۔

غرض تمام ممالک محروسہ میں حکم عام جاری کر دیا گیا کہ جہاں کوئی بنو امیہ نظر آئے اس کو بلا دریغ قتل کر دیا جائے، ولایتوں کے والی اور شہروں کے حاکم جو عموماً عباسی تھے اپنی اپنی جگہ اسی تجسس میں مصروف رہنے لگے کہ کہیں کسی بنو امیہ کا پتہ چلے اور اس کو قتل کیا جائے، یہاں تک کہ جس طرح کسی درندے کا شکار کرنے کے لیے لوگ گھر سے نکلتے ہیں اسی طرح بنو امیہ کا شکار کرنے کے لیے روزانہ لوگ گھروں سے نکلتے تھے، بنو امیہ کے لیے کوئی مکان، کوئی گاؤں، کوئی قصبہ، کوئی شہر جائے امن نہ رہا اور برسوں ان کو تلاش کر کے عباسی لوگ قتل کرتے رہے۔[1]

خراسان میں ابو مسلم نے یہ کام اور بھی زیادہ اہتمام و ہمت کے ساتھ انجام دیا تھا، اس نے نہ صرف بنو امیہ بلکہ ان لوگوں کو بھی جنہوں نے کبھی نہ کبھی بنو امیہ کی حمایت یا کوئی خدمت انجام دی تھی قتل کرا دیا، اس قتل عام میں بچ بچ کر جو لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ کر جا سکے انہوں نے اپنے بھیس بدل بدل کر نام اور قوم دوسری بتا بتا کر ہر جگہ سرحدوں کی طرف رخ کیا۔

خراسان کے صوبوں اور ولایتوں میں چونکہ یہ قتل عام بہت زیادہ سخت و شدید تھا، یہاں جو بنو امیہ اور ان کے ہمدرد قبائل تھے وہ سندھ، کوہ سلیمان اور کشمیر کی طرف بھاگ کر پناہ گزین ہوئے، جن لوگوں نے اپنے قبیلوں کے نام بدل دیئے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ اسلامی حدود سے باہر نکل آئے، کیونکہ ان کو سلطنت عباسیہ کی حدود میں اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ مفرور عربی قبائل جو سندھ و کشمیر و پنجاب وغیرہ کی طرف بھاگ کر آئے تھے کہا جاتا ہے کہ ان کی نسلیں آج تک ہندوستان میں موجود ہیں اور اپنے بدلے ہوئے ناموں اور پیشوں کی وجہ سے اپنے عربی نژاد ہونے کو بھول گئی ہیں۔

بنو امیہ کا ایک شخص عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام شکار ہوتے ہوتے بال بال بچ گیا اور فرار ہو کر مصر و قیروان ہوتا ہوا اندلس میں پہنچ گیا، اندلس چونکہ دعوت عباسیہ کے اثر سے نسبتاً پاک تھا اور وہاں بنو امیہ کے ہوا خواہ بکثرت موجود تھے، لہٰذا اندلس پہنچتے ہی اس ملک پر قابض ہو گیا اور ایک ایسی سلطنت و خلافت قائم کرنے میں کامیاب ہوا جس کو عباسی خلفاء ہمیشہ رشک کی نگاہوں سے دیکھتے رہے اور اس اموی سلطنت کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

---

[1] گویا عصبیت کی انتہا ہو گئی تھی کہ بنو امیہ کو درندوں کی طرح شکار کیا جاتا تھا۔ یہ عباسیوں کی جاہلانہ سوچ تھی۔ جبکہ حدیث نبوی ﷺ میں عصبیت کی طرف بلانے والے کی اسی حالت میں موت کو جاہلیت کی موت کہا گیا ہے۔

باب : ۳

خلافت عباسیہ

ابوالعباس عبداللہ سفاح

ابوالعباس عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم سنہ ۱۰۴ھ میں بمقام حمیمہ علاقہ بلقاء میں پیدا ہوا۔ وہیں پرورش پائی۔ اپنے بھائی ابراہیم امام کا جانشین ہوا۔ اپنے بھائی منصور سے عمر میں چھوٹا تھا۔ ابن جریر طبری کا قول ہے کہ جس روز سے نبی اکرم ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تمہاری اولاد میں خلافت آئے گی' اسی وقت سے اولاد عباس خلافت کی امیدوار چلی آتی تھی۔[1]

عبداللہ سفاح خون ریزی' سخاوت' حاضر جوابی' تیز فہمی میں ممتاز تھا۔ سفاح کے عمال بھی خون ریزی میں مشاق تھے۔ سفاح نے اپنے چچا داؤد کو پہلے کوفہ کی حکومت پر مامور کیا پھر اس کو حجاز' یمن اور یمامہ کی امارت پر مامور کیا اور کوفہ پر اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد کو مقرر کیا۔

جب سنہ ۱۳۳ھ میں داؤد کا انتقال ہو گیا تو سفاح نے اپنے ماموں یزید بن عبیداللہ بن عبدالمدان حارثی کو حجاز و یمامہ کی اور محمد بن یزید بن عبداللہ بن عبدالمدان کو یمن کی گورنری پر مامور کیا۔ سنہ ۱۳۲ھ میں سفیان بن عیینہ بلبی کو بصرہ کا عامل بنایا گیا تھا۔ سنہ ۱۳۳ھ میں اس کو معزول کر کے اس کی جگہ اپنے چچا سلیمان بن علی کو سند حکومت عطا کی اور بحرین و عمان بھی اسی کی حکومت میں شامل

---

[1] یہ بنو عباس کے ہم خیال لوگوں کی گھڑی ہوئی روایت لگتی ہے' واللہ اعلم۔ جبکہ صحیح بخاری' کتاب المغازی' حدیث ۴۴۴۷ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت میں عباس رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ مجھے تو ایسے آثار نظر آ رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس مرض سے صحت یاب نہ ہو سکیں گے۔ آؤ ہم نبی ﷺ کے پاس چل کر پوچھتے ہیں کہ آپ کے بعد خلافت کسے ملے گی؟...... لیکن علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر ہم نے اس وقت نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا اور نبی ﷺ نے انکار فرما دیا تو لوگ ہمیں ہمیشہ کے لیے اس سے محروم کر دیں گے۔ میں تو نبی ﷺ سے اس کے متعلق ہرگز کچھ نہیں پوچھوں گا۔

کر دیے۔ سنہ ۱۳۲ھ میں سفاح کا چچا اسماعیل بن علی اہواز کا' دوسرا چچا عبداللہ بن علی شام کا' ابوعون عبدالملک بن یزید مصر کا' ابومسلم خراسانی خراسان اور جبال کا گورنر اور خالد بن برمک دیوان الخراج یعنی محکمہ مال گزاری کا افسر تھا۔ سنہ ۱۳۳ھ میں ابومسلم نے اپنی طرف سے محمد بن اشعث کو فارس کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا۔ اسی زمانہ میں سفاح نے اپنے چچا عیسیٰ بن علی کو فارس کی سند گورنری دے کر بھیجا۔ محمد بن اشعث پہلے پہنچ چکا تھا۔ جب عیسیٰ بن علی پہنچا تو محمد بن اشعث نے اول اس کو فارس کی حکومت سپرد کرنے سے انکار کیا' پھر یہ اقرار لے کر کہ کبھی منبر پر خطبہ نہ دے گا اور جہاد کے سوا کبھی تلوار نہ اٹھائے گا' اس کو فارس کی حکومت سپرد کر دی مگر حقیقتاً خود ہی حاکم رہا۔ جب محمد بن اشعث فوت ہو گیا تو سفاح نے اپنے چچا اسماعیل بن علی کو فارس کی حکومت پر بھیجا اور محمد بن صول کو موصل کی حکومت پر بھیجا۔ اہل موصل نے محمد بن صول کو نکال دیا۔ یہ لوگ بنوعباس سے منحرف تھے۔ سفاح نے ناراض ہو کر اپنے بھائی یحییٰ بن محمد بن علی کو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ یحییٰ بن محمد نے موصل پہنچ کر قصر امارت میں قیام کیا اور اہل موصل کے بارہ سربرآوردہ آدمیوں کو دھوکے سے بلا کر قتل کر دیا۔ اہل موصل میں اس سے سخت اشتعال پیدا ہوا اور وہ جنگ کرنے پر تیار ہو گئے۔ یحییٰ نے یہ حالت دیکھ کر منادی کرادی کہ جو شخص جامع مسجد میں چلا آئے گا' اس کو امان دی جائے گی۔ یہ سن کر لوگ جامع مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔

جامع مسجد کے دروازوں پر یحییٰ نے اپنے آدمیوں کو کھڑا کر رکھا تھا۔ جو جامع مسجد کے اندر جاتا تھا' قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح گیارہ ہزار آدمی قتل کیے گئے' پھر شہر میں قتل عام کیا گیا۔ رات ہوئی تو یحییٰ کے کان میں ان عورتوں کے رونے کی آواز آئی جن کے شوہر' باپ' بھائی اور بیٹے ظلماً قتل کر دیے گئے تھے۔ صبح ہوتے ہی یحییٰ نے حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دیا جائے۔ تین روز تک فوج کو اہل شہر کا خون مباح کر دیا گیا۔ اس حکم کو سنتے ہی شہر میں بڑی شدت سے قتل عام جاری ہو گیا۔

یحییٰ کے لشکر میں چار ہزار زنگی بھی تھے۔ زنگیوں نے عورتوں کی عصمت دری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ہزارہا عورتوں کو پکڑ پکڑ کر لے گئے۔ چوتھے روز یحییٰ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کی سیر کے لیے نکلا۔ ایک عورت نے ہمت کر کے یحییٰ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا کہ کیا تم بنو ہاشم نہیں ہو؟ کیا تم رسول اللہ ﷺ کے چچا کے لڑکے نہیں ہو؟ کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ مومنات و مسلمات سے زنگیوں نے جبراً نکاح کر لیا ہے؟

یحییٰ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور چلا گیا۔ اگلے دن زنگیوں کو تنخواہ تقسیم کرنے کے بہانے

سے بلایا۔ جب تمام زنگی جمع ہو گئے تو سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔
سفاح کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے اسماعیل بن علی کو موصل بھیج دیا اور یحییٰ کو فارس کی حکومت پر تبدیل کر دیا۔

سنہ ۱۳۳ھ میں قیصر روم نے لمطیہ اور قالیقلا مسلمانوں سے بہ زور شمشیر فتح کر لیے۔ اسی سنہ میں یزید بن عبیداللہ بن عبدالمدان نے مدینہ سے ابراہین بن حبان سلمی کو یمامہ کی طرف فوج دے کر روانہ کیا۔ وہاں مثنیٰ بن زید بن عمر بن ہبیرہ اپنے باپ کے زمانے سے حاکم تھے۔ اس نے ابراہیم کا مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ اسی سال بخارا میں شریک بن شیخ مہری نے ابومسلم کے خلاف خروج کیا اور تیس ہزار سے زیادہ لوگ جمع کر لیے۔ ابومسلم نے زیاد بن صالح خزاعی کو شریک کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ شریک نے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ ابومسلم نے ذوالحجہ سنہ ۱۳۳ھ میں ابوداؤد خالد بن ابراہیم کو بلاد ختل پر چڑھائی کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جبش میں شبل بادشاہ ختل کو شکست ہوئی' وہ بھاگ کر فرغانہ ہوتا ہوا ملک چین چلا گیا۔ اسی زمانہ میں اخشید' فرغانہ اور شاش کے بادشاہوں کے خلاف ایک لاکھ فوج بھیج دی۔ ابومسلم نے زیاد بن صالح کو اس طرف روانہ کیا۔ چینی فوج سے زیاد بن صالح کا مقابلہ نہر طراز پر ہو گیا۔ پچاس ہزار چینی قتل ہوئے اور بیس ہزار مسلمانوں نے گرفتار کر لیے۔

سنہ ۱۳۴ھ میں بسام بن ابراہیم نے جو خراسان کا ایک نامور سپہ سالار تھا' علم بغاوت بلند کیا اور مدائن پر قابض ہو گیا۔ سفاح نے خازم بن خزیمہ کو بسام کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ خازم نے بسام کو شکست فاش دی اور میدان جنگ سے بھگا دیا۔ اس کے بعد سفاح نے خازم کو عمان کی طرف خارجیوں سے لڑنے کے لیے روانہ کیا۔ وہاں اس نے خارجیوں کو شکست دے کر ان کے سردار کو قتل کر دیا۔ اسی سال ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے اہل کش پر فوج کشی کی اور کش کے بادشاہ کو جو ذمی تھا' قتل کر ڈالا اور اس کے سر کو ابومسلم کے پاس سمرقند میں بھیج دیا اور مقتول بادشاہ کے بھائی طازان کو تخت نشین کر کے بلخ لوٹ آیا۔ ابومسلم نے اسی زمانہ میں اہل صغد اور اہل بخارا کا قتل عام کیا اور بخارا و سمرقند کا حاکم زیاد بن صالح کو بنا کر اور شہر سمرقند کی شہر پناہ بنانے کا حکم دے کر مرو کو واپس آیا۔ ان واقعات کے بعد سفاح کے پاس خبر پہنچی کہ منصور بن جمہور نے سندھ میں بغاوت و عہد شکنی اختیار کی ہے (یہ منصور بن جمہور وہی ہے جو دو مہینے یزید الناقص کے عہد میں گورنر عراق و خراسان بھی رہ چکا تھا اور عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کے ساتھیوں میں سے تھا۔ جب عبداللہ بن معاویہ کو اصطخر کے قریب داؤد بن یزید بن عمر بن ہبیرہ اور معن بن زائدہ کے مقابلہ میں شکست فاش حاصل ہوئی تو منصور بن جمہور سندھ کی طرف بھاگ کر چلا آیا تھا اور عبداللہ بن معاویہ ہرات پہنچ کر مالک بن ہیثم خزاعی والی ہرات کے ہاتھ

سے ابو مسلم کے حکم کے موافق قتل ہوئے تھے)۔ سفاح نے اپنے افسر پولیس موسیٰ بن کعب کو سندھ کی طرف روانہ کیا اور اس کی جگہ مسیب بن زہیر کو مقرر کیا۔ موسیٰ اور منصور سے سرحد ہند پر مقابلہ ہوا۔ منصور کے ہمراہ بارہ ہزار فوج تھی مگر موسیٰ سے شکست کھا کر بھاگا اور ریگستان میں شدت تشنگی سے مر گیا۔ منصور کے گورنر نے جو سندھ میں تھا' یہ سن کر مع اہل و عیال اور اموال بلاد خرز کی طرف کوچ کیا۔ اسی سال یعنی ذوالحجہ سنہ ۱۳۴ھ میں سفاح مقام انبار میں آیا اور اسی مقام کو دارالخلافہ بنایا۔

سنہ ۱۳۵ھ میں زیاد بن صالح نے جو ابو مسلم کی طرف سے سمرقند و بخارا کا عامل تھا' بغاوت اختیار کی۔ ابو مسلم یہ سن کر مرو سے روانہ ہوا اور ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے زیاد کی بغاوت کا حال سن کر نصر بن راشد کو ترمذ کی طرف بھیج دیا کہ ترمذ کو زیاد سے دست برد سے بچائے۔ نصر بن راشد ترمذ پہنچا ہی تھا کہ چند لوگوں نے طالقان سے نکل کر اس کو مار ڈالا۔ ابوداؤد نے یہ سن کر عیسیٰ بن ہامان کو قاتلین نصر کے تعاقب پر مامور کیا۔ عیسیٰ نے قاتلین نصر کو قتل کیا۔ اسی اثناء میں ابو مسلم مقام آمد میں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ سباع بن نعمان ازدی بھی تھا۔ سفاح نے زیادہ بن صالح اور سباع بن نعمان ازدی کو یہ سمجھا کر ابو مسلم کے پاس روانہ کیا تھا کہ اگر موقع ملے تو ابو مسلم کو قتل کر دینا۔

مقام آمد میں پہنچ کر ابو مسلم کو کسی ذریعہ سے یہ خبر معلوم ہوئی۔ اس نے فوراً سباع کو آمد میں قید کر دیا اور وہاں کے عامل کو یہ حکم دے گیا کہ سباع کو قتل کر دینا۔ آمد سے ابو مسلم بخارا کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اس کو زیاد بن صالح کے چند سپہ سالار ملے جو اس سے منحرف ہو کر ابو مسلم کی طرف آ رہے تھے۔ زیاد' ابو مسلم کے بخارا پہنچنے پر ایک دہقان کے گھر میں جا چھپا۔ دہقان نے اس کو قتل کر ڈالا اور ابو مسلم کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ ابو مسلم نے قتل زیاد کی خبر ابوداؤد کو لکھ بھیجی۔ ابوداؤد مہم طالقان میں مصروف تھا' فارغ ہو کر کش واپس آیا اور عیسیٰ بن ہامان کو بسام کی طرف روانہ کیا مگر اس کو کچھ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اسی زمانہ میں عیسیٰ بن ہامان نے چند خطوط ابو مسلم کے ہمراہیوں کے پاس بھیجے تھے' ان خطوط میں ابوداؤد کی برائیاں لکھی تھیں۔ ابو مسلم نے ان خطوط کو لے کر ابوداؤد کے پاس بھیج دیا۔ ابوداؤد نے عیسیٰ کو پٹوا کر قید کر دیا۔ چند روز کے بعد جب اس کو رہا کیا تو لشکر اس پر ٹوٹ پڑے اور عیسیٰ کو مار ڈالا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر ابو مسلم مرو کی طرف واپس آ گیا۔

سنہ ۱۳۶ھ میں عبداللہ بن علی سفاح کی خدمت میں آیا۔ سفاح نے اس کو لشکر شام اور لشکر عراق کے ساتھ رومیوں کی طرف روانہ کیا۔ سفاح کا بھائی ابوجعفر منصور جزیرہ کا عامل تھا۔ اس نے اس سال سفاح کے اشارے سے حج کا ارادہ کیا اور سفاح سے اجازت طلب کی۔ سفاح نے لکھا کہ تم میرے پاس چلے آؤ' میں تم کو امیر حج بنا کر بھیجوں گا۔ چنانچہ منصور انبار چلا آیا اور حران کی حکومت پر

مقاتل بن حکیم مامور کیا گیا۔ بات یہ تھی کہ اسی سال ابومسلم نے بھی سفاح سے حج کی اجازت طلب کی تھی۔ لہٰذا سفاح نے خود ہی اپنے بھائی منصور کو مخفی طور پر اطلاع دی کہ تم فوراً حج کے لیے تیار ہو جاؤ اور درخواست بھیج دو۔ اس موقع پر یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ابومسلم خراسانی نے دعوت عباسیہ کو کامیاب بنانے میں سب سے بڑا کام کیا تھا' جیسا کہ گزشتہ واقعات سے ظاہر ہے۔ اب سفاح کے خلیفہ ہو جانے اور حکومت عباسیہ کے استقلال کے بعد وہ خراسان کا گورنر بنا دیا گیا اور سفاح نے اس کے نام باقاعدہ سند حکومت بھی بھیج دی مگر ابومسلم نے خود حاضر دربار خلافت ہو کر بیعت نہیں کی تھی۔ وہ شروع میں پہلی مرتبہ جب امام ابراہیم کی طرف سے خراسان بھیجا گیا تھا' اسی وقت سے اب تک مسلسل خراسان میں موجود تھا۔ اسی نے خراسان پر قبضہ کیا۔ اسی نے اپنی حکومت قائم کی اور وہی ہر طرح خراسان پر مستولی تھا۔ جب ایک ایک کر کے تمام دشمنوں کا کام تمام ہو گیا تو عبداللہ سفاح کو خیال آیا کہ ابومسلم کی منشاء کے خلاف نہ اس کو کسی صوبہ کی حکومت پر تبدیل کر سکتا تھا نہ اس کے زور قوت کو گھٹا سکتا تھا۔

ابومسلم اپنے آپ کو خلافت عباسیہ کا بانی سمجھتا اور اپنے آپ کو خلیفہ سفاح کا سرپرست جانتا تھا۔ وہ خلیفہ سفاح کو مشورے دیتا اور سفاح اس کے مشوروں پر اکثر عمل کرتا لیکن خراسان کے معاملات میں وہ سفاح سے اجازت یا مشورہ لینا ضروری نہ سمجھتا تھا۔ عثمان بن کثیر عباسیوں کے نقباء میں ایک نامور اور سب سے پرانا نقیب تھا' اس کو ابومسلم نے ذاتی کاوش کی بنا پر قتل کر دیا اور سفاح اس کے متعلق ابومسلم سے کوئی جواب طلب نہ کر سکا اور سفاح' اس کے چچا' اس کے بھائی بھی اپنے حوصلے بلند رکھنے اور ابومسلم کی اس خودسرانہ حکمرانی کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔

سفاح نے جب اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو خراسان کی طرف بیعت لینے کے لیے بھیجا اور اسی کے ہاتھ ابومسلم کے نام سند گورنری بھیجی تو ابومسلم کا برتاؤ ابوجعفر منصور کے ساتھ مؤدبانہ نہ تھا بلکہ اس کی ہر ایک حرکت سے ابوجعفر نے خودسری اور مطلق العنانی محسوس کی تھی۔ چنانچہ ابومسلم اور ابوجعفر کے درمیان دلوں میں ایک کشیدگی پیدا ہو چکی تھی۔ ابوجعفر نے جب یہ تمام حالات سفاح کو سنائے تو وہ اور بھی زیادہ اس فکر میں پڑ گیا کہ ابومسلم کے اقتدار و اثر اور اختیار و تسلط کو کس طرح کم کرے۔ چنانچہ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ ابومسلم کا کام تمام کر دیا جائے۔ اسی لیے زیاد بن صالح اور سباع بن نعمان ازدی سے سفاح نے اس کام کی سفارش کی جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ غرض حالت یہ تھی کہ سفاح اور ابومسلم کے دل صاف نہ رہے تھے۔

ابومسلم چونکہ اقتدار پسند اور اولوالعزم شخص تھا۔ اس کو جب خلیفہ سفاح کی طرف سے شبہ پیدا

ہوا تو اس نے صرف خراسان ہی پر اپنے اثر و اقتدار کو کافی نہ سمجھ کر حجاز و عراق میں بھی اپنا اثر قائم کرنے کی کوشش ضروری سمجھی تا کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ عباسیوں کو کچل سکے۔ایک ایسے شخص کا جو دعوت عباسیہ کو کامیاب بنا چکا تھا' حجاز و عراق اور تمام اسلامی ممالک میں اپنی مقبولیت بڑھانے کے کام پر مخفی طریقہ سے آمادہ ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہ تھی' لیکن اس کو یہ بات یاد نہ رہی کہ اس کے مقابلہ پر وہ خاندان ہے جس میں محمد بن علی اور ابراہیم بن محمد جیسے شخص یعنی بانی تحریک عباسیہ پیدا ہو سکتے ہیں اور خلافت بنوامیہ کی بربادی سے فارغ ہو کر ابھی اس پر قابض ہوئے ہیں۔ابو مسلم نے اگرچہ سب سے زیادہ کام کیا تھا لیکن وہ اس کام میں عباسیوں کا شاگرد اور عباسیوں ہی کا تربیت کردہ تھا۔

غرض ابو مسلم نے سفاح سے حج کی اجازت طلب کی۔سفاح نے اس کو اجازت دی اور لکھا کہ اپنے ہمراہ پانچ سو آدمیوں سے زیادہ نہ لاؤ۔ابو مسلم نے لکھا کہ لوگوں کو مجھ سے عداوت ہے' اتنے تھوڑے آدمیوں کے ساتھ سفر کرنے میں مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے۔سفاح نے لکھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک ہزار آدمی کافی ہیں۔زیادہ آدمیوں کا ساتھ ہونا اس لیے باعث تکلیف ہوگا کہ سفر مکہ میں سامان رسد کی فراہمی دشوار ہے۔ابو مسلم آٹھ ہزار فوج کے ساتھ مرو سے روانہ ہوا اور جب خراسان کی حد پر پہنچا تو سات ہزار فوج کو سرحدی مقامات پر چھوڑ کر ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ دارالخلافہ انبار کی طرف بڑھا۔سفاح نے اپنے بڑے بڑے نامی سپہ سالاروں کو استقبال کے لیے بھیجا اور جب دربار میں حاضر ہوا تو اس کی بے حد تعظیم و تکریم کی اور کہا کہ اگر اس سال میرے بھائی ابوجعفر منصور کا ارادہ حج نہ ہوتا تو میں تم ہی کو امیر حج مقرر کرتا۔اس طرح ابو مسلم کی امیر حج ہونے کی خواہش پوری ہونے سے رہ گئی۔غرض دارالخلافہ انبار سے ابوجعفر منصور اور ابو مسلم دونوں ساتھ ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ابو مسلم خراسان سے ایک بڑا خزانہ ہمراہ لے کر آیا تھا۔منصور کی معیت اس کو پسند نہ تھی کیونکہ وہ آزادانہ بہت سے کام جو کرنا چاہتا تھا' نہیں کر سکا۔تاہم اس نے مکہ کے راستے میں ہر منزل پر کنوئیں کھدوائے' سرائیں بنوانے اور مسافروں کے لیے سہولتیں بہم پہنچانے کے کام شروع کرا دیے۔ کپڑے تقسیم کیے' لنگر خانے جاری کیے' لوگوں کو بے دریغ انعامات دیے اور اپنی سخاوت و بخشش کے ایسے نمونے دکھائے کہ لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو گئے۔

مکہ مکرمہ میں بھی اس نے یہی کام وسیع پیمانے پر کیے' جہاں ہر طرف کے لوگ موجود تھے۔ایام حج کے گزرنے پر ابوجعفر منصور نے ابھی روانگی کا قصد نہ کیا تھا کہ ابو مسلم مکہ سے روانہ ہو گیا۔مکہ سے دو منزل اس طرف آ گیا تھا کہ دارالخلافہ انبار کا قاصد اس کو ملا جو سفاح کے مرنے کی خبر اور ابوجعفر منصور کے خلیفہ ہونے کی خوشخبری لے کر منصور کے پاس جا رہا تھا۔ابو مسلم نے اس قاصد کو دو روز تک ٹھہرائے

رکھا اور پھر منصور کے پاس روانہ کر دیا۔ منصور کو ابو مسلم کے پہلے ہی روانہ ہونے کا ملال تھا۔ اب اس بات کا ملال اور ہوا کہ ابو مسلم نے اس خبر کے سننے پر منصور کو خلافت کی مبارکباد نہیں بھیجی۔ بیعت کے لیے بھی نہیں ٹھہرا حالانکہ سب سے پہلے اسی کو بیعت کرنی چاہیے تھی اور کم از کم منصور کے آنے تک اسی مقام پر قیام کرنا نہایت ضروری تھا کہ دونوں ساتھ ساتھ سفر کرتے۔ ابو جعفر منصور یہ خبر سنتے ہی فوراً مکہ سے روانہ ہو گیا لیکن ابو مسلم اس سے آگے سفر کرتا ہوا انبار پہنچا۔ اس کے بعد منصور داخل دارالخلافہ ہوا۔

ابو مسلم اور ابو جعفر کو روانہ کرنے کے بعد ابوالعباس عبداللہ سفاح چار برس آٹھ مہینے خلافت کر کے بہ تاریخ ۱۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶ھ کو فوت ہوا۔ اسی کے چچا عیسیٰ نے نماز جنازہ پڑھائی' انبار میں دفن ہوا۔ اس نے مرنے سے پہلے اپنے بھائی ابو جعفر منصور اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی کا عہد نامہ لکھ کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر اور اپنے اہل بیعت کی مہریں لگا کر عیسیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ چونکہ منصور موجود نہ تھا' اس لیے عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور کی خلافت کے لیے لوگوں سے نیابتاً بیعت لی اور اس واقعہ کی اطلاع کے لیے قاصد مکہ کی طرف روانہ کیا۔

عبداللہ سفاح نے مال و دولت سے اپنی خلافت کے قیام و استحکام میں اسی طرح کام لیا جس طرح بانی خلافت بنو امیہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کام لیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سخاوت کے ذریعہ سے اپنے مخالفوں یعنی علویوں کا منہ بند کر دیا تھا اور ان کو اپنا ہمدرد بنا لینے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اسی طرح بانی خلافت عباسیہ سفاح کے مقابلہ پر بھی علوی ہی دعوے دار خلافت تھے۔ انہوں نے عباسیوں کے ساتھ مل کر بنو امیہ کو برباد کیا تھا اور اب عباسی خاندان میں خلافت کے چلے جانے سے وہ بالکل اسی طرح ناخوش تھے' جیسے کہ خاندان بنو امیہ میں خلافت کے چلے جانے سے ناراض تھے۔ عبداللہ سفاح نے بھی علویوں کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح بے دریغ مال و دولت دے کر خاموش کر دیا۔ جب سفاح کوفہ میں خلیفہ بنایا گیا تو عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن علی اور دوسرے علوی لوگ کوفہ میں آئے اور کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ خلافت جو ہمارا حق تھا' اس پر تم نے قبضہ کیا۔ یہ عبداللہ بن حسن مثنیٰ ہیں جن کے لڑکے محمد کو بماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱ھ مکہ میں مجلس کے اندر عباسیوں اور علویوں نے خلافت کے لیے منتخب کیا تھا اور تمام حاضرین مجلس کے ساتھ ابو جعفر منصور نے بھی محمد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ سفاح نے عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی خدمت میں دس لاکھ درہم پیش کر دیے حالانکہ یہ رقم سفاح کے پاس اس وقت موجود نہ تھی' ابن مقرن سے قرض لے کر دی۔ اسی طرح ہر ایک علوی کو انعام و اکرام سے مالا مال کر کے رخصت کیا۔ عبداللہ بن حسن ابھی سفاح کے پاس سے رخصت نہ ہوئے تھے کہ مروان بن محمد کے

قتل ہونے کی خبر اور بہت سے قیمتی جواہرات و زیورات جو مال غنیمت میں آئے تھے' لے کر قاصد پہنچا۔ سفاح نے وہ تمام قیمتی جواہرات و زیورات بھی عبداللہ بن حسنی مثنیٰ کو دے دیے اور اسی ہزار دینار دے کر وہ زیورات ایک تاجر سے عبداللہ بن حسن نے خرید لیے۔ غرضیکہ عبداللہ سفاح سے اس کام میں ذرا بھی کوتاہی ہوتی تو یقیناً علوی فوراً علانیہ مخالفت پر آمادہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے اور اس وقت ممکن تھا کہ بہت سے نقباء بھی جو کافی اثر رکھتے تھے' ان کا ساتھ دیتے اور عباسیوں کے لیے اپنی خلافت کو قائم رکھنا بے حد دشوار ہو جاتا۔ لہٰذا عبداللہ سفاح کے کاموں میں سب سے بڑا کارنامہ یہی سمجھنا چاہیے کہ اس نے تمام علویوں کو مال و دولت دے کر خاموش رکھا اور کسی کو مقابلہ پر کھڑا نہ ہونے دیا۔ عبداللہ سفاح کی وفات کے بعد ہی علوی خروج پر آمادہ ہو گئے مگر اب خلافت عباسیہ مستحکم ہو چکی تھی۔

ابو جعفر منصور

ابو جعفر عبداللہ منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی ماں سلامہ بربریہ لونڈی تھی' ابو جعفر منصور ۹۵ھ میں اپنے دادا کی حیات میں پیدا ہوا' بعض روایتوں کے بموجب وہ ۱۰۱ھ میں پیدا ہوا تھا' یہ ہیبت و شجاعت و جبروت اور عقل و رائے میں خصوصی امتیاز رکھتا تھا' لہو و لعب کے پاس نہ پھٹکتا تھا' ادب و فقہ کا عالم کامل تھا' اس نے سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو عہدہ قضا کے انکار کرنے کے جرم میں قید کر دیا تھا' انہوں نے قید خانہ ہی میں انتقال کیا' بعض کا قول ہے کہ سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے منصور پر خروج کرنے کا فتویٰ دیا تھا اس لیے ان کو زہر دلوایا گیا' منصور نہایت فصیح و بلیغ اور خوش تقریر شخص تھا' حرص و بخل سے اس کو متہم کیا جاتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک اموی نے ۱۳۸ھ یعنی منصور کے عہد خلافت میں اندلس کے اندر اپنی حکومت اور خلافت قائم کر لی تھی' وہ بھی ایک بربریہ کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا' اس لیے لوگ کہتے تھے کہ اسلام کی حکومت بربریوں میں تقسیم ہو گئی' ابن عساکر نے لکھا ہے کہ جب منصور طلب علم میں ادھر ادھر پھرا کرتا تھا ایک روز کسی منزل پر اترا تو چوکیدار نے اس سے دو درہم محصول کے مانگے اور کہا کہ جب تک محصول ادا نہ کرو گے اس منزل پر نہ ٹھہر سکو گے' منصور نے کہا کہ میں بنو ہاشم میں سے ہوں مجھے معاف کر دو' مگر وہ نہ مانا' پھر منصور نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹوں میں سے ہوں' وہ پھر بھی نہ مانا' منصور نے کہا کہ میں قرآن شریف جانتا ہوں مجھے معاف کر دے' اس نے پھر بھی نہ مانا' منصور نے کہا کہ عالم فقیہ اور ماہر فرائض ہوں' وہ پھر بھی نہ مانا'

آخر منصور کو دو درہم دینے ہی پڑے' اسی روز سے منصور نے ارادہ کر لیا تھا کہ مال و دولت جمع کرنا چاہیے۔

منصور نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے مہدی کو نصیحت کی کہ بادشاہ بغیر رعایا کی اطاعت کے قائم نہیں رہ سکتا' اور رعایا بغیر عدل کے اطاعت نہیں کر سکتی' سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو باوجود قدرت کے عفو کرے' اور سب سے بیوقوف وہ ہے جو ظلم کرے' کسی معاملہ میں بلا غور و فکر حکم نہیں دینا چاہئے کیونکہ فکر و تامل ایک آئینہ ہے جس میں انسان اپنا حسن و قبح دیکھ لیتا ہے' دیکھو ہمیشہ نعمت کا شکر کرنا' مقدرت میں عفو کرنا' تالیف قلوب کے ساتھ اطاعت کی امید رکھنا' فتحیابی کے بعد تواضع اور رحمت اختیار کرنا۔

خروج عبداللہ بن علی

منصور کے چچا عبداللہ بن علی کو عبداللہ سفاح نے خراسانی و شامی لشکر کے ساتھ اپنی موت سے پہلے صائفہ کی طرف روانہ کر دیا تھا' محرم ۱۳۷ھ میں منصور انبار میں پہنچ کر تخت نشین خلافت ہوا تھا' عیسیٰ بن موسیٰ نے سفاح کی وفات کی عبداللہ بن علی کو بھی اطلاع دی تھی' اور لکھا تھا کہ سفاح نے اپنے بعد منصور کی خلافت کے لیے وصیت کی ہے' عبداللہ بن علی نے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ عبداللہ سفاح نے جب مہم حران کے لیے فوج روانہ کرنی چاہی تھی تو کسی کو اس طرف جانے کی ہمت نہ ہوئی تو سفاح نے کہا کہ جو شخص اس مہم پر جائے گا وہ میرے بعد خلیفہ ہوگا' چنانچہ اس مہم پر میں روانہ ہوا اور میں نے ہی مروان بن محمد اور دوسرے اموی سرداروں کو شکست دیکر اس مہم میں کامیابی حاصل کی' سب نے اس کی تصدیق کی اور عبداللہ بن علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

عبداللہ بن علی نے مقام دلوک سے مراجعت کر کے مقام حران میں مقاتل بن حکیم کا محاصرہ کر لیا' چالیس روز تک محاصرہ کئے رہا' اثناء محاصرہ میں اہل خراسان سے مشتبہ ہو کر ان میں سے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا اور حمید بن قحطبہ کو والی حلب مقرر کر کے ایک خط دے کر روانہ کیا' جو زفر بن عاصم گورنر حلب کے نام تھا' اس خط میں لکھا تھا کہ حمید کو پہنچتے ہی قتل کر ڈالنا' حمید نے راستے میں خط کھول کر پڑھ لیا' اور بجائے حلب کے عراق کی طرف چل دیا۔

ادھر منصور جب انبار میں پہنچا ہے تو ابو مسلم بھی وہاں پہلے پہنچ چکا تھا' ابو مسلم نے منصور کے ہاتھ پر بیعت کی اور منصور نے اس کے ساتھ عزت افزائی اور دلجمعی کا برتاو کیا' اسی اثناء میں خبر پہنچی کہ عبداللہ بن علی باغی ہو گیا ہے' منصور نے ابو مسلم سے کہا کہ مجھ کو عبداللہ بن علی کی طرف سے بہت خطرہ ہے' ابو مسلم تو ایسے واقعات کا خواہش مند ہی تھا فوراً آمادہ ہو گیا کہ اس طرح منصور کو بھی براہ راست

احسان مند بنایا جا سکے گا چنانچہ ابومسلم کو عبداللہ بن علی کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔

ابن قحطبہ جو عبداللہ بن علی سے ناراض عراق کی جانب آ رہا تھا وہ ابومسلم سے آ ملا' عبداللہ بن علی نے مقاتل بن حکیم کو امان دیدی اور مقاتل نے حران عبداللہ بن علی کے سپرد کر دیا' عبداللہ بن علی نے مقاتل کو معہ ایک خط کے عثمان بن عبدالاعلیٰ حاکم رقہ کے پاس بھیجا' عثمان نے مقاتل کو پہنچتے ہی قتل کر دیا اور اس کے دونوں لڑکوں کو گرفتار کر لیا۔

منصور نے ابومسلم کو روانہ کرنے کے بعد محمد بن صول کو آذربائیجان سے طلب کر کے عبداللہ بن علی کق پاس دھوکا دینے کی غرض سے روانہ کیا' محمد بن صول نے عبداللہ بن علی کے پاس پہنچ کر یہ کہا کہ میں نے سفاح سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میرے بعد میرا جانشین میرا چچا عبداللہ ہوگا' عبداللہ بن علی بولا تو جھوٹا ہے میں تیرے فریب کو خوب سمجھ گیا ہوں' یہ کہہ کر اس کی گردن اڑا دی' اس کے بعد عبداللہ بن علی نے حران سے روانہ ہو کر نصیبین میں آ کر قیام کیا اور خندق کھود کر مورچے قائم کئے۔

منصور نے ابومسلم کو روانہ کرنے سے پہلے حسن بن قحطبہ والی آرمینیا کو بھی لکھ دیا تھا کہ آ کر ابومسلم کی شرکت اختیار کرے' چنانچہ حسن بن قحطبہ بھی موصل کے مقام پر ابومسلم سے آ ملا تھا۔

ابومسلم معہ اپنے لشکر کے جب نصیبین کے قریب پہنچا تو نصیبین کا رخ چھوڑ کر شام کے راستے پر پڑاو ڈالا اور یہ مشہور کیا کہ مجھ کو عبداللہ بن علی سے کوئی واسطہ نہیں' میں تو شام کی گورنری پر مامور کیا گیا ہوں اور شام کو جا رہا ہوں' عبداللہ بن علی کے ہمراہ جو شامی لوگ تھے وہ یہ سن کر گھبرائے اور انہوں نے عبداللہ بن علی سے کہا کہ ہمارے اہل و عیال ابومسلم کے پنجۂ ظلم میں گرفتار ہو جائیں گے بہتر یہ ہے کہ ہم اس کو شام کی طرف جانے سے روکیں' عبداللہ بن علی نے ہر چند سمجھایا کہ وہ ہمارے ہی مقابلہ کو آیا ہے شام میں نہ جائے گا لیکن کوئی نہ مانا' آخر عبداللہ بن علی نے اس مقام سے کوچ کیا' جب عبداللہ بن علی اپنے مقام کو چھوڑ کر شام کی طرف روانہ ہوا تو ابومسلم فوراً عبداللہ بن علی کی بہترین لشکر گاہ میں آ کر مقیم ہو گیا اور عبداللہ بن علی کو لوٹ کر اس مقام پر قیام کرنا پڑا' جس میں پہلے ابومسلم مقیم تھا' اس طرح ابومسلم نے بہترین لشکر گاہ حاصل کر لی۔

اب دونوں لشکروں میں لڑائی کا سلسلہ جاری ہوا' کئی مہینے تک لڑائی ہوتی رہی آخر ۷ جمادی الثانی یوم چہار شنبہ ۱۳۷ھ کو عبداللہ بن علی نے شکست کھائی اور ابومسلم نے فتح پا کر فتح کا بشارت نامہ منصور کے پاس بھیجا' عبداللہ بن علی نے اس میدان سے فرار ہو کر اپنے بھائی سلیمان بن علی کے پاس جا کر بصرہ میں پناہ لی اور ایک مدت تک وہاں چھپا رہا۔

قتل ابو مسلم

جب عبداللہ بن علی کو شکست ہوئی اور ابو مسلم ؒ نے اس کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا اور مال غنیمت خوب ہاتھ آیا تو منصور نے اس فتح کا حال سن کر اپنے خادم ابو حصیب کو مال غنیمت کی فہرست تیار کرنے کے لیے روانہ کیا' ابو مسلم کو اس بات سے سخت غصہ آیا کہ منصور نے میرا اعتبار نہ کیا اور اپنا آدمی فہرست مرتب کرنے کیلیے بھیجا' ابو مسلم کی اس ناراضی و ناخوشی کی اطلاع جب منصور کو پہنچی تو اس کو یہ فکر ہوئی کہ کہیں ابو مسلم ناراض ہو کر خراسان کو نہ چلا جائے چنانچہ اس نے مصر و شام کی سند گورنری لکھ کر ابو مسلم کے پاس بھیج دی ابو مسلم کو اس سے اور بھی زیادہ رنج ہوا کہ منصور مجھ کو خراسان سے جدا کر کے بے دست و پا کرنا چاہتا ہے چنانچہ ابو مسلم جزیرہ سے نکل کر خراسان کی طرف روانہ ہو گیا' یہ سن کر منصور انبار سے مدائن کی طرف روانہ ہوا اور ابو مسلم کو اپنے پاس حاضر ہونے کے لیے بلایا' ابو مسلم نے آنے سے انکار کر کے لکھ بھیجا کہ

''میں دور ہی سے آپ کی اطاعت کروں گا' آپ کے تمام دشمنوں کو میں نے مغلوب کر دیا ہے' اب جب کہ آپ کے خطرات دور ہو گئے ہیں تو آپ کو اب میری ضرورت بھی باقی نہیں رہی' اگر آپ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں گے تو میں آپ کی اطاعت سے باہر نہ ہوں گا اور اپنی بیعت پر قائم رہوں گا لیکن اگر آپ میرے درپے رہے تو میں آپ کی خلع کا خلافت کا اعلان کر کے آپ کی مخالفت پر آمادہ ہو جاؤں گا۔

اس خط کو پڑھ کر منصور نے نہایت نرمی اور محبت کے لہجہ میں ایک خط لکھا کہ

''ہم کو تمہاری وفاداری اور اطاعت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے' تم بڑے کارگزار اور مستحق انعام ہو' شیطان نے تمہارے دل میں وسوسے ڈال دیئے ہیں' تم ان وسوسوں سے اپنے آپ کو بچاؤ اور ہمارے پاس چلے آؤ۔

یہ خط منصور نے اپنے آزاد کردہ غلام ابو حمید کے ہاتھ روانہ کیا اور ان کو تاکید کی کہ منت و سماجت سے جس طرح ممکن ہو ابو مسلم کو میرے پاس آنے کی ترغیب دینا' اور اگر وہ کسی طرح نہ مانے تو پھر میرے غصہ سے اس کو ڈرانا' یہ خط جب ابو مسلم کے پاس پہنچا' تو اس نے مالک ہثیم سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ تم ہرگز منصور کے پاس نہ جاؤ وہ تم کو قتل کر دے گا' لیکن ابو داؤد خالد بن ابراہیم کو خراسان کی گورنری کا لالچ دیکر منصور نے بذریعہ خط پہلے ہی اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ ابو مسلم کو جس طرح ممکن ہو میرے پاس آنے پر آمادہ کر دو' ابو داؤد کے مشورے سے ابو مسلم منصور کے پاس جانے پر آمادہ

ہو گیا' مگر اس نے پھر بھی اس احتیاط کو ضروری سمجھا کہ اپنے وزیر ابواسحٰق خالد بن عثمان کو اول منصور کے پاس بھیج کر وہاں کے حالات سے زیادہ واقفیت حاصل کرے۔ ابواسحاق پر ابومسلم کو بہت اعتماد تھا' چنانچہ اول ابواسحاق کو روانہ کیا گیا' ابواسحاق جب دربار خلافت کے پاس پہنچا تو تمام سرداران بنو ہاشم اور ارکین دولت استقبال کو آئے۔ منصور نے حد سے زیادہ تکریم و محبت کا برتاو کیا اور اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے اسحاق کو اپنی جانب مائل کر کے کہا کہ تم ابومسلم کو خراسان جانے سے روک کر اول میرے پاس آنے پر آمادہ کر دو تو میں تم کو خراسان کی حکومت اس کام کے صلہ میں دے دوں گا' ابواسحاق یہ سن کر آمادہ ہو گیا اور رخصت ہو کر ابومسلم کے پاس آیا اور اس کو منصور کے پاس جانے پر آمادہ کر لیا۔

چنانچہ ابومسلم اپنے لشکر کو حلوان میں مالک بن ہثیم کی افسری میں چھوڑ کر تین ہزار فوج کے ساتھ مدائن کی طرف روانہ ہوا' جب ابومسلم مدائن کے قریب پہنچا تو ابومسلم کے پاس منصور کے اشارے کے موافق ایک شخص پہنچا اور ملاقات کرنے کے بعد ابومسلم سے کہا کہ آپ منصور سے میری سفارش کر دیں کہ وہ مجھ کو کسکر کی حکومت دے دے' نیز یہ کہ وزیر السلطنت ابوایوب سے منصور آج کل سخت ناراض ہے آپ ابوایوب کی بھی سفارش کر دیں' ابومسلم یہ سن کر خوش ہو گیا اور اس کے دل سے رہے سہے خطرات سب دور ہو گئے۔

ابومسلم دربار میں عزت و احترام کے ساتھ داخل ہوا اور عزت کے ساتھ رخصت ہو کر قیام گاہ پر آرام کرنے گیا' دوسرے روز جب دربار میں آیا تو منصور نے پہلے سے عثمان بن نہیک' شبیب بن رواح' ابوحنیفہ' حرب بن قیس وغیرہ چند شخصوں کو پس پردہ چھپا کر بٹھا دیا اور حکم دے دیا تھا کہ جب میں اپنے ہاتھ پر ہاتھ ماروں تو تم نکل کر فوراً ابومسلم کو قتل کر ڈالنا' چنانچہ ابومسلم دربار میں حاضر ہوا' خلیفہ منصور نے باتوں میں اس سے ان دو تلواروں کا حال دریافت کیا جو ابومسلم کو عبداللہ بن علی سے ملی تھیں' ابومسلم اس وقت انہیں تلواروں میں سے ایک کو اپنی کمر سے لگائے ہوئے تھا' اس نے کہا کہ ایک تو یہ موجود ہے' منصور نے کہا ذرا میں بھی دیکھوں' ابومسلم نے فوراً خلیفہ منصور کے ہاتھ میں تلوار دے دی' وہ تھوڑی دیر تک اس کو دیکھتا رہا پھر اس کو اپنے زانوں کے نیچے رکھ کر ابومسلم سے اس کی حرکات کی شکایت کرنے لگا' پھر سلیمان بن کثیر کے قتل کا ذکر کیا اور کہا کہ تو نے اس کو کیوں قتل کیا حالانکہ وہ اس وقت سے ہمارا خیرخواہ تھا جب کہ تو اس کام میں شریک بھی نہ ہوا تھا۔

ابومسلم اول خوشامدانہ اور عاجزانہ لہجہ میں معذرت کرتا رہا لیکن دم بدم منصور کے طیش و غضب کو ترقی کرتے ہوئے دیکھ کر جب اس کو یقین ہو گیا کہ آج میری خیر نہیں ہے تو اس نے جرأت سے جواب دیا کہ جو آپ کا جی چاہے کیجئے' میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا' منصور نے ابومسلم کو

گالیاں دیں اور ہاتھ پر ہاتھ مارا' تالی کے بجتے ہی عثمان بن نہیک وغیرہ نے نکل کر ابومسلم پر وار کیے اور اس کا کام کر دیا۔ یہ واقعہ ۲۵ شعبان ۱۳۷ھ کا ہے۔

ابومسلم کے مارے جانے کے بعد وزیر السلطنت نے باہر آ کر ابومسلم کے ہمراہیوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ۔۔۔۔۔۔۔امیر اس وقت امیر المومنین کی خدمت میں رہیں گے' تم لوگ واپس چلے جاؤ' اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ نے دربار خلافت میں حاضر ہو کر ابومسلم کو دریافت کیا' جب اس کے قتل کا حال معلوم ہوا تو اس کی زبان سے انا اللہ وانا الیہ راجعون نکل گیا' یہ بات منصور کو ناگوار گزری اور اس نے کہا کہ ابومسلم سے زیادہ کوئی تمہارا دشمن نہ تھا' پھر منصور نے جعفر بن حنظلہ کو بلوایا اور ابومسلم کے قتل کی نسبت مشورہ کیا' جعفر نے اس کے قتل کی رائے دی' منصور نے کہا' اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے اس کے بعد ابومسلم کی لاش کی طرف اشارہ کیا' جعفر نے ابومسلم کی لاش دیکھتے ہی کہا کہ ''امیر المومنین آج سے آپ کی خلافت شمار کی جائے گی' منصور مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

ابونصر مالک بن ہیثم جس کو ابومسلم اپنا لشکر اور مال سپرد کر آیا تھا' حلوان سے بقصد خراسان ہمدان کی طرف روانہ ہو گیا پھر منصور کی خدمت میں واپس چلا آیا' منصور نے اس کو ملامت کی کہ تو نے ابومسلم کو میرے پاس آنے کے خلاف مشورہ دیا اس نے کہا کہ جب تک ابومسلم کے پاس تھا اس کو نیک مشورہ دیا تھا اب آپ کے پاس آ گیا ہوں تو آپ کی بہتری کے لیے کوشاں رہوں گا' منصور نے اس کو موصل کی حکومت پر بھیج دیا۔

خروج سنباد

ابومسلم کے قتل سے فارغ ہو کر بظاہر منصور کو اطمینان حاصل ہو چکا تھا لیکن اس کے بعد بھی منصور کیلیے مشکلات کا سلسلہ برابر جاری رہا' ابومسلم کے ہمراہیوں میں ایک مجوسی فیروز نامی جو سنباد کے نام سے مشہور تھا وہ مسلمان ہو کر ابومسلم کی فوج میں شامل تھا' ابومسلم کے قتل کے بعد اس نے ابومسلم کے خون کا معاوضہ طلب کرنے کے لیے خروج کیا اور کوہستان کے لوگوں نے اس کا ساتھ دیا' سنباد نے نیشاپور اور رے پر قبضہ کر کے اس تمام مال و اسباب کو جو ابومسلم حج کے لیے روانہ ہوتے وقت رے اور نیشاپور میں چھوڑ گیا تھا قبضہ کیا' سنباد نے لوگوں کے مال و اسباب کو لوٹا اور ان کو گرفتار کر کے باندی غلام بنایا اور مرتد ہو کر اعلان کیا کہ میں خانہ کعبہ کو منہدم کرنے جاتا ہوں' نو مسلم ایرانیوں کے لیے اس قدر تحریک کافی تھی' ان میں جو لوگ مذہب اسلام سے واقف نہ ہوئے تھے وہ یہ دیکھ کر کہ ہماری ہی قوم و ملک کا ایک شخص سلطنت اسلامی کے خلاف اٹھا ہے اس کے شریک ہو گئے۔

منصور نے جب اس فتنہ کا حال سنا تو اس نے سنباد کی سرکوبی کے لیے جمہور بن مرار عجلی کو مامور کیا' ہمدان و رے کے درمیان لڑائی ہوئی' جمہور نے سنباد کو شکست دی' قریباً سات ہزار آدمی سنباد کے ہمراہیوں میں سے مارے گئے' سنباد نے فرار ہو کر طبرستان میں پناہ لی' وہاں عامل طبرستان کے ایک خادم نے سنباد کو قتل کر دیا' منصور نے یہ خبر سن کر عامل طبرستان کو لکھا کہ سنباد کا مال و اسباب ہمارے پاس بھیج دو' اس نے مال و اسباب سے انکار کر دیا' منصور نے عامل طبرستان کی گوشمالی کے لیے فوج بھیجی' عامل طبرستان ویلم کی طرف بھاگ گیا۔

ادھر جمہور نے جب سنباد کو شکست دی تھی تو اس کے بہت سے مال و اسباب اور قریباً اس تمام خزانہ پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا' ابو مسلم کا خزانہ بھی اس کے قبضہ میں آ گیا تھا' اس خزانے اور مال و اسباب کو جمہور نے منصور کے پاس نہ بھیجا اور رے میں جا کر قلعہ بندی کر کے منصور کی خلع خلافت اور بغاوت کا اعلان کر دیا' منصور نے جمہور کے مقابلہ پر محمد بن اشعث کو فوج دے کر روانہ کیا' جمہور یہ سن کر رے سے اصفہان کی طرف چلا گیا' جمہور اصفہان پر محمد بن اشعث رے پر قابض ہو گیا اس کے بعد محمد نے اصفہان پر چڑھائی کی' جمہور نے مقابلہ کیا' سخت لڑائی کے بعد جمہور شکست کھا کر آذربائیجان کی طرف بھاگا' وہاں جمہور کے ہمراہیوں میں سے کسی نے اس کو قتل کر کے اس کا سر منصور کے پاس بھیج دیا' یہ ۱۳۸ھ کا واقعہ ہے۔

۱۳۹ھ میں منصور نے اپنے چچا سلیمان کو حکومت بصرہ سے معزول کر کے اپنے پاس بلایا اور لکھا کہ عبداللہ بن علی کو جو ابو مسلم سے شکست کھا کر بصرہ میں اپنے بھائی سلیمان کے پاس چلا آیا تھا' امان دیکر اپنے ہمراہ میرے پاس لیتے آؤ' جب عبداللہ بن علی کو سلیمان نے دربار میں حاضر کیا تو منصور نے اس کو قید کر دیا (بعد میں قتل کرا دیا تھا۔)

فرقہ راوندیہ

فرقہ راوندیہ کو شیعوں میں شمار کیا جاتا ہے' یہ درحقیقت ایران و خراسان کے جاہل لوگوں کا ایک گروہ تھا جو علاقہ راوند میں رہتا اور ان لوگوں میں سے نکلا تھا جن کو ابو مسلم خراسانی نے اپنے ساتھ شامل کیا تھا' ابو مسلم نے جو جماعت تیار کی تھی اس کو مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ جس طرح ممکن ہوتا تھا ان کو سیاسی اغراض کے لیے آمادہ و مستعد کرنے کی کوشش کی جاتی تھی' یہ گروہ جس کو راوندیہ کہا جاتا ہے' تناسخ[1] اور حلول کا قائل تھا' ان کا عقیدہ تھا کہ خدائے تعالیٰ نے منصور میں حلول کیا ہے' چنانچہ یہ

[1] اسے آواگون کا نظریہ بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک باطل نظریہ ہے جس کے مطابق انسان بار بار جنم لیتا ہے۔ عصر حاضر میں زیادہ تر یہ عقیدہ ہندوؤں کے مذہب کا حصہ ہے۔

لوگ خلیفہ منصور کو اللہ تعالیٰ سمجھ کر اس کی زیارت کرتے تھے اور منصور کے درشن کرنے کو عبادت جانتے تھے' ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ آدم علیہ السلام کی روح نے عثمان بن نہیک میں اور جبرائیل نے ہثیم بن معاویہ میں حلول کیا ہے' یہ لوگ دارالخلافہ میں آ کر اپنے اعمال وعقائد ناشدنی کا اعلان کرنے لگے' سو منصور نے ان میں سے دو سو آدمیوں کو پکڑ کر قید کر دیا' ان کی پانچ چھ سو تعداد اور موجود تھی' ان کو اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی اس گرفتاری سے اشتعال پیدا ہوا اور قید خانہ پر حملہ کر کے اپنے بھائیوں کو قید سے چھڑا لیا' اور پھر منصور کے محل کا محاصرہ کر لیا' تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ منصور کو اللہ تعالیٰ کہتے تھے اور پھر اس اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف آمادہ جنگ تھے۔

اس موقع پر یہ بات قابل تذکرہ ہے کہ یزید بن ہبیرہ کے ساتھیوں میں معن بن زائدہ بھی تھا' اور جب ابن ہبیرہ کی لڑائیاں عباسیوں سے ہوئی ہیں تو معن بن زائدہ ابن ہبیرہ کے نامور سرداروں میں سے ایک تھا' معن بن زائدہ ابن ہبیرہ کے بعد دارالخلافہ ہاشمیہ میں آ کر روپوش تھا اور منصور اس کی تلاش وجستجو میں تھا کہ معن بن زائدہ کو گرفتار کرا کر قتل کرے' ان بدمذہب راوندیوں نے جب منصور کے محل کا محاصرہ کیا تو منصور پیادہ پا اپنے محل سے نکل آیا اور بلوائیوں کو مارنے اور ہٹانے لگا' منصور کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے اور حقیقت یہ تھی کہ اس وقت دارالخلافہ میں کوئی جمعیت اور طاقت ایسی موجود نہ تھی کہ ان بلوائیوں کی طاقت کا مقابلہ کر سکتی' منصور کے لیے یہ وقت نہایت ہی نازک تھا اور قریب تھا کہ دارالخلافہ اور اس کے ساتھ ہی خلافت اور منصور اپنی جان سے جائیں اور راوندیوں کا قبضہ ہو جائے' اس خطرناک حالت سے فائدہ اٹھانے میں معن بن زائدہ نے کوتاہی نہیں کی' وہ فوراً منصور کے پاس پہنچ گیا اور جاتے ہی بلوائیوں کو مارنے اور ہٹانے میں مصروف ہو گیا' اتنے میں اور لوگ بھی آ کر منصور کے گرد جمع ہونے لگے لیکن معن بن زائدہ کے حملے بہت ہی زبردست اور کارگر ثابت ہو رہے تھے اور منصور اپنی آنکھ سے اس اجنبی شخص کی حیرت انگیز بہادری کو دیکھ رہا تھا' آخر معن بن زائدہ نے اس لڑائی میں سپہ سالاری کے فرائض خود بخود ادا کرنے شروع کر دیئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ سخت وشدید زور آزمائی کے بعد ان بلوائیوں کو شکست ہوئی' شہر کے آدمی بھی سب اٹھ کھڑے ہوئے اور تمام بلوائیوں کو قتل کر کے رکھ دیا۔

اس ہنگامے کے بعد منصور نے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے جس نے اپنی پامردی وبہادری کے ذریعہ اس فتنہ کو فرو کرنے میں سب سے زیادہ کام کیا ہے' تب اس کو معلوم ہوا کہ یہ معن بن زائدہ ہے' منصور نے اس کو امان دے دی اور اس کے سابق جرموں کو معاف کر کے اس کی عزت ومرتبہ کو بڑھا دیا۔

ابوداؤد خالد بن ابراہیم ذہلی بلخ کا عامل اور آج کل خراسان کا گورنر تھا' اسی عرصہ یعنی ۱۴۰ھ میں اس کے لشکر میں بغاوت پھوٹی اور اہل لشکر نے مکان کا محاصرہ کر لیا' ابوداؤد مکان کی چھت پر ان باغیوں کے دیکھنے کے لیے چڑھا' اتفاق سے پاؤں پھسل کر گر پڑا اور اسی دن مر گیا' اس کے بعد اس کے سپہ سالار حصام نے اس بغاوت کو فرو کیا اور خراسان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر منصور کو اطلاع دی' منصور نے عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کو گورنر خراسان بنا کر بھیجا۔

عبدالجبار کی بغاوت اور قتل

عبدالجبار نے خراسان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی ابوداؤد کے عاملوں کو معزول و بے عزت اور قتل کرنا شروع کیا اور بڑے بڑے سرداروں کو ذرا ذرا سے شبہ میں قتل کر کے تمام ملک میں ہلچل مچا دی' یہ خبر منصور کے پاس پہنچی کہ عبدالجبار عباسیوں کے خیر خواہوں کو قتل کیے ڈالتا ہے' منصور متامل تھا کہ عبدالجبار کو خراسان سے کس طرح بآسانی جدا کرے کیونکہ اس کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ اعلانیہ باغی نہ ہو جائے' آخر منصور نے عبدالجبار کو لکھا کہ لشکر خراسان کا ایک بڑا حصہ جہاد روم پر روانہ کر دو' مدعا یہ تھا کہ جب لشکر خراسان کا بڑا حصہ خراسان سے جدا ہو جائے گا تو پھر عبدالجبار کا معزول کرنا اور کسی دوسرے گورنر کا وہاں بھیج دینا آسان ہو گا۔

عبدالجبار نے جواباً لکھا کہ ترکوں نے فوج کشی شروع کر دی ہے اگر آپ لشکر خراسان کو دوسری طرف منتقل کر دیں گے تو مجھ کو خراسان کے نکل جانے کا اندیشہ ہے۔

یہ جواب دیکھ کر منصور نے عبدالجبار کو لکھا کہ خراسان کا ملک مجھ کو سب سے زیادہ عزیز ہے اور اس کو محفوظ رکھنا نہایت ضروری سمجھتا ہوں' اگر ترکوں نے فوج کشی شروع کر دی ہے تو میں خراسان کی حفاظت کے لیے ایک لشکر عظیم روانہ کرتا ہوں' تم کوئی فکر نہ کرو۔

اس تحریر کو پڑھ کر عبدالجبار نے فوراً منصور کو لکھا کہ خراسان کے ملک کی آمدنی اس قدر بار عظیم کی متحمل نہ ہو سکے گی' آپ کوئی بڑا لشکر نہ بھیجئے۔

یہ جواب دیکھ کر منصور کو یقین ہو گیا کہ عبدالجبار بغاوت پر آمادہ ہے چنانچہ اس نے فوراً بلا توقف اپنے بیٹے مہدی کو ایک زبردست فوج دے کر روانہ کیا' مہدی نے رے میں پہنچ کر قیام کیا اور خازم بن خزیمہ کو عبدالجبار سے لڑنے کے لیے آگے بڑھنے کا حکم دیا' دونوں میں لڑائی اور سخت معرکہ آرائی ہوئی' آخر عبدالجبار شکست کھا کر بھاگا اور محشر بن مزاحم نے اس کو گرفتار کر کے خازم بن خزیمہ کی خدمت میں پیش کیا' خازم بن خزیمہ نے اس کو بالوں کا ایک جبہ پہنا کر دم کی طرف منہ کر کے

اونٹ پر سوار کیا اور تشہیر کرا کر معہ اس کے گرفتار شدہ ہمراہیوں کے منصور کے پاس بھیج دیا' منصور نے ان لوگوں کو قید کر دیا اور ۱۴۲ھ میں عبدالجبار کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کرنے کا حکم دیا' عبدالجبار پر فتح پانے کے بعد مہدی نے خراسان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور ۱۴۹ھ تک وہ خراسان کا گورنر رہا۔

عیینہ بن موسیٰ بن کعب

موسیٰ بن کعب سندھ کا عامل تھا' اس کے بعد اس کا بیٹا عیینہ سندھ کا عامل مقرر کیا گیا تھا اس نے سندھ میں منصور کے خلاف علم بغاوت بلند کیا' منصور کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ دارالخلافہ سے بصرہ میں آیا اور بصرہ سے عمر بن حفص بن ابی صفوہ عتکی کو سندھ و ہند کی سند گورنری عطا کر کے جنگ عیینہ پر مامور کیا' عمر بن حفص نے سندھ پہنچ کر عیینہ کیساتھ جنگ شروع کی اور بالآخر سندھ پر قبضہ حاصل کر لیا' یہ واقعہ ۱۴۲ھ کا ہے۔

اسی عرصہ میں والی طبرستان نے بغاوت اختیار کی' طبرستان کی طرف خازم بن خزیمہ اور روح بن حاتم بھیجے گئے' جنہوں نے طبرستان پر قبضہ حاصل کیا اور عامل طبرستان جو ایک ایرانی النسل نومسلم تھا خودکشی کر کے مر گیا۔

علویوں کی قید و گرفتاری

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مکہ میں بنوامیہ کی حکومت کے آخر ایام میں ایک مجلس منعقد ہوئی تھی' اس میں خلیفہ کے تعین اور انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا تو منصور نے جو اس مجلس میں موجود تھا' محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا' سب نے اس رائے سے اتفاق کر کے محمد بن عبداللہ کے ہاتھ بیعت کی تھی' اس بیعت میں منصور بھی شریک تھا' یعنی منصور محمد بن عبداللہ حسنی کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر چکا تھا' سفاح نے اپنے عہد خلافت میں علویوں کو خاموش رکھا اور انعام و اکرام اور بذل مال سے ان کو خوش رکھ کر مخالفت اور خروج پر آمادہ نہ ہونے دیا۔

منصور جب خلیفہ ہوا تو اس نے سفاح کے زمانے کی سخاوت کو باقی نہ رکھا اور سب سے زیادہ محمد بن عبداللہ کی فکر میں رہنے لگا' محمد بن عبداللہ کے باپ عبداللہ بن حسن کا بھی ذکر اوپر آ چکا ہے کہ وہ سفاح کے پاس آئے تھے اور سفاح نے ان کو بہت سا مال و زر دے کر خوش و خرم واپس کیا تھا' جب منصور خلیفہ ہوا تو عبداللہ بن حسن نے اپنے بیٹے محمد اور ابراہیم کو اس خیال سے روپوش کر دیا کہ کہیں منصور ان کو قتل نہ کرا دے' ان میں محمد بن عبداللہ کو جن کے ہاتھ پر منصور نے بیعت کی تھی محمد مہدی کے نام سے پکارا جاتا ہے' لہٰذا آئندہ ان کا نام محمد مہدی ہی لکھا جائے گا۔

۱۳۶ھ میں جب منصور حج کرنے گیا تھا اور وہاں سفاح کے مرنے کی خبر سنی تھی تو سب سے پہلے اس نے محمد مہدی کو دریافت کیا' اس وقت وہ وہاں موجود نہ تھے' مگر لوگوں کو شبہ پیدا ہو گیا اس لیے وہ روپوش ہو گئے' ان کے ساتھ ان کے بھائی ابراہیم بھی روپوش رہے' منصور خلیفہ ہونے کے بعد برابر لوگوں سے محمد مہدی کا حال دریافت کرتا رہتا تھا اس تفحص و تجسس میں اس نے اس قدر مبالغہ کیا کہ ہر شخص کو یہ حال معلوم ہو گیا کہ منصور کو محمد مہدی کی بڑی تلاش ہے' عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو جب منصور کی طرف سے مجبور کیا گیا کہ اپنے بیٹے کو حاضر کرو تو انہوں نے منصور کے چچا سلیمان بن علی سے مشورہ کیا' سلیمان نے کہا کہ اگر منصور درگزر کرنے کا عادی ہوتا تو اپنے چچا سے درگزر کرتا یعنی عبداللہ بن علی پر سختی وتشدد روا نہ رکھتا' عبداللہ بن حسن یہ سن کر اپنے بیٹوں کے روپوش رکھنے میں اور بھی زیادہ مبالغہ کرنے لگے' آخر منصور نے حجاز کے چپے چپے میں اپنے جاسوس پھیلا دیئے اور جعلی خطوط لکھ کر عبداللہ بن حسن کے پاس بھجوائے کہ کسی طرح مہدی کا پتہ چل جائے۔

محمد مہدی اور ان کے بھائی ابراہیم دونوں حجاز میں چھپتے پھرے' پھر منصور صرف انہیں کے تجسس وتلاش میں خود حج کے بہانے مکہ میں پہنچا' یہ دونوں بھائی حجاز سے بصرہ میں آ کر بنوراہب اور بنومرہ میں مقیم ہوئے' منصور کو اس کا پتہ لگا تو وہ سیدھا بصرہ میں آیا لیکن اس کے آنے سے پیشتر محمد مہدی اور ابراہیم بصرہ چھوڑ چکے تھے' بصرہ سے یہ دونوں عدن چلے گئے' منصور بصرہ سے دارالخلافہ کو روانہ ہو گیا' جب عدن میں بھی ان دونوں بھائیوں کو اطمینان نہ ہوا تو سندھ چلے گئے' چندروز سندھ میں رہ کر کوفہ میں آ کر روپوش رہے' پھر کوفہ سے مدینہ منورہ چلے آئے۔

۱۴۰ھ میں منصور پھر حج کو آیا' یہ دونوں بھائی بھی حج کے لیے مکہ آئے' ابراہیم نے قصد کیا کہ منصور کی زندگی کا خاتمہ کر دیں مگر ان کے بھائی محمد مہدی نے منع کر دیا' منصور کو اس مرتبہ بھی ان کا کوئی پتہ نہ چلا' اس نے ان کے باپ عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو بلا کر دونوں بیٹوں کے حاضر کرنے کے لیے مجبور کیا' جب انہوں نے لاعلمی بیان کی تو منصور نے ان کو قید کرنا چاہا مگر زیاد عامل مدینہ نے ان کی ضمانت دی' تب وہ چھوٹے' چونکہ زیاد عامل مدینہ نے عبداللہ بن حسن کی ضمانت دی تھی اس لیے منصور اس سے بھی بدگمان ہو گیا اور دارالخلافہ میں واپس آ کر محمد بن خالد بن عبداللہ قسری کو مدینہ کا عامل بنا کر بھیجا اور زیاد کو معہ اس کے دوستوں کے گرفتار کرا کر بلوایا اور قید کر دیا۔

محمد بن خالد نے مدینہ کا عامل ہو کر محمد مہدی کی تلاش وجستجو میں بڑی کوشش کی اور بیت المال کا تمام روپیہ اسی کوشش میں صرف کر دیا' منصور نے محمد بن خالد کے اسراف اور ناکامی پر اس کو بھی معزول کیا اور رباح بن عثمان بن حیان مزنی کو مدینہ کا عامل بنایا' رباح نے مدینہ میں پہنچ کر عبداللہ بن حسن کو

بہت تنگ کیا اور تمام مدینہ میں ہلچل مچادی اور مندرجہ ذیل علویوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

(۱) عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے باپ)

(۲) ابراہیم بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے چچا)

(۳) جعفر بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے چچا)

(۴) سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے چچا)

(۵) عبداللہ بن داؤد بن حسن بن حسن بن مثنیٰ بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے چچازاد بھائی)

(۶) محمد بن ابراہیم بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے چچازاد بھائی)

(۷) اسماعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے چچازاد بھائی)

(۸) اسحاق بن ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے چچازاد بھائی)

(۹) عباس بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے چچا)

(۱۰) موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے حقیقی بھائی)

(۱۱) علی بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے چچا)

ان لوگوں کو گرفتار کر کے منصور کو اطلاع دی گئی تو اس نے لکھا کہ ان لوگوں کے ساتھ محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کو بھی گرفتار کر لو کیونکہ عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ماں ایک ہی ہے' یعنی یہ دونوں فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں چنانچہ رباح نے اس حکم کی بھی تعمیل کی اور محمد بن عبداللہ بن عمرو کو قید کر لیا۔

انہیں ایام میں گورنر مصر نے علی بن محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما (محمد مہدی کے بیٹے) کو گرفتار کر کے منصور کے پاس بھیجا' منصور نے ان کو قید کر دیا یہ اپنے باپ کی طرف سے مصر میں دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجے گئے تھے۔

تعمیر بغداد اور تدوین علوم

سفاح نے انبار کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا اور چند روز کے بعد انبار کے متصل اس نے اپنا ایک محل اور ارا کین سلطنت کے مکانات بنوائے' یہ ایک چھوٹی سی بستی الگ قائم ہو گئی تھی' اس کا نام ہاشمیہ رکھا گیا تھا' منصور ہاشمیہ ہی میں تھا کہ خراسانیوں کا ہنگامہ ہوا' ۱۴۰ھ یا ۱۴۱ھ میں منصور نے اپنا ایک جدا دارالخلافہ بنانا چاہا اور شہر بغداد کی بنیاد رکھی گئی' بغداد کی تعمیر کا کام قریباً نو دس تک جاری رہا' اور ۱۴۹ھ میں اس کی تعمیر مکمل ہو گئی' اس روز سے بنو عباس کا دارالخلافہ بغداد رہا۔

اسی عرصہ میں علمائے اسلام نے علوم دینی کی تاسیس وتدوین کا کام شروع کیا' ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ میں' مالک رحمۃ اللہ علیہ نے شام میں' ابن ابی عروبہ رحمۃ اللہ علیہ اور حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بصرہ میں' معمر رحمۃ اللہ علیہ نے یمن میں' سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں احادیث کی کتابیں لکھنے کا کام کیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی پر' ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ پر کتابیں لکھیں' اس سے پہلے احادیث ومغازی کا انحصار زبانی روایات پر تھا' تصانیف وتالیف کا یہ سلسلہ شروع ہو کر دم بدم ترقی کرتا رہا اور اس کے بعد بغداد وقرطبہ کے درباروں نے مصنفین کی خوب ہمت افزائیاں کیں۔

احادیث کی کتابیں لکھنے اور قوت حافظہ کا بوجھ کتابت وقرطاس پر ڈالنے کا یہی زمانہ سب سے زیادہ موزوں اور ضروری بھی تھا جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔

قتل سادات

رباح نے جن بزرگوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا تھا ۱۴۴ھ کے آخر ایام تک مدینہ میں قید رہے' منصور برابر محمد مہدی اور ان کے بھائی ابراہیم کے تجسس وتلاش میں مصروف رہا' اس عرصہ میں یہ دونوں بھائی حجاز کے قبائل اور غیر معروف مقامات میں روپوش رہے اور جلد جلد اپنی جائے قیام کو تبدیل کرتے رہے' غرض سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو قید نہ ہو گیا ہو یا اپنی جان بچانے کے لیے چھپا چھپانہ پھرتا ہو۔

۱۴۴ھ کے ماہ ذی الحجہ میں منصور حج کرنے گیا اور محمد بن عمران بن ابراہیم بن طلحہ اور مالک بن انس کو یہ پیغام دیکر اولاد حسن رضی اللہ عنہ کے پاس قید خانہ میں بھیجا کہ محمد وابراہیم دونوں بھائیوں کو ہمارے سپرد کردو' ان دونوں کے باپ عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن نے ان دونوں کے حال سے اپنی لاعلمی بیان کر کے خود منصور کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی' منصور نے کہا کہ جب تک اپنے دونوں بیٹوں کو حاضر نہ کرے میں عبداللہ بن حسن سے ملنا نہیں چاہتا' جب منصور حج سے واپس ہو کر عراق کی جانب آنے لگا تو رباح کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کو ہمارے پاس عراق بھیج دو' رباح نے ان سب قیدیوں کو قید خانہ سے نکال کر طوق' ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کو بغیر کجاوہ کے اونٹوں پر سوار کرایا اور محافظ دستہ کے ساتھ عراق کی جانب روانہ کر دیا۔

راستے میں محمد وابراہیم دونوں بھائی بدوؤں کے لباس میں اپنے باپ عبداللہ سے آ کر ملے اور خروج کی اجازت چاہی مگر عبداللہ بن حسن نے ان کو صبر کرنے اور عجلت سے کام نہ لینے کی ہدایت و نصیحت کی۔

یہ قیدی جب منصور کے پاس پہنچے تو منصور نے محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے بلا کر گالیاں دیں اور ڈیڑھ سو کوڑے لگوائے' محمد بن عبداللہ بن عمرو کا منصور اس لیے دشمن تھا کہ اہل شام ان کے ہوا خواہ تھے اور ملک شام میں ان کا بہت اثر تھا۔

ان قیدیوں کے عراق میں منتقل ہو جانے کے بعد محمد مہدی نے اپنے بھائی ابراہیم کو عراق و خراسان کی طرف روانہ کر دیا کہ تم وہاں جا کر لوگوں کو دعوت دو اور عباسیوں کی مخالفت پر آمادہ کرو' منصور کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد مہدی حجاز میں موجود ہیں' اس نے ان کو دھوکہ دینے اور ان کا پتہ لگانے کی غرض سے جو تدابیر اختیار کیں ان میں ایک یہ تھی کہ وہ مسلسل مختلف شہروں کے لوگوں کی طرف سے محمد مہدی کے نام خطوط لکھوا لکھوا کر ایسے لوگوں کے پاس بھجواتا رہتا تھا جن کی نسبت اس کو شبہ تھا کہ یہ محمد مہدی کے ہمدرد اور ان کے حال سے باخبر ہیں' ان خطوط میں لوگوں کی طرف سے اظہار عقیدت اور منصور کی برائیاں درج ہوتی تھیں اور خروج کیلئے ترغیب دی جاتی تھی' مدعا منصور کا یہ تھا کہ اس طرح ممکن ہے کہ محمد مہدی تک بھی کوئی جاسوس پہنچ جائے اور وہ گرفتار ہو سکیں' یہ مدعا تو حاصل نہ ہوا' لیکن یہ ضرور ہوا کہ محمد مہدی کو ایسے خطوط کی اطلاع اپنے دوستوں کے ذریعہ پہنچتی رہی اور ان کو اپنے ہوا خواہوں اور فدائیوں کا اندازہ کرنے میں کسی قدر غلط فہمی ہو گئی یعنی انہوں نے اپنی جماعت کا اندازہ حقیقت سے زیادہ کر لیا۔

ادھر ان کے بھائی ابراہیم نے بصرہ' کرمان' اصفہان' خراسان' موصل اور شام وغیرہ کا سفر کر کے جابجا اپنے داعی اور ہمدرد پیدا کر لیے اور منصور کے دارالخلافہ میں آ کر ایک مرتبہ منصور کے دستر خوان پر کھانا کھا گئے اور منصور کو علم نہ ہوا' دوسری مرتبہ جب کہ منصور بغداد کی تعمیر کے معائنہ کو آیا تھا وہ منصور کے آدمیوں میں ملے جلے اس کے ساتھ موجود تھے' منصور کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ ابراہیم یہاں موجود ہیں مگر اس مرتبہ بھی منصور ان کو گرفتار نہ کرا سکا۔

اسی طرح محمد مہدی بھی حجاز میں رباح کی سخت ترین کوشش و تلاش کے باوجود اس کے ہاتھ نہ آئے آخر ۱۴۵ھ میں ابوعون عامل خراسان نے منصور کے پاس ایک تحریر بھیجی کہ خراسان میں مخفی سازش بڑی تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہے' اور تمام اہل خراسان محمد مہدی کے خروج کا انتظار کر رہے ہیں' منصور نے اس تحریر کو پڑھتے ہی محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو قید خانے سے بلا کر جلاد کے سپرد کیا اور ان کا سر اتروا کر خرسان بھیج دیا' اس سر کے ساتھ چند آدمی ایسے بھیجے گئے' جنہوں نے جا کر قسم کھا کر شہادت دی کہ یہ سر محمد بن عبداللہ کا ہے اور ان کی دادی کا نام فاطمہ بنت رسول اللہ تھا' اس طرح اہل خراسان کو دھوکہ دیا گیا کہ محمد مہدی قتل ہو گئے اور یہ انہیں کا سر ہے۔

پھر منصور نے محمد بن ابراہیم بن حسن رضی اللہ عنہ کو زندہ ایک ستون میں چنوا دیا' اس کے بعد عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور علی بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قتل کیا گیا' پھر ابراہیم بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور عباس بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما وغیرہ کو سخت اذیتوں کے ساتھ قتل کیا گیا۔

منصور کی یہ سنگدلی اور قساوت قلبی نہایت حیرت انگیز ہے' بنوامیہ علویوں کے مخالف اور دشمن تھے اور عباسی تو اب تک علویوں کے ساتھ شیر وشکر چلے آتے تھے' بنوامیہ کی علویوں سے کوئی قریبی رشتہ داری نہ تھی لیکن عباسیوں اور علویوں کا تو بہت ہی قریبی رشتہ تھا' علویوں نے بنوامیہ کی سخت مخالفت کی تھی اور بارہا بنوامیہ کے خلاف تیر وتلوار کا استعمال کر چکے تھے لیکن بنوعباس کے خلاف ابھی تک انہوں نے کوئی جنگی مظاہرہ بھی نہیں کیا تھا' ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھو اور سوچو کہ بنوامیہ نے کسی علوی کو اس طرح محض شبہ میں گرفتار کر کے قتل نہیں کیا بلکہ ان کے ہاتھ سے وہی علوی قتل ہوئے جو میدان جنگ میں لڑتے ہوئے مارے گئے' مگر منصور نے بالکل بے گناہ اولاد حسن رضی اللہ عنہ کے کتنے افراد کس قساوت قلبی اور بیدردی کے ساتھ قتل کیے ہیں' منصور کا یہ قتل سادات جرم وگناہ کے اعتبار سے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل حسین سے بہت بڑھ چڑھ کر نظر آتا ہے' شاید اسی کا نام دنیا ہے جس کی ہوس میں انسان اندھا ہو کر ہر ایک ناشدنی کام کر گزرتا ہے۔

محمد مہدی نفس ذکیہ کا خروج

جب منصور نے عبداللہ بن حسن اور دوسرے افراد آل حسن رضی اللہ عنہ کو قتل کرا دیا تو محمد مہدی نے اس خبر کو سنکر زیادہ انتظار مناسب نہ سمجھا' ان کو یہ بھی یقین تھا کہ لوگ ہمارا ساتھ دینے اور منصور کی خلع خلافت کرنے کے لیے ہر جگہ تیار ہیں' چنانچہ انہوں نے اپنے مدینہ کے دوستوں سے خروج کا مشورہ کیا' اتفاقاً عامل مدینہ ریاح کو جاسوسوں کے ذریعہ اس کی اطلاع ہوگئی کہ آج محمد مہدی خروج کرنے والے ہیں' اس نے جعفر بن محمد بن حسین رضی اللہ عنہما اور حسین بن علی بن حسین اور چند قریشیوں کو بلا کر کہا کہ اگر محمد مہدی نے خروج کیا تو میں تم کو قتل کر دوں گا' ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ تکبیر کی آواز آئی اور معلوم ہوا کہ محمد مہدی رحمۃ اللہ علیہ نے خروج کیا ہے' ابتداً ان کے ساتھ صرف ڈیڑھ سو آدمی تھے' انہوں نے سب سے پہلے قید خانہ کی طرف جا کر محمد بن خالد بن عبداللہ قسری اور اس کے بھتیجے نذیر بن یزید بن خالد اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے آزاد کیا' پھر دارالامارۃ کی طرف آ کر رباح اور اس کے بھائی عباس اور ابن مسلم بن عقبہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا' اس کے بعد مسجد کی طرف آئے اور خطبہ دیا' جس میں منصور کی بری عادات اور افعال مجرمانہ کا ذکر کر کے لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کے برتاؤ کا وعدہ

کیا اور ان سے امداد کے خواہاں ہوئے۔

اس کے بعد مدینہ کے عہدہ قضا پر عثمان بن محمد بن خالد بن زہیر کو اسلحہ خانہ پر عبدالعزیز بن مطلب بن عبداللہ مخزومی کو محکمہ پولیس پر عثمان بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کو مقرر کیا اور محمد بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ملامتانہ پیغام بھیجا کہ تم کیوں گھر میں چھپ کر بیٹھ رہے محمد بن عبدالعزیز نے امداد کا وعدہ کیا' اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر نے محمد مہدی کی بیعت نہیں کی' اسی طرح اور بھی چند شخصوں نے بیعت سے اعتراض کیا۔

محمد مہدی رحمۃ اللہ علیہ خروج اور رباح کے مقید ہونے کے نو دن بعد منصور کے پاس خبر پہنچی' وہ یہ سن کر سخت پریشان ہوا' فوراً کوفہ میں آیا اور کوفہ سے ایک خط بطور امان نامہ محمد مہدی کے نام لکھ کر روانہ کیا' اس خط میں منصور نے لکھا تھا کہ:

﴿إِنَّمَا جَزَآؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (المائدة ۵: ۳۳'۳۴)

میرے اور تمہارے درمیان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد و میثاق اور ذمہ ہے کہ میں تم کو تمہارے اہل خاندان کو اور تمہارے متبعین کو جان اور مال و اسباب کی امان دیتا ہوں' نیز اب تک تم نے جو خونریزی کی ہو' یا کسی کا مال لے لیا ہو اس سے بھی درگزر کرتا ہوں اور تم کو ایک لاکھ درہم اور دیتا ہوں' اس کے علاوہ جو کوئی تمہاری اور حاجت ہو گی وہ بھی پوری کر دی جائے گی' جس شہر کو تم پسند کرو گے اسی میں مقیم کیے جاؤ گے' جو لوگ تمہارے شریک ہیں ان کو امن دینے کے بعد ان سے کبھی مواخذہ نہ کروں گا' اگر تم ان باتوں کے متعلق اپنا اطمینان کرنا چاہو تو اپنے معتمد کو میرے پاس بھیج کر مجھ سے عہد نامہ لکھوا لو اور ہر طرح مطمئن ہو جاؤ۔

یہ خط جب محمد مہدری کے پاس پہنچا تو اس نے جواب میں لکھا کہ:

﴿طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَ هُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَ هُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ

اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ○ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ (القصص : ۲۸/۱ تا ۶)

''ہم تمہارے لیے ویسا ہی امان پیش کرتے ہیں جیسا کہ تم نے ہمارے لیے پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہمارا حق ہے۔ تم ہمارے ہی سبب سے اس کے مدعی ہوئے اور ہمارے ہی گروہ والے بن کر حکومت حاصل کرنے کو نکلے اور اسی لیے کامیاب ہوئے۔ ہمارا باپ علی امام تھا۔ تم اس کی ولایت کے وارث کس طرح ہو گئے؟ حالانکہ ان کی اولاد موجود ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم جیسے شریف و صحیح النسب لوگوں نے حکومت کی خواہش نہیں کی۔ ہم ملعونوں اور مردودوں کے بیٹے نہیں ہیں۔ بنو ہاشم میں کوئی شخص بھی قرابت و سابقیت و فضیلت میں ہمارا ہمسر نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں ہم فاطمہ بن عمرو کی اولاد سے ہیں اور اسلام میں فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو تم سے برتر و بہتر بنایا ہے۔ نبیوں میں ہمارے باپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو سب سے افضل ہیں اور سلف میں علی رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ازواج مطہرات میں سب سے پہلے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے قبلہ کی طرف نماز پڑھی۔ لڑکیوں میں فاطمہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا دختر رسول اللہ ہیں جن کو جنت کی عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ مولودین اسلام میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہیں جو اہل جنت کے سردار ہیں۔ ہاشم سے علی رضی اللہ عنہ کا دوہرا سلسلہ قرابت ہے اور حسن رضی اللہ عنہ کا عبدالمطلب سے دوہرا سلسلہ قرابت ہے۔ میں بہ اعتبار نسب کے بہترین بنی ہاشم ہوں۔ میرا باپ بنی ہاشم کے مشاہیر میں سے ہے۔ مجھ میں کسی عجمی کی آمیزش نہیں اور نہ مجھ میں کسی لونڈی باندی کا اثر ہے۔ میں اپنے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر تم میری اطاعت اختیار کر لو گے تو میں تم کو تمہاری جان و مال کی امان دیتا ہوں اور ہر ایک بات سے جس کے تم مرتکب ہو چکے ہو، درگزر کرتا ہوں مگر کسی حد کا حدود اللہ سے یا کسی مسلمان کے حق یا معاہدہ کا میں ذمہ دار نہ ہوں گا کیونکہ اس معاملہ میں جیسا کہ تم جانتے ہو مجبور ہوں۔ یقیناً میں تم سے زیادہ مستحق خلافت اور عہد کا پورا کرنے والا ہوں۔ تم نے مجھ سے پہلے بھی چند لوگوں کو مانا اور قول دیا تھا۔ پس تم مجھے کون سی امان دیتے ہو؟ آیا امان ابن ہبیرہ کی یا امان اپنے چچا عبداللہ بن علی کی یا امان ابو مسلم کی؟''

منصور کے پاس جب یہ خط پہنچا تو اس نے بہت پیچ و تاب کھایا اور ذیل کا خط لکھ کر محمد مہدی کے پاس روانہ کیا:

''میں نے تمہارا خط پڑھا۔ تمہارے فخر کا دارومدار عورتوں کی قرابت پر ہے جس سے جاہل بازاری لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چچاؤں' باپوں اور ولیوں کی طرح نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے چچا کو باپ کا قائم مقام بنایا ہے اور اپنی کتاب میں اس کو قریب ترین ماں پر مقدم کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ عورتوں کی قرابت کا پاس ولحاظ کرتا تو آمنہ (مادر رسول اللہ ﷺ) جنت میں داخل ہونے والوں کی سردار ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی کے موافق جس کو چاہا' برگزیدہ کیا اور تم نے جو فاطمہ ام ابی طالب کا ذکر کیا ہے تو اس کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کسی لڑکے اور کسی لڑکی کو اسلام نصیب نہیں کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ مردوں میں سے کسی کو بہ وجہ قرابت برگزیدہ کرتا تو عبداللہ بن عبدالمطلب کو اور بے شک وہ ہر طرح بہتر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لیے جس کو چاہا' با اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (القصص: ۲۸/۵۶) اور جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث کیا تو اس وقت آپ ﷺ کے چار چچا موجود تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعرا۲۶: ۲۱۴) نازل فرمائی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور دین حق کی طرف بلایا۔ ان چاروں میں سے دو نے اس دین حق کو قبول کرلیا' جن میں سے ایک میرا باپ تھا اور دو نے دین حق کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ ان میں سے ایک تمہارا باپ (ابوطالب) تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا سلسلہ ولایت آپ ﷺ سے منقطع کر دیا اور آپ ﷺ میں اور ان دونوں میں کوئی عزیز داری اور میراث قائم نہ کی۔ حسن رضی اللہ عنہ کی بابت جو تم نے یہ لکھا ہے کہ عبدالمطلب سے ان کا دوہرا سلسلہ قرابت ہے اور پھر تم کو رسول اللہ ﷺ سے دوہرا رشتہ قرابت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیر الاولین والآخرین ہیں۔ ان کو ہاشم وعبدالمطلب سے ایک پدری تعلق تھا۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ تم بہترین بنو ہاشم ہو اور تمہارے ماں باپ ان میں زیادہ مشہور تھے اور تم میں عجمیوں کا میل اور کسی لونڈی کا لگاؤ نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم نے کل بنو ہاشم سے اپنے آپ کو زیادہ اچھا بنایا ہے۔ ذرا غور تو کرو' تم پر تف ہے۔ کل اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے۔ تم نے حد سے زیادہ تجاوز کیا اور اپنے آپ کو اس سے بہتر بتایا جو تم سے ذات و صفات میں بہتر ہے یعنی ابراہیم بن رسول اللہ بالخصوص تمہارے باپ کی اولاد میں کوئی بہتر و افضل اور اہل فضل سوائے کنیز زادوں کے نہیں۔ وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد تم میں علی بن

حسین یعنی امام زین العابدین سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا اور وہ کنیز کے لڑکے تھے اور بلاشبہ تمہارے دادا حسن بن حسن سے بہتر ہیں۔ ان کے بعد تم میں کوئی شخص محمد بن علی کی مانند پیدا نہیں ہوا۔ ان کی دادی کنیز تھیں اور وہ تمہارے باپ سے بہتر ہیں۔ ان کے لڑکے جعفر تم سے بہتر ہیں اور ان کی دادی کنیز تھیں۔ تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ (الاحزاب ۳۳: ۴۰) ہاں تم ان کی لڑکی کے لڑکے ہو اور بے شک یہ قرابت قریبہ ہے مگر اس کو میراث نہیں پہنچ سکتی اور نہ یہ ولایت کی وارث ہو سکتی ہے اور نہ اس کو امامت جائز ہے۔ پس اس قرابت کے ذریعہ سے تم کس طرح وارث ہو سکتے ہو؟ تمہارے باپ نے ہر طرح اس کی خواہش کی تھی۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو دن میں نکالا ان کی بیماری کو چھپایا اور رات کے وقت ان کو دفن کیا۔ مگر لوگوں نے سوائے شیخین رضی اللہ عنہما (یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے کسی کو منظور نہیں کیا۔ تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ نانا' ماموں اور خالہ مورث نہیں ہوتے' پھر تم نے علی رضی اللہ عنہ اور ان کے سابق بالاسلام ہونے کی وجہ سے فخر کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وفات کے وقت دوسرے (یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ) کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ بعد ازاں لوگ ایک کے بعد دوسرے کو امام بناتے گئے اور ان کو منتخب نہ کیا۔ حالانکہ یہ بھی ان چھ اشخاص میں سے تھے لیکن سبھوں نے ان کو اس امر کے قابل نہ سمجھ کر چھوڑ دیا اور اس معاملہ میں ان کو حق دار نہ سمجھا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تو ان پر عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم کر دیا اور وہ اس معاملہ میں متہم بھی ہیں۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما ان سے لڑے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت سے انکار کیا' بعد ازاں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اس کے بعد تمہارے باپ نے پھر خلافت کی تمنا کی اور لڑے۔ ان سے ان کے ساتھی جدا ہو گئے اور حکم مقرر کرنے سے پہلے ان کے ہوا خواہ ان کے مستحق ہونے کی بابت مشکوک ہو گئے' پھر انہوں نے رضامندی سے دو اشخاص کو حاکم مقرر کیا۔ ان دونوں نے ان کی معزولی پر اتفاق کر لیا' پھر حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے خلافت کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کپڑوں اور درہموں کے عوض فروخت کر ڈالا اور اپنے ہوا خواہوں کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور حکومت نااہل کو سونپ دی۔ پس اگر اس میں تمہارا کوئی حق بھی تھا تو تم اس کو فروخت کر چکے اور قیمت وصول کر لی' پھر تمہارے چچا حسین رضی اللہ عنہ نے ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر خروج کیا۔ لوگوں نے تمہارے چچا کے خلاف اس کا ساتھ دیا' یہاں تک کہ لوگوں نے تمہارے چچا کو قتل کیا اور ان کا سر کاٹ کر اس کے پاس لے آئے' پھر تم

لوگوں نے بنوامیہ پر خروج کیا۔ انہوں نے تم کو قتل کیا۔ خرما کی ڈالیوں پر سولی دی' آگ میں جلایا' شہر بدر کر دیا۔ یحییٰ بن زید کو خراسان میں قتل کیا' تمہارے ذکور کو قتل کیا' لڑکوں اور عورتوں کو قید کر لیا اور بغیر پردہ کے اونٹوں پر سوار کرا کے تجارتی لونڈیوں کی طرح شام بھیج دیا۔ یہاں تک کہ ہم نے ان پر خروج کیا اور ہم نے تمہارا معاوضہ طلب کیا۔ چنانچہ تمہارے خونوں کا بدلہ ہم نے لے لیا اور ہم نے تم کو ان کی زمین و جائیداد کا مالک بنایا۔ ہم نے تمہارے بزرگوں کو فضیلت دی اور معزز بنایا۔ کیا تم اس کے ذریعہ سے ہم کو ملزم بنانا چاہتے ہو؟ شاید تم کو یہ دھوکا لگا ہے کہ تمہارے باپ کا حمزہ و عباس اور جعفر رضی اللہ عنہم پر مقدم ہونے کی وجہ سے ہم ذکر کیا کرتے تھے۔ حالانکہ جو کچھ تم نے سمجھا ہے' وہ بات نہیں ہے۔ یہ لوگ تو دنیا سے ایسے صاف گئے کہ سب لوگ ان کے مطیع تھے اور ان کے افضل ہونے کے قائل تھے مگر تمہارا باپ جدال و قتال میں مبتلا کیا گیا۔ بنوامیہ ان پر اسی طرح لعنت کرتے تھے جیسے کفار پر نماز فرائض میں کی جاتی ہے۔ پس ہم نے جھگڑا کیا' ان کے فضائل بیان کیے' بنوامیہ پر سختی کی اور ان کو سزا دی۔ تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں کی بزرگی جاہلیت میں حجاج کے پانی پلانے کی وجہ سے تھی اور یہ بات تمام بھائیوں میں صرف عباس رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل تھی۔ تمہارے باپ نے اس کے متعلق ہم سے جھگڑا کیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمارے حق میں فیصلہ کیا۔ پس اس کے مالک جاہلیت اور اسلام میں ہم ہی رہے۔ جن دنوں مدینہ میں قحط پڑا تھا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے رب سے پانی مانگنے میں ہمارے ہی باپ کے ذریعہ سے توسل کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا تھا۔[1] حالانکہ تمہارے باپ اس وقت موجود تھے' ان کا توسل نہیں کیا۔ تم جانتے ہو کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو بنی عبدالمطلب میں سے کوئی شخص سوائے عباس رضی اللہ عنہ کے باقی نہ تھا۔ پس وراثت چچا کی طرف منتقل ہو گئی' پھر بنی ہاشم میں سے کئی شخصوں نے خلافت کی خواہش کی مگر سوائے عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کے کوئی کامیاب نہ ہوا۔ سقایت تو ان کی تھی ہی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث بھی ان کی طرف منتقل ہو گئی اور خلافت ان کی اولاد میں آ گئی۔ غرض دنیا و آخرت اور جاہلیت و اسلام کا کوئی شرف باقی نہ رہا' جس کے وارث و مورث عباس رضی اللہ عنہ نہ ہوئے ہوں۔ جب اسلام شائع ہوا تو عباس رضی اللہ عنہ کو بہ اکراہ نہ نکالا جاتا تو ابوطالب و عقیل بھوکے مر جاتے اور عربہ و شیبہ کے برتن چاٹتے رہتے لیکن عباس رضی اللہ عنہ ان کو کھانا کھلا رہے تھے۔ انہوں نے ہی تمہاری آبرو رکھی' غلامی سے بچایا۔ کھانے' کپڑے کی کفالت کرتے

---

[1] صحیح بخاری' کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم' حدیث ۳۷۴۶۔

رہے' پھر جنگ بدر میں عقیل کو فدیہ دے کر چھڑایا۔ پس تم ہمارے سامنے کیا تفاخر جتاتے ہو۔ ہم نے تمہارے عیال کی کفر میں بھی خبر گیری کی' تمہارا فدیہ دیا' تمہارے بزرگوں کی ناموس کو بچایا اور ہم خاتم الانبیاء ﷺ کے وارث ہوئے۔ تمہارا بدلہ بھی ہم نے لیا اور جس چیز سے تم عاجز ہو گئے تھے اور حاصل نہ کر سکتے تھے' اس کو ہم نے حاصل کر لیا...... والسلام۔''

تفاخر نسبی کے معاملہ میں بے شک محمد مہدی کی طرف سے ابتدا ہوئی تھی اور منصور نے جو کچھ لکھا تھا' جواباً لکھا تھا مگر منصور اس کے جواب میں حد سے بڑھ گیا تھا۔ محمد مہدی نے عباس رضی اللہ عنہ کی نسبت کچھ نہیں لکھا تھا۔ منصور نے بلا وجہ علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخانہ الفاظ لکھے۔ منصور نے یہ بھی سخت بہتان باندھا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو خلافت حاصل کرنے کے لیے دن کے وقت باہر نکالا۔ حسن رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی منصور نے بڑی بدتمیزی اور گستاخی کی تھی۔ انہوں نے خلافت کو فروخت نہیں کیا بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے دو گروہوں میں جو آپس میں لڑتے تھے' اتفاق اور صلح کو قائم کر کے نبی اکرم ﷺ کی ایک پیش گوئی کو پورا کیا تھا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے ضرور ابی طالب کی امداد کی تھی اور عقیل کو اپنے پاس رکھ کر پرورش کرتے تھے لیکن ایسی باتوں کا زبان پر لانا اور طعنہ دینا شرفاء کا کام نہیں بلکہ اس قسم کے احسانات کو زبان پر لانا کمینہ پن کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ منصور نے ان باتوں کو زبان پر لا کر اپنی روش کا اظہار کر دیا تھا۔

محمد مہدی نے مدینہ کے انتظام سے فارغ ہو کر محمد بن حسن بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کو مکہ کی طرف روانہ کیا۔ قاسم بن اسحاق کو یمن کی امارت پر اور موسیٰ بن عبداللہ کو شام کی امارت پر مامور کر کے رخصت کیا۔ چنانچہ محمد بن حسن اور قاسم بن اسحاق دونوں مدینہ سے ساتھ ہی روانہ ہوئے۔ عامل مکہ نے مقابلہ کر کے شکست کھائی اور محمد بن حسن نے مکہ پر قبضہ کر لیا۔

منصور نے مندرجہ بالا خط روانہ کرنے کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو محمد مہدی سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ عیسیٰ کے ساتھ محمد بن سفاح' کثیر بن حصین عبدی اور حمید بن قحطبہ کو بھی روانہ کیا۔ روانگی کے وقت عیسیٰ بن موسیٰ اور دوسرے سرداروں کو یہ تاکید کر دی کہ اگر تم کو محمد مہدی پر کامیابی حاصل ہو جائے تو اس کو امان دے دینا اور قتل نہ کرنا اور اگر وہ روپوش ہو جائے تو اہل مدینہ کو گرفتار کر لینا۔ وہ اس کے حالات سے خوب واقف ہیں۔ آل ابی طالب میں سے جو شخص تمہاری ملاقات کو آئے' اس کا نام لکھ کر میرے پاس بھیج دینا اور جو شخص نہ ملے' اس کا مال واسباب ضبط کر لینا۔ عیسیٰ بن موسیٰ جب مقام فید میں پہنچا تو اس نے خطوط بھیج کر مدینہ کے چند اشخاص کو اپنے پاس طلب کیا۔ چنانچہ عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب' اس کے بھائی عمر بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب اور ابو عقیل محمد بن

عبداللہ بن عقیل مدینہ سے نکل کر عیسیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔

محمد مہدی کو عیسیٰ کے آنے کی خبر پہنچی تو اس نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ لیا کہ ہم کو مدینہ سے نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے یا مدینہ میں رہ کر مدافعت کرنی چاہیے؟ مشیروں میں اختلاف رائے ہوا تو محمد مہدی نے نبی اکرم ﷺ کی اقتداو پیروی کے خیال سے اسی خندق کو کھودنے کا حکم دیا جس کو نبی اکرم ﷺ نے غزوہ احزاب میں کھدوایا تھا۔ اسی اثناء میں عیسیٰ بن موسیٰ نے مقام اعوض میں پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ محمد مہدی نے مدینہ والوں کو باہر نکل کر مقابلہ کرنے سے منع کر دیا تھا اور کوئی شخص مدینہ سے باہر نہیں نکل سکتا تھا لیکن جب عیسیٰ بن موسیٰ قریب پہنچا تو مدینہ سے نکلنے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ محمد مہدی کی غلطی تھی کہ پہلے حکم امتناعی کو منسوخ کر دیا۔ اہل مدینہ کا ایک جم غفیر مع اہل وعیال نکل کے بہ غرض حفاظت پہاڑوں کی طرف چلا گیا اور مدینہ میں بہت ہی تھوڑی آدمی محمد مہدی کے پاس رہ گئے۔ اس وقت اس کو اپنی غلطی محسوس ہوئی اور ان لوگوں کے واپس لانے کے لیے آدمی بھیجے مگر وہ واپس نہ آئے۔ عیسیٰ نے اعوض سے کوچ کر کے مدینہ منورہ سے چار میل دور پر قیام کیا اور ایک دستہ فوج کو مکہ کے راستے پر متعین کر دیا کہ بعد ہزیمت محمد مہدی مکہ کی طرف نہ جا سکیں۔ اس کے بعد محمد مہدی کے پاس پیغام بھیجا کہ خلیفہ منصور تم کو امان دیتے اور کتاب وسنت کے فیصلہ کی طرف بلاتے ہیں اور بغاوت کے انجام سے ڈراتے ہیں۔

محمد مہدی نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں ایک ایسا شخص ہوں جو قتل کے خوف سے کبھی نہیں بھاگا۔ ۱۲ رمضان المبارک سنہ ۱۴۵ھ کو عیسیٰ بن موسیٰ آگے بڑھ کر مقام جرف میں آ کر خیمہ زن ہوا۔ ۱۴ رمضان المبارک کو اس نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا کہ "اے اہل مدینہ! میں تم کو امان دیتا ہوں اگر تم میرے اور محمد مہدی کے درمیان حائل نہ ہو اور غیر جانبدار ہو جاؤ" اہل مدینہ اس آواز کو سن کر گالیاں دینے لگے۔ عیسیٰ واپس چلا گیا۔ دوسرے دن پھر اسی مقام پر لڑائی کے ارادے سے گیا اور اپنے سرداروں کو مدینہ کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ محمد مہدی بھی مقابلہ کے لیے میدان میں نکلا۔ ان کا علم عثمان بن محمد بن خالد بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ میں اور ان کا شعار "احد احد" تھا۔ محمد مہدی کی طرف سے ابو غلمش سب سے پہلے میدان میں نکلا اور للکار کر اپنا ہم نبرد طلب کیا۔ عیسیٰ کی طرف سے یکے بعد دیگرے کئی نامور بہادر اس کے مقابلہ کو نکلے اور سب مارے گئے۔ اس کے بعد جنگ مغولبہ شروع ہوئی۔ طرفین سے بہادری کے نہایت اعلیٰ اور انتہائی نمونے دکھائے گئے۔ ان لڑنے والی دونوں فوجوں کے سپہ سالاروں نے بھی شمشیر زنی اور صف شکنی میں حیرت انگیز جواں مردی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد عیسیٰ کے حکم سے حمید بن قحطبہ نے پیادوں کو لے کر خندق کے قریب کی دیوار

کا رخ کیا۔ محمد مہدی کے ہمراہیوں نے تیر بازی سے اس کو روکنا چاہا مگر حمید نے اس تیر بازی میں اپنے آپ کو مستقل رکھ کر پیش قدمی کو جاری رکھا اور بڑی مشکل سے دیوار تک پہنچ کر اس کو منہدم کر دیا اور خندق کو بھی طے کر کے محمد مہدی کی فوج سے دست بہ دست لڑائی شروع کر دی۔

عیسیٰ کو موقع مل گیا' اس نے فوراً خندق کو کئی مقامات سے پاٹ کر راستے بنا دیے اور سواران لشکر خندق کو عبور کر کے محمد مہدی کی فوج پر حملہ آور ہوئے اور بڑے گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ محمد مہدی کی فوج بہت ہی تھوڑی تھی اور حملہ آور لشکر تعداد میں کئی گنا زیادہ اور آسمان حرب و اسلحہ جنگ سے خوب آراستہ تھا مگر صبح سے لے کر نماز عصر تک برابر تلوار چلتی رہی۔ محمد مہدی نے اپنے ہمراہیوں کو عام اجازت دی کہ جس کا جی چاہے' وہ اپنی جان بچا کر چلا جائے۔ محمد مہدی کے ہمراہیوں نے بار بار اور بہ اصرار کہا کہ اس وقت آپ اپنی جان بچا کر بصرہ یا مکہ کی طرف چلے جائیں اور پھر سامان و جمعیت فراہم کر کے میدانی جنگ کریں مگر محمد مہدی نے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ تم اگر اپنی جان بچانا چاہو تو چلے جاؤ لیکن میں دشمن کے مقابلے سے فرار نہیں ہو سکتا۔ آخر محمد مہدی کے ہمراہ کل تین سو آدمی رہ گئے۔ اس وقت اس کے ہمراہیوں میں سے عیسیٰ بن خضیر نے جا کر وہ رجسٹر جس میں بیعت کرنے والوں کے نام درج ہوتے تھے' جلا دیا اور قید خانہ میں آ کر رباح بن عثمان اور اس کے بھائیوں کو قتل کیا۔ محمد بن قسریٰ نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا' وہ بچ گیا۔ یہ کام کر کے عیسیٰ بن خضیر' محمد مہدی کے پاس آ کر پھر لڑنے لگا۔ اب محمد مہدی کے ہمراہیوں نے اپنی سواریوں کے پاؤں کاٹ ڈالے اور تلواروں کی نیامیں توڑ کر پھینک دیں اور مرنے مارنے پر قسمیں کھا کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ یہ حملہ ایسا سخت اور ہیبت ناک تھا کہ عیسیٰ کی فوج شکست کھا کر میدان سے بھاگی مگر اس کی فوج کے چند آدمی پہاڑ پر چڑھ گئے اور پہاڑ کے دوسری طرف اتر کر مدینہ میں آ گئے اور ایک عباسی عورت کی سیاہ اوڑھنی لے کر اس کو مسجد کے منارہ پر پھریرہ کی طرح اڑایا۔ یہ حالت دیکھ کر محمد مہدی کے ہمراہیوں کے اوساطن خطا ہو گئے اور یہ سمجھ کر کہ عیسیٰ کی فوج نے مدینہ پر قبضہ کر لیا ہے' پیچھے کو لوٹے۔ عیسیٰ کے مفرور سپاہیوں کو موقع مل گیا۔ وہ سمٹ کر پھر مقابلہ پر آئے اور اس کے لشکر کی ایک جماعت بنو غفار کے محلہ کی طرف سے مدینہ میں داخل ہو کر مدینہ کی طرف سے محمد مہدی کے مقابلہ کو نکل آئی۔

یہ تمام صورتیں بالکل خلاف امید واقع ہوئیں۔ محمد مہدی کو یہ بھی امید نہ تھی کہ بنو غفار دشمنوں کو راستہ دے دیں گے۔ یہ دیکھ کر محمد مہدی نے آگے بڑھ کر حمید بن قحطبہ کو مقابلہ کے لیے للکارا لیکن حمید مقابلہ پر نہ آیا۔ محمد مہدی کے ہمراہیوں نے پھر ان دشمنوں پر حملہ کیا۔ عیسیٰ بن خضیر بڑی بہادری اور جانبازی سے لڑ رہا تھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے آگے بڑھ کر اس کو پکارا اور کہا کہ میں تم کو امان دیتا ہوں' تم

لڑنا چھوڑ دو لیکن عیسیٰ بن خضیر نے اس کی بات پر مطلق توجہ نہ کی اور برابر مصروف قتال رہا۔ آخر لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو کر گر پڑا۔ محمد مہدی اس کی لاش پر لڑنے لگا۔ عیسیٰ بن موسیٰ کے لشکری ہر چہار طرف سے حملہ آور تھے اور وہ بڑی بہادری سے حملہ آوروں کو جواب دیتا اور پسپا کر دیتا تھا۔ محمد مہدی نے اس وقت وہ بہادری دکھائی اور اپنی شجاعت وسپہ گری کی وہ دھاک بٹھائی کہ عیسیٰ بن موسیٰ کے لشکر میں کسی کو اس کے مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ آخر ایک شخص نے پیچھے سے لپک کر اس کی کمر میں ایک نیزہ مارا' اس زخم کے صدمے سے وہ جوں ہی ذرا جھکا تو حمید بن قحطبہ نے آگے سے لپک کر اس کے سینہ میں نیزہ مارا۔ آگے اور پیچھے سے دو نیزے جب جسم کے پار ہو گئے تو وہ زمین پر گر پڑا۔ قحطبہ نے فوراً گھوڑے سے اتر کر اس کا سر اتار لیا اور عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس لے کر آیا۔ اس شیر نر کے قتل ہوتے ہی مدینہ عیسیٰ بن موسیٰ کے قبضہ وتصرف میں تھا۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے محمد مہدی کا سر اور فتح کا بشارت نامہ محمد بن ابی الکرام بن عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن جعفر اور قاسم بن حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کے ہاتھ منصور کی خدمت میں روانہ کیا۔ یہ حادثہ ۱۵ رمضان المبارک یوم دوشنبہ سنہ ۱۴۵ھ عصر و مغرب کے درمیان وقوع پذیر ہوا۔ محمد مہدی کی لاش کو عیسیٰ بن موسیٰ نے مدینہ وثنیۃ الوداع کے درمیان سولی پر لٹکا دیا۔ اس کی بہن زینب نے اجازت حاصل کر کے اس لاش کو لے کر بقیع میں دفن کرا دیا۔

اس لڑائی میں محمد مہدی کا بھائی موسیٰ بن عبداللہ' حمزہ بن عبداللہ بن محمد بن علی بن حسین اور علی پسران زید بن علی بن حسین بن علی اور زید پسران محمد بن زید پسران حسن بن زید بن حسن' محمد مہدی کے ساتھ تھے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ آخر الذکر علی و زید کے باپ حسن بن زید بن حسن' منصور کے مددگار رہے تھے۔ اسی طرح بہت سے ہاشمی وعلوی ایسے تھے کہ باپ ایک طرف مصروف جنگ ہے تو بیٹا دوسری طرف سے لڑ رہا ہے۔ غالباً بنوامیہ کے قتل اور ان کی بربادی کے نظارے دیکھ کر بہت سے علوی سہم گئے تھے۔ جیسا کہ علی بن حسین (زین العابدین) کربلا کا نظارہ دیکھ کر اس قدر متاثر تھے کہ کبھی بنو امیہ کے خلاف کوئی کام نہیں کیا اور بنوامیہ کی اہمیت وموافقت ہی کا اظہار فرماتے رہے۔ اسی طرح علویوں کے اکثر با اثر افراد بنوعباس کی مخالفت کو موجب تباہی جاننے لگے تھے۔ محمد مہدی کی شکست و ناکامی محض اس وجہ سے ہوئی کہ خود اس کے خاندان والوں والوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا' اہل خاندان کے ساتھ نہ دینے کا یہ اثر ہوا کہ اور بھی بہت سے لوگ اس سے الگ رہے۔ چنانچہ محمد مہدی نے جس وقت مدینہ میں لوگوں سے بیعت لی اور رباح بن عثمان کو قید کر کے اپنی خلافت کا اعلان کیا تو اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر کو بھی جو معتبر آدمی تھے' بیعت کے لیے بلوایا۔ انہوں نے جواب میں کہلوا

بھجوایا کہ ”بھتیجے! تم مارے جاؤ گے' میں تمہاری بیعت کیسے کروں۔“

اسماعیل بن عبداللہ کے اس جواب کو سن کر بعض اشخاص جو بیعت کر چکے تھے' پھر گئے اور حمادہ بنت معاویہ نے اسماعیل بن عبداللہ کے پاس آ کر کہا کہ آپ کے اس کلام سے بہت سے آدمی محمد مہدی سے جدا ہو گئے ہیں مگر میرے بھائی ابھی تک ان کے ساتھ ہیں۔ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں وہ بھی نہ مارے جائیں۔ غرض رشتہ داروں اور خاندان والوں کی علیحدگی نے محمد مہدی کو زیادہ طاقتور نہ ہونے دیا اور نہ بہت زیادہ ممکن تھا کہ خلافت پھر حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں آ جاتی۔ اگر محمد مہدی اس وقت طرح دے جاتا اور مدینہ سے بچ کر نکل جاتا یا ابھی خروج میں جلدی نہ کرتا اور اپنے بھائی ابراہیم کے خروج کا انتظار کر دونوں بھائی ایک ہی وقت میں نکلتے تو بھی کامیابی یقینی تھی مگر منصور اور خاندان عباسیہ کی خوش قسمتی تھی کہ عباسی لشکر کو محمد اور ابراہیم دونوں کا مقابلہ یکے بعد دیگرے کرنا پڑا اور ان کی طاقت تقسیم ہونے سے بچ گئی۔

ابراہیم بن عبداللہ کا خروج

منصور جس زمانہ میں بغداد کی تعمیر کے معائنہ کو آیا تھا' اس زمانہ میں ابراہیم بن عبداللہ برادر محمد مہدی پوشیدہ طور پر اس کے ساتھ تھا۔ وہاں سے وہ صاف بچ کر کوفہ چلا آیا اور منصور نے اس کی گرفتاری کے لیے بڑی کثرت سے ہر شہر میں جاسوس پھیلا دیے۔ منصور کو جب یہ معلوم ہوا کہ ابراہیم بصرہ میں ہے' تو اس نے بصرہ کے ہر ایک مکان پر ایک ایک جاسوس مقرر کرایا حالانکہ ابراہیم بن عبداللہ کوفہ میں سفیان بن حبان قمی کے مکان پر مقیم تھا۔ یہ بات بھی مشہور تھی کہ سفیان' ابراہیم کا بہت گہرا دوست ہے۔ جاسوسوں کی کثرت دیکھ کر سفیان گھبرایا اور اس نے ابراہیم کو صاف نکال دینے کی یہ ترکیب سوچی کہ منصور کے پاس پہنچا اور کہا کہ آپ میرے اور میرے غلاموں کے لیے پروانہ راہداری لکھ دیں اور ایک دستہ فوج میرے ہمراہ کر دیں۔ میں ابراہیم کو جہاں وہ ہوگا' گرفتار کر کے لے آؤں گا۔ منصور نے فوراً پروانہ راہداری لکھ کر دے دیا اور ایک چھوٹی سی فوج بھی اس کے ساتھ کر دی۔ سفیان اپنے گھر میں آیا اور گھر کے اندر جا کر ابراہیم کو اپنے غلاموں کا لباس پہنا کر اور غلاموں کے ساتھ ہمراہ لے کر مع فوج کوفہ سے چل دیا۔ بصرہ میں آ کر ہر ایک مکان پر دو دو چار چار لشکری مقرر کرتا گیا۔ اس طرح تمام لشکر کے آدمی جب تقسیم ہو گئے اور آخر میں صرف سفیان اور ابراہیم رہ گئے تو ابراہیم کو اہواز کی طرف روانہ کر کے خود بھی روپوش ہو گیا۔

بصرہ میں ان دنوں سفیان بن معاویہ امیر تھا۔ اس کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے

لشکریوں کو جو جا بہ جا منتشر و متعین تھے' ایک جگہ جمع کیا اور ابراہیم بن عبداللہ وسفیان بن حبان کی جستجو شروع کی مگر کسی کو نہ پا سکا۔ اہواز میں محمد بن حصین امیر تھا' ابراہیم جب اہواز میں پہنچا تو حسن بن حبیب کے مکان میں فروکش ہوا۔ امیر اہواز کو اتفاقاً جاسوسوں کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ ابراہیم اہواز میں آیا ہوا ہے۔ وہ بھی اس کی تلاش و جستجو میں مصروف رہنے لگا۔ ابراہیم عرصہ دراز تک حسن کے مکان میں چھپا رہا اور لوگوں کو اپنی دعوت میں شریک کرتا رہا۔ سنہ ۱۴۵ھ میں بصرہ سے یحییٰ بن زیاد بن حیان نبطی نے ابراہیم کو اہواز سے بصرہ میں بلوا لیا اور بڑی سرگرمی سے لوگوں کو محمد مہدی کی بیعت کی طرف بلانا شروع کر دیا۔ اہل علم اور بااثر لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے بیعت کر لی۔ بصرہ والوں کے چار ہزار افراد کے نام بیعت کے رجسٹر میں لکھے گئے۔ اسی عرصہ میں محمد مہدی نے مدینہ میں خروج کیا اور ابراہیم کو لکھا کہ تم بھی بصرہ میں خروج کرو۔ منصور نے چند سرداروں کو احتیاطاً بصرہ میں بھیج دیا تھا کہ اگر اس طرف بغاوت کا کوئی خطرہ پیدا ہوا تو بصرہ کے عامل سفیان بن معاویہ کی مدد کریں۔ اگر ابراہیم محمد مہدی کے لکھنے کے موافق فوراً خروج کر دیتا تو یقیناً منصور کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے اور ابراہیم و محمد دونوں بھائیوں کو بہت تقویت حاصل ہوتی لیکن اس وقت ابراہیم بصرہ میں بیمار ہو گیا تھا اور بیماری کی وجہ سے اس نے خروج میں تامل کیا۔ منصور جب محمد مہدی کے مقابلے کر لشکر روانہ کر چکا تو یکم رمضان سنہ ۱۴۵ھ کو ابراہیم نے بصرہ میں خروج کیا اور سفیان بن معاویہ اور ان سرداروں کو جو اس کی مدد کے لیے آئے ہوئے تھے' گرفتار کر کے قید کر دیا۔

جعفر و محمد پسران سلیمان بن علی یعنی منصور کے چچازاد بھائی چھ سو آدمیوں کے ساتھ بصرہ سے باہ پڑے ہوئے تھے۔ یہ بھی منصور کے بھیجے ہوئے تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے ابراہیم کے خروج کا حال سنتے ہی حملہ کیا۔ ان چھ سو آدمیوں کے مقابلہ پر صرف پچاس آدمی بھیجے گئے اور ان پچاس آدمیوں نے چھ سو کو شکست دے کر بھگا دیا۔ ابراہیم نے تمام بصرہ پر قابض ہو کر لوگوں سے بیعت عام لی اور امان کی منادی کرا دی' پھر بیت المال سے بیس لاکھ درہم برآمد کرا کر پچاس پچاس درہم ہر ایک ہمراہی کو تقسیم کیے' پھر مغیرہ کو ایک سو پیادوں کے ہمراہ اہواز کی طرف روانہ کیا۔ اہواز کا عامل محمد بن حصین چار ہزار فوج لے کر مقابلہ کو نکلا لیکن ان ایک سو پیادوں نے چار ہزار کے لشکر کو شکست فاش دی اور مغیرہ نے اہواز پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم نے عمرو بن شداد کو فارس کی طرف بھیجا۔ وہاں کے گورنر اسماعیل بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب اور اس کے بھائی عبدالصمد نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور عمرو بن شداد نے صوبہ فارس پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح ہارون بن شمس عجلی کو واسط کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ ہارون نے منصور کے گورنر ہارون ابن حمید ایادی کو شکست دے کر واسط پر قبضہ

کر لیا۔ غرضیکہ جس روز مدینہ میں محمد مہدی اور عیسیٰ بن موسیٰ کے لشکروں میں لڑائی ہوئی اور محمد مہدی شہید ہوا' اس روز تک بصرہ' فارس' واسط اور عراق کا بڑا حصہ منصور کے قبضہ سے نکل چکا تھا۔ شام کا ملک بھی بہت جلد قبضے سے نکلنے والا تھا۔ کوفہ والے بھی ابراہیم کے منتظر بیٹھے تھے اور منصور کی حکومت کے باقی رہنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

ابراہیم نے یکم رمضان کو بصرہ میں خروج کیا تھا' آخر رمضان تک برابر فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ رمضان کے ختم ہوتے ہی ابراہیم کے پاس خبر پہنچی کہ محمد مہدی قتل ہو گیا ہے۔ ابراہیم نے عید الفطر کی نماز پڑھ کر عید گاہ میں اس خبر کا اعلان کیا۔ یہی خبر ان لوگوں کے پاس بھی جو دوسرے علاقوں میں منصور کے عاملوں سے لڑنے اور ان کو مغلوب و خارج کرنے میں مصروف تھے' پہنچی۔ اس خبر کا پہنچنا تھا کہ سب کے جوش سرد پڑ گئے اور منصور کے سرداروں اور عاملوں میں ایک تازہ دہشت پیدا ہو گئی۔ بصرہ والوں نے اس خبر کو سن کر محمد مہدی کی جگہ ابراہیم کو جوان میں موجود تھا' خلیفہ تسلیم کیا اور پہلے سے زیادہ جوش و ہمت دکھانے پر آمادہ ہو گئے۔ ابراہیم کے ہمراہیوں میں بہت سے لوگ بصرہ میں کوفہ والے بھی تھے۔ بصرہ والوں کی یہ رائے تھی کہ بصرہ ہی کو دارالخلافہ اور مرکز حکومت قرار دے کر اطراف میں فوجیں بھیجنے اور انتظام کرنے کا کام انجام دیا جائے مگر کوفیوں نے اس سے اختلاف کر کے یہ رائے ظاہر کی کہ ابراہیم کو فوج لے کر خود کوفہ کی طرف حملہ آور ہونا چاہیے۔ کوفہ والے اس کے منتظر اور چشم براہ بیٹھے ہیں۔ ابراہیم نے کوفیوں کی رائے سے اتفاق کیا اور اپنے لڑکے حسن کو کوفہ میں اپنا نائب بنا کر کوفہ کی طرف روانگی کا عزم کیا۔ یہ خبر کوفہ میں منصور کو پہنچی تو وہ بہت مضطرب ہوا اور اس نے فوراً تیز رفتار قاصد عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس روانہ کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو' اپنے آپ کو کوفہ میں پہنچاؤ۔ ساتھ ہی مہدی کو خراسان میں لکھا کہ فوراً فارس پر حملہ کر دو۔ اسی طرح ہر ایک عامل کو جو خطرہ سے محفوظ تھا' اپنی طرف بلایا۔ جس کے قریب ابراہیم کا کوئی سردار تھا' اس کو لکھا کہ تم مقابلہ میں ہمت سے کام لو۔ ہر طرف سے فوجیں بڑی سرعت کے ساتھ منصور کی طرف آنے لگیں۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ فوج کوفہ میں آ کر جمع ہو گئی۔ ابراہیم کے حملہ کی خبر سن کر منصور نے پچاس روز تک کپڑے نہیں بدلے اور اکثر مصلے پر ہی بیٹھا رہا۔

ادھر ابراہیم بن عبداللہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ کوفہ سے تیس چالیس میل کے فاصلہ پر پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ ادھر عیسیٰ بن موسیٰ مع اپنے ہمراہی فوج کے وارد کوفہ ہوا۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ابراہیم کی لڑائی پر روانہ کیا اور حمید بن قحطبہ کو مقدمۃ الجیش بنایا۔ ابراہیم کو مشورہ دیا گیا کہ لشکر گاہ کے گرد خندق کھدوا لو مگر ابراہیم کے ہمراہیوں نے کہا کہ ہم مغلوب نہیں بلکہ غالب ہیں۔ لہٰذا خندق کھودنے

کی ضرورت نہیں۔ ہمراہیوں نے ابراہیم کو مشورہ دیا کہ دستہ دستہ فوج لڑانا چاہیے تا کہ ایک دستہ کے شکر خوردہ ہونے پر دوسرا تازہ دم دستہ مدد کو بھیج دیا جائے مگر ابراہیم نے اس کو ناپسند کر کے اسلامی قاعدہ کے موافق صف بندی کر کے لڑائی کا حکم دیا۔

لڑائی شروع ہوئی' حمید بن قحطبہ شکست کھا کر بھاگا۔ عیسیٰ نے اس کو قسم دے کر روکنا چاہا مگر وہ نہ رکا۔ عیسیٰ بھی مع لشکر مصروف جنگ ہوا اور اس کے اکثر ہمراہی تاب مقاومت نہ لا کر فرار ہونے لگے۔ عیسیٰ ابھی تک میدان میں مقابلہ پر ڈٹا رہا مگر اس کے شکست پانے یا مغلوب ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی کہ یکا یک جعفر و محمد پسران سلیمان بن علی ایک لشکر لیے ہوئے لشکر ابراہیم کے عقب سے آ پہنچے۔ ابراہیم کی فوج اس اچانک حملہ سے گھبرا کر ان تازہ حملہ آوروں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ عیسیٰ نے فوراً اپنی جمعیت کو سنبھال کر حملہ کیا اور اس کی فوج کے فراری یہ حالت دیکھ کر سب کے سب لوٹ پڑے۔ حمید بن قحطبہ بھی اپنے ہمراہیوں کو لے کر حملہ آور ہوا۔ اس طرح ابراہیم کا لشکر بیچ میں گھر گیا اور حملہ آوروں نے اس کے لیے میدان کو تنگ کر دیا۔ جس کی وجہ سے ابراہیم کے بہت سے لشکری جی کھول کر مقابلہ بھی نہ کر سکے۔ آخر بے ترتیبی کے ساتھ نکل نکل کر بھاگنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم کے ساتھ صرف چار سو آدمی باقی رہ گئے۔ ان لوگوں کو عیسیٰ' حمید محمد اور جعفر نے چاروں طرف محیط ہو کر نقطہ پرکار بنا لیا۔ آخر ابراہیم کے گلے میں ایک تیر آ کر لگا جو بہت کاری تھا۔ ہمراہیوں نے گھوڑے سے اتار لیا اور چاروں طرف حلقہ کر کے مقابلہ اور مدافعت میں مصروف رہے۔ حمید بن قحطبہ نے اپنی رکابی فوج کو پوری طاقت سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور ابراہیم کے ہمراہیوں کو مغلوب و منتشر کر کے ابراہیم کا سر اتار کر عیسیٰ کی خدمت میں پیش کیا۔ عیسیٰ نے منصور کی خدمت میں بھیج دیا۔ ۲۵ ذیقعدہ سنہ ۱۴۵ھ کو یہ حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ اس کے بعد حسن بن ابراہیم بن عبداللہ کو بصرہ سے گرفتار کر کے قید کیا۔ اس کے ساتھ ہی یعقوب بن داؤد کو بھی قید کر دیا گیا۔

مختلف واقعات

محمد مہدی اور اس کے بھائی کے قتل سے فارغ ہو کر منصور نے بصرہ کی حکومت سالم بن قتیبہ باہلی کو دی اور موصل کی حکومت پر اپنے لڑکے جعفر کو بھیجا اور اس کے ساتھ حرث بن عبداللہ کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ میں لوگوں کو محمد مہدی کی بیعت کرنے کی ترغیب دی تھی۔ ان کو کوڑوں سے پٹوایا گیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عراق میں ابراہیم بن عبداللہ کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا۔

ں لیے ان کو منصور نے گرفتار کرا کر بلوایا اور بغداد میں لے جا کر کہ اس کی تعمیر کا سلسلہ جاری تھا' قید کر دیا۔اس قید میں اینٹوں کے گنوانے کی خدمت بطور مشقت ان سے لی جاتی تھی۔ یہ بھی روایت ہے کہ منصور نے ان کو عہدہ قضا سپرد کرنا چاہا۔انہوں نے جب انکار کیا تو منصور نے خشت شماری کا کام ان کے سپرد کیا۔اسی حالت میں سنہ ۱۵۰ھ تک مصروف و مقید رہ کر وہ فوت ہو گئے۔ان کے علاوہ اور علماء نے بھی مثلاً ابن عجلان اور عبدالحمید بن جعفر وغیرہ نے محمد مہدی اور ان کے بھائی ابراہیم کی بیعت کے لیے فتوے دیے تھے' ان سب علماء کو بھی اسی قسم کی سزائیں دی گئیں۔

سنہ ۱۴۶ھ میں علاقہ خزر کے ترکوں نے علم بغاوت بلند کیا اور باب الابواب سے آرمینیا تک مسلمانوں کو قتل و غارت کرتے ہوئے چلے آئے۔اسی سال جزیرہ قبرص پر مسلمانوں نے بحری حملہ کیا۔سیستان کے علاقہ میں خارجیوں نے شورش و بغاوت کی تو منصور نے یمن کی گورنری سے تبدیل کر کے معن بن زائدہ کو سیستان کی حکومت پر بھیج دیا۔وہاں معن بن زائدہ نے تمام شورش و فساد کو فرو کیا' سنہ ۱۵۱ھ تک وہاں رہا' آ کر دھوکے سے خارجیوں نے اس کو قتل کر دیا۔

عبداللہ اشتر بن محمد مہدی

جب محمد مہدی نے خروج کیا تو منصور کی طرف سے سندھ کا گورنر عمر بن حفص بن عثمان بن قبیصہ بن ابی صفرہ ملقب بہ ہزار مرد تھا۔محمد مہدی نے خروج کر کے اپنے بیٹے عبداللہ معروف بن اشتر کو اس کے چچا ابراہیم کے پاس بصرہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ یہاں پہنچ کر عبداللہ اشتر نے اپنے چچا کے مشورے سے ایک تیز رفتار اونٹنی لے کر سندھ کا قصد کیا کیونکہ عمر بن حفص حاکم سندھ سے اعانت و ہمدردی کی توقع تھی۔عبداللہ اشتر نے سندھ میں پہنچ کر عمر بن حفص کو دعوت دی اور اس نے اس دعوت کو قبول کر کے محمد مہدی کی خلافت کو تسلیم کر لیا اور عباسیوں کے لباس اور نشانات کو چاک کر کے خطبہ میں محمد مہدی کا نام داخل کر دیا۔اسی عرصہ میں عمر بن حفص کے پاس محمد مہدی کے مارے جانے کی خبر پہنچی۔اس نے عبداللہ اشتر کو اس حادثہ سے اطلاع کر کے تعزیت کی۔عبداللہ اشتر نے کہا کہ اب تو مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے۔ میں کہاں جاؤں اور کیا کروں؟ سندھ کی حالت اس زمانہ میں یہ تھی کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے راجہ جو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے' وہ اپنی اپنی ریاستوں پر فرماں روائی کرتے تھے اور خلیفہ وقت کی سیادت کو تسلیم کر کے تمام اسلامی شعائر کے پابند اور اپنے حقوق حکمرانی پر قائم تھے۔عمر بن حفص نے عبداللہ اشتر کو مشورہ دیا کہ تم سندھ کے فلاں بادشاہ کی مملکت میں چلے جاؤ۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربان ہوتا ہے اور ایفائے عہد میں مشہور ہے۔

یقین ہے کہ تمہارے ساتھ بڑی عزت و محبت سے پیش آئے گا۔ عبداللہ اشتر نے رضا مندی ظاہر کی اور عمر بن حفص نے اس بادشاہ سے خط و خطابت کر کے عبداللہ اشتر کی نسبت عہد نامہ لکھوا کر منگوالیا اور عبداللہ کو اس طرف روانہ کر دیا۔ سندھ کے اس بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی عبداللہ اشتر سے کر دی۔ سنہ ۱۵۱ھ تک عبداللہ اشتر اسی جگہ رہا اور اس عرصہ میں قریباً چار سو عرب اطراف و جوانب سے کھنچ کھنچ کر عبداللہ اشتر کے پاس آ کر جمع ہو گئے۔ منصور کو اتفاقاً یہ حال معلوم ہو گیا کہ عبداللہ اشتر سندھ کے ایک بادشاہ کے یہاں مقیم ہے اور عربوں کی ایک چھوٹی سی جمعیت اس کے پاس موجود ہے۔ منصور نے سنہ ۱۵۱ھ میں عمر بن حفص کو سندھ کی گورنری سے بلا کر مصر کی حکومت پر بھیج دیا اور سندھ کی گورنری پر ہشام بن عمرو تغلبی کو روانہ کیا۔ رخصت کرتے وقت تاکید کی کہ عبداللہ اشتر کو جس طرح ممکن ہو گرفتار کر لینا۔ اگر سندھ کا بادشاہ اس کے دینے سے انکار کرے تو فوراً اس پر چڑھائی کر دینا۔ ہشام بن عمرو نے ہر چند کوشش کی مگر سندھ کا وہ بادشاہ عبداللہ اشتر کے دینے پر رضا مند نہ ہوا۔ آخر طرفین سے لڑائی پر آمادگی ظاہر کی گئی۔ عبداللہ اشتر جس حصہ ملک میں مقیم تھا' اس طرف ہشام بن عمرو کے بھائی سفیح نے فوج کشی کی۔ اتفاقاً ایک روز عبداللہ اشتر صرف دس سواروں کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے سیر کرتا ہوا نکل گیا۔ وہاں سفیح کی فوج یکا یک سامنے آ گئی۔ سفیح نے عبداللہ کو گرفتار کرنا چاہا اور عبداللہ اشتر اور اس کے ہمراہیوں نے مقابلہ کیا' لڑائی ہونے لگی۔ آخر عبداللہ اشتر اور اس کے ہمراہی سب کے سب مارے گئے۔ ہشام بن عمرو نے اس کی اطلاع منصور کو دی۔ منصور نے لکھا کہ اس بادشاہ کے ملک کو ضرور پامال کر دیا جائے۔ چنانچہ لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہشام نے اس کے تمام ملک پر قبضہ کر لیا۔ عبداللہ اشتر کی بیوی مع اپنے لڑکے کے گرفتار ہو کر منصور کے پاس بھیجی گئی۔ منصور نے عبداللہ اشتر کے لڑکے اور بیوی کو مدینہ بھیج دیا کہ ان کے خاندان والوں کے سپرد کر دیے جائیں۔

مہدی بن منصور کی ولی عہدی

عبداللہ سفاح نے مرتے وقت منصور کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا اور منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد بنایا تھا۔ اب اس وصیت کے موافق منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ خلیفہ ہونے والا تھا۔ منصور جب محمد مہدی اور ابراہیم کے خطرات سے مطمئن ہو گیا اور عیسیٰ بن موسیٰ کی امداد کا زیادہ محتاج نہ رہا تو اس نے چاہا کہ بجائے عیسیٰ کے اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد بنائے۔ اول اس کا ذکر عیسیٰ سے کیا۔ عیسیٰ نے اس کو قبول و منظور کرنے سے انکار کیا۔ منصور نے خالد بن برمک اور دوسرے عجمی سرداروں کو شریک مشورہ اور اپنی رائے کا مؤید بنا کر سنہ ۱۴۷ھ میں عیسیٰ بن موسیٰ کو جو سفاح کے زمانے سے کوفہ کا

گورنر چلا آتا تھا' کوفہ کی حکومت سے معزول کر کے محمد بن سلیمان کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ کوفہ کی گورنری سے معزول ہو کر عیسیٰ کی تمام قوت زائل ہو گئی اور اس کو منصور کی مرضی کے خلاف اظہار رائے کی غلطی محسوس ہوئی۔ غرض عیسیٰ کو بے دست و پا کر کے منصور نے چالاکی و فریب اور دل جوئی و منافقت سے کام لے کر لوگوں سے مہدی کی ولی عہدی کی بیعت لے لی اور مہدی کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد بنا کر اس کے بھی آنسو پونچھنے کی کوشش کی۔ خالد بن برمک نے یہ شہرت کر دی کہ میرے سامنے عیسیٰ نے ولی عہدی سے دست برداری کا اظہار کیا تھا۔ اس لیے امیر المومنین نے اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد بنایا ہے۔ اس کام کے لیے منصور نے خلاف عادت روپیہ بھی بہت صرف کیا اور لوگوں کو اس تقریب میں انعام واکرام دے کر خوش کیا۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے منصور کی حکومت کو مضبوط و مستحکم بنانے اور قائم رکھنے میں سب سے زیادہ خدمات انجام دی تھیں۔ اسی نے محمد مہدی اور ابراہیم کو شکستیں دے کر قتل کرایا اور منصور کو ایک بہت بڑی مصیبت سے بچایا تھا۔ ان خدمات جلیلہ کا اس کو یہ الٹا صلہ ملا کہ وہ ولی عہدی سے بھی معزول کر دیا گیا اور مہدی بن منصور اس پر سابق ہو گیا۔ عیسیٰ بن موسیٰ گورنری کوفہ سے معزول ہونے کے بعد موضع رحبہ علاقہ کوفہ میں سکونت پذیر ہو کر خاموش زندگی بسر کرنے لگا۔

رفتہ رفتہ منصور کے راستے کی تمام مشکلات دور ہو گئیں اور سوائے ایک ملک اندلس کے تمام ممالک اسلامیہ میں سنہ ۱۴۸ھ کے اندر منصور کی حکومت مستحکم طور پر قائم ہو گئی۔ سنہ ۱۴۹ھ میں شہر بغداد کی تعمیر بھی تکمیل کو پہنچ گئی۔ مذکورہ بالا واقعات و حادثات کے سبب سے رومیوں پر جہاد کرنے کا موقع مسلمانوں کو نہ ملا تھا۔ سنہ ۱۴۹ھ میں عباس بن محمد حسن بن قحطبہ اور محمد بن اشعث نے رومیوں پر چڑھائی کی اور دور تک قتل و غارت کرتے ہوئے چلے گئے۔

خروج استادسیس

سنہ ۱۵۰ھ میں استادسیس نامی ایک شخص خراسان میں مدعی نبوت ہوا۔ خراسان میں ہزار ہا اشخاص نے فوراً اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا۔ ہرات' بادغیس اور سیستان وغیرہ کے لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور خراسان کے اکثر حصہ پر اس نے قبضہ کر لیا۔ یہ خبر سن کر منصور بہت فکرمند ہوا۔ مرورود کا حاکم مسمی جشم یہ حالت دیکھ کر استادسیس پر اپنے پورے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا اور شکست فاش کھا کر مقتول ہوا۔ اس کے بعد خازم بن خزیمہ نے خدعہ حرب سے کام لے کر استادسیس کی فوج کو بیچ میں لے کر دو طرف سے حملہ کیا۔ استادسیس کے ستر ہزار ہمراہی میدان جنگ میں قتل ہوئے اور وہ ۱۴ ہزار ہمراہیوں کے ساتھ ایک پہاڑ میں محصور کر لیا گیا۔ عرصہ تک محاصرہ جاری رہنے کے بعد استاد

سیس نے اپنے آپ کو مع ہمراہیوں کے خازم بن خزیمہ کے سپرد کر دیا۔ استاد سیس کی گرفتاری کے بعد منصور کو اطلاع دی گئی۔

تعمیر رصافہ

جس زمانہ میں استاد سیس نے خروج کیا تو خراسان کا گورنر مہدی تھا۔ وہ مرو میں مقیم تھا۔ خازم بن خزیمہ اسی کے پاس مقیم تھا اور منصور کے حکم کے موافق حملہ آور ہوا تھا۔ اس فتنہ سے فارغ ہو کر مہدی' منصور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت تک فوج کا غالب عنصر عربی قبائل تھے اور ہر ایک معرکہ میں عربی ہی کی شمشیر خارا شگاف کے ذریعہ سے فتح و فیروزی حاصل ہوتی تھی۔ عجمیوں اور خرسانیوں کو عربوں کی ہمسری کا دعویٰ نہ تھا۔ ان عربی قبائل سے ہمیشہ اندیشہ رہتا تھا کہ اگر یہ مخالفت پر متحد ہو گئے تو حکومت کو ذرا سی دیر میں الٹ دیں گے۔ امام ابراہیم نے سب سے پہلے اس بات کو قبل از وقت محسوس کر کے عجمیوں کو طاقتور بنانے اور ان سے کام لینے کی پالیسی ایجاد کی تھی۔ اس کے جانشین بھی اسی خیال پر قائم رہے۔ چنانچہ عبداللہ سفاح نے ابو سلمہ کو قتل کرا کر خالد بن برمک کو جو بلخ کے آتش کدہ نوبہار کا مغ زادہ نومسلم اور ابو مسلم کا ایک فوجی سردار تھا' اپنا وزیر بنایا تھا۔ چند روز کے بعد خالد بن برمک کسی ولایت کا والی بن کر چلا گیا اور ابو ایوب اس کی جگہ وزیر ہوا۔ اب منصور نے دوبارہ اس کو وزارت کا عہدہ عطا کر دیا۔ فوجوں کی سرداریوں اور صوبوں کی حکومت پر بھی مجوسی النسل لوگ مامور ہوتے تھے اور بہ تدریج ان کا اقتدار ترقی کر رہا تھا لیکن عربوں کا فوجی عنصر ابھی تک غالب تھا۔

اس موقع پر بے اختیار اکبر بادشاہ ہند کی وہ پالیسی یاد آ جاتی ہے جو اس نے پٹھانوں کی طاقتور اور با اقتدار قوم سے محفوظ رہنے کے لیے ہندوستان میں اختیار کی تھی کہ پٹھانوں کے خطرہ کو بے حقیقت بنانے کے لیے ہندوؤں کی مردہ قوم کو زندہ کرنا اور ان کو طاقتور بنانا ضروری سمجھا۔ حتیٰ کہ مان سنگھ کو ہندوستان کا سپہ سالار اعظم بنایا اور پٹھانوں کو ہر جگہ کمزور و ناتواں بنانے کی کوشش کو جاری رکھا۔ عباسیوں نے بھی عربوں کی طاقت کو مٹا کر ان کی جگہ مجوسیوں اور ایرانیوں کو طاقتور بنایا کہ کوئی عربی قبیلہ اور عربی قبائل کی مدد سے کوئی علوی خروج پر آمادہ نہ ہو سکے۔[1]

مہدی کے خراسان سے آنے کے اور منصور کی خدمت میں حاضر ہونے کے موقع پر فوج والوں کے طلب انعام میں بعض ایسی حرکات سرزد ہوئیں جس سے آزاد مزاجی اور خود سری کا اظہار ہوتا

[1] کس قدر الم انگیز معاملہ ہے کہ کلمہ گو افراد کی بجائے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات پیدا کیے گئے' ان سے دوستوں کا دم بھرا گیا اور انہیں طاقتور کیا گیا۔ گویا یہ ان سانپوں کو پالنا تھا۔ پھر بعد میں خلافت اسلامیہ جیسے جیسے کمزور ہوتی گئی' اس کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا۔

تھا۔ یہ فوج والے سب عربی قبائل پر مشتمل تھے اور مجوسیوں کی طرح ضرورت سے زیادہ اپنے بادشاہ یا خلیفہ کی تعظیم وتکریم کے عادی نہ تھے۔ان کی یہی بات عباسیوں کو خائف وترساں رکھتی تھی اور غالباً اسی آزادمزاجی کی وجہ سے وہ ہر ایک نئی تحریک اور نئے مدعی خلافت کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ اس موقع پر لشکر کی یہ حالت دیکھ کر کہ قیم بن عباس بن عبداللہ بن عباس نے عربوں کے قبائل مضر اور قبائل ربیعہ میں چونکہ رقابت پیدا ہوگئی ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ فوج کے دو حصے کر کے قبائل مضر کو تو مہدی کے ماتحت رکھو کیونکہ اہل خراسان قبائل مضر کے ہمدرد ہیں اور قبائل ربیعہ کو اپنے ماتحت رکھو تمام یمنی ان کے ہواخواہ ہیں۔اس طرح دو جانب دو فوجی مرکز قائم ہو جائیں گے تو ایک کو دوسرے کا خوف رہے گا اور کوئی بغاوت کامیاب نہ ہونے پائے گی۔منصور نے اس رائے کو پسند کیا اور اپنے بیٹے مہدی کے قیام کے واسطے بغداد کی مشرقی جانب رصافہ کی تعمیر کا سنہ ۱۵۱ھ میں حکم دیا کہ وہاں الگ ایک فوجی چھاؤنی قائم ہو جائے۔اسی سال یعنی سنہ ۱۵۱ھ میں محمد اشعث نے بلاد روم کی طرف سے واپس آتے ہوئے راستے میں وفات پائی۔

سنہ ۱۵۳ھ میں منصور نے حکم جاری کیا کہ میری تمام رعایا لمبی ٹوپیاں اوڑھا کرے۔ یہ ٹوپیاں بانس اور پتے سے بنائی جاتی تھیں۔اس زمانہ میں حبشیان ٹوپیوں کو اوڑھا کرتے تھے۔سنہ ۱۵۴ھ میں زفر بن عاصم نے بلاد روم پر حملہ کیا۔سنہ ۱۵۵ھ میں قیصر روم نے مسلمانوں کے آئے دن کے حملوں سے تنگ آ کر صلح کی درخواست پیش کی اور جزیہ دینے کا اقرار کیا۔

وفات منصور

سنہ ۱۵۸ھ میں منصور نے عامل مکہ کو لکھا کہ سفیان ثوری اور عباد بن کثیر کو قید کر کے بھیج دو۔ لوگوں کو سخت اندیشہ تھا کہ کہیں ان کو قتل نہ کر دے۔حج کے دن قریب آ گئے تھے۔منصور نے خود حج کا ارادہ کیا اس سے اہل مکہ کو اور بھی تشویش ہوئی کہ یہاں آ کر اللہ جانے کس کس کو گرفتار وقید اور قتل کرے؟ مگر اہل مکہ کی دعائیں قبول ہوئیں اور منصور مکہ تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہوا۔اس اجمال تفصیل کی یہ ہے کہ منصور نے ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۵۸ھ میں بغداد سے بہ عزم حج کوچ کیا۔بغداد سے رخصت ہوتے وقت اپنے بیٹے مہدی کو بغداد میں اپنا نائب بنا کر چھوڑا اور وصیت کی کہ:

''میری بیاضوں کے صندوقچہ کی بہت حفاظت کرنا اور ضرورتوں کے وقت اپنی مشکلات کے حل کی تدبیریں ان بیاضوں میں تلاش کرنا۔شہر بغداد کی خوب حفاظت کرنا اور میرے بعد کبھی دارالخلافہ کسی دوسری جگہ تبدیل نہ کرنا۔میں نے اس قدر خزانہ جمع کر دیا ہے کہ دس دس

برس تک خراج کی ایک پائی بھی خزانہ میں داخل نہ ہو تو فوج کی تنخواہیں اور دوسرے تمام مصارف سلطنت کے لیے یہ خزانہ کفایت کرے گا۔ اپنے خاندان والوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا' ان کی عزت بڑھانا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینا۔ میں تم کو خراسانیوں کے ساتھ بہ حسن سلوک پیش آنے کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ وہ تمہارے قوت بازو اور ایسے مددگار ہیں کہ انہوں نے تمہارے خاندان میں حکومت وسلطنت قائم کرنے کے لیے اپنا جان و مال صرف کر دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ خراسانیوں کے دلوں سے تمہاری محبت کبھی نہ نکلے گی۔ ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا' ان کے نمایاں کاموں پر ان کو انعام و اکرام سے خوش کرنا۔ خبردار! قبیلہ بنو سلیم کے کسی شخص سے کبھی مدد طلب نہ کرنا۔ عورتوں کو اپنے کاموں میں دخیل نہ بنانا۔ امت رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرنا' ناحق خون ریزی نہ کرنا۔ حدود الٰہی کی پابندی کرنا' ملحدین پر حملہ آور بدعتوں کو مٹانا' عدل کو قائم کرنا' اعتدال سے آگے قدم نہ بڑھانا' مال غنیمت لشکریوں کے لیے چھوڑ دینا کیونکہ تمہارے لیے میں کافی خزانہ چھوڑے جاتا ہوں۔ سرحدوں کی پورے طور پر حفاظت کرنا' راستوں میں امن قائم کرنا' رعیت کے مال پر نظر رکھنا' جماعت کا ساتھ نہ چھوڑنا' سوار و پیادے جس قدر ممکن ہو تیار رکھنا۔ آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھنا۔ نزول حوادث کے وقت مستقل مزاج رہنا۔ سستی و کاہلی کو مزاج میں دخیل نہ ہونے دینا۔ لوگوں پر حاضری دربار کو آسان کرنا۔ دربانوں سے خبردار رہنا کہ وہ لوگوں پر سختی نہ کرنے پائیں۔''

بغداد سے روانہ ہو کر منصور کوفہ میں آیا۔ حج و عمرے کا احرام باندھا۔ قربانی کے جانوروں کو آگے روانہ کیا۔ کوفہ سے دو تین منزل سفر کرنے پایا تھا کہ بیمار ہو گیا۔ اس بیماری کی حالت میں اپنے آزاد کردہ غلام ربیع کو جو اس کا حاجب اور افسر باڈی گارڈ تھا' اکثر اپنی مصاحبت میں رکھتا تھا۔ ٦ ذی الحجہ سنہ ۱۵۸ھ بمقام بطن میں جہاں سے مکہ تین چار میل رہ گیا تھا' فوت ہو گیا۔ وفات کے وقت اس کے خاص خدام اور ربیع کے اور کوئی اس کے پاس موجود نہ تھا۔ انہوں نے اس روز منصور کی وفات کو چھپایا۔ اگلے دن عیسیٰ بن علی' عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد ولی عہد دوم' عباس بن محمد' محمد بن سلیمان' ابراہیم بن یحییٰ' قاسم بن منصور' حسن بن زید علوی' موسیٰ بن مہدی بن منصور' علی بن عیسیٰ بن ہامان وغیرہ جو اس سفر میں ساتھ تھے' دربار میں بلائے گئے۔ ربیع نے خلیفہ کی وفات کی خبر سنائی۔ ایک کاغذ جو منصور کا لکھا ہوا تھا' پڑھ کر لوگوں کو سنایا' اس میں لکھا تھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' عبداللہ منصور کی طرف سے پس ماندگان بنی ہاشم و اہل خراسان و عامۃ

المسلمین کے نام۔ اما بعد! میں اس عہد نامہ کو اپنی زندگی یعنی دنیا کے دنوں میں سے آخری دن میں اور آخرت کے دنوں میں سے پہلے دن میں لکھ رہا ہوں۔ میں تم کو سلام کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈالے اور نہ میرے بعد تم کو کئی فرقوں میں متفرق کرے اور نہ تم کو خانہ جنگی کا مزہ چکھائے۔ میرے بیٹے مہدی کی اطاعت کا تم اقرار کر چکے ہو اس پر قائم رہو اور بد عہدی و بے وفائی سے بچو۔"

ربیع نے یہ کاغذ سنا کر موسیٰ بن مہدی بن منصور کو اپنے باپ مہدی کی طرف سے نیابتہً بیعت لینے کا اشارہ کیا اور سب سے پہلے حسن بن زید کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اٹھو! بیعت کرو۔ حسن بن زید نے بیعت کی' اس کے بعد یکے بعد دیگرے سب نے بیعت کی۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ یہ سن کر علی بن عیسیٰ بن ہامان نے کہا کہ اگر تم بیعت نہ کرو گے تو میں تمہاری گردن تلوار سے اڑا دوں گا۔ چنانچہ مجبوراً عیسیٰ بن موسیٰ نے بھی بیعت کر لی۔ اس کے بعد سرداران لشکر اور عوام الناس نے بیعت کی' پھر عباس بن محمد اور محمد بن سلیمان مکہ مکرمہ گئے اور انہوں نے رکن و مام کے درمیان لوگوں سے خلافت مہدی کی بیعت لی۔ اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حجون و بیر میمون کے درمیان مقبرہ معلاۃ میں منصور کو دفن کر دیا گیا' پھر ربیع نے منصور کی خبر وفات اور نبی اکرم ﷺ کی چادر و عصا اور خاتم خلافت کو مہدی کی خدمت میں روانہ کیا۔ یہ خبر ۱۵ ذی الحجہ سنہ ۱۵۸ھ کو بغداد میں مہدی کے پاس پہنچی۔ اہل بغداد نے بھی حاضر ہو کر مہدی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ منصور نے ایک ہفتہ کم بائیس سال خلافت کی۔ سات بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں: محمد مہدی' جعفر اکبر' جعفر اصغر' سلیمان' عیسیٰ' یعقوب' سالم اور بیٹی کا نام عالیہ تھا' جس کی شادی اسحاق بن سلیمان بن علی کے ساتھ ہوئی تھی۔

خلیفہ منصور سے کسی نے پوچھا کہ کوئی ایسی تمنا بھی ہے جو آپ کی اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟ منصور نے کہا کہ صرف ایک تمنا باقی ہے' وہ یہ ہے کہ میں ایک چبوترے پر بیٹھا ہوں اور اصحاب حدیث میرے گرد بیٹھے ہوں۔ دوسرے روز جب وزراء کاغذات اور معاملات کی مثلیں اور قلمدان لے کر اس کے پاس پہنچے تو اس وقت وہ دریافت کرنے والا مصاحب بھی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ لیجیے! اب آپ کی یہ تمنا پوری ہو گئی۔ منصور نے کہا: یہ وہ لوگ نہیں جن کی تمنا مجھے ہے۔ ان لوگوں کے تو کپڑے پھٹے ہوئے' پاؤں برہنہ اور بال بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور روایت حدیث ان کا کام ہوتا ہے۔

منصور نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو موطا کی تالیف پر آمادہ کیا تو ان سے اس طرح مخاطب ہوا کہ "اے ابو عبداللہ! تم جانتے ہو کہ اب اسلام میں تم سے اور مجھ سے زیادہ شریعت کا جاننے والا کوئی باقی

نہیں رہا۔[1] میں تو خلافت و سلطنت کے ان جھگڑوں میں مبتلا ہوں۔ تم کو فرصت حاصل ہے' لہٰذا تم لوگوں کے لیے ایک ایسی کتاب لکھو جس سے وہ فائدہ اٹھائیں۔ اس کتاب میں ابن عباس کے جواز اور ابن عمر کے تشدد و احتیاط کو نہ بھرو اور لوگوں کے کلیے تصنیف و تالیف کا ایک نمونہ قائم کرو۔'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ! منصور نے یہ باتیں کیا کہیں تصنیف ہی سکھا دی۔

عبدالصمد بن محمد نے منصور سے کہا کہ آپ نے سزا دینے پر ایسی کمر باندھی ہے کہ کسی کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ آپ معاف کرنا بھی جانتے ہیں۔ منصور نے جواب دیا کہ ابھی تک آل مروان کا خون خشک نہیں ہوا اور آل ابی طالب کی تلواریں بھی ابھی تک برہنہ ہیں۔ یہ زمانہ ایسا ہے کہ ابھی تک خلفاء کا رعب ان کے دلوں میں قائم نہیں ہوا اور یہ رعب اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا' جب تک وہ عفو کے معانی نہ بھول جائیں اور سزا کے لیے ہر وقت تیار نہ رہیں۔ زیاد بن عبداللہ حارثی نے منصور کو لکھا کہ میری تنخواہ اور جاگیر میں کچھ اضافہ کر دیا جائے اور اس عرض داشت میں اپنی تمام بلاغت ختم کر دی۔ منصور نے جواب دیا کہ جب تونگری اور بلاغت کسی شخص میں جمع ہو جاتی ہے تو اس کو خود پسند بنا دیتی ہے۔ مجھ کو تمہارے متعلق یہی خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تم بلاغت چھوڑ دو۔ عبدالرحمٰن زیاد افریقی' منصور کا طالب علمی کے زمانہ کا دوست تھا۔ وہ ایک مرتبہ منصور کی خلافت کے زمانہ میں اس سے ملنے آیا۔ منصور نے پوچھا کہ تم بنوامیہ کے مقابلہ میں میری خلافت کو کیسا پاتے ہو؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ جس قدر ظلم و جور تمہارے زمانہ میں ہوتا ہے' اتنا بنوامیہ کے زمانے میں نہ تھا۔ منصور نے کہا کہ کیا کروں مجھ کو مددگار نہیں ملتے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر بادشاہ نیک ہو گا تو اس کو نیک لوگ ملیں گے اور فاجر ہو گا تو اس کے پاس فاجر ہوں گے۔ ایک مرتبہ منصور کو مکھیوں نے بہت تنگ کیا۔ اس نے مقاتل بن سلیمان کو بلایا اور کہا کہ ان مکھیوں کو اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا ہے؟ مقاتل نے کہا کہ ظالموں کو ان کے ذریعہ سے ذلیل کرنے کے لیے۔

منصور کے زمانہ میں سریانی اور عجمی زبانوں سے کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں ہونے لگا۔ چنانچہ اقلیدس اور کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ اسی کے عہد میں ہوا۔ سب سے پہلے منصور نے منجموں کو اپنا جلیس و مقرب بنایا۔[2] اسی کے عہد میں عباسیوں اور علویوں میں تلوار چلی' ورنہ اس سے پہلے علوی و عباسی متحد و متفق تھے۔

---

[1] امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید ترین عالم تھے اور جمع احادیث کی سب سے پہلی کتاب موطا امام مالک ہے۔

[2] اس پر سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین جس نے مسلمانوں کی اصلاح اور دینی تربیت کے لیے کوشاں ہونا تھا' وہ خود بعض خرافات کا شکار ہو گیا۔

اپنے اخلاق و عادات اور اپنے اعمال و کارہائے نمایاں کے اعتبار سے منصور عباسی' عبدالملک اموی سے بہت ہی مشابہ ہے۔ وہ بھی خاندان مروان میں دوسرا خلیفہ تھا اور منصور بھی خاندان عباسی کا دوسرا خلیفہ تھا۔ عبدالملک نے بھی خلافت امویہ کو برباد و فنا ہوتے ہوتے بچالیا۔ اسی طرح منصور نے بھی محمد و ابراہیم کے مقابلہ میں خلافت عباسیہ کو برباد ہوتے ہوتے بچالیا' عبدالملک بھی عالم تھا' اسی طرح منصور بھی عالم تھا۔ عبدالملک بھی کفایت شعار اور بخل سے متہم تھا' اسی طرح منصور بھی کفایت شعاری اور بخل کے ساتھ بدنام تھا۔ حکومت بھی دونوں نے قریباً مساوی مدت تک کی۔ دونوں میں فرق صرف اس قدر تھا کہ منصور نے لوگوں کو امان دینے کے بعد بھی قتل کیا اور بدعہدی کے ساتھ متہم ہوا لیکن عبدالملک اس معاملہ میں بدنام نہیں ہوا۔

مہدی بن منصور

محمد المہدی بن منصور کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ بمقام ایدج ۱۲۶ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں کا نام ام موسیٰ اردیٰ بنت منصور حمیری تھا۔ مہدی نہایت سخی' ہر دلعزیز' صادق الاعتقاد و محبوب رعایا اور وجیہہ تھا۔ اس کے باپ منصور نے اس کو بہت سے علماء کی شاگردی اور صحبت میں رکھا۔ مہدی کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی کہ منصور نے اس کو عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کی بغاوت فرو کرنے کے لیے ۱۴۱ھ میں خراسان کی طرف بھیجا۔ ۱۴۴ھ میں یہ خراسان سے واپس آیا تو منصور نے اس کی شادی سفاح کی لڑکی یعنی اپنی بھتیجی سے کی۔

۱۴۴ھ میں اس کو ولی عہد اول بنایا اور خراسان کے جنوبی و مغربی حصے کا عامل بنا کر رے کی طرف روانہ کیا۔ ۱۵۳ھ میں اس کو امیر الحج مقرر کیا۔ ۱۵۸ھ میں اپنے باپ کی وفات کے بعد بغداد میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ بغداد میں جب لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس نے ممبر پر چڑھ کر خطبہ دیا کہ:

''تم لوگ جس کو امیر المومنین کہتے ہو وہ ایک بندہ ہوتا ہے' جب اسے کوئی آواز دیتا ہے تو جواب دیتا ہے اور جب اس کو حکم دیا جاتا ہے تو وہ بجالاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ ہی امیر المومنین کا محافظ ہوتا ہے۔ میں خدائے تعالیٰ ہی سے مسلمانوں کی خلافت کے کام انجام دینے کے لیے مدد طلب کرتا ہوں۔ جس طرح تم لوگ اپنی زبان سے میری اطاعت کا اظہار کرتے ہو اسی طرح دل سے بھی موافقت کرو تاکہ دین و دنیا کی بہتری کے امیدوار بن سکو۔ جو شخص تم میں عدل پھیلائے تم اس کی مخالفت کے لیے تیار نہ ہو۔ میں تم پر سے سختیاں اٹھادوں گا اور اپنی تمام عمر تم پر احسان کرنے اور جو تم

میں مجرم ہو اس کو سزا دینے میں صرف کر دوں گا''۔

مہدی نے خلیفہ ہوتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ منصور کے قید خانہ میں جس قدر قیدی تھے سب کو رہا کر دیا۔ صرف وہ قیدی رہا نہیں ہوئے جو باغی' غاصب یا خونی تھے۔ انہیں قیدیوں میں جو رہا ہوئے یعقوب بن داؤد بھی تھا' جو قیدی رہا نہیں ہوئے ان میں حسن بن ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بھی تھا۔ حسن اور یعقوب دونوں قتل ابراہیم کے بعد بصرہ سے گرفتار ہو کر ساتھ ہی قید ہوئے تھے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

یعقوب کا باپ داؤد بنی سلیم کے آزاد غلاموں میں سے تھا۔ وہ خراسان میں نصر بن سیار کا میر منشی تھا۔ داؤد کے دو بیٹے یعقوب اور علی تھے۔ یہ دونوں بڑے عالم فاضل اور نہایت ہوشیار و عقلمند تھے' جب بنو عباس کی حکومت ہوئی تو بنی سلیم کی بے قدری ہوئی۔ ساتھ ہی یعقوب بن علی کی بھی جو بنو سلیم میں شامل تھے' کسی نے بات نہ پوچھی حالانکہ اپنی قابلیت کے اعتبار سے مستحق التفات تھے' جب محمد مہدی اور ابراہیم نے بنو عباس کے خلاف لوگوں کو دعوت دینی شروع کی تو یعقوب اس دعوت میں شریک ہو گیا اور لوگوں کو محمد مہدی و ابراہیم کی طرف متوجہ کرتا رہا' بالآخر حسن بن ابراہیم کے ساتھ قید کر دیا گیا' اب قید خانہ سے چھوٹ کر یعقوب کو معلوم ہوا کہ حسن بن ابراہیم قید خانہ سے نکل بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے' اس نے اس کی اطلاع خلیفہ مہدی کو کی' مہدی نے حسن کو دوسرے قید خانہ میں تبدیل کر دیا مگر حسن وہاں سے بھی بھاگ نکلا۔

مہدی نے یعقوب کو بلا کر حسن کے متعلق مشورہ کیا' یعقوب نے کہا کہ امان فرمائیں تو میں اس کو حاضر کر سکتا ہوں' مہدی نے حسن کو امان دے دی اور یعقوب نے حسن کو حاضر کر دیا اور اس بات کی اجازت مہدی سے حاصل کر لی کہ حسن وقت بے وقت خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے گا' چنانچہ حسن مہدی کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مہدی نے حسن کو اپنا دینی بھائی بنا کر ایک لاکھ درہم مرحمت فرمائے' چند روز کے بعد مہدی نے اپنے وزیر ابوعبداللہ کو جو عہد ولی عہدی سے اس کا وزیر چلا آتا تھا معزول کر کے یعقوب بن داؤد کو اپنا وزیر بنا لیا' یعقوب اور حسن کی عزت افزائی سے مہدی نے اپنی منصف مزاجی اور قدر شناسی کا ثبوت پیش کیا اور اپنی محبت اپنے دشمنوں کے دلوں میں بھی قائم کر دی۔

خلافت عباسی کو سب سے زیادہ خطرہ محمد مہدی و ابراہیم کی جماعت کے لوگوں سے تھا جو یحییٰ بن زید کی جماعت کے ساتھ مل کر زوال بنو عباس کے خواہاں تھے' مہدی نے یعقوب کو وزیر بنا کر ان تمام خطرات کا سدباب کر دیا کیونکہ یعقوب ان دونوں جماعتوں سے تعلق رکھتا تھا' اس نے ان لوگوں

کو سلطنت میں عہدے دے دے کر مخالفت سے باز رکھا اور ان کے جوش مخالفت کو کم کر دیا۔

حکیم مقنع کا ظہور

مہدی کی خلافت کے پہلے ہی سال یعنی ۱۵۹ھ میں مرو کا ایک باشندہ حکیم مقنع جس نے سونے کا ایک چہرہ بنا کر اپنے چہرہ پر لگایا تھا' معبود ہونے کا دعویٰ کیا' اس کا عقیدہ تھا خدا تعالیٰ نے آدم کو پیدا کر کے اس کے جسم میں خود حلول کیا' اس کے بعد نوح میں' پھر ابومسلم اور ہاشم میں' اسی طرح یہ تناسخ کا قائل تھا اور کہتا تھا کہ میرے اندر اللہ تعالیٰ کی روح ہے' یعنی مجھ میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہے' اس کا یہ عقیدہ درحقیقت وہی تھا جو علاقہ راوند کے لوگوں کا تھا اور جنہوں نے منصور کے زمانہ میں ہاشمیہ کے اندر فساد برپا کیا تھا' یہ سب لوگ ابومسلم کی جماعت کے لوگ تھے اور ابومسلم ہی کی عجیب درعجیب دعوت وتبلیغ کے کرشمے تھے' وہ جس حیثیت اور جس قسم کے لوگ دیکھتا تھا' انہیں کے حسب حال اپنی دعوت کا رنگ تبدیل کر کے ان کے سامنے پیش کرتا تھا' یہ تمام گمراہ فرقے دعوت اہل بیت کو مختلف سانچوں میں ڈھالنے کے مختلف نتائج تھے۔

حکیم مقنع کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ یحییٰ بن زید مارے نہیں گئے بلکہ روپوش ہو گئے ہیں اور کسی وقت اپنا بدلہ لینے کے لیے ظاہر ہونگے اور دشمنوں کو ہلاک کریں گے' مقنع کے ظہور پر بہت سے خراسانی اس کے متبع ہو گئے اور اس کو سجدہ کرنے لگے' مقنع نے قلعہ بسام وسنجردہ (علاقہ ماوراء النہر) میں قیام کیا' اہل بخارا' اہل صغد اور ترکوں نے عباسیوں کے خلاف اس کی شرکت وحمایت پر کمر باندھی اور مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا' اس طرف کے عاملوں ابوالنعمان' جنید اور لیث بن نصر بن سیار نے مقابلہ کیا' لیث کا بھائی محمد بن نصر اور بھتیجا حسان بن تمیم اس لڑائی میں مارے گئے۔

مہدی کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے جبرائیل بن یحییٰ کو ان لوگوں کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ جبرائیل کے بھائی یزید کو بخارا وصغد کے باغیوں کی سرکوبی پر مامور کیا' اول اہل بخارا وصغد پر حملہ کیا گیا' چار مہینے کی جنگ کے بعد بخارا وغیرہ کے قلعوں کو مسلمانوں نے فتح کیا' سات سو باغی مارے گئے' باقی مقنع کی طرف بھاگ گئے۔

مہدی نے ابوعون کو چند روز کے بعد جنگ مقنع پر روانہ کیا تھا مگر ان سرداروں سے مقنع مغلوب نہ ہو سکا تو معاذ بن مسلم کو روانہ کیا گیا' معاذ بن مسلم کے مقدمۃ الجیش کا افسر سعید حرشی تھا' پھر عقبہ بن مسلم کو بھی اس لشکر میں شریک ہونے کا حکم دیا گیا' ان سرداروں نے مقنع کی فوج پر سخت حملہ کر کے اس کو میدان سے بھگا دیا اور مقنع کا قلعہ بسام میں محاصرہ کر لیا۔

اثناء جنگ میں معاذ و سعید میں کچھ ان بن ہوگئی تھی' سعید نے مہدی کو لکھ کر تنہا اپنے آپ مقنع کے استیصال کا کام کرنے کی اجازت حاصل کی' مقنع بتیس ہزار آدمیوں کے ساتھ محصور تھا' سعید حریشی سے محصورین نے امان طلب کی' سعید نے امان دے دی' تیس ہزار آدمی قلعہ سے نکل آئے صرف دو ہزار مقنع کے ساتھ باقی رہ گئے مقنع کو بھی اپنی ناکامی کا یقین ہوگیا تو اس نے آگ جلا کر اپنے تمام اہل و عیال کو اول آگ میں دھکا دے کر جلا دیا پھر خود بھی آگ میں کود پڑا اور مر گیا' مسلمانوں نے قلعہ میں داخل ہو کر مقنع کی لاش آگ سے نکال کر اس کا سر کاٹ کر مہدی کے پاس روانہ کیا۔

عمال کا تغیر و تبدل اور عزل و نصب

۱۵۵ھ میں مہدی نے اپنے چچا اسماعیل کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے اسحاق بن صباح کندی اشعثی کو مامور کیا' بصرہ کی حکومت و امامت سے سعید و علج اور عبیداللہ بن حسن کو معزول کر کے عبدالملک بن ظبیان نمیری کو مامور کیا' اسی سال قثم بن عباس کو یمامہ کی حکومت سے معزول کر کے فضل بن صالح کو' اور مطر (منصور کے آزاد کردہ غلام) کو مصر کی حکومت سے معزول کر کے ابوحمزہ محمد بن سلیمان کو' اور عبدالصمد بن علی کو مدینہ کی حکومت سے معزول کر کے محمد بن عبداللہ کثیری کو مامور فرمایا' مدینہ کی حکومت سے محمد بن عبداللہ کو بھی جلد معزول کر کے زفر بن عاصم ہلالی کو مدینہ کی حکومت سپرد کی' اسی سال معبد بن خلیل کو سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا' حمید بن قحطبہ خراسان کا گورنر تھا' وہ اسی سال ۱۵۹ھ میں فوت ہوا تو خراسان کی حکومت ابوعون عبدالملک بن یزید کو دی گئی' پھر اسی سال کے آخر میں سعید بن خلیل کے فوت ہونے پر سندھ کی حکومت روح بن حاتم کو دی گئی۔

۱۶۰ھ میں ابوعون عبدالملک معتوب ہو کر معزول ہوا' اس کی جگہ خراسان کی حکومت پر معاذ بن مسلم کو اور سیستان کی حکومت پر حمزہ بن یحییٰ کو اور سمرقند کی حکومت پر جبرائیل بن یحییٰ کو بھیجا گیا' جبرائیل نے اپنے عہد حکومت میں سمرقند کا قلعہ اور شہر پناہ تعمیر کرایا' اسی سال سندھ کی حکومت پر بسطام بن عمرو کو بھیجا گیا' ۱۶۱ھ میں مہدی نے سندھ کی گورنری نصر بن محمد بن اشعث کو عطا کی' اسی سال عبدالصمد بن علی کو جزیرہ پر اور عیسیٰ بن لقمان کو مصر پر اور بسطام بن عمرو تغلبی کو سندھ سے معزول کر کے آذربائیجان پر مقرر کیا' اسی سال اپنے بیٹے ہارون کی اتالیقی پر یحییٰ بن خالد بن برمک کو متعین کیا' اسی سال سلیمان بن رجاء کو بجائے محمد بن سلیمان کے مصر کی حکومت پر روانہ کیا۔

مہم باربد

اپنی خلافت کے پہلے ہی سال خلیفہ مہدی نے ایک بحری مہم ہندوستان کی طرف روانہ کی'

عبدالملک بن شہاب سمعی ایک لشکر لے کر خلیج فارس سے کشتیوں میں سوار ہو کر ساحل ہند کی طرف روانہ کیا' باربد میں ان لوگوں نے اتر کر لڑائی چھیڑ دی' اہل باربد بہت سے قتل و غارت ہوئے' مسلمانوں کے صرف بیس آدمی مارے گئے لیکن مسلمان فوج میں وباء پھیل گئی اور ایک ہزار آدمی وباء سے مرنے یہاں سے کشتیوں میں سوار ہو کر فارس کی طرف روانہ ہوئے' ساحل فارس کے قریب پہنچ کر طوفان باد سے کشتیاں ٹوٹ گئیں اور ایک جماعت دریا میں غرق ہوئی۔

ہادی بن مہدی کی ولی عہدی

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے عیسیٰ بن موسیٰ موضع رحبہ متصل کوفہ میں رہتا اور جمعہ یا عید کے روز کوفہ میں نماز پڑھنے آتا اور تمام وقت اپنے گاؤں میں خاموشی و بے تعلقی کے ساتھ بسر کرتا تھا' یہ بھی ذکر ہو چکا ہے کہ منصور کے بعد عیسیٰ کو عبداللہ سفاح نے ولی عہد مقرر کیا تھا' منصور نے عیسیٰ کو مؤخر کر کے اپنے بیٹے مہدی کو مقدم کر دیا' اب مہدی کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ ولی عہد تھا لیکن مہدی کو اس کی خلافت کے پہلے ہی سال میں اس کے ہمدردوں اور مشیروں نے ترغیب دی کہ عیسیٰ بن موسیٰ کی جگہ آپ اپنے بیٹے ہادی کو ولی عہد بنائیں' مہدی نے عیسیٰ کو اپنے پاس بغداد میں طلب کیا' عیسیٰ نے آنے سے انکار کیا' مہدی نے گورنر کوفہ کو تاکیدی حکم دیا کہ عیسیٰ کو تنگ کیا جائے مگر چونکہ عیسیٰ پہلے ہی سے خانہ نشین تھا اس لیے گورنر کوفہ کو کوئی موقع عیسیٰ کے پریشان کرنے کا نہ مل سکا پھر مہدی نے ایک سخت خط لکھا' اس نے کوئی جواب نہ دیا' پھر مہدی نے اپنے چچا عباس کو عیسیٰ کے پاس بھیجا کہ اس کو ہمراہ لائے عیسیٰ نے پھر بھی انکار کیا۔

آخر مہدی نے دو سپہ سالاروں کو عیسیٰ کے لانے پر مامور کیا' مجبور ہو کر عیسیٰ بغداد میں آیا اور محمد بن سلیمان کے مکان پر فروکش ہوا' مہدی کے دربار میں آتا جاتا رہا مگر بالکل خاموش جاتا' خاموش رہتا اور خاموش چلا آتا' آخر عیسیٰ پر تشدد شروع کیا گیا اور خود محمد بن سلیمان نے اس کو مجبور کرنا چاہا کہ وہ ولی عہدی سے دستبردار ہو جائے' عیسیٰ نے اس عہد و قسم کا عذر کیا جو اس سے ولی عہدی کے وقت لی گئی تھی' مہدی نے فقہاء کو طلب کیا انہوں نے فتویٰ دیا کہ عیسیٰ قسم کا کفارہ دے کر ولی عہدی سے دست کش ہو سکتا ہے' مہدی نے اس کے عوض دس ہزار درہم اور زاب و کسکر میں جاگیریں دیں اور عیسیٰ نے ۲۶ محرم ۱۶۰ھ کو ولی عہدی سے خلع کیا اور ہادی کی ولی عہدی کی بیعت کر لی۔

اگلے دن مہدی نے دربار عام کیا' اراکین سلطنت سے بیعت لی' پھر جامع مسجد میں آیا خطبہ دیا' عیسیٰ کے معزول اور ہادی کے ولی عہد ہونے کی لوگوں کو اطلاع دی' عیسیٰ نے اپنی ولی عہدی کے

خلع کا اقرار کیا' لوگوں نے ہادی کی ولی عہدی کی بیعت کر لی۔

مہدی کا حج

۱۶۰ھ کے ماہ ذیقعدہ میں مہدی نے حج کی تیاری کی' اپنے بیٹے ہادی کو بغداد میں اپنا نائب بنا کر چھوڑا' ہادی کے ماموں یزید بن منصور کو ہادی کے ساتھ مقرر کیا' دوسرے بیٹے ہارون کو مع چند اہل خاندان کے ہادی کی مصاحبت پر متعین کیا اور خود وزیر یعقوب بن داؤد بن طہمان کے مکہ معظمہ کی جانب روانہ کیا' مکہ میں پہنچ کر خانہ کعبہ کے پرانے تمام غلافوں کو جو تہ بہ تہ چڑھے ہوئے تھے اتروایا اور ایک نیا قیمتی غلاف چڑھایا' ڈیڑھ لاکھ غرباء کو کپڑے تقسیم کئے' مسجد نبوی کو وسیع کرایا' واپسی میں انصار کے پانچ سو خاندان اپنے ہمراہ عراق میں لایا ان کو یہاں آباد کر کے جاگیریں اور وظیفے مقرر کئے اور اپنی محافظت پر ان کو مامور کیا' مکہ کے راستے میں مکانات بنوائے' ہر مکان میں حوض اور کنویں بھی بنوائے' ان تمام کاموں کا اہتمام یقطین بن موسیٰ کے سپرد کیا' مسجد بصرہ کی بھی توسیع کرنے اور اس کے منبر کو چھوٹا کرنے کا حکم دیا۔

اندلس میں چھیڑ چھاڑ

مہدی کی طرف سے افریقہ کا گورنر عبدالرحمٰن بن حبیب فہری تھا' اس نے بربریوں کی ایک جمعیت لے کر اندلس کے ساحل مرسیہ میں پہنچ کر اندلس کے صوبہ سرقسطہ کے گورنر سلیمان بن یقطن کو خلافت عباسیہ کی دعوت دی' سلیمان نے اس تحریر کا کوئی جواب نہیں دیا' اسی اثناء میں امیر عبدالرحمٰن فہری نے سرقسطہ پر حملہ کیا' سلیمان نے شکست دے کر عبدالرحمٰن فہری کو پیچھے ہٹا دیا۔

اسی اثناء میں امیر عبدالرحمٰن فرمانروائے اندلس فوج لیکر آ پہنچا' اس نے سب سے پہلے عبدالرحمٰن فہری کی کشتیوں کو جو ساحل پر کھڑی تھیں جلوا دیا' تاکہ فرار ہو کر نکل نہ جائے' اس کے بعد عبدالرحمٰن فہری کی طرف متوجہ ہوا' عبدالرحمٰن پریشان ہو کر بلنسیہ کے پہاڑ پر چڑھ گیا' امیر عبدالرحمٰن نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی عبدالرحمٰن بن حبیب فہری کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو ایک ہزار دینار انعام میں دیا جائے گا' اس کی خبر کہیں عبدالرحمٰن فہری کے ہمراہی کسی بربری کو بھی ہو گئی' وہ غفلت کی حالت میں عبدالرحمٰن کا سر کاٹ کر امیر عبدالرحمٰن کے پاس لے آیا اور انعام لے کر چل دیا' امیر عبدالرحمٰن کو عباسیوں کی اس فوج کشی سے اشتعال پیدا ہوا' اس نے جواباً ارادہ کیا کہ لشکر لے کر ساحل شام پر حملہ آور ہو اور خلیفہ عباسی کو اس گستاخی کا مزا چکھائے مگر انہیں ایام میں حسن بن یحییٰ بن سعید بن سعد بن عثمان انصاری نے سرقسطہ میں علم بغاوت بلند کیا' لہٰذا عبدالرحمٰن اموی فرمانروائے اندلس اس طرف

متوجہ ہو گیا اور شام کا قصد ملتوی رہا۔

خلیفہ منصور عباسی کے زمانے سے اندلس میں خاندان بنوامیہ کی حکومت قائم ہو کر ایک الگ اسلامی حکومت کا دوسرا مرکز بن گیا تھا' اس وقت چونکہ سلسلہ شروع ہو چکا ہے' لہٰذا خلافت عباسیہ کے فرمانرواوں کا حال جب تک کہ ان کی فرمانروائی اندلس کے سوا تمام عالم اسلامی پر قائم رہی' اسی سلسلہ میں ختم کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے' اندلس کی حکومت کا حال اس کے بعد شروع سے الگ بیان کیا جائے گا' قارئین کرام منتظر رہیں۔

جنگ روم وحملہ ہارون

۱۶۳ھ میں مہدی نے خراسان اور دوسرے صوبوں سے لشکر فراہم کیا اور رومیوں پر جہاد کی غرض سے یکم' رجب ۱۶۳ھ کو بغداد سے کوچ کیا' ۳۰' جمادی الثانی یعنی ایک دن پہلے مہدی کے چچا عیسیٰ بن علی کا انتقال ہو گیا تھا' بغداد میں ہادی کو اپنی نیابت پر چھوڑا اور اپنے دوسرے بیٹے ہارون کو اپنے ہمراہ لیا' دوران سفر میں موصل وجزیرہ ہو کر گزرا اور اس صوبہ کے گورنر عبدالصمد بن علی کو معزول کر کے قید کر دیا اور اپنے بیٹے ہارون کو' آذربائیجان' آرمیبیا اور کل بلاد مغرب کا والی مقرر کیا' اور جزیرہ کی حکومت عبداللہ بن صالح کو عطا کی۔

رومیوں پر چڑھائی کرنے کا سبب یہ تھا کہ ۱۶۲ھ میں رومیوں نے بلاد اسلامیہ پر چڑھائی کر کے بعض شہروں کو ویران کر دیا تھا' اس لیے مہدی نے خود اس طرف لشکر کشی کی۔

اس سفر میں مہدی جب مسلمہ بن عبدالملک کے قصر کے مقابل پہنچا' تو مہدی کے چچا عباس بن علی نے مہدی سے کہا کہ ایک مرتبہ آپ کے دادا محمد بن علی اس طرف کو ہو کر گزرے تھے تو مسلمہ نے ان کی دعوت کی تھی اور ایک ہزار دینار نذر کیے تھے' مہدی نے یہ سنتے ہی مسلمہ کے لڑکوں' غلاموں اور جملہ متعلقین کو طلب کر کے بیس ہزار دینار مرحمت کیے اور ان کے وظائف مقرر کر دیے۔

مہدی خود حلب میں پہنچ کر ٹھہر گیا اور ہارون کو فوج اور فوجی سرداروں کے ساتھ آگے روانہ کیا' ہارون کے ساتھ عیسیٰ بن موسیٰ' عبدالملک بن صالح' حسن بن قحطبہ' ربیع بن یونس' یحییٰ بن خالد بن برمک تھے' مگر تمام لشکر کی سرداری اور رسد وغلہ کا انتظام سب ہارون ہی کے سپرد تھا' ہارون نے آگے بڑھ کر رومیوں کے قلعوں پر محاصرہ کیا اور یکے بعد دیگرے کئی قلعے فتح کر لیے' اس عرصے میں مہدی نے اطراف حلب کے زندیقوں کو چن چن کر قتل کیا' ہارون کو لے کر بیت المقدس کی زیارت کو گیا' مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی' پھر بغداد کو واپس چلا آیا' مہدی نے جب ہارون کو آذربائیجان وآرمیبیا کا گورنر

بنایا تھا تو حسن بن ثابت کو اس کا وزیر مال اور یحییٰ بن خالد بن برمک کو اس کا وزیر خارجہ مقرر کیا تھا' اسی سال یعنی ۱۶۳ھ میں خالد بن برمک کا انتقال ہوا۔

رومیوں پر ہارون کی دوسری چڑھائی

۱۶۴ھ میں عبدالکبیر بن عبدالرحمٰن نے رومیوں پر فوج کشی کی تھی مگر بطریق میکائیل اور بطریق طارہ ارمنی نے نوے ہزار کی جمعیت سے مقابلہ کیا' عبدالکبیر بلا مقابلہ واپس چلا آیا' اس واقعہ سے وہ رعب جو ۱۶۳ھ کی حملہ آوری سے رومیوں پر قائم ہوا تھا زائل ہو گیا' مہدی نے سنا تو عبدالکبیر کو قید کر دیا اور ۱۶۵ھ میں اپنے بیٹے ہارون کو جہاد روم پر روانہ کیا اور اپنے امیر' حاجب اور معتمد خاص ربیع کو ہارون کے ہمراہ کر دیا' ہارون قریباً ایک لاکھ فوج لے کر رومیوں کے ملک پر حملہ آور ہوا اور برابر شکستیں دیتا' رومیوں کو قتل کرتا ان کے شہروں کو غارت کرتا ہوا قسطنطنیہ تک پہنچ گیا' ان دنوں قسطنطنیہ کے تخت پر ایک عورت مسماۃ غسطہ حکمراں تھی جو قیصر الیوک کی بیگم تھی اور اپنے نابالغ بیٹے کی طرف سے حکومت کر رہی تھی' ستر ہزار دینار سالانہ جزیہ دینا منظور کر کے تین برس کے لیے رومیوں نے صلح کر لی اور یہ شرط قبول کر لی کہ قسطنطنیہ کے بازار میں مسلمانوں کی آمد و رفت اور خرید و فروخت کی ممانعت نہ کی جائے گی' اس صلح نامہ سے پیشتر مسلمانوں نے رومیوں کے پانچ ہزار چھ سو آدمی گرفتار اور ۵۶ ہزار کو قتل کر دیا تھا' اسی سال مہدی نے ہارون کو تمام ممالک مغربیہ کا حاکم و مہتمم مقرر کیا۔

۱۶۶ھ میں خلیفہ مہدی نے اپنے بیٹے ہارون کو ہادی کے بعد ولی عہد مقرر کیا اور لوگوں سے ہارون کی ولی عہدی کے لیے بیعت لی اور ہارون کو رشید کا خطاب دیا' اسی سال مہدی نے بغداد سے مکہ' مدینہ اور یمن تک خچروں اور اونٹوں کی ڈاک بٹھائی تاکہ روزانہ ان مقامات سے اطلاعات آتی رہیں اور وہاں احکامات پہنچتے رہیں' اسی سال مہدی نے ابو یوسف کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا۔

۱۶۷ھ میں عیسیٰ بن موسیٰ نے کوفے میں وفات پائی' اسی سال زندیقوں کا جابجا ظہور ہوا اور مہدی نے اول ان کو بحث مباحثہ کے ذریعہ ساکت کیا' پھر ان کے قتل پر آمادہ ہو گیا' جہاں زندیقوں کا پتہ سنا' وہیں ان کے استیصال کے درپے ہو گیا' علاقہ بصرہ میں مابین یمامہ و بحرین زندیقوں نے بڑا زور باندھا' مرتد ہو ہو کر نمازیں چھوڑ بیٹھے اور محرمات شرعی کا پاس و لحاظ اٹھا دیا اور لوٹ مار پر آمادہ ہو کر راستہ بند کر دیا' خلیفہ مہدی نے جابجا ان کا قتل عام کرایا اور اس طرح ان زندیقوں کے پیچھے پڑا کہ ان کی بیخ کنی ہی کر کے چھوڑی۔

مہدی کے کارہائے نمایاں میں زندیقوں کا استیصال بھی خصوصیت سے قابل تذکرہ ہے' اسی

سال مہدی نے مسجد حرام میں توسیع کی اور ارد گرد کے مکانات خرید کر مسجد کے احاطہ میں شامل کر دیئے۔

جرجان پر ہادی کی یورش

۱۶۷ھ میں خبر پہنچی کہ اہل طبرستان نے علم بغاوت بلند کیا ہے' خلیفہ نے ان کی سرکوبی کے لیے اپنے ولی عہد ہادی کو روانہ کیا' ہادی کے لشکر کا علم محمد بن جمیل کے ہاتھ میں تھا' ہادی نے طبرستان اور اس کے بعد جرجان میں امن امان قائم کیا اور باغیوں کو قرار واقعی سزائیں دیں۔

۱۶۸ھ میں رومیوں نے اس صلح کو جو مسلمانوں کے ساتھ کی تھی' میعاد صلح کے ختم ہونے سے چار مہینے پہلے توڑ ڈالا' علی بن سلیمان والی جزیرہ وقنسرین نے یہ خبر پا کر یزید بن بدر بن بطال کو ایک زبردست فوج دے کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا' یزید بن بدر وہاں سے بہت سا مال غنیمت لے کر واپس آیا۔

وفات مہدی

خلیفہ مہدی کو تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہادی کے مقابلہ میں دوسرا بیٹا ہارون زیادہ قابل اور امور سلطنت کے انصرام کی زیادہ اہلیت رکھتا ہے چنانچہ اس نے ۱۶۸ھ میں خیال کے پختہ ہونے کے بعد ارادہ کیا کہ ولی عہدی میں ہارون کو اس کی جگہ ولی عہد بنا کر لوگوں سے بیعت لے' ان دنوں ہادی جرجان ہی میں مقیم تھا' مہدی نے اس کی طلبی کے لیے قاصد روانہ کیا' اس نے یہ گستاخی وشوخ چشمی دکھائی کہ اس قاصد کو پٹوا کر نکلوا دیا اور باپ کے حکم کی تعمیل میں جرجان سے بغداد کی طرف روانہ نہ ہوا' یہ کیفیت دیکھ کر مہدی خود جرجان کی طرف روانہ ہوا' راستہ میں مقام ماسبذان میں پہنچا تھا کہ ۲۲' ۱۶۹ھ مطابق اگست ۷۸۵ء میں انتقال کیا۔

ہارون رشید اس سفر میں باپ کے ساتھ تھا' اس نے جنازے کی نماز پڑھائی' اور بھائی کے پاس جرجان میں وفات پدر کی خبر بھیجی' ہادی نے وہاں اہل لشکر سے اپنی خلافت کی بیعت لی اور گشتی اطلاع خلیفہ مہدی کے فوت ہونے اور ہادی کے خلیفہ کی تمام اعمال کے پاس روانہ کر دیا' بیس روز کے بعد ہادی جرجان سے روانہ ہو کر بغداد پہنچا اور تخت خلافت پر بیٹھ کر حاجب ربیع کو خلعت وزارت عطا کیا۔

خلیفہ مہدی عباسیوں میں نہایت نیک طبیعت' متقی' سخی' خوش مزاج' بہادر اور نیک دل خلیفہ تھا' اس نے اپنے باپ کے زمانے میں ان خونریزیوں کو دیکھا جو علویوں کی ہوئی تھیں' وہ ان خونریزیوں کو

اچھا نہیں جانتا تھا' وہ اپنے نیک سلوک اور رفاہ رعایا کے کاموں میں کوشش کر کے لوگوں کے دل میں گھر کرنا قیام سلطنت کے لیے ضروری سمجھتا تھا اور خوف و جبر اور تشدد و قہر کو بالکل غیر ضروری جانتا تھا' اسی لیے اس نے اپنے ندیموں اور مصاحبوں کی مجلس میں بے تکلف بیٹھنا شروع کیا' اور اس سے پہلے منصور کے عہد میں ندماء اور مصاحبین پردہ کی آڑ میں بیٹھتے تھے اور خلیفہ صرف ان کی آواز سنتا اور وہ خلیفہ آواز سنتے' آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

خلیفہ مہدی نے اپنے دوران حکومت میں اپنے حکم سے کسی ہاشمی کو قتل نہیں کرایا' اس نے قسم کھا لی تھی کہ میں کسی ہاشمی کو قتل نہ کروں گا وہ کشتنی و گردن زدنی ہاشمیوں کو بھی صرف قید کر دیا کرتا تھا' زنادقہ کا وہ جانی دشمن تھا اور کسی زندیق کو بغیر قتل کیے نہ چھوڑتا تھا' یعقوب بن فضل جو ہاشمی تھا' زندیق ہو گیا اور اس نے اپنی زندیق ہونے کا اقرار بھی کر لیا تھا' لیکن مہدی نے اس کو قید کر دیا اور اپنے ولی عہد ہادی سے کہا کہ جب تم خلیفہ ہو تو اس کو قتل کر دینا' میں اپنی قسم پر قائم رہنے کے سبب اس کو قتل نہیں کر سکتا' چنانچہ ہادی نے خلیفہ ہوتے ہی اس کو قتل کیا۔

مہدی کو اتباع سنت رسول اللہ ﷺ کا بہت خیال تھا' اس نے وہ مقصورے جو مسجد میں خلفاء کے لیے بنائے جاتے تھے خلاف سنت سمجھ کر سب تڑوا دیئے' جن مسجدوں میں منبر رسول اللہ ﷺ کے منبر سے زیادہ بلند تھے ان کو پست کرا دیا' وہ عبادت بھی بہت کرتا تھا' حلیم الطبع اور خوش گفتار تھا' اس کے دربار میں ہر شخص بلا روک ٹوک جا سکتا تھا' سلطنت کے کاموں میں نہایت مستعد اور ہوشیار تھا' وہ اپنے غلاموں اور خادموں کی عیادت کو بھی چلا جاتا تھا' بعض اوقات اس پر لوگوں نے قاضی کی عدالت میں دعوے دائر کیے اور وہ قاضی کی عدالت کے حکمنامہ کی تعمیل میں فریق مقدمہ کی حیثیت سے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا اور عدالت کے فیصلے کو اپنے اوپر تعمیل کرایا۔[1]

اس کے زمانہ کے مشہور عالم شریک اس کے پاس آئے' مہدی نے کہا کہ آپ کو تین باتوں میں ایک ضرور ماننی پڑے گی یا تو قاضی کا عہدہ قبول کریں یا میرے لڑکے کو پڑھائیں یا میرے ساتھ کھانا کھائیں' قاضی شریک نے سوچ کر کہا کہ ان سب میں کھانا کھانا سب سے زیادہ آسان ہے چنانچہ دستر خوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے گئے جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو شاہی باورچی

---

[1] سنداً یہ واقعہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ (النساء: ۴/۱۰۳) ''بے شک نماز مومنوں پر اوقات مقررہ میں فرض ہے۔'' اور یہاں خلیفہ مہدی قرآن کریم سے واضح متصادم حکم دیتا ہے اور وہ بھی صرف ایک شخص کے لیے' پھر اس انداز میں کہ اس شخص کے آنے پر نماز کھڑی کی جائے! اور اس دور کے علماء حق بھی خاموش رہتے ہیں۔ یہ غلط اور عجیب سی بات ہے۔

نے کہا کہ بس اب آپ پھنس گئے چنانچہ ایسا ہی ہوا' انہوں نے عہدہ قضاء بھی منظور کیا اور مہدی کے لڑکوں کو بھی پڑھایا۔

مہدی جب کبھی بصرے میں آتا تو پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں پڑھایا کرتا' ایک روز لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے' اس کے بعد ایک اعرابی آیا جس کو نماز با جماعت نہ ملی۔ اس نے کہا کہ میں نے ظہر کی نماز آپ کے پیچھے پڑھنی چاہی تھی مگر ممکن نہ ہوا' مہدی نے حکم دیا کہ اس شخص کا ہر نماز میں انتظار کیا جائے' چنانچہ عصر کی نماز کے وقت مہدی محراب میں کھڑا ہو گیا اور جب تک وہ اعرابی نہ آ گیا تکبیر اقامت کی اجازت نہ دی' لوگ یہ دیکھ کر اس کی وسیع الاخلاقی سے متعجب رہ گئے۔

سب سے پہلے مہدی نے بصرے میں اپنے ایک خطبہ کے اندر یہ آیت پڑھی ان اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلون علی النّبی[1] اس کے بعد خطیبوں نے اس آیت کو خطبوں کا جزو لاینفک قرار دے دیا۔

ہادی بن مہدی

ہادی بن مہدی بن منصور ۱۴۷ھ میں بمقام رے خیزران کے بطن سے پیدا ہوا۔ خیزران بربر کی رہنے والی ایک پرستار تھی جو مہدی کی مملوکہ تھی' جب اس کے پیٹ سے ہادی اور ہارون پیدا ہوئے تو مہدی نے اس کو آزاد کر کے اس سے ۱۵۹ھ میں نکاح کر لیا تھا' خلیفہ ہادی نے تخت نشین ہو کر اپنے باپ کی وصیت کے موافق زنادقہ کی خوب خبر لی اور ان کے قتل و استیصال میں کمی نہیں کی' خلیفہ ہادی کی تخت نشینی کے وقت صوبوں اور ولایتوں کے حاکم اس طرح تھے کہ:

مدینہ منورہ میں عمر بن عبدالعزیز عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب' یمن میں ابراہیم بن مسلم بن قتیبہ' مکہ و طائف میں عبداللہ بن قثم۔ یمامہ و بحرین میں سوید قائد خراسانی۔ عمان میں حسن بن سلیم حواری' کوفہ میں موسیٰ بن عیسیٰ۔ بصرہ میں ابن سلیمان۔ جرجان میں خلیفہ ہادی کا آزاد کردہ غلام حجاج۔ قومس میں زیاد بن حسان۔ طبرستان میں صالح بن شیخ بن عمیرہ اسدی۔ موصل بن ہاشم بن سعید بن خالد۔ ہاشم کو ہادی نے اس کی کج خلقی کے سبب معزول کر کے عبدالملک بن صالح بن علی ہاشمی کو موصل کی حکومت پر مامور کیا تھا۔

حسین بن علی کا خروج

حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب اور حسن بن محمد بن

[1] ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔'' (الاحزاب:۵۶/۳۳)

عبداللہ بن حسن' ان کے چچا یحییٰ بن عبداللہ بن حسن اور دوسرے آل ابی طالب نے مل کر حکومت عباسیہ کے خلاف خروج کی سازش کی تھی اور یہ بات قرار پائی تھی کہ ۱۵۹ھ کے موسم حج میں خروج کرنا چاہیئے۔ مگر ایام حج سے پہلے ہی مدینہ کے عامل عمر بن عبدالعزیز بن عبیداللہ سے ان لوگوں کی کچھ ان بن ہوگئی اور انھوں نے خروج کر کے عامل مدینہ کے مکان کا محاصرہ کر کے حسین بن علی بن حسن مثلث کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کی اور اہل مدینہ اس بیعت میں شامل ہونے لگے۔

اس اثناء میں خالد یزیدی دو سو آدمیوں کی جمعیت سے آ پہنچا۔ دوسری جانب سے عمر بن عبدالعزیز بھی محاصرہ سے نکل کر اور ایک جماعت کو ہمراہ لے کر مسجد کی طرف جہاں حسین بن علی کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی تھی آ پہنچا۔ جو لوگ مسجد میں موجود تھے انھوں نے مقابلہ کیا' اس لڑائی میں خالد یزیدی یحییٰ و ادریس پسران عبداللہ بن حسن کے ہاتھ مارا گیا۔ اس کے مارے جاتے ہی سب کو شکست ہوئی اور حسین بن علی کی جماعت نے بیت المال کا دروازہ توڑ کر سرکاری خزانہ لوٹ لیا۔ اگلے دن بنو عباس کے حامیوں نے جمع ہو کر پھر مقابلہ کیا۔ کئی روز تک مدینہ میں لڑائی کا یہ سلسلہ جاری رہا' آخر حسین بن علی نے سب کو خارج کر کے مدینہ پر مکمل قبضہ حاصل کیا۔ اکیس روز تک مدینہ میں قیام کر کے مکہ کی جانب کوچ کیا۔ مکہ معظمہ میں پہنچ کر منادی کرادی کہ جو غلام ہمارے پاس آئے گا ہم اس کو آزاد کر دیں گے۔ یہ سن کر غلاموں کا ایک گروہ حسین بن علی کے گرد فراہم ہوگیا۔

اس سال سلیمان بن منصور' محمد بن سلیمان بن علی۔ عباس بن محمد بن علی۔ موسیٰ و اسمٰعیل پسران عیسیٰ بن موسیٰ وغیرہ عباسیہ خاندان کے چند آدمی حج کے لیے آئے تھے۔ ان لوگوں کے روانہ ہونے کے بعد ہادی کے پاس حسین بن علی کے خروج کی خبر پہنچی۔ ہادی نے فوراً محمد بن سلیمان کو ایک خط لکھا کہ تم اپنے تمام ہمراہیوں کو لے کر حسین بن علی کا مقابلہ کرو۔ محمد بن سلیمان اپنے ساتھ کچھ فوج بھی لایا تھا۔ محمد بن سلیمان نے مقام ذی طویٰ میں سب کو فراہم کر کے لشکر کو باقاعدہ مرتب کیا اور مکہ معظمہ میں پہنچ کر عمرہ ادا کیا۔ وہاں مختلف صوبوں اور ملکوں سے جو سرداران عباسیہ حج کے لیے آئے تھے' وہ سب محمد بن سلیمان کے ساتھ شامل ہوگئے۔

یوم الترویہ کو مقام فخ میں صف آرائی و جنگ آزمائی کی نوبت پہنچی۔ بہت سے آدمی مارے گئے۔ آخر حسین بن علی کو شکست حاصل ہوئی اور ان کے ہمراہی فرار ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص حسین بن علی کا سر لے کر آیا۔ ان کے ہمراہیوں کے قریباً سو سر جمع کیے گئے۔ انہیں میں سلیمان برادر محمد مہدی کا سر بھی تھا۔ ہزیمت یافتہ لوگ میدان سے بھاگ کر حجاج میں شامل ہوگئے' ادھر محمد بن سلیمان نے امان کی منادی کرادی۔ حسن بن محمد بن عبداللہ امان کی منادی کے بعد گرفتار ہوا' اس کو موسیٰ

بن عیسیٰ نے قتل کر دیا۔ محمد بن سلیمان نے اس پر اظہار ناراضگی کیا اور ہادی کو بھی جب یہ بات معلوم ہوئی تو موسیٰ بن عیسیٰ کے مال واسباب کو ضبط کر لیا۔

اس لڑائی میں ادریس بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب برادر محمد مہدی بھی بچ کر نکل گیا تھا۔ وہ وہاں سے فرار ہو کر مصر پہنچا۔ وہاں صالح بن منصور کا آزاد غلام واضح محکمہ ڈاک کا افسر تھا اس کو آل ابی طالب کے ساتھ ہمدردی تھی۔ اس نے ادریس کو تیز رفتار گھوڑے پر سوار کرا کر بلاد مغرب کی طرف روانہ کر دیا۔ وہاں ادریس شہر دلیلہ مضافات طنجہ میں پہنچا اور بربریوں کو دعوت دینی شروع کی' (اولاد کا حال آئندہ جدا گانہ بیان ہوگا) چند روز کے بعد خلیفہ ہادی کو اس بات کی اطلاع ہوئی کہ واضح نے ادریس کو مغرب کی طرف بھگا دیا ہے۔ چنانچہ ہادی نے واضح اور اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کرا کر قتل کرا دیا۔ ادریس بن عبداللہ کا دوسرا بھائی یحییٰ بن عبداللہ مقام فخ سے فرار ہو کر دیلم پہنچا۔

ہادی کی وفات

ہادی نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی یہ کوشش شروع کی کہ اپنے بھائی ہارون کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنائے' یحییٰ بن خالد بن برمک ہارون رشید کا اتالیق و مدار المہام[1] تھا۔ اس نے خلیفہ ہادی کو سمجھانے اور اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ کئی مرتبہ یحییٰ اپنی کوشش میں کامیاب ہو کر ہادی کو اس ارادے سے باز رکھ سکا۔ لیکن ہادی کے دوسرے مصاحب اس کو بار بار اس بات پر آمادہ کرتے رہے کہ وہ ہارون کو معزول کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنائے' یحییٰ نے ہادی کو سمجھایا تھا کہ آپ کا بیٹا جعفر ابھی نابالغ ہے۔ اگر آپ آج فوت ہو جائیں تو امرائے سلطنت اس چھوٹے بچے کی خلافت وحکومت کو ہرگز تسلیم نہ کریں گے اور فسادات پیدا ہو جائیں گے۔ ہارون کو آپ کے باپ مہدی نے آپ کے بعد ولی عہد مقرر کیا تھا' آپ ہارون کے بعد جعفر کو ولی عہد بنا دیں تو پھر کوئی اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے گا۔ آپ کی زندگی میں جعفر جس وقت بالغ ہو جائے گا اور اپنی قابلیت کا اظہار کرے گا تو میں ہارون کو اس بات پر رضامند کر دوں گا کہ وہ اپنے حق ولی عہدی سے جعفر کے حق میں دست بردار ہو جائے۔

ان باتوں سے ہادی کی تشفی ہو گئی تھی مگر امرائے سلطنت جو ہارون کے مخالف تھے' ہادی کو بار بار آمادہ کرتے رہے۔ آخر ہارون پر تشدد کیا گیا۔ یحییٰ نے اس ارادے سے مطلع ہو کر ہارون کو مشورہ دیا

[1] وزیر اعظم۔

کہ وہ شکار کے بہانے سے کہیں چلا جائے اور ہادی سے دور دور رہے۔ چنانچہ ہارون شکار کے لیے اجازت حاصل کر کے قصر مقاتل کی طرف چلا گیا۔ ہادی نے اس کو واپس بلوایا تو اس نے بیماری کا حیلہ کیا اور حاضر نہ ہوا۔

انھیں ایام میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ ہادی نے اپنی ماں خیزران کو امور سلطنت میں دخل دینے سے بالکل روک دیا اور اس کے ان اختیارات کو جو مہدی کے زمانہ سے حاصل تھے بالکل ضبط کر لیا۔ ماں بیٹوں کی اس کشیدگی نے ایسی ناگوار صورت اختیار کر لی کہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ خیزران کو جب یحییٰ کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ ہادی۔۔ اپنے بیٹے جعفر کی ولی عہدی کے لیے ہارون کی جان کا دشمن ہو گیا ہے تو وہ ہارون کی محبت میں اور بھی زیادہ ہادی کی دشمن بن گئی، اور اب بجائے ایک یحییٰ کے دوسری خیزران بھی ہارون کی حامی بن گی۔

جب ہارون نے ہادی کی خدمت میں حاضر ہونے سے انکار کیا تو اس کے بعد ہادی خود بالاد موصل کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں سے واپسی میں ہارون بھی اس کے ساتھ تھا۔ راستے میں ہادی بیمار ہوا اور تین دن بیمار رہ کر شب یکشنبہ ۱۴۔ ربیع الاول ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۷ء مقام عیسیٰ باذ تقریباً سوا برس حکومت کر کے وفات پائی۔ ہادی کے اس طرح یکا یک فوت ہو جانے سے لوگوں کو یہ خیال کرنے کا موقع ملا ہے کہ خیزران نے ہادی کو اپنی ایک لونڈی کے ذریعہ زہر دلوا کر مروا ڈالا تھا۔ چونکہ ہادی بیمار تھا اس لیے زہر خوارنی کا واقعہ افشانہ ہونے پایا۔ یحییٰ بن خالد اس کام میں خیزران کا مشیر اور شریک کار تھا۔ واللہ علم بالصواب۔

ہادی نے بغداد سے جرجان تک ڈاک بٹھائی تھی۔ خوش مزاج اور کسی قدر ظلم پسند تھا۔ سلطنت کے کاموں سے بے پرواہ نہ تھا۔ تنومند اور سپاہی منش تھا۔ اس کی عمر بہت کم اور خلافت کا زمانہ بہت ہی تھوڑا تھا اس لیے اس کے اخلاق کا اچھی طرح اظہار نہیں ہو سکا۔

ابو جعفر ہارون الرشید بن مہدی

ابو جعفر ہارون الرشید بن مہدی بن منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ۱۴۸ھ میں بمقام رے خیزران کے بطن سے پیدا ہوا۔ ایک ہفتہ پہلے یحییٰ بن خالد کا بیٹا فضل بن یحییٰ پیدا ہوا تھا۔ ہارون کی ماں خیزران نے فضل کو اور فضل کی ماں نے ہارون کو دودھ پلایا تھا۔ ہارون الرشید شب یک شنبہ ۱۴۔ ربیع الاول ۱۷۰ھ کو اپنے بھائی کے مرنے پر تخت خلافت پر بیٹھا۔ اسی شب اس کا بیٹا مامون پیدا ہوا۔ یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ ایک ہی رات میں ایک خلیفہ فوت ہوا۔ دوسرا تخت نشین ہوا اور تیسرا

خلیفہ پیدا ہوا ہارون الرشید کی کنیت پہلے ابوموسیٰ تھی۔ لیکن بعد میں ابوجعفر ہوگئی۔ ہارون الرشید کشیدہ قامت اور خوب صورت آدمی تھا۔

ہارون الرشید نے تخت نشین ہوتے ہی یحییٰ بن خالد بن برمک کو وزیر اعظم بنایا' اور قلم دان وزارت کے ساتھ خاتم خلافت اس کے سپرد کر کے تمام مہمات سلطنت میں مختار کل بنا دیا۔ خیزران جو ہادی کے زمانہ میں انتظامات سلطنت سے بے تعلق اور معطل کر دی گئی تھی اب یحییٰ بن خالد کے ساتھ مل کر پھر سلطنت کے کام انجام دینے لگی تھی۔ یحییٰ اور خیزران کے اختیارات کا یہ مطلب نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہارون الرشید خود سلطنت کے کاموں سے بے خبر اور بے تعلق تھا۔ بلکہ ہارون الرشید کو یحییٰ اور خیزران کی عزت افزائی مقصود تھی اور وہ ان کو اپنا حقیقی خیر خواہ یقین کرتا' اور ان کے ہر ایک مشورہ کو قابل اعتماد جانتا' اور یحییٰ سے مشورہ لیے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا۔ ایک بائیس تیس سال کے نوجوان خلیفہ کی یہ انتہائی قابلیت اور دانائی سمجھنی چاہیئے کہ اس نے وزارت کے لیے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا جو اس عہدہ جلیلہ کے لیے بے حد موزوں اور مناسب تھا۔

تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ہارون الرشید نے عمال کے عزل ونصب اور تغیر وتبدل سے نظام حکومت کو پہلے سے زیادہ مستحکم ومضبوط بنانے کی کوشش کی۔ عمر بن عبدالعزیز عمری کو مدینہ منورہ کی گورنری سے معزول کر کے اسحٰق بن سلیمان کو مقرر کیا۔ افریقہ کی گورنری پر روح بن حاتم کو بھیجا۔ سرحدی علاقہ کو جزیرہ اور قنسرین سے جدا کر کے ایک الگ صوبہ عواصم کے نام سے بنایا' خلافت کے پہلے ہی سال جب حج کا موسم آیا تو حج کرنے کے لیے گیا۔ حرمین شریفین میں اس نے اپنے سخاوت اور دریا دلی کا خوب اظہار کیا۔

۱۷۱ھ میں بنو تغلب کے صدقات وزکوٰۃ کی وصولی پر روح بن صالح ہمدانی کو مامور کیا۔ روح اور بنی تغلب میں مخالفت ہوگئی۔ روح نے بنو تغلب کی سرکوبی وسزادہی کے لیے لشکر فراہم کیا۔ بنی تغلب نے روح پر شبخون مارا اور اس کو قتل کر دیا۔

ادریس بن عبداللہ کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ وہ ہادی کے عہد خلافت میں جنگ فخ سے فرار ہو کر بلاد مغرب کی طرف فرار ہو گئے تھے۔ وہاں انھوں نے بربریوں میں اپنی امامت کی دعوت شروع کی اور ۱۷۲ھ میں شہر ولیلہ کے اندر خروج کر کے علانیہ لوگوں سے بیعت لی۔ اور ملک مراقش میں اپنی سلطنت قائم کر لی' علویوں کی سب سے پہلی حکومت تھی جو مراقش میں قائم ہوئی۔ عالم اسلامی میں اندلس کا ملک خلافت عباسیہ کے دائرہ سے باہر اور ایک جداگانہ مستقل سلطنت تھی۔ اب دوسرا ملک مراقش بھی خلافت عباسہ سے نکل گیا۔

ہارون الرشید نے اس خبر کو سن کر سلیمان بن جریر المعروف بہ شماخ کو جو اس کا غلام تھا' مراقش کی جانب تنہا روانہ کیا کہ ادریس بن عبداللہ کا کام تمام کر کے آئے۔ چنانچہ شماخ نے وہاں پہنچ کر ادریس بن عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ہارون الرشید کی برائیاں بیان کر کے ادریس کی خدمت میں تقرب حاصل کر لیا اور موقع کا منتظر رہا۔ چنانچہ ۱۷۷ھ میں زہر کے ذریعہ ادریس بن عبداللہ کا کام تمام کر کے واپس چلا آیا۔ مگر اس سلطنت کا جو ادریس نے قائم کی تھی سلسلہ اس طرح قائم رہا کہ ادریس بن عبداللہ کی وفات کے بعد اس کی کسی کنیز کے پیٹ سے لڑکا پیدا ہوا' اس کا نام بھی بربریوں نے ادریس ہی رکھا اور پھر اس کو اپنا امام بنایا۔ ادریسی سلطنت کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔

چند روز کے بعد علاقہ تونس میں بھی عباسیہ حکومت براہ راست قائم نہ رہی بلکہ وہاں بھی ایک جدا حکومت قائم ہو کر برائے نام خلافت عباسیہ کی سیادت باقی رہ گئی تھی' اس طرح کافی مغربی حصہ حکومت عباسیہ سے خارج ہو گیا۔

۱۷۳ھ میں محمد بن سلیمان گورنر بصرہ نے وفات پائی۔ ہارون الرشید نے اس کے مال و اسباب کو ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا۔ اس سے پیشتر محمد بن سلیمان کے حقیقی بھائی جعفر بن سلیمان نے مسلمانوں کے مال غنیمت کو غصب کر کے بہت سا مال جمع کر لیا تھا۔ اب جب کہ محمد بن سلیمانؒ کی وفات کے بعد جعفر اس کے ترکہ کا مدعی ہوا تو ہارون الرشید نے اس کی بجائے اسحٰق بن سلیمان کو سندھ و مکران کی حکومت پر مامور کیا اور یوسف بن امام ابو یوسف کی زندگی میں عہدہ قضا پر مامور کیا۔

امین کی ولی عہدی

ہارون الرشید کے بیٹے مامون الرشید کی پیدائش کا ذکر تو اوپر آ چکا ہے کہ وہ ہارون الرشید کی تخت نشینی کے وقت ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا تھا' مگر مامون الرشید مراجل نامی ام ولد کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا جو مجوسی النسل تھی۔ اسی سال یعنی ۱۷۰ھ میں اس کا دوسرا بیٹا محمد امین اس کی بیوی زبیدہ خاتون بنت جعفر بن منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ امین کا اتالیق فضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک اور مامون کا اتالیق جعفر بن یحییٰ بن خالد بن برمک تھا۔ فضل کی خواہش یہ تھی کہ ہارون الرشید اپنے بیٹے امین کو اپنا ولی عہد بنائے اور جعفر اس کوشش میں تھا کہ مامون ولی عہد ہو۔ چونکہ امین ہاشمیہ کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا نیز فضل کے ساتھ زبیدہ خاتون کی کوششیں بھی شامل تھیں جو ہارون الرشید کی چہیتی بیوی تھی۔ لہٰذا ۱۷۵ھ میں جب کہ امین کی عمر صرف پانچ برس کی تھی ہارون

الرشید نے لوگوں سے امین کی ولی عہدی کی بیعت لی۔

اسی سال ۱۷۵ھ میں ہارون الرشید نے عباس بن جعفر بن محمد بن اشعث کو خراسان کی گورنری سے معزول کر کے خالد بن عطاء کندی کو مامور فرمایا۔

یحییٰ بن عبداللہ کا خروج

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ادریس اور یحییٰ پسران عبداللہ بن حسن برادران محمد مہدی نفس زکیہ جنگ فخ سے فرار ہو گئے تھے۔ ادریس نے بلاد مغرب میں جا کر مراقش پر قبضہ کیا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ دوسری طرف یحییٰ بن بن عبداللہ نے دیلم میں خلافت عباسیہ کے خلاف خروج کیا۔ لوگوں نے ہر چہار سمت سے آ آ کر بیعت کرنی شروع کی اور بہت بڑی زبردست طاقت ان کو حاصل ہو گئی۔ ہارون الرشید اس خبر کو سن کر بہت گھبرایا' اور پچاس ہزار زبردست فوج کے ساتھ فضل بن یحییٰ کو اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیے روانہ کیا' ساتھ ہی فضل بن یحییٰ کو جرجان' طبرستان اور رے وغیرہ کی سند گورنری بھی دے دی۔

فضل بن یحییٰ نے بغداد سے روانہ ہو کر اور طالقان میں پہنچ کر یحییٰ بن عبداللہ کے نام ایک خط لکھا جس میں خلیفہ وقت کی طاعت وعظمت سے ڈرایا اور صلح کر لینے کی حالت میں انعام و جاگیر کی توقع دلائی' یحییٰ نے اس کے جواب میں لکھا کہ مجھ کو اس شرط سے صلح منظور ہے کہ ہارون الرشید اپنے قلم سے صلح نامہ لکھے اور اس پر فقہاء وقضاۃ اور سرداران بنو ہاشم کے دستخط بطور گواہ ثبت ہوں۔ فضل بن یحییٰ نے ان تمام حالات سے ہارون الرشید کو اطلاع دی۔ ہارون الرشید بہت خوش ہوا۔ اور اپنے ہاتھ سے صلح نامہ لکھ کر اور اس پر مندرجہ بالا شرط کے موافق دستخط کرا کر مع تحف و ہدایا فضل کے پاس بھیج دیا۔ فضل نے یحی بن عبداللہ کے پاس یہ صلح نامہ بھیجا۔ چنانچہ یحییٰ اور فضل دونوں بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔ اس صلح میں والی دیلم کو بھی جس نے اپنے قلعہ میں یحییٰ بن عبداللہ کو قیام پذیر ہونے کا موقع دیا تھا اور ہر طرح ان کا معین و مددگار تھا' دس لاکھ روپیہ اس شرط پر دینا منظور کیا گیا تھا کہ وہ عبداللہ کو صلح پر آمادہ کر دے۔ چنانچہ وہ رقم اس کے پاس بھجوا دی گئی۔

یحییٰ اور فضل جب بغداد میں پہنچے تو ہارون الرشید نے نہایت عزت اور تپاک کے ساتھ یحییٰ بن عبداللہ سے ملاقات کی' جاگیر مقرر کی' انعامات دیئے' اور اس کام کے صلہ میں فضل بن یحییٰ کے مرتبہ میں بھی اضافہ کیا گیا اور یحییٰ بن عبداللہ کو فضل بن یحییٰ کے سپرد کیا گیا کہ تم ہی ان کو اپنے پاس رکھو۔ چنانچہ یحییٰ بن عبداللہ آرام سے فضل بن یحییٰ کی نگرانی میں زندگی بسر کرنے لگے اور بغداد میں رہنے

لگے۔

۱۷۶ھ میں ہارون الرشید کے پاس خبر پہنچی کہ مصر کا گورنر موسیٰ بن عیسیٰ دعوت علویہ سے متاثر ہے اور وہ انقلاب خلافت کی تدابیر میں مصروف ہے۔ ہارون الرشید نے ملک مصر کی گورنری کا انتظام جعفر بن یحییٰ برمکی کے سپرد کیا۔ جعفر نے عمر بن مہران کو جس کی کنیت ابوحفص تھی' مصر کی گورنری کے لیے تجویز کیا۔ اس نے اس شرط پر مصر کی گورنری منظور کی کہ میں جب ملک مصر کے کاموں کا انتظام کر چکوں اور خراج مصر کا بقایا سب وصول کر کے داخل خزانہ کر دوں تو پھر مصر سے واپسی میرے اختیار میں رہے کہ جب چاہوں واپس چلا آؤں اور اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ ہارون الرشید نے اس شرط کو منظور کر کے سند گورنری عمر بن مہران کو لکھ دی۔ اس نے مصر میں جا کر موسیٰ بن عیسیٰ سے چارج لیا اور چند روز میں تمام بقایا وہاں کے لوگوں سے وصول کر کے بغداد واپس چلا آیا اور مصر کی گورنری پر ہارون نے اسحاق بن سلیمان کو روانہ کیا۔

ملک شام میں بدامنی

۱۷۶ھ میں ملک شام کے اندر صفریہ و یمانیہ قبائل کی خانہ جنگی نے ترقی کر کے خطرناک صورت اختیار کی۔ دمشق کا گورنر عبدالصمد بن علی اس خانہ جنگی کے فرو کرنے میں ناکام رہا تو ہارون الرشید نے عبدالصمد کو معزول کر کے ابراہیم بن صالح کو شام کی گورنری پر مامور کیا۔ مگر ابراہیم بن صالح نے یمانیہ قبائل کی در پردہ اعانت و حمایت کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرصہ دراز تک یہ فتنہ فرو نہ ہوا اور قبائل مضر نے دمشق پر قبضہ کر کے کئی مرتبہ حاکم دمشق کو بے دخل اور معطل کیا۔ آخر مجبور ہو کر ہارون الرشید نے جعفر بن یحییٰ برمکی کو شام کی طرف روانہ کیا' اور ۱۸۰ھ میں جعفر برمکی اس فساد کو فرو کرنے کے بعد دارالخلافہ بغداد میں واپس آیا۔

اسی سال یعنی ۱۷۶ھ میں افواج صائفہ کے سردار عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن صالح نے رومیوں کے شہر ویسہ کو فتح کیا اور رومی لشکر کو کئی شکستیں دیں۔

عطاف بن سفیان کی بغاوت

۱۷۷ھ میں عطاف بن سفیان ازدی نے علم بغاوت بلند کر کے موصل اور اس کی نواحی ولایتوں پر قبضہ کر لیا اور گورنر موصل کو دارالامارت میں محصور و محبوس کر کے چار ہزار جنگ آوروں کو لے کر خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ یہ حالات سن کر ہارون خود بغداد سے فوج لے کر اس طرف گیا۔ عطاف ارمینیا کی طرف بھاگ گیا۔ ہارون نے موصل کی شہر پناہ کو منہدم کرا دیا۔ اور بغاوت مصر اور بغاوت

خراسان کی خبر سن کر فوراً بغداد واپس چلا آیا۔ عطاف ارمینیا سے شہر رقہ میں واپس چلا آیا اور یہیں سکونت اختیار کر کے خاموش زندگی بسر کرنے لگا۔

اسی سال عبدالرزاق بن حمید ثعلبی نے بلاد روم پر فوج کشی کی اور رومیوں کو سزا دے کر واپس آیا۔

بغاوت مصر

۱۷۷ھ کے آخر میں خبر پہنچی کہ مصر میں بعض قبائل سرکشی پر آمادہ ہیں۔ مصر کے گورنر اسحٰق بن سلیمان نے اس بغاوت کے روکنے کی کوشش کی۔ مگر ۱۷۸ھ میں باغیوں نے علم بغاوت بلند کر کے میدان میں نکل اسحٰق بن سلیمان کو شکست دی۔ اس زمانہ میں ہرثمہ بن اعین فلسطین کا عامل تھا۔ ہارون الرشید نے ہرثمہ کو لکھا کہ تم فوج لے کر مصر کی بغاوت فرو کرنے کے لیے جاؤ۔ ہرثمہ بن اعین نے مصر میں جا کر باغیوں کو مغلوب و منقاد کیا۔ ہارون الرشید نے مصر کی گورنری ہرثمہ بن اعین کو عطا کی۔ مگر پھر ایک ہی مہینے کے بعد ہرثمہ بن اعین کو مصر کی حکومت سے برطرف کر کے عبدالملک بن صالح کو مصر کی حکومت سپرد کی۔

فتنہ خوارج

جس زمانے میں مصر و شام و موصل وغیرہ میں بغاوتیں ہو رہی تھیں' اسی زمانے میں خراسان کے اندر قیس بن ثعلبہ کے آزاد کردہ غلام حصین خارجی نے علم بغاوت بلند کر کے بدامنی پھیلا رکھی تھی۔ خراسان کے گورنر خالد بن عطاء کندی نے داؤد بن یزید کو سیستان کا عامل بنایا تھا اس نے عثمان بن عمارہ کو حصین خارجی کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ حصین نے اس کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اس کے بعد باد غیس' بوشنج اور ہرات کو لوٹ مار سے غارت کیا۔ اس کے بعد خالد کندی نے بارہ ہزار کا لشکر حصین کی گرفتاری پر مامور کیا' حصین نے صرف چھ سو آدمیوں سے اس بارہ ہزار کے لشکر کو شکست فاش دی اور برابر فساد و بدامنی پھیلاتا رہا' بار بار لڑائیاں ہوئیں مگر ہر لڑائی میں حصین نے لشکر خراسان کو شکست دی۔ آخر ۱۷۸ھ کے ابتدائی ایام میں حصین خارجی کے قتل ہونے سے خراسان میں امن و امان قائم ہوا۔

اسی سال یعنی ۱۷۸ھ میں زفر بن عاصم نے بلاد روم پر فوج کشی کی۔

۱۷۹ھ کے ماہ رمضان میں خلیفہ ہارون الرشید نے عمرہ ادا کیا اور اسی احرام سے حج کیا' مکہ معظمہ سے عرفات تک پیادہ سفر کیا۔ اسی سال سیدنا امام مالک بن انس نے ۷ ربیع الثانی کو بہ عمر ۸۴ سال وفات پائی اور اسی سال یعنی ماہ ذیقعدہ ۱۷۹ھ میں امام ابوحنیفہ کے بیٹے حماد نے وفات پائی۔

۱۸۰ھ میں ماوراء النہر کی طرف ترکوں اور مغلوں پر جہاد کرنے کے لیے فوجیں روانہ کی گئیں اور خراسان کی گورنری پر علی بن عیسیٰ بن ماہان کو مامور کیا گیا۔ اس تقرر کو ہارون الرشید کے وزیر اعظم یحییٰ بن خالد برمک نے ناپسند کیا اور علی بن عیسیٰ کی سخت مزاجی کی طرف توجہ دلائی' مگر ہارون نے یحییٰ کے مشورے کو نہیں مانا اور علی بن عیسیٰ کو خراسان روانہ کر دیا۔ یحییٰ بن خالد کو فطرتاً یہ بات پسند نہ تھی کہ اہل خراسان پر جو اس کا آبائی وطن تھا' ظلم و تشدد ہو۔ ادھر خراسان کی آئے دن کی بغاوتیں مجبور کرتی تھیں کہ ہارون کسی سخت گیر شخص کو خراسان کی حکومت سپرد کرے۔

اسی سال یعنی ۱۸۰ھ میں سخت زلزلہ آیا جس کے صدمہ سے اسکندریہ کے مینار گر پڑے' اسی سال ہشام بن عبدالرحمٰن سلطان اندلس کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا سلطان الحکم تخت نشین ہوا۔ اسی سال ابو بشر عمرو بن عثمان ملقب بہ سیبویہ جو علم نحو کا امام اور شہر بیضاد بلاد فارس کا رہنے والا تھا' چالیس سال سے کچھ زیادہ کی عمر میں فوت ہوا۔

۱۸۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے بذات خود بلاد روم پر فوج کشی کی اور قلعہ صفصاف کو بہ زور شمشیر فتح کیا۔ اسی سال عبدالملک بن صالح نے انقرہ تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اسی سال رومیوں اور مسلمانوں میں اس بات کی تحریک ہوئی کہ رومی اپنے قیدیوں کو مسلمانوں کی قید سے آزاد کرا لیں اور اس کے معاوضہ میں مسلمانوں کو جو ان کی قید میں ہیں آزاد کر دیں۔ یہ سب سے پہلی صلح دولت عباسیہ کی رومیوں کے ساتھ ہوئی۔ مقام لامس سے جو طراسوس سے بارہ فرسنگ کے فاصلے پر تھا' علماء و اعیان سلطان اور تیس ہزار فوج معہ باشندگان سرحد جمع ہوئے۔ والی طراسوس بھی آیا اور ہارون الرشید کے بیٹے قاسم المعروف بہ موتمن کے زیر اہتمام ایک بڑی شاندار مجلس منعقد ہوئی۔ رومی مسلمان قیدیوں کو جن کی تعداد تین ہزار سات سو تھی' لے کر آئے' ان کے معاوضہ میں موتمن نے عیسائی قیدیوں کو ان کے سپرد کر دیا۔

اسی سال ہرثمہ بن اعین افریقہ کی گورنری سے مستعفی ہو کر بغداد آیا اور ہارون الرشید کے رکابی دستہ فوج کا افسر مقرر ہوا' اور محمد بن مقاتل بن حکیم افریقہ کی گورنری پر بھیجا گیا۔

مامون کی ولی عہدی

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ہارون الرشید نے ۱۷۵ھ میں اپنے بیٹے امین بن زبیدہ خاتون کو اپنا ولی عہد بنایا تھا' اس وقت امین اور مامون دونوں کی عمر پانچ پانچ سال کی تھی' ایسی چھوٹی عمر میں آج تک کوئی ولی عہد کسی مسلمان فرمانروا نے نہیں بنایا تھا۔ اب ہارون نے ۱۸۲ھ میں اپنے بیٹے مامون بن

مراجل کو جبکہ اس کی عمر بارہ سال کی تھی امین کے بعد ولی عہد بنایا یعنی لوگوں سے اس بات کی بیعت لی کہ امین کے بعد مامون تخت خلافت کا مالک ہوگا۔

مامون کا اصل نام عبداللہ اور امین کا اصل نام محمد تھا۔ جب محمد کو ۱۷۵ھ میں ولی عہد بنایا تھا تو اس کو امین کا خطاب دیا تھا' اور اب عبداللہ کو ولی عہد دوم مقرر کیا تو اس کو مامون کا خطاب دیا اور خراسان نیز اس کے ملحقہ علاقہ یعنی ہمدان تک کی سند گورنری مامون کو عطا کر کے عیسیٰ بن علی گورنر خراسان کو طلب کیا۔ جب وہ آ گیا تو مامون کی طرف سے اس کو خراسان کی حکومت کی سند دے کر خراسان کی جانب واپس کر دیا۔ اسی سال یعنی ۲۷۔ رجب ۱۸۲ھ کو امام ابو یوسف نے جن کا نام یعقوب تھا اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور بغداد کے رئیس القضاۃ تھے وفات پائی۔

وہب بن عبداللہ نسائی اور حمزہ خارجی کا خروج

جب عیسیٰ بن علی' مامون الرشید کی تقریب ولی عہدی کے سلسلہ میں بغداد کی طرف آیا تو ابو نصیب وہب بن عبداللہ بن نسائی نے علم بغاوت بلند کر کے خراسان میں لوٹ مار شروع کر دی۔ جب عیسیٰ بن علی نے واپس جا کر اس کا تعاقب کیا تو وہب نے خائف ہو کر امان طلب کی۔ چنانچہ اس کو امان دے دی گئی اور وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ اس واقعہ کے بعد ہی یہ خبر مشہور ہوئی کہ بلاد باذغیس میں حمزہ بن اترک خارجی نے خروج کیا ہے اور شہروں پر قبضہ کرتا چلا جاتا ہے۔

ہرات میں ان دنوں عمرویہ بن یزید ازدی عامل تھا اس نے چھ ہزار سواروں کی جمعیت لے کر حمزہ پر حملہ کیا۔ حمزہ نے اس کو شکست دے کر اس کے بہت سے سواروں کو قتل کر ڈالا اور اسی ہنگامہ میں عمرویہ بھی کچل کر مر گیا۔ یہ سن کر علی بن عیسیٰ نے اپنے لڑکے حسن بن علی کو دس ہزار فوج دے کر حمزہ کے مقابلہ کو روانہ کیا مگر حسن نے حمزہ کا مقابلہ نہ کیا۔ تب علی بن عیسیٰ نے اپنے دوسرے بیٹے عیسیٰ بن علی کو مامور کیا۔ مقابلہ ہوا اور حمزہ نے عیسیٰ بن علی کو شکست دے کر بھگا دیا۔

علی بن عیسیٰ نے عیسیٰ بن علی کو دوبارہ تازہ دم فوج دے کر پھر حمزہ کے مقابلہ پر بھیجا۔ مقام نیشاپور میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ اس معرکہ میں حمزہ شکست کھا کر قہستان کی طرف بھاگا۔ دس ہزار آدمی حمزہ کے میدان جنگ میں کام آئے اور صرف چالیس آدمی جان بچا کر حمزہ کے ساتھ قہستان کی طرف گئے۔ عیسیٰ بن علی نے ادق جوین اور ان قصبات و دیہات کی طرف اپنے لشکریوں کو متعین کیا جو حمزہ کی مدد کر رہے تھے اور نہایت بے رحمی سے چن چن کر خوارج کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ تیس ہزار آدمی اسی طرح مارے گئے اس کے بعد عیسیٰ مقام زرنج میں عبداللہ بن عباس نسفی کو مال غنیمت جمع

کرنے کے لیے چھوڑ کر کابل وزابلستان تک بڑھتا چلا گیا۔

ابوخصیب وہب بن عبداللہ جو شہر نساء میں امان طلب کرنے کے بعد خاموش بیٹھا تھا میدان خالی دیکھ کر عہد شکنی پر مستعد ہو گیا اور باغیوں کا ایک گروہ کثیر اپنے گرد جمع کر کے اجیور' نساء' طوس اور نیشاپور پر قابض ہو گیا۔ ادھر حمزہ نے اپنی مختصر جمعیت سے گاؤں اور قصبوں پر چھاپے مارنے اور راستے لوٹنے شروع کر دے۔ غرض حمزہ اور وہب نے چار سال تک علی بن عیسیٰ اور اس کے ہمراہیوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ اس عرصہ میں بعض اوقات ابوخصیب نے مرو کا بھی محاصرہ کیا۔ آخر ۱۸۷ھ میں ابوخصیب وہب کے مارے جانے سے خراسان میں امن وامان قائم ہو گیا اور علی بن عیسیٰ نے اہل خراسان پر سختی وتشدد شروع کیا۔

اسی سال ۱۸۲ھ میں عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن صالح صائفہ کے ساتھ بغرض جہاد بلاد روم کی طرف روانہ ہوا۔ اسی زمانہ میں رومیوں نے اپنی بادشاہ قسطنطین کی وفات کے بعد اس کی ماں ملکہ ریبی کو عطشہ کے لقب سے تخت نشین کیا۔ ہارون الرشید کے رعب واقتدار کا جو دربار قسطنطنیہ پر چھایا ہوا تھا' یہ نتیجہ ہوا کہ اس رومی ملکہ نے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی اور اسلامی سرداروں کے پاس پیغامات بھیج کر ان کو صلح کی جانب مائل کیا' یہ وہ زمانہ تھا کہ فرانس کا بادشاہ شارلمین اٹلی کا ملک فتح کر چکا تھا اور مغربی روم پر قابض ہو کر مشرقی روم یعنی سلطنت قسطنطنیہ پر بھی دانت رکھتا تھا' اس لیے اس رومی ملکہ نے بڑی دانائی کے ساتھ ہارون الرشید کو جزیہ دینا منظور کر کے صلح کر لی اور اپنے آپ کو مغربی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے قابل بنا لیا۔

صوبہ آرمینیا کا فساد

۱۸۳ھ میں خاقان بادشاہ خزر کی لڑکی فضل بن یحییٰ کی طرف روانہ کی گئی مقام بروعہ میں پہنچ کر اتفاقاً یہ لڑکی مر گئی۔ اس کے ہمراہیوں نے واپس ہو کر اس کے باپ سے کہا کہ مسلمانوں نے مکر وحیلہ سے اس کو مار دیا ہے۔ خاقان نے یہ سن کر لشکر عظیم فراہم کیا اور بلاد اسلامیہ پر حملہ آوری کی غرض سے باب الابواب سے خروج کیا۔ صوبہ آرمینیا کا عامل سعید بن مسلم تاب مقاومت نہ لا سکا۔ خاقان نے صوبہ آرمینیا میں ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دیا اور ہزار ہا مسلمانوں اور ان کی عورتوں بچوں کو گرفتار کر کے ایسی اذیتیں پہنچائیں جن کے سننے سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عالم اسلامی میں یہ واقعہ ایک حادثہ عظیم سمجھا جاتا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے یزید بن مزید کو صوبہ آرمینیا کی گورنری پر مامور کر کے روانہ کیا اور وہ

اس سے پہلے صوبہ آذربائیجان کا عامل تھا۔ اب صوبہ آرمینیا بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیا۔ ادھر خزیمہ بن خازم کو نصیبین میں اہل آرمینیا کی امداد کے لیے متعین کیا۔ یزید و خزیمہ کی فوجوں کے حدود آرمینیا میں داخل ہوتے ہی اہل خزر آرمینیا کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور اسلامی فوج نے دوبارہ اپنا قبضہ و تسلط قائم کیا۔

امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق کو ہارون الرشید نے احتیاطاً بغداد ہی میں قیام کرنے پر مجبور کیا تھا اور علویوں کے خروج سے خائف ہو کر ان کو بغداد سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اسی سال یعنی ۲۵۔ ماہ رجب بروز جمعہ ۱۸۳ھ کو امام موسیٰ کاظم فوت ہو کر بغداد میں مدفون ہوئے (یہ شیعوں کے ساتویں امام مانے جاتے ہیں) ان کی اور امام محمد تقی کی قبریں ایک گنبد کے نیچے بغداد میں موجود ہیں جو کاظمین کے نام سے مشہور ہے۔

ابراہیم بن اغلب اور شہر عباسیہ

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ہارون الرشید نے صوبہ افریقیہ کی حکومت پر محمد بن مقاتل بن حکیم کو ہرثمہ بن اعین کے مستعفی ہونے کے بعد بھیج دیا تھا۔ یہ محمد بن مقاتل ہارون الرشید کا رضاعی بھائی تھا۔ اس نے جا کر اہل افریقیہ کی بغاوت کو فرو کیا۔ یہ بغاوت ہرثمہ بن اعین کے افریقیہ سے جدا ہوتے ہی نمودار ہو گئی تھی۔ محمد بن مقاتل نے نہایت ہوشیاری اور قابلیت کے ساتھ اہل افریقیہ کو مطیع کیا۔ لیکن وہ لوگ طاقت کے آگے مجبور ہو کر خاموش و مطیع تھے۔ دل سے وہ بغاوت پر آمادہ اور محمد بن مقاتل سے ناراض تھے۔

ان لوگوں کی بغاوت و سرکشی کا ایک خاص سبب یہ بھی تھا کہ وہ ولایت زاب کے عامل ابراہیم بن اغلب سے ہمیشہ مشورے لیتے رہتے تھے اور ابراہیم بن اغلب باغیوں کے سرداروں سے مخفی طور پر ساز باز رکھتا اور ان کو امداد پہنچاتا رہتا تھا۔ صوبہ افریقیہ کی مسلسل بغاوتوں کے سبب یہ حالت تھی کہ خزانہ مصر یعنی خراج مصر سے ایک لاکھ دینار سالانہ صوبہ افریقیہ کے مصارف اور اس پر حکومت قائم رکھنے کے لیے دیا جاتا تھا۔ یعنی صوبہ افریقیہ بجائے اس کے کہ سالانہ خراج بھیجے الٹا ایک لاکھ سالانہ خرچ کرا دیتا تھا۔ محمد بن مقاتل نے اگرچہ امن و امان قائم کر دیا۔ لیکن مصر کے خزانہ سے جو روپیہ دیا جاتا تھا وہ بدستور دیا جاتا رہا۔

اب ابراہیم بن اغلب نے درخواست بھیجی کہ مجھ کو صوبہ افریقیہ کا گورنر بنا دیا جائے۔ میں نہ صرف یہ کہ ایک لاکھ سالانہ نہ لوں گا' بلکہ چار لاکھ سالانہ خراج خزانہ خلافت میں بھجواتا رہوں گا۔

ہارون الرشید نے اس معاملہ میں مشیروں سے مشورہ کیا تو ہرثمہ بن اعین نے رائے دی کہ ابراہیم بن اغلب کو افریقیہ کی گورنری دینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ چنانچہ ہارون الرشید نے محرم ۱۸۴ھ میں ابراہیم کے پاس سند گورنری بھیج دی۔ ابراہیم نے افریقیہ پہنچتے ہی وہاں کے تمام باغی سرداروں کے جن سے ابراہیم خوب واقف تھا چن چن کر گرفتار کیا اور بغداد بھیج دیا۔ جس سے تمام شورش یکا یک فرو ہوگئی۔ اس کے بعد ابراہیم بن اغلب نے قیروان کے پاس ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام عباسیہ رکھا۔ اسی عباسیہ کو اس نے دارالحکومت بنایا۔ اس کے بعد اس کی نسل میں عرصہ دراز تک یہاں کی مستقل حکومت رہی جس کا حال آئندہ بیان ہوگا۔

اسی سال یعنی ۱۸۴ھ میں ہارون الرشید نے یمن اور مکہ کی حکومت حماد بربری کو عطا کی اور سندھ کی حکومت پر داؤد بن یزید بن حاتم کو روانہ کیا۔ قہستان کی حکومت یحییٰ حریشی کو اور طبرستان کی حکومت مہرویہ رازی کو دی۔

۱۸۵ھ میں اہل طبرستان نے یورش کر کے مہرویہ کو مار ڈالا تب بجائے اس کے عبداللہ بن سعید حریشی مامور کیا گیا۔ اسی سال یزید بن مزید شیبانی نے جو آذربائیجان وارمینیا کا گورنر تھا وفات پائی۔ بجائے اس کے اس کا بیٹا اسد بن یزید مامور کیا گیا۔

۱۸۶ھ میں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے علی بن عیسیٰ خراسان کی تمام بغاوتوں پر غالب آ کر وہاں امن وسکون قائم کر سکا اور وہب بن عبداللہ نسائی مارا گیا۔ علی بن عیسیٰ کو زیادہ دنوں چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ خراسان میں اس کے خلاف ایک اور طوفان برپا ہوگیا۔ اہل خراسان نے علی بن عیسیٰ کی شکایت میں مسلسل دربار خلافت میں عرضیاں بھیجنی شروع کیں۔ یحییٰ بن خالد علی بن عیسیٰ کی گورنری خراسان سے خوش نہ تھا۔ چنانچہ یحییٰ کے دونوں چھوٹے بیٹوں موسیٰ و محمد نے جن کو اہل خراسان میں کافی رسوخ حاصل تھا وہب بن عبداللہ اور حمزہ خارجی کو بغاوت پر اکسا دیا تھا' اور انھیں کی در پردہ کوششوں کا نتیجہ تھا کہ خراسان میں مسلسل کئی برس تک بدامنی وفساد کا بازار گرم رہا۔ اس عرصہ میں خلیفہ ہارون الرشید کو یحییٰ و جعفر کی طرف سے کئی مرتبہ توجہ دلائی گئی کہ علی بن عیسیٰ کو خراسان سے معزول کر دیا جائے۔ مگر ہارون الرشید نے کوئی التفات نہیں کیا۔

اب جب کہ تیر و شمشیر کے ہنگامے خراسان میں فرو ہوگئے تو کاغذ کے گھوڑے دوڑنے شروع ہوئے۔ یعنی برمکیوں کی تحریک کا نتیجہ تھا کہ خراسانیوں نے علی بن عیسیٰ کی شکایتوں میں عرضی پر عرضی بھیجنا شروع کر دی۔ جب ان شکایتی عرضیوں کا شمار حد سے متجاوز ہونے لگا اور یہ شکایتیں بھی آنے لگیں کہ علی بن عیسیٰ نہ صرف ظلم وتشدد میں حد سے گزر گیا ہے بلکہ وہ تخت خلافت کے الٹ دینے کی

تدابیر میں مصروف ہے تو ہارون نے مجبوراً خود بغداد سے کوچ کیا اور مقام رے میں پہنچ کر قیام کیا' علی بن عیسیٰ خلیفہ کے آنے کا حال سن کر معہ تحف وہدایا مرو سے چل کر رے میں آیا اور خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی فرماں برداری اور اخلاص کا ثبوت پیش کیا۔ ہارون نے خوش ہو کر اس کو خراسان کی گورنری پر مامور رکھا اور رے وطبرستان ونہاوند وقومس وہمدان کی ولایتوں کو بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیا۔

موتمن کی ولی عہدی

اسی سال یعنی ۱۸۶ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے تیسرے بیٹے قاسم کو بھی ولی عہد بنایا یعنی لوگوں سے اس بات کی بیعت لی کہ مامون کے بعد قاسم تخت خلافت کا مالک ہو گا۔ اسی موقعہ پر قاسم کو موتمن کا خطاب دیا۔ لیکن موتمن کو ولی عہد سوم بناتے ہوئے بیعت میں یہ شرط رکھ دی کہ اگر موتمن لائق ہو تو مامون کا جانشین بنے گا' ورنہ مامون کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ اس کو معزول کر کے کسی دوسرے کو اپنا ولی عہد بنائے۔ ولی عہد اول یعنی امین کو عراق' شام اور عرب کے ملکوں کی حکومت عطا کی۔ پھر امین سے ایک عہد نامہ لکھوایا جس کا مضمون یہ تھا کہ:۔

''میں مامون کے ساتھ ایفائے عہد کروں گا۔ اسی طرح مامون سے ایک عہد نامہ لکھوایا جس کا مضمون یہ تھا کہ میں امین کے ساتھ ایفائے وعدہ کروں گا۔ ان عہد ناموں پر اکابر علماء' مشاہیر' مشائخ' سرداران لشکر' اراکین سلطنت' بزرگان مدینہ اور بزرگان مکہ کے دستخط کرا کر خانۂ کعبہ میں آویزاں کرا دیا۔ جو جو ملک جس جس بیٹے کو دیا تھا اسی پر ان کو قناعت کرنے اور کسی دوسرے بھائی کا ملک نہ لینے کا بھی اقرار لیا گیا تھا۔ صرف خلافت میں ترتیب رکھی تھی۔ یعنی اول امین خلیفۃ المسلمین ہو گا اور مامون اس کی فرماں برداری کا اقرار کرے گا۔ لیکن امین کو یہ حق حاصل نہ ہو گا کہ وہ مامون کو ان ملکوں کی حکومت سے معزول کر سکے جن کو ہارون نے مامون کی حکومت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ امین کے بعد مامون خلیفہ ہو گا وغیرہ۔

یہ سب کچھ اسی عہد نامہ میں تصریح تھی جس پر امین و مامون وغیرہ سب کے دستخط واقرار تھے اور جو خانۂ کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا۔ اس طرح ہارون الرشید نے اپنی سلطنت کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر کے آئندہ کے لیے ان میں لڑائی جھگڑے پیدا ہونے کا امکان مٹانا چاہا تھا' لیکن یہ ہارون الرشید کی کوئی عاقلانہ حرکت نہ تھی۔ غالباً محبت پدری نے اس کو ایک ایسی حرکت اور ایسے کام پر آمادہ کر دیا جس کو کسی طرح بھی کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔

ہارون الرشید کا قابل تذکرہ حج

خلیفہ ہارون الرشید کو حج کرنے کا بہت ہی شوق تھا وہ کسی سخت مجبوری کے بغیر حج کو نہ چھوڑتا۔ اس کا دستور تھا کہ ایک سال کفار پر جہاد کرتا اور ایک سال حج کے لیے جاتا۔ کسی خلیفہ نے اس قدر حج نہیں کیے جس قدر ہارون الرشید نے کیے ہیں۔ مگر ۱۸۶ھ کا حج اس لیے خصوصیت کے ساتھ قابل تذکرہ ہے کہ اسی حج کے ایام میں خانہ کعبہ پر وہ عہد نامہ لٹکایا گیا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور اسی حج سے فارغ ہو کر ہارون الرشید نے خاندان برامکہ کی طاقت کو توڑا۔

ہارون الرشید نے انبار سے بقصد حج مکہ معظمہ کی طرف کوچ کیا۔ اس کے ہمراہ اس کے تینوں بیٹے امین و مامون و مؤتمن تھے۔ جعفر بن یحییٰ بھی جو آج کل وزیراعظم تھا' اس کے ساتھ تھا۔ مکہ معظمہ میں حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ گیا۔ اہل مکہ اور اہل مدینہ کو اپنی داد و دہش اور انعامات سے مالا مال کر دیا۔ اپنی اور اپنے بیٹوں کی طرف سے ایک کروڑ پانچ لاکھ اشرفیاں خیرات میں تقسیم کیں۔

مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹا اور مقام انبار میں قیام کیا۔ اسی مقام پر جعفر بن یحییٰ برمکی کو محرم ۱۸۷ھ کی آخری تاریخ میں قتل کرا دیا۔

برامکہ اور ان کا زوال

خلیفہ ہارون الرشید کی خلافت کے حالات بیان کرتے ہوئے اس وقت ہم ۱۸۷ھ تک پہنچ گئے ہیں۔ اس سال کے ابتدائی مہینے میں ہارون الرشید نے اپنے وزیر جعفر برمکی کو قتل کرایا اور اس کے بھائی فضل اور باپ یحییٰ کو قید کر دیا۔

بادشاہوں اور خلیفوں کے حالات میں کسی وزیر کا قتل ہوتا اور کسی وزیر کا قید ہونا کوئی غیر معمولی اور بہت بڑی عظیم الشان واقعہ نہیں ہوا کرتا۔ فرمانرواؤں کی تاریخ اسی قسم کے واقعات سے لبریز ہوا کرتی ہے۔ بادشاہوں کے کارنامے عموماً خونوں کی روشنائی سے لکھے جاتے ہیں۔ لیکن برامکہ کے زوال اور جعفر کے قتل کا معمولی واقعہ ہنگامہ پسند اور واقعہ پرست لوگوں اور دروغ باف قصہ گویوں' ناول نویسوں اور عجائب پرست جاہلوں کی بدولت ایسی بد نما صورت اختیار کر چکا ہے کہ جس طرح آج محمود غزنوی اور اورنگ زیب عالمگیر کی نسبت بہت سے پڑھے لکھے جاہل اور عاقل نما احمق' غلط فہمی میں مبتلا ہو کر دوسروں کو غلط فہمی میں مبتلا کرتے اور مقصد اصلاحی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

تو جس طرح محمود و عالمگیر کے متعلق ضرورت پیدا ہو گئی ہے کہ جھوٹ کو جھوٹ ثابت کر کے آئینہ حقیقت نما سامنے رکھ دیا جائے' اسی طرح ضرورت ہے کہ قتل جعفر اور زوال برامکہ پر بھی کسی قدر

مع کلام کر کے دروغ کے فروغ کو مٹا دیا جائے۔ لہٰذا ضرور تا ۱۸۷ھ کے اس واقعہ کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے برمکی خاندان کی مختصر تاریخ' اس کے بعد وہ غلط اور سراپا دروغ روایت جو جاہل احمقوں میں شہرت پا چکی اور بہت سے پڑھے لکھوں کی زبان سے ادا ہو چکی ہے اس کا بیان' اس کے بعد حقیقت اصلیہ بیان ہو گی۔ وباللہ التوفیق۔

خاندان برمک

ایرانیوں میں سب سے قدیم مہ آبادی مذہب تھا' جس میں ستارہ پرستی زیادہ اور آتش پرستی کم تھی۔ مہ آباد کے بعد اس کے مذہب کی تجدید کے لیے یکے بعد دیگرے بہت سے پیغمبر بطور مجدد آئے۔ ان سب کے بعد شت وخشور زردشت کا ظہور ہوا۔ زردشت نے جس مذہب[1] کو رواج دیا اللہ تعالیٰ جانے اس کی اصلی صورت کیا ہو گی۔ مگر آج کل جو کچھ پتہ چلتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زردشت کی شریعت میں آتش پرستی زیادہ اور ستارہ پرستی کم تھی۔ زردشت کی زندگی ہی میں اس کا مذہب شاہی مذہب ہو کر ایران کے اکثر حصے میں پھیل گیا تھا۔ اسفندیار کی پہلوانی درویین تنی نے افغانستان و پنجاب تک اس مذہب کو پھیلایا اور ہندوستان کے اعلم العلماء وشمس الفضلا سنگراچہ دیاس جی نے زردشت کے پاس بلخ میں حاضر ہو کر بیعت کی اور ہندوستان میں واپس آ کر آتش پرستی کی اشاعت شروع کی' جس کی یادگار اب تک ہندوؤں میں ہون کی شکل میں نمودار ہے۔

زردشت اور اس کے مرید باخاص تارک السلطنت بادشاہ لہراسب کا آخری قیام گاہ بلخ ہی تھا۔ بلخ کو دین آتش پرستی کے ساتھ وہی تعلق ہے جو بیت المقدس یا یروشلم کو عیسویت کے ساتھ یا بودھ مت کو گیا جی کے ساتھ ہے۔ سکندر یونانی نے اصطخر' سمرقند' کانگڑہ' کراچی' بابل کا درمیانی رقبہ اپنی تاخت وتاراج سے بالکل تہ وبالا کر دیا تھا۔ یہی رقبہ کیانی خاندان کی آتش پرست سلطنت کا محکوم و مغلوب رقبہ تھا' اسی رقبہ میں آتش پرستی رائج تھی۔ یونانیوں کے سیلاب نے کیانیوں کی حکومت کے ساتھ ہی آتش پرستی کو ٹھنڈا کر دیا۔

سینکڑوں برس کے بعد یونانیوں کے شکنجے سے ایرانیوں کی گردنیں چھوٹیں اور ساسان اول نے ایرانی طائف الملوکی کو پھر ایک شہنشاہی کی شکل میں تبدیل کر کے دین زردشتی کی خاکستر میں سے چنگاریاں نکال کر جا بجا آتش کدے روشن کر دیئے۔

---

[1] زرتشت نے آتش پرستی یعنی آگ کی پوجا کرنے کا مذہب پھیلایا یعنی خالص شرکیہ مذہب۔ اب یہ پارسی مذہب کہلاتا ہے۔

بلخ کو چینیوں نے زردشت ہی کے زمانے میں حملہ کر کے ویران کر دیا تھا۔ لیکن بلخ چند ہی روز کے بعد پھر آباد اور آتش پرستوں کا قبلہ تھا۔ سکندری سیلاب نے بلخ کی گرم بازاری کو سرد کر دیا تھا' لیکن راسخ العقیدت زردشتیوں کا وہ بدستور امید گاہ تھا۔ ساسانیوں کے عہد میں اس کی عظمت نے دوبارہ عہد شباب پایا۔ جب قادسیہ نہاوند کے میدانوں میں ساسانی سلطنت کے سانس پورے ہو گئے تو بلخ کے آتش کدے کی رونق اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ کیونکہ ایران کا شکست خوردہ شہنشاہ اور دربار ایران کے بقیہ مفرور سرداروں کا جمگھٹ بلخ ہی کی طرف متوجہ ہو کر بلخ کے آتش کدہ موسومہ نوبہار میں مصروف یزداں[1] پرستی ہوا۔ اس زمانہ میں نوبہار کے مغ اعظم کی شان و عظمت قابل دید ہو گی اور وہ دین آتش پرستی کے سرپرست اعظم شہنشاہ[2] ایران کی بربادی و بے کسی دیکھ دیکھ کر سب سے زیادہ متاثر ہوا ہو گا' وہ سوچتا ہو گا کہ جس دین کے پیشواؤں میں میرا شمار ہے وہ دین ہی اب ذلیل و برباد ہونے والا ہے اور اس کے ساتھ ہی میری اور میرے خاندان کی عظمت بھی رخصت ہوا چاہتی ہے۔

آتش کدے کے امام یا متولی کو مغ کہتے تھے۔ ان مغوں میں جو سب سے بڑا اور سب کا افسر اور اپنے صوبہ کے تمام آتش کدوں کا مہتمم اور مرکزی آتش کدہ کا مغ ہوتا تھا وہ برمغ کہلاتا تھا۔ ایران کے چار مرکزی آتش کدوں میں سے ایک آتش کدہ نوبہار تھا۔ اس آتش کدہ کو سب سے شہرت و عظمت حاصل تھی۔ کیونکہ بلخ لہراسپ کا مقتل' اور زردشت کی قیام گاہ' اور دین زردشتی کا مرکز سمجھا جاتا تھا' اس لیے نوبہار کے برمغ کی عزت و عظمت آتش پرستوں اور ایرانیوں میں یقیناً بہت بلند ہو گی۔

۳۱ھ میں مسلمان فتح مندوں کا سیلاب مرو کی طرف سے بڑھتا' میدانوں کو سمیٹتا اور پہاڑوں کو لپیٹتا ہوا بلخ تک پہنچا اور وہ آگ جس کی نسبت مشہور تھا کہ ہزاروں برس سے برابر روشن چلی آتی ہے' افسردہ ہو گئی۔ نہ آتش پرست رہے نہ آتش کدہ کی ضرورت رہی۔ نہ برمغ صاحب کی عزت و توقیر کرنے والا کوئی گروہ تھا نہ ان کی آمدنی و آسائش کے سامان رہے۔ مگر وہ اپنے اسی خطاب یعنی برمغ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ فتح مند اہل عرب اس نام کو برمک کہنے لگے۔

اس موقعہ پر یہ خیال کرنا غلطی ہو گی کہ اہل عرب نے نوبہار کو مسمار و منہدم کر کے آتش پرستوں کو عبادت سے روک دیا اور زبردستی مسلمان بنا لیا تھا۔ مسلمان اگر زبردستی آتش پرستوں کو مسلمان بناتے تو سب سے پہلے برمک کو مسلمان بناتے۔ لیکن انھوں نے برمک سے قطعاً کوئی تعرض نہیں کیا

---

[1] آتش پرستوں یعنی مجوسیوں کے دو "خدا" تھے: خدائے یزداں اور خدائے اہرمن...... ایک نیکی کا خدا اور دوسرا بدی کا۔ یہ تصور اور نظریہ کس قدر فاسد لایعنی اور خلاف دین و عقل ہے' وہ ظاہر ہے۔

[2] ایران کے بادشاہ کو لوگ شہنشاہ کہتے تھے حالانکہ شہنشاہ تو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذات جلیل و کمال ہے۔

بلکہ آتش پرست خود ہی اسلام میں داخل ہوتے اور اپنے مذہب کو چھوڑتے جاتے تھے' اور اسی تبدیلی مذہب کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ فتوحات حاصل ہوئیں۔ مسلمانوں کا بلخ تک پہنچنا گویا مذہب اسلام کا بلخ تک پہنچنا تھا۔ جس کا لازمی نتیجہ آتش کدہ نوبہار کی بربادی اور اس کے مغ کی تباہ حالی تھا۔ برمک چونکہ مذہبی پیشوا تھا اس لیے اس نے مذہب اسلام قبول نہ کیا۔ کیونکہ اسلام کے اس ملک میں آنے سے اس کو ہر قسم کا نقصان پہنچا تھا اور وہ مسلمانوں کو طیش و غضب کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

مسلمانوں کے آنے کے بعد سرحد چین کے مغل اور ترک قبائل جو ایرانیوں کی قوم اور مذہب سے کوئی تعلق نہ رکھتے مگر ایرانی شہنشاہی کے رعب سے بلخ پر حملہ آور نہ ہو سکتے تھے اب بلخ پر چھاپے مارنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہی مغل سردار مسلمانوں کو جزیہ دینے کا اقرار کر کے بلخ پر حکمرانی کرنے لگے اور بعد میں قوت پا کر مسلمانوں کے لیے موجب مشکلات بھی ہونے لگے۔ ان مغلوں نے بلخ میں آتش پرستی کے تمام سامانوں کو مٹایا اور خاندان برمک کو ذلیل کر کے ادنیٰ طبقہ میں پہنچایا۔ عربوں نے پہلی مرتبہ اس طرف آ کر زیادہ دنوں قیام نہیں کیا' اور اندرونی جھگڑوں نے ان کو سرحدوں کی طرف زیادہ متوجہ ہی نہ ہونے دیا اور بلخ مغلوں کا تختہ مشق بنا رہا۔

وہ برمک جو نوبہار کا مغ اور مجوسی سلطنت کا زمانہ دیکھے ہوئے تھا' فوت ہو گیا۔ اس کا بیٹا بھی جو دین زردشتی کا پیرو تھا اسی نام سے مشہور رہا۔ اس دوسرے برمک نے نوبہار کی بہار کا زمانہ نہیں دیکھا تھا۔ ۸۶ھ میں جب قتیبہ بن مسلم گورنر خراسان نے بلخ پر چڑھائی کی تو وہاں سے کچھ لونڈیاں بھی گرفتار ہو کر آئیں۔ ان میں اس برمک دوم کی بیوی بھی تھی جو قتیبہ بن مسلم کے بھائی عبداللہ بن مسلم کے حصے میں آئی تھی۔ چند روز کے بعد جب اہل بلخ سے صلح ہوئی تو یہ تمام لونڈیاں اور قیدی واپس کیے گئے' چنانچہ عبداللہ بن مسلم کو بھی یہ عورت واپس کرنی پڑی۔[1] اس عورت نے رخصت ہوتے وقت عبداللہ سے کہا کہ میں تجھ سے حاملہ ہو گئی ہوں۔ برمک کے یہاں پہنچ کر اس عورت کے پیٹ سے لڑکا پیدا ہوا۔ یہی لڑکا جعفر برمکی کا دادا تھا' جس کا نام خالد تھا۔

ممکن ہے یہ روایت بھی اسی قسم کی فرضی کہانی ہو جیسی کہ عجائب پسند اور عجائب پرست لوگ تصنیف کیا کرتے ہیں۔ بہر حال برمک دوم کے یہاں ۸۶ھ یا ۸۷ھ میں خالد پیدا ہوا۔ ۱۲۴ھ میں امام ابراہیم عباسی نے ابو مسلم خراسانی کو خراسان کے دعاۃ کا افسر و مہتمم بنا کر بھیجا۔ ابو مسلم نے خالد بن برمک کو جب کہ اس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی' اپنی جماعت میں شامل کیا۔ ابو مسلم کو خالد برمک

[1] باوجود خرابیوں کے مسلمانوں کا اخلاقی رویہ بہت بہتر تھا' یہ واقعہ اس کی واضح عکاسی کر رہا ہے۔

کے ساتھ بہت محبت تھی اور اس کی خصوصی توجہ خالد کی تربیت اور افزائش مرتبت میں صرف ہوتی تھی۔
ابو مسلم نے جب خراسان سے ایک شخص کو بھیج کر ابو سلمہ خلال معروف بہ وزیر آل محمد کو قتل کرادیا تو سفاح کو لکھا کہ آپ اب خالد بن برمک کو اپنا وزیر بنالیں۔ چنانچہ عبداللہ سفاح پہلے عباسی خلیفہ نے خالد بن برمک کو اپنا وزیر بنالیا اور سفاح کی وفات تک خالد بن برمک وزیر رہا۔

سفاح کے بعد منصور عباسی تخت نشین ہوا تو اس نے بھی خالد کو وزارت پر قائم رکھا۔ منصور نے اپنی خلافت کے پہلے ہی سال ابو مسلم کو جو خالد کا مربی و ہم خیال و محسن تھا قتل کرادیا۔ خالد نے ابو مسلم کے قتل ہونے پر اپنے کسی عمل سے اپنی دلی ناراضی اور ملال کا اظہار نہ ہونے دیا۔ مگر منصور نے پھر بھی احتیاطاً قتل ابو مسلم سے چار پانچ مہینے کے بعد خالد کو کسی بغاوت کے فرو کرنے کے بہانے سے روانہ کر کے ابوایوب کو اپنا وزیر بنایا۔ چونکہ خالد سے کوئی علامت سرکشی اور بے وفائی ظاہر نہیں ہوئی تھی اس لیے خلیفہ منصور نے ایک کارگزار اور قابل شخص سے کام لینے اور فائدہ اٹھانے میں کمی نہیں کی۔

خالد کے آئندہ طرز عمل نے منصور کو مطمئن کر دیا۔ چونکہ وہ ابو مسلم جیسے سازشی' باہمت اور ابوالعزم شخص کا شاگرد رشید او سیاسی معاملات میں خوب تجربہ کار تھا۔ ایرانی عصبیت بھی اس کے دل میں موجود تھی' ابو مسلم کا انجام بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اور اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا لہٰذا وہ ابو مسلم سے بھی زیادہ گہرا بن گیا اور منصور جیسے چوکس رہنے والے اور ادا شناس خلیفہ سے بھی اپنے اصلی رنگ کو چھپا لینے میں کامیاب ہو گیا۔ موصل کی ولایت کا والی اور منصور کے بیٹے مہدی کا اتالیق رہا' اور اپنے وقار و مرتبہ کو آخر عمر تک قائم رکھا۔ خلیفہ مہدی کا اتالیق ہونا اس کے اور اس کے خاندان کے لیے بے حد مفید اور ضروری تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ اس نے خود اس بات کی کوشش کی ہو کہ مہدی کی اتالیقی اس کو مل جائے۔ مہدی کی تخت نشینی اور منصور کی وفات کے بعد بھی خالد زندہ تھا۔ اب اس کے عزت و مرتبہ میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

مہدی کے عہد خلافت یعنی ۱۶۳ھ میں قریباً ۷۷ سال کی عمر میں خالد کا انتقال ہوا۔ اس کی آخری آدھی عمر سلطنتوں کے بننے اور بگڑنے کا تماشا دیکھنے میں صرف ہوئی تھی اور وہ خود سلطنتوں کو برباد کرنے اور نئی سلطنت قائم کرنے کے کام میں شریک غالب کی حیثیت سے کام کر چکا تھا۔ اس کی وفات کے وقت اس کے بیٹے یحییٰ کی عمر ۴۵ یا ۵۰ سال کی تھی' اور اس نے بھی ہوش سنبھالتے ہی یہ تمام تماشے اور ہنگامے دیکھے تھے۔ وہ اپنے باپ سے اس کے تمام عزائم' تمام خیالات' تمام خواہشات' تمام احتیاطیں ورثہ میں پا چکا تھا۔ وہ اپنے باپ دادا کی بربادی' اپنے خاندانی احترام' ایرانی شہنشاہی کے افسانے نہایت عقیدت و حسرت کے ساتھ سن چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ایرانی قوم کا نمائندہ اور پیشوا

سمجھتا اور اس بات کو بخوبی جانتا تھا کہ ایک ذرا سی لغزش پااس رسوخ کو جو خلافت اسلامیہ میں حاصل ہے ضائع کر کے تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی ہے۔ دوسری طرف اس کو اور اس کے باپ کو خاندان خلافت کے اندرونی اور خاندانی معاملات میں بھی دخل تھا۔ صحبت مدام نے اس کے قلب کو رعب سلطنت کے بوجھ سے چور چور اور مرعوب ہونے سے بھی بچالیا تھا۔

خالد بن برمک نے سب سے بڑا کام اور نہایت گہری تدبیر یہ کی تھی کہ ۱۶۱ھ میں مہدی کو مشورہ دیا کہ شہزادہ ہارون الرشید کا اتالیق یحییٰ کو بنایا جائے۔ مہدی چونکہ خود خالد کی اتالیقی میں رہ چکا تھا لہٰذا اس نے اپنے بیٹے کو خالد کے بیٹے کی تالیقی میں سپرد کرنا بالکل بے ساختہ چیز سمجھا۔ اس سے بھی پہلے جبکہ ہارون الرشید بمقام رے خیزران کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا تو خالد مہدی کے ساتھ رے میں موجود تھا۔ خالد ہی نے ہارون الرشید کو یحییٰ کی بیوی کا اور اپنے پوتے یعنی یحییٰ کے بیٹے فضل کو خیزران کا دودھ پلوا کر فضل اور ہارون کو دودھ شریک بھائی بنوایا تھا۔ خالد کی ان تمام تدابیر کو اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اس نے نہایت ہی خوبی کے ساتھ اپنے خاندان کی پوری پوری حفاظت کر لی تھی کیونکہ وہ ایک نہایت عظیم الشان کام انجام دینا یعنی ابومسلم کا بدلہ لے کر ایرانیوں میں حکومت و سلطنت کو واپس لانا چاہتا تھا۔

یحییٰ بن خالد نے ہارون کو تعلیم و تربیت کیا تھا' اس نے ہارون پر یہاں تک اپنا اثر قائم کر لیا تھا کہ ہارون تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی یحییٰ کو پدر بزرگوار ہی کہہ کر مخاطب کرتا تھا اور اس کے سامنے بے تکلفانہ گفتگو کرتا ہوا شرماتا تھا۔ خلیفہ ہادی کا عہد خلافت کسی طرح بھی خاندان برمک کے منصوبوں کے موافق نہ تھا اور ہادی پر یحییٰ کا کوئی اثر بھی نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف اسی قدر کہ وہ متوسلین میں سے ایک تھا۔ لیکن یحییٰ نے وہ تدابیر اختیار کیں کہ ہادی کی حقیقی ماں خیزران اپنے بیٹے ہادی کی دشمن بن کر اس کی جان کی خواہاں ہوگئی اور یحییٰ و خیزران نے مل کر جلدی ہی اس کا کام تمام کر دیا' اور سال بھر سے زیادہ اس کو حکومت کا موقعہ نہ مل سکا۔ ہارون کی تخت نشینی کے لیے یحییٰ کا کوشش کرنا ظاہر ہے کہ خود اپنی ہی ذات کے لیے کوشش کرنا تھا۔

ہارون نے خلیفہ ہوتے ہی جیسا کہ توقع تھی یحییٰ بن خالد کو وزیر اعظم اور مدار المہام خلافت بنا دیا۔ یحییٰ ایسا بے وقوف نہ تھا کہ ہارون کی ماں خیزران کو ناراض رکھتا۔ اس نے ہر ایک کام خیزران کے مشورہ سے کرنا شروع کیا۔ یعنی اپنی ہر ایک تجویز کے لیے پہلے خیزران سے مشورے لیتا تھا۔ چند روز کے بعد خیزران فوت ہوگئی اور یحییٰ کو اس تکلف کی بھی ضرورت باقی نہ رہی۔ یحییٰ نے امور خلافت اور مہمات سلطنت میں اس انہماک' دل سوزی اور خوبی سے کام کیا کہ ہارون الرشید کے دل میں یحییٰ کی

عزت اور محبت بڑھتی چلی گئی۔ یحییٰ نے یہ بھی احتیاط رکھی کہ ہارون کی آزاد مرضی اور دلی خواہش میں کسی مقام پر بھی یحییٰ کا اختیار سد راہ محسوس نہ ہونے پائے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یحییٰ کا کام صرف ہارون کی خواہش اور منشاء کو کامیاب بنانے کی سعی بجالانا ہے اور بس۔

لیکن یحییٰ نے جو سب سے بڑا کام کیا وہ یہ تھا کہ اس نے غیر محسوس طریقے پر اپنے خاندان والوں' اپنے بھائیوں' بھتیجوں اور اپنے ہم خیال ایرانیوں کو ذمہ داری کے عہدوں' اہم ولایتوں کی حکومتوں اور فوجوں کی سرداریوں پر مامور و مقرر کرنا شروع کیا۔ اپنے بیٹوں فضل و جعفر وغیرہ کو اس نے ہارون الرشید کا بھائی بنا ہی دیا تھا' ہارون بھی یحییٰ کے بیٹوں کو اپنا بھائی کہتا اور انھیں سب سے زیادہ اپنا عزیز و رفیق جانتا تھا۔ اپنے بیٹوں کو ہارون نے فضل و جعفر کی اتالیقی میں دے دیا تھا۔ ۱۷۴ھ میں جب کہ یحییٰ بوڑھا اور ضعیف ہو گیا تھا ہارون نے اس کے بیٹے فضل کو مہمات وزارت میں اس کا مددگار و شریک بنا دیا تھا۔

جب یحییٰ بن عبداللہ نے ۱۷۶ھ میں دیلم میں خروج کیا ہے تو فضل بن یحییٰ ہی نے اس مہم کو طے کیا تھا۔۔۔۔۔اور یحییٰ بن عبداللہ کے لیے جاگیر مقرر کرائی تھی۔ چند روز کے بعد ہارون نے یحییٰ بن عبداللہ کو جعفر بن یحییٰ ہی کے سپرد کر دیا کہ اپنے پاس نظر بند رکھو۔ فضل کو ہارون نے ۱۷۸ھ میں خراسان و طبرستان و رے و ہمدان کا گورنر بھی بنا دیا تھا۔ فضل بن یحییٰ کو ہارون نے اپنے بیٹے امین کا اتالیق بنایا تھا۔ یحییٰ نے اپنی گورنری خراسان کے زمانہ میں پانچ لاکھ ایرانیوں کی ایک نہایت زبردست اور آراستہ فوج تیار کی۔ مگر ایک ہی سال کے بعد ۱۷۹ھ میں ہارون نے اس کو خراسان سے بلا کر مستقل وزیر اعظم بنا دیا۔ مگر یحییٰ سے اہم معاملات میں ضرور مشورہ لیا جاتا تھا۔ یعنی وہ بھی بدستور مہمات سلطنت میں دخیل رہا۔

یحییٰ کا دوسرا بیٹا جعفر ہارون الرشید کا مصاحب خاص اور نہایت بے تکلف دوست تھا۔ ہارون سفر و حضر میں اس کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ جعفر نہایت خوش مزاج اور سلیقہ شعار تھا۔ ۱۷۶ھ میں جعفر کو محلات شاہی کی داروغگی کے علاوہ ملک مصر کی گورنری بھی عطا ہوئی تھی۔ جعفر نے اپنی طرف سے مصر کی حکومت پر عمران بن مہران کو روانہ کر دیا تھا اور خود ہارون کی خدمت میں رہتا تھا۔ ۱۸۰ھ میں دمشق و شام میں فسادات پیدا ہوئے تو جعفر ہی نے جا کر ان کو فرو کیا۔ پھر ہارون نے جعفر کو خراسان کی گورنری عطا کی۔ مگر ایک مہینہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ خاص بغداد کی حکومت و کوتوالی اس کے سپرد کی۔ جعفر نے یہ کام ہرثمہ بن اعین کے سپرد کیا اور خود بدستور ہارون الرشید کا مصاحب رہا۔ ہارون الرشید نے یحییٰ بن خالد کو بلا کر کہا کہ آپ فضل سے کہہ دیں کہ وہ قلم دان وزارت جعفر کے سپرد کر دیں کیونکہ

مجھ کو فضل سے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ وہ وزارت کا کام جعفر کو سپرد کر دیں۔ چنانچہ یحییٰ نے فضل سے ہارون کا منشاء ظاہر کیا اور جعفر وزیر اعظم ہو گیا۔ اس بات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس خاندان کا ہارون پر کس قدر قوی اثر تھا۔

جعفر بن یحییٰ نے اپنے عہد وزارت میں سلطنت کے تمام عہدوں اور تمام صیغوں پر اس طرح تسلط جمالیا کہ حقیقتاً وہی سلطنت کا مالک اور اصل فرمانروا سمجھا جانے لگا۔ بغداد کی تمام پولیس بغداد کے بڑے بڑے محلات سب اس کے قبضہ میں تھے۔ ولایتوں کے عامل' صوبوں کے گورنر فوج کے افسر سب اسی کے آوردے تھے۔ خزانہ کا وہی مالک و مہتمم تھا۔ حتیٰ کہ ضرورت کے وقت ہارون الرشید کو جعفر ہی سے روپیہ مانگنا پڑتا تھا۔ یحییٰ بن خالد کے اور بھی کئی بیٹے تھے جو بڑی بڑی فوجوں کے افسر تھے۔ اپنے ان اختیارات اور اقتدار سے یحییٰ اور اس کے بیٹوں نے نہایت خوبی کے ساتھ فائدہ اٹھایا یعنی انھوں نے بڑی بڑی جاگیروں اور وظیفوں کی آمدنی کے علاوہ خزانہ سلطنت کے روپیہ کو بھی سخاوت اور داد و دہش میں بے دریغ خرچ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی سخاوت حاتم کی طرح مشہور ہو گئی۔

کوئی شخص ایسا نہ تھا جو خاندان برمک کا مداح اور ہوا خواہ نہ ہو' انھوں نے خوب روپیہ حاصل کیا اور اس کو بلا دریغ خرچ کر کے اپنی قبولیت و ناموری خریدی۔ یہاں تک کہ صرف خراسان و عراق ہی میں نہیں' بلکہ شام و مصر و عرب و یمن اور دور دور کے ملکوں میں لوگ ان کی مدح سرائی کرتے اور ان کی سخاوت اور بذل مال کی تعریف میں قصائد لکھتے تھے۔ خاندان برمک کی عزت' قبولیت' اختیار' اقتدار' قوت و طاقت' مال و دولت معراج کمال کو پہنچ چکی تھی۔ بجز اس کے کہ وہ تخت خلافت پر نہیں بیٹھے تھے باقی اور تمام چیزیں ان کو حاصل تھیں۔ وہ ان کے باوجود ہارون الرشید کی منشاء کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ہارون الرشید کے کسی ہوا خواہ کو یہ موقعہ ہی حاصل نہ تھا کہ ان کے اس اقتدار و عظمت کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھے۔ لیکن اگر اس اقتدار و قوت اور اس اختیار و تسلط کی تہ میں کوئی بدنیتی یا بغاوت پوشیدہ ہو تو پھر ہارون الرشید کے لیے ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا دشمن نہیں ہو سکتا تھا۔

۱۸۷ھ کی ابتداء میں یکا یک دیکھا گیا کہ ہارون الرشید نے خاندان برمک کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو دشمنوں سے کیا جاتا ہے۔ پس ہم کو اس وقت یہ دیکھنا اور تحقیق کرنی چاہیے کہ آیا برامکہ نے حقیقتاً ہارون الرشید کی سلطنت کے خلاف کوئی منصوبہ اور سازش شروع کر رکھی تھی یا نہیں' اور ہارون ان کے اس مخالف منصوبے سے واقف ہو گیا تھا یا نہیں۔ اگر واقعی برامکہ ہارون اور عباسی خلافت کے خلاف کچھ کرنا چاہتے تھے تو ہارون نے ان کے ساتھ جو آخری سلوک کیا وہ سراسر جائز اور ہر طرح مناسب

تھا۔ لیکن اگر برامکہ کا ظاہر اور باطن یکساں تھا اور وہ خلوص کے ساتھ ہارون کے فرماں بردار تھے تو ہارون سے بڑھ کر کوئی ناقدر شناس اور ظالم نہیں ہوسکتا۔ سطحی نگاہ والوں کے لیے برامکہ کی بربادی کا مسئلہ ایک عقیدۂ لاینحل خیال کیا جاتا ہے۔ اور انھوں نے چانڈو خانے[1] کی بے سروپا باتوں کو اس عقدۂ دشوار کے حل کرنے کے لیے ذریعہ بنا کر حقیقت کا جامہ پہنا دیا ہے۔

نادرشاہ ہندوستان میں

ہندوستان میں جب نادرشاہ ایرانی آیا اور صلح و آشتی کے ساتھ ہندوستان کا بادشاہ اس کو مہمان عزیز کی حیثیت سے دہلی میں لایا تو کسی چانڈو خانے میں کسی شخص نے نشہ کی حالت میں کہا کہ "واہ محمد شاہ کیا کام کیا ہے کہ قزلباش کو قلعہ میں لا کر قلماقینوں کے ہاتھ سے قتل کرا دیا۔" یہ بے پر کا کوا اڑا اور اس نے اڑتے ہی تمام دہلی میں ایرانیوں کے سر اڑوانے شروع کرا دیئے۔ آخر مجبور ہو کر نادرشاہ ایرانی نے قتل عام کا حکم دیا اور دہلی میں وہ قتل عام ہوا جس کی نظیر آج تک دہلی نے نہیں دیکھی۔ بس بالکل اسی قسم کی یہ بات ہے کہ کسی نے جعفر برمکی کے قتل کا سبب اس طرح تصنیف کر کے بیان کیا کہ:

"ہارون الرشید عباسی کی بہن اور مہدی کی ایک بیٹی عباسہ تھی۔ ہارون کو اپنی اس بہن سے بہت محبت تھی۔ اسی طرح جعفر بن یحییٰ اس کا وزیر اعظم بھی ہارون کا جلیس وندیم اور ہمہ وقت ساتھ رہتا تھا۔ ہارون جعفر اور عباسہ کے ساتھ مل کر شراب نوشی کیا کرتا تھا۔ ہارون شراب نوشی کے جلسہ میں جس طرح اپنی بہن کو شریک رکھنا چاہتا تھا اسی طرح اس کو اپنے وزیر اعظم جعفر کا شریک رکھنا بھی ضروری تھا۔ لہٰذا ہارون الرشید نے عباسہ کا نکاح جعفر سے کر دیا تھا کہ ایک دوسرے کا دیکھنا مباح ہو جائے۔ لیکن جعفر و عباسہ دونوں کو یہ تاکید کر دی تھی کہ زن وشوہری کے تعلقات ہرگز نہ ہونے پائیں۔ مگر جعفر اور عباسہ اس امتناعی حکم کی حد میں نہ رہ سکے۔ ہارون کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے جعفر کو قتل کرا کر اس کے تمام خاندان کو برباد کر دیا۔"

یہ چانڈو خانے کی گپ جب ہمارے زمانے کے ناول نویسوں اور پڑھے لکھے جاہلوں کے ہاتھ میں آئی تو انھوں نے حسب عادت روغن قاز مل کر اس دروغ کو ایسا فروغ دیا کہ آج کل جس اردو دان کو دیکھیے اس نامعقول دروغ بانی پر آیت و حدیث سے بڑھ کر ایمان رکھتا ہے اور اس کے خلاف کچھ بھی سننا پسند نہیں کرتا۔[2]

---

[1] نشہ کرنے والوں کا ڈیرہ یا ان کی مخصوص جگہ۔

[2] ناول، افسانے جھوٹ اور سچ کے پلندے ہوتے ہیں۔ ان فرضی یا بعض حقیقی واقعات کو مرچ مصالحہ لگا کر لوگوں کو جس لٹریچر کا عادی بنایا جاتا ہے اور ان میں جیسا مزاج پیدا کیا جاتا ہے اس سے ایسے ہی "ایمان" کی توقع ہوگی۔

یہ افواہ قتل جعفر سے سو برس کے بعد تصنیف ہوئی اور طبری نے اس کا ذکر اپنی تاریخ میں کر دیا۔ بس پھر کیا تھا واقعہ کی شکل چونکہ عجیب و غریب بیان کی گئی ہے جس کے اندر کافی ندرت موجود ہے۔ لہٰذا عجائب پسند طبیعتیں اسی طرف زیادہ جھکنے لگیں اور ہر شخص نے ہارون رشید کے حالات لکھتے ہوئے اس افواہ کو بھی ضرور نقل کیا۔ اور آج مجبوراً ہم کو بھی اس ناگفتنی کہانی کا ذکر کرنا پڑا۔

طبری اور دوسرے مورخین نے قتل جعفر کے دوسرے اسباب بھی بیان کئے ہیں لیکن ان میں سے جھوٹے اور سچے کو الگ الگ انتخاب کرنے کے لیے عقل و درایت سے کام لینے کی کوشش بہت کم لوگوں نے کرنی چاہی ہے۔

(۱) ہارون الرشید خلفاء عباسیہ میں پانچواں خلیفہ ہے۔ عباسیوں کو اپنے خاندان کی عظمت اور اہل عرب میں نسب کے اعتبار سے اشرف ہونے کا فخر تھا۔ تمام ملک عرب ان کی خاندانی سیادت و بزرگی تسلیم کرتا تھا۔ ان کی خاندانی عظمت ہی تھی جس کے سبب وہ بنو امیہ کے خلاف کوشش کرنے پر آمادہ اور پھر اس کوشش میں کامیاب بھی ہوئے' اب جبکہ ان کو قریباً تمام عالم اسلام کی خلافت و حکومت بھی حاصل تھی تو ان کا فخر نسبی اور بھی زیادہ بڑھ گیا تھا۔ عرب کی عصبیت اور ناموس کا پاس و لحاظ بھی عام طور پر سختی کے ساتھ موجود تھا۔ اندریں صورت یہ کیسے ممکن تھا کہ ہارون الرشید جیسا خلیفہ اپنی بہن کی شادی ایک ایسے شخص سے کر دے جس کو وہ نسباً غلام زادہ مجوسی النسل اور ایک نطفۂ نا تحقیق شخص کا پوتا سمجھتا تھا۔ یہ مانا کہ وہ جعفر کو اپنا بھائی کہتا تھا اور اس کے باپ کو اپنا اتالیق ہونے کے سبب ابا جان کہہ کر پکارتا تھا۔ لیکن بہن کا نکاح کرتے وقت وہ قوم و خاندان اور نسب کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر ہارون الرشید آج کل کے لوگوں کی طرح بیاہ شادی کے معاملہ میں بہت ہی زیادہ آزاد خیال ہو گیا تھا تو اس کے خاندان کے لوگ جو یک جدی اور تعداد میں بہت زیادہ موجود تھے' اس نکاح کو اپنی خاندانی بے عزتی سمجھ کر کسی طرح خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ اسی طرح خود عباسہ بھی اپنی ایسی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتی تھی۔

(۲) ہارون الرشید جیسا مذہبی شخص جو ایک سال حج اور ایک سال جہاد کرتا تھا' اور عالم اسلام کا سردار خلیفہ تھا۔ شراب نوشی کی مجلسیں گرم کرے کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ بنو امیہ میں کسی ایک خلیفہ نے اگر کہیں نبیذ یا شراب استعمال کر لی تو ساری دنیا میں شور مچ گیا اور آج تک مؤرخین اس کے اس فعل بد کو خصوصیت سے بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ لیکن ہارون الرشید جو علماء اور نیک لوگوں کی مجلسوں میں تنہا جا جا کر پھٹے ہوئے بوریے پر بیٹھتا اور ان کی نصیحتیں سن کر زار و قطار روتا ہوا اٹھ کر آتا تھا وہ بھلا شراب یعنی پیشاب جیسی پلید چیز سے کیا تعلق رکھ سکتا تھا۔ فضل بن عیاض' ابن سماک' سفیان؛

ثوری جیسے بزرگ اس کے دوست وہم نشین ہوں' پنجگانہ نماز نہایت پابندی اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتا ہو بالخصوص نماز فجر بہت ہی اول وقت پڑھنے کا عادی ہو اور علاوہ پانچ وقت کی نمازوں کے سو رکعت نفل روزانہ ادا کرتا ہو' ایسے شخص کو شراب خور بتانا کس قدر بے حیائی اور ظلم ہے' جس شخص نے رات کو شراب پی کر مجلس گرم کی ہو وہ نماز فجر میں کیسے شامل ہوسکتا ہے' جس کو شراب پینے کی عادت ہو اس کی نمازوں میں خشوع وخضوع کہاں پایا جاسکتا ہے۔

(۳) علماء عراق نے نبیذ کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا اور بعض امراء نبیذ کا استعمال کرتے تھے۔ لیکن اس کو شراب کی بدمستیوں سے کوئی نسبت نہیں۔ ہارون الرشید کی نسبت تو یقینی طور پر یہ بھی ثابت نہیں کہ اس نے کبھی نبیذ کے دور چلائے ہوں اور ایسی مجلسیں گرم کی ہوں جیسی کہ مذکورہ جھوٹی روایت میں مذکور ہے۔ ہارون الرشید کے زمانے تک عرب کی وہ سادگی اور سپاہیانہ زندگی موجود تھی جس میں شراب خوری کو کوئی دخل نہیں مل سکتا تھا۔ عربی شرافت جس کا ہارون سب سے زیادہ مدعی تھا' ہمیشہ سے شراب خوری کو مذموم اور برا ٹھہراتی تھی' حتیٰ کہ شرفائے عرب عہد جاہلیت میں بھی شراب نہیں پیتے تھے اور اس کو شرفاء کا شیوہ نہیں جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بہت سے شرفائے عرب عہد جاہلیت میں بھی کبھی اس پلید چیز کے پاس تک نہیں گئے۔ ہارون الرشید اس ذلت و پستی کو احکام اسلام سے قطع نظر کر کے بھی قبول نہیں کرسکتا تھا۔

(۴) اس بے دینی اور عام بے حمیتی کے زمانے میں بھی جب کہ ہندوستان میں حکومت اسلامی باقی نہیں ہے اور حکومت موجودہ کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں ہے کوئی بے غیرت سے بے غیرت اور ذلیل سے ذلیل شخص بھی گو وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ علانیہ شراب کیوں نہ پیتا ہو' یہ کسی طرح پسند نہیں کرسکتا کہ اس کی بہن بھی اس کے ساتھ شراب خوری کرے۔ ہمارے ملک میں چمار اور بھنگی شراب زیادہ پیتے ہیں۔ غالباً ان بھنگیوں اور چماروں سے بھی یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنی بہنوں کو لے کر غیر مردوں کے ساتھ شراب کے دور چلائیں۔ چہ جائیکہ ہارون الرشید عباسی جس کے دربار میں تابعین اور تبع تابعین موجود تھے' ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتا اور غیرت کے مارے مر نہ جاتا۔

(۵) جو لوگ زنا' چوری' شراب خوری کرتے ہیں وہ عموماً اپنے اہل خاندان کو ان کاموں سے ہمیشہ باز رکھنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اگر ہارون کو یہ پلید عادت ہو ہی گئی تھی' تو وہ اپنی بہن کو تو ہرگز شراب خوری پر آمادہ نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی چہیتی بیوی زبیدہ جس کے ساتھ اس کی محبت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی' غالباً سب سے پہلے اس شراب خوری میں اس کی شریک ہوسکتی تھی۔ لیکن زبیدہ خاتون کی نسبت تو کسی نے اس قسم کا کوئی اشارہ تک بھی نہیں کیا اور اس کی زندگی کے دامن پر اس پلید چیز کی

ذرا سی بھی کوئی چھینٹ نہیں پڑنے پائی۔ کیسے تعجب کی بات ہے کہ زبیدہ خاتون کے محل میں تو ہر وقت قرآن خوانی ہو رہی ہے اور اس کا عاشق زار خاوند جعفر و عباسہ کے ساتھ مصروف شراب نوشی ہے۔

(۶) مؤرخین نے یہ واقعہ بوثوق نقل کیا ہے کہ حکیم جبرئیل ایک یہودی طبیب ہارون الرشید کے دربار میں تھا اور دستر خوان پر خلیفہ کے ساتھ ہوتا اور کوئی مضر چیز دیکھتا تو خلیفہ کو اس کے کھانے سے روک دیتا تھا۔ ایک مرتبہ خلیفہ کے لیے مچھلی خوان میں لگ کر آئی۔ خلیفہ نے اس کے کھانے کا ارادہ کیا' حکیم نے خلیفہ کو اس کے کھانے سے روک دیا اور خانساماں سے کہا کہ اس کو اٹھا کر لے جاؤ۔ اس کے بعد اتفاقاً خلیفہ کے کسی خادم نے دیکھا کہ اسی مچھلی کو حکیم جبرئیل اپنی قیام گاہ پر جا کر خود نوش فرما رہے ہیں۔ اس وقت یہ حقیقت کھلی کہ حکیم نے مچھلی کو اپنے کھانے کے لیے روکا اور ہارون کو اس کے کھانے سے باز رکھا تھا۔ خادم نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچا دی۔ بات تو یہ محض ہنسی کی تھی اور ہارون سوائے ہنسنے کے حکیم کو اور کچھ نہ کہتا۔ لیکن حکیم کو جب معلوم ہوا کہ خلیفہ میری اس حرکت سے مطلع ہو چکا ہے تو اس نے مچھلی کے تین قتلے الگ الگ تین پیالوں میں رکھے۔ ایک پیالے میں گوشت اور دوسری کھانے کی چیزیں جو دستر خوان پر ہارون نے کھائی تھیں ملا دیں تھیں۔ دوسرے قتلے پر برف کا پانی ڈالا تھا۔ تیسرے پیالے میں شراب ڈال دی تھی۔ یہ تینوں پیالے خلیفہ کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ ان دونوں پیالوں میں آپ کا کھانا ہے اور اس تیسرے پیالے میں میرا کھانا ہے۔ دیکھا تو وہ دونوں قتلے چند ہی گھنٹے کے بعد سڑ کر بدبو دینے لگے تھے اور جس پیالے میں شراب تھی اس میں مچھلی کا گوشت پانی ہو کر شراب میں مل گیا تھا۔ اس طرح حکیم نے اپنی شرمندگی دور کی اور خلیفہ کو بتایا کہ میں چونکہ شراب پیتا ہوں لہٰذا میرے لیے یہ مچھلی نقصان رساں نہ تھی اور آپ چونکہ شراب نہیں پی سکتے لہٰذا میں نے مچھلی کو روک دیا تھا۔ اس حکایت سے بھی صاف ثابت ہے کہ ہارون الرشید کو شراب سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(۷) حقیقت یہ ہے کہ عباسہ کی شادی ہارون نے محمد بن سلیمان سے کر دی تھی۔ جب محمد بن سلیمان کے فوت ہونے پر عباسہ بیوہ ہو گئی تھی تو اس کی دوسری شادی ابراہیم بن صالح بن علی سے کر دی' جو ہارون کے قریبی رشتہ دار اور آل عباس سے تھے۔ ایک ایسی شریف و پاک باز عورت کی نسبت ایسا سفید اور بے سر و پا جھوٹ بولنا' جھوٹ بولنے والے کی انتہائی رذالت و کمینہ پن کا ثبوت ہے اور جو شخص اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کرے اس کی افتاد فطرت بھی یقیناً بہت ہی پست و ذلیل ثابت ہو جاتی ہے۔

پھر سب سے عجیب بات اس سفید جھوٹ میں یہ ہے کہ جعفر و عباسہ کے ایک دوسرے کے چہرے پر نظر ڈالنے کو مباح کرنے میں تو ہارون کو شریعت کی پابندی کا اس قدر زیادہ خیال تھا لیکن

شراب خوری کرتے ہوئے وہ شریعت کو بالکل بھول جاتا تھا۔

استیصال برامکہ کی اصل حقیقت

حکومت وسلطنت ایسی چیز ہے کہ اس کے لیے بھائی بھائی کا اور باپ بیٹے کا دشمن بن جاتا ہے۔ سلطنتوں کی تاریخیں اس پر شاہد ہیں۔ عباسیوں نے بھی جس شخص کو اپنی حکومت وسلطنت کے لیے مضر محسوس کیا اس کو بلا دریغ قتل کر دیا۔ خلیفہ منصور نے ابومسلم کو جب دیکھا کہ وہ حکومت وسلطنت کو اپنے قبضہ میں لانا چاہتا ہے تو فوراً اس کا قصہ پاک کر دیا۔ بادشاہوں کی اس عادت اور روش خاص سے کبھی کبھی ان کے مصاحب اور اہل کار ناجائز فائدہ بھی اٹھالیا کرتے ہیں۔ یعنی جس شخص کو وہ بادشاہ کے ہاتھ سے نقصان پہنچوانا چاہتے ہیں اس کی نسبت عموماً بغاوت ہی کا الزام ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

منصور کا حاجب یعنی افسر باڈی گارڈ ربیع بن یونس تھا جو سیدنا عثمان غنی کے غلام کیسان کی اولاد میں سے تھا اور منصور کا سب سے بڑا معتمد تھا۔ منصور نے اس کو اپنا مصاحب مشیر بھی بنا رکھا تھا۔ منصور کے زمانے میں وہ بہت بڑا اختیار واقتدار رکھتا تھا۔ ابومسلم کے قتل کا مشورہ دینے والا ربیع ہی سمجھا جاتا تھا۔ خالد بن برمک کی جگہ منصور نے ابوایوب ہی کو وزیر بنایا تھا۔ لیکن ۱۵۳ھ میں ربیع بن یونس کو وزیر بنایا۔ مگر یہ حاجب ہی کے لقب سے مشہور رہا۔ منصور کی وفات کے وقت اسی نے خلافت مہدی کی بیعت کا اہتمام کیا۔ مہدی کے زمانے میں ربیع اپنے عہدۂ وزارت پر قائم رہا۔ مگر چونکہ وہ حاجب کے لقب سے مشہور تھا اس لیے مہدی نے اس کے ساتھ ابوعبداللہ معاویہ بن یسار کو بھی وزارت کا عہدہ دے کر سلطنت کے اکثر صیغے اس کے سپرد کر دیئے۔ ربیع نے چند روز کے بعد ابوعبداللہ کو معزول و معتوب کرا کر قید کرا دیا۔ ابوعبداللہ کی جگہ مہدی نے یعقوب بن داؤد کو مامور فرمایا۔ یعقوب بن داؤد بھی چند روز کے بعد معزول ومعتوب ہوا۔ اس کے بعد مہدی نے فیض بن ابی صالح کو جو نیشاپور کے ایک عیسائی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وزارت کا عہدہ عطا کیا۔

غرض مہدی کے زمانہ میں ربیع بن یونس نے کسی وزیر کو کامیاب ومطمئن نہ ہونے دیا اور حقیقتاً وہی وزارت کا مالک رہا۔ مہدی کے بعد ہادی کا زمانہ شروع ہوا تو ربیع بن یونس کا اقتدار اور بھی ترقی کر گیا۔ کیونکہ ہادی نے وزارت کے تمام اختیارات اس کو سپرد کر دیئے تھے۔ امور سلطنت سے خیزران کے دخل کو دور کرنا بھی ربیع کی تحریک کا نتیجہ تھا۔ ہادی اور ربیع کی وفات قریب ہی قریب واقع ہوئی۔ ربیع کے بیٹے فضل بن ربیع کو توقع تھی کہ مجھ کو ضرور کوئی بڑا عہدہ ملے گا، لیکن ہارون نے تخت

خلافت پر بیٹھتے ہی سلطنت کا تمام وکمال انتظام یحییٰ بن خالد کے سپرد کر دیا۔ یحییٰ بن خالد ابو مسلم کے گروہ کا آدمی تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اور وہ ربیع بن یونس سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ کیونکہ ربیع ایک طرف قتل ابو مسلم کا محرک تھا تو دوسری طرف یحییٰ کے باپ خالد بن برمک کو نفرت کی نظر سے دیکھنے اور وزارت سے معزول کرا کرا پنے دوست ابوایوب کو اس کی جگہ مقرر کرانے والا تھا۔

یحییٰ بن خالد نے فضل بن ربیع کو کوئی عہدہ نہ دلوایا اور حاجب کے عہدے پر قائم رکھ کر اس عہدے کے بھی تمام اختیارات چھین کر فضل بن ربیع کو عضو معطل بنا دیا۔

اب غالباً یہ بات بآسانی سمجھ میں آ جائے گی کہ خاندان برمک اور فضل بن ربیع کی عداوت بہت پرانی اور مستحکم عداوت تھی۔ جوں جوں برمکیوں کا عروج ہوتا گیا اور ان کا اقتدار بڑھتا گیا۔ فضل بن ربیع کی عداوت اور حسد نے ضرور ترقی کی مگر وہ اس لیے کہ ہارون کو اس خاندان پر حد سے زیادہ اعتماد تھا' ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا' ایسی حالت میں فضل بن ربیع کے لیے ایک ہی راہ عمل تھی کہ وہ برامکہ کی بے وفائی' غداری اور بغاوت کے ثبوت تلاش کرے اور اگر کوئی ایسی بات مل جائے تو خلیفہ کو ان سے بدگمان بنا کر اپنا مقصد دلی حاصل کرے۔

برمکی چونکہ تجربہ کار' ہوشیار اور بہت چوکس رہنے والے تھے' اس لیے فضل بن ربیع کو کوئی موقعہ نہیں مل سکتا تھا کہ وہ ان کو متہم کرے' لیکن وہ ان کے تمام اعمال وافعال کو غور وتجسس کی نگاہ سے ضرور مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ برمکیوں نے اپنی سخاوت اور زر پاشی کے ذریعہ سے اپنے اس قدر ہمدرد وہوا خواہ بنا لیے تھے کہ فضل بن ربیع اپنے لیے کوئی راز دار بھی تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ ہارون الرشید اس کے قدیمی وخاندانی حقوق کو مدنظر رکھ کر کوئی عہدہ سپرد کرنا چاہتا تھا مگر اس کی ماں خیزران بھی چونکہ فضل اور اس کے باپ ربیع سے ناراض تھی' اور اس ناراضی میں یحییٰ اس کا شریک تھا' لہٰذا خیزران نے بیٹے کو اس ارادے سے باز رہنے کی تاکید کی۔ جب خیزران کا ۱۷۴ھ میں انتقال ہو گیا تو ہارون نے فضل بن ربیع کو حساب کتاب کے دفتر کا مہتمم بنا دیا اور اب فضل بن ربیع کو کسی قدر پہلے سے زیادہ رسوخ حاصل ہو گیا۔

یحییٰ بن عبداللہ جب دیلم سے فضل بن جعفر کے ساتھ آئے تھے تو ہارون الرشید نے عہد نامہ لکھ دینے کے باوجود ان کو قید کرنا چاہا اور اس معاملہ میں اول بعض فقہاء سے فتویٰ حاصل کیا۔ یہ خبر سن کر برمکیوں نے یحییٰ بن عبداللہ کے موافق کوششیں اور خلیفہ کی خدمت میں سفارشیں کیں۔ کیونکہ وہ ابو مسلم خراسانی کے عقیدے پر قائم اور اہل بیت کے در پردہ حامی ومددگار تھے۔ ہارون نے جعفر بن یحییٰ کی نگرانی میں یحییٰ بن عبداللہ کو دے دیا اور کہہ دیا کہ تم ہی ان کو اپنے پاس نظر بند رکھو' جعفر نے یحییٰ بن

عبداللہ کو بڑی عزت و آرام سے اپنے یہاں رکھا۔

۱۸۰ھ میں جب ہارون الرشید نے علی بن عیسیٰ کو خراسان کا گورنر بنا کر بھیجا تو یحییٰ بن خالد نے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے علی کے اس تقرر کی مخالفت کی۔ یہ غالباً ہارون الرشید کا پہلا کام تھا جو اس نے یحییٰ بن خالد کی منشاء اور خواہش کے خلاف کیا۔ یحییٰ اور اس کے بیٹے اور اس کے رشتہ دار چونکہ تمام ملکوں پر چھائے ہوئے تھے لہٰذا برمکیوں نے علی بن عیسیٰ کو خراسان میں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ یحییٰ کے بیٹے موسیٰ نے اپنے میسر شدہ ذرائع کو کام میں لا کر بغاوت پر بغاوت اور سرکشی پر سرکشی کرانی شروع کر دی۔ علی بن عیسیٰ کو اتفاقاً اس کا حال معلوم ہو گیا کہ خراسان میں یہ بدامنی کس کے اشارے سے ہو رہی ہے۔ اس نے ہارون الرشید کی خدمت میں موسیٰ بن یحییٰ کی شکایت لکھ کر بھیجی۔ اس شکایت اور یحییٰ کی اس مذکورہ مخالفت نے مل کر ہارون الرشید کے دل میں ایک خیال اور شبہ پیدا کر دیا جس کا نتیجہ تھا کہ جب برمکیوں کے اہتمام خاص سے علی بن عیسیٰ کی نسبت یہ خبریں دربار خلافت میں پہنچنی شروع ہوئیں کہ علی بن عیسیٰ بغاوت پر آمادہ ہے اور خلیفہ کے خلاف تیاریاں کر رہا ہے تو ہارون الرشید نے کسی امیر یا سپہ سالار کو اس طرف نہیں بھیجا۔ بلکہ بذات خود فوج لے کر خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ اور رے میں پہنچ کر قیام کیا۔ یہ ۱۸۶ھ کا واقعہ ہے۔

ابھی تک ہارون الرشید کو محض شبہ ہی شبہ تھا اور وہ برمکیوں کی نسبت کوئی بدگمانی نہیں رکھتا تھا۔ اس کو یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ علی بن عیسیٰ کے خراسان میں رہنے کو برامکہ ناپسند کرتے ہیں۔ جب علی بن عیسیٰ نے موسیٰ بن یحییٰ اور یحییٰ بن خالد کے دوسرے بیٹوں اور رشتہ داروں کی شکایت لکھ کر بھیجی کہ یہی لوگ خراسان میں بدامنی پیدا کر رہے ہیں تو ہارون کی گہری توجہ مسئلہ خراسان کی طرف منعطف ہو گئی۔ اس نے برامکہ سے اس بات کو بالکل پوشیدہ رکھا اور برامکہ کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ خلیفہ ہماری طرف کن گہری متجسس نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے علی کی شکایتوں کی عرضیاں ہارون کے پاس بھجوائیں۔ اگر ان کو یہ بات محسوس ہو جاتی کہ ہماری طرف شبہ کی نگاہیں پڑ رہی ہیں تو وہ ہرگز شکایتی عرضیاں نہ بھجواتے اور علی بن عیسیٰ کو بغاوت سے متہم نہ کراتے۔

اب جبکہ ہارون رے میں پہنچا اور علی بن عیسیٰ نیازمندانہ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے تنہائی میں وہ تمام باتیں جو خراسان میں اس کو معلوم و محسوس ہوئی تھیں، ہارون کی خدمت میں گذارش کی اور ظاہر کیا کہ تمام ملک خراسان اور اس کے متعلقہ و ہمسایہ صوبے درحقیقت برمکیوں کی مٹھی میں ہیں اور وہ نہایت اہتمام و احتیاط کے ساتھ ابو مسلم خراسانی کے خون کا بدلہ لینے کی تیاری کر چکے ہیں۔ ان باتوں کو سن کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ہارون کے دل پہ کیا گزری ہو گی اور کس طرح

اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہوگی۔ ایک طرف برمکیوں کا اقتدار و اختیار اس کی آنکھوں کے سامنے تھا دوسری طرف اس نے یہ باتیں سنیں چنانچہ علی بن عیسیٰ کی اس نے ہمت افزائی کر کے مرو کی جانب رخصت کر دیا اور اپنے قلبی تاثرات کو احتیاط کے ساتھ پوشیدہ رکھ کر واپس ہوا۔

علی بن عیسیٰ کے رخصت ہونے کے بعد اب فضل بن ربیع کو موقعہ ملا اور اس نے یہ وحشت انگیز خبر ہارون کے گوش گزار کی کہ جعفر برمکی نے یحییٰ بن عبداللہ کو رہا کر دیا ہے اور وہ خروج کی تیاریوں کے لیے کہیں چلے گئے ہیں۔ ہارون نے جعفر سے برسبیل تذکرہ یحییٰ بن عبداللہ کا حال دریافت کیا۔ جعفر نے کہا کہ وہ میرے پاس بدستور نظر بند ہیں۔ ہارون نے کہا' کیا تم یہ بات قسمیہ کہہ سکتے ہو؟ یہ سنتے ہی جعفر حواس باختہ سا ہو گیا اور سمجھ گیا کہ راز افشاء ہو چکا ہے۔ اس نے سنبھل کر کہا کہ یحییٰ بن عبداللہ کو میرے زیر نگرانی رہتے ہوئے عرصہ دراز گزر چکا تھا اور مجھ کو ان کی طرف سے کسی قسم کے خطرہ کا اندیشہ نہ رہا تھا' اس لیے میں نے ان کے رہا کر دینے میں کوئی ہرج نہیں دیکھا۔

ہارون کے لیے یہی سب سے زیادہ نازک موقعہ تھا۔ اس وقت اگر وہ کسی ناراضی کا اظہار کرتا تو پھر برا... ہرگز ہرگز اس کے قابو میں نہیں آ سکتے تھے اور وہ فوراً اپنی حفاظت کے لیے وہ تمام سامان کام میں لے آتے جواب تک مادی اور معنوی اعتبار سے وہ فراہم کر چکے تھے۔ ہارون کے لیے برامکہ کا مقابلہ ہرگز آسان نہ تھا اور ممکن تھا کہ وہ ہارون کو سانس لینے اور اف کرنے کا بھی موقعہ نہ دیتے۔ کیونکہ خاص یحییٰ بن خالد کے بیٹوں اور پوتوں میں پچیس آدمی جو صاحب سیف و قلم تھے ہارون کے محل میں مختلف حیثیتوں اور مختلف بہانوں سے ہمہ وقت موجود رہتے تھے' تمام ملکوں کے انتظام و اہتمام کی کنجی برامکہ کے ہاتھ میں تھی۔ فوجوں کے سردار سب ان کے آوردے اور انہیں کے فرماں بردار تھے۔ انتظامی افسر اور دفتروں کے اعلیٰ عہدے دار سب انھیں کے رکھے ہوئے تھے۔ علماء و فقہاء و صوفیاء بھی ان کی گرفت سے باہر نہ تھے کیونکہ وہ ان لوگوں کی بڑی خدمت کرتے اور ان کو زیر بار احسان کرتے تھے۔ شعراء سب انھیں کے قصیدہ خوان تھے۔ تمام رعایا میں ان کی سخاوت کی شہرت تھی اور اس لیے وہ مغرب سے لے کر مشرق تک محبوب خلائق بن چکے تھے۔

یہ وہ عظیم الشان تیاریاں تھیں کہ میدان میں نکل کر ایک ہارون کیا کئی ہارون بھی شاید کامیاب نہ ہوتے۔ لیکن ہارون نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جعفر سے یحییٰ بن عبداللہ کے رہا ہونے کا حال سن کر نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ میں نے اس وقت ویسے ہی اتفاقیہ دریافت کیا تھا تم نے اس کو چھوڑ دیا بہت ہی اچھا کیا۔ میں خود اس وقت تم سے یہی کہنے والا تھا کہ یحییٰ بن عبداللہ کو رہا کر دو۔

اب ہر شخص غور کر سکتا ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ جیسے شخص کا رہا ہونا ہارون الرشید کے لیے بجلی کے

ٹوٹ پڑنے سے کم نہ تھا۔علویوں کے خروج سے عباسی اب تک مطمئن نہ ہوئے تھے اور یحییٰ بن عبداللہ کوئی معمولی شخص نہ تھا جس کے آزاد ہونے کو ہارون معمولی واقعہ سمجھتا۔ بہرحال ہارون نے اس موقعہ پر فتح حاصل کی اور اپنی دلی حالت کو چھپایا۔

اسی زمانہ میں یہ اتفاقی واقعہ پیش آیا کہ جعفر کے یہاں کسی ضیافت کے موقعہ پر اکثر اراکین سلطنت اور ایرانی النسل سردار موجود تھے' اسی جلسہ میں کسی شخص نے کہا کہ ابومسلم نے کیسی قابلیت سے سلطنت کو ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کر دیا۔ جعفر نے یہ سن کر کہا کہ یہ کوئی زیادہ قابل تعریف کام نہ تھا۔ کیونکہ چھ لاکھ آدمیوں کا خون بہا کر ابومسلم نے یہ کام انجام دیا' قابلیت اور خوبی کی بات تو یہ ہے کہ سلطنت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں تبدیل ہو جائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

اس جلسہ میں کوئی ایسا شخص بھی موجود تھا' جس نے یہ تمام گفتگو ہارون الرشید کو سنائی اور اس کو یقین ہو گیا کہ جعفر برمکی خود ایسا کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد اس نے برامکہ کو غافل کرنے کے لیے اپنے بیٹے کی ولی عہدی اور تینوں بیٹوں کے درمیان ملکوں کے تقسیم کرنے کی دستاویز مرتب کرنے کا کام شروع کر دیا۔ یہ اس قسم کے کام تھے کہ کوئی خلیفہ اتنی بڑی سازش سے مطلع ہو کر ان کاموں کو ہرگز شروع نہیں کر سکتا تھا۔ یہی ہارون کا سب سے بڑا دھوکہ تھا جو اس نے برامکہ کو دیا۔ ان سب باتوں میں وہ زیادہ وقت بھی صرف نہیں کر سکتا تھا اور تادیر برامکہ کو غافل بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ ۱۸۶ھ کے آخری مہینوں میں وہ رے سے واپس ہوا۔ موتمن کی ولی عہدی کی بیعت لی۔ تقسیم نامہ لکھا۔ امین اور مامون سے عہد نامے لکھا کر دستخط کرائے' حج کے لیے گیا۔ خانہ کعبہ میں اس عہد نامہ کو لٹکایا۔ لوگوں میں خیرات کی' مدینہ منورہ میں آ کر انعامات و خیرات تقسیم کر کے واپس ہوا۔ اور مقام انبار میں پہنچ کر یکا یک محرم ۱۸۷ھ کی آخری تاریخ وقت شب جس کی صبح کو یکم ماہ صفر تھی' جعفر کو قتل کر کے اس کے باپ اور بھائیوں کو قید کر لیا اور کسی کو کوئی حرکت کرنے کا مطلق موقعہ نہیں دیا۔

مقام انبار میں پہنچ کر ہارون الرشید نے ایک روز رات کے وقت اپنے حاجب مسرور کو بلوایا اور کہا کہ سرہنگوں کی ایک قابل اعتماد جماعت کو لے کر اسی وقت جعفر کے خیمہ میں جاؤ اور اس کو خیمہ کے دروازے پر طلب کر کے اس کا سر اتار لاؤ۔ مسرور اس حکم کو سن کر سہم گیا مگر ہارون نے سختی سے کہا کہ میرے اس حکم کی فوراً بلا توقف تعمیل ہونی چاہیئے۔ مسرور اسی وقت رخصت ہوا اور جعفر کے خیمہ میں جا کر اس کا سر اتار لایا۔ اسی شب میں خلیفہ ہارون نے جعفر کے بھائی اور باپ فضل و یحییٰ کو بھی قید کر دیا

اور فوراً ایک حکم عام جاری کیا کہ جعفر و فضل و یحییٰ کی تمام جائیداد جہاں کہیں ہو ضبط کر لی جائے۔ اس کے بعد برامکہ خاندان کے ہر ایک متنفس کو گرفتار و قید کر لیا گیا۔ برمکیوں کے تمام آوردوں کو ولایتوں کی حکومت و ذمہ داری کے عہدوں سے الگ کر دیا گیا۔ اس طرح ہارون الرشید نے ایک ہی رات میں برمکیوں کے خطرہ کو مٹا کر اطمینان حاصل کر لیا۔ اور اس کام کو اس خوبی اور اہتمام کے ساتھ کیا کہ کسی کو بھی کان ہلانے کا موقعہ نہ ملا۔

یحییٰ بن خالد کے بھائی محمد بن خالد برمکی کی وفاداری پر ہارون الرشید کو اعتماد تھا اور ممکن ہے کہ محمد بن خالد ہی نے بعض راز کی باتوں سے ہارون الرشید کو آگاہ کیا ہو۔ اس لیے ہارون الرشید نے محمد بن خالد کو گرفتار و قید نہیں کیا۔ ادھر ہارون الرشید کے خاندان کا ایک معزز رکن عبدالملک بن صالح بن علی بن عبداللہ بن عباس جو رشتہ میں ہارون الرشید کا دادا ہوتا تھا' برمکیوں کی سازش میں شریک تھا' جس کو خلافت کی توقع دلائی گئی تھی' برمکیوں کو قید کرنے کے بعد ہارون الرشید نے عبدالملک بن صالح کو بھی قید کر دیا۔ عبدالملک بن صالح کے بیٹے عبدالرحمٰن نے اپنے باپ کے خلاف گواہی دی تھی۔ عبدالملک مامون الرشید کے زمانے تک قید رہا۔ مامون نے اپنے عہد حکومت میں اس کو قید سے آزاد کر دیا' ابراہیم بن عثمان بن نہیک بھی برمکیوں کا شریک تھا لہٰذا اس کو بھی قتل کیا گیا۔ یحییٰ برمکی نے ۱۹۰ھ میں اور فضل برمکی نے ۱۹۳ھ میں بحالت قید وفات پائی۔

برامکہ چونکہ لوگوں کو روپیہ بے دریغ دیتے تھے اور شعراء کی خوب قدردانی کرتے تھے لہٰذا ان کی بربادی کے بعد عام لوگوں کو جو اصلیت سے ناواقف تھے ملال ہوا اور انھوں نے ہارون الرشید کو ظالم قرار دیا۔ شعراء نے ان کے مرثیے لکھے۔ قصہ گویوں نے ان کی سخاوت اور خوبیوں کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا۔ ہارون الرشید نے برامکہ کی سازش کے حالات کو افشاء نہیں ہونے دیا اور نہایت سختی کے ساتھ احکام جاری کیے کہ کوئی شخص برامکہ کا نام تک نہ لے۔ لہٰذا خود ہارون الرشید کے زمانے میں بھی عام لوگ برامکہ کے صحیح اسباب کو معلوم نہ کر سکے۔ اگر برامکہ کی غداری اور سازش کا حال عوام کو معلوم ہو جاتا تو اس میں ہارون اور سلطنت عباسیہ کی ہوا خیزی ہونے کے علاوہ فورانئی سازشوں کے پیدا اور سر سبز ہونے کا قوی احتمال تھا۔ ہارون الرشید کی یہ بھی کمال دوراندیشی تھی کہ اس نے برامکہ کے متعلق کوئی بیان شائع نہیں کیا۔ اس طرح ہارون کی ہیبت دلوں پر طاری اور لوگوں کی بدستور حیرت جاری رہی اور یہی سلطنت عباسیہ کے لیے مناسب بھی تھا۔ اگر برامکہ کی بربادی کے متعلق عام طور پر رائے زنی کا موقعہ دے دیا جاتا تو ظاہر ہے کہ برامکہ کے ہواخواہوں اور مداحوں کی تعداد ہر جگہ عوام میں زیادہ تھی' ان لوگوں کی زبانیں کھل جاتیں تو کرۂ ہوائی یقیناً سلطنت عباسیہ کے خلاف پیدا ہو جاتا۔

اس موقعہ پر بجز اس تدبیر کے جو ہارون الرشید نے استعمال کی اور کوئی تدبیر مفید نہیں ہو سکتی تھی۔

برامکہ چونکہ محبت اہل بیت اور خیر خواہ آل ابی طالب ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لہٰذا ان کے قتل وتباہی کو آل ابی طالب نے اپنا نقصان وزیان محسوس کیا اور آج تک بھی شیعان علیؓ اور شیعان حسینؓ برامکہ کے قتل وتباہی پر نوحہ زنی کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں اور ان کی علم دوستی وعالم پروری بڑے مبالغے اور رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کی جاتی ہے حالانکہ اس مجوسی النسل خاندان نے دین اسلام اور ملت اسلامیہ کی کوئی غیر معمولی اور اہم خدمت انجام نہیں دی۔ ان کے قتل وبربادی کے اسباب بالکل عیاں اور روشن ہیں جس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اپنی سلطنت کے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے ہارون الرشید نے برمکیوں کو تباہ کر دیا۔ جس طرح ہر ایک بادشاہ اپنی بادشاہت کے بچانے کے لیے دشمنوں کو برباد کر دیا کرتا ہے۔ اس نے جہاں برامکہ کو قید کیا' اپنے دادا کو بھی قید کر دیا' کیونکہ اس کا جرم بھی اسی قسم کا تھا۔ ایسی صاف بات میں دور از کار اور بے سروپا باتوں کو شامل کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

عہد ہارون کے بقیہ حالات

عہد ہارون الرشید کے حالات اور قابل تذکرہ واقعات بیان کرتے ہوئے ہم ۱۸۷ھ تک پہنچ گئے ہیں۔ واقعہ برامکہ کے بعد ۱۸۷ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے موتمن کو صوبہ عوام کی طرف روانہ کیا۔ موتمن نے بلاد روم پر فوج کشی شروع کی اور عباس بن جعفر بن اشعث کو قلعہ سنان کے محاصرہ کے لیے روانہ کیا۔ رومی تاب مقاومت نہ لا سکے اور تین سو بیس مسلمان قیدیوں کو واپس دے کر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ انھیں ایام میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رومیوں نے ملکہ ایرینی اپنی قیصرہ کو معزول کر کے اس کی جگہ نیسی فورس یا نقفور نامی ایک سردار کو اپنا قیصر بنا لیا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ رومیوں نے شارلیمین بادشاہ فرانس کی فتوحات اطالیہ سے متاثر ہو کر ہارون الرشید سے دب کر صلح کر لی تھی اب نقفور نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شارلیمین سے صلح کی اور اس طرف سے اپنے حدود سلطنت متعین کرا کر اور مطمئن ہو کر ہارون الرشید کو ایک خط لکھا کہ:۔

''ملکہ نے اپنی فطری کمزوری کے سبب دب کر تم سے صلح کر لی تھی اور تم کو خراج بھی دیتی رہی' لیکن یہ اس کی نادانی تھی' اب تم کو چاہیئے کہ جس قدر خراج تم ہماری سلطنت سے وصول کر چکے ہو وہ سب واپس کر دو اور جرمانہ میں ہم کو خراج دینا منظور کرو' ورنہ پھر تلوار کے ذریعہ تم کو سزا دی جائے گی۔''

یہ خط جب ہارون الرشید کے پاس پہنچا تو اس کے چہرے سے اس قدر طیش و غضب کے آثار نمایاں ہوئے کہ امراء و وزراء اس کے سامنے دربار میں بیٹھنے کی تاب نہ لا سکے اور خاموشی و آہستگی کے ساتھ دربار سے کھسک آئے۔ ہارون نے اسی وقت قلم و دوات لے کر اس خط کی پشت پر لکھا کہ:۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم از جانب امیر المومنین ہارون الرشید بنام سگ روم۔ او کافر کے بچے میں نے تیرا خط پڑھا۔ اس کا جواب تو آنکھوں سے دیکھے گا سننے کی ضرورت نہیں فقط''

یہ جواب لکھ کر خط واپس بھیج دیا اور اسی روز لشکر لے کر بغداد سے بلاد روم کی طرف روانہ ہو گیا اور جاتے ہی رومیوں کے دارالسلطنت ہرقلہ کا محاصرہ کر لیا۔ نقفور حیران و پریشان ہو گیا اور تاب مقاومت نہ لا کر ہارون الرشید کی خدمت میں عفو تقصیرات کا خواہاں ہوا اور جزیہ دینے کا اقرار کیا۔ ہارون نقفور کو مغلوب و ذلیل کر کے پہلے سے زیادہ جزیہ ادا کرنے کا اقرار لے کر واپس ہوا۔ ابھی شہر رقہ تک ہی واپس آیا تھا کہ نقفور نے نقض عہد کیا اور پھر بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ اس کو یقین تھا کہ موسم سرما کی شدت کے سبب مسلمانوں کی فوجیں فوراً حملہ آور نہیں ہو سکتیں۔ مگر ہارون الرشید یہ سنتے ہی شہر رقہ سے پھر ہرقلہ کی جانب روانہ ہوا اور بلاد روم میں داخل ہو کر بہت سے قلعوں کو فتح کر کے مسمار کر دیا اور فتح کرتا ہوا نقفور تک پہنچ گیا۔ اس نے پھر عاجزانہ معافی کی درخواست پیش کی۔ ہارون الرشید نے اس سے جزیہ کی رقم تمام و کمال وصول کی اور اکثر حصہ ملک پر اپنا قبضہ جما کر واپس ہوا۔

اسی سال یعنی ۱۸۷ھ میں سیدنا ابراہیم ادھم نے وفات پائی۔

۱۸۸ھ میں قیصر نقفور نے پھر سرکشی کے علامات ظاہر کئے۔ لہٰذا ابراہیم بن جبرئیل نے حدود صفصاف سے بلاد روم پر حملہ کیا۔ قیصر روم خود مقابلہ کے لیے نکلا لیکن تاب مقابلہ نہ لا سکا شکست فاش کھا کر اور چالیس ہزار رومیوں کو قتل کرا کر فرار ہو گیا۔ اسلامی لشکر رومیوں کو شکست دے کر واپس چلا آیا۔

۱۸۹ھ میں خلیفہ ہارون الرشید رے کی طرف گیا اور خراسان کی طرف کے صوبوں کا عمال کے عزل و نصب سے جدید انتظام کیا۔ مرزبان دیلم کے پاس امان نامہ بھیج کر اس کی دل جوئی کی۔ سرحدوں کے رؤساء اور فرمانروا اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی فرماں برداری کا یقین دلایا۔ طبرستان، رے، قومس، ہمدان وغیرہ کی حکومت عبدالملک بن مالک کو مرحمت کی۔ اسی سال رومیوں اور مسلمانوں میں قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔ اسی سال امام محمد بن حسن شیبانی شاگرد امام ابوحنیفہ نے رے کے قریب موضع زنبویہ میں وفات پائی۔ اسی روز کسائی نحوی بھی فوت ہوا۔ یہ دونوں ہارون الرشید کے ہمراہ تھے۔ ہارون الرشید دونوں کے جنازہ میں شریک تھا۔ جب قبرستان سے واپس آئے تو ہارون

الرشید نے کہا کہ: ''آج ہم فقہ اور نحو دونوں کو دفن کر آئے۔''

۱۹۰ھ میں ہارون الرشید نے اپنے بیٹے مامون کو اپنا نائب بنا کر رقہ میں مقیم کیا اور تمام انتظام سلطنت اس کے سپرد کر کے نقفور قیصر روم کی بدعہدی کی وجہ سے بلاد روم پر ایک لاکھ ۳۵ ہزار فوج سے حملہ کیا' ہرقلہ کا محاصرہ کیا۔ اور تیس یوم کے محاصرہ کے بعد بزور تیغ فتح کر لیا اور رومیوں کو قتل و گرفتار کیا۔ پھر داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ کو ستر ہزار فوج کے ساتھ بلاد روم کے دوسرے قلعوں کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس فوج نے تمام بلاد روم کو ہلا ڈالا۔ انھیں دونوں شرجیل بن معن بن زائدہ نے قلعہ سقالیہ' دلبہ اور دوسرے قلعوں کو فتح کیا۔ یزید بن مخلد نے قونیہ کو فتح کیا۔ عبداللہ بن مالک نے قلعہ ذی الکلاع کو فتح کر لیا۔ حمید بن معیوف امیر البحر نے سواحل شام و مصر کی کشتیوں کو درست کر کے جزیرۂ قبرص پر چڑھائی کر دی اور اہل قبرص کو شکست دے کر تمام جزیرہ کو لوٹ لیا اور سترہ ہزار آدمیوں کو گرفتار کر لایا۔ اس کے بعد ہارون نے طوانہ کا محاصرہ کیا۔ غرض رومی سلطنت کو مسلمانوں نے تہ و بالا کر کے اس کے مٹا ڈالنے اور روز کے جھگڑوں کو ایک ہی مرتبہ طے کر دینے کا تہیہ کر لیا۔

نقفور نے سخت عاجز اور مجبور ہو کر جزیہ دینا قبول کر کے ہارون الرشید کے پاس پچاس ہزار اشرفی رقم جزیہ روانہ کی۔ جس میں اپنی ذات کا جزیہ چار دینار اور اپنے لڑکے اور بطریق کی طرف سے دو دینار روانہ کئے تھے اور خلیفہ ہارون کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ قیدیان ہرقلہ میں سے فلاں عورت مجھ کو واپس مرحمت فرما دی جائے کیونکہ اس سے میرے بیٹے کی منگنی ہو گئی ہے۔ خلیفہ نے اس درخواست کو منظور کر لیا اور اس عورت کو روانہ کر دیا۔ نقفور کی الحاح و عاجزی پر رحم کر کے اس کا ملک اسی کو واپس کر کے تین لاکھ اشرفی سالانہ خراج اس پر مقرر کر کے ہارون واپس ہوا۔ مگر واپسی کے بعد ہی رومیوں نے پھر بغاوت و سرکشی اختیار کر لی۔

اسی سال یعنی ۱۹۰ھ میں موصل کی گورنری پر خالد بن یزید بن حاتم کو مامور کیا گیا۔ اسی سال ہرثمہ بن اعین قلعہ طرطوس کی تعمیر پر مامور کیا گیا۔ خراسان کی تین ہزار فوج اور مصیصہ و انطاکیہ کی ایک ہزار فوج قلعہ طرطوس کی تعمیر میں مصروف رہی اور ۱۹۲ھ میں قلعہ کی تعمیر تکمیل کو پہنچی۔ اسی قسم کی فوج کو آج کل سفر مینا کی پلٹن کہا جاتا ہے۔ اسی سال آذر بائیجان میں خرمیہ نے علم بغاوت بلند کیا۔ اس کی سرکوبی کے لیے عبداللہ بن مالک دس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ عبداللہ نے باغیوں کو شکست فاش دے کر قیدیوں کو قتل کر ڈالا اور اس فتنہ کا سد باب ہوا۔ اسی سال یعنی ۳ محرم ۱۹۰ھ کو یحییٰ برمکی نے ستر برس کی عمر میں بمقام رقہ بہ حالت قید وفات پائی۔ اس کے بیٹے فضل بن یحییٰ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

۱۹۱ھ میں محمد بن فضل بن سلیمان کو خلیفہ ہارون الرشید نے موصل کی گورنری مرحمت فرمائی اور مکہ معظمہ کی امارت پر فضل بن عباس کو مامور کیا گیا۔

خراسان میں بغاوت

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ علی بن عیسیٰ کے گورنر خراسان مقرر ہونے پر برامکہ نے وہب بن عبداللہ اور حمزہ بن اترک کو بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ وہب تو مارا گیا تھا لیکن حمزہ باقی تھا۔ وہ ابھی تک ہاتھ نہیں آیا تھا اور جا بجا ڈاکہ زنی کرتا پھرتا تھا۔ علی بن عیسیٰ امیر خراسان نے سمرقند و ماوراء النہر کی ولایت پر اپنی طرف سے یحییٰ بن اشعث کو عامل مقرر کر رکھا تھا۔ ماوراء النہر کی فوج میں رافع بن لیث بن نصر بن سیار مشہور سردار تھا۔ رافع بن لیث بھی برامکہ کی جماعت کا آدمی تھا اور علی بن عیسیٰ خلیفہ ہارون سے متنفر تھا۔ اتفاقاً یحییٰ بن اشعث نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ چند روز کے بعد رافع بن لیث نے اس عورت کو بہکایا' اس نے یحییٰ سے علیحدگی چاہی مگر یحییٰ نے اس کو طلاق نہ دی۔ رافع نے اس کو یہ تدبیر بتائی کہ تو اپنے مرتد ہونے کا اعلان کر اور دو گواہ مرتد ہونے کے پیش کر دے' فوراً یحییٰ سے تیرا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اس کے بعد پھر اسلام قبول کر لینا' میں تجھ سے نکاح کر لوں گا۔ عورت نے یہی تدبیر کی اور رافع کے نکاح میں آ گئی۔ غالباً نکاح فسخ کرانے کی یہ تدبیر سب سے پہلے رافع نے ایجاد کی تھی۔

یحییٰ بن اشعث نے یہ تمام کیفیت خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں لکھ کر بھیج دی' ہارون الرشید نے علی بن عیسیٰ گورنر خراسان کو لکھا کہ رافع اور اس عورت میں علیحدگی کرا کر رافع پر حد شرعی جاری کرو اور شہر سمرقند میں گدھے پر سوار کرا کر تشہیر کراؤ۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں رافع کو اس عورت سے جدا کرا کر سمرقند کے جیل خانہ میں قید کر دیا گیا۔ ایک روز موقع پا کر رافع قید خانہ سے نکل بھاگا اور گورنر خراسان علی بن عیسیٰ کے پاس بلخ میں پہنچا۔ علی بن عیسیٰ نے اس کو قتل کرنا چاہا مگر علی کے بیٹے عیسیٰ بن علی نے سفارش کی اور علی بن عیسیٰ نے اس کو حکم دیا کہ تم سمرقند میں یحییٰ بن اشعث کے پاس جاؤ۔ رافع نے سمرقند پہنچ کر عامل سمرقند کو دھوکہ سے قتل کر دیا اور خود سمرقند پر قابض ہو گیا۔

یہ خبر سن کر علی بن عیسیٰ نے اپنے بیٹے عیسیٰ بن علی کو سمرقند کی طرف روانہ کیا۔ رافع سے لڑتا ہوا عیسیٰ بن علی لڑائی میں مارا گیا۔ یہ خبر سن کر علی بن عیسیٰ لشکر لے کر بلخ سے مرو کی طرف اس خیال سے آیا کہ کہیں رافع مرو پر قبضہ نہ کر لے۔ یہ ۱۹۱ھ کا واقعہ ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے رافع کی چیرہ دستی کا حال سن کر علی بن عیسیٰ کو خراسان کی حکومت سے معزول کر کے ہرثمہ بن اعین کو خراسان کی امارت و حکومت پر روانہ کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ رافع کے ساتھ لشکر خراسان کے تمام بڑے بڑے سردار اور برامکہ

کی جماعت کے آدمی شامل ہو گئے تھے۔ ہرثمہ بن اعین نے سمرقند پہنچ کر رافع بن لیث کو محصور کر لیا۔ رافع نے سمرقند میں محصور ہو کر مدافعت شروع کی' یہ محاصرہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔

ہارون الرشید کی وفات

رومیوں کی سرکوبی سے فارغ ہو کر اور نقفور کو مغلوب و ذلیل کر کے اور اس سے جزیہ کی رقم وصول کرنے کے بعد خلیفہ ہارون الرشید رقہ میں واپس آیا۔ یہاں آ کر اس کو رافع بن لیث کی چیرہ دستی اور بعض امرائے خراسان کی سرکشی کا حال معلوم ہوا۔ اس نے خود خراسان کا قصد کیا اور لشکر فراہم کر کے ماہ شعبان ۱۹۲ھ میں رقہ سے بغداد پھر بغداد سے خراسان کی جانب روانہ ہوا۔ ہارون نے روانگی کے وقت رقہ میں موتمن کو نائب السلطنت بنا کر خزیمہ بن خازم کو اس کے پاس چھوڑا۔ بغداد میں اپنے بیٹے امین کو اپنا قائم مقام بنا کر مامون کو بھی بغداد میں امین کے پاس رہنے کا حکم دیا۔ مامون کے کاتب فضل بن سہیل نے مامون سے کہا کہ آپ کا دارالخلافہ بغداد میں امین کے پاس رہنا مناسب نہیں ہے۔ آپ خلیفہ کے ہمراہ چلنے کی کوشش کریں۔ مامون نے خلیفہ ہارون الرشید سے ہم سفر و ہم رکاب رہنے کی التجا کی اور خلیفہ نے اس خواہش کو منظور کر لیا' ہارون الرشید بغداد سے روانہ ہونے کو تھا کہ رقہ میں فضل بن یحییٰ برمکی محرم ۱۹۳ھ کو بحالت قید فوت ہوا۔

بغداد سے روانہ ہو کر ماہ صفر ۱۹۳ھ میں خلیفہ جرجان میں پہنچا' جرجان میں پہنچ کر خلیفہ کی بیماری نے خطرناک صورت اختیار کی۔ اور ہارون جس زمانہ میں بلاد روم کے اندر مصروف قلعہ شکنی تھا' اسی زمانہ میں بیمار ہو گیا تھا' رقہ میں بیمار ہی پہنچا تھا۔ وہاں سے بغداد آیا تب بھی علیل تھا اور اسی حالت علالت میں خراسان کی طرف فوج لے کر روانہ ہوا تھا۔ خلیفہ نے جرجان میں تمام سرداران لشکر کے رو برو یہ اعلان کیا کہ میرے ساتھ اس وقت جس قدر فوج اور سامان ہے یہ سب ملک خراسان اور مامون سے متعلق رہے گا۔ اس تمام لشکر اور تمام سامان کا مالک مامون ہے اور یہ تمام سردار سپہ سالار بھی مامون ہی کے تابع فرمان رہیں گے۔ اس طرح مامون کا اطمینان کر کے جرجان سے مامون کو مرو کی طرف بھیج دیا اور اس کے ساتھ عبداللہ بن مالک' یحییٰ بن معاذ' اسد بن خزیمہ' عباس بن جعفر بن محمد بن اشعث اور نعیم بن حازم وغیرہ سرداروں کو بھیجا۔ مامون کو مرو کی جانب روانہ کرنے کے بعد خود جرجان سے روانہ ہو کر طوس چلا گیا۔ اس وقت اس کے ساتھ فضل بن ربیع۔ اسماعیل بن صبیح۔ مسرور حاجب' حسین۔ جبریل بن بختیشوع وغیرہ موجود تھے۔

طوس پہنچ کر علالت نے یہاں تک ترقی کی کہ ہارون الرشید صاحب فراش ہو گیا۔ ہرثمہ بن

امین اور رافع بن لیث کے مقابلہ کا حال اوپر پڑھ چکے ہو۔ ہرثمہ نے ابھی تک رافع کو مغلوب نہیں کیا تھا۔ لیکن بخارا فتح ہو کر رافع کا بھائی بشیر بن لیث گرفتار ہو چکا تھا۔ ہرثمہ نے بشیر کو خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب ہارون الرشید طوس میں بستر علالت پر پڑا تھا اس وقت بشیر اس کے پاس پہنچ کر حاضر کیا گیا۔ ہارون نے اس کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کو بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کیا گیا۔ بشیر کے قتل کرنے کا حکم دے کر ہارون بے ہوش ہو گیا۔ جب اس کو ہوش آیا تو جس مکان میں ٹھہرا ہوا تھا اسی مکان کے ایک گوشہ میں قبر کھودنے کا حکم دیا۔ جب قبر کھد گئی تو چند حافظوں نے قبر میں اتر کر ختم قرآن کیا۔[1] ہارون نے اپنی چارپائی قبر کے کنارے بچھوالی اور چارپائی پر پڑے پڑے قبر کو دیکھتا رہا۔ اسی حالت میں ۳۔ جمادی الثانی ۱۹۳ھ مطابق ۲۴ مارچ ۸۰۸ء بہ وقت شب انتقال کیا۔ اس کے بیٹے صالح نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ۲۳ سال ڈھائی مہینے ہارون الرشید نے خلافت کی۔ طوس میں اس کی قبر موجود ہے۔

ہارون الرشید کا نکاح زبیدہ بنت جعفر بن منصور سے ہوا تھا۔ زبیدہ کی کنیت ام جعفر تھی۔ محمد امین اسی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ علی۔ عبداللہ۔ مامون۔ قاسم۔ موتمن۔ محمد معتصم۔ صالح۔ محمد ابوموسیٰ۔ محمد ابویعقوب۔ ابوالعباس۔ ابوسلیمان۔ ابوعلی۔ ابواحمد یہ سب بیٹے امہات اولاد۔۔۔۔ سے پیدا ہوئے تھے۔ ہارون الرشید کے ان لڑکوں میں امین، مامون، موتمن، معتصم چار زیادہ مشہور ہیں۔ معتصم پڑھا لکھا نہ تھا۔ اسی لیے ولی عہدی کے قابل اس کو ہارون نہیں سمجھا۔ مگر وہ خلیفہ ہوا۔ اور اسی کی اولاد سے بہت سے خلیفہ عباسی ہوئے اور اسی سے ہارون الرشید کی نسل چلی۔ ہارون الرشید نے مرتے وقت جس طرح بہت سے بیٹے چھوڑے اسی طرح بیٹیاں بھی بہت سی تھیں جو سب کنیزوں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں۔

ہارون الرشید کے خاندان عباسیہ میں آفتاب خاندان سمجھنا چاہیئے۔ اس کے زمانے میں خلافت عباسیہ نہایت مضبوط ہو کر اپنی معراج کمال کو پہنچ گئی تھی۔ ہارون الرشید کے عہد خلافت میں آل ابی طالب اور دوسرے سازشی گروہوں کی ہمتیں پست ہو چکی تھیں۔ اس کو علم و فضل کا بے حد شوق اور پابندی مذہب کا بہت خیال تھا۔ زندیقوں کے فتنہ کا اس کے عہد میں بکلی استیصال ہو چکا تھا۔ روم و

---

[1] سنداً یہ واقعہ کس پایہ کا ہے؟ یہ تحقیق طلب ہے۔ اگر صحیح بھی ہو تو یہ واقعہ ہمارے لیے حجت نہیں۔ جو امر قرآن وسنت کے خلاف ہو اس کا غلط ہونا بالکل ظاہر ہے۔ قرآن خوانی اور ختم قرآن کے نام سے ہمارے معاشرہ میں جو رسم یا رسوم کا سلسلہ جاری ہے یہ صریحاً بدعت کے زمرہ میں آتا ہے۔ کیوں کہ قرآن وسنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

یونان کی عظیم الشان عیسائی سلطنتیں اس کی خراج گزار تھیں۔ ہارون الرشید نے مرتے وقت خزانے میں نوے کروڑ دینار چھوڑے تھے۔ اندلس و مراقش کے علاوہ وہ تمام عالم اسلام کا فرمانروا تھا۔

منصور ہی کے زمانے سے تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو چکا تھا۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں یہودی اور عیسائی علماء کی بھی قدر دانی دربار بغداد میں ہوتی تھی۔ عیسائیوں کو ہارون نے فوجی سرداریاں بھی عطا کیں اور اپنی مصاحبت میں بھی جگہ دی۔ اس کے زمانے میں ہندوستان کے علماء بھی گورنر سندھ کی معرفت اور براہ راست خود بھی بغداد میں پہنچے اور وہاں ان کی قدر و منزلت بڑھائی گئی۔ عبرانی زبان کی کتابوں کے ترجمے ہوئے' مختلف علوم و فنون کی تدوین کا سلسلہ جاری ہوا۔ بغداد میں راحت و آسائش اور دولت و اطمینان لوگوں کو خوب حاصل تھا۔ اس لیے شاعری اور موسیقی کے چرچے بھی بغداد میں پائے جاتے تھے۔ قصہ گویوں نے ہارون الرشید کے متعلق بعض فرضی کہانیاں تصنیف کیں اور وہ کہانیاں دنیا میں مشہور ہو گئیں' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خلیفہ کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ ہارون الرشید بہادر اور سپاہی منش انسان تھا۔ وہ بڑی خوش دلی اور مسرت کے ساتھ گھوڑے کی زین پر مہینے اور برس صرف کر دیتا تھا۔ لیکن جب صوفیوں کی مجلس میں بیٹھتا تو ایک تارک الدنیا صوفی و درویش نظر آتا تھا۔ جب فقہاء کی مجلس میں ہوتا تھا تو وہ اعلیٰ درجہ کا فقیہہ۔ اور جب محدثین کی صحبت میں ہوتا تھا تو اعلیٰ درجہ کا محدث ثابت ہوتا تھا۔ صرف زندیقوں یعنی لامذہبوں کا وہ ضرور دشمن تھا۔ باقی غیر مذہب والوں کے ساتھ اس کا برتاؤ مدارات و مروت کا تھا۔ حج' جہاد اور خیرات تین چیزوں کا اس کو بہت شوق تھا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا رقیق القلب بھی تھا۔ جب کوئی شخص اس کو نصیحت کرتا اور دوزخ سے ڈراتا تو وہ زار و قطار رونے لگتا تھا۔

ایک روز ابن سماک ہارون کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہارون کو پیاس لگی۔ اس نے پانی طلب کیا۔ پانی آیا اور ہارون نے پینا چاہا تو ابن سماک نے کہا کہ امیر المومنین ذرا ٹھہر جائیے' ہارون الرشید نے کہا: فرمائیے؟ ابن سماک نے کہا کہ اگر شدت پیاس میں پانی آپ کو نہ ملے' تو ایک پیالہ پانی آپ کتنے تک خرید لیں گے۔ ہارون الرشید نے کہا: نصف سلطنت دے کر مول لے لوں گا۔ ابن سماک نے کہا کہ اب آپ پی لیجئے۔ جب ہارون الرشید پانی پی چکا تو ابن سماک نے کہا کہ امیر المومنین اگر یہ پانی آپ کے پیٹ میں رہ جائے اور نہ نکلے تو اس کے نکلوانے میں آپ کہاں تک خرچ کر سکتے ہیں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ ضرورت پڑے تو میں نصف سلطنت دے ڈالوں گا۔ ابن سماک نے کہا کہ بس آپ سمجھ لیجئے کہ آپ کا تمام ملک ایک پیالہ پانی اور پیشاب کی قیمت رکھتا ہے۔ آپ کو اس پر زیادہ غرور نہ ہونا چاہیئے۔ ہارون الرشید یہ سن کر رو پڑا اور بہت دیر تک روتا رہا۔

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے ایک بزرگ سے کہا کہ آپ مجھے نصیحت کیجئے۔انھوں نے کہا کہ اگر آپ کا کوئی مصاحب ایسا ہو جو خوف دلاتا رہے اور اس کا نتیجہ بہتر ہو تو وہ اس مصاحب سے اچھا ہے جو آپ کو خوف سے آزاد کردے مگر نتیجہ اس کا برا ہو۔ ہارون الرشید نے کہا۔ ذرا کھول کر بیان فرمایئے تاکہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔انھوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ قیامت کے دن رعیت کے متعلق سوال ہونے والا ہے آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیے تو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو یہ کہے کہ آپ اہل بیت نبوی سے ہیں اور بوجہ قرابت نبوی ﷺ آپ کے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں۔'' یہ سن کر ہارون الرشید ایسا رویا کہ پاس بیٹھنے والوں کو اس پر رحم آنے لگا۔''

قاضی فاضلی کہتے ہیں کہ دو بادشاہوں کے سوا کوئی ایسا نہیں ہوا جس نے طلب علم میں سفر کیا ہو۔ایک تو ہارون الرشید کہ اس نے اپنے بیٹوں امین و مامون کو ہمراہ لے کر موطا امام مالک کی سماعت کے لیے سفر کیا۔ چنانچہ جس نسخہ میں اس نے پڑھا تھا وہ شاہان مصر کے پاس موجود تھا۔دوسرا سلطان صلاح الدین ایوبی جو موطا امام مالک کے سننے کی غرض سے اسکندریہ گیا تھا۔

ہارون الرشید چوگان کھیلتا اور تیر و کمان سے نشانہ بازی کرتا تھا۔ہارون الرشید کی عمر وفات کے وقت ۴۵ سال کے قریب تھی۔اس کے علاج میں حکیم جبرئیل بن بختیشوع سے غلطی ہوئی' اس لیے مرض ترقی کر کے اس کی وفات کا باعث ہوا۔یہ حکیم ہارون الرشید کے ہمراہیوں میں اس کے بیٹے امین کا طرف دار تھا اور اس کا حاجب مسرور مامون کا ہوا خواہ تھا' جب کہ ہارون الرشید سفر ہی میں تھا اور اس کی علالت ترقی کر رہی تھی تو بغداد سے اس کے بیٹے امین نے بکر بن المعتمر کی معرفت بعض خطوط ہارون الرشید کے ہمراہیوں کے نام لکھ کر بھیجے تھے جن میں ہارون الرشید کی فوت شدہ تصور کر کے اپنی بیعت کے لیے لکھا تھا۔ایک خط امین نے اپنے بھائی صالح کے نام لکھا تھا کہ لشکر و اسباب اور خزانہ لے کر فضل بن ربیع کے مشورے سے فوراً میرے پاس چلے آؤ۔اسی مضمون کے خطوط اس نے ہارون الرشید کے دوسرے ہمراہیوں کو بھی لکھے تھے۔اسی مضمون کا ایک خط فضل بن ربیع کے نام تھا۔انھیں خطوط میں اس نے تمام سرداروں کو ان کے عہدوں پر قائم رکھنے کے لیے بھی وعدہ کیا تھا۔

بکر بن العمر کے آنے کی اطلاع ہارون کو اتفاقاً ہوگئی۔اس نے بکر کو اپنے سامنے بلایا اور آنے کا سبب دریافت کیا۔اس نے کوئی معقول جواب نہ دیا تو ہارون نے اس کو قید کر دیا۔اس واقعہ کے بعد ہی ہارون الرشید کا انتقال ہوگیا۔فضل بن ربیع نے بکر کو جیل خانے سے نکلوایا۔اس نے امین کے وہ خطوط دیئے' ان خطوط کو پڑھ کر سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا۔چونکہ سب اپنے وطن بغداد کی طرف جانے کے آرزومند تھے' فضل بن ربیع سب کو لے کر بغداد کی طرف روانہ ہوگیا۔اور ہارون

نے جو وصیت کی تھی اور مامون سے جو ان کے عہد و میثاق تھے سب فراموش کر دیئے۔

امین الرشید بن ہارون الرشید

محمد امین بن ہارون بن مہدی بن منصور عباسی زبیدہ خاتون کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ امین و مامون دونوں ہم عمر تھے۔ ہارون الرشید نے اپنے بعد امین کو تخت خلافت کا وارث مقرر کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی مامون کو خراسان وغیرہ ممالک مشرقیہ کا مستقل حاکم بنا کر امین کو وصیت کی تھی کہ مامون کو خراسان کی حکومت سے معزول نہ کرے' اور مامون کو نصیحت کی تھی کہ امین کی اطاعت و سیادت سے انکار نہ کرے۔ طوس میں جب ہارون الرشید کا انتقال ہوا ہے تو مامون مرو میں تھا اور امین بغداد میں۔ صالح ہارون الرشید کے ہمراہ تھا۔ ہارون کی وفات سے اگلے دن یعنی ۴ جمادی الثانی ۱۹۳ھ کو طوس میں لشکر ہارون اور موجودہ سرداروں نے امین کی خلافت پر نیابتاً صالح کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور محکمہ ڈاک کے افسر حمویہ نے فوراً اپنے نائب کو جو بغداد میں تھا اس واقعہ کی اطلاع دی۔ چنانچہ اسی نے فوراً امین کو ہارون الرشید کے مرنے اور اس کے خلیفہ تسلیم ہونے کی خبر سنائی۔ صالح بن ہارون الرشید نے بھی اپنے بھائی امین کی خدمت میں اس واقعہ کو لکھا اور خلافت کی مبارک باد دی اور ساتھ ہی خاتم خلافت' عصا اور چادر بھیج دی۔

ان ایام میں ہارون الرشید کی بیوی اور امین کی ماں زبیدہ خاتون شہر رقہ میں اقامت گزیں تھی اور خزانہ خلافت اسی کے قبضہ میں تھا' امین نے ان خبروں اور خطوں کے آنے پر جامع مسجد میں جا کر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ خلیفہ ہارون الرشید کی وفات کا حال سنایا اور لوگوں سے بیعت لی۔ زبیدہ خاتون اس خبر کو سن کر رقہ سے بغداد کی طرف معہ خزانہ شاہی روانہ ہوئی۔ اس کے آنے کی خبر سن کر امین نے مقام انبار میں اس کا استقبال کیا اور عزت و احترام کے ساتھ بغداد میں لایا۔

مامون نے مرو میں باپ کے مرنے کی خبر سنی تو امیروں اور سپہ سالاروں کو جو وہاں موجود تھے جمع کیا اور اپنے لیے مشورہ طلب کیا کہ مجھ کو اب کیا کرنا چاہیے۔ ان امیروں اور سپہ سالاروں میں عبداللہ بن مالک۔ یحییٰ بن معاذ۔ شبیب بن حمید بن قحطبہ' علامہ حاجب' عباس بن زہیر' ایوب بن ابی سمیر۔ عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن صالح۔ فضل بن سہل قابل تذکرہ تھے۔ بغداد سے روانہ ہو کر جرجان تک مامون اور یہ تمام سردار بھی ہارون الرشید کے ہمراہ تھے۔ اس سفر میں فضل بن سہل نے سپہ سالاروں اور سرداروں کو مامون کی جانب مائل کرنے کی کوشش کی تھی اور بہت سے سرداروں نے وعدہ کیا تھا کہ ہم مامون کی طرف داری میں ضرور حصہ لیں گے۔ لیکن فضل بن ربیع امین کا طرف دار تھا۔

اب بعد وفات ہارون، فضل بن ربیع کی کوشش سے سب کے سب جو طوس میں موجود تھے امین کی بیعت کر کے بغداد کی جانب روانہ ہو گئے اور اس بات کا مطلق خیال نہ کیا کہ ہارون کی وصیت کے موافق ہم کو مامون کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اس تمام لشکر اور سامان کا مالک مامون ہے۔

یہ سردار جو مامون کے پاس تھے ہارون الرشید کی وصیت کے موافق ممالک مشرقیہ پر اس کی حکمرانی کے مؤید اور ہر طرح اسی کے ہوا خواہ تھے ان میں سے بعض نے یہ مشورہ دیا کہ فضل بن ربیع ابھی راستہ میں ہے۔ یہاں سے فوج بھیج کر اس کو مرو کی جانب واپس لایا جائے، مگر فضل بن سہل نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اگر اس طرح ان لوگوں کو واپس لایا گیا تو اندیشہ ہے کہ وہ دھوکہ دیں گے اور موجب نقصان ثابت ہوں گے۔ ہاں مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس جنھوں نے فرمانبرداری کا اقرار کر کے اعانت و ہمدردی کے وعدے کئے تھے پیغام بھیجا جائے اور ان کو ہارون الرشید کی وصیت اور ان کے وعدے یاد دلائے جائیں۔ چنانچہ دو قاصد روانہ ہوئے، وہ جب فضل وغیرہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے سب کو اپنا دشمن پایا۔ بعض نے تو علانیہ مامون کو گالیاں بھی دیں۔ یہ دونوں قاصد مشکل سے اپنی جان بچا کر واپس آئے اور حالات جو کچھ دیکھ کر آئے تھے سنائے، مامون کو یقین تھا کہ مجھ کو ممالک مشرقیہ پر قابض نہ رہنے دیا جائے گا۔ اس لیے وہ بہت فکر مند اور پریشان تھا۔

ادھر فضل بن سہل نے اس بات کا بیڑا اٹھایا کہ مامون کو خلیفہ بنا کر رہوں گا۔ مامون کے ہمراہیوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو مامون کے خلیفہ ہونے کو ناپسند کرتے مگر ممالک مشرقیہ پر اس کے قابض رہنے کے خواہاں تھے۔ لیکن فضل بن سہل اور اس کے ہم خیال لوگ امین کی خلافت کو ناپسند کرتے تھے اور مامون ہی کو خلیفہ بنانے کے خواہاں تھے۔ فضل بن سہل کا باپ سہل ایک نومسلم مجوسی تھا جو ہارون الرشید کے زمانہ میں مسلمان ہوا تھا اور ہارون ہی نے اس کے بیٹے فضل کو مامون کا کاتب مقرر کیا تھا۔ مجوسی النسل ہونے کی وجہ سے وہ مامون کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ امین کی ماں ہاشمیہ تھی، اور وہ عربوں کی حمایت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ مامون کی ماں ایرانی النسل تھی۔ اس لیے ایرانی و خراسانی لوگ مامون کے ہوا خواہ تھے۔ امین بغداد میں عربوں کے اندر موجود تھا اور مامون اپنے حامیوں یعنی ایرانیوں کے اندر مرو میں تھا۔ زبیدہ خاتون مامون سے متنفر تھی اور عربی سردار جو عباسیوں کے ہوا خواہ تھے وہ علویوں کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن خراسان میں علویوں کے حامی بکثرت موجود تھے۔ جعفر برمکی جو علویوں کا طرفدار تھا مامون کا اتالیق تھا۔ لہٰذا مامون کی قبولیت خراسان وغیرہ ممالک مشرقیہ میں زیادہ تھی۔ فضل بن ربیع وغیرہ جو برامکہ سے متنفر تھے

مامون سے بھی ناخوش تھے۔ غرض کہ مامون وامین کے دل صاف نہ تھے اور ان دونوں کے گرد ایسے سردار جمع تھے جو دو گروہوں میں منقسم تھے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کا مخالف تھا۔ لہٰذا ہارون کے مرتے ہی ان دونوں گروہوں نے امین و مامون کی پیشوائی میں ایک دوسرے کے خلاف زور آزمائی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور ایک دوسرے کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔

مامون نے اہل خراسان کی تالیف قلوب کے لیے خراسان کا چوتھائی خراج معاف کر دیا اور خراسانی سرداروں سے ترقیات وقدردانی کے بڑے بڑے وعدے کئے۔ اہل ایران خوش ہو ہو کر کہتے تھے کہ مامون الرشید ہمارا ہمشیرزادہ ہے اور وہ ضرور ہمارے مرتبہ اور اقتدار کو بڑھائے گا۔ ادھر مامون نے مرو کے علماء وفقہاء کو بلا کر کہا کہ آپ لوگ وعظ وپند کے ذریعہ لوگوں کے خیالات کی تربیت کریں اور حالات کو قابو میں رکھیں۔ ان تمام حالات کے موجود ہوتے ہوئے مامون الرشید نے سب سے بڑی عقل مندی یہ کی کہ امین الرشید کی خدمت میں مؤدبانہ عرضی لکھ کر بھیجی اور ہدایا وتحف روانہ کر کے اپنی نیازمندی وفرمانبرداری کا یقین دلانے کی کوشش کی۔

اگر خلیفہ امین الرشید کی طرف سے حزم ومآل اندیشی کے ساتھ کام لیا جاتا تو مامون الرشید ہی کی طرف سے ناجائز وناشدنی حرکات کا ظہور ہوتا اور وہی ملزم قرار پا کر اہل عالم کی نگاہوں میں مطعون وبدنام ہوتا اور شاید اس کو کامیابی بھی حاصل نہ ہوتی۔ لیکن فضل بن ربیع اور دوسرے مشیر امین کے لیے اچھے مشیر ثابت نہ ہوئے اور امین سے کسی دانائی وہوشیاری کا ظہور نہ ہوا بلکہ اس نے اپنے کاموں سے بہت جلد لوگوں کو یقین دلایا کہ وہ ہارون الرشید کے تخت کو سنبھالنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اس نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی پہلی غلطی یہ کی کہ اپنے بھائی قاسم یعنی موتمن کو جزیرہ کی حکومت سے معزول کر کے اس کے پاس صرف قنسیرین وعواصم کا صوبہ باقی رکھا اور جزیرہ کی حکومت پر اپنی طرف سے خزیمہ بن خازم کو مامور کر کے بھیج دیا۔

اسی سال یعنی اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں اس نے فضل بن ربیع کے مشورے سے اپنے بیٹے موسیٰ بن امین کو بجائے مامون کے ولی عہد بنانا چاہا اور مامون کو خود مخالفت کا موقعہ دے دیا۔ جس زمانہ میں ہارون الرشید خراسان کو جا رہا تھا تو اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ لشکر اور تمام سامان مامون الرشید کے پاس خراسان میں رہے گا اور مامون ہی اس کا مالک ہے۔ لیکن فضل بن ربیع تمام سامان اور تمام لشکر کو جو وفات ہارون کے وقت طوس میں موجود تھا' لے کر بغداد کی طرف چل دیا اور اس طرح مامون کو بہت کمزور کر گیا۔ اس لیے فضل بن ربیع کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر امین کے بعد مامون خلیفہ ہو گیا اور جلدی اس کو تخت خلافت پہنچ گیا تو وہ میرے ساتھ ضرور برا سلوک کرے گا۔ لہٰذا اس نے یہ

کوشش کی کہ مامون کو ولی عہدی سے معزول کرادیا جائے۔یہی خطرہ علی بن عیسیٰ سابق گورنرخراسان کو بھی اپنی نسبت تھا۔لہٰذا اس نے بھی فضل بن ربیع کے اس مشورہ کی تائید کی اور امین کو مامون کی معزولی پر آمادہ کردیا۔مگرخزیمہ بن خازم کے روبرو جب یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو اس نے اس رائے کی سخت مخالفت کی اور خلیفہ کو سردست اس کام سے روک دیا۔یہ خبریں مامون کے پاس بھی پہنچتی تھیں۔مگر اس نے ان کے متعلق بالکل خاموشی اختیار کی اور نتیجہ کا منتظر رہا۔

رافع اور ہرثمہ مامون کی خدمت میں

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ہرثمہ بن اعین نے سمرقند میں رافع کا محاصرہ کر رکھا تھا اور رافع بن لیث ابھی مغلوب نہ ہوا تھا کہ طوس میں ہارون الرشید کا انتقال ہوا۔رافع کا بھائی بشیر گرفتار ہو کر طوس میں ہارون کے پاس پہنچ کر اس کے حکم سے قتل ہو چکا تھا۔

ہارون کی وفات کے بعد ہرثمہ بن اعین نے بزور شمشیر سمرقند میں داخل ہو کر قبضہ کرلیا' اور وہیں قیام بھی کیا۔ ہرثمہ بن اعین کے ساتھ طاہر بن حسین بھی تھا۔رافع بن لیث نے سمرقند سے فرار ہو کر ترکوں میں جا کر پناہ لی۔اور ترکوں کا لشکر لے کر ہرثمہ کے مقابلہ کو آیا۔اس لڑائی میں بھی اس کو ہزیمت ہوئی۔اس کے بعد ترکوں اور رافع کے درمیان ناچاقی پیدا ہوئی اور اس کی حالت بہت کمزور ہو گئی۔اس نے اپنا قاصد مامون کے پاس بھیج کر امان طلب کی۔ مامون نے اس کو امان دے دی اور وہ مامون کی خدمت میں مرو چلا آیا۔ یہاں اس کی خوب آؤ بھگت کی گئی۔ ہرثمہ بھی چند روز کے بعد مامون کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مامون نے ہرثمہ کو اپنی رکابی فوج کا افسر بنالیا۔انھیں ایام میں مامون نے عباس بن عبداللہ بن مالک کو ولایت رے کی حکومت سے معزول کردیا۔

امین و مامون کی علانیہ مخالفت

امین کے پاس بغداد میں خبر پہنچی کہ مامون نے ہرثمہ کو اپنی رکابی فوج کا افسر بنالیا ہے' اور رافع کو عزت کے ساتھ مصاحبت میں داخل کرلیا ہے اور ولایت رے سے عباس بن عبداللہ کو معزول کردیا ہے۔اس خبر کو سن کر وہ بلا وجہ ناراض ہوا اور خطبہ سے مامون کا نام نکال کر اپنے بیٹے کا نام بطور ولی عہد داخل کردیا اور عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ بن جعفر اور محمد بن عیسیٰ بن نہیک کو پیام دے کر مامون کے پاس بھیجا کہ تم اس بات پر رضامند ہو جاؤ کہ میرا بیٹا موسیٰ ولی عہدی میں تم پر سابق ہے اور مجمع عام میں اس کا اعلان کردو کہ بجائے میرے موسیٰ بن امین ولی عہد ہے۔'' مامون نے اس بات کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔مگر فضل بن سہل نے اس موقعہ پر یہ فائدہ اٹھایا کہ عباس بن موسیٰ کو اپنا ہم خیال بنا کر

مخفی طور پر اس بات کے لیے آمادہ کر لیا کہ وہ بغداد میں رہ کر جاسوسی ومخبری کی خدمات انجام دے اور ضروری باتوں کی فوراً اطلاع بھجوا دیا کرے۔ امین نے مامون سے خراسان کی بعض ولایات سے دستبردار ہو جانے کی بھی فرمائش کی تھی۔ مامون نے اس سے بھی صاف انکار کر دیا تھا۔ مامون کو جب یہ معلوم ہوا کہ بغداد میں خطبوں سے میرے نام کو خارج کر دیا گیا ہے تو اس نے جواباً خراسان میں امین کے نام کو خطبوں سے خارج کر دیا۔ انھیں ایام میں امین نے خانہ کعبہ سے اس دستاویز کو جو ہارون نے لٹکائی تھی اتروا کر چاک کر دیا یہ واقعہ شروع ۱۹۴ھ کا ہے۔ اور یہیں سے مامون الرشید کو امین کی علانیہ مخالفت کرنے کا حق پیدا ہوا۔ مامون نے خراسان کی ناکہ بندی بڑی احتیاط کے ساتھ کرا دی تاکہ امین کا کوئی خط اور کوئی قاصد حدود خراسان میں داخل نہ ہو سکے اور خراسان میں کسی بغاوت کے پیدا کرنے کی کوشش امین نہ کر سکے۔

صوبوں میں بدامنی

جب دونوں بھائیوں میں مخالفت' عہد نامہ کے خانہ کعبہ سے اتروا کر چاک کر دینے اور خطبوں سے ایک دوسرے کے ناموں کو خارج کرا دینے کا حال مشہور ہوا تو جہاں جہاں کوئی مواد فاسد موجود تھا وہ ابھرنے اور پھوٹ پڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ خاقان تبت' ملوک ترک' بادشاہ کابل نے جو حکومت اسلامیہ کے باج گذار وفرمانبردار تھے' بغاوت وسرکشی پر آمادگی ظاہر کی اور بلاد اسلامیہ کے لوٹنے' شب خون مارنے اور حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ یہ خبریں سن کر مامون پریشان ہوا۔ مگر فضل بن سہل کے مشورے سے اس نے ان ملوک کو نرمی کے خطوط لکھے اور بعض کا خراج معاف کر کے بعض کو اسی قسم کی اور رعایتیں دے کر صلح وآشتی کے تعلقات کو مضبوط کر لیا۔ مامون کی یہ پریشانی جلد ہی رفع ہو گئی اور اندرون ملک کسی قسم کا کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پایا۔ کیونکہ اہل خراسان تمام مامون کے دل سے حامی ومددگار تھے اور امین کو جو اہل عرب کا حامی تھا شکست دینا چاہتے تھے۔

ادھر ممالک مغربیہ یعنی امین کے ماتحت صوبوں میں جو شورشیں برپا ہوئیں وہ امین کے لیے زیادہ خطرناک ثابت ہوئیں۔ ملک شام میں خاندان بنوامیہ کا صرف ایک ہی شخص باقی رہ گیا تھا جس کا نام علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ تھا۔ اس کی ماں کا نام نفیسہ بنت عبیداللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب تھا اور یہ فصیانی کے نام سے مشہور تھا' وہ کہا کرتا تھا کہ میں صفین کے سرداروں یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں۔ یہ ذی علم وصاحب شعور شخص تھا۔ امین ومامون کو آمادۂ مقابلہ دیکھ کر اس نے ملک شام میں خروج کیا اور شام کے وہ قبائل جو بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے' اس کے ساتھ ہو

گئے۔ امین نے فوجیں شام کی طرف روانہ کیں۔ لیکن ان کو شکست ہوئی۔ کئی برس تک ملک شام میں ہنگامہ برپا رہا۔ آخر ۱۹۸ھ میں سفیانی بعض شامی قبائل سے مغلوب ہو کر شام سے فرار ہو گیا اور شامیوں نے دمشق پر قبضہ کرلیا۔

امین نے جب خانہ کعبہ سے دستاویز عہد نامہ کو چاک کرا دیا اور داؤد بن عیسیٰ نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر کے مکہ و مدینہ اور حجاز کے باشندوں کو سمجھایا کہ امین نے مامون پر ظلم کیا ہے' ہم نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے جو عہد کیا ہے اس پر قائم رہنا چاہیے اور موسیٰ کی جو ایک شیر خوار بچہ ہے' ہرگز بیعت ولی عہدی نہیں کرنی چاہیے۔ داؤد بن عیسیٰ کی اس کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام اہل حجاز نے مامون کی خلافت کو تسلیم کر کے امین کا نام خطبہ سے نکال دیا اور مامون ہی کو خلیفہ تسلیم کرلیا اور داؤد بن عیسیٰ نے مکہ سے براہ بصرہ و فارس و کرمان جا کر مرو میں مامون الرشید کو حجاز کی حالت سے آگاہ کیا۔ مامون نے خوش ہو کر اسی کو اپنی طرف سے مکہ کا گورنر مقرر کر کے بھیج دیا۔ یہ واقعہ ۱۹۶ھ کا ہے۔

غرض بغاوتوں اور سرکشیوں سے امین کو زیادہ نقصان پہنچا۔ مامون کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا' جو دلیل اس بات کی ہے کہ امین کے اندر قابلیت ملک داری نہ تھی۔

رومی

ہارون الرشید کے انتقال سے چند روز بعد قیصر روم نقفور بھی جنگ برجان میں مارا گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ دو مہینے کے بعد وہ بھی مر گیا' تو اس کی بہن کا داماد میکائیل بن جرجیس تخت نشین ہوا۔ دوسرے سال ۱۹۴ھ میں رومیوں نے اس کے خلاف بغاوت کی تو وہ دارالسلطنت چھوڑ کر درویشوں اور رہبانوں میں جا شامل ہوا۔ تب رومیوں نے اپنے سپہ سالار الیون نامی کو تخت پر بٹھایا۔ غرض جس زمانے میں ہارون کی سلطنت میں اندرونی فسادات رونما ہو رہے تھے اس زمانے میں رومیوں کی سلطنت بھی اسی قسم کی پیچیدگیوں میں مبتلا تھی۔

امین و مامون کی زور آزمائی

۱۹۴ھ کے آخری ایام میں امین نے مامون کو ولی عہدی سے معزول کیا اور مامون نے امین کا نام خطبہ سے نکال دیا۔ اس کے بعد امین نے یہی نہیں کہ اپنے بیٹے کو مامون کی جگہ ولی عہد بنایا' بلکہ اپنے بھائی موتمن کو بھی معزول کر کے اس کی جگہ اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ کو ولی عہد بنایا۔ اور خطبوں میں موسیٰ و عبداللہ کا نام لیا جانے لگا۔ اب لڑائی اور زور آزمائی کے لیے امین و مامون کو کسی چیز کے

انتظار کی ضرورت نہ تھی۔

فضل بن سہل کو مامون نے ذوالریاستین یعنی صاحب السیف والقلم کا خطاب دے کر اپنا مدارالمہام سلطنت بنایا۔ طاہر بن حسین بن مصعب بن زریق بن اسود خزاعی کو فوج کی سپہ سالاری سپرد کی گئی۔ فضل بن سہل نے سرحدی ولایت رے میں جا کر وہاں کے جنگ آزمودہ سپاہیوں کو فراہم کیا اور اس سرحدی علاقہ کے لوگوں کی ایک فوج بھرتی کر کے سپہ سالار کو سپرد کی۔ طاہر بن حسین نے ابوالعباس خزاعی کو لشکر رے کا امیر مقرر کیا۔ ابوالعباس نے رے میں اپنے لشکر کو کیل کانٹے سے درست کیا۔

ادھر امین الرشید نے عصمت بن حماد بن سالم کو ایک ہزار پیادوں کی جمعیت سے ہمدان کی طرف روانہ کر کے حکم دیا کہ تم ہمدان میں مقیم رہ کر اپنے مقدمۃ الجیش کو سادہ کی طرف روانہ کرنا۔ اس کے بعد امین نے ایک بڑا لشکر مرتب کر کے فضل بن ربیع کے مشورہ سے علی بن عیسیٰ بن ماہان کی سپہ سالاری میں مامون کے مقابلہ کو خراسان کی طرف روانہ کیا۔ امین اور اس کے وزیر فضل بن ربیع کی یہ سخت غلطی تھی کہ علی بن عیسیٰ کو سپہ سالار بنا کر خراسان کی طرف روانہ کیا۔ اہل خراسان علی بن عیسیٰ سے اس کے عہد گورنری سے ناخوش تھے۔ اس کے آنے کی خبر سن کر اہل خراسان اور بھی زیادہ لڑنے اور مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ امین نے علی بن عیسیٰ کو نہاوند۔ ہمدان۔ قم۔ اصفہان اور بلاد جبل بطور جاگیر عطا کیے اور خزانہ خلافت سے ہر قسم کا سامان اور روپیہ ضرورت سے زیادہ دے کر پچاس ہزار سواروں کے ساتھ رخصت کیا اور عمال کے نام فرامین جاری کیے کہ علی بن عیسیٰ کی کمک کے لیے لشکر روانہ کریں اور ہر قسم کی امداد اس کو پہنچائیں۔

علی بن عیسیٰ امین کی ماں زبیدہ خاتون سے رخصت ہونے کے لیے حاضر ہوا تو اس نے مامون کے متعلق علی کو نصیحت کی کہ اس کو گرفتار کر کے کوئی بے ادبی کا برتاؤ نہ کرنا۔

شعبان ۱۹۵ھ میں علی بن عیسیٰ بغداد سے روانہ ہوا۔ خود خلیفہ امین اور ارکان سلطنت بطریق مشایعت اس لشکر کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ یہ اس شان و شکوہ کا لشکر تھا کہ اہل بغداد نے اب تک ایسا عظیم الشان لشکر نہیں دیکھا تھا۔ علی بن عیسیٰ خلیفہ امین سے رخصت ہو کر رے کے قریب پہنچا تو اس کے ہمراہیوں نے رائے دی کہ ہراول اور مورچے قائم کرنے چاہئیں۔ مگر علی نے کہا کہ طاہر جیسے شخص کے مقابلہ میں مورچے اور ہراول قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

طاہر بھی علی کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر رے سے نکلا اور رے سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ علی بن عیسیٰ کے ہمراہ پچاس ہزار سے زیادہ فوج تھی اور طاہر بن حسین کے لشکر کی

کل تعداد چار ہزار فوج تھی۔ دونوں کی قوتوں کا یہ ایسا نمایاں فرق تھا کہ علی بن عیسیٰ نے صف آرائی کے وقت اپنی فوج سے کہا کہ ان لوگوں کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کو گھیر کر گرفتار کر لینا چاہیئے۔ علی بن عیسیٰ کے عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر طاہر بن حسین کے لشکر سے عین صف آرائی کے وقت کچھ لوگ فرار ہو کر علی بن عیسیٰ کے پاس چلے گئے تا کہ فتح مند ہونے والے گروہ کی شرکت سے فائدہ اٹھائیں اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رہیں۔ مگر علی بن عیسیٰ نے ان لوگوں کو پٹوا کر نکال دیا اور بعض کو قید کر لیا اس سے طاہر بن حسین کو بہت فائدہ پہنچا۔ یعنی اس کے لشکر کا ہر متنفس لڑنے اور مارنے مرنے پر آمادہ ہو گیا۔

آخر لڑائی شروع ہوئی۔ طاہر بن حسین کے میمنہ اور میسرہ کو علی بن عیسیٰ کے میسرہ اور میمنہ نے شکست دے کر بھگایا۔ مگر طاہر نے قلب لشکر کو لے کر علی کے قلب پر ایسا سخت حملہ کیا کہ علی کا قلب شکست کھا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر طاہر کے میمنہ اور میسرہ کے شکست خوردہ سپاہی لوٹے اور ہمت کر کے طاہر سے آ ملے۔ نہایت سخت معرکہ آرائی ہوئی اور اسی دارو گیر میں علی بن عیسیٰ کے گلے میں ایک تیر نے ترازو ہو کر اس کا کام تمام کر دیا۔ علی بن عیسیٰ کے گرتے ہی تمام لشکر فرار ہوا اور طاہر کے ہمراہیوں نے علی بن عیسیٰ کا سر کاٹ لیا۔ طاہر کے فتح مند لشکر نے دو فرسنگ تک فراریوں کا تعاقب کیا اور لشکر بغداد کو قتل و گرفتار کرتے ہوئے چلے گئے۔ رات کی تاریکی نے حائل ہو کر بقیہ فراریوں کو قتل و گرفتاری سے بچایا۔ طاہر بن حسین رے میں واپس آیا' اور فتح نامہ مامون کی خدمت میں روانہ کیا کہ:۔

''بخدمت امیر المومنین گذارش ہے کہ یہ عریضہ ایسی حالت میں لکھ رہا ہوں کہ علی بن عیسیٰ کا سر میرے روبرو ہے۔ اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے اور اس کا لشکر میرے زیر فرمان ہے۔''

تین دن کے عرصہ میں یہ خط مرو میں فضل بن سہل کے پاس پہنچا وہ لیے ہوئے مامون کی خدمت میں حاضر ہوا' فتح کی مبارک باد دی۔ اراکین دولت نے بطور امیر المومنین سلام کیا۔ دو دن کے بعد علی کا سر بھی پہنچا جس کو تمام ملک خراسان میں تشہیر کیا گیا۔

بغداد میں علی بن عیسیٰ بن ماہان کے مقتول ہونے کی خبر پہنچی تو امین نے عبدالرحمٰن بن جبلہ انباری کو بیس ہزار سواروں کی جمعیت سے طاہر کے مقابلہ کو روانہ کیا۔ عبدالرحمٰن بن جبلہ کو ہمدان اور بلاد خراسان کی سند گورنری بھی دی گئی کہ ان ملکوں کو فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لو۔ عبدالرحمٰن بن جبلہ نے ہمدان پہنچ کر قلعہ بندی کی۔ اس کا حال طاہر بن حسین کو معلوم ہوا تو وہ فوج لے کر ہمدان کی طرف گیا۔ عبدالرحمٰن بن جبلہ نے ہمدان سے نکل کر مقابلہ کیا۔ طاہر نے پہلے ہی حملہ میں شکست دے

کر بھگا دیا۔ عبدالرحمٰن نے ہمدان میں جا کر پھر تیاری کر کے شہر سے نکل کر دوبارہ مقابلہ کیا۔ اس مرتبہ بھی شکست کھا کر ہمدان میں داخل ہو کر پناہ گزیں ہوا۔ طاہر نے فوراً بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ نے طول کھینچا' اس وقفہ میں طاہر نے قزوین کو فتح کر لیا اور عامل قزوین فرار ہو گیا۔ طول محاصرہ سے اہل شہر کو اذیت ہوئی اور عبدالرحمٰن کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اہل شہر ہی شب خون نہ ماریں اس لیے اس نے طاہر سے امان طلب کی۔ طاہر نے اس کو امان دے دی اور ہمدان پر قبضہ کر لیا۔

طاہر کے امان دینے کی وجہ سے عبدالرحمٰن بلا روک ٹوک ہمدان میں رہتا تھا۔ ایک روز موقعہ پا کر عبدالرحمٰن نے اپنے ہمراہیوں کو مجتمع کر کے بحالت غفلت طاہر کے لشکر پر حملہ کیا۔ اس حملہ میں طاہر نے عبدالرحمٰن کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ عبدالرحمٰن کے ہمراہی جو قتل ہونے سے بچے وہ بھاگ کر عبداللہ و احمد پسران حریشی سے جو بغداد سے عبدالرحمٰن کی مدد کے لیے آ رہے تھے جا ملے۔ ان دونوں پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ بلا مقابلہ راستے ہی سے بغداد کی جانب واپس چلے گئے۔

طاہر نے یکے بعد دیگرے شہروں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ حلوان پہنچ کر مورچے قائم کئے اور خندقیں کھدوا کر خوب مضبوطی کر لی۔ ان فتوحات کے بعد مامون نے حکم جاری کیا کہ ہر شہر میں بیعت خلافت لی جائے اور منبروں پر ہمارے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ فضل بن سہل کو مامون نے ذوالریاستین (صاحب السیف والقلم) کا خطاب دے کر اپنا وزیر اعظم اور مدار المہام خلافت بنایا۔ فضل بن سہل کی نیابت و ماتحتی میں علی بن ہشام کو وزیر جنگ اور نعیم بن خازم کو وزیر مال اور دفتر انشاء کا مہتمم مقرر کیا۔ فضل بن سہل کے بھائی حسن بن سہل کر دیوان الخراج کی افسری سپرد کی گئی۔

خلیفہ امین کی حکومت میں اختلال

بغداد میں جب خبر پہنچی کہ عبدالرحمٰن بن جبلہ بھی طاہر کے مقابلہ میں مارا گیا تو تمام شہر میں ہلچل مچ گئی۔ خلیفہ امین نے اسد بن یزید بن مزید کو طلب کر کے طاہر کے مقابلے کے لیے روانگی کا حکم دیا۔ اسد بن یزید نے کہا کہ ''میرے لشکر کو ایک سال کا وظیفہ پیشگی دیا جائے' سامان حرب عطا فرمایا جائے' اس بات کا وعدہ کیا جائے کہ جس قدر شہر میں فتح کروں ان کا کوئی حساب مجھ سے نہ لیا جائے گا۔ تجربہ کار بہادر سپاہی میرے ہمراہ کئے جائیں۔ کمزوروں اور ناتوانوں کو الگ کر دیا جائے۔'' ان شرطوں کو سن کر امین برہم ہوا اور اسد بن یزید کو قید کر دیا۔

اس کے بعد عبداللہ بن حمید بن قحطبہ کو طلب کر کے طاہر کے مقابلے پر جانے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن حمید بن قحطبہ نے بھی اسی قسم کی شرطیں پیش کیں۔ وہ بھی معتوب ہوا۔ اس کے بعد اسد بن یزید کے

چچا احمد بن مزید کو طلب کر کے اسد کے قید کر دینے کی معذرت کی اور جنگ طاہر پر جانے کا حکم دیا۔ احمد بن مزید نے اسد کے آزاد کرنے کی سفارش کی' خلیفہ امین نے اسد کو آزاد کر دیا اور احمد بن مزید بیس ہزار فوج لے کر بغداد سے روانہ ہوا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن حمید بن قحطبہ بھی دوسری بیس ہزار فوج لے کر جانے پر آمادہ ہو گیا اور دونوں ساتھ ہی ساتھ حلوان کی طرف روانہ ہوئے۔ حلوان کے قریب مقام خانقین میں دونوں سردار یہ چالیس ہزار کا لشکر لیے ہوئے خیمہ زن ہوئے۔

طاہر بھی یہ خبر سن کر اپنا لشکر لیے ہوئے ان کے مقابلہ پر آ پہنچا اور جاسوسوں کو بہ تبدیل لباس لشکر بغداد میں پھیلا دیا۔ ان جاسوسوں نے پہنچ کر خبر اڑائی کہ بغداد میں خزانہ خالی ہو چکا ہے اور لشکر کو تنخواہیں ملنی بند ہو گئی ہیں۔ لشکری پریشان پھر رہے ہیں اور جہاں جو کچھ پاتے ہیں' اس پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ یہ خبر مشہور ہوتے ہی لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ کوئی اس کی تردید کرتا تھا' کوئی تصویب۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپس ہی میں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو گئے اور طاہر کا مقابلہ کئے بغیر ہی بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔ طاہر نے بڑھ کر حلوان پر قبضہ کر لیا۔

اسی اثناء میں ہرثمہ بن اعین ایک لشکر جرار کے ساتھ مرو سے مامون کا فرمان لیے ہوئے طاہر کے پاس حلوان میں پہنچا۔ اس فرمان میں لکھا تھا کہ تم نے اب تک جس قدر ملک فتح کر لیا ہے وہ سب ہرثمہ کے سپرد کر دو اور تم اہواز کی جانب پیش قدمی کرو۔ طاہر نے اس حکم کی تعمیل کی اور خود اہواز کی طرف فوج لے کر بڑھا۔

خلیفہ امین کی معزولی و بحالی

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے عبدالملک بن صالح کو قید کر دیا تھا۔ امین نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی اس کو آزاد کیا۔ جب طاہر کے مقابلے میں بغداد کی فوجوں کو شکستیں ہونے لگیں تو عبدالملک بن صالح نے دربار خلافت میں حاضر ہو کر کہا کہ:۔ خراسانیوں کے مقابلہ پر اہل عراق کی بجائے شامیوں کو بھیجنا چاہیئے' وہ خراسانیوں کا خوب مقابلہ کر سکتے ہیں اور میں ان کی اطاعت اور وفاداری کا ذمہ دار ہوتا ہوں۔ یہ سن کر خلیفہ امین نے عبدالملک کو شام و جزیرہ کی سند گورنری مرحمت فرما کر روانہ کیا۔ عبدالملک نے رقہ میں پہنچ کر رؤساء شام سے خط و کتابت شروع کی اور تھوڑے ہی دنوں میں اہل شام کا ایک بڑا لشکر فراہم کر لیا۔

حسین بن علی بن عیسیٰ بھی عبدالملک کے ساتھ تھا اور عبدالملک کی فوج میں اس حصہ فوج کا سردار تھا جو خراسانیوں پر مشتمل تھی۔ عبدالملک اسی عرصہ میں بیمار ہو کر فوت ہوا' اور شامیوں اور

خراسانیوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ شام کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ حسین بن علی تمام خراسانی لشکر کو لیے ہوئے بغداد کی طرف روانہ ہوا' اہل شہر اور رؤساء بغداد نے اس کا استقبال کیا۔ رات کے وقت خلیفہ امین نے حسین بن علی کو اپنے دربار میں طلب کیا' حسین نے جانے سے انکار کیا اور صبح ہوتے ہی اپنے ہمراہیوں کو خلیفہ امین کی معزولی پر آمادہ کر کے بغداد کے پل پر آیا۔ یہاں امین کی فوج نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ حسین بن علی نے قصر خلافت پر حملہ کر کے امین اور اس کی والدہ زبیدہ خاتون کو گرفتار کر کے قصر منصور میں لا کر قید کر دیا اور خلافت مامون کی لوگوں سے بیعت لی۔

اگلے دن لوگوں نے حسین بن علی سے اپنے روزینے طلب کئے' مگر حسب منشاء نہ پائے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ اہل بغداد امین کی معزولی اور گرفتاری پر افسوس کرنے لگے اور پھر متحد ہو کر حسین بن علی کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے' حسین بن علی نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا۔ بڑی خون ریز جنگ ہوئی جس میں حسین بن علی شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ اہل شہر نے قصر منصور میں جا کر امین اور زبیدہ کو آزاد کیا۔ امین کو لا کر تخت خلافت پر بٹھایا اور دوبارہ بیعت کی۔

حسین پابہ زنجیر امین کے روبہ روپیش کیا گیا۔ امین نے ملامت کر کے اس کو آزاد کر دیا اور کہا کہ تم اب اپنی خطا کی تلافی اس طرح کرو کہ طاہر بن حسین کے مقابلے پر جاؤ اور اس کو شکست دے کر ناموری حاصل کرو۔ امین کو خلعت گراں بہا عطا ہوا اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ اہل بغداد اس کو مبارک باد دیتے ہوئے پل تک آئے۔ جب لوگوں کا مجمع کم ہو گیا تو حسین بن علی پل کو عبور کر کے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور اپنی بغاوت کا اعلان کرتا گیا۔

امین نے اس کے تعاقب میں سواروں کو بھیجا' بغداد سے تین میل کے فاصلے پر سواروں نے حسین کو جالیا۔ خفیف سی لڑائی کے بعد حسین بن علی مارا گیا اس کا سر اتار کر لوگ امین کے سامنے لائے۔ یہ واقعہ ۱۵ رجب ۱۹۶ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ اسی روز حسین بن علی کے قتل ہونے پر فضل بن ربیع جو امین کا وزیر اعظم تھا' ایسا روپوش ہوا کہ کسی کو اس کی اطلاع نہ ملی۔ فضل بن ربیع کے اس طرح غائب ہونے اور دھوکہ دیئے جانے سے امین کو اور بھی زیادہ پریشانی کا سامنا ہوا۔

طاہر کی ملک گیری

بغداد میں مذکورہ بالا حالات رونما ہو رہے تھے' ادھر طاہر بن حسین حلوان میں ہرثمہ بن اعین کو مفتوحہ ممالک کی حکومت سپرد کر کے مامون کے حکم کے موافق اہواز کی جانب بڑھا۔ اپنی روانگی سے

نتراس نے حسین بن عمر رستمی کو روانہ کر دیا تھا۔ ادھر بغداد سے خلیفہ امین نے عبداللہ و احمد کے واپس
نے پر محمد بن یزید بن حاتم کو اہواز کے بچانے کے لیے روانہ کیا تھا۔ طاہر نے یہ سن کر کہ محمد بن یزید
مداد سے فوج لیے ہوئے آ رہا ہے' چند دستے حسین بن عمر رستمی کی کمک کے لیے روانہ کر دیئے اور حکم
یا کہ جس قدر جلد ممکن ہو یلغار کر کے حسین بن عمر رستمی سے جا ملو' مقام مکرم میں محمد بن یزید پہنچا تھا کہ
طاہر کی فرستادہ فوج کے قریب اتر جانے کا حال معلوم ہوا' محمد بن یزید نے یہاں مقابلہ مناسب نہ سمجھ
کر اہواز پر اول قابض ہو جانا ضروری سمجھا اور اہواز تک پہنچ گیا' وہاں طاہر کا لشکر بھی مقابلہ پر آیا'
سخت لڑائی کے بعد محمد بن یزید مارا گیا' طاہر نے اہواز پر قبضہ کر لیا اور اپنی طرف سے یمامہ' بحرین اور
عمان پر والی مقرر کر کے بھیجے۔

اس کے بعد واسط کا قصد کیا' واسط کا عامل بھاگ گیا اور طاہر نے بہ آسانی واسط پر قبضہ کرنے
کے بعد کوفہ کی طرف فوج بھیجی' کوفہ میں عباس بن ہادی حاکم تھا' اس نے فوراً خلیفہ امین کی معزولی کا
اعلان کر کے خلافت مامون کی بیعت کر لی اور طاہر کے پاس اس اطلاع کا ایک خط بھیج دیا' منصور بن
مہدی گورنر بصرہ نے بھی ایسا ہی کیا' کوفہ اور بصرہ دونوں عراق کے مرکزی مقام تھے' ان دونوں
صوبوں کے گورنر خاندان خلافت سے تعلق رکھتے تھے' ان دونوں نے مامون کو امین پر ترجیح دے کر
امین کی معزولی اور مامون کی خلافت کو تسلیم کر کے دوسروں کے لیے قابل تقلید مثال قائم کر دی۔

ادھر داؤد بن عیسیٰ گورنر حجاز نے بھی جو خاندان خلافت سے تھا حجاز میں مامون کی خلافت کی
بیعت لوگوں سے لی جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے' گورنر موصل مطلب بن عبداللہ بن مالک نے بھی امین
کی معزولی کا اعلان کر کے مامون کی خلافت کو تسلیم کر کے بیعت کر لی' طاہر نے ان سب کو ان کے
عہدوں پر بحال رکھا' طاہر نے خود مقام جرجرایا میں خیمہ زن ہو کر حرث بن ہشام اور داؤد بن موسیٰ کو
قصر بن ہبیرہ کی جانب روانگی کا حکم دیا' یہ واقعہ رجب ۱۹۶ھ کا ہے جب کہ بغداد میں خلیفہ امین کی
معزولی اور بحالی کا واقعہ پیش آ رہا تھا۔

خلیفہ امین نے معزولی کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہو کر محمد بن سلیمان اور محمد بن حماد بربری کو
قصر ابن ہبیرہ کی جانب اور فضل بن موسیٰ کو کوفہ کی جانب روانہ کیا' حرث اور داؤد نے محمد بن سلیمان اور
محمد بن حماد کا مقابلہ کیا اور سخت معرکہ آرائی کے بعد دونوں کو بغداد کی طرف بھگا دیا۔

فضل بن موسیٰ کے کوفہ کی طرف روانہ ہونے کا حال سن کر طاہر نے محمد بن علاء کو فضل کے مقابلہ
پر مامور کیا' اثناء راہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو فضل نے محمد بن علاء سے کہا کہ تم ناحق میرے مقابلہ
پر لشکر لے کر آئے ہو' میں تو خلیفہ مامون کا مطیع ہو کر آیا ہوں' جب رات ہوئی تو فضل نے محمد کے لشکر پر

شب خون مارا' مگر چونکہ محمد بن علاء پہلے ہی اس کے اس فریب کو تاڑ گیا تھا لہٰذا وہ شب خون سے بے فکر نہ تھا' اس نے خوب جم کر مقابلہ کیا اور فضل کو شکست دے کر بغداد کی طرف بھگا دیا۔

اس کے بعد طاہر نے مدائن کا رخ کیا' مدائن میں خلیفہ امین کی کافی فوج متعین تھی اور بغداد سے برابر سامان رسد اور کمک مدائن میں پہنچ رہی تھی مگر طاہر کے پہنچتے ہی وہ تمام فوج بغداد کی طرف بھاگ گئی' طاہر نے مدائن پر قبضہ کر کے نہر صرصر پر ڈیرہ جا ڈالا اور وہیں ایک پل بندھوایا۔

خلیفہ امین نے جب قصر ابن ہبیرہ اور کوفہ کی طرف فوجیں روانہ کیں تو اسی عرصہ میں علی بن محمد بن عیسیٰ بن نہیک کو ہرثمہ بن اعین کی طرف روانہ کیا تھا' نہروان کے قریب لڑائی ہوئی' ہرثمہ نے علی بن محمد کی فوج کو شکست دے کر بھگا دیا اور علی بن محمد کو گرفتار کر کے مامون کے پاس مرو بھیج دیا اور خود بجائے حلوان کے نہروان میں آ کر مقیم ہوا۔

قتل امین

امین کے ہر ایک لشکر کو مامون کے سپہ سالاروں کے مقابلہ میں شکست پر شکست ہوتی رہی اور مامون کے دو زبردست سپہ سالار طاہر بن حسین اور ہرثمہ بن اعین بغداد کی طرف دو سمتوں سے بڑھتے چلے آ رہے تھے' ادھر موصل' واسط' کوفہ' بصرہ' حجاز' یمن' حیرہ' وغیرہ صوبے بھی سب قبضہ سے نکل چکے تھے' امین کی خلافت وحکومت صرف بغداد اور نواح بغداد تک محدود رہ گئی تھی' مسلسل ناکامیوں کے بعد اب رمضان ۱۹۶ھ سے امین کے لیے نہایت ہی نازک اور خطرناک زمانہ شروع ہو گیا تھا' امین نے مجبور ہو کر طاہر کی فوج میں لشکریوں کے پاس خفیہ پیغامات بھیجے اور مال واسباب وانعامات کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانے کی سازش کی چنانچہ طاہر کے لشکر سے جو نہر صرصر کے کنارے مقیم تھا' پانچ ہزار آدمی امین کے پاس بغداد میں چلے گئے' اس کے بعد بعض فوجی سردار بھی امین سے جا ملے' امین نے ان لوگوں کو جو طاہر کی فوج سے کٹ کر آ گئے تھے حسب لیاقت انعام واکرام سے معزز کیا اور ایک زبردست فوج مرتب کر کے طاہر کے مقابلہ کو روانہ کی۔

صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی آخر امین کے لشکر کو شکست اور ہزیمت ہوئی اور مفرور بھاگ کر بغداد میں امین کے پاس پہنچے' امین نے ایک اور لشکر نئے آدمیوں کا جن میں شکست یافتوں میں سے ایک شخص بھی نہ تھا مرتب کر کے دوبارہ صرصر کی طرف روانہ کیا' ان کو بھی شکست حاصل ہوئی۔

اب طاہر اپنی فوج لے کر صرصر سے' ہرثمہ اپنا لشکر لے کر نہروان سے بغداد کی طرف روانہ ہوئے' طاہر نے باب ابناء پر ڈیرہ ڈالا' ہرثمہ نے نہر یمن پر مورچہ جما دیا' عبداللہ بن وضاح نے شماسیہ

کی جانب اور مسیب بن زہیر نے قصر کلواذی کی جانب پڑاؤ ڈالا' اس طرح مامون کے سرداران فوج نے بغداد کا محاصرہ کر کے اہل بغداد پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔

ادھر امین نے بھی اپنے طلائی ونقرئی زیورات وظروف اور قیمتی سامان فروخت کر کے فوج کے روزینے تقسیم کیے اور مدافعت پر پوری کوشش صرف کی' یہ محاصرہ قریباً سوا برس تک جاری رہا' اس عرصہ میں اہل بغداد اور امین کے سپہ سالاروں نے جو جو مصائب برداشت کیے اور جس پامردی سے مقابلہ کیا وہ ضرور قابل تعریف ہے' مگر یہ سب کچھ بے نتیجہ اور خلاف عقل کام تھے۔

سعید بن مالک بن قادم امان حاصل کر کے طاہر کے پاس چلا آیا' طاہر نے اس کو خندقیں کھدوانے اور مورچوں کے آگے بڑھانے کا کام سپرد کیا' محاصرین میں ہرثمہ اور طاہر دونوں بڑے سردار تھے مگر طاہر اپنی فتوحات اور معرکہ آرائیوں میں بکثرت کامیاب ہونے کے سبب زیادہ شہرت حاصل کر چکا تھا اور اس لیے وہی اس تمام فوج کا افسر اعلیٰ اور سپہ سالار اعظم سمجھا جاتا تھا' امین کی طرف سے قصر صالح اور قصر سلیمان بن منصور میں جو بغداد سے باہر دجلہ کے کنارے پر تھے چند سردار متعین تھے جو محاصر فوج کے دمدموں اور مورچوں کو توڑنے کے لیے منجنیقوں سے آتش بازی اور سنگ باری میں مصروف تھے' طاہر کی طرف سے بھی ترکی بہ ترکی سنگ باری اور آتش زنی کا کام ہو رہا تھا' رال کے جلتے ہوئے گولے اور پتھر طرفین سے پھینکے جاتے تھے محاصر فوج جس قدر آگے بڑھ آتی تھی خندقیں کھود کر مورچے بنا لیتی تھی' اس طرح بیرون شہر سے دائرہ کو تنگ کرتے ہوئے فصیل شہر تک پہنچ کر اور دروازوں کے ذریعہ یا فصیل کو توڑ کر اندر داخل ہوئے۔

پھر ہر محلہ اور ہر حصہ میں قدم قدم پر مقابلہ کرنا پڑا حتیٰ کہ مدینۃ المنصور میں امین کو محصور کر لیا' غلہ اور ضروریات زندگی کا باہر سے شہر میں آنا بند ہو گیا تھا' جیل خانے سے قیدی چھوڑ دیے گئے' شہر کے اوباشوں اور بدمعاشوں کو فوج میں بھرتی کر لیا گیا تھا' لوٹ مار' چوری' ڈاکہ زنی کا بازار بھی شہر میں گرم تھا' با اثر سردار اور بہادر سپہ سالار طاہر کی ریشہ دوانیوں اور لالچوں کے ذریعہ بتدریج امین کے پاس سے جدا ہو ہو کر طاہر کے پاس آتے جاتے تھے' شرفاء شہر موقعہ پا کر شہر سے نکلتے جاتے تھے' بہت سے محلے ویران ہو گئے تھے' بنو قحطبہ' محمد بن عیسیٰ' یحییٰ بن علی عیسیٰ بن ماہان محمد بن ابی عباس طائی یکے بعد دیگرے طاہر سے جا ملے' جن مقاموں پر یہ لوگ مدافعت پر مامور تھے وہ مقامات بھی طاہر کے سپرد کرتے گئے۔

امین نے مدافعت میں خوب استقلال دکھایا' آخر میں اس نے محمد بن عیسیٰ بن نہیک کے سپرد تمام جنگ کا اہتمام کر دیا تھا' جس طرف عبداللہ بن وضاح کی فوج تھی اس طرف اہل بغداد کی نئی بھرتی

کی ہوئی فوج نے حملہ کر کے عبداللہ بن وضاح کو شکست دے کر شماسیہ پر قبضہ کر لیا' ہرثمہ یہ خبر سن کر اس طرف کمک کے لیے پہنچا' اتفاق سے ہرثمہ کو بھی شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہو گیا' مگر اس کے ہمراہیوں نے دھوکہ دے کر اس کو رہا کرا لیا' یہ حالت سن کر طاہر خود اس طرف پہنچا اور ایک زبردست حملہ کر کے امین کے لشکر کو پسپا کیا اور عبداللہ بن وضاح کو پھر اس کے مورچہ پر قابض کرا دیا۔

طاہر نے بتدریج اپنے لشکر کو تمام شہر میں پھیلا دیا اور مدینۃ المنصور میں امین کو محصور کر لیا' امین نہایت صبر و استقلال سے محاصرہ کی سختیاں برداشت کرنے لگا' اراکین سلطنت میں سے صرف حاتم بن صقر' حسن حریشی اور محمد بن ابراہیم بن اغلب افریقی اس کے ہمراہ تھے' محمد بن ابراہیم نے امین سے کہا کہ اس گئی گذری حالت میں بھی سات ہزار سوار امیر المومنین کے ہر ایک حکم کی تعمیل کو موجود ہیں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے امراء اراکین کے لڑکوں کو منتخب کر کے ان کا افسر مقرر کریں اور کسی دروازے سے بحالت غفلت نکل کر جزیرہ و شام کی طرف چلے جائیں اور ایک جدید سلطنت کی بنیاد ڈالیں ممکن ہے کہ چند روز کے بعد عوام کا میلان طبع آپ کی جانب ہو جائے اور پھر کوئی اچھی صورت حصول مقصد کی پیدا ہو سکے' امین اس ارادے کے موافق عمل درآمد کر لیتا تو یقیناً اس کا انجام اس انجام سے بہتر ہوتا جو ہوا۔

طاہر کو جب امین کے اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو اس نے سلیمان بن منصور اور محمد بن عیسیٰ بن نہیک کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم نے امین کو اس ارادے سے باز نہ رکھا تو تمہارے لیے اچھا نہ ہو گا' ان لوگوں نے طاہر سے خائف ہو کر امین کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ امیر المومنین کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ابن اقلب اور ابن صقر کے قبضے میں دے دیں' یہ لوگ خائن اور غیر معتمد ہیں' مناسب یہ ہے کہ آپ ہرثمہ بن اعین سے امن طلب کر کے اس کے پاس چلے جائیں' ابن صقر کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ خلیفہ امین ہرثمہ بن اعین سے امن طلب کر کے اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے تو اس نے کہا کہ امیر المومنین آپ اگر امان ہی طلب کرتے ہیں تو طاہر سے طلب کریں' ہرثمہ کی امان میں نہ جائیں' مگر امین نے کہا کہ میں طاہر سے امان طلب نہ کروں گا۔

چنانچہ ہرثمہ کے پاس پیام بھیجا گیا' اس نے بخوشی منور کر لیا' مگر طاہر کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس کو بے حد ناگوار گذرا کہ آخری فتح یابی کا سہرا ہرثمہ کے سر پر بندھے گا اس نے نہایت سخت پہرہ مقرر کر دیا کہ امین محل سرائے سے نکل نہ سکے' ہرثمہ نے یہ تجویز کی تھی کہ رات کے وقت امین نکل کر اس کشتی میں جو اس کی محل سرائے کے نیچے ہرثمہ لیے ہوئے موجود ہو گا سوار ہو جائے اور ہرثمہ کی پناہ میں آ جائے' طاہر کی طرف سے اس قسم کی تیاریاں دیکھ کر اس نے امین کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ

آج کی رات اور صبر کریں کیونکہ آج صبح دریا کے کنارے مجھے کچھ ایسے علامات نظر آئے ہیں جن سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ امین نے جواباً کہلا بھیجوایا کہ میرے جس قدر ہوا خواہ اور ہمدرد تھے وہ سب مجھ سے جدا ہو چکے ہیں اب ایک ساعت بھی یہاں قیام نہیں کر سکتا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں طاہر کو اس کا علم نہ ہو جائے اور وہ مجھ کو گرفتار کر کے قتل نہ کر دے۔

آخر ۲۵ محرم ۱۹۸ھ کو وقت شب امین نے اپنے دونوں لڑکوں کو گلے لگایا' پیار کیا اور ان سے رخصت ہو کر روتا ہوا دریا کے کنارے آیا اور ہرثمہ کی جنگی کشتی پر سوار ہو گیا' ہرثمہ نے جو کشتی میں موجود تھا نہایت عزت واحترام سے کشتی میں سوار کرایا اور امین کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور کشتی چلانے والوں کو روانگی کا حکم دیا' جوں ہی کشتی روانہ ہوئی سامنے سے طاہر کی جنگی کشتیوں کا بیڑہ سامنے آ گیا اور ہرثمہ کی کشتی کا محاصرہ کر کے لڑائی شروع کر دی' غوطہ زنوں نے کشتی میں سوراخ کر دیا اور حملہ آوروں نے ہر طرف سے تیر بازی کی' آخر کشتی میں پانی بھر آیا اور وہ ڈوب گئی' ہرثمہ کے بال پکڑ کر ملاح نے نکالا اور ڈوبنے سے بچا لیا' امین پانی میں تیرنے لگا اس کو طاہر کے آدمیوں نے پکڑ لیا۔

احمد بن سالم تیر کر کنارے تک پہنچ گیا جب دریا سے باہر نکلا تو وہ بھی طاہر کے آدمیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا' احمد بن سالم کا بیان ہے کہ مجھ کو گرفتار کر کے طاہر کے سامنے پیش کیا گیا اس نے مجھ کو قید خانہ میں بھجوا دیا' تھوڑی رات گذری ہو گی کہ طاہر کے سپاہیوں نے قید خانہ کا دروازہ کھولا اور امین کو اندر داخل کر کے پھر دروازہ بند کر دیا' اس وقت امین صرف ایک پاجامہ پہنے ہوئے تھا' سر پر عمامہ اور شانوں پر ایک بوسیدہ کپڑا تھا' میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر رونے لگا' امین نے مجھ کو پہچان کر کہا کہ تم مجھ کو اپنے گلے لگا لو' میری طبیعت سخت متوحش ہو رہی ہے' میں نے اس کو گلے لگایا' تھوڑی دیر کے بعد جب ذرا اس کے ہوش وحواس بجا ہوئے تو مجھ سے مامون کا حال دریافت کیا' میں نے کہا وہ زندہ وسلامت موجود ہے' امین نے کہا اس کا وکیل تو مجھ سے کہتا تھا کہ مامون مر گیا' غالباً اس سے اس کا مدعا یہ ہو گا کہ میں اس کی جنگ سے غافل ہو جاؤں' میں نے کہا خدائے تعالیٰ آپ کے وزیروں سے سمجھے کہ انہوں نے آپ کو دھوکا دیا' پھر امین نے آہ سرد کھینچ کر کہا کہ کیوں بھائی کیا یہ لوگ وعدۂ امان کو ایفاء نہ کریں گے' میں نے کہا ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور پورا کریں گے' ہم دونوں یہی باتیں کر رہے تھے کہ محمد بن حمید آیا' دور سے کھڑا ہوا دیکھتا رہا اور امین کو پہچان کر واپس چلا گیا' اس کے بعد آدھی رات کے وقت چند عجمی ننگی تلواریں لیے ہوئے قید خانہ میں آئے' امین ان کو دیکھ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا' ان میں سے ایک نے لپک کر امین کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور ذبح کر کے سر اتار لیا' سر لے کر چلے گئے' صبح ہوئی تو لاش کو بھی اٹھا کر لے گئے۔

طاہر نے امین کا سر منظر عام پر لٹکا دیا‘ جب لوگوں نے اچھی طرح دیکھ لیا تو اپنے چچازاد بھائی محمد بن حسن بن زریق بن مصعب کے ہاتھ خاتم خلافت‘ عصا‘ چادر کے ہمراہ مامون کے پاس بھیج دیا اور شہر میں امن کی منادی کرادی‘ جمعہ کے دن مسجد جامع میں مامون کے نام کا خطبہ پڑھا اور امین کی برائیاں بیان کیں‘ موسیٰ وعبداللہ پسران امین کو مامون کے پاس بھیج دیا اور زبیدہ خاتون مادر امین کو دریائے زاب کے کنارے کسی مقام پر جلاء وطن کر کے بھیج دیا۔

اس کے بعد طاہر کے لشکر نے اپنے روز ینے طلب کئے‘ مگر جب وصول نہ ہوئے تو سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو گئے‘ طاہر کو بغداد سے اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا‘ پھر اپنے خاص سرداروں کو بلا کر اور ایک جمعیت فراہم کر کے بغداد میں داخل ہوا اور اہل شہر واہل لشکر کو اطاعت پر مجبور کیا۔

خلافت امین کا جائزہ!

خلیفہ امین نے ۲۷ یا ۲۸ برس کی عمر پائی‘ چار برس اور ساڑھے سات مہینے خلافت کی‘ یہ تمام زمانہ فتنہ وفساد اور خون ریزی میں گذرا‘ ہزار ہا مسلمانوں کا خون بلا وجہ بہایا گیا‘ امین کا عہد خلافت عالم اسلام کے لیے مصیبت ونحوست کا زمانہ تھا‘ امین اگرچہ نحو وادب میں دست گاہ کامل رکھتا اور اچھے شعر کہتا تھا‘ اہل علم کا قدردان بھی تھا مگر لہو ولعب کی طرف مائل اور مہمات سلطنت کے سرانجام دینے کے ناقابل تھا‘ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی قصر منصور کے قریب میدان چوگان کے بنانے کا حکم دیا‘ زیب و زینت اور آرائش کے کاموں میں اس کی خصوصی توجہ صرف ہوتی تھی‘ گانے بجانے کا شائق اور حسن پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا‘ پھر سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ خود غرض وزراء میں ایسا کوئی نہ تھا جو کہتا کہ:۔

توئی مرد میدان ایں کارواں
چہ کارت بعشق پری پیکراں

غرض امین اپنی نوجوانی کے جذبات کا پورے طور پر مغلوب اور ملک گیری و ملک داری کی صفات سے معرا تھا‘ فضل بن ربیع جو اس کا وزیر اعظم تھا‘ خاندان عباسیہ کے لیے اچھا وزیر ثابت نہ ہوا‘ فضل بن ربیع نے ہی طوس سے اس لشکر اور اس سامان کو جو مامون کے پاس ہارون کی وصیت کے موافق رہنا چاہیئے تھا بغداد لانے اور مامون کو نقصان پہنچانے کی نامناسب حرکت سے امین و مامون دونوں بھائیوں میں عداوت ودشمنی کا بیج بویا‘ اتنی سی بات کو غالباً مامون برداشت کر لیتا اور امین اپنی عیش پرستی کے سبب مامون کے درپے نہ ہوتا‘ لیکن دوسرا نازیبا کام فضل بن ربیع نے امین سے یہ کرایا

کہ مامون کو ولی عہدی سے معزول کرا کر امین کے شیر خوار بچے کو مامون کی جگہ ولی عہد بنوایا' اور اس ملک میں سے جو ہارون کی وصیت اور تقسیم کے موافق مامون کا تھا ایک حصہ پر قبضہ کر لینا چاہا' عہد نامے کو خانہ کعبہ سے منگوا کر چاک کر دینے کی حرکت بھی امین نے فضل بن ربیع کے مشورے سے کی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان عباسیہ کے تمام با اثر اراکین امین سے بدگمان و بددل ہو گئے۔

اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو ان تمام مصائب اور تمام نقصانات کا (جو عالم اسلام کو پہنچے) سبب ہارون الرشید تھا' ہارون الرشید کے غلط اور قابل ملامت کاموں میں سب سے زیادہ قابل ملامت کام یہی تھا کہ اس نے اپنے جانشین کے انتخاب میں غلط روی اختیار کی اور یہ جانتے ہوئے کہ امین کے مقابلے میں مامون زیادہ لائق اور مستحق خلافت ہے امین کو مامون پر مقدم رکھا' ہارون کی طرف سے یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ امین نجیب الطرفین اور خالص ہاشمی تھا' لیکن مامون کی ماں مجوسی النسل تھی' اس لیے مامون سے اندیشہ تھا کہ وہ عربی عنصر کو زیادہ کمزور کر کے ایرانیوں کے اقتدار و قوت کو اور زیادہ بڑھا دے گا۔ لہٰذا اس نے امین کو اس لیے اپنا جانشین منتخب کیا تھا کہ وہ خالص ہاشمی اور عربی النسل ہونے کی وجہ سے ہارون الرشید کی اس پالیسی کو جو اس نے آخر عمر میں اختیار کی تھی کہ ایرانیوں کے زور کو توڑ دیا جائے کامیاب بنا سکے گا' مگر اس پالیسی کے کامیاب بنانے کے لیے امین کا دل و دماغ موزوں نہ تھا' اور ہارون کو اس کا اندازہ بخوبی تھا' کیوں کہ اپنے آخر ایام حیات میں وہ مامون کی قابلیت اور امین کی نااہلیت سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔

اگر اور بھی زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو ہارون الرشید کی بھی کوئی خطا نہیں تھی' بلکہ شروع ہی سے عباسیوں نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا جو ظہور میں آیا' عباسیوں نے اول اہل خراسان کو حصول مقصد کا ذریعہ بنا کر عربوں کی مخالفت کی اور عربوں کے اثر اور اقتدار کے مٹانے میں ساری طاقت صرف کر کے خراسانیوں کو جو نو مسلم تھے طاقتور بنایا' ابو مسلم کو جو حکم عباسی مقتدا ابراہیم کی طرف سے دیا گیا تھا اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ چھوڑا جائے[1] چنانچہ ابو مسلم نے چھ لاکھ عربوں کو خراسان و ایران میں موت کے گھاٹ اتار دیا' علویوں اور عباسیوں کی متفقہ کوششیں جو بنو امیہ کے خلاف جاری تھیں وہ شروع سے ہی اہل عرب کے اثر و قوت کو کم اور خراسانیوں' فارسیوں اور عراقیوں کو طاقتور بنانے والی تھیں' ہر ایک سازش جو بنو امیہ کے خلاف

---

[1] جناب رسول اللہ ﷺ نے عربی اور عجمی کی تقسیم اور تفریق پیدا کرنے اور عصبیت کی طرف بلانے اور اس کے تحت لڑنے سے نہایت سختی سے منع فرمایا تھا اور وعید سنا کر خبردار کیا تھا۔ لیکن خیر القرون کے بعد امت نے اسی عصبیت کو گلے سے لگایا اور اس کے تحت سینکڑوں جنگیں لڑیں' اناللہ وانا الیہ راجعون!

کامیاب ہوئی اس میں عراقیوں اور خراسانیوں ہی سے امداد لی گئی' اس طرح جب بنوامیہ کی بربادی عمل میں آئی تو علوی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور عباسی خلافت وحکومت کے مالک ہو گئے' پھر آخر جب علویوں نے عباسیوں کی مخالفت شروع کی اور سازشوں کا سلسلہ برابر جاری رہا تو علویوں کو بھی عراقیوں اور خراسانیوں سے امداد ملی[1]

جن لوگوں کو شروع میں بنوامیہ کے خلاف عربوں کے قتل کرنے پر آمادہ کیا گیا تھا وہی اب عباسیوں کے لیے موجب مشکلات بن گئے' منصور عباسی کے زمانے تک خراسانیوں کا عروج برابر ترقی پذیر رہا' صرف مہدی کے چند سالہ عہد حکومت میں مجوسی النسل لوگوں کی ترقی رکی رہی اور عربوں کی کچھ کچھ قدردانی ہوئی' ہادی وہارون کے زمانے میں مجوسی النسل لوگ برابر ترقی کرتے اور اپنی قوت بڑھاتے رہے' ہارون نے اپنے آخر ایام حکومت میں اس بات کو محسوس کیا کہ عربوں کو کمزور کر دینے سے ہم نے خود اپنا بھی بہت سا نقصان کر لیا ہے' وہ اس کی تلافی کے درپے ہوا' مگر اس کو موت نے زیادہ مہلت نہ دی' امین کی خلافت میں عربوں کا مرکز قوت امین' اور خراسانیوں کا مرکز قوت مامون بن گیا' یعنی امین ومامون کے ذریعہ مجوسی النسل مسلمان اور عربی النسل گروہوں کا مقابلہ ہوا' امین چونکہ ذاتی طور پر ناقابل اور مامون اس کی نسبت زیادہ سمجھ دار تھا' لہٰذا عربی گروہ کو شکست ہوئی اور مجوسی النسل لوگ حکومت اسلامیہ کے مالک بن گئے۔

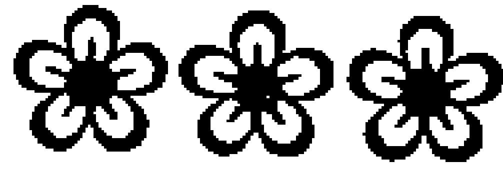
انہیں خراسانیوں اور مجوسی النسل لوگوں نے مامون کو اپنا بنا کر اور سلطنت کی مشین کو اپنے قبضے میں لے کر چاہا کہ مامون کے بعد حکومت علویوں کے سپرد کر دیں' مگر قدرتی طور پر ایسے اسباب پیش آ گئے کہ وہ کامیاب نہ ہو سکے اور حکومت وخلافت عباسیہ خاندان ہی میں رہی' آخر انہیں خراسانیوں اور نو مسلم ترکوں نے زیادہ حوصلہ مند بن کر خود خلافت اسلامیہ کے تکے بوٹی کر کے الگ الگ اپنی حکومتیں قائم کیں۔ اس کی تفصیل آئندہ ابواب میں آنے والی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ خلافت اسلامیہ میں باپ کے بعد بیٹے کے ولی عہد ہونے اور وراثت کے قائم ہونے کی لعنت تمام مفاسد' تمام مصائب' تمام معائب کی بنیاد ہے۔ اور اسی بدعت نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا اور حکومت اسلامیہ کے روشن وخوبصورت چہرے کو ہمیشہ گرد آلود رکھا' امین کی خلافت کے زمانہ کی بدتمیزیاں بھی اسی وراثت خلافت کی لعنت کا نتیجہ تھیں۔

---

[1] عراق' خراسان اور ایران کے علاقے اس وقت سبائی گروہ کا گڑھ تھے۔ یہاں سے اس قدر سازشوں نے جنم لیا کہ خلافت اسلامیہ کا نظام مسلسل غیر مستحکم ہوتا چلا گیا اور شورشوں اور لڑائیوں نے خوب زور پکڑا۔ نتیجتاً خلفاء وحکام نے جو توجہ اور تیاری غیر مسلموں سے جہاد وقتال کرنے کے لیے کرنی تھی' وہ ان خانہ جنگیوں نے سمیٹ لی۔

عجیب اتفاق کی بات ہے کہ سیدنا علی ؓ، سیدنا حسن ؓ، امین الرشید، تین خلیفہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی تھے یعنی ان ہر سہ خلفاء کی مائیں بھی ہاشمیہ تھیں اور تینوں کے لیے خلافت بہ حسب ظاہر راس نہ آئی، یعنی سیدنا علی ؓ کا تمام عہد خلافت اندرونی جھگڑوں اور مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں میں گذرا اور انجام کار ایک شقی نے ان کو شہید کر دیا، سیدنا حسن ؓ نے خلافت کو خود چھوڑ دیا، تاہم وہ بھی زہر سے شہید ہوئے[1] امین کا بھی تمام زمانہ خلافت لڑائی جھگڑوں میں بسر ہوا اور وہ بھی قتل کیا گیا۔



---

[1] حسن ؓ کو ان کی ایک بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا، جس سے آپ کی وفات ہوئی۔ (حکمران صحابہ ؓ۔ الشیخ محمود احمد غضنفر، ص ۳۰۸)

باب : ۴

مامون الرشید

مامون الرشید بن ہارون الرشید کا اصل نام عبداللہ تھا' باپ نے مامون کا خطاب دیا' کنیت ابوالعباس تھی' بروز جمعہ نصف ربیع الاول ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا' جس رات مامون الرشید پیدا ہوا اسی رات ہادی کا انتقال ہوا' اس کی ماں کا نام مراجل تھا جو مجوسی النسل ام ولد تھی اور ایام زچگی ہی میں مرگئی تھی' مراجل بادغیس علاقہ ہرات میں پیدا ہوئی تھی' علی بن عیسیٰ گورنر خراسان نے اس کو ہارون الرشید کی خدمت میں پیش کیا تھا' مامون الرشید کو آغوش مادر میں پرورش پانے کا موقعہ نہیں ملا' ہارون الرشید نے اس کی پرورش اور تربیت میں خصوصی توجہ مبذول رکھی' پانچ برس کی عمر میں کسائی نحوی اور یزیدی کی شاگردی میں دیا گیا' ان دونوں استادوں نے اس کو قرآن مجید اور ادب عربی کی تعلیم دی۔

بارہ برس کی عمر میں جب کہ مامون اپنی ذہانت اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ذکاوت کی یہ دولت اچھی دست گاہ پیدا کر چکا تھا' جعفر برمکی کی اتالیقی میں سپرد کر دیا گیا' اسی سال یعنی ۱۸۲ھ میں اس کو ہارون نے امین کے بعد ولی عہد مقرر کیا' مندرجہ بالا اساتذہ کے علاوہ دربار ہارون میں علماء وفضلاء کی کمی نہ تھی اور وہ سب بھی وقتاً فوقتاً مامون کی استادی پر مامور ہوتے رہے' مامون قرآن کریم کا حافظ اور عالم متبحر تھا' فصاحت کلام اور برجستہ گوئی میں اس کو کمال حاصل تھا' وہ اپنے بھائی امین سے عمر میں کسی قدر بڑا تھا' فقہ اور حدیث اس نے بڑے بڑے ائمہ فن سے پڑھی تھی' ہارون الرشید نے امین و مامون دونوں کو بڑے ہی شوق اور توجہ کے ساتھ تعلیم دلائی تھی لیکن مامون پر اس تعلیم اور توجہ کا جو اثر ہوا وہ امین پر نہ ہوا۔

اگرچہ جمادی الثانی ۱۹۳ھ سے جب کہ ہارون الرشید کا انتقال ہوا تھا' مامون الرشید خراسان وغیرہ ممالک مشرقیہ کا خود مختار فرماں روا تھا' لیکن اس کی خلافت کا زمانہ محرم ۱۹۸ھ سے جب کہ امین مقتول ہوا شروع ہوتا ہے' امین ۲۵ محرم کو بوقت شب مقتول ہوا' اور مامون کی بیعت ۲۶ محرم ۱۹۸ھ بروز ہفتہ بغداد میں ہوئی۔

جب مامون کو امین کے مقتول ہونے کا حال معلوم ہوا اور بغداد میں اس کی فوج کا تسلط قائم ہو کر اہل بغداد نے مامون کو خلیفہ تسلیم کر لیا' تو مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل کے حقیقی بھائی حسن بن سہل کو جبال فارس' اہواز' بصرہ' کوفہ' حجاز' یمن وغیرہ نو مفتوحہ ممالک کی حکومت عطا کر کے بغداد کی جانب روانہ کیا' ہرثمہ بن اعین اور طاہر بن حسین نے یہ تمام علاقہ فتح کیا تھا اور انہیں ہر دو سپہ سالاروں کی پامردی سے یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ مامون کو اہل بغداد نے خلیفہ تسلیم کیا اور امین مقتول ہوا۔

طاہر جس نے سب سے زیادہ کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے اس بات کا متوقع تھا کہ اس کو ان نو مفتوحہ صوبوں کی حکومت عطا ہو گی' مگر خلاف توقع حسن بن سہل کو یہ حکومت ملی اور طاہر بن حسین کو حسن بن سہل نے جزیرہ وموصل وشام کا گورنر مقرر کر کے نصر بن شیث بن عقیل بن کعب بن ربیعہ بن عامر کے مقابلہ پر روانہ کیا' جس نے امین کی بیعت کے ایفاء کا اظہار کر کے خلافت مامون کے خلاف موصل وشام میں گروہ کثیر جمع کر لیا تھا اور عراق کے شہروں پر قبضہ وتصرف کرتا جاتا تھا' حسن بن سہل کے حاکم اور نائب السلطنت مقرر ہو کر آنے سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ فضل بن سہل مامون پر پورے طور پر مستولی ہے اور اب ہر طرف ایرانیوں ہی کا دور دورہ ہو گا' عرب سرداروں کو اس تصور سے سخت اندیشہ ہوا اور ان میں عام طور پر بے دلی پھیل گئی' ساتھ ہی یہ بھی یقین ہو گیا کہ مامون اب فضل بن سہل کی خواہش کے موافق مرو ہی کو دارالخلافہ رکھے گا اور بغداد میں نہ آئے گا۔

طاہر کو حسن بن سہل نے نصر بن شیث کے مقابلہ پر بھیجا تو وہاں اس کو کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی اور طاہر نے شہر رقہ میں قیام کر کے نصر بن شیث کے ساتھ معمولی چھیڑ چھاڑ جاری رکھی' رقہ ہی میں طاہر کے پاس خبر پہنچی کہ خراسان میں اس کے باپ حسین بن زریق بن مصعب نے انتقال کیا اور خلیفہ مامون اس کے جنازہ میں خود شریک ہوا' ہرثمہ بن اعین کو حسن بن سہل نے خراسان کی طرف چلے جانے کا حکم دیا' نصر بن شیث کی بغاوت چونکہ محض اس وجہ سے تھی' کہ اہل عرب پر اہل عجم کو کیوں مقدم کیا جاتا ہے' اس لیے طاہر نے اس کے مقابلہ میں زیادہ توجہ سے کام نہیں لیا' کیوں کہ طاہر خود اس بات کو ناپسند کرتا تھا کہ اہل عجم' اہل عرب پر مستولی ہوئے جاتے ہیں' ہرثمہ بن اعین بھی جو خاندان عباسیہ کے قدیمی متوسلین میں سے تھا اہل عجم کے اقتدار کو اندیشہ ناک نگاہوں سے دیکھتا تھا۔

ابن طباطبا اور ابوالسرئی خروج

ابوالسرایا سری بن منصور قبیلہ بنو شیبان سے تعلق رکھتا تھا' خلافت امین کے زمانہ میں وہ عامل

جزیرہ کی فوج میں تھا' وہاں اس نے بنوتمیم کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا' عامل جزیرہ نے قصاص کی غرض سے اس کی گرفتاری کا حکم دیا تو وہ فرار ہو کر رہزنی کرنے لگا' آخرتیس آدمی اس کے ساتھ اس رہزنی میں شریک ہو گئے۔

چند روز کے بعد وہ معہ اپنے گروہ کے یزید بن مزید کے پاس آرمینیا چلا گیا' یزید بن مزید نے اس کو سپہ سالاری کا عہدہ عطا کر دیا' یزید بن مزید فوت ہو گیا تو اس کے لڑکے اسد بن یزید کے پاس رہنے لگا' جب اسد آرمینیا کی حکومت سے معزول ہوا تو ابوالسرایا' احمد بن مزید کے پاس چلا گیا' امین نے احمد بن مزید کو جنگ ہرثمہ پر مامور کیا تو احمد بن مزید نے ابوالسرایا کو اپنے لشکر کے مقدمۃ الجیش کی سرداری عطا کی' ہرثمہ نے اس سے سازش کر لی اور یہ ہرثمہ کے پاس چلا گیا۔

ہرثمہ کے پاس جا کر اس نے جزیرہ سے اپنے قبیلہ بنوشیبان کے آدمیوں کو بلایا' وہ دو ہزار کی تعداد میں جزیرہ سے آ کر ہرثمہ کے لشکر میں بھرتی ہو گئے' ابوالسرایا نے ہرثمہ سے کہہ کر ان کے بڑے بڑے روزینے مقرر کرائے' جب امین مقتول ہوا تو ہرثمہ نے بنوشیبان کے روزینے دینے سے انکار کیا' ابوالسرایا نے ناراض ہو کر ہرثمہ سے حج کی اجازت چاہی' ہرثمہ نے اجازت دے دی اور بیس ہزار درہم سفر خرچ عطا کیا' ابوالسرایا نے یہ بیس ہزار درہم اپنے ہمراہیوں کو تقسیم کر دیئے اور کہا کہ تم لوگ بھی ایک ایک دو دو کر کے میرے پاس چلے آنا' چنانچہ ابوالسرایا ہرثمہ سے رخصت ہو کر بظاہر حج کے ارادے سے روانہ ہوا' راستے میں قیام کر دیا اور وہیں دو سو آدمی آ آ کر اس کے پاس جمع ہو گئے' ان لوگوں کو مرتب کر کے ابوالسرایا نے عین التمر پر حملہ کیا اور وہاں کے عاملوں کو گرفتار کر کے عین التمر کو خوب لوٹا اور مال غنیمت اپنے ہمراہیوں کو تقسیم کر دیا' پھر اس نے اپنی لوٹ مار کے سلسلے کو جاری رکھ کر کئی مقامات سے سرکاری خزانے لوٹے۔

ہرثمہ نے اس کی سرکوبی و گرفتاری کے لیے فوج بھیجی' ابوالسرایا نے اس کو شکست دے کر بھگا دیا' اس کے بقیہ ہمراہی بھی اس سے آ ملے اور اس کی جمعیت بڑھ گئی' اس کے بعد ابوالسرایا نے دقوقا کے عامل کو شکست دے کر وہاں کا خزانہ لوٹا' پھر انبار کا قصد کیا اور وہاں کے عامل ابراہیم شروی کو قتل کر کے انبار کو خوب لوٹا اور مال غنیمت اپنے ہمراہیوں کو تقسیم کر کے چل دیا' انبار سے روانہ ہو کر طوق بن مالک تغلبی کے پاس گیا' وہاں سے رقہ کی جانب روانہ ہوا' وہاں اتفاقاً محمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ بن علی سے ملاقات ہو گئی جو مدعی خلافت بن کر اٹھے تھے اور اپنے گروہ کو لے کر رقہ سے نکلے تھے' ان کے باپ ابراہیم طباطبا کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے اس لیے یہ ابن طباطبا مشہور تھے۔

اب یہ وہ زمانہ تھا کہ حسن بن سہل عراق وحجاز ویمن وغیرہ کا حاکم مقرر ہو کر بغداد میں آ چکا تھا اور عام طور پر اہل عرب' اہل عجم کے اقتدار کو خطرے اور نفرت کی نظر سے دیکھ رہے تھے اور مامون کی خلافت کو اپنے لیے مضر سمجھنے لگے تھے[1] علوی لوگ جا بجا اس حالت سے فائدہ اٹھانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

ادھر نصر بن شیث نے اعلان کر دیا کہ میں خاندان عباسیہ کا مخالف اور دشمن نہیں ہوں بلکہ موجودہ حکومت کی اس لیے مخالفت کر رہا ہوں کہ اس حکومت نے اہل عجم کو اہل عرب پر مقدم کر دیا ہے' اس اعلان کا یہ اثر تھا کہ نصر بن شیث کے مقابلہ میں مامون کے عرب سرداران فوج کی سرگرمیاں سست پڑ گئی تھیں۔

ہرثمہ کو بھی اسی زمانہ میں حسن بن سہل نے ناخوش ہو کر خراسان کی جانب رخصت کیا تھا' ابوالسرایا نے محمد بن ابراہیم (ابن طباطبا) کے وجود کو بہت غنیمت سمجھا اور فوراً ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی' ابن طباطبا نے ابوالسرایا کو براہ دریا کوفہ کی جانب روانہ کیا اور خود براہ خشکی کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قرارداد کے موافق ۱۵ جمادی الثانی ۱۹۹ھ کو ایک طرف سے ابوالسرایا اور دوسری طرف سے ابن طباطبا کوفہ میں داخل ہوئے اور قصر عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ کو کہ یہی گورنر کی قیام گاہ تھا اور یہیں شاہی خزانہ بھی تھا لوٹ لیا' تمام شہر پر قبضہ حاصل ہو گیا اور اہل کوفہ نے ابن طباطبا کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حسن بن سہل نے کوفہ پر ابوالسرایا اور ابن طباطبا کے قبضہ کا حال سن کر زہیر بن مسیب کو دس ہزار کی جمعیت سے کوفہ کی جانب روانہ کیا' ابوالسرایا اور ابن طباطبا نے کوفہ سے نکل کر زہیر بن مسیب کا مقابلہ کیا' زہیر کی فوج کو شکست ہوئی' ابوالسرایا نے زہیر کے لشکر گاہ کو لوٹا اور قتل و غارت گری میں بے رحمی سے کام لیا' ابن طباطبا نے ابوالسرایا کو بے رحمی اور قتل و غارت سے منع کیا' ابوالسرایا جو شروع سے قتل و غارت اور آزادی کا عادی تھا اس روک تھام اور دخل غیر کو برداشت نہ کر سکا' اس نے ابن طباطبا کو زہر دلوا دیا' اگلے دن وہ مردہ پائے گئے' اور ان کی حکومت و ملک گیری کا زمانہ بہت ہی جلد ختم ہو گیا' ابوالسرایا نے فوراً ایک نوعمر لڑکے محمد بن جعفر بن محمد بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کو ابن طباطبا کا قائم مقام بنا کر بیعت کی اور خود تمام کاموں کو خود مختارانہ طور پر انجام دینے لگا۔

---

1. عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے شیطان پرست حواریوں نے اہل عرب کے خلاف فضاء تیار کرنے کے لیے جو بیج بوئے تھے اور ان سے جو پودے پھوٹ نکلے تھے' وہ اب سر ابھار رہے تھے اور تناور ہو چکے تھے۔

ابوالسرایا کی حکمرانی اوراس کا انجام

زہیر بن میتب شکست کھا کر قصر بن ہبیرہ میں آ کر مقیم ہو گیا' حسن بن سہل نے عبدوس بن محمد بن خالد مروروزی کو چار ہزار فوج کے ساتھ زہیر کی مدد کے لیے روانہ کیا' زہیر وعبدوس نے کوفہ کی طرف حملہ آوری کی مگر ۱۵ رجب ۱۹۹ھ کو ابوالسرایا کے مقابلہ میں شکست پا کر مقتول ہوئے' اس فتح کے بعد ابوالسرایا نے کوفہ میں اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور متعدد علویوں کو صوبوں کی حکومت پر مامور کر کے روانہ کیا' اہواز کی حکومت پر عباس بن محمد بن عیسیٰ بن محمد کو' مکہ کی حکومت پر حسین بن حسن بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب المعروف بہ افطس کو' یمن کی حکومت پر ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر صادق کو' بصرہ کی حکومت پر زید بن موسیٰ بن جعفر صادق کو روانہ کیا' عباس نے اہواز پر وہاں کے عامل کو شکست دے کر قبضہ کر لیا اور اسی طرح ابوالسرایا کے ہر ایک عامل کو کامیابی حاصل ہوئی۔

ابوالسرایا نے عباس بن محمد کو لکھا کہ تم اہواز سے فوج لے کر بغداد پر مشرقی جانب سے حملہ کرو اور خود فوج لے کر قصر ابن ہبیرہ میں آ ٹھہرا۔

حسن بن سہل نے بغداد سے علی بن سعید کو مدائن اور واسط کی حفاظت کے لیے مدائن کی طرف روانہ کیا تھا' ابوالسرایا کو اس کی خبر لگی تو اس نے فوراً قصر ابن ہبیرہ سے ایک فوج بھیج دی جس نے علی بن ابی سعید کے پہنچنے سے پہلے ہی ماہ رمضان ۱۹۹ھ میں مدائن پر قبضہ کر لیا' خود ابوالسرایا قصر ابن ہبیرہ سے روانہ ہو کر نہر صرصر پر آ کر مقیم ہوا' علی ابن ابی سعید نے مدائن پہنچ کر ماہ شوال ۱۹۹ھ میں ابوالسرایا کے لشکر پر محاصرہ ڈال دیا' ابوالسرایا یہ سن کر کہ مدائن میں اس کی فرستادہ فوج محصور ہو گئی ہے' نہر صرصر سے قصر ابن ہبیرہ کی جانب روانہ ہوا۔

ماہ رجب ۱۹۹ھ میں جب حسن بن سہل کی فرستادہ فوجیں ابوالسرایا سے شکست پا چکیں اور حسن بن سہل کے سردار مقتول و گرفتار ہو گئے تو حسن بن سہل کو بڑی فکر پیدا ہوئی' طاہر اس زمانہ میں شہر رقہ میں مقیم تھا اور نصر بن شیث کی وجہ سے وہ واپس نہیں آ سکتا تھا' ہرثمہ بغداد سے رخصت ہو کر خراسان کی طرف روانہ ہو گیا تھا' ان دونوں سرداروں کے سوا اور کوئی ایسا سردار حسن بن سہل کے پاس نہ تھا جو ابوالسرایا کے مقابلہ پر بھیجا جا سکے' ادھر ابوالسرایا نے بغداد کے فتح کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں' بصرہ' کوفہ' واسط' مدائن وغیرہ پر اس کا قبضہ ہو چکا تھا۔

حسن بن سہل ہرثمہ سے اور ہرثمہ حسن سے ناراض تھا' حسن ہرثمہ سے کوئی امداد نہ لینا چاہتا تھا' مگر نہایت مجبور ہو کر اس نے تیز رفتار قاصد ہرثمہ کے پاس بھیجا اور خط میں لکھا کہ تم فوراً راستہ ہی سے

واپس لوٹ آ ؤ اور ابوالسرایا کے قصے کو چکاؤ' ہرثمہ یہ نہ چاہتا تھا کہ حسن بن سہل کے کاموں میں سہولت پیدا ہو مگر چونکہ حسن نے خود امداد و اعانت طلب کی تھی اس لیے ہرثمہ نے انکار مناسب نہ سمجھا اور فوراً بغداد کی جانب لوٹ پڑا' ہرثمہ بغداد میں اس وقت داخل ہوا جب کہ ابوالسرایا نہر صرصر کے قصر ابن ہبیرہ کی جانب مدائن کے محاصرہ کی خبر سن کر روانہ ہوا تھا۔

ہرثمہ نے بغداد سے بلاتوقف ابوالسرایا کے تعاقب میں کوچ کر دیا' راستے میں اول ابوالسرایا کے ہمراہیوں کی ایک جماعت ملی' اس کو ہرثمہ نے گھیر کر قتل کر ڈالا' پھر تیزی سے آگے بڑھ کر ابوالسرایا کو جا لیا' ابوالسرایا نے لوٹ کر مقابلہ کیا' اس معرکہ میں ابوالسرایا کے بہت سے ہمراہی مارے گئے' ابوالسرایا اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگ نکلا اور کوفہ میں پہنچ کر بنو عباس اور ان کے ہوا خواہوں کے مکانات کو چن چن کر خوب لوٹا اور سب کو مسمار و ویران کر دیا' ان کا مال و اسباب اور امانتیں جو لوگوں کے پاس تھیں سب پر قبضہ کیا' ہرثمہ نے بڑھ کر کوفہ کا محاصرہ کر لیا' ابوالسرایا نے کوفہ میں محصور ہو کر قریباً دو مہینے تک مدافعت میں استقامت دکھائی لیکن محاصرہ کی شدت سے مجبور و مایوس ہو کر محمد بن جعفر بن محمد کو ہمراہ لے کر آٹھ سو سواروں کے ساتھ کوفہ سے بھاگ نکلا' ۵ ا محرم ۲۰۰ھ کو ہرثمہ نے کوفہ میں داخل ہو کر وہاں ایک عامل مقرر کیا اور ایک روزہ قیام کے بعد بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔

ابوالسرایا کوفہ سے قادسیہ اور قادسیہ سے طوس کی جانب روانہ ہوا' مقام خوزستان میں ایک قافلہ مل گیا جو اہواز سے بہت سا مال و اسباب لیے ہوئے جا رہا تھا' ابوالسرایا نے اس کو لوٹ کر مال و اسباب اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کر دیا۔

انہیں ایام میں حسن بن علی ماموں نے اہواز سے ابوالسرایا کے عامل کو بھگا کر اہواز پر قبضہ کر لیا تھا' جب حسن بن علی نے ابوالسرایا کی اس زیادتی کا حال سنا تو وہ اہواز سے فوج لے کر ابوالسرایا کے تعاقب میں روانہ ہوا' دونوں کا مقابلہ ہوا اور ابوالسرایا کو شکست فاش حاصل ہوئی' ابوالسرایا شکست پا کر موضع راس عین علاقہ جلولاء میں آیا' حسن بن علی نے خبر پا کر فوراً ابوالسرایا کو جا گھیرا' اور ابوالسرایا کو معہ محمد بن جعفر بن محمد گرفتار کر کے حسن بن سہل کی خدمت میں بھیج دیا' حسن بن سہل نے ابوالسرایا کو قتل کرا کر اس کی لاش کو بغداد کے پل پر لٹکا دیا اور اس کے سر کو معہ محمد بن جعفر بن محمد کے مامون کی خدمت میں روانہ کیا' علی بن سعید نے مدائن کو فتح اور ابوالسرایا کی فوج کو قتل کر کے حسن بن سہل کے حکم کے موافق اول واسط کی طرف جا کر اس پر قبضہ کیا' پھر واسط سے بصرہ کی طرف کوچ کیا اور وہاں زید بن موسیٰ بن جعفر صادق کو بے دخل کر کے بصرہ پر قبضہ کیا۔

زید بن موسیٰ نے بصرہ میں تمام بنو عباس اور ان کے ہوا خواہوں کے مکانات آگ لگوا کر

خاک سیاہ کر دیئے تھے' اس لیے زید النار کے نام سے شہرت پائی تھی' علی بن سعید نے زید النار کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا' اس طرح محرم ۲۰۰ھ میں ابوالسرایا اور ملک عراق کے فتنوں کا تو خاتمہ ہوا لیکن حجاز ویمن میں ابھی تک شورش و بدامنی بدستور باقی تھی۔

حجاز ویمن کی بدامنی

جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے ابوالسرایا نے آل ابی طالب ہی کو صوبوں اور ولایتوں کی حکومت پر مقرر کیا تھا' ہر جگہ حکومت عباسیہ کے خلاف علوی ہی مصروف عمل تھے' یہ ابوالسرایا کی دانائی تھی کہ اس نے علویوں کو صوبوں اور ولایتوں کی حکومتیں دے کر بظاہر اپنی حکومت کو علوی حکومت بنا دیا تھا' ابوالسرایا کا خاتمہ ہو گیا لیکن اکثر علوی جو صوبوں پر قابض و متصرف ہو چکے تھے انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی خلافت قائم کرنے کی جدوجہد میں برابر مصروف رہے' قتل امین کے بعد علویوں کو نہایت ہی زریں موقعہ ہاتھ آ گیا تھا' کیوں کہ خود مامون پر جن لوگوں نے قبضہ حاصل کر لیا تھا یعنی فضل و حسن پسران سہل بھی ایرانی النسل ہونے کے سبب آل ابی طالب کو آل عباس سے بہتر سمجھتے تھے۔ اور ان کا میلان خاطر علویوں کی طرف زیادہ تھا۔

مامون نے خود جعفر برمکی سے تربیت پائی تھی۔ اس لیے اس کے دل میں بھی سادات کی عزت و عظمت بہت زیادہ تھی اور اس کے وزیراعظم کو بہترین موقع حاصل تھا کہ وہ امین کے قتل سے فارغ ہونے کے بعد سلطنت کا رخ علویوں کی جانب پھیر دے۔ مگر ہرثمہ بن اعین کی فوجی قابلیت نے ابوالسرایا کا خاتمہ کر کے عراق کو صاف کر دیا اور علویوں کے طرز حکومت نے ان کو حجاز ویمن میں ناکام رکھا۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب ابوالسرایا نے حسین افطس یعنی حسین بن حسن بن علی بن حسین کو مکہ کا حاکم بنا کر روانہ کیا تو اتفاقاً مکہ میں ہارون الرشید کا مشہور خادم مسرور معہ سو ہمراہیوں کے گیا ہوا تھا۔ اس زمانے میں مامون کی طرف سے مکہ کا عامل داؤد بن عیسٰی بن موسٰی عباسی تھا۔ مسرور اور داؤد نے مکہ میں حسین افطس کے آنے کی خبر سن کر آل عباس اور ہمدردان آل عباس کا ایک جلسہ منعقد کر کے مشورہ کیا کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے' مسرور اور دوسرے لوگوں نے مقابلہ اور جنگ کرنے کی رائے دی مگر داؤد نے کہا کہ میں حرم شریف میں قتل و خون ریزی کو پسند نہیں کرتا۔ اگر حسین افطس مکہ میں ایک طرف سے داخل ہوا تو میں دوسری طرف سے نکل جاؤں گا۔

مسرور یہ سن کر خاموش ہو گیا اور داؤد نے حسین افطس کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر عراق کی طرف کوچ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسرور بھی مکہ سے چل دیا' حسین افطس مکہ سے باہر مقیم اور داخل ہونے

میں متامل تھا' اس نے جب یہ سنا کہ مکہ آل عباس سے خالی ہو گیا ہے تو وہ صرف دس آدمیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا۔ طواف کیا اور ایک شب مکہ میں مقیم رہ کر اپنے اور ہمراہیوں کو بھی بلا کر مکہ پر قبضہ کر لیا اور حکومت کرنے لگا۔

ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر صادق نے یمن میں پہنچ کر مامون کے عامل اسحٰق بن موسیٰ بن عیسیٰ کو یمن سے بھگا دیا اور یمن پر قابض و متصرف ہو کر حکومت شروع کی۔ حسین افطس نے خانہ کعبہ کا غلاف اتار کر دوسرا غلاف جو ابوالسرایا نے کوفہ سے بھیجا تھا' چڑھایا۔ بنو عباس کے مال و اسباب اور گھروں کو لوٹ لیا۔ ان کی امانتوں کو جبراً لوگوں سے چھین لیا۔ پھر عام مکہ والوں کے مال و اسباب پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ کعبہ شریف کے ستونوں پر جس قدر سونا چڑھا ہوا تھا اس کو اتار لیا۔ خانہ کعبہ کے خزانہ میں جس قدر نقد و جنس تھا سب کو نکال کر اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کر دیا۔ حسین افطس کے ہمراہیوں نے حرم شریف کی جالیوں تک کو توڑ ڈالا۔

ادھر ابراہیم نے یمن پہنچ کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور بے گناہوں کو بکثرت قتل کرنے کی وجہ سے قصاب کا خطاب پایا۔ چنانچہ ابراہیم قصاب کے نام سے اب تک تعبیر کیا جاتا ہے۔ علویوں کے دوسرے سرداروں نے بھی جو ابراہیم بن موسیٰ اور حسین افطس کی طرف سے فوجوں اور علاقوں کی سرداریاں رکھتے تھے لوٹ مار اور قتل و غارت میں کمی نہیں کی۔ زید بن موسیٰ کا حال اوپر پڑھ چکے ہو کہ بصرہ میں ظلم و ستم کا بازار گرم کر کے زید النار کا خطاب پایا تھا۔

غرض علویوں نے ابوالسرایا کی طرف سے حکومتیں پا کر اپنی چند روزہ حکمرانی میں ایک اودھم مچا دی اور غالباً ان کا یہ ظالمانہ و سفاکانہ طرز عمل ہی ان کی ناکامی و نامرادی کا باعث ہوا۔ جب مکہ میں ابوالسرایا کے قتل کی خبر پہنچی تو اہل مکہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے' حسین افطس نے محمد بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے پاس جا کر کہا کہ یہ موقعہ بہت مناسب ہے۔ لوگوں کے قلوب آپ کی طرف مائل ہیں ابوالسرایا مارا جا چکا ہے' آپ اپنی خلافت کی لوگوں سے بیعت لیں۔ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کیے لیتا ہوں' پھر کوئی شخص آپ کی مخالفت نہ کرے گا۔ محمد بن جعفر ملقب بہ دیباچہ عالم نے انکار کیا مگر حسین افطس اور محمد بن جعفر کا لڑکا علی دونوں برابر اصرار کرتے رہے۔

آخر محمد بن جعفر بیعت لینے پر آمادہ ہو گئے۔ لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔ اور وہ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ اس کے بعد حسین افطس اور محمد بن جعفر کے بیٹے علی نے بد اعمالیوں پر کمر باندھی۔ دونوں نے یہاں تک زنا کاری میں ترقی کی کہ مکہ کی عورتوں کو اپنی عصمت کا

بچانا دشوار ہو گیا۔ سر بازار عورتوں اور مردوں کو بے عزت کرنے لگے۔ اوباش لوگوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو گئی اور یہ رات دن ان افعال شنیعہ میں مصروف رہنے لگے۔

مکہ کے قاضی محمد نامی کا لڑکا اسحق بن محمد ایک روز بازار میں جا رہا تھا۔ علی بن محمد بن جعفر یعنی امیر المومنین کے صاحبزادے نے اس کو پکڑوا کر بلوا لیا اور اپنے گھر میں بند کر لیا۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر ایک جلسہ کیا اور سب اس بات پر متفق و آمادہ ہو گئے کہ محمد بن جعفر صادق کو معزول کیا جائے اور قاضی مکہ کے لڑکے کو علی بن محمد کے پاس سے واپس چھڑایا جائے' لوگوں نے شور و غل مچاتے ہوئے محمد بن جعفر امیر المومنین کے گھر جا کر گھیرا کیا تو انہوں نے لوگوں سے امان طلب کی اور خود اپنے بیٹے علی کے گھر میں گئے تو وہاں اس لڑکے کو موجود پایا اور علی سے لے کر لوگوں کے حوالے کیا۔

اوپر پڑھ چکے ہو کہ ابراہیم بن موسیٰ کاظم المعروف بہ ابراہیم قصاب نے یمن کے عامل اسحق بن موسیٰ بن عیسیٰ کو بھگا دیا تھا۔ اسحق بن موسیٰ یمن ہی میں موقعہ کا منتظر رو پوش رہا۔ اب علویوں کی اس ظالمانہ حکومت اور لوگوں کی نفرت کو دیکھ کر اس نے ایک لشکر با آسانی فراہم کر لیا۔ ابراہیم بھی یمن سے مکہ آیا ہوا تھا۔ اسحق نے یمن سے روانہ ہو کر مکہ پر حملہ کیا۔ علویوں نے اردگرد کے بدوؤں کو جمع کیا اور خندقیں کھود کر اسحق کے مقابلے پر مستعد ہو گئے۔ اسحق نے اول تو صف آرائی کی مگر پھر کچھ سوچ کر وہاں سے سیدھا عراق کی جانب چل دیا۔ ادھر حسن بن سہل نے عراق سے فارغ ہو کر ہرثمہ بن اعین کو حجاز و یمن کے فسادات مٹانے کی طرف توجہ دلائی۔ ہرثمہ نے رجاء بن جمیل اور جلودی کو ایک فوج دے کر مکہ کی جانب روانہ کیا۔ ہرثمہ کا فرستادہ یہ لشکر ادھر سے جا رہا تھا ادھر سے اسحق آ رہا تھا۔ راستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اسحق بھی ان لوگوں کے ساتھ مکہ کی جانب لوٹ پڑا وہاں پہنچ کر علویوں کو مقابلہ پر مستعد پایا۔ سخت معرکہ آرائی کے بعد علویوں کو شکست ہوئی اور عباسی لشکر فتح مند ہو کر مکہ میں داخل ہوا۔

محمد بن جعفر نے امان طلب کی' ان کو امان دی گئی' محمد بن جعفر مکہ سے جحفہ اور جحفہ سے بلاد جہنیہ کی طرف چلے گئے' وہاں انھوں نے لشکر جمع کرنا شروع کیا۔ جب ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا تو مدینہ منورہ پر حملہ کیا۔ مدینہ کے عامل ہارون بن مسیب نے مقابلہ کیا۔ متعدد لڑائیاں ہوئیں' آخر دیباچہ عالم محمد بن جعفر صادق نے شکست فاش کھائی۔ اور بلاد جہنیہ کی طرف واپس آئے۔ اسی لڑائی میں ایک آنکھ بھی جاتی رہی اور ہمراہی ان کے بہت زیادہ مارے گئے۔ اگلے سال موسم حج میں رجا بن جمیل اور جلودی سے جو ابھی تک مکہ کی حکومت پر مامور تھے امان حاصل کر کے مکہ میں آئے اور لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ میں جانتا تھا کہ مامون الرشید فوت ہو چکا ہے۔ اسی لیے میں نے لوگوں سے بیعت لی

تھی۔ اب صحیح خبر پہنچ گئی ہے کہ مامون زندہ ہے۔ لہٰذا میں تم لوگوں کو اپنی بیعت سے سبکدوش کرتا ہوں۔ حج ادا کرنے کے بعد ۲۰۱ھ میں حسن بن سہل کے پاس بغداد چلے گئے۔ اس نے مامون کے پاس بھیج دیا۔ مامون نے ان کو عزت سے رکھا۔ جب مرو سے عراق کی جانب روانہ ہوئے تو راستے میں بمقام جرجان فوت ہوئے۔

ہرثمہ بن اعین کا قتل!

فضل بن سہل نے ہارون الرشید کی وفات کے بعد مامون کی خوب ہمت بندھائی تھی اور اسی نے امین کے مقابلے کے لیے ساز و سامان کئے تھے۔ مامون نے اس کو وزیر اعظم اور صاحب السیف والقلم بنادیا تھا' ایرانی مامون کی طرف اس لیے مائل تھے کہ اس کی ماں ایرانی تھی اور اس نے جعفر سے تربیت پائی تھی۔ اور اس نے ایرانیوں کو چوتھائی خراج معاف بھی کر دیا تھا۔ لہٰذا فضل کو اپنی وزارت اور خلیفہ پر قابو حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی سہولت حاصل تھی۔ اس نے مامون کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ مرو ہی کو دارالخلافہ رکھے جو خراسان کا دارالصدر تھا۔ یہاں اہل عرب کو کوئی زور و قوت حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر مامون الرشید بغداد چلا جاتا تو فضل بن سہل کا یہ زور قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ اور یہاں اہل عرب خلیفہ کو اس طرح فضل کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ فضل بن سہل نے اپنے بھائی حسن بن سہل کو عراق و حجاز وغیرہ ممالک کا حاکم و وائسرائے بنا کر اہل عرب کے زور کو کم کرنے کا سامان کر دیا تھا۔ ہرثمہ اور طاہر دو زبردست سپہ سالار تھے جنہوں نے مامون کی خلافت قائم کرنے کے لیے بڑے بڑے جنگی کارنامے دکھائے تھے۔ طاہر کی شہرت اگرچہ ہرثمہ سے بڑھ گئی تھی۔ مگر ہرثمہ کی قدامت نے اس کمی کو پورا کر دیا تھا اور دونوں کو دربار خلافت سے برابر کے داعیے تھے۔

طاہر کو یہ محسوس ہو چکا تھا کہ امین کے قتل کرنے میں اس نے مامون کی اس فطری محبت کو جو بھائی کو بھائی کے ساتھ ہوتی ہے' صدمہ پہنچایا ہے' اسی لیے اس کو اس کے مفتوحہ علاقہ کی حکومت نہ ملی۔ بلکہ اس کی جگہ حسن بن سہل کو فضل بن سہل با آسانی مامون کے حسب منشاء ممالک مغربیہ کا وائسرائے مقرر کر سکا۔ پس طاہر تو اہل عجم کا زور توڑنے اور مامون کو مرو سے بغداد کی طرف لانے کے لیے کوئی کوشش و حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ صرف ہرثمہ بن اعین ہی یہ جرأت کر سکتا تھا کہ وہ خلیفہ کو اہل عرب کے حسب منشاء توجہ دلائے۔ ہرثمہ کو یہ بات بھی معلوم ہو چکی تھی کہ مامون الرشید کے پاس کوئی خط' کوئی درخواست کوئی عرض داشت براہ راست بلا توسط فضل بن سہل ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ اس کو یہ بھی معلوم ہو

چکا تھا کہ خلیفہ کسی شخص سے بلا توسط فضل کے ملاقات نہیں کر سکتا' یعنی کوئی شخص فضل کی اجازت کے بغیر خلیفہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس حالت میں مامون الرشید کی حالت قریباً ویسی ہی تھی جیسی کہ ہندوستان کے بادشاہ جہانگیر کی مہابت خاں کی قید میں۔

تاریخ اسلامیہ میں یہ سب سے پہلی مثال تھی کہ خلیفہ کو اس کے وزیر نے گویا نظر بند کر رکھا تھا اور خلیفہ اپنے آپ کو شاید نظر بند نہیں سمجھتا تھا۔ اب ابوالسرایا کے قتل اور مکہ کی طرف فوج بھیجنے کے بعد ہرثمہ کو معلوم ہوا کہ مامون الرشید کو اب تک عراق و حجاز کی بغاوتوں کا کوئی حال معلوم نہیں اور اب تک وہ ملک کی عام حالت سے بالکل بے خبر ہے۔ چنانچہ ہرثمہ فوراً خراسان کی طرف اس ارادے سے روانہ ہوا کہ میں خود دربار میں حاضر ہو کر تمام حالات سے خلیفہ کو واقف کروں گا اور فضل بن سہل کی ان کارروائیوں کو کہ اس نے خلیفہ کو اب تک بے خبر رکھا ہے۔ افشا کر دوں گا۔ ہرثمہ حسن بن سہل سے رخصت ہوئے بغیر خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔

فضل بن سہل کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ ہرثمہ دربار خلافت کی طرف آ رہا ہے تو اس نے مامون الرشید سے یہ حکم لکھوا کر بھجوا دیا کہ تم راستے ہی سے شام و حجاز کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں تمھاری سخت ضرورت ہے۔ ہمارے پاس خراسان میں آنے کی ابھی ضرورت نہیں۔

ہرثمہ چونکہ حقیقت سے پہلے ہی آگاہ تھا۔ اس نے مامون کے اس فرمان کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنی خدمات جلیلہ اور حقوق قدامت پر بھروسہ کئے ہوئے مرو کی جانب گرم سفر رہا۔ حتیٰ کہ جب مرو کے قریب پہنچا تو اس کو خیال آیا کہ مبادا فضل بن سہل مجھ کو دربار میں باریاب ہی نہ ہونے دے اور میرے آنے کا حال ہی مامون الرشید کو معلوم نہ ہو لہٰذا اس نے شہر میں داخل ہوتے ہوئے نقارہ بجانے کا حکم دیا تا کہ خلیفہ کو معلوم ہو جائے کہ کوئی بڑا سردار شہر میں داخل ہو رہا ہے۔

ادھر جب فضل کو معلوم ہوا کہ ہرثمہ نے حکم کی تعمیل نہیں کی اور برابر مرو کی طرف بڑھتا چلا آتا ہے اور میری شکایت کرنے کا قصد رکھتا ہے تو اس نے مامون الرشید سے کہا کہ مجھ کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ابوالسرایا کو ہرثمہ نے بغاوت پر آمادہ کیا تھا اور جب ہرثمہ کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تو اس نے ابوالسرایا کو صاف بچ کر نکل جانے دیا اور حسن بن علی نے اس کا کام تمام کیا۔ اب اس کی نیت کا حال تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے مگر اس کی شوخ چشمی اور گستاخی کی انتہا ہو گئی ہے کہ آپ نے اس کو شام کی طرف جانے کا حکم دیا اور اس نے اس حکم کو پڑھ کر ذرا بھی پرواہ نہ کی اور خودسرانہ طور پر مرو کی طرف آ رہا ہے۔۔۔۔ جب ہرثمہ مرو میں داخل ہوا اور شور و غل اور نقارے کی آواز مامون کے کانوں تک پہنچی تو اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسا شور ہے' فضل نے کہا کہ ہرثمہ آ پہنچا ہے اور وہی گستاخانہ اور

فاتحانہ انداز میں داخل ہو رہا ہے۔ ان باتوں سے مامون کو سخت غصہ آیا۔ آخر ہرثمہ دربار میں داخل ہوا' قبل اس کے وہ اپنا مقصود اصلی اظہار و بیان میں لائے مامون نے اس سے جواب طلب کیا کہ حکم کی تعمیل کیوں نہیں کی۔۔۔۔۔ ہرثمہ اس کے متعلق معذرت کرنے لگا۔ لیکن مامون کا طیش و غضب اس درجہ بڑھ چکا تھا کہ اس نے فوراً اس کو نہایت بے عزتی کے ساتھ دربار سے نکلوا کر جیل خانہ میں بھجوا دیا۔ غالباً اس کی کارگزاریاں خود سفارشی بنتیں اور غصہ فرو ہونے کے بعد مامون جلدی یا دیر میں اس کی طرف ملتفت ہوتا مگر فضل بن سہل نے اس موقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور جیل خانہ میں اس کو قتل کرا کر مامون کو اطلاع دے دی کہ ہرثمہ جیل میں فوت ہو گیا ہے۔

مامون کو ہرثمہ کے فوت ہونے کی خبر سن کر کوئی ملال نہیں ہوا اور اس کی وہ حالت جو پہلے سے قائم تھی اور جس کے تبدیل کرنے کے لیے ہرثمہ نے بیڑا اٹھایا تھا بدستور قائم رہی۔ اب بظاہر کوئی طاقت اور کوئی تدبیر ایسی نہ تھی جو اس کام کا بیڑا اٹھائے مگر قدرت نے خود ایسے سامان فراہم کر دیئے کہ فضل کو حسرت ناک موت کا سامنا کرنا پڑا۔

شورش بغداد!

ہرثمہ جب مرو کے جیل خانہ میں مقتول ہوا تو حسن بن سہل اس زمانہ میں بجائے بغداد کے نہروان میں مقیم تھا۔ بغداد میں جب ہرثمہ کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو یہاں ایک تلاطم برپا ہو گیا اور عام طور پر لوگوں کی زبان پر یہی تذکرہ آنے لگا کہ فضل بن سہل نے خلیفہ اور خلافت پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ چونکہ مجوسی ابن مجوسی ہے اس لیے اب اہل عرب کو ذلتیں اٹھانی پڑیں گی۔ چنانچہ محمد بن ابی خالد نے اہل بغداد کو یقین دلایا کہ میں حسن بن سہل کو عراق سے خارج کر دوں گا۔ اہل بغداد نے اس کی اطاعت اختیار کی' محمد بن خالد نے فوج ترتیب دے کر بغداد کے عامل علی بن ہشام کو جو حسن بن سہل کی طرف سے بغداد میں مامور تھا نکال دیا۔ حسن بن سہل نے نہروان سے بغداد کی طرف فوجیں بھیجیں محمد نے سب کو شکست دے کر بھگا دیا۔ حسن بن سہل واسط میں پہنچا۔ وہاں پہنچے ہوئے اس کو زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ محمد بن ابی خالد بغداد سے واسط کی طرف فوج لے کر روانہ ہوا۔

حسن بن سہل یہ خبر سن کر واسط سے چل دیا۔ محمد بن ابی خالد نے واسط میں داخل ہو کر قبضہ کیا اور حسن بن سہل کے تعاقب میں فوراً روانہ ہو گیا۔ حسن بن سہل نے لوٹ کر مقابلہ کیا اتفاقاً محمد بن ابی خالد کو شکست ہوئی۔ محمد بن ابی خالد نے جرجرایا میں آ کر قیام کیا اور اپنی حالت درست کر کے پھر حسن بن سہل کا مقابلہ کیا' متعدد لڑائیاں ہوئیں ایک لڑائی میں محمد بن ابی خالد سخت زخمی ہو گیا' اس کا بیٹا اس کو

لے کر بغداد میں آیا۔ یہاں آتے ہی محمد بن ابی خالد فوت ہو گیا' اس کے بعد اہل بغداد نے منصور بن مہدی بن منصور عباسی کو خلیفہ بنانا چاہا مگر منصور نے انکار کیا۔ آخر بڑے اصرار کے بعد منصور کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ خلیفہ مامون ہی رہے اسی کا نام خطبہ میں لیا جائے مگر بجائے حسن بن سہل کے نائب السلطنت منصور بن مہدی رہے۔ چنانچہ ماہ ربیع الاول ۲۰۱ھ میں منصور بن مہدی نے بغداد کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد سپہ سالار لشکر مقرر رہا۔

حسن بن سہل نے اب اپنی حالت کو درست کر کے منصور بن مہدی کے مقابلہ پر فوجیں بھیجیں اور لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں یہ ہنگامہ آرائیاں ہو رہی تھیں۔ ادھر مرو میں مامون الرشید بالکل بے خبر اور مطمئن تھا' کیونکہ فضل بن سہل نے اس کے پاس براہ راست خبر پہنچنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رکھا تھا۔

منصور بن مہدی اور حسن بن سہل کی معرکہ آرائیوں کے زمانے میں بغداد کے اوباشوں اور بدمعاشوں کو آزادی کے ساتھ بدمعاشیوں کے ارتکاب کا خوب موقعہ مل گیا۔ لوٹ کھسوٹ' ڈاکہ زنی' چوری' زنا' ظلم و تعدی کی وارداتیں بکثرت ہونے لگیں اور منہیات شرعیہ کے علانیہ ارتکاب میں کوئی حجاب و تامل باقی نہ رہا۔ یہ بدعنوانیاں جب بڑھتے بڑھتے حد سے زیادہ بڑھ گئیں اور شرفائے بغداد کی زندگیاں وبال جان ہو گئیں تو بغداد میں خالد مدریوش اور سہل بن سلامہ دو شخصوں نے لوگوں کو وعظ و پند کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام شروع کیا۔ ان دونوں کی اس کوشش سے ان بدعنوانیوں میں بہت کچھ کمی واقع ہوئی مگر سہل بن سلامہ کی طرف سے منصور بن مہدی اور عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد کو بغاوت و سرکشی کا خطرہ پیدا ہوا۔ آخر منصور و عیسیٰ دونوں نے حسن بن سہل سے اس شرط پر مصالحت کر لی کہ حسن بن سہل خلیفہ مامون کا دستخطی امان نامہ منگا دے اور بغداد کی حکومت پر ان دونوں کو اپنی طرف سے مامور رکھے۔

چنانچہ حسن بن سہل بغداد میں داخل ہوا اور دونوں کو حکومت بغداد پر اپنی طرف سے مامور کر کے نہروان کی طرف واپس چلا گیا۔ یہ واقعہ رمضان ۲۰۱ھ کا ہے یہاں یہ واقعات رونما ہو رہے تھے' ادھر مرو میں اس ماہ رمضان ۲۰۱ھ میں مامون الرشید علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کو اپنا ولی عہد مقرر کر رہا تھا اور بغداد کے واقعات سے قطعاً بے خبر تھا۔

علی رضا کی ولی عہدی!

مامون الرشید اگرچہ فضل بن سہل کے ہاتھ میں حالات سلطنت سے بالکل بے خبر تھا اور فضل

بن سہل جس طرح چاہتا تھا انتظام سلطنت کرتا تھا مگر ساتھ ہی اس کو یہ محسوس نہیں ہونے پایا تھا کہ میں نظر بندوں کی طرح زندگی بسر کر رہا ہوں۔ مامون کو شروع ہی سے سادات و اہل بیت نبوی کے ساتھ بڑی محبت وعقیدت تھی جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔

مامون نے ۲۰۰ھ میں آل عباس کے اکثر افراد کو اپنے پاس مرو میں طلب کیا اور مہینوں اپنا مہمان رکھا۔ مگر مامون کی نظر انتخاب میں کوئی کامل المعیار نہ نکلا آخر فضل بن سہل اور دوسرے محبان اہل بیت نے اس کی توجہ علی رضا بن موسیٰ کاظم کی طرف منعطف کی اور حقیقت یہ ہے کہ علی رضا اپنی قابلیت کے اعتبار سے بنی ہاشم میں سب پر فائق تھے۔ چنانچہ مامون الرشید نے بلا تامل اپنی لڑکی کی شادی علی رضا سے کر دی اور ماہ رمضان المبارک ۲۰۱ھ میں علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے موتمن اپنے بھائی کو جو ہارون الرشید کی وصیت کے موافق مامون کا ولی عہد تھا ولی عہدی سے معزول کر دیا' موتمن کے معزول کر دینے کا اختیار خود ہارون نے مامون کو دے دیا تھا۔ لہٰذا موتمن کی معزولی کا کوئی الزام مامون پر نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کے بعد مامون نے سیاہ لباس جو عباسیوں کا شعار تھا ترک کر کے سبز لباس جو علویوں کا شعار تھا پہننا شروع کیا' اسی کی تقلید تمام اہل دربار نے کی۔

اس کے بعد مامون نے احکام جاری کیے کہ تمام سلطنت میں بجائے سیاہ لباس کے سبز لباس عمال وحکام ولشکری استعمال کریں۔ عمال کے نام یہ حکم بھی بھیجا گیا کہ لوگوں سے علی رضا بن موسیٰ کاظم کی ولی عہدی کی بیعت لے لیں۔ یہ حکم جب فضل بن سہل کے توسط سے عمال سلطنت کے پاس پہنچا تو بعض نے خوشی سے بعض نے کراہت سے اس کی تعمیل کی۔ اس حکم کو جب حسن بن سہل نے بغداد میں عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد اور منصور بن مہدی کے پاس بھیجا تو بغداد میں از سر نو ہلچل برپا ہو گئی اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ فضل بن سہل نے خلافت عباسیوں سے نکال کر علویوں کے اندر پہنچانے میں کامیابی حاصل کر لی۔

آل عباس اور ہمدردان آل عباس اس بات کو کسی طرح برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے' وہ جانتے تھے کہ عباسیوں سے خلافت کے نکالنے اور علویوں میں پہنچانے کی کوشش سب سے پہلے ابو مسلم نے کی' پھر یہی کوشش خاندان برامکہ نے کی جو مجوسی النسل تھے مگر وہ ناکام و نامراد رہے۔ اب ایک اور مجوسی النسل نے اس کوشش میں کامیابی حاصل کر لی' چونکہ اب اہل عرب اور اہل عجم کی تفریق بہت نمایاں ہو چکی تھی اور عام اہل عرب فضل بن سہل کو اپنا مخالف اور اہل عجم کا مربی یقین کرتے تھے۔ لہٰذا ہر ایک عربی النسل شخص نے علی رضا کی ولی عہدی کو اہل عجم کی کامیابی اور اپنی شکست تصور کیا۔

بغداد میں عربی عنصر زیادہ تھا اور آل عباس کا یہ خاص مقام تھا' یہاں اس خبر نے لوگوں کو اضطراب و بے چینی میں مبتلا کر کے غور و فکر اور مشوروں کی طرف متوجہ کر دیا۔ ایک طرف وہ ابھی تازہ تجربہ کر چکے تھے کہ بغاوت و سرکشی میں کیسے کیسے مصائب برداشت کرنے پڑے' دوسری طرف ان کے حزم و احتیاط نے عالم اسلام یعنی دوسرے اسلامی صوبوں اور ملکوں کی خبریں سننی ضروری سمجھیں کہ لوگوں پر علی رضا کی ولی عہدی کا کیا اثر نمودار ہوا ہے۔ بغداد میں یہ خبر ماہ رمضان ۲۰۱ھ میں پہنچی تھی اور پورے تین مہینے تک اہل بغداد نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ اس عرصہ میں اس خیال کے اندر کہ خاندان عباسیہ سے نکل کر علویوں میں خلافت نہیں جا سکتی۔ ایک طاقت پیدا ہوتی گئی۔

ابراہیم بن مہدی کی خلافت

۲۵ ذی الحجہ ۲۰۱ھ کو آل عباس اور ہوا خواہان آل عباس نے ابراہیم بن مہدی کو خلافت کے لیے منتخب کر کے خفیہ طور پر اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور یکم محرم ۲۰۲ھ کو علانیہ تمام اہل بغداد نے بیعت کر کے ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنایا اور مامون کو خلافت سے معزول کر دیا۔ ابراہیم نے خلیفہ بنتے ہی چھ چھ مہینے کی تنخواہ لشکریوں کو بطور انعام دینے کا وعدہ کیا اور کوفہ و سواد پر قبضہ کر کے مدائن کی طرف بڑھا اور لشکر کی آراستگی میں مصروف ہوا' بغداد کی جانب غربی پر عباس بن موسیٰ کو اور جانب شرقی پر اسحٰق بن موسیٰ کو مامور کیا۔

حمید بن عبدالحمید حسن بن سہل کی طرف سے قصر ابن ہبیرہ میں مقیم تھا' وہ وہاں سے حسن بن سہل کے پاس گیا اور ابراہیم نے عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد کو قصر ابن ہبیرہ پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ عیسیٰ بن محمد نے قصر ابن ہبیرہ پر قبضہ کر کے حمید کے لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔

حسن بن سہل نے عباس بن موسیٰ کاظم برادر علی رضا کو سند گورنری عطا کر کے کوفہ کی جانب روانہ کیا۔ عباس بن موسیٰ کاظم نے کوفہ میں پہنچ کر اعلان کیا کہ میرا بھائی علی رضا مامون کے بعد تخت خلافت کا مالک ہوگا' اس لیے اب تم لوگوں کو کہ محبان اہل بیت ہو ابراہیم بن مہدی کی خلافت تسلیم نہیں کرنی چاہیئے اور خلافت مامون الرشید کے خلاف کوئی حرکت مناسب نہیں ہے۔ اہل کوفہ نے عباس بن موسیٰ کاظم کی گورنری کو تسلیم کر لیا اور غالی شیعوں نے یہ کہہ کر کہ ہم تمھارے بھائی علی رضا کے معاون ہیں' مامون سے ہم کو کوئی واسطہ نہیں' بے تعلقی اور خاموشی اختیار کی۔

ابراہیم بن مہدی نے عباس بن موسیٰ کاظم کے مقابلہ پر سعید اور ابوالبط اپنے دو سپہ سالاروں کو مامور کیا۔ عباس نے علی بن محمد بن جعفر اپنے چچا زاد بھائی کو ان کے مقابلہ پر بھیجا۔ دونوں فوجوں کا

مقابلہ ہوا اور علی بن محمد کو شکست حاصل ہوئی۔ سعید نے حیرہ میں مقام کیا اور فوج کو کوفہ کی طرف بڑھایا۔ اہل کوفہ اور عباس نے مقابلہ کیا۔ متعدد لڑائیاں ہوئیں' آخر اہل کوفہ اور عباس نے امان طلب کی۔ عباس بن موسیٰ کاظم مکان سے باہر آئے اور فتح مند لشکر کوفہ میں داخل ہونے لگا۔ اسی اثناء میں عباس کے ہمراہیوں کو پھر کچھ جوش آیا اور لڑائی پر مستعد ہو گئے۔ سعید کے لشکر نے عباس کے ہمراہیوں کو پھر شکست دی اور کوفہ پر قبضہ کر کے عباس کو قید کر لیا۔ سعید یہ خبر سن کر خود حیرہ سے کوفہ میں آیا اور یہ تحقیق کر کے کہ عباس نے امان طلب کرنے کے بعد خود کوئی بدعہدی نہیں کی عباس کو آزاد کر دیا اور کوفہ میں بعض لوگوں کو قتل کرایا۔ اور کوفہ میں عامل مقرر کر کے بغداد کی طرف چلا آیا۔

حسن بن سہل نے حمید بن عبدالحمید کو کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ عامل کوفہ بلا مقابلہ کوفہ چھوڑ کر بھاگ گیا' ابراہیم بن مہدی نے عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد کو حسن بن سہل پر حملہ کرنے کے لیے واسط کی طرف روانہ کیا۔ کیونکہ حسن بن سہل ان دنوں واسط میں مقیم تھا۔ عیسیٰ بن محمد کو حسن بن سہل نے شکست دے کر بغداد کی طرف بھگا دیا۔ غرض اسی قسم کے ہنگاموں میں ۲۰۲ھ ختم ہو گیا اور ۲۰۳ھ شروع ہوا۔

ابراہیم نے اپنی خلافت کے مستحکم و مضبوط بنانے کی امکانی کوشش میں کمی نہیں کی مگر ۲۰۳ھ کی ابتدائی تاریخوں میں بغداد کے اندر ایک ایسا ہنگامہ وقوع پذیر ہوا جس سے اس کی حکومت و خلافت معرض خطر میں پڑ گئی۔ اور آخر ختم ہو گئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے حمید بن عبدالحمید نے کوفہ پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد ابراہیم بن مہدی سے لڑنے کے لیے بغداد کا قصد کیا۔ ابراہیم بن مہدی کا سپہ سالار عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد تھا۔ حمید نے خفیہ پیامات کے ذریعہ عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد کو اپنی طرف متوجہ کر کے سازش کر لی۔ عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد نے حمید کی مدافعت و مقابلے میں پہلو تہی اختیار کی' اس سازش کا حال عیسیٰ کے بھائی ہارون بن محمد کو معلوم ہوا' اس نے ابراہیم بن مہدی کو اس کی اطلاع کر دی۔ ابراہیم بن مہدی خلیفہ نے عیسیٰ کو بلا کر دربار میں ذلیل کیا اور قید کر دیا۔

عیسیٰ کے قید ہونے کا حال معلوم ہوا تو لشکر میں بے چینی پیدا ہوئی اور عیسیٰ کے نائب عباس نے ابراہیم بن مہدی کے خلاف اہل لشکر کو اپنے ساتھ ملا کر ابراہیم بن مہدی کے معزول کر دینے کی تجویز کی۔ اہل بغداد میں سے بہت سے آدمی اس تجویز میں شریک ہو گئے۔ اور ابراہیم کے اہل کاروں کو قید کر لیا۔ اس کے بعد عباس نے حمید کو لکھا کہ تم فوراً بغداد چلے آؤ' میں بغداد تمہارے حوالے کر دوں گا۔ چنانچہ حمید معہ لشکر بغداد میں پہنچ کر شہر کے ایک حصہ پر قابض ہو گیا' دوسرے حصے پر ابراہیم قابض تھا۔ شہر میں چند لڑائیاں ہوئیں۔ آخر مایوس ہو کر ابراہیم بن مہدی روپوش ہو گیا۔ اور تمام شہر پر حمید بن عبدالحمید اور علی بن ہشام وغیرہ سرداران حسن بن سہل نے قبضہ کر لیا۔ اس طرح ۱۷ ماہ ذالحجہ ۲۰۳ھ کو

ابراہیم بن مہدی کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

فضل بن سہل کا قتل

اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ فضل بن سہل جو خبر چاہتا تھا مامون کے گوش گذار کرتا تھا اور جس واقعہ کو چاہتا تھا چھپا لیتا تھا۔ چنانچہ اس نے ابراہیم بن مہدی کے بغداد میں خلیفہ ہو جانے کی خبر کو بھی مامون الرشید سے پوشیدہ رکھا اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ مامون الرشید کو ملک عراق کی حالت سے واقف کر سکے۔ طاہر بن حسین کو فضل نے رقہ میں بطور والی متعین کر رکھا تھا۔ طاہر ایک نامور سپہ سالار تھا اور اس قابل تھا کہ اس سے عراق کی بدامنی رفع کرنے میں امداد لی جاتی مگر فضل بن سہل طاہر کو ہرثمہ کا شئی سمجھتا تھا۔ اس لیے اس کو ایک معمولی ولایت کی حکومت پر مامور و متعین رکھ کر معطل بنا رکھا تھا۔

ابراہیم بن مہدی کی نسبت مامون سے یہ کہہ دیا تھا کہ اہل بغداد نے اپنی خوشی اسی میں ظاہر کی کہ ان کے معاملات مذہبی کی نگرانی وانصرام کے لیے ابراہیم بن مہدی کو بغداد کا امیر و عامل بنایا جائے لہٰذا ابراہیم کو بغداد کی حکومت سپرد کر دی گئی ہے۔ ادھر عراق میں بدامنی اور بے چینی دم بدم ترقی کرتی گئی اور لوگ حسن بن سہل سے زیادہ متنفر ہوتے گئے تو بعض اشخاص نے ہمت کر کے اور اپنی جان پر کھیل کر مرو کا قصہ کیا اور وہاں علی رضا بن موسیٰ کاظم ولی عہد خلافت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سوائے آپ کے اور کوئی شخص حالات اصلیہ سے مامون کو واقف و آگاہ نہیں کر سکتا۔ آپ اس کام کا بیڑا اٹھائیں اور اس مرحلے کو طے کریں۔

علی رضا اگرچہ فضل بن سہل کو اپنا مخالف نہیں پاتے تھے بلکہ ہمدرد و معاون دیکھتے تھے۔ لیکن یہ ان کی پاک باطنی اور نیک طینتی تھی کہ وہ جرأت کر کے اس کام پر فوراً آمادہ ہو گئے اور مامون الرشید کو فضل بن سہل اور حسن بن سہل کی نامناسب حرکات، قتل ہرثمہ، طاہر کی معطلی، عراق کے فساد اور ابراہیم بن مہدی کی خلافت کے متعلق مفصل اطلاع دے کر کہا کہ لوگ عام طور پر بددل ہو رہے ہیں اور آپ کی خلافت معرض خطر میں ہے، امام علی رضا نے ان حالات سے مطلع کرنے میں یہ بھی صفائی کے ساتھ کہہ دیا کہ آپ نے جو مجھ کو ولی عہد بنایا ہے اس سے بھی بنو عباس اور ان کے ہوا خواہ ناراض ہیں۔

ان تمام باتوں کو سن کر مامون چونک پڑا اور اس نے کہا کہ آپ کے سوا کوئی اور بھی ان باتوں سے باخبر ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے فلاں فلاں سردار و مصاحب بھی واقف ہیں لیکن وہ سب فضل بن سہل کے خوف کی وجہ سے دم بخود ہیں اور آپ سے کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ مامون نے ان افسروں کو تنہائی میں اپنے پاس طلب کر کے اول دریافت کیا تو سب نے انکار کیا، لیکن جب

مامون نے ان کو یقین دلایا کہ فضل تم کو کچھ نہ کہہ سکے گا تو انہوں نے صاف صاف تمام باتیں بیان کر دیں اور علی رضا کے بیان کی پورے طور پر تصدیق کی' یہ سن کر مامون نے مرو سے عراق کی جانب روانگی کا قصد کیا۔

فضل کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے ان سرداروں کو جنہوں نے مامون کو حالات اصلیہ سے واقف کر کے علی رضا کے بیان کی تصدیق کی تھی تکلیفیں پہنچائیں' کسی کو قید کر دیا' کسی کو بے عزت کر کے کوڑے لگوائے' مگر اب کیا ہو سکتا تھا' جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ مامون نے یہ دانائی کی کہ فضل بن سہل کو اپنی طرف سے خائف و مایوس نہیں ہونے دیا اور فضل بن سہل کے چچازاد بھائی غسان بن عباد کو خراسان کا گورنر بنا کر خود خراسان سے عراق کی جانب روانہ ہوا۔ مقام سرخس میں وارد ہوا۔ یہاں فضل بن سہل کو حمام میں چار شخصوں نے حملہ کر کے قتل کر ڈالا۔ اور خود فرار ہو گئے۔

مامون نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص قاتلین فضل کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو دس ہزار دینار انعام دیا جائے گا۔ قاتلین گرفتار ہو کر حاضر ہوئے۔ مامون نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قتل کیے گئے اور ان کے سر حسن بن سہل کے پاس بھیج دیے گئے۔

مامون نے حسن بن سہل کو تعزیت کا خط لکھا اور بجائے فضل بن سہل کے اس کو اپنا وزیر بنایا۔ فضل بن سہل کی ماں کے پاس خود برسم تعزیت گیا اور کہا کہ جس طرح فضل آپ کا فرزند تھا اسی طرح میں بھی آپ کا فرزند ہوں۔ چند روز کے بعد حسن بن سہل کی بیٹی بوران سے شادی کر کے حسن کے مرتبے کو مامون نے اور بھی زیادہ بڑھا دیا تھا۔

غرض فضل بن سہل کا قتل بالکل اسی طرح وقوع پذیر ہوا جس طرح جعفر برمکی کا قتل ظہور میں آیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فضل بن سہل کو مامون الرشید نے قتل کرایا اور وہ چاروں شخص مامون الرشید کے مامور کردہ تھے جنہوں نے فضل کو حمام میں قتل کیا۔ فضل اپنے آپ کو کشتنی و گردن زدنی ثابت کر چکا تھا۔ مامون نے اس معاملہ میں اپنے باپ ہارون الرشید کے نقش قدم پر عمل کیا۔ لیکن فرق اس قدر ہے کہ ہارون الرشید نے جعفر برمکی کو قتل کرا کر برامکہ کے تمام خاندان کو معتوب بنایا۔ اور قتل جعفر کا الزام اپنے اوپر لے لیا' مگر مامون الرشید نے فضل کو قتل کرا کر اس کے خاندان پر اس قدر عنایتیں کیں کہ کسی کو جرأت نہ ہو سکی کہ مامون کو بدنام کر سکے اور ملزم ٹھہرا سکے حتیٰ کہ فضل کا بھائی اور ماں باپ بھی مامون کی شکایت زبان پر نہ لا سکے' فضل بن سہل مقام سرخس میں ۲ شعبان ۲۰۲ھ کو قتل ہوا۔

امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کی وفات

خلیفہ مامون الرشید اپنی بیٹی ام حبیب کا عقد علی رضا سے پہلے کر چکا تھا' اس سفر میں اس نے اپنی دوسری بیٹی ام الفضل کا عقد جو بہت ہی کم سن تھی عقد علی رضا کے بیٹے محمد بن علی رضا سے کر دیا مگر رخصتی آئندہ زمانہ پر جب کہ لڑکی بالغ ہو جائے ملتوی رکھی گئی۔ چنانچہ یہ رخصتی ۲۱۵ھ میں ہوئی۔

مامون الرشید ماہ رجب ۲۰۲ھ میں مرو سے روانہ ہوا اور ۱۵ صفر ۲۰۴ھ کو بغداد پہنچا۔ یہ سفر مامون نے تقریباً ڈیڑھ برس میں طے کیا اور راستے میں ہر ایک مقام پر ہفتوں اور مہینوں ٹھہرتا ہوا بغداد کی طرف آیا' اس سفر میں ملک کے حالات سے اس کو خوب واقفیت حاصل ہوتی رہی اور بغداد میں اس کے پہنچنے سے پہلے ہی حالات اس کے موافق ہوتے گئے۔ اسی سفر میں مامون الرشید نے بماہ ذیقعدہ علی رضا کے بھائی ابراہیم بن موسیٰ کاظم کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجا اور صوبہ یمن کی سند گورنری بھی ان کو عطا کر دی۔ طوس میں پہنچ کر قیام کیا اور اپنے باپ ہارون الرشید کی قبر پر حاضر ہو کر دعا کی۔

طوس میں ایک مہینے سے زیادہ قیام رہا۔ یہیں ایسا اتفاق پیش آیا کہ ولی عہد خلافت امام علی رضا نے انگور کھانے کی وجہ سے یکا یک انتقال کیا۔ مامون کو ان کی وفات کا سخت صدمہ ہوا۔ جنازہ کے ساتھ ننگے سر گیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ ''اے ابوالحسن تیرے بعد اب میں کہاں جاؤں اور کیا کروں۔'' تین دن تک قبر پر مجاور رہا ایک روٹی اور نمک اس کی غذا تھی۔ اپنے باپ ہارون الرشید کی قبر اس نے اکھڑوا کر اسی قبر میں علی رضا کو بھی اپنے باپ کے پاس دفن کیا۔ تا کہ علی رضا کی برکت سے ہارون الرشید کو بھی فائدہ پہنچے۔ علی رضا کے ساتھ مامون الرشید کو بڑی عقیدت تھی۔

لوگوں کا یہ کہنا کہ مامون الرشید نے خود علی رضا کو انگوروں میں زہر دلوایا سراسر غلط اور نادرست معلوم ہوتا ہے' اس لیے کہ علی رضا کی ولی عہدی کے لیے مامون الرشید کو مجبور نہیں کیا گیا تھا۔ اس نے اپنی خوشی سے ان کو ولی عہد بنایا۔ اپنی خوشی سے اپنی دو بیٹیوں کی شادی علی رضا اور علی رضا کے بیٹے کے ساتھ کی۔ بلا کسی دوسرے کی تحریک کے علی رضا کے بھائی کو یمن کی گورنری دی اور امیر الحج مقرر کیا۔ جس شخص کو وہ زہر دے کر مروا ڈالنا چاہتا تھا اس کے ساتھ یہ احسانات نہیں کر سکتا تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ جس شخص کو اس نے خود زہر دلوا کر مروا ڈالا تھا اس کو اپنے باپ کی قبر میں دفن نہیں کر سکتا تھا۔ ہارون الرشید کی قبر میں ان کو دفن کرنا مامون کی سچی عقیدت کا ایک زبردست ثبوت ہے' جس میں کسی منافقت اور بناوٹ کو دخل نہیں ہو سکتا۔ ان کی وفات پر مامون کا اظہار ملال بھی اس بات کا ایک ثبوت ہے۔

اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مامون الرشید نے آئندہ اپنی حکومت وخلافت میں علویوں کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کیا اور ان کو بڑے بڑے عہدوں پر مامور کرتا رہا۔ جو دلیل اس بات کی ہے کہ مامون الرشید کو علویوں سے کوئی نفرت نہ تھی اور وہ علویوں کو بہتر حالت میں لانا اور ان پر احسان کرنا چاہتا تھا۔ اگر اس نے علی رضا کو زہر دلوایا ہوتا تو وہ آئندہ علویوں کے ساتھ اس طرز عمل کو جاری نہیں رکھ سکتا تھا' ہاں یہ ممکن ہے کہ بنو عباس یا ان کے ہوا خواہوں میں سے کسی نے امام علی رضا کو انگوروں میں زہر دیا ہو۔ کیونکہ بنو عباس علی رضا کی ولی عہدی کے معاملے میں مامون الرشید سے ناراض تھے۔ امام علی رضا نے بہ عمر ۵۵ سال ماہ صفر ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ وہ ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے۔

طاہر بن حسین کی باریابی

طاہر بن حسین بن مصعب بن زریق بن ماہان کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ زریق سیدنا طلحہ بن عبید اللہ کا غلام تھا۔ یہ وہی طلحہ بن عبید اللہ خزاعی تھے جو طلحۃ الطلحات کے نام سے مشہور تھے' زریق کا بیٹا مصعب بن زریق بنو عباس کے نقیب سلیمان بن کثیر کا کاتب اور آخر میں ہرات کا امیر تھا۔

مصعب کا بیٹا طاہر بن حسین ۱۵۹ھ میں علاقہ مرو میں پیدا ہوا تھا۔ طاہر کو فضل بن سہل نے رقہ کی حکومت دے کر نصر بن شیث کے مقابلہ پر مامور کیا تھا۔ نصر بن شیث نے حلب اور اس کے شمالی علاقوں پر خود مختارانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ طاہر کو قتل امین اور فتح بغداد کے بعد چونکہ کوئی صلہ حسب توقع نہ ملا اور فضل بن سہل نے اس کی کوئی ہمت افزائی نہ ہونے دی۔ اس لیے وہ رقہ میں مقیم رہ کر نہایت بے دلی کے ساتھ نصر بن شیث کے مقابلہ میں مصروف رہا مگر کوئی توجہ اور سرگرمی نہیں دکھائی' نصر بن شیث خود اعلان کر چکا تھا کہ میں صرف اس لیے مامون کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا کہ اس نے عربوں پر عجمیوں کو ترجیح دی ہے' اس لیے بھی طاہر نصر بن شیث کو زیادہ برا نہیں جانتا تھا۔

اب جبکہ مامون کو حالات سے واقفیت حاصل ہوئی اور وہ بغداد کی طرف روانہ ہوا تو اس نے طاہر بن حسین کو بھی لکھا کہ بغداد پہنچنے سے پہلے مقام نہروان میں تم ہم سے آ کر ملو۔ مامون طوس سے روانہ ہو کر جرجان پہنچا۔ یہاں بھی ایک مہینے سے زیادہ مقیم رہا۔ اسی طرح کوچ مقام کرتا ہوا نہروان پہنچا۔ یہاں طاہر بن حسین بھی رقہ میں اپنے بھتیجے اسحٰق بن ابراہیم بن حسین کو اپنا قائم مقام بنا کر آیا اور مامون کی خدمت میں حاضر ہوا۔

جوں جوں مامون بغداد سے قریب ہوتا گیا' ابراہیم بن مہدی کی حکومت وخلافت کو زوال آتا

گیا۔ یہاں تک کہ اس کے بغداد میں داخل ہونے سے پہلے ہی ابراہیم بن مہدی کی خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور وہ روپوش ہو کر بغداد میں چھپتا پھرتا تھا۔

نہروان سے روانہ ہو کر مامون بغداد میں ۱۵ صفر ۲۰۴ھ کو داخل ہوا۔ یہاں اس نے دربار کیا اور طاہر کی فتوحات اور جاں فشانیوں پر نظر کر کے اس سے کہا کہ تیری جو خواہش ہو اس کو ظاہر کر۔ طاہر نے کہا کہ آپ سبز لباس کو ترک کر کے وہی قدیمی سیاہ لباس پہننے کی اجازت دیں اور عباسیوں کا شعار خود بھی اختیار کریں۔ مامون نے سبز شعار کی جگہ سیاہ شعار کو اختیار کر لیا۔ اس سے بغداد میں عام طور پر خوشی کا اظہار کیا گیا اور بنو عباس کی تمام شکایات دور ہو گئیں۔ یہ واقعہ ۲۳ صفر ۲۰۴ھ کو وقوع پذیر ہوا۔

عمال سلطنت کا تقرر اور قابل تذکرہ واقعات

۲۰۴ھ کے ماہ صفر میں مامون الرشید بغداد میں داخل ہو کر انتظام سلطنت کی طرف متوجہ ہوا۔ طاہر بن حسین کو صیغہ پولیس کی افسری اور بغداد کی کوتوالی جو اس زمانے میں بہت بڑا عہدہ تھا۔ سپرد کی۔ ساتھ ہی جزیرہ و سواد کی حکومت و گورنری عطا کی۔ کوفہ کی گورنری اپنے بھائی ابوعیسیٰ کو اور بصرہ کی حکومت اپنے دوسرے بھائی صالح کو دی۔ حجاز کی گورنری عبداللہ بن حسین بن عباس بن علی بن ابی طالب کو عطا کی۔ موصل کی حکومت پر سید بن انس ازدی کو مامور کیا۔ عبداللہ بن طاہر بن حسین کو رقہ کی حکومت دی گئی۔ جزیرہ کی حکومت پر یحییٰ بن معاذ کو بھیجا گیا۔ ارمینیا و آذربائیجان کی حکومت عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد کو عطا ہوئی۔

اسی سال سری بن محمد بن حکم والی مصر کا انتقال ہوا اس کی جگہ اس کا بیٹا عبداللہ بن سری مقرر ہوا۔ اسی سال داؤد بن یزید گورنر سندھ کا بھی انتقال ہو گیا' اس کی جگہ بشر بن داؤد کو حکومت سندھ عطا کی گئی اور بشر سے یہ شرط کی گئی کہ ہر سال ملک سندھ سے دس ہزار درہم بطور خراج بھیجا کرے۔ اسی سال حسن بن سہل کے دماغ میں خلل پیدا ہوا اور دیوانگی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کو زنجیروں سے باندھنا پڑا۔ مامون الرشید نے اس کی جگہ احمد بن ابی خالد احول کو وزیر اعظم مقرر کیا۔

خلیج فارس کے ساحل پر ایک گروہ قوم زط کے نام سے سکونت پذیر تھا۔ جن کی تعداد پندرہ بیس ہزار کے قریب قریب تھی۔ انہوں نے ڈاکہ زنی شروع کر کے بصرہ کے راستے کو مخدوش بنا دیا تھا۔ مامون الرشید نے جزیرہ کے عامل یحییٰ بن معاذ کو ان کی سرکوبی کا حکم دیا مگر ان لوگوں کا قرار واقعی علاج نہ ہوا۔

طاہر کا گورنر خراسان بننا

۲۰۵ھ میں مامون الرشید نے عیسیٰ بن یزید جلودی کو مہم زط پر مامور فرمایا۔ اسی سال یہ واقعہ

پیش آیا کہ ایک روز مامون کے پاس بے تکلف صحبت میں طاہر بن حسین حاضر ہوا۔ طاہر کی صورت دیکھ کر مامون کو اس وقت اپنا بھائی امین یاد آ گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے' ساتھ ہی اس کو طاہر کی وہ تمام ظالمانہ کارروائیاں یاد آ گئیں جو اس نے امین کے گرفتار و ذلیل اور قتل کرنے میں روا رکھی تھیں۔ طاہر نے خلیفہ مامون کو چشم پر آب دیکھ کر وجہ پوچھی۔ مامون نے کہا کہ کچھ ایسی ہی بات ہے جس کے ظاہر کرنے میں ذلت اور پوشیدہ رکھنے میں اذیت محسوس ہوتی ہے' مگر دنیا میں ایسا کون شخص ہے جو اذیت و رنج سے محفوظ ہو' میں بھی اس اذیت کو برداشت کرتا ہوں۔

طاہر اس وقت تو کچھ نہ بولا' مگر بعد میں اس نے مامون کے ندیم حسین سے جو اس صحبت میں موجود تھا فرمائش کی کہ مامون سے اس بات کو کسی طرح معلوم کرے اور حسین کے پاس اس کے کاتب محمد بن ہارون کی معرفت ایک لاکھ درہم بھجوا دیئے کہ یہ اس بات کے معلوم کرنے کا صلہ ہے۔ حسین نے موقعہ پا کر مامون سے دریافت کیا اور مامون نے راز افشا نہ کرنے کا وعدہ لے کر کہا کہ میں اس روز طاہر کو دیکھ کر اس لیے آب دیدہ ہو گیا تھا کہ یہی طاہر ہے جس نے میرے بھائی امین کو کس طرح ذلیل کر کے قتل کیا اور آج یہ میری کس قدر تعظیم و تکریم بجالاتا ہے۔ حسین نے جب طاہر کو اس بات کی اطلاع دی تو وہ بہت پریشان ہوا اور اس کو اپنی موت نظر آنے لگی کہ کسی نہ کسی دن مامون مجھ کو ضرور نقصان پہنچائے گا۔ اس نے اس بات کو اپنے دل میں رکھ کر وزیراعظم احمد بن ابی خالد سے کہا کہ میں اب بغداد سے دور رہنا چاہتا ہوں آپ مجھ کو کسی صوبہ کی حکومت پر بھجوا دیجئے۔ میں آپ کے اس احسان کو فراموش کرنے والا نہیں ہوں۔

مامون جب خراسان سے بغداد کی طرف روانہ ہوا تو غسان بن عباد کو خراسان کا گورنر بنا آیا تھا' احمد بن ابی خالد مامون کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو آج غسان بن عباد اور خراسان کے تصور نے رات بھر نہیں سونے دیا کیونکہ اتراک سرحد کی نسبت ایسی خبریں سننے میں آئی ہیں کہ وہ علم بغاوت بلند کرنے والے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو غسان بن عباد خراسان کو ہرگز نہیں بچا سکے گا' وہاں کسی زیادہ قابل اور تجربہ کار شخص کی ضرورت ہے۔ مامون نے کہا کہ ہاں یہ بات ضرور قابل تشویش ہے اچھا تم بتاؤ کہ وہاں کس کو بھیجا جائے' احمد بن ابی خالد نے کہا کہ طاہر بن حسین سے بہتر اور کوئی شخص میری نگاہ میں نہیں ہے مامون نے کہا کہ طاہر بن حسین کی طرف سے بھی بغاوت کا اندیشہ ہو سکتا ہے' احمد بن ابی خالد نے کہا کہ طاہر کی طرف سے میں ضامن بنتا ہوں وہ ہرگز بغاوت نہ کرے گا۔

مامون نے اسی وقت طاہر کو بلا کر بغداد سے مشرق کی جانب کے تمام صوبوں کا نائب السلطنت بنا کر اور سندھ و بلخ و بخارا تک تمام خراسان کی حکومت دے کر مرو کی جانب رخصت کر دیا۔

اور طاہر کے بیٹے عبداللہ کو بغداد کی کوتوالی اور انتظام پولیس سپرد کیا۔ رخصت کرتے وقت طاہر کو دس لاکھ درہم عطا فرمائے اور ایک غلام بطور انعام اس کو دیا کہ یہ تمہارے حسن خدمات کا صلہ ہے۔ اس غلام کو مامون نے یہ سمجھا دیا تھا کہ اگر طاہر کو بغاوت پر آمادہ دیکھے تو فوراً کسی ترکیب سے اس کو زہر دے کر مار دے۔ طاہر آخر ذیقعدہ ۲۰۵ھ کو بغداد سے خراسان کی جانب روانہ ہوا۔

عبداللہ بن طاہر کی گورنری

۲۰۶ھ میں خبر پہنچی کہ یحییٰ بن معاذ عامل جزیرہ اور سری بن محمد حکم والی مصر فوت ہو گئے اور مرتے وقت یحییٰ نے اپنے بیٹے احمد کو جزیرہ کا اور سری نے اپنے بیٹے عبیداللہ کو مصر کا حاکم بنا دیا ہے۔ نصر بن شیث نے جزیرہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ہے اور عبیداللہ نے مصر میں علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ مامون نے بغداد کے محکمہ پولیس کی افسری و کوتوالی پر بجائے عبداللہ بن طاہر کے اسحٰق بن ابراہیم بن حسین بن مصعب کو مقرر کر کے عبداللہ بن طاہر کو جزیرہ کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا اور حکم دیا کہ رقہ و مصر کے درمیان کسی مقام پر قیام کر کے اول نصر بن شیث کا مقابلہ کرو اور ادھر سے اطمینان حاصل ہو تو مصر کی طرف فوج روانہ کرو۔

عبداللہ بن طاہر فوج لے کر روانہ ہوا اور رقہ و مصر کے درمیان مقیم ہو کر نصر بن شیث کو مجبور و محصور کرنے کے لیے فوجی دستے پھیلا دیئے' طاہر بن حسین کو خراسان میں جب یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ کو جزیرہ کا گورنر اور اس طرف کے تمام صوبوں کا نگراں بنا کر خلیفہ نے روانہ کیا ہے تو اس نے عبداللہ کے نام ایک خط لکھ کر روانہ کیا' اس خط میں آداب ملک داری' اخلاق فاضلہ اور سیاست مدن کے وہ اصول بیان کیے گئے تھے کہ آج تک یہ خط علم اخلاق اور اصول ملک داری کے متعلق ایک بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے۔

مامون الرشید نے اس خط کے مضامین عالیہ سے واقف ہو کر اس کی نقلیں کرائیں اور ایک ایک نقل تمام عمال سلطنت کے پاس بھجوائی۔

امام ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں اور ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل میں اس خط کو نقل کیا ہے۔ لوگوں نے اس خط کو علم اخلاق کے نصاب میں شامل کرنا ضروری سمجھا ہے۔

اسی سال فضل بن ربیع جو مامون کے خوف سے چھپا چھپا پھرتا اور آخر میں ابراہیم بن مہدی کے پاس حاضر ہو کر اس کی مصاحبت میں داخل ہو گیا اور ابراہیم کے روپوش ہونے پر روپوش ہو گیا تھا۔ عفو تقصیرات کا خواہاں ہوا اور مامون نے اس کی خطا کو معاف کر کے جاں بخشی فرما دی۔

عبداللہ بن طاہر اور نصر بن شیث کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ کئی برس تک جاری رہا اور مصر کی طرف کوئی فوجی مہم روانہ نہیں ہو سکی۔

اسی سال یمن میں عبدالرحمٰن بن احمد نے علم بغاوت بلند کیا۔ مگر یہ بغاوت اسی سال فرو ہو گئی۔ یعنی مامون نے دینار بن عبداللہ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو عبدالرحمٰن بن احمد نے دینار سے امن طلب کر کے یمن سے بغداد کی حاضری کا قصد کیا اور یمن کی حکومت دینار بن عبداللہ کے قبضہ میں آئی۔

طاہر بن حسین گورنر خراسان کی وفات

طاہر بن حسین نے خراسان پہنچ کر اپنی حکومت و اقتدار کے قائم کرنے میں بآسانی کامیابی حاصل کر کے وہاں کے تمام فتنوں کو فرو کر دیا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ خراسان کی گورنری و حکومت کے لیے بہت موزوں شخص تھا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ طاہر کو مامون الرشید کی طرف سے اطمینان حاصل نہ تھا۔ ممکن ہے کہ اس نے مامون سے دور ہو کر اور ایک وسیع ملک پر قابض و متصرف ہو کر اپنی حفاظت کے لیے ایسے سامان کئے ہوں کہ مامون کی گرفت میں نہ آ سکے۔ وہ فضل بن سہل کا انجام دیکھ چکا تھا۔ اس کو برامکہ کا انجام معلوم تھا۔ وہ ابو مسلم خراسانی کا حال سن چکا تھا۔ وہ اپنی نسبت مامون کی اس رائے کو بھی جانتا تھا جو اس کو حسین ندیم کے ذریعہ معلوم ہوئی تھی۔ غرض ۲۰۷ھ کے ماہ جمادی الثانی میں طاہر نے جامع مسجد مرو میں جمعہ کے روز خطبہ دیا اور اس خطبہ میں خلیفہ مامون الرشید کا نام نہیں لیا۔ نہ اس کے لیے دعا کی صرف اصلاح امت کی دعا کر کے ممبر سے اتر آیا۔

کلثوم بن ثابت خراسان کا پرچہ نویس موجود تھا اس نے فوراً اس واقعہ کی اطلاع لکھ کر مامون کے پاس بغداد روانہ کی۔ مامون نے جب اس عرض داشت کو پڑھا تو احمد بن ابی خالد وزیر اعظم کو طلب کر کے اطلاع دی اور حکم دیا کہ فوراً فوج لے کر خراسان کی طرف روانہ ہو جاؤ اور چونکہ تم ہی طاہر کے ضامن بنے تھے لہٰذا اب تم ہی جا کر خراسان کو اس کے فتنے سے بچاؤ۔ اور طاہر کو گرفتار کر کے لاؤ۔ احمد بن ابی خالد نے سفر خراسان کے لیے تیاری شروع کر دی۔ اگلے دن بغداد میں مامون الرشید کے پاس دوسرا پرچہ پہنچا کہ طاہر نے ہفتہ کے روز انتقال کیا۔ طاہر کا انتقال دفعتہً ہوا' جمعہ کے دن ہی اس کو بخار چڑھا اور شنبہ کے روز جب دیر تک خواب گاہ سے برآمد نہ ہوا تو لوگ اندر گئے اور دیکھا کہ طاہر چادر اوڑھے ہوئے مردہ پڑا ہے' غالباً اسی غلام نے جو مامون الرشید نے رخصت کرتے وقت طاہر کو عطا کیا تھا طاہر کی نیت بدلی ہوئی دیکھ کر اس کو زہر دے دیا۔

مامون الرشید نے طاہر کے مرنے کی خبر سن کر کہا کہ الحمدللہ الذی قدمہ واخرن یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے طاہر کو مجھ سے پہلے وفات دی۔ اس کے بعد مامون نے طاہر کے بیٹے طلحہ بن طاہر کو خراسان کی سند حکومت عطا فرمائی اور احمد بن ابی خالد کو خراسان اس لیے روانہ کیا کہ وہ جا کر طلحہ بن طاہر کو اچھی طرح خراسان پر قابض و متصرف کر دے اور کسی بغاوت و سرکشی کے امکان کو باقی نہ رہنے دے۔

مامون کی یہ خصلت خاص طور پر قابل تذکرہ ہے کہ وہ ہر ایک باغی یا سرکش کو اس کی بداعمالی کی سزا دیتا اور قتل کرا دینے میں دریغ نہیں کرتا تھا مگر اس مجرم کے خاندان اور متعلقین کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ اور زیادہ احسان کر کے اپنا لیتا تھا۔ احمد بن ابی خالد نے خراسان جا کر اور ماوراءالنہر کے علاقہ میں پہنچ کر وہاں کے سرکش لوگوں کو قرار واقعی سزائیں دیں اور جب یہ خبر سنی کہ طاہر کے بھائی حسین بن حسین بن مصعب نے کرمان میں علم بغاوت بلند کیا ہے تو کرمان پہنچ کر اس کو گرفتار کیا اور مامون کی خدمت میں لا کر اس کو پیش کیا۔ مامون نے حسین بن حسین کی خطا معاف کر دی۔ احمد بن ابی خالد جب خراسان سے دارالخلافہ بغداد کی طرف واپس آنے لگا تو طلحہ بن طاہر نے تیس لاکھ درہم نقد اور ایک لاکھ کا اسباب بطور نذر احمد بن ابی خالد کی خدمت میں پیش کیا۔ اور اس کے کاتب کو پانچ لاکھ درہم دیئے۔

اسی سال مامون الرشید نے محمد بن جعفر عامری کو نصر بن شیث کے پاس جس کو عبداللہ بن طاہر متواتر لڑائیوں کے بعد دباتا اور ہٹاتا جاتا تھا' بطور سفیر روانہ کیا اور اطاعت قبول کر لینے کی ترغیب دی۔ نصر بن شیث نے کہا کہ میں مامون الرشید سے صلح کر لینے پر آمادہ ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میں مامون کے دربار میں حاضر نہ ہوں گا۔ مامون کے پاس واپس آ کر محمد بن جعفر نے یہ شرط نصر کی طرف سے سنائی تو اس نے قسم کھائی کہ میں جب تک نصر کو اپنے دربار میں حاضری کے لیے مجبور نہ کرلوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔ نصر نے اپنے ہمراہیوں سے جو سب کے سب عرب تھے کہا کہ مامون الرشید جو قوم زط کے مینڈکوں کو ابھی تک مغلوب نہیں کر سکا بھلا ہم عربوں پر کہاں غلبہ پا سکتا ہے' چنانچہ وہ پہلے سے زیادہ مستعدی کے ساتھ لڑائی اور زور آزمائی پر مستعد ہو گیا۔

بغاوت افریقہ

افریقہ یعنی وہ صوبہ جس میں تونس و قیروان بڑے بڑے مرکزی مقام تھے۔ اور جو مصر و مراکش کے درمیان واقع تھا' ہارون الرشید کے زمانے ابراہیم بن اغلب کو ۱۸۴ھ میں چالیس ہزار دینار سالانہ

خراج پر بطور ٹھیکہ کے دے دیا گیا تھا۔ ابراہیم نے نہایت عمدگی سے افریقہ پر حکومت کی۔ آج کل مامون الرشید کے زمانہ میں افریقہ کا حکمران ابراہیم کا بیٹا زیادۃ اللہ بن ابراہیم بن اغلب تھا' ۲۰۸ھ میں تونس کے اندر بغاوت نمودار ہوئی۔ اس بغاوت کا بانی منصور بن نصیر تھا۔ منصور بن نصیر نے افریقہ کے اکثر حصہ پر قبضہ کرلیا اور دارالحکومت قیروان میں زیادۃ اللہ کو محصور کرلیا۔ زیادۃ اللہ نے منصور کو شکست دے کر بھگا دیا مگر منصور بن نصیر پھر لشکر فراہم کر کے مقابلہ پر آیا اور دونوں کی زور آزمائیوں کا سلسلہ ۲۰۸ھ سے شروع ہوکر ۲۱۱ھ تک جاری رہا۔ آخر ۲۱۱ھ میں منصور بن نصیر اپنے ایک ہمراہی کے ہاتھ سے مارا گیا اور زیادۃ اللہ نے اطمینان سے افریقہ پر حکومت شروع کی۔

نصر بن شیث کی بغاوت کا خاتمہ

نصر بن شیث کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے یہ امین بن ہارون سے دوستی ومحبت رکھتا تھا۔ قتل امین کی خبر سن کر اور عربی عنصر کو مغلوب اور عجمیوں کو خلافت اسلامیہ پر حاوی دیکھ کر بغاوت وسرکشی پر آمادہ ہوگیا تھا۔ اس کو علویوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مگر عجمیوں کی مخالفت ونفرت نے اس کو مامون کے مقابلہ پر آمادہ کردیا تھا۔ عبداللہ بن طاہر سے پہلے طاہر بن حسین اس کے مقابلہ پر بے دلی کے ساتھ کام کرتا رہا۔ لہٰذا نصر بن شیث عقیلی کا تادیر مقابلوں میں ثابت قدم ومحفوظ رہنا اس کی شہرت وحوصلہ کی ترقی کا سبب بن گیا۔ صوبہ جزیرہ کے قریباً تمام اضلاع پر اس نے قبضہ کرلیا تھا۔ اور حلب کے شمال مقام کیسوم میں مقیم تھا۔ آخر ۲۰۹ھ میں عبداللہ بن طاہر نے ہر طرف سے اس کو گھیر کر کیسوم میں محصور کرلیا اور نصر نے شدت محاصرہ اور اپنی سخت مجبوری کے عالم میں بلاشرط ہتھیار رکھ کر اپنے آپ کو عبداللہ بن طاہر کے سپرد کردیا۔ عبداللہ نے اس کو مامون کے پاس بغداد کی طرف روانہ کیا۔ مامون کے دربار میں حاضر ہوا اور مامون نے صفر ۲۱۰ھ میں اس کو مدینۃ المنصور میں نظر بند کردیا۔

ابن عائشہ کا قتل اور ابراہیم کی گرفتاری

ابراہیم بن محمد بن عبدالوہاب بن ابراہیم امام بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب معروف بہ ابن عائشہ نے ابراہیم بن مہدی کی بیعت کی تھی۔ ابراہیم بن مہدی کے روپوش ہوجانے کے بعد ابراہیم ابن عائشہ بھی روپوش ہوگیا تھا۔ اس کے ساتھ ابراہیم بن اغلب اور مالک بن شاہین بھی تھے۔ جس زمانے میں نصر بن شیث کو عبداللہ بن طاہر نے گرفتار کر کے بغداد کی طرف روانہ کیا تو جاسوسوں نے یہ خبر مامون کو پہنچائی کہ جس روز نصر بن شیث بغداد میں داخل ہوگا' اسی روز بغداد میں ابن عائشہ اور ابراہیم بن اغلب اور مالک بن شاہین خروج کر کے علم بغاوت بلند کریں گے۔ اور فتنہ

عظیم برپا ہوگا۔ اس سے پہلے بھی مامون کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ابراہیم بن مہدی' ابراہیم بن عائشہ' ابراہیم بن اغلب اور مالک بن شاہین بغداد میں روپوش ہیں اور لوگوں کو اپنی سازش میں شریک کر رہے ہیں۔

اس خبر کو سننے کے بعد بغداد کی پولیس کو حکم دیا گیا کہ ان بغاوت کے سرغنوں کو جس طرح ممکن ہو گرفتار و اسیر کرو۔ چنانچہ پولیس کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور یہ تینوں شخص یعنی ابراہیم بن مہدی کے سوا باقی تینوں شخص گرفتار ہو گئے۔ ان کو قید خانہ میں بھیج دیا گیا' انہوں نے قید خانہ کا دروازہ بند ہونے پر دیوار میں نقب لگانا شروع کیا۔ اور وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ حال معلوم ہونے پر مامون خود قید خانہ میں پہنچا۔ باقی دونوں کو قتل کرا کر ابن عائشہ کو صلیب پر لٹکا دیا' اسی حالت میں اس کی جان نکل گئی۔ یہ پہلا عباسی تھا جو خلافت عباسیہ میں قتل کیا گیا۔ یہ قتل کا واقعہ ماہ صفر ۲۱۰ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ چند روز کے بعد ابراہیم بن مہدی عورتوں کا لباس پہنے ہوئے راستے پر جاتا ہوا گرفتار ہوا اور اسی طرح زنانہ لباس میں حاضر دربار کیا گیا۔

مامون نے حاضرین دربار سے اس کی نسبت مشورہ طلب کیا سب نے قتل کا مشورہ دیا مگر مامون کے وزیر اعظم احمد بن ابی خالد نے کہا کہ آپ اس کو معاف کر دیں اور اس کے جرم بغاوت سے درگذر فرمائیں۔ مامون نے ابراہیم بن مہدی کو معاف کر دیا اور سجدہ شکر بجا لایا کہ خدائے تعالیٰ نے اس کو عفو و درگذر کی توفیق عطا فرمائی۔ ابراہیم بن مہدی نے مامون کی تعریف میں اشعار سنائے اور مامون نے اس کے ساتھ عزت و محبت کا برتاؤ کیا۔ ابراہیم کی گرفتاری ماہ ربیع الاول ۲۱۰ھ میں ہوئی تھی۔

مصر و اسکندریہ کی بغاوت

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مصر کے حاکم سری بن محمد بن حکم نے فوت ہوتے وقت اپنے بیٹے عبیداللہ کو اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ عبیداللہ نے حکومت مصر ہاتھ میں لیتے ہی علم بغاوت بلند کر دیا۔ نصر بن شیث کی لڑائیوں کے سبب عبداللہ بن طاہر مصر کی طرف متوجہ نہ ہو سکا اور مامون بھی اپنی سلطنت کے دوسرے حصوں کی طرف سے مطمئن نہ ہونے کے سبب کوئی نئی مہم مصر کی طرف روانہ نہ کر سکا' اس عرصہ میں مصر کے صوبہ کا ایک بڑا حصہ عبیداللہ کے قبضے سے بھی نکل گیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام مالک بن انس کے معتقدین نے جو قرطبہ دارالخلافہ اندلس میں رہتے تھے' اموی خلیفہ الحکم بن ہشام کے خلاف ایک بغاوت کی سازش کی' حکم بن ہشام نے عین وقت پر مطلع ہو کر شہر قرطبہ کے مغربی حصہ

کو جہاں سے یہ بغاوت شروع ہونے والی تھی برباد اور نیست و نابود کر دیا۔

مالکیوں کو گرفتار کر کے سخت سزائیں دیں اور پھر ان سب کو اندلس یعنی اپنی حدود سلطنت سے خارج کر دیا۔ ان جلاوطن ہونے والوں کے ایک حصہ نے تو مراکش میں سکونت اختیار کی اور ایک حصہ براہ دریا مصر کی طرف متوجہ ہو کر اسکندریہ میں داخل ہوا۔ اسکندریہ میں عبیداللہ بن سری کی طرف سے ایک عامل رہتا تھا۔ ان نو وارد مالکیوں نے موقع پا کر یہاں بھی بغاوت کی تیاری کی اور عامل اسکندریہ کو حملہ کر کے نکال دیا اور خود اسکندریہ اور اس کے اردگرد کے علاقہ پر قابض و متصرف ہو کر ابوحفص عمر بلوطی کو اپنا امیر بنالیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ عبداللہ بن طاہر جنگ نصر بن شیث میں مصروف تھا۔

عبیداللہ بن سری اس علاقہ کو ان نو وارد مالکیوں سے واپس نہیں لے سکا۔ عبداللہ بن طاہر نصر سے فارغ ہوتے ہی مصر کی طرف متوجہ ہوا۔ عبیداللہ بن سری نے مقابلہ کیا مگر عبداللہ بن طاہر نے شکست دے کر اس کو محصور کر لیا۔ شدت محاصرہ سے تنگ آ کر عبیداللہ نے امان طلب کی اور اپنے آپ کو عبداللہ کے حوالے کر دیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر عبداللہ نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ ابوحفص عمر بلوطی نے اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر امان طلب کی۔ عبداللہ بن طاہر نے اس شرط پر اس کی درخواست کو منظور کیا کہ اسکندریہ اور ملک مصر کو خالی کر کے بحر روم کے کسی جزیرہ میں چلے جاؤ۔

چنانچہ عمر نے معہ اپنے ہمراہیوں کے جہازوں میں سوار ہو کر جزیرہ اقریطش (کریٹ) کا رخ کیا۔ اور وہاں جا کر اس جزیرہ پر قابض و متصرف ہو گیا۔ وہیں ان لوگوں نے مکانات بنائے اور مستقل سکونت اختیار کر کے حکومت قائم کی۔ یہ واقعہ ۲۱۰ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ ۲۱۰ھ سے قریباً ایک سو ساٹھ برس تک ابوحفص عمر بلوطی کے خاندان میں جزیرہ کریٹ کی حکومت قائم رہی' آخر خاندان ابو حفص کے آخری فرماں روا عبدالعزیز سے آرمیناس پسر قسطنطین نے اس جزیرہ کو فتح کر کے حکومت یونان سے ملحق کر لیا۔

زریق و بابک خرمی

زریق جس کا اصلی نام علی بن صدقہ تھا ایک عربی النسل شخص تھا جس کو خلیفہ مامون الرشید نے ۲۰۹ھ میں آرمینیا و آذربائیجان کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ اس نے ۲۱۱ھ میں چالیس ہزار کے قریب فوج جمع کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور مامون الرشید سے باغی ہو گیا' مامون الرشید نے ابراہیم بن لیث بن فضل کو آذربائیجان کی حکومت پر بھیجا۔

صوبہ فارس کے شمال اور آذربائیجان کی سرحد کے قریب ہارون الرشید کے زمانے سے ایک

جدید مذہب کی بنیاد مستحکم ہو رہی تھی یعنی جاویدان نامی مجوسی نے ایک نیا مذہب جاری کیا تھا۔ اس مذہب میں قتل وخوں ریزی اور زنا کوئی جرم نہ تھا۔ یہ مذہب مزدکی مذہب سے بہت مشابہ تھا۔ جب جاویدان فوت ہوا تو اس کے ایک مرید بابک خرمی نے جاویدان کی بیوی پر خود قبضہ کر کے اپنے پیر کے تمام مریدوں کی سرداری حاصل کی' بابک خرمی کے زمانے میں ان لوگوں نے جلد جلد قوت حاصل کی اور ان کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی۔ ان کی ڈاکہ زنی اور لوٹ کھسوٹ سے اس طرف کے صوبوں کا امن وامان جاتا رہا۔ ۲۰۱ھ میں انہوں نے شاہی فوجوں کا مقابلہ شروع کر دیا۔ صوبہ آذربائیجان کے گورنروں کو کئی مرتبہ بابک خرمی کے مقابلہ میں ہزیمت حاصل ہوئی اور اس کا رعب واقتدار خوب ترقی کر گیا۔ ۲۰۹ھ میں بابک نے آذربائیجان کے عامل کو زندہ گرفتار کرلیا تھا' اس کے بعد زریق کو سند گورنری دے کر بھیجا گیا تھا۔

۲۱۱ھ میں زریق نے بغاوت اختیار کی تو بجائے ایک کے دو زبردست دشمن اس طرف پیدا ہو گئے۔ مامون الرشید نے سید بن انس حاکم موصل کو زریق کے مقابلہ کا حکم دیا۔ سید بن انس نے ایک زبردست فوج لے کر زریق پر حملہ کیا مگر لڑائی میں مارا گیا۔ اور فوج شکست کھا کر بھاگ آئی۔

مامون کو اس خبر کے سننے سے سخت صدمہ ہوا اور ۲۱۱ھ کے آخری ایام میں محمد بن حمید طوسی کو موصل کی سند گورنری دے کر زریق وبابک دونوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ محمد بن حمید طوسی بغداد سے فوج لے کر روانہ ہوا تو موصل پر زریق قابض ومتصرف ہو چکا تھا۔ چنانچہ موصل کے قریب دونوں کی لڑائی ہوئی۔ زریق شکست کھا کر بھاگا اور محمد بن حمید موصل میں داخل ہوا۔

موصل کے عرب باشندوں کو فوج میں بھرتی کیا اور سامان لشکر کو درست کر کے زریق کی طرف بڑھا۔ نہر زاب پر زریق کے ساتھ صف آرائی اور زور آزمائی کی دوبارہ نوبت آئی۔ اس لڑائی میں بھی زریق نے شکست کھائی اور قید وگرفتاری کی ذلت اٹھائی۔ محمد بن حمید نے آگے بڑھ کر زریق کے تمام عاملوں اور اہلکاروں کو بے دخل کر کے تمام صوبہ آذربائیجان پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد محمد بن حمید بابک خرمی کی طرف متوجہ ہوا۔ متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ محمد بن حمید خرمیوں کو شکست دیتا اور پیچھے ہٹاتا ہوا دامن کوہ تک چلا گیا۔ خرمی لوگ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ محمد بن حمید بھی ان کے تعاقب میں پہاڑ پر چڑھا وہاں خرمیوں نے لوٹ کر مقابلہ کیا تو محمد بن حمید کی فوج کو شکست ہوئی' کمین گاہوں سے نکل نکل کر خرمیوں نے قتل عام شروع کر دیا۔ اسی معرکہ میں محمد بن حمید مارا گیا۔ اور بابک خرمی کے حوصلے پہلے سے زیادہ بلند ہو گئے۔ یہ واقعہ ۲۱۲ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

اسی سال موسیٰ بن حفص حاکم طبرستان فوت ہوا' اس کی جگہ مامون الرشید نے اس کے بیٹے کو

حاکم طبرستان مقرر کیا۔ اسی سال خلیفہ مامون نے حاجب بن صالح کو سندھ کی حکومت پر مامور فرما کر روانہ کیا۔ سندھ کے پہلے حاکم بشر بن داؤد نے سندھ کی حکومت سپرد کرنے سے انکار کیا' دونوں میں معرکہ آرائی کی نوبت پہنچی' آخر بشر بن داؤد شکست کھا کر کرمان کی طرف بھاگ گیا۔

اسی سال یعنی ۲۱۲ھ میں مامون الرشید نے عبداللہ بن طاہر کو مصر سے واپس بلا کر حکم دیا کہ بابک خرمی کے فتنہ کو فرو کرو۔ عبداللہ بن طاہر دینور میں اپنے لشکر کو ترتیب دے کر بابک خرمی کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ خبر پہنچی کہ نیشا پور میں خوارج نے خروج کیا ہے کیونکہ طلحہ بن طاہر گورنر خراسان فوت ہو گیا ہے۔ مامون الرشید نے فوراً عبداللہ بن طاہر برادر طلحہ کے پاس خراسان کی سند گورنری بھیج کر حکم دیا کہ تم خرسان پہنچ کر فتنہ خوارج کو فرو کرو۔

عبداللہ بن طاہر مقام دینور سے نیشا پور کی طرف متوجہ ہوا اور بابک خرمی عبداللہ بن طاہر کے حملے سے بچ گیا۔ اس کے بعد بابک خرمی پر خلیفہ کی طرف سے کوئی سپہ سالار حملہ آور نہ ہوا اور مامون الرشید کی وفات کے بعد اس فتنہ کا استیصال ہوا۔ عبداللہ بن طاہر نے خراسان پہنچ کر وہاں کی بغاوت فرو کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

متفرق حالات

مامون الرشید کے وزیر اعظم احمد بن ابی خالد نے جو نہایت عقل مند' نیک طینت اور پاک طبیعت شخص تھا اسی سال وفات پائی۔ اور اس کی جگہ مامون الرشید نے احمد بن یوسف کو خلعت وزارت عطا کیا۔ احمد بن ابی خالد بنی عامر کا ایک شامی غلام تھا جو اعلیٰ درجہ کا ادیب اور منشی تھا۔

احمد بن یوسف ایک معمولی دفتر میں کاتب تھا' مامون چونکہ اس کی قابلیت سے واقف تھا لہٰذا اس کو یک لخت وزارت عظمیٰ کا عہدہ عطا کر دیا۔

۲۱۲ھ میں احمد بن محمد عمری معروف بہ ابوالرازی کو یمن پر مامور فرمایا۔ ۲۱۳ھ میں مامون الرشید نے اپنے بیٹے عباس کو جزیرہ وثغور وعواصم پر اور اپنے بھائی ابواسحٰق معتصم کو شام ومصر پر مقرر کیا' ابواسحٰق معتصم نے اپنی جانب سے ابن عمیرہ باز عیسیٰ کو مصر کا والی مقرر کر کے روانہ کیا' قیسیہ اور یمانیہ کے ایک گروہ نے ہنگامہ کر کے ۲۱۴ھ میں ابن عمیرہ کو مار ڈالنا چاہا اور علم بغاوت بلند کیا تو معتصم خود مصر میں گیا اور بہ زور تیغ باغیوں کو زیر کر کے مصر میں قیام کیا اور اپنی طرف سے عمال مقرر کئے' اس طرح مصر میں امن وامان قائم ہو گیا۔

۲۱۳ھ میں مامون الرشید نے غسان بن عباس کو سندھ کی گورنری پر مامور فرمایا۔ اسی سال

ابوالرازی والی یمن باغیوں کے ہاتھ سے یمن میں مقتول ہوا۔ مجبور ہو کر مامون الرشید نے محمد بن ابراہیم ریادی کو جو زیاد بن ابی سفیان کی اولاد میں سے تھا یمن کی ولایت سپرد کی اس نے وہاں پہنچ کر شہر زبید کی بنیاد ڈالی اور اسی شہر کو اپنا مستقر قرار دے کر یمن پر حکومت شروع کی۔ خلیفہ کو وہ تحف و ہدایا بھیجتا رہتا تھا اور خطبہ میں اس کا نام لیتا تھا۔ ۲۴۵ھ یعنی اپنی وفات تک یمن میں آزادی سے حکومت کرتا رہا' اس کے بعد یمن کی حکومت اس کی اولاد اور غلاموں میں ۴۳۲ھ تک قائم رہی۔

۲۱۴ھ میں خلیفہ مامون نے علی بن ہشام کو جبل' قم' اصفہان اور آذربائیجان کی حکومت عطا فرمائی' ۲۱۴ھ میں ابو بلال صابی شاری نے خروج کیا۔ مامون الرشید نے اپنے بیٹے عباس کو معہ سپہ سالاروں کے اس کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ ابو بلال لڑائی میں مارا گیا اور یہ فتنہ فرو ہوا۔

۲۱۵ھ میں قیصر میخائیل فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا نوفل تخت نشین ہوا۔ رومیوں کی طرف سے علامات سرکشی و دشمنی نمایاں ہونے پر مامون الرشید نے اسحٰق بن ابراہیم بن مصعب کو سواد حلوان دجلہ کی گورنری عطا کر کے بغداد میں اپنا نائب بنا کر چھوڑا اور خود فوج لے کر رومیوں پر حملہ آور ہوا۔ موصل' انطاکیہ' مصیصہ اور طرطوس ہوتا ہوا بلاد روم میں داخل ہوا۔ قلعہ قرہ کو فتح کر کے شہر پناہ کو منہدم کر دیا۔ پھر اشناس کو قلعہ سندس کی جانب اور عجیف و جعفر کو قلعہ سنان کی طرف فوجی دستوں کے ساتھ روانہ کیا' چنانچہ یہ دونوں قلعے فتح ہو گئے عباس بن مامون الرشید نے شہر ملطیہ پر قبضہ کیا۔

معتصم جو مصر میں مقیم تھا۔ مصر سے واپس ہو کر مامون کی خدمت میں حاضر ہوا' رومیوں نے اظہار عجز کر کے معافی طلب کی اور خلیفہ مامون مراجعت کر کے دمشق کی جانب روانہ ہوا' ابھی خلیفہ راستے ہی میں تھا کہ رومیوں نے اپنی طاقت کو مجتمع کر کے یکایک طرسوس و مصیصہ پر حملہ کر دیا' ان دونوں شہروں کے باشندے اس خیال سے کہ رومیوں نے مصالحت کر لی ہے بے خبر تھے۔ لہٰذا نہایت بے رحمی سے قتل و غارت کیے گئے۔ مامون یہ سنتے ہی فوراً لوٹ پڑا اور بلاد روم میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ لشکر اسلام نے قلعوں پر قلعے اور شہروں پر شہر فتح کرنے شروع کیے ایک طرف خلیفہ مامون فتح کرتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ دوسری طرف سے معتصم حملہ آور تھا' جس نے تین قلعے فتح کر لیے تھے۔ تیسری طرف یحیٰی بن اکثم شہروں کو فتح کرنے اور رومیوں کے گرفتار کرنے میں مصروف تھا۔ آخر قیصر روم نے اپنی گستاخی کی معافی مانگی اور خلیفہ مامون نے واپسی کا حکم دے کر دمشق کی جانب مراجعت کی اور یہاں سے مصر کی طرف متوجہ ہوا' مصر میں باغیوں کو خوب سزائیں دے کر وہاں کے حالات کو درست کیا۔ مصر سے پھر شام کی طرف واپس آیا۔ اس حملہ آوری و مراجعت میں پورا ایک سال صرف ہو گیا۔

۲۱۷ھ میں رومیوں نے پھر سابقہ حرکات کا اظہار کیا اور مامون الرشید نے پھر اس طرف فوج

شی کی' اس مرتبہ بھی رومیوں سے بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور نوفل قیصر روم نے پھر عاجزانہ طور پر رخواست صلح پیش کی۔ مامون نے اس مرتبہ بھی اس کی درخواست منظور کر لی اور بلاد روم سے واپس وا۔ ۲۱۸ھ میں مامون الرشید کو پھر رومیوں کی گوشمالی کے لیے جانا پڑا وہاں سے واپسی میں اپنے بیٹے عباس کو بطور یادگار فتح شہر طوانہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس نے ایک میل مربع کا قلعہ بنایا اور چار کوس کے محیط کی شہر پناہ تعمیر کرا کر مختلف شہروں کے لوگوں کو وہاں آباد کیا۔

مامون الرشید کی وفات

سفر روم سے واپسی میں نہر بذندون کے کنارے ایک روز مقام ہوا۔ ۱۳ جمادی الثانی ۲۱۸ھ کو یہیں بخار میں مبتلا ہوا۔ اور یہیں ۱۸ رجب ۲۱۸ھ بروز پنج شنبہ فوت ہوا۔

مرنے سے پہلے امرا و ارا کین اور علماء و فقہاء کو اپنے روبرو بلا کر وصیت کی اور اپنے کفن دفن کے متعلق ہدایات کیں۔ اپنے مرنے کے بعد لوگوں کو رونے اور ہائے وائے کرنے سے منع کیا۔ پھر اپنے بھائی ابو اسحٰق معتصم کو جس کو ولی عہد سلطنت بنا چکا تھا بلا کر نصیحتیں کیں اور اصول جہاں بانی کی طرف توجہ دلائی۔ پھر قرآن کریم کی آیات پڑھتا رہا۔

ایک مرتبہ بول اٹھا کہ اے وہ جس کی سلطنت کبھی زائل نہ ہوگی اس پر رحم کر جس کی سلطنت زائل ہو رہی ہے۔

اس کے بعد فوت ہو گیا۔ اس کا بھائی ابو اسحٰق معتصم اور اس کا بیٹا عباس بذندون علاقہ رقہ سے مقام طرطوس میں لائے اور دفن کیا۔ مامون نے ۴۸ سال کی عمر پائی اور ساڑھے بیس سال حکومت کی۔

مامون کا تمام عہد خلافت لڑائیوں اور بغاوتوں کے فرو کرنے میں گذرا۔ مہم زط اور بابک خرمی کو اس نے ناتمام چھوڑا' یعنی دونوں فتنے اس کے عہد خلافت میں فرو نہ ہو سکے درحقیقت مامون کی حکومت و ملک گیری کا زمانہ اب شروع ہوا تھا کہ اس کو موت آ گئی' اس نے اپنے آخر ایام حیات میں اپنی بہادری و سپہ سالاری کی قابلیت کا ثبوت بھی دے دیا۔ رومیوں کے مقابلے میں اس نے پیہم کئی سال تک جہاد کیے اور اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ حالت جہاد اور میدان جنگ ہی میں فوت ہوا۔

صوبوں اور ملکوں کی خود مختاری

خاندان بنو امیہ کے خلفاء جب تک حکمران رہے دمشق تمام عالم اسلام کا ایک ہی مرکز اور دارالخلافہ تھا۔ بنو امیہ کی خلافت کے وارث عباسی ہوئے تو عبداللہ سفاح پہلا عباسی خلیفہ ۱۳۲ھ میں خلفاء بنو امیہ کا قائم مقام اور تمام عالم اسلام کا فرماں روا بنا۔ لیکن صرف چھ سال کے بعد یعنی ۱۳۸ھ

میں اندلس کا ملک خلافت بنوعباس سے جدا ہو گیا اور وہاں ایک جداگانہ خلافت بنوامیہ قائم ہو گئی۔

۱۷۲ھ میں مراکش کے اندر ایک اور خودمختار سلطنت قائم ہو گئی جو سلطنت ادریسیہ کے نام سے مشہور ہے۔اس طرح مراکش کا ملک بھی بنوعباس کی حکومت کے دائرے سے ہمیشہ کے لیے خارج ہو گیا۔

۱۸۴ھ میں تیونس والجیریا کا علاقہ جس کو صوبہ افریقہ کہا جاتا تھا برائے نام حکومت بنوعباس کا ماتحت رہ گیا۔ورنہ وہاں بھی ابراہیم بن اغلب کی خودمختار حکومت قائم ہو کر عرصہ دراز تک اس کی اولاد میں قائم رہی۔

۲۰۵ھ میں مامون الرشید نے طاہر بن حسین کو خراسان کی صوبہ داری پر مامور کر کے بھیجا۔اسی تاریخ سے خراسان کی حکومت طاہر کے خاندان میں رہی جس طرح افریقہ برائے نام دولت عباسیہ سے تعلق رکھتا تھا۔اسی طرح خراسان کی دولت طاہریہ کا بھی برائے نام تعلق تھا' یعنی معمولی خراج وہاں سے آجاتا تھا اور خطبہ میں عباسی خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا' باقی امور میں طاہریہ سلاطین خودمختار تھے۔

۲۱۳ھ میں محمد بن ابراہیم زیادی کو یمن کی حکومت سپرد کی گئی اور اس کے بعد یمن کی حکومت اسی کے خاندان میں رہی۔یمن بھی خراسان وافریقہ کی طرح آزاد ہو گیا۔غرض ۱۳۸ھ سے ۲۱۳ھ تک صرف پچھتر سال کے عرصہ میں دولت امویہ اندلس۔دولت ادریسیہ مراکش۔دولت اغلبیہ افریقہ۔دولت طاہریہ خراسان۔دولت زیاد یمن۔یعنی پانچ آزاد سلطنتوں کی بنیاد مامون الرشید عباسی کے زمانے تک قائم ہوئیں' جب کہ اس وقت تک بنوعباس کی دولت وحکومت ترقی پذیر سمجھی جاتی ہے۔

ترقیات علمیہ

west Pakistan

مامون الرشید کے عہد حکومت کا کوئی ایک سال بھی ایسا نہیں جو جنگ وپیکار اور زدوخورد کے ہنگاموں سے خالی ہو اور مامون الرشید کو ملکوں اور صوبوں کے انتظامات اور باغیوں کی سرکوبی کے اہتمام سے فراغت حاصل ہوئی ہو' لہٰذا توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایک ایسا مصروف افکار اور حالات سلطنت سے ہمہ اوقات باخبر رہنے والا خلیفہ علوم وفنون کی طرف بھی توجہ کر سکا ہوگا۔لیکن حیرت ہوتی ہے کہ مامون الرشید عباسی کے عہد خلافت میں علوم وفنون کے جس قدر دریا بہے اور مامون نے اس طرف توجہ کر کے جو جو کارہائے نمایاں علمی دنیا کے لیے انجام دیئے اس کی نظیر دوسری جگہ دستیاب نہیں ہو سکتی' اور یہی وجہ ہے کہ اس کی شہرت وعظمت نے غیر معمولی رتبہ بلند حاصل کر لیا ہے۔

ہارون الرشید نے بغداد میں بیت الحکمت کے نام سے ایک دارالترجمہ اور دارالتصنیف قائم

تھا جس میں مختلف ملکوں کے رہنے والے مختلف مذاہب کے پیرو اور مختلف زبانیں جاننے والے مصروف کار رہتے تھے۔

مامون کو ارسطو کی کتابوں کے ترجمہ کرانے کا شوق ہوا تو اس نے قیصر روم کو لکھا کہ ارسطو کی تمام انیف جہاں تک دستیاب ہوسکیں فراہم کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ قیصر کو اس حکم کی تعمیل میں کچھ ل ہوا اور اس نے اپنے عیسائی علماء سے مشورہ لیا تو انہوں نے کہا کہ فلسفہ کی کتابیں ہمارے ملک ں مقفل و محفوظ ہیں اور ان کو پڑھنے پڑھانے کی کسی کو اجازت نہیں کیونکہ اس سے مذہبی احترام لوگوں ے دلوں میں باقی نہیں رہ سکتا۔ ان کتابوں کو آپ ضرور خلیفہ اسلام کے پاس بھجوادیں تا کہ وہاں فلسفہ ی اشاعت ہو اور مسلمانوں کا مذہبی جوش سرد پڑ جائے' قیصر نے پانچ اونٹ ان کتابوں سے لاد کر مون الرشید کے پاس بھجوا دیئے۔ مامون الرشید نے یعقوب بن اسحٰق کندی کو ان کے ترجمہ پر مامور کیا۔ پھر مامون نے خود اپنی طرف سے عیسائی علماء کو جو اس کے یہاں نوکر تھے بلاد روم و یونان کی طرف روانہ کیا کہ وہاں سے علوم وفنون کی کتابیں تلاش کر کے لائیں قسطا بن لوقا ایک عیسائی فلاسفر خود پنے شوق سے روم کے ملک میں گیا اور وہاں سے کتابیں تلاش کر کے لایا۔ مامون الرشید نے اس کو ار الترجمہ میں نوکر رکھ لیا۔

اسی طرح اس نے مجوسی علماء کو بڑی بڑی بیش قرار تنخواہوں پر نوکر رکھ کر مجوسیوں کے علوم وفنون کے ترجمہ کی خدمت سپرد کی۔ ہندوستان کے راجاؤں کو معلوم ہوا تو انہوں نے مامون الرشید کی خدمت میں سنسکرت کے عالموں اور بڑے بڑے پنڈتوں کو بطور تحفہ بھیج کر خلیفہ کی خوشنودی حاصل کی۔ بیت الحکمت کے مترجموں کی تنخواہیں ڈھائی ڈھائی ہزار تک تھیں اور ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی تھی۔ جن میں یعقوب کندی' حنین بن اسحٰق' قسطا بن لوقا بعلبکی' ابوجعفر یحییٰ بن عدی' جبرئیل بن بختیشوع وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

علاوہ تنخواہوں کے مترجموں کو ایک کتاب کے ترجمہ کے برابر سونا یا چاندی تول کر دی جاتی تھی۔ فلسطین۔ مصر۔ اسکندریہ۔ سسلی۔ روم۔ ایران۔ ہندوستان وغیرہ ملکوں سے علوم وفنون کی کتابیں منگوا کر عربی میں ترجمہ کرائی جاتی تھیں اور بہت سے مترجمین علوم وفنون پر خود بھی کتابیں تصنیف کرتے تھے۔ بعض ذی علم مترجمین ترجموں کی اصلاح اور نظر ثانی پر مامور تھے۔

مامون الرشید ہی کے عہد میں ایک مشہور عالم محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون الرشید کی فرمائش سے علم جبر و مقابلہ پر ایک کتاب لکھی اور وہ اصول قائم کئے کہ ان اصولوں میں آج تک نہ ترمیم ہوسکی نہ اضافہ ممکن ہوا۔

زمین کے گول ہونے کا حال جب یونانی کتابوں میں دیکھا تو مامون الرشید نے جغرافیہ وہیئت کے علماء کو بلا کر حکم دیا کہ زمین کے محیط کی پیمائش معلوم کرنے کے لیے کوئی وسیع وہموار میدان انتخاب کر کے ایک درجہ کی پیمائش کریں۔ چنانچہ سنجار کا مسطح میدان انتخاب کیا گیا۔ علماء ایک مقام پر قطب شمالی کی بلندی کے ساتھ زاویہ قائم کر کے ٹھیک شمال کی جانب جریب ڈالتے اور ناپتے ہوئے بڑھے ۶۶/۳ ۹۲ میل شمال کی جانب جانے سے قطب شمالی کی بلندی کے زاویہ میں پورا ایک درجہ بڑھ گیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ جب ایک درجہ کی مسافت سطح زمین پر ۳/۹۲ ۶۶ میل ہے تو زمین کا کل محیط ۲۴ ہزار میل ہونا چاہیئے' کیونکہ ہر نقطہ پر تمام زاویوں کا مجموعہ ۳۶۰ درجہ ہوتا ہے اور ۳۶۰ کو میں ضرب دینے سے ۲۴ ہزار میل کے قریب فاصلہ برآمد ہوتا ہے۔ دوبارہ یہی تجربہ صحرائے کوفہ میں بھی کیا گیا اور وہی نتیجہ برآمد ہوا۔

خالد بن عبدالملک مرورزی اور یحییٰ بن ابی منصور وغیرہ کے ذریعہ شماسیہ کی رسدگاہ تعمیر و مکمل کرائی اور اجرام سماویہ کے مطالعہ پر علماء ہیئت مامور کیے۔ فرامین بھیج کر ہر ایک شہر اور ہر ایک علاقے سے علماء و فضلاء طلب کیے گئے' علمی مجلسیں اور مناظرے منعقد ہوتے' مامون ان میں شریک ہو کر حصہ لیتا۔ ادیب' شاعر' متکلم' طبیب غرض ہر علم وفن کے باکمال بغداد میں ایسے بلند پایہ موجود تھے جن میں سے کسی کا جواب دنیا میں ملنا دشوار تھا۔

اصمعی جو لغات عرب اور نحو وادب کا امام تھا پیرانہ سالی کی وجہ سے کوفہ کو چھوڑ کر بغداد نہ آ سکا' اس کو وہیں وظیفہ ملتا تھا۔ اور اہم مسائل حل کرنے کے لیے وہیں بھیجے جاتے تھے۔

فراء نحوی نے بغداد میں علم نحو کی تدوین کی اور کتابیں لکھوائیں۔ اس کے لیے ایوان شاہی کا ایک کمرہ خالی کر دیا گیا تھا جس میں علماء طالب علمانہ حیثیت سے استفادہ کرنے آتے تھے۔

فن خوش نویسی پر مامون ہی کے زمانے میں کتابیں لکھی گئیں اور اس فن کے اصول وقواعد مدون ومرتب ہوئے۔

غرض مامون الرشید کی توجہ اور سرپرستی علوم کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے یونانیوں' ایرانیوں' مصریوں اور ہندیوں کے علوم وفنون سب یک جا بے نقاب ہو گئے۔

اگرچہ مسلمانوں کو قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے کسی علم وفن کی ضرورت نہ تھی تاہم ان قدیم فلسفوں اور متفرق علوم کی طرف مسلمانوں کی توجہ نے مبذول ہو کر سب کو اس طرح مرتب و مہذب کر دیا کہ گویا نئے سرے سے ایجاد کیا۔ کامل آزادی سے کام لیا گیا' اور بظاہر یہ مختلف قوموں کے حکمیہ علوم فلسفہ قرآن کے مقابلے پر آئے' اور خدام اسلام کو موقعہ ملا کہ انھوں نے ان تمام فلسفوں

اور تمام مخالف قرآن اصولوں کو غلط اور نادرست ثابت کیا۔ اس طرح مذاہب و علوم کی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری ہو کر اسلام کو جو علمی فتوحات حاصل ہوئیں وہ ان ملکی فتوحات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں جو عہد بنوامیہ میں حاصل ہوئیں اور یہی علمی فتوحات ہیں جنہوں نے خلافت عباسیہ کے مرتبہ کو خلافت بنوامیہ کا ہمسر بنا دیا ورنہ فتوحات ملکی کے اعتبار سے خلافت عباسیہ ہرگز خلافت بنوامیہ کی حریف و ہمسر نہیں ہو سکتی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ فتوحات ملکی کے اعتبار سے بنو عباس کی خلافت سخت ناکام ثابت ہوئی کیونکہ وہ بنوامیہ کے فتح کیے ہوئے ملکوں کو بھی نہ سنبھال سکی۔

ایک بہتان کی تردید

ہندوستان کی تاریخوں کے نہایت ہی ناقص و نا تمام خلاصے جن کو تاریخ کہنا بھی غلطی میں شامل ہے اور یہ سرکاری مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ یہ کتابیں غالباً سیاسی اغراض کے مدنظر رکھ کر لکھی جاتی ہیں اور ان کے مصنفین بعض اوقات ایسی بے بنیاد باتیں ان میں درج کر دیتے ہیں جس سے ہندوستانی بچے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر حقیقت کے خلاف غلط عقیدہ قائم کر لیتے ہیں۔ اسی قسم کی غلط بیانی کے ایک تیر کا مجروح مامون الرشید کو بھی بنایا گیا ہے۔ غالباً تیس چالیس سال ہوئے[1] جب راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند کی لکھی ہوئی ایک کتاب سرکاری مدارس میں پڑھائی جاتی تھی' اس میں لکھا تھا کہ راجپوتانہ کے ایک راجہ مسمی باپا راول پر مامون الرشید عباسی نے بائیس مرتبہ حملے کیے اور ہر مرتبہ باپا نے مامون کو شکست دے دے کر بھگا دیا۔ سنا گیا ہے کہ یہی سفید جھوٹ بعض اور کتابوں میں بھی نقل کیا گیا ہے جو داخل نصاب تھیں' یا اب مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔

جن لوگوں نے لڑکپن میں یہ پڑھا ہے کہ مامون نے باپا سے بائیس مرتبہ شکست کھائی وہ اپنے دل میں مامون الرشید عباسی کے متعلق کیسا حقیر تصور رکھتے ہوں گے کہ ایک معمولی زمیندار کو زیر کرنے کے لیے اس نے اپنی پوری طاقت اور تمام عہد خلافت صرف کر دیا اور ناکام رہا۔ اوپر کے صفحات میں مامون الرشید عباسی کے عہد حکومت کا حال درج ہو چکا ہے' وہ خلیفہ ہونے سے پہلے جن جن مشاغل میں مصروف رہا اس کا بھی اجمالی ذکر آ چکا ہے' خراسان کی حکومت پر فائز ہو کر وہ مرو میں مقیم تھا کہ ہارون الرشید کا طوس میں انتقال ہو گیا' اس کے بعد قریباً چھ سال تک وہ مرو میں مقیم رہا اور اس نے مرو

[1] مؤلف نے یہ کتاب ۱۳۴۳ھ میں مکمل کی تھی یعنی آج سے ۸۱ سال قبل۔ اس لیے اسی تناظر میں اعداد و شمار کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

سے باہر قدم نہیں نکالا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اس کی فوجوں نے کابل وقندھار کے باغیوں کو زیر کیا اور اس ملک میں ۲۰۰ھ کے قریب عام طور پر اسلام شائع ومروج ہو گیا۔

اسی زمانے میں تبت کا بادشاہ مسلمان ہوا اور اس نے اپنے سونے چاندی کے بت خلیفہ مامون کے پاس مرو میں بھیج دیئے۔ سندھ اس کی حکومت میں شامل تھا۔ اور وہاں دربار خلافت سے عامل مقرر و مامور ہو کر آتے اور حکومت کرتے تھے۔ لیکن مامون خود کبھی اس طرف نہیں آیا۔ اس نے مرو سے روانہ ہو کر بغداد کا سفر اختیار کیا' اس سفر کے تفصیلی حالات تاریخوں میں درج ہیں۔ لیکن سندھ کی طرف یا ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ذکر نہیں۔ بغداد پہنچ کر عرصہ دراز تک وہ بغداد میں مقیم رہا' آخر ایام حیات میں وہ بغداد سے نکلا تو بلاد روم پر حملہ کرتا رہا۔ شام ومصر بھی گیا۔ اور ان مغربی بلاد کے سفر سے واپسی میں فوت ہوا۔

سمجھ میں نہیں آتا اور عقل کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتی کہ مامون الرشید کی زندگی میں آخر وہ کون سا زمانہ ہے جس میں حملات ہند کو درج کیا جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کسی گورنر سندھ نے کبھی کوئی دستہ فوج راجپوتانہ کے زمینداروں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا ہو۔ مگر یہ ایسی بے حقیقت اور نا قابل تذکرہ مہم ہوگی کہ اس کا ذکر کرنا کسی نے بھی ضروری نہ سمجھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ عامل سندھ کی بھیجی ہوئی اس فوج نے چونکہ باپا سے شکست کھائی۔ لہٰذا مسلمانوں نے اس کا ذکر نہیں کیا' مگر ایسا کہنے میں معترض کی پست ہمتی اور بد دیانتی کا پردہ فاش ہو جاتا ہے کیونکہ وہ خود تاریخ نویسی اور واقعہ نگاری میں ایسے دروغ و کذب کو جائز سمجھتا ہے ورنہ مسلمان مؤرخوں نے مامون کی فوجوں کے شکست کھانے اس کے سپہ سالاروں کے ناکام رہنے کو کہیں بھی نہیں چھپایا۔ حتیٰ کہ قوم زط کی غارت گری کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے اس طعنہ کو بھی درج کر دیا جو نصر بن شیث نے دیا تھا کہ زط کے چند مینڈکوں پر فتح نہ پا سکا۔ بھلا ان مؤرخین کو اگر وہ مامون کی حمایت وطرف داری میں ایسی ہی مجرمانہ حقیقت پوشی پر اتر آئے تھے تو زط کا تذکرہ بڑی آسانی سے ہضم کر سکتے تھے۔ کیونکہ چند ہی سال کے بعد یہ قوم رومیوں کی بدولت صفحہ ہستی سے فنا ہو گئی تھی۔[1]

بہر حال باپا کی بہادری کا مبالغہ آمیز تذکرہ کرتے ہوئے یہ سفید جھوٹ جس کی کوئی بھی اصلیت نہیں ہے' تراشا گیا ہے۔ یہ اسی قسم کا تمسخر انگیز جھوٹ ہے جیسا کہ بکرماجیت کی نسبت ہندو

[1] مامون کے بعد معتصم کے ابتدائی دور میں ایک اسلامی سپہ سالار عجیب ون عنبسہ اس پوری زط قوم کو گرفتار کر کے بغداد میں لے آیا جن کی کل تعداد سترہ ہزار تھی۔ معتصم کے حکم سے ان کو سرحد روم کی طرف چشمہ زربہ کے قریب آباد کر دیا گیا۔ جہاں رومیوں نے شب خون مار کر سب کو قتل کر دیا۔

مؤرخوں نے بلا کسی شرم ولحاظ کے لکھ دیا ہے کہ اس نے ہندوستان سے ملک اٹلی کے شہر روما میں پہنچ کر جولیس سیزر شہنشاہ روم کو شکست دی تھی یہ شاید انھوں نے اپنے زعم میں اسکندر یونانی کے حملۂ ہند کا جواب دے دیا ہے۔ دل خوش کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں گاؤں کی چوپال میں بیٹھ کر تو شاید تھوڑی دیر کے لیے لطف صحبت کا موجب ہو سکتی ہوں لیکن اس کا نام تاریخ اور واقعہ نگاری ہرگز نہیں ہے۔

اخلاق وعادات

خلیفہ مامون الرشید تمام خاندان بنوعباس میں باعتبار حزم وعزم حلم وعلم عقل وشجاعت سب سے بڑھ کر تھا۔ وہ خود کہا کرتا تھا کہ امیر معاویہؓ کو عمرو بن العاص کی اور عبدالملک کو حجاج کی ضرورت تھی۔ مگر مجھ کو کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پر شیعیت غالب تھی یعنی علویوں کو بہت قابل تکریم اور مستحق خلافت سمجھتا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنے بھائی موتمن کو معزول کر کے علی رضا کو ولی عہد بنایا اور اپنی بیٹی کی شادی کی' اس کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ خود خلع خلافت کر کے علی رضا کو اپنے سامنے خلیفہ بنا دے۔ مگر ابتدائی دس برس گذر جانے کے بعد آخر عہد خلافت میں علویوں کے خروج اور سرکشیوں سے تنگ آ کر اس کے خیالات میں تغیر آ گیا تھا۔ اس نے یہ بھی حکم جاری کرنا چاہا تھا کہ کوئی شخص سیدنا امیر معاویہؓ کو بھلائی کے ساتھ یاد نہ کرے ورنہ مجرم قرار دیا جائے گا۔ مگر پھر اس حکم کو لوگوں کے سمجھانے سے جاری نہیں کیا۔

قرآن شریف کے پڑھنے کا بھی اس کو بہت شوق تھا۔ بعض رمضانوں میں اس نے روزانہ قرآن شریف ختم کیا ہے۔[1] مامون نے جب علی رضا کو ولی عہد بنایا تو بعض بنوعباس نے اس سے کہا کہ آپ امر خلافت علویوں کے سپرد نہ کریں۔ مامون نے جواب دیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں بنوعباس کو اکثر صوبوں کی حکومت پر مامور فرمایا تھا' میں اس کا عوض کرنا چاہتا ہوں اور ان کی اولاد کو حکومت وخلافت سپرد کرتا ہوں۔

مامون نے دارالمناظرہ میں جب ہر عقیدہ اور ہر مذہب کے لوگوں کو آزادانہ گفتگو کرنے کا موقعہ دیا اور علمی بحثیں آزادی کے ساتھ ہونے لگیں تو اس کی توجہ متکلمین اور معتزلہ کی طرف زیادہ مبذول ہو گئی۔ انھیں آزادانہ مذہبی بحث مباحثوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ خلق قرآن کا مسئلہ جو درحقیقت بالکل

---

[1] حدیث میں تین دن سے کم مدت میں قرآن کریم پڑھنے (یعنی ختم کرنے) پر ناپسندیدگی ظاہر کی گئی ہے۔ چنانچہ سنن ترمذی' ابواب القراۃ میں ہے کہ ''اس شخص نے قرآن نہیں سمجھا جس نے تین دن سے کم مدت میں ختم کیا۔'' (سندہ حسن)

غیر ضروری اور نا قابل توجہ مسئلہ تھا' زیر بحث آیا' اور مامون خلق قرآن کا قائل ہو کران لوگوں پر جو خلق قرآن کے قائل نہ تھے تشدد کرنے لگا' اس تشدد وسختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالف عقیدہ کے علماء نے اور بھی زیادہ سختی سے مخالفت شروع کی اور طرفین کی اس مخالفت وعصبیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مامون کے بعد تک بھی علماء دین کو اس بے حقیقت اور غیر ضروری مسئلہ کی وجہ سے بڑی بڑی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔

ابو محمد یزیدی کا بیان ہے کہ میں مامون کو بچپن میں پڑھایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خدام نے مجھ سے شکایت کی کہ جب تم چلے جاتے ہو تو یہ نوکروں کو مارتا پیٹتا اور شوخی کرتا ہے' میں نے اس کے سات قمچیاں ماریں' مامون روتا اور آنسو پوچھتا جاتا تھا۔ اتنے میں وزیر اعظم جعفر برمکی آ گیا میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اور جعفر مامون سے بات چیت کر کے اور اس کو ہنسا کر چلا گیا۔ میں پھر مامون کے پاس آیا اور کہا کہ میں تو اتنی دیر ڈرتا ہی رہا کہ کہیں تم جعفر سے شکایت نہ کردو۔ مامون نے کہا کہ جعفر تو کیا میں اپنے باپ سے بھی آپ کی شکایت نہیں کرسکتا کیونکہ آپ نے تو میرے ہی فائدے کے لیے مجھ کو مارا تھا۔

یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مامون الرشید کے کمرہ میں سو رہا تھا۔ مامون بھی قریب ہی مصروف خواب تھا۔ مامون نے مجھ کو جگا کر کہا کہ دیکھنا میرے پاؤں کے قریب کوئی چیز ہے۔ میں نے دیکھ کر کہا کہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن مامون کو اطمینان نہ ہوا' اس نے فراشوں کو آواز دی۔ انہوں نے شمع جلا کر روشنی سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے بچھونے کے نیچے ایک سانپ بیٹھا ہے۔ میں نے مامون سے کہا کہ آپ کے کمالوں کے ساتھ آپ کو عالم الغیب بھی کہنا چاہیئے۔ مامون نے کہا معاذ اللہ یہ آپ کیا کہتے ہیں۔ بات صرف یہ تھی کہ میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ کوئی شخص مجھ سے کہتا ہے کہ اپنے آپ کو ننگی تلوار سے بچاؤ۔ میری فوراً آنکھ کھل گئی اور میں نے سوچا کہ کوئی حادثہ قریب ہی ہونے والا ہے' سب سے قریب بچھونا ہی تھا۔ لہٰذا میں نے بچھونے کو دیکھا اور سانپ نکلا۔

محمد بن منصور کا قول ہے کہ مامون کہا کرتا تھا کہ شریف آدمی کی ایک یہ علامت ہے کہ اپنے آپ سے برتر کے مظالم سہے اور اپنے آپ سے کمتر پر ظلم نہ کرے۔

سعید بن مسلم کہتے ہیں کہ مامون نے ایک مرتبہ کہا کہ اگر مجرموں کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں عفو کو کس قدر دوست رکھتا ہوں تو ان سے خوف دور ہو جائے اور ان کے دل خوش ہو جائیں۔

ایک مجرم سے مامون نے کہا کہ واللہ میں تجھ کو قتل کر ڈالوں گا۔ اس نے کہا کہ آپ ذرا تحمل کو کام میں لائیں۔ نرمی کرنا بھی نصف عفو ہے۔ مامون نے کہا اب تو میں قسم کھا چکا۔ اس نے کہا کہ اگر

آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم توڑنے والے کی حیثیت سے پیش ہوں۔ تو اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ ایک خونی کی حیثیت سے پیش ہوں یہ سن کر مامون نے اس کا قصور معاف کر دیا۔

عبدالسلام بن صلاح کہتے ہیں کہ ایک روز میں مامون کے کمرے میں سویا' چراغ گل ہونے لگا۔ دیکھا تو مشعلچی سو رہا ہے۔ مامون خود اٹھا اور چراغ کی بتی درست کر کے لیٹ گیا اور کہنے لگا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں غسل خانے میں ہوتا ہوں اور یہ خدمت گار مجھ کو گالیاں دیتے ہیں اور طرح طرح کی تہمتیں مجھ پر لگاتے رہتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے سنا نہیں۔ لیکن میں سنتا ہوں اور معاف کرتا رہتا ہوں اور کبھی یہ بھی ظاہر نہیں کرتا کہ میں نے تمھاری باتیں سنی ہیں۔

ایک روز مامون الرشید دجلہ کی سیر کر رہا تھا' ایک پردہ پڑا ہوا تھا' اس کے دوسری طرف کنارے پر ملاح بیٹھے ہوئے تھے جن کو مامون کی موجودگی کا علم نہ تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مامون یہ سمجھتا ہوگا کہ میرے دل میں اس کی قدر ہے مگر وہ اتنا نہیں سمجھتا کہ جو شخص اپنے بھائی کا قاتل ہو اس کی ذرا بھی قدر میرے دل میں نہیں ہو سکتی' مامون مسکرا کر کہنے لگا کہ یارو تم ہی کوئی تدبیر بتاؤ کہ اس جلیل القدر شخص کے دل میں میری قدر ہو جائے۔

یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ میں مامون کے کمرہ میں لیٹا ہوا تھا' ابھی سویا نہ تھا کہ مامون کو کھانسی اٹھی' اس نے اپنی قمیص کے دامن سے اپنا منہ دبا لیا۔ تا کہ کوئی جاگ نہ اٹھے۔

مامون کا قول ہے کہ مجھ کو غلبہ حجت غلبہ قدرت سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ غلبہ قدرت زوال قدرت کے وقت زائل ہو جائے گا' مگر غلبہ حجت کو کسی وقت زوال نہیں۔

مامون کہا کرتا تھا کہ بادشاہ کی خوشامد پسندی بہت ہی بری ہے اس سے بھی بری قاضیوں کی تنگ دلی ہے جب کہ وہ معاملہ سمجھنے سے پہلے سرزد ہو' اس سے بھی بدتر معاملات دین میں فقہا کی کم عقلی' اس سے بدتر مالدار لوگوں کی کنجوسی' بوڑھے آدمیوں کا نداق کرنا' جوانوں کا سستی کرنا اور جنگ میں بزدلی دکھانا ہے۔

علی بن عبدالرحیم مروروذی کہتے ہیں کہ مامون کا قول ہے کہ وہ شخص اپنی جان کا دشمن ہے جو ایسے شخص کی مقاربت کا خواہاں ہو جو اس سے دوری اختیار کرنا چاہتا ہے' اور ایسے شخص کی تواضع کرے جو اس کا اکرام نہ کرتا ہو' اور ایسے شخص کی تعریف کرنے سے خوش ہو جو اسے جانتا ہی نہ ہو۔

ہدیہ بن خالد کہتے ہیں کہ میں ایک روز مامون کے ساتھ کھانا کھانے میں شریک تھا' جب دستر خوان اٹھایا گیا تو میں فرش پر سے کھانے کے ریزے چن کر کھانے لگا۔ مامون نے پوچھا کہ کیا تمھارا پیٹ نہیں بھرا ہے۔ میں نے کہا پیٹ تو بھر گیا ہے لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دستر

خوان اٹھانے کے بعد کھانے کے بچے ہوئے ریزے اٹھا کر کھائے وہ مفلسی سے امن میں رہے گا۔[1]
مامون نے یہ سن کر مجھے ایک ہزار دینار عطا کیے۔

ایک مرتبہ ہارون الرشید حج کرنے کے بعد کوفہ میں آیا اور وہاں کے محدثین کو بلا بھیجا۔ تمام لوگ حاضر ہو گئے مگر عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس نے حاضری سے انکار کیا۔ ہارون الرشید نے اپنے بیٹوں امین و مامون کو ان کی خدمت میں بھیجا۔ یہ دونوں جب عبداللہ بن ادریس کے پاس گئے تو انھوں نے امین کو مخاطب کر کے سو حدیثیں پڑھ دیں۔ مامون بھی بیٹھا ہوا سنتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوئے تو مامون نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں ان احادیث کو سنا دوں' چنانچہ انھوں نے اجازت دی اور مامون نے بلا کم و کاست تمام حدیثیں سنا دیں۔ ابن ادریس مامون کی قوت حافظہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

مامون الرشید نے ایک مرتبہ ذکر کیا کہ میں کسی شخص کے جواب سے ایسا بند نہیں ہوا جیسا کہ ایک مرتبہ اہل کوفہ نے مجھ کو لاجواب کر دیا۔ بات یہ تھی کہ انھوں نے آ کر کوفہ کے عامل کی شکایت کی۔ میں نے کہا تم لوگ جھوٹ کہتے ہو' وہ عامل نہایت عادل ہے۔ انھوں نے کہا کہ بے شک ہم جھوٹے اور امیر المومنین سچے ہیں لیکن اس عامل کے عدل کے لیے ہمارا ہی شہر کیوں مخصوص کیا گیا ہے' اس کو کسی دوسرے شہر میں بھیج دیجیے' تاکہ وہ شہر بھی اس کے عدل سے ویسا ہی فائدہ اٹھائے جیسا ہمارا شہر اٹھا چکا ہے۔ مجبوراً مجھے کہنا پڑا کہ اچھا جاؤ میں نے اسے معزول کیا۔

یحییٰ بن اکثم کا قول ہے کہ میں ایک رات مامون الرشید کے کمرے میں سویا۔ آدھی رات کے وقت مجھے پیاس لگی' میں کروٹیں بدلنے لگا' مامون نے پوچھا کیا حال ہے' میں نے کہا پیاس لگی ہے' مامون اپنے بستر سے اٹھا اور پانی لایا اور مجھے پلایا۔ میں نے کہا آپ نے کسی خادم کو آواز کیوں نہ دی۔ مامون نے کہا کہ میرے باپ نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے اور انھوں نے عقبہ بن عامر سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔[2]

---

[1] اس روایت کی سند نہیں مل سکی۔ البتہ ایک صحیح حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: ''جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے اٹھا لے اور اس میں جو گندگی (مٹی) لگ گئی ہو اسے صاف کر لے اور کھا لے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے اور اپنے ہاتھ کو تولیے سے نہ پونچھے' یہاں تک کہ (پہلے) اپنی انگلیاں چاٹ لے۔ اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کون سے کھانے میں برکت ہے؟'' (صحیح مسلم' کتاب الاشربۃ' حدیث ۲۰۳۳ و ۲۰۳۴)

[2] صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں سید القوم کی بجائے ساقی القوم کے الفاظ ہیں' یعنی قوم کا پلانے والا (صحیح مسلم' کتاب الصلوٰۃ' با الصلوٰۃ الفائتۃ۔ سنن ترمذی' ابواب الاشربۃ' حدیث ۱۸۹۴' حدیث حسن صحیح)

خلیفہ مامون الرشید کے کاموں اور کارناموں میں سب سے زیادہ قابل تعریف اور قابل تذکرہ یہ بات ہے کہ اس نے ولی عہد بنانے میں نہایت نیک نیتی اور بلند ہمتی کا ثبوت دیا اور محبت پدری کے فریب میں نہیں آیا جیسا کہ اس سے پہلے خلفاء ولی عہدی کے معاملے میں غلطی کا ارتکاب کرتے اور حکومت اسلامیہ کے لیے ولی عہدی کے متعلق وراثت کی لعنت کو مضبوط و استوار بناتے رہے۔ مامون الرشید نے امام علی رضا کو ولی عہد خلافت بنا کر خاندان عباسیہ کو بالکل محروم رکھ کر نہایت آزادی کے ساتھ ایک بہترین شخص کا انتخاب اسی نمونہ پر کیا تھا جیسا کہ صدیق اکبرؓ نے سیدنا عمر فاروقؓ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ مگر مامون الرشید کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ عباسی لوگ اس پر کسی طرح رضامند نہ ہوں گے اور فتنہ و فساد پر آمادہ ہو کر عالم اسلامی کو مبتلائے مصیبت کر دیں گے۔ مگر امام علی رضا کی وفات نے مامون کے اس منشاء کو پورا نہ ہونے دیا۔

اس کے بعد اس نے اپنے خاندان میں سے اپنے بھائی ابو اسحٰق معتصم کو ولی عہد بنایا اور اپنے بیٹے عباس کو جو ہر طرح حکومت و خلافت کی قابلیت رکھتا تھا' محروم رکھا۔ معتصم چونکہ عباس سے بھی زیادہ حکومت و سلطنت کی اہلیت رکھتا تھا لہٰذا اس نے معتصم ہی کو انتخاب کیا اور اپنے بیٹے کی مطلق پرواہ نہ کی۔ مامون کے پیش رو خلفاء صرف ایک ہی ولی عہد نہیں بلکہ دو دو ولی عہدوں کے تعین کی بدعت کے مرتکب ہوتے رہے تھے۔ مامون اگر ان کی تقلید کرتا تو معتصم کے بعد اپنے بیٹے عباس کو نامزد کر سکتا تھا۔ اور اس طرح اس کو اطمینان ہو سکتا تھا کہ معتصم کے بعد میرا بیٹا خلیفہ ہو گا۔ لیکن اس نے اس نامعقول حرکت کو بھی پسند نہیں کیا۔ اس معاملے میں مامون الرشید کی جس قدر تعریف کی جائے وہ بہت کم ہے۔

معتصم باللہ

ابو اسحٰق معتصم بن ہارون الرشید ۱۸۰ھ میں جب کہ خلیفہ ہارون الرشید خود بلاد روم کی طرف عازم ہوا' مقام زبطرہ علاقہ سرحد روم میں باردہ نامی ام ولد کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ ہارون الرشید کو اس کے ساتھ بہت محبت تھی' وہ اپنی اولاد میں جب کوئی چیز تقسیم کرتا تو سب سے زیادہ حصہ معتصم کو دیا کرتا تھا۔ معتصم کو پڑھنے لکھنے کا مطلق شوق نہ تھا۔ لڑکپن میں اس نے کھیل کود کے اندر اپنا تمام وقت صرف کیا۔ ہارون الرشید نے ایک غلام کو متعین کر دیا تھا کہ وہ معتصم کے ساتھ ساتھ رہے اور جب موقعہ ملے اس کو پڑھائے۔ جب وہ غلام مر گیا تو ہارون الرشید نے کہا اب تو تمہارا غلام بھی مر گیا' بتاؤ اب کیا ارادہ ہے۔ معتصم نے کہا کہ امیر المومنین ہاں غلام مر گیا اور میں کتاب کے جھگڑے سے چھوٹ گیا۔

معتصم کی نسبت مشہور ہے کہ وہ بالکل امی تھا' مگر صحیح یہ ہے کہ وہ بہت ہی کم پڑھنا جانتا تھا۔ اور اپنا نام وغیرہ لکھ سکتا تھا۔ مگر چونکہ شاہی خاندان اور علماء کی صحبت میں پرورش پائی تھی اور ہارون و مامون کے زمانے کی علمی مجلسوں کے تماشے خوب دیکھے تھے' اس لیے اس کی واقفیت بہت وسیع تھی۔

معتصم نہایت تنومند پہلوان اور بہادر شخص تھا ساتھ ہی وہ سپہ سالاری کی قابلیت اعلیٰ درجہ کی رکھتا تھا ابن ابی داؤد کا قول ہے کہ معتصم اکثر اپنا بازو میری طرف پھیلا کر کہا کرتا تھا کہ اس میں خوب زور سے کاٹو۔ میں دانتوں سے کاٹتا اور معتصم کہتا کہ مجھ کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوا۔ میں پھر کاٹتا اور پھر بھی کوئی اثر نہ ہوتا۔ میرے دانتوں کا کیا اثر ہوتا' اس پر تو نیزہ کا بھی اثر نہیں ہوسکتا تھا۔ معتصم اکثر اپنی دو انگلیوں سے آدمی کے پہنچے کی ہڈی دبا کر توڑ ڈالا کرتا تھا۔

معتصم کبھی کبھی خود بھی شعر کہتا اور شعراء کی خوب قدر دانی کرتا تھا۔ مسئلہ خلق قرآن کے خبط میں وہ اپنے بھائی مامون الرشید کی طرح مبتلا تھا' جس طرح مامون نے علماء کو اس مسئلہ کے متعلق اذیتیں پہنچائیں اسی طرح معتصم باللہ عباسی نے بھی علماء کو تنگ کیا۔ سیدنا امام احمد بن حنبل کو اسی مسئلہ خلق قرآن کے متعلق نہایت بے رحمی و بے دردی سے تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں۔

مامون الرشید کے عہد خلافت میں معتصم باللہ شام و مصر کا گورنر تھا۔ مامون الرشید نے جب بلاد روم پر چڑھائی کی تو معتصم باللہ نے اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے' اسی لیے مامون الرشید نے خوش ہو کر اس کو اپنا ولی عہد بنایا اور اپنے بیٹے عباس کو محروم رکھا۔ معتصم باللہ کی بیعت خلافت مامون کی وفات کے دوسرے دن ۱۹ رجب ۲۱۸ھ مطابق ۱۰ اگست ۸۳۳ء مقام طرسوس میں ہوئی۔

فضل بن مروان ایک عیسائی اس کا کارپرداز اور نائب تھا۔ جب بغداد میں مامون الرشید کی وفات کی اطلاع پہنچی تو فضل بن مروان نے اہل بغداد سے معتصم کی خلافت کی بیعت لی۔ معتصم نے بغداد میں پہنچ کر فضل بن مروان ہی کو اپنا وزیراعظم بنایا۔

مقام طرسوس میں جب معتصم کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو فوج کے اکثر ارکین نے عباس بن مامون کا نام لیا کہ وہ خلافت کا زیادہ مستحق ہے۔ معتصم نے عباس کو طلب کیا اور اس نے معتصم کے ہاتھ پر بیعت کی' عباس کی بیعت کے بعد یہ شورش و مخالفت خود بخود فرو ہوگئی۔

معتصم نے یا تو عباس کے اثر کو مٹانے کے لیے کہ اس کے زیر اہتمام شہر طوانہ کی تعمیر و آبادی عمل میں آئی تھی یا اس لیے کہ سرحد روم پر ایک ایسا مضبوط مقام جس میں مسلمانوں کی آبادی تھی رومیوں کو ہر وقت اپنی طرف متوجہ رکھے گا' یا اللہ تعالیٰ جانے کس لیے کہ تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی حکم دیا کہ طوانہ کو مسمار و ویران کر دیا جائے۔ اور اس کے باشندوں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے شہروں کو

واپس چلے جائیں اور جہاں سے آئے تھے وہیں جا کر آباد ہوں۔ اس شہر کو ویران کرا کر جو سامان ساتھ لا سکتا تھا اپنے ہمراہ بغداد لے آیا اور جو نہیں لا سکتا تھا اس کو وہیں آگ لگا کر جلا دیا۔

محمد بن قاسم کا خروج

محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب مدینہ منورہ کی مسجد میں رہا کرتے اور زہد و عبادت میں اپنے اوقات بسر کرتے تھے۔ ایک خراسانی نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ترغیب دینی شروع کی کہ آپ خلافت کے مستحق ہیں' آپ کو لوگوں سے خفیہ طور پر بیعت لینی چاہیے۔ چنانچہ اس نے ان لوگوں کو جو خراسان سے حج کرنے آتے اور مدینہ منورہ جاتے لا لا کر ان کی خدمت میں پیش کرنا شروع کیا اور انھوں نے محمد بن قاسم کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس طرح جب ان لوگوں کی ایک معقول تعداد خراسان میں موجود ہو گئی تو محمد بن قاسم معہ اس خراسانی کے جرجان چلے گئے اور مصلحتاً چند روز روپوش رہے' وہاں بیعت کا سلسلہ خوب مخفی طور پر جاری رہا اور رؤسا و امراء آ آ کر ملاقات کرتے رہے' بالآخر محمد بن قاسم علوی نے خروج کیا اور خراسان کے گورنر عبداللہ بن طاہر نے اس فساد کے مٹانے کی غرض سے فوج بھیجی' نواح طالقان میں متعدد لڑائیاں ہوئیں' ہر لڑائی میں محمد بن قاسم علوی کو شکست ہوئی' آخر محمد بن قاسم تنہا اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگے۔ مقام نسا میں پہنچ کر گرفتار ہوئے اور عبداللہ بن طاہر کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ عبداللہ بن طاہر نے معتصم باللہ کی خدمت میں بغداد بھیج دیا۔ معتصم باللہ نے مسور الکبیر کے زیر نگرانی قید کر دیا۔ ۱۵ ربیع الاول ۲۱۹ھ کو محمد بن قاسم بغداد پہنچے تھے۔ شوال ۲۱۹ھ کی پہلی شب یعنی شب عید الفطر کو وہ موقعہ پا کر قید سے نکل بھاگے اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔

گروہ زط کا خاتمہ

جمادی الآخر ۲۱۹ھ کو خلیفہ معتصم نے اپنے ایک سپہ سالار عجیف بن عنبسہ کو گروہ زط کی جنگ پر مامور کیا۔ عجیف نے سات مہینے تک اس غارت گر گروہ کے ساتھ ہنگامہ کارزار گرم رکھا۔ آخر ان کو مجبور کر دیا کہ انھوں نے خود ماہ ذی الحجہ ۲۱۹ھ میں امان کی درخواست کی اور اپنے آپ کو عجیف کے سپرد کر دیا۔ عجیف ان سب کو جن کی تعداد معہ عورتوں بچوں کے سترہ ہزار تھی لے کر بغداد کی طرف آیا۔ ان سترہ ہزار میں بارہ ہزار لڑنے کے قابل مرد تھے۔ ۱۰ محرم ۲۲۰ھ کو عجیف بغداد میں داخل ہوا اور معتصم خود کشتی میں سوار ہو کر شماسیہ کی جانب آیا اور گروہ زط کے اسیروں کا معائنہ کر کے حکم دیا کہ ان کو سرحد روم کی طرف مقام چشمہ زربہ کے قریب آباد کر دو' چنانچہ یہ اس طرف پہنچا دیے گئے' وہاں یہ اتفاق پیش

آیا کہ رومیوں نے موقعہ پا کران پر شب خون مارا اور سب کو قتل کر کے چلے گئے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا اس طرح اس غارت گر گروہ زط کا خاتمہ ہو گیا۔

شہر سامرا

خلیفہ معتصم ایک فوجی آدمی تھا اس کی توجہ فوج کی طرف زیادہ مبذول ہوئی۔ اس کے پیش رو خلفاء عباسیہ عام طور پر خراسانیوں کے زیادہ قدردان تھے اور انھوں نے عربی فوج پر بہت ہی کم اعتماد کیا تھا۔ اگرچہ خراسانیوں کی طرف سے بھی ان کو بار بار خطرے پیش آئے لیکن پھر بھی بحیثیت مجموعی انھوں نے اہل عرب کے مقابلے میں خراسانیوں اور ایرانیوں ہی پر زیادہ اعتماد کیا۔ لہٰذا فوج میں سے عربی عنصر کم ہوتے ہوتے بہت ہی کم ہو گیا تھا۔ معتصم باللہ نے فوج کی ترتیب و تنظیم کی جانب شروع ہی میں توجہ مبذول کی۔ اس نے ہزار ہا ترکی غلام خریدے اور ان کی فوج تیار کی۔ اس نے فرغانہ واشروسنہ کے علاقوں سے ترکوں کو بھرتی کرایا۔ ان ترکوں کی جنگ جوئی وصعوبت کشی اس کو بہت پسند تھی۔

اب تک فوج میں عربی وایرانی دو ہی قسم کے لوگ ہوتے تھے اور ترکوں سے برابر سرحد پر لڑائی جھگڑے برپا رہتے' کبھی ترک سردار باج گذار بن جاتے کبھی باغی ہو کر مقابلہ پر آتے اور فوجی طاقت سے مغلوب ومحکوم بنائے جاتے' ان پر یہ اعتماد نہیں کیا گیا تھا کہ ان کو فوج میں بھرتی کیا جاتا۔ معتصم نے ان کو اپنی فوج میں اس کثرت سے بھرتی کیا اور ترکوں کو اس قدر فوجی عہدے دیئے کہ تعداد کے اعتبار سے بھی ترکی فوج ایرانی فوج کی مدمقابل بن گئی۔

عربی قبائل کم ہوتے ہوتے صرف مصر و یمن کے قبائل خلیفہ کی فوج میں باقی رہ گئے تھے۔ خلیفہ نے تمام عربی النسل دستوں کو ملا کر ایک الگ فوج تیار کی اور اس کا نام مغاربہ رکھا۔

سمرقند' فرغانہ واشروسنہ کے ترکوں کی فوج جو سب سے زیادہ زبردست اور بڑی فوج تھی اس کا نام فراغنہ تجویز کیا۔ خراسانی لشکر کو لشکر فراغنہ سے رقابت پیدا ہوئی' خلیفہ معتصم نے چونکہ بڑے شوق سے ترکوں کی جدید فوج قائم کی تھی لہٰذا ہر قسم کی مراعات اسی فوج کو حاصل تھیں ان کی وردی بھی زیادہ قیمتی اور خوبصورت تھی۔ ان کے گھوڑے بھی زیادہ اچھے تھے۔ ان کی تنخواہیں اور وظیفے بھی دوسروں سے زیادہ تھے۔ اس لیے خراسانیوں نے بغداد میں ان سے لڑائی جھگڑے شروع کر دیئے۔ معتصم باللہ نے یہ رنگ دیکھ کر بغداد سے نوے (۹۰) میل کے فاصلے پر دجلہ کے کنارے نہر قاطون کے مخرج کے قریب لشکر فراغنہ کی چھاؤنی قائم کی' وہیں اس نے ایک قصر اپنے رہنے کے لیے تعمیر کیا' فوج کے لیے مکانات بنوائے' بازار و جامع مسجد وغیرہ تمام ضروری عمارات بنوا کر اور ترکوں کو آباد کر کے خود بھی اس

نو تعمیر شہر میں چلا گیا۔ اس سر من رائے رکھا جو کثرت استعمال سے سامرا مشہور ہو گیا۔

دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے چند ہی روز میں سامرا کی رونق و آبادی بغداد کے مدمقابل بن گئی اور عربی و خراسانی عنصر کی بجائے ترکی عنصر دارالخلافہ اور خلیفہ پر مستولی ہو گیا۔ اسی سال محمد بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق فوت ہو کر بغداد میں مدفون ہوئے۔

فضل بن مروان کی معزولی

اسی سال یعنی ۲۲۰ھ میں وزیراعظم فضل بن مروان کی نسبت خلیفہ کے کانوں میں بددیانتی کی شکایات پہنچیں۔ خلیفہ نے حسابات کی جانچ پڑتال کے لیے اہل کار مامور فرمائے تو دس لاکھ دینار کا غبن نکلا۔ خلیفہ نے یہ روپیہ فضل کے مال و اسباب سے وصول کیا۔ اور اس کو موصل کے قریب کسی گاؤں میں نظر بند کر دیا اور فضل کی جگہ محمد بن عبدالملک بن ابان بن حمزہ کو وزیراعظم مقرر کیا۔

محمد بن عبدالملک' ابن زیات کے نام سے مشہور ہے' کیونکہ اس کا دادا ابان ایک گاؤں میں رہتا اور وہاں سے تیل لا کر بغداد میں بیچا کرتا تھا۔ محمد بن عبدالملک نے بغداد میں تعلیم و پرورش پائی تھی اور اعلیٰ قابلیت کو پہنچ گیا تھا۔ اس کی وزارت کا زمانہ معتصم' واثق اور متوکل تک ممتد ہوا۔

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں جس طرح قاضی یحییٰ بن اکثم اگرچہ وزیر نہ تھے مگر وزیراعظم سے زیادہ اختیارات اور اثر رکھتے اور ہر وقت مامون کے ساتھ رہتے تھے' اسی طرح معتصم کے پاس قاضی یحییٰ بن اکثم کے ایک شاگرد احمد بن ابی داؤد رہتے تھے۔ وہ بھی اگرچہ وزیراعظم نہ تھے مگر وزیراعظم کے برابر ہی اثر و اقتدار رکھتے تھے۔ یہ دونوں استاد شاگرد متکلم و معتزلی تھیں' مسئلہ خلق قرآن کی نسبت جو مامون و معتصم نے علماء پر زیادتیاں کی ہیں' وہ انھیں دونوں بزرگوں کی تحریک و خواہش کا نتیجہ بیان کی جاتی ہیں۔ مگر صرف احمد ابن ابی داؤد ہی ایک شخص معتصم کے دربار میں تھے جو اہل عرب کے حامی و ہوا خواہ تھے اور انھیں کی وجہ سے عرب تھوڑی بہت عزت دارالخلافہ میں رکھتے تھے' ورنہ ہر طرف ترکوں یا ان کے بعد ایرانیوں کا غلبہ نظر آتا تھا۔

بابک خرمی اور افشین حیدر

بابک خرمی کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ مامون الرشید کے ہر ایک سپہ سالار کو جو اس کے مقابلہ پر گیا بابک نے شکست دی اور کسی سے زیر نہ ہوا۔ شہر بذا کو اس نے اپنا مستقر بنا رکھا تھا اور اردگرد کے تمام علاقہ پر اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ قرب و جوار کے عمال و رؤسا سب اس سے ڈرتے اور اس کی خوشنودی کے لیے اس کے آدمیوں کی خاطر مدارات کرتے رہتے تھے۔

خلیفہ معتصم نے ابوسعید محمد بن یوسف کو بابک کی سرکوبی پر مامور کیا۔ ابوسعید نے اول اردبیل و آذربائیجان کے درمیان ان تمام قلعوں کی مرمت کرائی جو بابک نے خراب ومسمار کر دیئے تھے۔ پھر سامان رسد اور آلات حرب کی فراہمی کے بعد بابک کی طرف بڑھنے کی تیاری کی۔

بابک خرمی کے ایک دستہ فوج نے انھیں بلاد میں سے کسی ایک مقام پر شب خون مارا۔ ابوسعید کو اس شب خون کا حال معلوم ہوا تو وہ فوراً اپنی فوج لے کر تعاقب میں روانہ ہوگیا' اور بابک کی اس فوج کے قریب پہنچ کر معرکہ آرا ہوا۔ اس لڑائی میں بابک کی فوج کو شکست ہوئی۔ بہت سے آدمی اس کے ابوسعید نے گرفتار اور بہت سے قتل کیے اور وہ تمام سامان جو شب خون مار کر لے گئے تھے چھین لیا۔ یہ پہلی ہزیمت تھی جو بابک خرمی کی فوج کو حاصل ہوئی۔

اس شکست کا یہ اثر ہوا کہ بعض سردار جو بابک کے خوف سے اس کی حمایت کا دم بھرتے تھے مگر بدل اس سے ناراض تھے' لشکر اسلام کی ہمدردی پر آمادہ ہو گئے۔

بابک خرمی کا ایک سپہ سالار عصمت نامی علاقہ آذربائیجان کے ایک قلعہ دار محمد بن بعیث کے قلعہ میں آ کر ٹھہرا۔ محمد بن بعیث نے حسب معمول اس کی ضیافت اور اس کے ہمراہیوں کے قیام و طعام کا انتظام کیا اور عصمت کو حسب معمول عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا اور رات کے وقت عصمت کو گرفتار کر کے خلیفہ معتصم کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اور اس کے ہمراہیوں کو تیغ کے گھاٹ اتار دیا۔ خلیفہ معتصم نے عصمت سے بابک کے شہروں اور قلعوں کے اسرار دریافت کیے' عصمت نے بامید رہائی تمام اسرار معتصم کو بتا دیئے' معتصم نے عصمت کو تو قید کر دیا اور بابک کے مقابلے پر کسی بڑے اور زبردست سپہ سالار کو بھیجنا ضروری سمجھا' کہ اس فتنہ کا بکلی استیصال ہو سکے۔

معتصم کے سپہ سالاروں میں حیدر بن کاؤس نامی سب سے بڑا سپہ سالار تھا۔ یہ اشروسنہ کے بادشاہ کا بیٹا تھا' جس کا خاندانی لقب افشین تھا' یہ مسلمان ہوگیا تھا' اور حیدر اس کا اسلامی نام رکھا گیا تھا۔ اس لیے یہ افشین حیدر کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ تمام لشکر فراغنہ یعنی ترکی فوج کا سپہ سالار اعظم تھا۔ یہ مامون الرشید کے عہد خلافت میں معتصم کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر معتصم کی خدمت میں رہتا تھا۔ معتصم نے اپنی گورنری شام ومصر کے زمانے میں افشین حیدر سے فوجی خدمات لی تھیں اور اس کو جوہر قابل پایا تھا۔ لہٰذا اب تخت خلافت پر بیٹھ کر اس نے لشکر فراغنہ کو مرتب کیا' تو افشین حیدر' ایتاخ اشناس' عجیب' وصیف' بغا کبیر وغیرہ کو جو سب ترک تھے اس ترکی لشکر کی سرداریاں عطا کیں۔ افشین حیدر کو سپہ سالار اعظم بنایا۔ ان سب سرداروں کے لیے سامرا میں محلات تعمیر کرائے۔

خلیفہ معتصم نے بابک کی قوت اور اس ملک کے پہاڑوں کی دشوار گذاری کا اندازہ کر کے

افشین حیدر کو اس طرف روانہ کیا۔ اس کی ماتحتی میں علاوہ ترکی فوجوں کے خراسانی اور عربی فوجوں کے دستے بھی بھیجے گئے۔ ایک معقول تعداد عام مجاہدین کی بھی بغرض جہاد روانہ ہوئی۔ افشین نے وہاں پہنچ کر نہایت ہوشیاری اور قابلیت کے ساتھ سلسلہ جنگ شروع کیا۔ معتصم نے افشین کو اس ساز و سامان اور لاؤ لشکر کے ساتھ روانہ کر کے بعد میں ایتاخ کو تازہ دم فوج دے کر بطور کمکی روانہ کیا۔ چند روز کے بعد بغا کبیر کو سامان حرب اور ضروری سامان کے ساتھ روانہ کیا۔ فوج کے تمام مصارف' سامان رسد اور ہر قسم کی ضروریات کے علاوہ دس ہزار درہم روزانہ افشین کے مقرر تھے' یعنی ایام محاصرہ اور ایام جنگ میں روزانہ دس ہزار درم اور جن ایام میں محاصرہ جنگ نہ ہوا اور افشین اپنے خیمہ میں رہے اس روز پانچ ہزار درہم افشین کو خزانہ خلافت سے علاوہ تنخواہ و وظیفہ کے اس جنگ بابک میں دیئے جاتے تھے۔ جنگ بابک کا سلسلہ قریباً ڈیڑھ سال تک جاری رہا۔

افشین اردبیل پہنچ کر ایک جنگی چوکی قائم کر کے پھر آگے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اسی طرح چوکیاں قائم کرتا گیا تاکہ سامان رسد کے پہنچنے' خطوط و پیغامات کے آنے جانے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو' پھر ان پہاڑوں میں جو بابک کے تصرف میں تھے اور اس کی حفاظت کر رہے تھے داخل ہو کر فوجوں کو مناسب مقامات پر تقسیم کر کے کہیں جھنڈیوں کے ذریعہ کہیں قاصدوں کے ذریعہ ایک دوسرے کی نقل و حرکت سے باخبر رہنے کا بندوبست کر کے بابک کی فوج کو ہٹاتے اور قلعہ بذ کی طرف پسپا کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ شب خون اور کمین گاہوں کا بڑا اندیشہ تھا' اس کا بھی افشین نے کافی خیال رکھا۔ آب و ہوا اور موسم سرما کی شدت نے عربی و عراقی لوگوں کو زیادہ اور خراسانیوں اور ترکوں کو کسی قدر کم ستایا۔

جعفر بن دینار خیاط رضا کاروں اور مجاہدوں کا سپہ سالار تھا' اس نے اور بغا واتیخ نے خوب خوب داد جواں مردی دی' بابک اور اس کے سپہ سالاروں اذین وطرہ خان وغیرہ نے بھی قابلیت جنگ جوئی خوب دکھائی۔ ابو سعید جو افشین کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں بابک کی فوجوں سے برسر مقابلہ تھا معہ اپنے ہمراہیوں کے افشین کی ماتحتی میں کام کرنے لگا تھا۔ اس طویل سلسلہ جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بابک خرمی مغلوب و مجبور ہو کر گرفتار ہوا اور خلیفہ معتصم کی خدمت میں سامرہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ بابک اور اس کے بھائی معاویہ کی گرفتاری ماہ شوال ۲۲۳ھ کو عمل میں آئی اور افشین ماہ صفر ۲۲۳ھ میں سامرہ واپس پہنچا۔

خلیفہ معتصم نے فتح اور بابک کی گرفتاری کا حال سن کر حکم جاری کر دیا کہ ہر منزل پر مقام برزند (آذربائیجان) سے سامرہ تک افشین کے لیے خلیفہ کی طرف سے ایک خلعت اور ایک گھوڑا معہ ساز و

براق پیش کیا جائے اور اس کا استقبال شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ ہو۔ جب افشین دارالخلافہ سامرہ کے قریب پہنچا تو معتصم نے اپنے بیٹے واثق کو شہر سے باہر استقبال کے۔ لیے بھیجا۔ جب خلیفہ کے سامنے دربار میں حاضر ہوا تو کرسی زر پر بٹھا کر اس کے سر پر تاج رکھا گیا۔ نہایت قیمتی خلعت اور بیس لاکھ درہم بطور انعام اس کو دیئے گئے۔ دس لاکھ درہم اس کے علاوہ اس کی فوج میں تقسیم کرنے کے لیے عطا ہوئے۔

بابک کو خلیفہ معتصم کے حکم سے سامرہ میں قتل کیا گیا۔ اور اس کے بھائی کو بغداد میں بھیج دیا گیا جہاں وہ وہاں قتل ہوا۔ دونوں کی لاشوں کو صلیب پر لٹکایا گیا۔ بابک کا دور دورہ قریباً بیس سال تک رہا' اس عرصہ میں اس نے ایک لاکھ پچپن ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ سات ہزار چھ سو مسلمان عورت ومرد اس کی قید سے چھڑائے گئے' بابک کے اہل وعیال سے سترہ مرد اور تیس عورتیں افشین نے گرفتار کیں۔

فتح عموریہ اور جنگ روم

بابک خرمی جب اسلامی لشکر کے محاصرہ میں آ کر بہت تنگ اور مجبور ہوا تو اس نے ایک خط نوفل بن میکائیل قیصر روم کے نام روانہ کیا۔ اس میں لکھا کہ معتصم نے اپنی تمام وکمال فوجیں میرے مقابلہ پر روانہ کر دی ہیں۔ بغداد وسامرہ اور تمام صوبے اس وقت فوجوں سے خالی ہیں اور تمام سرداران لشکر میرے مقابلہ میں مصروف پیکار ہیں۔ آپ کو اس سے بہتر کوئی دوسرا موقعہ نہیں مل سکتا۔ آپ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور اسلامی علاقہ کو فتح کرتے ہوئے بغداد تک چلے جائیں۔ ''بابک کا'' مدعا یہ تھا کہ اگر قیصر روم نے حملہ کر دیا تو اسلامی فوج کے دو طرف تقسیم ہونے سے میرے اوپر کا دباؤ کم ہو جائے گا۔ قیصر اس خط کو پڑھ کر ایک لاکھ فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ مگر اس وقت بابک کی جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اور اسلامی لشکر پوری طاقت سے اس کے سد راہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ نوفل نے سب سے پہلے زبطرہ پر شب خون مارا اور وہاں کے مردوں کو جو مقابلے پر آئے قتل کر ڈالا اور عورتوں بچوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ اس کے بعد ملطیہ کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں بھی یہی طرز عمل اختیار کیا۔

معتصم کے پاس ۲۹ ربیع الثانی ۲۲۳ھ کو زبطرہ اور ملطیہ کے مفتوح وبرباد ہونے کی خبر پہنچی۔ اس خبر کو بیان کرنے والے نے یہ بھی کہا کہ ایک ہاشمیہ عورت کو رومی کشاں کشاں لیے جاتے تھے اور وہ ''معتصم'' پکارتی جاتی تھی' یہ سنتے ہی ''معتصم'' لبیک لبیک کہتا ہوا تخت خلافت سے اٹھ کھڑا ہوا اور فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر کوچ کا نقارہ بجوا دیا' لشکر اور سرداران لشکر آ آ کر شامل ہوتے گئے۔ تمام

شاہی لشکر اور مجاہدین کا ایک گروہ کثیر معتصم کے ہمراہ رکاب تھا۔ معتصم نے عجیف بن عنبسہ اور عمر فرغانی کو تیز رو سواروں کے دستے دے کر آگے روانہ کر دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو زبطرہ پہنچ کر وہاں کے لوگوں کو اطمینان دلائیں۔ اور رومیوں کو مار بھگائیں' یہ دونوں سردار زبطرہ میں پہنچے تو رومی ان کے پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔

ان کے بعد خلیفہ معتصم بھی معہ لشکر پہنچ گیا۔ وہاں خلیفہ نے معلوم کیا کہ رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور و مضبوط اور اہم شہر کون سا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آج کل شہر عموریہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم قلعہ و شہر دوسرا نہیں ہے اور وہ اس لیے بھی زیادہ اہم شہر ہے کہ قیصر روم نوفل کی جائے پیدائش ہے' معتصم نے کہا کہ زبطرہ میری جائے پیدائش ہے اس کو قیصر روم نے غارت کیا ہے تو میں اس کے جواب میں اس کی جائے پیدائش یعنی عموریہ کو برباد کروں گا' چنانچہ اس نے اس قدر آلات جنگ اور سامان حرب فراہم کیا کہ اس سے پہلے کبھی فراہم نہ ہوا تھا۔ پھر اس نے مقدمۃ الجیش کی افسری اشناس کو دی۔ محمد بن ابراہیم بن مصعب کو اس کا کمکی مقرر کیا۔ میمنہ پر ایتاخ کو اور میسرہ پر جعفر بن دینار خیاط کو مقرر کیا۔ قلب کی افسری عجیف بن عنبسہ کو دی۔ اس انتظام کے بعد بلاد روم میں داخل ہوا' ان تمام افواج کی اعلیٰ سپہ سالاری عجیف بن عنبسہ کو سپرد کی۔ مقام سلوقیہ پہنچ کر نہر سن کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے یہ مقام طرطوس سے ایک دن کی مسافت کے فاصلہ پر تھا۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ خلیفہ معتصم باللہ نے افشین کو آرمینیا و آذربائیجان کا گورنر بنا کر آرمینیا کی جانب بھیج دیا تھا۔ افشین آرمینیا سے اپنا لشکر لے کر بلاد روم میں داخل ہوا۔ لشکر اسلام کے ایک دستے نے آگے بڑھ کر مقام انگورہ کو فتح کیا۔ اور وہاں سے غلہ کا بہت بڑا ذخیرہ ان کے ہاتھ آیا۔ جس کی مسلمانوں کو سخت ضرورت تھی۔ قیصر روم نے لشکر اسلام کے آنے کی خبر سن کر مقام انگورہ پر ہی مقابلہ کرنا چاہا تھا اور یہیں ہر قسم کا سامان و غلہ فراہم تھا۔ لیکن یہاں کی متعینہ فوج میں اور اس کے افسر میں اتفاقاً ناچاقی ہوئی اور فوج ناراض ہو کر پیچھے واپس چلی گئی۔ اس عرصہ قیصر خود سرحد آرمینیا کی طرف افشین کو روکنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ وہاں سے شکست کھا کہ انگورہ کی طرف لوٹا تو یہاں مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا' اس حالت میں وہ مجبوراً عموریہ کی طرف متوجہ ہوا اور وہیں ہر قسم کی تیاری اور معرکہ آرائی کا سامان فراہم کیا۔ چاروں طرف سے فوجوں کو فراہم کر کے ہر قسم کے آلات حرب اور سامان جنگ کی فراہمی میں مصروف ہو گیا۔ ادھر خلیفہ معتصم نے انگورہ میں قیام کر کے افشین کا انتظار کیا یہیں افشین نے حاضر ہو کر خلیفہ کی ہمرکابی کا فخر حاصل کیا۔

ماہ شعبان ۲۲۳ھ کی آخری تاریخوں میں خلیفہ معتصم نے معہ فوج مقام انگورہ سے کوچ کیا۔

یہاں سے بقصد جنگ روانہ ہوا تو افشین کو میمنہ پر' اشناس کو میسرہ پر مامور کیا اور خود قلب میں رہا۔ غرض لشکر اسلام نے آگے بڑھ کر شہر عموریہ کا محاصرہ کر لیا اور مورچے قائم کر کے ساباط اور دبابوں کے ذریعہ فصیل کی طرف بڑھنا شروع کیا' ۶ ماہ رمضان ۲۲۳ھ سے آخر شوال ۲۲۳ھ تک یعنی ۵۵ روز عموریہ کا محاصرہ رہا۔ بالآخر مسلمانوں نے عموریہ کو فتح کر کے وہاں کے لوگوں کو گرفتار وقتل کیا۔ مال غنیمت کو معتصم نے پانچ روز تک فروخت کرایا' پھر جو باقی بچا سب کو جلا دیا۔ پھر فوج کو حکم دیا کہ عموریہ کو مسمار کر کے زمین کی برابر کر دو' چنانچہ فوج نے اس کام کو انجام دے کر عموریہ کو برباد کر دیا۔ قیصر نوفل بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا اور خلیفہ معتصم نے قیدیوں کو اپنے سپہ سالاروں میں تقسیم کر کے طرطوس کی جانب کوچ کیا۔

عباس بن مامون کا قتل

عجیف وافشین دونوں سپہ سالاروں میں رقابت تھی۔ خلیفہ معتصم عجیف کے کاموں پر اکثر نکتہ چینی کیا کرتا تھا اور افشین کے مقابلہ میں اس کے بے قدری وبے عزتی ہوتی تھی' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عجیف کی وفاداری میں فرق آ گیا اور وہ خلیفہ کے خلاف منصوبے گانٹھنے لگا۔ چنانچہ بلادروم پر چڑھائی کے وقت اس نے عباس بن مامون سے جو اس سفر میں ساتھ تھا کہا کہ آپ نے بڑی غلطی کی کہ معتصم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اگر آپ خود خلیفہ بننے کی خواہش کرتے تو تمام سرداران فوج آپ کی حمایت پر آمادہ تھے۔ عباس کو اس تحریک وترغیب سے کچھ خیال پیدا ہوا' اور عجیف نے اسی قسم کے تذکرے بار بار کر کے عباس کو خروج پر آمادہ کر لیا۔ تجویز یہ ہوئی کہ پوشیدہ طور پر اول سرداران لشکر کو ہم خیال بنایا جائے اور پھر بیک وقت معتصم۔ افشین۔ اور اشناس کو قتل کر کے عباس کی خلافت کا اعلان کر دیا جائے۔ اس تجویز پر کاربند ہو کر اول بہت سے لشکر کو عباس کی خلافت پر آمادہ کر لیا گیا۔ مگر فتح عموریہ کے بعد وہاں سے واپس ہوتے ہوئے راستے میں معتصم کو اس سازش کا حال معلوم ہو گیا۔

معتصم نے اول عباس کو بلا کر قید کر لیا اور افشین کے سپرد کر دیا۔ پھر مشاء بن سہل' عمر فرغانی اور عجیف کو بھی یکے بعد دیگرے گرفتار کر کے قید کر لیا۔ اول مشاء بن سہل کو قتل کیا۔ پھر مقام منبج میں پہنچ کر عباس بن مامون کو ایک بورہ میں بھر کر سی دیا۔ اسی حالت میں دم گھٹ کر وہ مر گیا۔

پھر مقام نصیبین میں پہنچ کر ایک گڑھا کھدوایا اور فرغانی کو اس میں زندہ دفن کر دیا۔ پھر موصل میں پہنچ کر عجیف کو بھی ایک بورہ میں بھر کر سی دیا جس سے دم گھٹ کر وہ مر گیا۔ سامرہ میں داخل ہو کر خلیفہ مامون الرشید کی بقیہ اولاد کو گرفتار کرا کر سب کو ایک مکان میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ سب

وہیں مر گئے۔ غرض اس سفر میں خلیفہ معتصم نے چن چن کر ہر ایک اس شخص کو جس پر ذرا بھی بغاوت کا شبہ ہوا قتل کر کے قصہ پاک کیا۔

بغاوت طبرستان

مازیار بن قارن رئیس طبرستان' عبداللہ بن طاہر گورنر خراسان کا ماتحت اور خراج گزار تھا۔ اس کے اور عبداللہ بن طاہر کے درمیان کسی بات پر ناراضی پیدا ہوئی' مازیار نے کہا کہ میں براہ راست خراج دارالخلافہ میں بھیج دیا کروں گا۔ لیکن عبداللہ بن طاہر کو ادا نہ کروں گا۔ عبداللہ بن طاہر اس بات کو اپنے وقار گورنری کے خلاف سمجھ کر ناپسند کرتا تھا۔ چند روز تک یہی جھگڑا رہا اور مازیار خراج براہ راست دارالخلافہ میں بھیجتا اور وہاں سے عبداللہ بن طاہر کے وکیل کو وصول ہوتا رہا۔

جنگ بابک کے زمانے میں افشین کو آزادانہ خرچ کرنے کا اختیار تھا اور اس کے پاس برابر معتصم ہر قسم کا سامان اور روپیہ بھجواتا رہتا تھا۔ افشین اپنی فوج کے لیے نہایت کفایت شعاری کے ساتھ سامان اور روپیہ خرچ کرتا تھا۔ باقی تمام روپیہ اور سامان اپنے وطن اشروسنہ (علاقہ ترکستان) کو روانہ کر دیتا تھا۔ یہ سامان جو آذربائیجان سے بھیجا جاتا تھا۔ خراسان میں ہو کر گذرتا تھا۔ عبداللہ بن طاہر کو جب یہ معلوم ہوا کہ افشین برابر اپنے وطن کو سامان رسد' سامان حرب اور روپیہ بھجوا رہا ہے تو اس کو شبہ پیدا ہوا۔ اس نے ان سامان لے جانے والوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور تمام سامان و روپیہ چھین کر اپنے قبضے میں رکھا اور افشین کو لکھ بھیجا کہ آپ کے لشکر سے کچھ لوگ اس قدر سامان لیے ہوئے جا رہے تھے۔ میں نے ان کو گرفتار کر کے قید کر دیا ہے اور سامان اپنی فوج تقسیم کر دیا ہے کیونکہ میں ترکستان پر چڑھائی کی تیاری کر رہا ہوں۔ اگرچہ ان لوگوں نے یہ کہا کہ ہم چور نہیں ہیں اور اپنے آپ کو آپ کا فرستادہ بتایا۔ لیکن ان کا یہ بیان قطعاً غلط اور جھوٹ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ چور نہ ہوتے اور آپ کے بھیجے ہوئے ہوتے تو آپ مجھ کو ضرور اطلاع دیتے۔ اس خط کو دیکھ کر افشین بہت شرمندہ ہوا اور عبداللہ بن طاہر کو لکھا کہ وہ لوگ چور نہیں ہیں بلکہ میرے ہی فرستادہ تھے۔ عبداللہ بن طاہر نے افشین کے اس خط کو دیکھ کر چھوڑ دیا' مگر سامان جو ان سے چھینا تھا وہ نہیں دیا۔

اس امر کی ایک خفیہ رپوٹ عبداللہ بن طاہر نے خلیفہ معتصم کے پاس بھی بھیج دی جس پر بظاہر خلیفہ معتصم نے کوئی التفات نہیں کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ افشین اپنی ریاست و سلطنت اشروسنہ میں قائم کرنا چاہتا تھا اور اسی لیے وہ پیشتر سے تیاری کر رہا تھا۔ جب افشین جنگ بابک سے فارغ ہو کر سامرا میں واپس آیا تو اس کو توقع تھی کہ خلیفہ معتصم مجھ کو خراسان کی گورنری عطا کرے گا اور اس طرح مجھ کو

بخوبی موقعہ مل جائے گا کہ میں اپنی حکومت وسلطنت کے لیے بخوبی تیاری کرسکوں لیکن خلیفہ معتصم نے اس آرمینیا و آذربائیجان کی حکومت پر مامور کیا اور امید خراسان کا خون ہو گیا۔

اس کے بعد جنگ روم پیش آ گئی' افشین کو اس لڑائی میں بھی شریک ہونا پڑا مگر اس جنگ میں معتصم خود موجود تھا اور اس نے ابتدا میں اگر کسی کو سپہ سالار اعظم بنایا تھا تو وہ عجیف تھا' جو اپنے آپ کو افشین کا مد مقابل اور رقیب سمجھتا تھا۔ عجیف کا جو انجام ہوا وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب افشین نے ایک اور تدبیر سوچی' وہ یہ کہ مازیار حاکم طبرستان کو پوشیدہ طور پر ایک خط بھیجا اور عبداللہ بن طاہر کے مقابلے پر ابھارا اس خط کا مضمون یہ تھا۔

''دین زردشتی کا کوئی ناصر و مددگار میرے اور تمھارے سوا نہیں ہے' بابک بھی اس دین کی حمایت میں کوشاں تھا۔ لیکن وہ محض اپنی حماقت کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوا۔ اور اس نے میری نصیحتوں پر مطلق توجہ نہ کی۔ اس وقت بھی ایک زرین موقعہ حاصل ہے۔ وہ یہ کہ تم علم مخالفت بلند کر دو۔ یہ لوگ تمھارے مقابلے کے لیے میرے سوا یقیناً کسی دوسرے کو مامور نہ کریں گے' اس وقت میرے پاس سب سے زیادہ طاقتور اور زبردست فوج ہے' میں تم سے سازش کرلوں گا اور ہم دونوں متفق ہو جائیں گے' اس کے بعد ہمارے مقابلے پر مغاربہ' عرب اور خراسانیوں کے سوا اور کوئی نہ آئے گا۔ مغاربہ کی تعداد بہت ہی قلیل ہے' ان کے مقابلہ کے لیے ہماری فوج کا ایک معمولی دستہ کافی ہوگا۔ عربوں کی حالت یہ ہے کہ ایک لقمہ ان کو دے دو اور خوب پتھروں سے ان کا سر کچلو' خراسانیوں کا جوش دودھ کا سا ابال ہے' اٹھا اور فرو ہو گیا۔ تھوڑے سے استقلال میں ان کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ تم اگر ذرا ہمت کرو تو وہی دین مذہب جو ملوک عجم کے زمانے میں تھا پھر قائم و جاری ہو سکتا ہے''۔

مازیار اس خط کو پڑھ کر خوش ہوا اور اس نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ رعایا سے ایک سال کا پیشگی خراج وصول کر کے سامان حرب کی فراہمی اور قلعوں کی مرمت و درستی سے فارغ ہو کر بڑی سے بڑی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو بیٹھا' عبداللہ بن طاہر کو جب مازیار کی بغاوت و سرکشی کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے چچا حسن بن حسین کو ایک لشکر کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ ادھر معتصم کو اس بغاوت کا حال معلوم ہوا تو اس نے دارالخلافہ اور دوسرے مقامات سے عبداللہ بن طاہر کی امداد کے لیے فوجوں کی روانگی کا حکم صادر کیا' مگر افشین کو اس طرف جانے کا حکم نہیں دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مازیار گرفتار ہو کر عبداللہ بن طاہر کی خدمت میں پیش کیا گیا' عبداللہ بن طاہر نے اس کو معتصم کی خدمت میں روانہ کر دیا اور معتصم نے اس کو جیل خانے بھیج دیا۔

حسن بن حسین نے جب مازیار کو گرفتار کیا تو اتفاق سے افشین کا مذکورہ خط اور اس کے علاوہ

اسی مضمون کے اور بھی خطوط جو افشین نے مازیار کے پاس بھیجے تھے مازیار کے پاس سے برآمد ہوئے۔عبداللہ بن طاہر نے یہ خطوط بھی خلیفہ معتصم کے پاس بھیج دیئے۔مگر خلیفہ معتصم نے ان خطوط کو لے کر اپنے پاس بحفاظت رکھ تو لیا اور بظاہر کوئی التفات اس طرف نہیں کیا۔یہ واقعہ ۲۲۴ھ کا ہے۔

بغاوت کردستان

ادھر طبرستان کی بغاوت ابھی فرو نہ ہونے پائی تھی کہ نواح موصل میں جعفر بن فہر نامی ایک کرد نے کردوں کا ایک گروہ کثیر اپنے گرد جمع کر کے علم بغاوت بلند کر دیا۔اس صوبہ کی سرحد اگرچہ صوبہ آذربائیجان و آرمینیا سے ملتی تھی مگر معتصم نے عبداللہ بن سید بن انس کو جعفر کی سرکوبی پر مامور کیا۔اور افشین کو اس مہم پر نہیں بھیجا۔عبداللہ بن سید نے پہنچ کر صف آرائی شروع کی' ان لڑائیوں کا سلسلہ ۲۲۴ھ کے ختم ہونے پر بھی ختم نہ ہوا۔آخر معتصم نے اپنے ایک سپہ سالار ایتاخ کو نہایت زبردست لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور جعفر بن فہر لڑائی میں مارا گیا۔اس کے ہمراہی گرفتار و مقتول ہوئے۔یہ بغاوت بھی غالباً افشین کے اشارے سے ظہور میں آئی' جو ۲۲۵ھ میں ختم ہوئی۔

بغاوت آرمینیا و آذربائیجان

افشین اپنے ایک رشتہ دار کو جس کا نام منکجور تھا اپنا قائم مقام بنا کر اور آذربائیجان کی حکومت سپرد کر کے خود دارالخلافہ میں سکونت پذیر تھا۔منکجور کو آذربائیجان کے کسی قصبہ میں بابک خرمی کا بہت سا خزانہ مل گیا۔منکجور نے اس کی اطلاع خلیفہ کو نہیں کی اور خود اپنا قبضہ کر لیا' معتصم کے پرچہ نویس نے اس کی اطلاع معتصم کو دی۔منکجور کو اس کا حال معلوم ہوا تو وہ پرچہ نویس کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔پرچہ نویس نے باشندگان اردبیل سے پناہ طلب کی۔اہل اردبیل نے منکجور کو اس حرکت سے باز رکھنا چاہا تو وہ ان کے بھی درپئے قتل ہو گیا۔معتصم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے منکجور کی معزولی کا فرمان افشین کے پاس بھیج دیا۔اور بغا کبیر کو بجائے منکجور کے معہ فوج آذربائیجان کی طرف روانہ کر دیا۔

منکجور یہ سن کر کہ میں معزول ہو گیا ہوں اور میری بجائے بغا کبیر آ رہا ہے بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔اردبیل سے نکل کر معرکہ آرا ہوا۔اس لڑائی میں منکجور کو شکست ہوئی اور بغا کبیر نے آگے بڑھ کر اردبیل پر قبضہ کیا۔منکجور فرار ہو کر آذربائیجان کے کسی ایک قلعہ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا۔قریباً ایک مہینہ قلعہ بند رہا آخر اس کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص نے بحالت غفلت اس کو گرفتار کر کے بغا کبیر کے سپرد کر دیا۔بغا کبیر اس کو لیے ہوئے سامرا میں واپس آیا۔اور خلیفہ معتصم کی خدمت میں پیش کر دیا۔خلیفہ نے اس کو جیل خانے بھجوا دیا۔

افشین کی ہلاکت

مندرجہ بالا واقعہ سے افشین کے متعلق خلیفہ معتصم کا شبہ اور بھی زیادہ یقین سے بدل گیا اور افشین کو بھی اس بات کا احساس ہو گیا کہ خلیفہ مجھ سے بدگمان ہو گیا ہے' چنانچہ افشین نے دارالخلافہ سے نکلنے اور بھاگ جانے کی تدبیریں سوچنی شروع کیں۔ اول اس نے ارادہ کیا کہ میں خود اپنے صوبہ آذربائیجان وارمینیا کی طرف جا کر وہاں سے بلاد خرز کی طرف ہوتا ہوا اپنے وطن اشروسنہ (ماوراء النہر) چلا جاؤں' لیکن اس ارادے میں اس لیے کامیابی نہ ہوئی کہ خلیفہ معتصم نے منکجور کی جگہ خود اپنی طرف سے افشین کا قائم مقام تجویز کر کے بھیج دیا تھا اور افشین جانتا تھا کہ میں آذربائیجان میں محفوظ نہیں رہ سکتا۔

آخر اس نے ارادہ کیا کہ میں خلیفہ اور تمام اراکین وسرداران سلطنت کی ضیافت کروں' تمام دن ان لوگوں کو کھانے پینے میں مصروف رکھوں' شام ہوتے ہی یہ سب لوگ دن بھر مصروف ومشغول رہنے کے سبب سو جائیں گے اور میں موقعہ پا کر شام ہی سے نکل جاؤں گا اور پھر کسی کے ہاتھ نہ آؤں گا۔ ابھی وہ کوئی مستقل رائے قائم نہ کرنے پایا تھا کہ اتفاقاً اس کو اپنے رازدار خادم پر کسی وجہ سے غصہ آیا اور اس کو سخت سست کہا' اس خادم نے فوراً ایتاخ کے پاس آ کر افشین کے تمام ارادوں کی اطلاع کر دی' ایتاخ اسی وقت اس خادم کو لے کر خلیفہ معتصم کے پاس آیا اور کہا کہ افشین فرار ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔ معتصم نے اسی وقت افشین کو طلب کیا اور درباری لباس اتروا کر قید خانہ میں بھجوا دیا۔ اور کسی قسم کی کوئی بے تابی ظاہر نہیں کی۔ اس کے بعد خلیفہ معتصم نے فوراً عبداللہ بن طاہر گورنر خراسان کو لکھا کہ تم فوراً افشین کے بیٹے حسن بن افشین کو جو ماوراء النہر کے علاقے کا والی اور اشروسنہ میں مقیم ہے گرفتار کر کے بھیج دو۔ حسن بن افشین اکثر نوح بن اسد والی بخارا کی شکایت کیا کرتا تھا۔

عبداللہ بن طاہر نے حسن بن افشین کو لکھا کہ ہم نے بخارا کی حکومت بھی تم کو سپرد کی تم بخارا میں جا کر اور ہمارا یہ حکم دکھا کر نوح بن اسد سے بخارا کی حکومت کا چارج لے لو۔ حسن بن افشین اس تحریر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور فوراً بخارا کی طرف چل دیا۔ عبداللہ بن طاہر نے نوح بن اسد والی بخارا کو پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ ہم نے اس بہانے سے حسن بن افشین کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تم اس کو بخارا میں داخل ہوتے ہی گرفتار کر لینا اور گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دینا۔ چنانچہ اس ترکیب سے حسن بن افشین گرفتار ہو کر مرو میں عبداللہ بن طاہر کے پاس آیا۔

عبداللہ بن طاہر نے اس کو معتصم کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ جب حسن بن افشین گرفتار ہو کر آ

گیا تو خلیفہ معتصم نے اپنے وزیراعظم محمد بن عبدالملک' قاضی احمد بن ابی دؤاد' اسحاق بن ابراہیم اور دوسرے اراکین سلطنت کی ایک جماعت مرتب کر کے حکم دیا کہ تم سب مل کر افشین کے معاملہ کی تحقیقات کرو اور وہ جس سزا کا مستحق ہو وہی سزا اس کو دو۔ اگرچہ خلیفہ معتصم اپنے حکم سے اسے فوراً قتل کرا سکتا تھا۔ لیکن اس میں اندیشہ تھا کہ کہیں در پردہ بعض سردار اس کے شریک سازش نہ ہوں۔ لہٰذا اس نے یہ نہایت ہی عاقلانہ روش اختیار کی' اس طرح افشین کے قتل پر فوج میں کسی قسم کا جوش معتصم کے خلاف پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

معتصم افشین کی بدنیتی سے خوب واقف ہو چکا تھا اور جنگ بابک کے دوران ہی میں اس کو اس بات کی اطلاع ہو چکی تھی کہ افشین اپنے بیٹے کے پاس جس کو وہ پہلے سے اپنے وطن اشروسنہ کا عامل مقرر کرا چکا تھا شاہی مال و اسباب چرا کر اور چھپا کر بھجوا رہا ہے' لیکن اس وقت افشین ایک ایسے دشمن سے مقابلے پر معرکہ آرا تھا جو بیس سال سے مغلوب نہ ہو سکا تھا۔ لہٰذا معتصم بالکل خاموش رہا۔ جنگ بابک کی کامیابی کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔ لہٰذا جنگ بابک کے بعد افشین کو انعام و اکرام سے محروم رکھنا اور اس کی بددیانتی کا مواخذہ کرنا خود معتصم کے لیے زہر ہلاہل کا حکم رکھتا تھا۔ اور اس کی بدنامی و ناقدردانی کی شہرت کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی۔ نیز یہ کہ افشین کی نسبت اصلاح کی بھی توقع تھی۔ مگر جب افشین کے خطوط اور طرز عمل نے اس کی غداری کو ثابت کر دیا تو معتصم کے لیے یہی مناسب تھا جو اس نے کیا۔

وزیراعظم اور دوسرے سرداروں کی مجلس نے افشین کے مقدمہ کو بڑی احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ سننا اور تحقیق کرنا شروع کیا۔ قید خانے سے روزانہ افشین اس کچہری میں لایا جاتا اور اس کی موجودگی میں گواہوں کے بیانات ثبوت کے کاغذات پیش کیے جاتے تھے' مازیار جو اب تک قید میں تھا افشین کے سامنے لایا گیا اور افشین کے خطوط افشین کو دکھائے اور سنائے گئے۔ افشین نے سب کا اقرار کیا۔ اور مازیار نے بھی صاف صاف حقیقت بیان کر دی۔ پھر افشین کے متعلق وہ باتیں پیش ہوئیں جن سے اس کا منافق ہونا ثابت ہوا۔ مثلاً اس کا قرآن' مساجد اور آئمہ مساجد کی بے حرمتی کرنا' زردشتی صحیفوں کی روزانہ تلاوت کرنا اور ان کو ہمہ اوقات اپنے ساتھ رکھنا' اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا اور بظاہر مسلمانوں میں شامل رہ کر نمازیں بھی ادا کرنا اور تمام شعائر اسلامی پر عامل رہنا۔ غرض نہایت پختہ' قطعی اور یقینی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ افشین دل سے مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور حکومت اسلامیہ کا تختہ الٹ کر مجوسی سلطنت قائم کرنے کی تدابیر میں مصروف و منہمک تھا۔

اس مقدمہ کی سماعت نہایت اطمینان کے ساتھ ختم ہوئی اور آخری فیصلہ یہ ہوا کہ مازیار کو چار سو درے لگائے جائیں اور افشین کو سزائے موت دی جائے۔ چنانچہ مازیار چار سو درے برداشت نہ کر سکا اور اسی سزا سے مرگیا۔ افشین کو سولی دے دی گئی۔ اور اس کی لاش عبرت دلانے کے لیے منظر عام پر لٹکائی گئی۔ یہ واقعہ ماہ شعبان ۲۲۶ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ افشین کی جگہ اسحٰق بن معاذ کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کی گئی۔

معتصم کی وفات

افشین کے خطرے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد خلیفہ معتصم باللہ نے اپنے ممالک مقبوضہ کی سرحدات کی جانب سے اطمینان حاصل کیا اور جب تحقیق ہوگئی کہ اب کسی قسم کا خطرہ بدامنی و بغاوت کا باقی نہیں رہا تو اس نے کہا کہ جب تک بنوامیہ بادشاہ اور خلیفہ رہے۔ ہم کو مطلق بادشاہی اور حکومت سے حصہ حاصل نہ ہوا۔ لیکن ہم کو خلافت حاصل ہوئی تو بنوامیہ کی حکومت و سلطنت پھر بھی اندلس میں قائم ہے' لہٰذا اب مجھ کو دیار مغرب کی طرف فوج کشی کر کے اندلس کی حکومت بنوامیہ سے چھین لینی چاہیے' چنانچہ اس نے اپنے خزانہ اور اخراجات جنگ اور خرچ سفر کا اندازہ کرایا اور اندلس پر فوج کشی کی تیاری شروع کی۔ انہیں ایام میں خبر پہنچی کہ ابوحرب یمانی نے جو فلسطین میں سکونت پذیر تھا اور اپنے آپ کو بنوامیہ کے خاندان سے بتاتا تھا اپنے گرد ایک لاکھ آدمی جمع کر لیے ہیں اور علم بغاوت بلند کرنا چاہتا ہے۔

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ ابوحرب جو فلسطین میں رہتا تھا۔ ایک روز کہیں باہر گیا ہوا تھا کہ ایک لشکری اس کے مکان میں اترنے اور قیام کرنے پر آمادہ ہوا۔ عورتوں نے اس کو منع کیا' لشکری نے عورتوں کو مارا اور زبردستی مکان کے مردانہ حصہ میں قیام کر دیا۔ ابوحرب جب باہر سے آیا اور لشکری کی اس زیادتی کا حال سنا تو لشکری پر حملہ آور ہو کر اسے قتل کر دیا اور خود حکام وقت کے خوف سے بھاگ کر علاقہ اردن کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ اپنے چہرہ پر ایک نقاب ڈال لی اور دیہاتیوں میں وعظ و پند کا سلسلہ جاری کیا۔ لوگ اس کے معتقد ہو گئے۔ اس نے اپنے وعظ و نصیحت میں خلیفہ وقت کے معائب بھی بیان کرنے شروع کر دیئے۔ اس طرح ایک لاکھ آدمی اس کے معتقد ہو کر اور اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر خلیفہ وقت کے خلاف جنگ کرنے پر مستعد ہو گئے۔ معتصم نے رجاء بن ایوب کو ایک ہزار سوار دے کر اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ لیکن رجاء بن ایوب نے ابوحرب کے ہمراہیوں کی کثرت سے مرعوب ہو کر لڑائی کے چھیڑنے میں تامل کیا اور اس بات کا انتظار کرنا مناسب سمجھا کہ کاشتکاری و

زراعت کے کاموں کا زمانہ آ جائے اور ابوحرب کے ہمراہی جو عموماً زراعت پیشہ لوگ ہیں اپنے کھیتوں کی طرف متوجہ ہو کر منتشر ہو جائیں تو پھر حملہ کروں۔ اسی حالت میں ۲۰ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو خلیفہ معتصم باللہ نے وفات پائی اور بنوامیہ کے ساتھ زور آزمائی کا ارادہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ خلیفہ معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ عباسی سریر آرائے خلافت ہوا۔ اور لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معتصم کے جنازے کی نماز واثق باللہ نے پڑھائی اور سامرا میں اس کو دفن کیا۔

خلافت معتصم کی خصوصیات

خلیفہ معتصم چونکہ خود پڑھا لکھا آدمی نہ تھا۔ اس لیے اس کے عہد خلافت میں وہ علمی سرگرمیاں جو ہارون و مامون کے زمانے میں زور شور سے شروع ہو کر ترقی پذیر تھیں، مدھم پڑ گئیں۔ معتصم کو فتوحات ملکی اور جنگ و پیکار کا زیادہ شوق تھا۔ اس کے زمانے میں روم بلاد خزر و ماوراء النہر و کابل و سیستان وغیرہ کی طرف خوب فتوحات حاصل ہوئیں۔ قیصر روم پر اس نے ایسی کاری اور زبردست ضرب لگائی کہ اب تک مسلمانوں کی طرف سے ایسی ضرب نہیں لگائی گئی تھی، جنگ روم اور فتح عموریہ میں معتصم نے تیس ہزار رومیوں کو قتل اور تیس ہزار کو گرفتار کر کے رومیوں کو بے حد خوف زدہ بنا دیا تھا۔ جتنے بادشاہ معتصم کے دروازے پر جمع ہوئے اس قدر کسی خلیفہ کے دروازے پر جمع نہ ہوئے تھے۔ معتصم کو عمارت بنانے کا بھی شوق تھا۔ ایک ہزار دینار روزانہ اس کے باورچی خانے کا خرچ تھا۔

معتصم کو ترکی غلاموں کے خریدنے اور ان کی جمعیت بڑھانے کا خاص شوق تھا، اس نے اپنے خاص خاص ترکی غلاموں کو بڑی بڑی سپہ سالاریاں سپرد کر رکھی تھیں۔ اس کے زمانے میں ترکوں نے بہت ترقی کی اور وہ بہت جلد شائستہ و ذی حوصلہ بن کر اولوالعزمی دکھانے لگے، بظاہر معتصم نے ترکی فوجوں کے بڑھانے اور ترکوں کو ترقی دینے میں خراسانیوں کا زور گھٹانا چاہا تھا جو اس سے پہلے عربوں کے زور کو گھٹا اور مٹا چکے تھے۔ لیکن بعد میں یہی ترک خلافت عباسیہ کی بربادی کا موجب ہوئے۔ معتصم سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے ایک تیسری قوم کو زندہ و طاقتور بنایا، حالانکہ اس کو چاہیے تھا کہ وہ عربوں کو کسی قدر سہارا دے کر پھر خراسانیوں کا مدمقابل بنا دیتا، لیکن چونکہ اس کے باپ دادا شروع سے عربوں کو دشمن سمجھتے اور خراسانیوں کو قابل اعتماد سمجھ کر عربوں کو ناقابل اعتماد سمجھتے رہے تھے۔ لہٰذا اس کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنے خاندان کی قدیمی راہ عمل کو مکمل درہم برہم کر دے۔

معتصم خراسانیوں کی بغاوتوں اور سازشوں کے حالات بھی سن چکا تھا اور جانتا تھا کہ اس کے باپ دادا کو کس طرح خراسانیوں کی سازش کا بار بار مقابلہ کرنا پڑا ہے، نیز یہ بھی جانتا تھا کہ علویوں کو جو

ہمارے قدیمی رقیب ہیں خراسانیوں اور عربوں دونوں میں رسوخ حاصل ہے۔ اور دونوں سے وہ ہمارے خلافت قوت وامداد حاصل کر لیتے ہیں' اس لیے معتصم نے اگر ایک تیسری قوم کو جس پر علویوں کا اثر نہ تھا طاقتور بنایا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس تیسری قوم یعنی ترکوں کو ابھی تک اسلام سے بوجہ اپنی جہالت ووحشت کے کوئی انس اور قوی تعلق پیدا نہ ہوا تھا۔ ترکوں کو اگرچہ مغلوب و محکوم تو عرصہ دراز سے بنایا جا چکا تھا لیکن ان میں اسلام کی اشاعت کما حقہ نہیں کی گئی تھی۔ جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ترکوں کے علاقے پر جس کو ماوراء النہر کہا جاتا تھا عموماً ترک سردار ہی باختیار رئیسوں کی طرح حکومت کرتے اور حکومت اسلامیہ کو خراج ادا کرتے تھے۔

ان نومسلم ترکوں نے یکا یک ترقی کر کے جب دیکھا کہ خلافت اسلامیہ کی سب سے زبردست فوج ہم ہی ہیں تو وہ خلافت اسلامیہ کا تختہ الٹ دینے کے خواب دیکھنے لگے جیسا کہ افشین کے حالات سے ثابت ہے۔ خلیفہ معتصم اگرچہ جاہل تھا' اس نے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنے اور طاقتور بنانے کا جو طرز عمل اختیار کیا تھا اس کی خرابی کو دور کرنے اور خطرات کو مٹا دینے کی اس میں پوری قابلیت موجود تھی۔ اسی لیے اس کے سامنے ترکوں کے ہاتھوں سے حکومت اسلامیہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا' اگر اس کے جانشین بھی اسی قابلیت کے ہوتے یا معتصم کو زیادہ مدت تک خلافت وحکومت کا موقعہ ملتا تو یہ خرابیاں جو بعد میں پیدا ہوئیں' پیدا نہ ہو سکتیں۔

اگر سچ پوچھا جائے تو یہ سب وہمی اور خیالی باتیں ہیں' اصلی خرابی اور سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ مسلمانوں میں حکومت اسلامیہ کے لیے وراثت کی لعنت کو تسلیم کر لیا گیا تھا اور باپ کے بعد بیٹے کا حقدار خلافت ہونا مانا جاتا تھا' اس بدعت سیئہ نے اسلام اور مسلمانوں کو ہمیشہ سخت نقصان پہنچایا اور صدیق وفاروق کی سنت کے بھلا دینے نے مسلمانوں کو یہ دن دکھایا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ بہر حال معتصم کی خلافت کے زمانے سے ترکوں کا دور زندگی شروع ہو جاتا ہے۔

معتصم کو خلیفہ مثمن بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ آٹھ کے عدد کو خصوصی تعلق تھا۔ معتصم خلیفہ ہارون الرشید کی آٹھویں اولاد تھا' وہ ۱۸۰ھ یا بہ قول دیگر ۱۷۸ھ میں پیدا ہوا' ان دونوں سنوں میں آٹھ کا عدد موجود ہے' وہ ۲۱۸ھ میں تخت نشین ہوا' یہاں بھی آٹھ کا عدد موجود ہے۔ معتصم خلفاء عباسیہ میں آٹھواں خلیفہ ہے۔ اس نے ۴۸ سال کی عمر پائی۔ آٹھ لڑکے اور آٹھ لڑکیاں چھوڑیں' اس کا طالع پیدائش برج عقرب تھا جو آٹھواں برج ہے۔ اس نے آٹھ برس آٹھ مہینے اور آٹھ دن خلافت کی۔ اس نے آٹھ قصر تعمیر کرائے۔ آٹھ بڑی بڑی لڑائیاں فتح کیں۔ آٹھ بادشاہ اس کے سامنے دربار میں حاضر کیے گئے۔ افشین وعجیف وعباس وبابک ومازیار وغیرہ آٹھ بڑے بڑے

دشمنوں کو اس نے قتل کرایا۔ آٹھ لاکھ دینار' آٹھ لاکھ درہم' آٹھ ہزار گھوڑے' آٹھ ہزار غلام' آٹھ ہزار لونڈیاں اس نے ترکہ میں چھوڑیں۔ ماہ ربیع الاول کے آٹھ دن باقی تھے کہ فوت ہوا۔

مسئلہ خلق قرآن[1] کا خبط اس کو بھی مثل مامون الرشید کے تھا اور اس غیر ضروری مسئلہ کی طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ رہنے سے اکثر علماء کو اس کے ہاتھ سے تکلیفیں پہنچیں' یہ عیب اس میں نہ ہوتا تو اس کو خاندان عباسیہ کا سب سے بڑا خلیفہ کہا جا سکتا تھا۔ اس کے زمانہ میں خلافت عباسیہ کی شوکت اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی تھی۔ جس کے بعد اس میں زوال و اضمحلال کے علامات نمایاں ہوتے گئے۔

واثق باللہ

واثق باللہ بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید بن مہدی بن منصور عباسی کی کنیت ابوجعفر یا ابوالقاسم تھی۔ اس کا اصل نام ہارون تھا۔ یہ مکہ کے راستے میں قراطیس نامی ام ولد کے پیٹ سے ۲۰ شعبان ۱۹۶ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کو اس کے باپ معتصم باللہ نے اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ معتصم کی وفات کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔ یہ نہایت خوب صورت گوری چٹی رنگت کا آدمی تھا۔ ڈاڑھی گھنی اور خوب صورت تھی۔ اس کی رنگت میں سفیدی کے ساتھ زردی بھی جھلکتی تھی۔ آنکھوں کی سفیدی میں سیاہ تل بھی نمودار تھا۔ یہ بہت بڑا شاعر اور ادیب تھا۔ عربی ادب میں وہ مامون کا ہم پلہ بلکہ اس سے بھی فائق تھا۔ مگر فلسفہ اور علوم حکمیہ میں مامون سے کمتر تھا۔ اس نے مامون الرشید کی علمی مجلسیں دیکھی تھیں۔ اس کو علم و فضل کا شوق تھا' اسی لیے اس کو مامون صغیر یا مامون ثانی کہتے تھے۔

---

[1] ۱۹۸ھ میں مامون بن ہارون الرشید عباسی نے خلافت کی زمام کار سنبھالی۔ معتزلہ کا فرقہ اٹھتا ہے اور دیگر بدعات کی اشاعت کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے مخلوق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور بڑی تیزی سے عوام کو بھی اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں۔ مامون بھی معتزلہ کے ساتھ ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جب گمراہی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی لہر کو دیکھتے ہیں تو پوری قوت کے ساتھ باطل قوتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان عمل میں نکلتے ہیں۔ اس مسئلہ میں حق و باطل کی یہ کشمکش کئی سالوں تک جاری رہتی ہے۔ چنانچہ مامون' پھر معتصم' واثق' متوکل ان چار خلفاء کے عہد میں یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر چاروں خلفاء کے ادوار میں تعذیب و تشدد کا ایک طوفان برپا رہتا ہے۔ لیکن با مشقت قید و بند کے مصائب اور تضحیک و تشنیع کے سلسلے میں بھی اللہ کی توفیق سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پائے استقامت کو متزلزل نہ کر سکے اور وہ فاتح و سرخرو ہو کر تعذیب خانہ سے باہر تشریف لائے۔ یوں باطل کو شکست فاش ہوئی اور حق غالب آیا فللہ الحمد! تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا دور ابتلا مؤلفہ ڈاکٹر محمد نفش مصری' مترجم الشیخ محمد صادق خلیل۔

واثق کو عربی اشعار اس قدر یاد تھے کہ خلفاء عباسیہ میں کسی کو اتنے اشعار یاد نہ تھے۔ اپنے باپ کی طرح کھانے پینے کا اس کو بھی بہت شوق تھا۔ بہت پرخور خوش خور تھا۔ شاعروں اور ادیبوں کو بڑے بڑے انعام و صلے دیتا تھا۔ اہل علم کی قدر کرتا تھا اور ان کے ساتھ تعظیم و تکریم کا برتاؤ ضروری سمجھتا تھا۔ مگر خلق قرآن کے مسئلہ کا خبط اپنے باپ سے وراثت میں پایا تھا۔ اور اس معاملہ میں یہاں تک غلو اختیار کیا تھا کہ اکثر بڑے بڑے علماء کو ثواب سمجھ کر اس نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔[1]

آخر عمر میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ مسئلہ خلق قرآن کے متعلق اس نے اپنی سرگرمی کم یا بالکل موقوف کر دی تھی۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد ازدی جو امام ابوداؤد اور نسائی کے استاد تھے مسئلہ خلق قرآن کے متعلق مخالف عقیدہ رکھنے کے سبب گرفتار ہو کر آئے اور دربار میں پیش ہوئے' وہاں قاضی احمد بن ابی دؤاد سے' جو معتصم کے زمانے سے دربار میں وزیراعظم کے برابر مرتبہ رکھتے اور خلق قرآن کے قائل تھے' اس مسئلہ میں بحث ہوئی۔

ابوعبدالرحمٰن نے ان سے سوال کیا کہ تم پہلے مجھ کو یہ تو بتا دو کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کا علم تھا یا نہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔

قاضی احمد نے کہا کہ ہاں رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم تھا۔[2]

ابوعبدالرحمٰن نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو قرآن کے مخلوق ہونے کے عقیدہ کی تعلیم دی یا نہیں۔

قاضی احمد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو اس کے متعلق کوئی حکم نہیں فرمایا۔

ابوعبدالرحمٰن نے کہا کہ جس عقیدہ کی رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تعلیم نہیں دی اور باوجود علم رکھنے کے لوگوں کو اس کے ماننے پر مجبور نہیں کیا۔ تم اس کے متعلق لوگوں کی خاموشی کو کیوں کافی نہیں سمجھتے؟ اور ان کو کیوں اس کے ماننے اور اقرار کرنے پر مجبور کرتے ہو؟ یہ سنتے ہی واثق باللہ چونک پڑا اور دربار سے اٹھ کر اپنی محل سرائے میں چلا گیا۔ اور چارپائی پر لیٹ کر بار بار یہ کہتا رہا کہ ''جس معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار کی ہم اس میں سختی کر رہے ہیں''۔ پھر حکم دیا کہ ابوعبدالرحمٰن کو آزاد کر کے اس کے وطن میں بہ آرام واپس پہنچا دو۔ اور تین سو دینار سرخ بطور انعام دے دو۔

---

[1] کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ ایک طرف واثق باللہ قرآن کریم کو مخلوق مان کر ایک صریح غلطی اور گمراہی اختیار کر چکا تھا' دوسری طرف اس نے بہت سے بڑے علماء کو قتل کرنے جیسا جرم اور گناہ کبیرہ کیا۔

[2] قاضی احمد بن ابی داؤد نے یہ بالکل غلط بات کہی۔ اگر جناب رسول اللہ ﷺ کو اس مسئلہ کا علم تھا تو پھر نبی کریم ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بارے میں رہنمائی کرنی چاہیے تھی۔

ابوحرب واہل دمشق

خلیفہ معتصم کے حالات میں اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ رجاء بن ایوب کو معتصم نے ابوحرب یمانی کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا تھا۔ رجاء بن ایوب نے کچھ دنوں انتظار کرنے کے بعد ابوحرب سے لڑائی کا سلسلہ جاری کیا۔ اسی اثناء میں معتصم باللہ نے وفات پائی اور واثق باللہ تخت نشین ہوا۔ وفات معتصم کی خبر سنتے ہی اہل دمشق باغی ہو گئے' انہوں نے اپنے امیر کو دارالامارت میں محصور کر لیا۔ اور لشکر کی فراہمی وترتیب میں مصروف ہو کر جمعیت کثیر فراہم کر لی۔

یہ خبر سنتے ہی واثق باللہ نے رجاء بن ایوب کے پاس حکم بھیجا کہ پہلے اہل دمشق کی خبر لو۔ اس وقت رجاء بن ایوب مقام رملہ میں ابوحرب کے مقابل معرکہ آرائی میں مصروف تھا۔ اس حکم کی تعمیل میں اس نے بہت تھوڑی سی فوج ابوحرب کے مقابلہ پر چھوڑی اور باقی فوج کو لے کر دمشق کی جانب متوجہ ہوا۔ یہاں اہل دمشق نے مقابلہ کیا اور بڑی خونریز جنگ ہوئی' جس میں ڈیڑھ ہزار آدمی اہل دمشق کے اور تین سو آدمی رجاء کی فوج کے مقتول ہوئے۔ اہل دمشق نے ہزیمت پا کر امن کی درخواست کی اور یہ بغاوت بالکل فرو ہو گئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر رجاء رملہ کی جانب گیا۔ اور ابوحرب کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ ابوحرب کے ہمراہیوں میں سے بیس ہزار آدمی ان لڑائیوں میں مقتول ہوئے تھے۔

اشناس کا عروج وزوال

خلیفہ واثق باللہ نے تخت نشین ہو کر اشناس کو جو ترکی غلام تھا اپنا نائب السلطنت بنا کر تمام ممالک محروسہ اسلامیہ کے سیاہ وسفید کا اختیار کامل دے دیا۔ وزیراعظم محمد بن عبدالملک' بن زیات جو معتصم کے زمانے سے وزیراعظم چلا آتا تھا واثق کے زمانے میں بھی وزیراعظم رہا۔ یہ عہدہ جو اشناس کو سپرد کیا گیا اس کا نام نائب السلطنت تھا' جو واثق باللہ نے نیا ایجاد کیا تھا۔

نائب السلطنت خلیفہ کے تمام اختیارات کا استعمال کرتا اور وزیراعظم کا اسی طرح افسر وحاکم تھا جیسے خلیفہ۔ اب تک کسی خلیفہ نے ایسے وسیع اختیارات کسی دوسرے کو نہیں دیئے تھے۔ ترکوں کو اگرچہ افشین کے قتل سے ایک قسم کا نقصان وصدمہ پہنچا تھا لیکن ان کی فوجیں' پلٹنیں' رسالے بدستور موجود تھے۔ ان کی قدر ومنزلت بھی بدستور موجود تھی۔ اب واثق باللہ کے تخت نشین ہونے پر اشناس کو جب حکومت اسلامیہ میں سیاہ وسفید کے اختیارات کامل عطا ہوئے تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ تمام عالم اسلامی میں ترکوں ہی کی حکومت قائم ہو گئی اشناس کو یہ حکومت زیادہ دنوں راس نہ آئی اور جلد ہی اس کے

اختیارات پر بھی حد بندی قائم ہوگئی مگر یہ ایک ایسی نظیر قائم ہوئی جو بعد میں دولت عباسیہ کے زوال و بربادی کا باعث ہوئی۔

واثق باللہ چونکہ مجالس علمیہ کا بھی شوقین تھا اس لیے وہ علماء و اراکین سلطنت کی مجلسوں میں بیٹھ کر گھنٹوں مذاکرات علمیہ اور روایات قدیمہ سنا کرتا تھا۔ علماء چونکہ اکثر عربی النسل لوگ تھے انہوں نے ہارون الرشید کے زمانے کے واقعات بھی موقع پا کر سنانے شروع کیے۔ برامکہ کے علمی ذوق اور سخاوت کی حکایتوں کے ساتھ ہی ان کے اقتدار و اختیار کے قصے اور پھر خاندان خلافت کے خلاف کی سازشوں کی کیفیت اور بربادی کے تمام واقعات مناسب اور موزوں انداز میں واثق باللہ کے گوش گذار کیے' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واثق باللہ کی کچھ آنکھیں سی کھل گئیں اور اس نے ترکی و خراسانی امرأ کی نگرانی اور دیکھ بھال شروع کر دی' اکثر لوگوں پر غبن کے الزامات پایہ ثبوت کو پہنچے اور واثق باللہ نے ان سے جرمانے وصول کرنے شروع کر دیئے۔ اسی سلسلہ میں اشناس ترکی کے اختیارات بھی محدود کر دیئے اور وہ ۲۳۰ھ میں فوت ہو گیا۔

اہل عرب کے وقار کا خاتمہ

اب تک برابر سلطنت عباسیہ اہل عرب کی سیادت وعزت کے کم کرنے میں مصروف رہی تھی اور عجمیوں کو برابر فروغ حاصل ہوتا رہا تھا تاہم ملک عرب کی گہوارہ اسلام ہونے کے سبب ایک خاص عزت اور دین اسلام کے اولین خادم ہونے کی وجہ سے عربوں کا ایک خصوصی احترام ہر ایک کے قلب میں موجود تھا۔ خود خاندان خلافت ایک عربی خاندان تھا۔ اس لیے عجمیوں کو یہ خواہش کبھی نہ ہوئی تھی کہ ہم عربوں کو ذلیل کرنے کا موقعہ پائیں' نہ خلفاء اب تک خراسانی و ترکی سپاہیوں کے دستوں کو عربی قبائل کی سرکوبی کے لیے حجاز و یمن وغیرہ میں بھیجا تھا۔ بلکہ جب کبھی حجاز و یمن وغیرہ کے خالص عربی صوبوں کے انتظام کے لیے ضرورت پیش آتی تھی تو عربی یا عراقی یا شامی سپاہی بھیجے جاتے تھے۔

اس احتیاط اور اس التزام کا نتیجہ یہ تھا کہ عربوں کا اگرچہ وہ بہت ہی کمزور کر دیے گئے ایک احترام دلوں میں باقی تھا۔ اور عربی وقار سے کسی کو انکار نہ تھا۔ اب خلیفہ واثق باللہ کے زمانے میں عربوں سے یہ چیز بھی چھن گئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نواح مدینہ میں قبیلہ بنو سلیم کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی۔ انھوں نے بنو کنانہ پر حملہ کیا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔

اس قسم کی لوٹ مار کے واقعات عربوں میں اس وجہ سے شروع ہو گئے تھے کہ وہ اب ملک گیریوں اور فوجی خدمتوں سے برطرف و معزول کر دیئے گئے تھے اور خلفاء عباسیہ نے ان کو اپنی

وجوں سے بتدریج خارج کر دیا تھا۔ اس حالت میں عربوں کا جنگی جذبہ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی میں تبدیل ہونے لگا تھا۔ مدینہ کے عامل محمد بن صالح نے جب بنو سلیم کی اس زیادتی کا حال سنا تو ان کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی۔ اس فوج کو بھی بنو سلیم نے شکست فاش دے دی۔ اور مکہ و مدینہ کے درمیان تمام علاقے میں بدامنی پیدا ہوگئی۔ اور قافلوں کی آمد و رفت بند ہوگئی۔ خلیفہ واثق باللہ کو جب ان حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے بغا کبیر اپنے ایک ترکی سپہ سالار کو ترکی فوج کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ بغا کبیر شعبان ۲۳۰ھ میں مدینہ منورہ پہنچا۔ بنو سلیم سے لڑائیاں ہوئیں۔ ان کو شکست دی ایک ہزار بنو سلیم کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ میں قید کر دیا اور بہت سوں کو قتل کیا۔

بغا کبیر قریباً چار مہینے تک معہ اپنی ترکی فوج کے مدینہ میں مقیم رہا اور عربی قبائل کو طرح طرح سے ذلیل و مغلوب و خوفزدہ کرتا رہا' حج سے فارغ ہو کر بغا کبیر نے بنو ہلال کی طرف توجہ کی اور ان کو بھی بنو سلیم کی طرح سزائیں دیں اور تین سو آدمیوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ پھر بنو مرہ کی طرف متوجہ ہوا اور مقام فدک میں جا کر چالیس روز تک مقیم رہا اور فزارہ و بنو مرہ کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے لایا اور مدینہ میں قید کیا' پھر بنو غفار' ثعلبہ اور اشجع کے رؤسا کو طلب کر کے ان سے اطاعت و فرمانبرداری کے حلف لیے' پھر بنو کلاب کے تین ہزار آدمیوں کو گرفتار کر کے دو ہزار کو رہا اور ایک ہزار کو قید کر دیا۔ پھر یمامہ میں جا کر بنو نمیر کے پچاس آدمیوں کو قتل کیا اور چالیس کو قید کیا۔

اہل یمامہ مقابلہ پر مستعد ہوئے' بغا کبیر نے کئی لڑائیوں اور معرکہ آرائیوں میں ڈیڑھ ہزار اہل یمامہ کو قتل کیا۔ ابھی یمامہ میں لڑائی کے شعلے فرو نہ ہوئے تھے کہ واثق باللہ نے ایک اور ترک سردار کو تازہ دم ترکی فوج کے ساتھ یمامہ کی طرف بغا کبیر کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ بغا کبیر نے تمام ملک یمامہ میں قتل عام شروع کرا دیا۔ اہل یمامہ وہاں سے بھاگے تو یمن تک ان کا تعاقب کیا اور ہزارہا آدمیوں کو قتل کیا۔ غرض عربی قبائل کو اچھی طرح پامال و ذلیل کر کے اور دو ہزار دو سو شرفائے عرب کو قید کر کے اپنے ہمراہ بغداد کی طرف لے کر آیا۔

جو قیدی مدینہ میں پہلے قید کر آیا تھا وہ ان کے علاوہ تھے بغداد آ کر محمد بن صالح کو لکھا کہ مدینہ کے تمام قیدیوں کو لے کر بغداد آؤ۔ چنانچہ محمد بن صالح ان کو بغداد لے کر آیا اور وہ بھی سب جیل خانے میں ڈال دیئے گئے۔ بغا کبیر نے عرب میں دو برس تک ترکوں کے ہاتھ عربوں کو بے دریغ قتل کرایا اور طرح طرح سے ان کو ذلیل و مغلوب کیا۔

۲۳۰ھ میں عبداللہ بن طاہر حاکم خراسان نے وفات پائی' خلیفہ واثق باللہ نے اس کے بیٹے طاہر بن عبداللہ کو خراسان' کرمان' طبرستان اور رے کی حکومت پر عبداللہ بن طاہر کی وصیت کے موافق

بحال رکھا۔

احمد بن نصر کا خروج وقتل

احمد بن نصر بن مالک بن ہثیم خزاعی کا دادا مالک بن ہثیم خزاعی دعوت عباسیہ کے نقیبوں میں سے تھا۔ احمد بن نصر اصحاب حدیث کی صحبتوں میں اکثر رہتا تھا۔ اور اسی لیے اس کا شمار محدثین میں تھا۔ وہ مسئلہ خلق قرآن کا مخالف تھا۔ اسی وجہ سے ایک گروہ کثیر نے خلافت عباسیہ کے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور شہر بغداد میں شب پنج شنبہ ۳ شعبان ۲۳۱ھ کو احمد بن نصر نے خروج کیا اور علم بغاوت بلند کر کے نقارہ بجا دیا۔ بغداد کی پولس کے افسر نے نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے کام لے کر احمد بن نصر کو گرفتار کر لیا۔

احمد بن نصر اور اس کے ہمراہی جو گرفتار ہوئے تھے واثق باللہ کے پاس مقام سامرا میں بھیجے گئے۔ واثق نے نصر کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور اس کا سر اور جسم جدا کر کے بغداد بھیجے گئے۔ جسم کو بغداد کے دروازہ پر لٹکایا گیا۔ اور سر کو جسر بغداد پر لٹکا کر ایک چوکیدار کو متعین کیا گیا کہ وہ نیزہ کی نوک سے منہ کو قبلہ کی طرف نہ ہونے دے اور کان میں ایک پرچہ دھاگے سے باندھ کر لٹکا دیا گیا۔ جس پر لکھا تھا کہ یہ "سر احمد بن نصر بن مالک کا ہے جس کو خلیفہ نے عقیدہ خلق قرآن کی طرف بلایا مگر اس نے انکار کیا۔ لہٰذا خدائے تعالیٰ نے بہت جلد اس کو آتش دوزخ کی طرف بلا لیا"۔

احمد بن نصر کے قتل کا واقعہ ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد ازوی کے واقعہ سے (جس کا اوپر ذکر آ چکا) پہلے کا ہے۔

اسیران جنگ کا تبادلہ رومیوں سے

رومیوں کے ساتھ جنگ کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری چلا آتا تھا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ رومیوں کو شکست دی اور کبھی کبھی قسطنطنیہ تک بھی پہنچ گئے۔ مگر رومیوں کی حکومت وسطنت کا مکمل استیصال نہیں ہو سکا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ خلافت راشدہ کے عہد میں ایرانی شہنشاہی برباد ہو چکی تھی مگر رومی شہنشاہی ابھی باقی رہ گئی تھی اگرچہ شام وفلسطین ومصر وغیرہ رومیوں سے چھین لیے گئے تھے اور مسلمانوں کے قسطنطنیہ پر قابض ہو کر یورپ کے اندر داخل ہونے میں کوئی کسر باقی نہ تھی کہ اسی حالت میں اندرونی فسادات کھڑے ہو گئے اور قسطنطنیہ و یورپ مسلمانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہوتے ہوتے بچ گیا۔ ان اندرونی جھگڑوں کا سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ کبھی بند ہی ہونے میں نہ آیا اور کس خلیفہ کو بھی ایسا موقعہ اور کامل اطمینان میسر نہ ہوا کہ وہ اپنی تمام طاقت وسیع مدت کے لیے یورپ

کی طرف متوجہ کر دے اور اپنے مقبوضہ ممالک میں بغاوت کا اندیشہ اور خروج کا خطرہ نہ ہو۔

غرض مسلمانوں کی آپس کی مخالفتوں نے قسطنطنیہ کے قیصر اور یورپ کے ملکوں کی حفاظت کی اور سرحدات پر عیسائیوں اور مسلمانوں کی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی کوئی خلیفہ فوج لے کر رومیوں پر حملہ آور ہوا تو ان کو ڈرا دھمکا کر اور سزا دے کر فوراً دارالخلافہ کی طرف واپس چلا آیا' یہ کبھی ممکن نہ ہوا کہ زیادہ مدت اور کئی برس کے لیے وہ مستقر خلافت سے جدا رہ سکے۔ واثق باللہ کے زمانے میں بھی رومیوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں دو مرتبہ عیسائی اور مسلمان قیدیوں کا تبادلہ ہو چکا تھا۔ یعنی مسلمانوں نے عیسائیوں کو جو ان کی قید میں تھے چھوڑ دیا اور اس کے معاوضہ میں عیسائیوں نے ان مسلمان قیدیوں کو جو ان کی قید میں تھے آزاد کر دیا' یہ تبادلہ پہلے بھی دریائے لامس کے کنارے ہوا تھا اور اب ۱۰ محرم ۲۳۱ھ کو تیسری مرتبہ واثق باللہ کے عہد میں اسی دریا کے کنارے ہوا' جس کی صورت یہ تھی کہ دریائے لامس پر دو پل ایک دوسرے کے متوازی بنائے گئے' ایک پل سے عیسائی قیدی اس طرف جاتا۔ اور دوسرے پل سے مسلمان قیدی اس طرف سے آتا تھا' اس تبادلہ کے لیے واثق باللہ نے خاقان کو اپنی طرف سے عیسائی قیدیوں کے ساتھ دریائے لامس کے کنارے بھیج دیا تھا' برابر تعداد کے قیدیوں کا تبادلہ ہو چکا اور سب مسلمان قیدی جن کی تعداد چار ہزار چھ سو تھی اس طرف آ چکے تو رومی قیدی پھر بھی مسلمانوں کے پاس بہت سے بچ گئے۔

خاقان نے ان بچے ہوئے قیدیوں کو بلا معاوضہ رومیوں کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیا کہ اس تبادلہ میں بھی ہمارا درجہ بڑھا ہوا رہنا چاہیے' یہ ہماری طرف سے رومیوں پر احسان ہے۔

واثق باللہ کی وفات

واثق باللہ مرض استسقاء میں مبتلا ہوا' اس کے تمام جسم پر ورم آ گیا تھا' علاج کی غرض سے اس کو گرم تنور میں بٹھایا گیا۔ اس سے مرض میں کچھ کمی محسوس ہوئی' اگلے دن تنور کو کسی قدر زیادہ گرم کیا گیا اور پہلے دن کی نسبت زیادہ دیر تک تنور میں بیٹھا رہا جس کی وجہ سے بخار ہو گیا' تنور سے نکال کر محافے میں سوار کر کے سیر و تفریح کے لیے لے چلے' جب محافہ کو زمین پر رکھ کر دیکھا گیا تو واثق باللہ فوت ہو چکا تھا' اسی وقت قاضی احمد بن دؤاد' محمد بن عبدالملک' وزیر اعظم ایتاخ' وصیف' عمر بن فرج وغیرہ اراکین سلطنت قصر خلافت میں جمع ہوئے اور محمد اور محمد بن واثق باللہ کو جو نو عمر لڑکا تھا تخت خلافت پر بٹھانے لگے' اس وقت وصیف نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ...... ''کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ سے نہیں

ڈرتے کہ ایسے نوعمر لڑکے کو خلیفہ بناتے ہو"۔

یہ الفاظ سن کر سب کو خیال ہوا اور اس کام سے رک کر مستحق خلافت شخص کے متعلق گفتگو ہونے لگی' آخر واثق باللہ کے بھائی جعفر بن معتصم کو طلب کیا اور خلعت پہنا کر تخت خلافت پر بٹھایا' اور متوکل علی اللہ کا خطاب دیا' متوکل علی اللہ نے سب سے بیعت خلافت لے کر واثق کی نماز جنازہ پڑھائی اور دفن کرنے کا حکم دیا۔

واثق باللہ کو سڑک پر مقام ہاروتی میں دفن کیا گیا۔ پانچ برس نو مہینے خلافت کی اور ۳۶ برس چار مہینے کی عمر میں بتاریخ ۲۴ ذالحجہ ۲۳۲ھ بروز چہار شنبہ فوت ہوا' بہت مستقل مزاج اور برداشت کرنے والا شخص تھا مگر مسئلہ خلق قرآن کے متعلق اس سے بہت زیادتیاں ہوئیں' آخر عمر میں یہ خبط اس سے دور ہو گیا تھا۔

عبرت

مرنے کے بعد خلیفہ واثق باللہ کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ اور تمام لوگ متوکل علی اللہ سے بیعت کرنے میں مصروف ہو گئے' اس عرصہ میں ایک سوسمار[1] آیا اور واثق باللہ کی آنکھیں نکال کر کھا گیا۔

متوکل علی اللہ

متوکل علی اللہ بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید کا اصل نام جعفر اور کنیت ابوالفضل تھی' ۲۰۷ھ میں شجاع نامی ام ولد کے پیٹ سے پیدا ہوا اور واثق باللہ کی وفات کے بعد ۲۴ ماہ ذی الحجہ ۲۳۲ھ کو تخت نشین ہوتے ہی اس نے لشکر کو آٹھ مہینے کی تنخواہ مرحمت فرمائی' اپنے بیٹے منتصر کو حرمین یمن اور طائف کی حکومت عطا فرمائی۔

محمد بن عبدالملک کی معزولی ومرگ

محمد بن عبدالملک بن زیات معتصم کے عہد خلافت سے وزیر اعظم چلا آتا تھا' واثق باللہ کے زمانہ میں بھی وہ اسی عہدے پر فائز رہا' متوکل علی اللہ کے عہد خلافت میں ایک مہینے تک وزیر اعظم رہنے کے بعد معزول ومعتوب ہوا' تفصیل اس کی یہ ہے کہ واثق باللہ اپنے عہد خلافت میں کسی بات پر اپنے بھائی متوکل سے ناراض ہو گیا۔ متوکل وزیر اعظم محمد بن عبدالملک کے پاس گیا اور عرض کیا کہ آپ میری سفارش کر کے امیر المومنین کو خوش کر دیں' محمد بن عبدالملک عرصہ دراز تک وزیر اعظم رہنے

[1] گوره/ضب......ایک جانور کا نام ہے۔

کے سبب کسی قدر مغرور اور بدمزاج وغیر متواضع ہو گیا تھا' وہ نہایت کم التفاتی اور بداخلاقی سے پیش آیا اور متوکل سے کہا کہ تم اپنی اصلاح کرو تو امیر المومنین خود ہی تم سے خوش ہو جائیں گے' کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں ہے' اس کے بعد واثق باللہ سے متوکل کی شکایت بھی کر دی کہ وہ میرے پاس سفارش کی غرض سے آیا تھا' میں نے اس کے بال عورتوں کی طرح بڑھے ہوئے دیکھ کر منہ نہیں لگایا' واثق نے متوکل کو دربار میں طلب کر کے وہیں سر دربار حجام سے بال کٹوا دیے اور دربار سے نکال دیا۔

چونکہ اس تمام بے عزتی کا باعث محمد بن عبدالملک ہی ہوا تھا لہٰذا متوکل نے تخت نشین ہو کر ایک مہینے کے بعد ایتاخ کو حکم دیا کہ محمد بن عبدالملک کو اپنے مکان میں گرفتار کر لو اور تمام ممالک محروسہ میں گشتی فرمان بھیج دو کہ محمد بن عبدالملک کا تمام مال و اسباب جہاں کہیں ہو ضبط کر لیا جائے' چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں ایتاخ نے اس کو قید کر لیا اور اس کا مال و اسباب سب بغداد میں منگوا کر بیت المال شاہی میں داخل کر دیا' محمد بن عبدالملک قید کی سختیوں کی برداشت نہ کر سکا اور ۱۵ ربیع الاول ۲۳۳ کو بحالت قید فوت ہوا۔

محمد بن عبدالملک کے بعد عمر بن فرح کو بھی ماہ رمضان ۲۳۳ھ میں اسی طرح گرفتار کر کے قید کر دیا' مگر پھر گیارہ لاکھ درہم زر جرمانہ وصول کر کے رہا کر دیا۔

ایتاخ کی گرفتاری و موت

ایتاخ ایک ترکی غلام تھا' اول یہ سلام بن ابرص کے پاس تھا اور باورچی کا کام کرتا تھا' اسی لیے وہ آخر تک ایتاخ طباخ کے نام سے مشہور رہا' خلیفہ معتصم نے اس کی دانائی و سلیقہ شعاری اور جسم کی مضبوطی و خوبصورتی دیکھ کر سلام ابرص سے ۱۹۹ھ میں خرید لیا تھا' آدمی چونکہ اداشناس اور ہوشیار تھا اس لیے جلد جلد ترقی کرتا ہوا معتصم ہی کے زمانہ میں اس کی عزت و تکریم اور اختیار و اقتدار میں اور بھی اضافہ ہو گیا' شاہی معتوب عموماً اسی کے مکان میں قید کیے جائے اور اسی کی نگرانی میں رکھے جاتے تھے۔ عجیف' اولاد مامون الرشید' محمد بن عبدالملک' عمر بن فرح وغیرہ سب اسی کی نگرانی میں قید رکھے اور مقتول کیے گئے۔ محکمہ جنگ بھی اسی کی ماتحتی میں تھا' حجابت و سفارت کے عہدے بھی اسی کو حاصل تھے' ایتاخ ماہ ذیقعدہ ۲۳۴ھ میں بقصد حج روانہ ہوا' اس کی روانگی کے بعد خلیفہ متوکل نے حجابت کے عہدے پر اپنے خادم وصیف کو مامور کیا' حج سے واپس ہو کر جب ایتاخ بغداد کے قریب پہنچا تو خلیفہ متوکل کے حکم کے موافق اسحاق بن ابراہیم نے اس کو بغداد میں دعوت دے کر بلایا اور قید کر دیا اور اس کے دونوں لڑکوں منصور و مظفر کو بھی قید کر لیا' ایتاخ اسی حالت قید میں مر گیا اور اس کے دونوں لڑکے

متوکل کے آخر زمانہ خلافت تک قید رہے' جب منتصر تخت نشین ہوا تو اس نے ان دونوں کو رہا کیا۔

بیعت ولی عہدی

۲۳۵ھ میں آذربائیجان میں محمد بن بعیث بن جلیس نے علم بغاوت بلند کیا' مگر یہ بغاوت بغا صغیر نے فوج کشی کر کے جلد فرو کر دی' اس کے بعد اسی سال خلیفہ متوکل نے اپنے بیٹوں محمد' طلحہ اور ابراہیم کی ولی عہدی کے لیے لوگوں سے بیعت لی اور یہ قرار دیا کہ میرے بعد اول محمد تخت و تاج کا مالک ہو گا۔ بعد اس کے طلحہ تخت نشین خلافت ہو گا' محمد کو منتصر کا اور طلحہ کو معتز کا خطاب دیا گیا محمد کو ممالک مغربیہ اور معتز کو ممالک مشرقیہ بطور جاگیر عطا کیے' ان دونوں کو بعد میں تاج و تخت کا وارث قرار دیا اور شام کا ملک ان کی جاگیر میں مقرر فرمایا۔

اسی سال یعنی ۲۳۵ھ میں خلیفہ متوکل نے فوج کی وردی تبدل کی اور کمبلوں کے جبے پہنا کر بجائے پیٹی کے ڈوری باندھنے کا حکم دیا' ذمیوں کی جدید عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی ممانعت کی' ممالک محروسہ میں حکم جاری کیا کہ کوئی شخص کسی حاکم کی دہائی نہ دے' عیسائی ذمیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے جلسوں میں صلیب نہ نکالیں۔

اسی سال حسن بن سہل اور اسحاق بن ابراہیم بن حسین بن مصعب برادرزادہ طاہر بن حسین جو بغداد کا افسر پولیس مامون الرشید کے زمانے سے چلا آتا تھا فوت ہوا' متوکل نے محمد بن اسحٰق کو محکمہ پولیس کی افسری عطا کی' ساتھ ہی صوبہ فارس کی گورنری بھی دی' یہ یاد رہے کہ صوبہ فارس خراسان سے جدا تھا' خراسان کی حکومت معہ طبرستان وغیرہ طاہر بن عبداللہ بن طاہر بن حسین کے قبضہ میں تھی۔

اسی سال خلیفہ متوکل نے حکم جاری کیا کہ تمام عیسائی گلوبند باندھا کریں' غالباً کالر نکٹائی اسی کی یادگار ہے' ۲۳۶ھ میں متوکل نے سیدنا حسینؓ کے مزار پر لوگوں کو زیارت کے لیے جانے سے منع کیا اور قبر کے گرد جو مکانات بنائے گئے تھے ان کو مسمار کرا دیا' اسی سال عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان کو عہدہ وزارت عطا ہوا۔

بغاوت آرمینیا

صوبہ ارمینیا کی حکومت پر یوسف بن محمد مامور تھا' بقراط بن اسواط نامی بطریق نے جو بطریقوں کا سردار تھا دارالامارت میں حاضر ہو کر یوسف بن محمد سے امان طلب کی' یوسف نے اس کو معہ اس کے بیٹے کے گرفتار کر کے خلیفہ متوکل کے پاس بھیج دیا' آرمینیا کے بطریقوں میں یوسف کے خلاف سخت اشتعال پیدا ہوا تھا' بقراط بن اسواط کے داماد موسیٰ بن زرارہ نے بطریقوں کو جمع کر کے

اس مسئلہ میں مشورہ طلب کیا' سب نے قسمیں کھائیں کہ یوسف بن محمد کو قتل کر دیں گے' چنانچہ موسیٰ بن زرارہ کی سرکردگی میں عیسائیوں نے خروج کیا' یوسف بن محمد مقابلہ کو نکلا' رمضان ۲۳۷ھ میں یوسف بن محمد اور اس کے ہمراہیوں کو باغیوں نے قتل کر ڈالا۔

یہ خبر سن کر متوکل نے بغا کبیر کو آرمینیا کی طرف بھیجا' بغا کبیر نے موصل اور جزیرہ میں ہوتے ہوئے مقام ارزن کے قریب جا کر قیام کیا' ارزن کو فتح کر کے موسیٰ بن زرارہ کے ہمراہیوں میں سے قریباً ۳۰ ہزار آدمی مارے گئے اور ایک گروہ کثیر گرفتار ہوا' اس کے بعد ۲۳۸ھ تک بغا کبیر نے آرمینیا کے باغی بطریقوں کو چن چن کر سزائیں دیں اور گرفتار کر کے بغداد کی جانب سب کو بھیج دیا۔

قاضی احمد بن ابی داؤد کی معزولی و وفات

قاضی احمد بن دؤاد واثق باللہ کے عہد خلافت میں وزیر اعظم سے بھی بڑھ کر رسوخ و اقتدار رکھتا تھا' متوکل کے ابتدائی زمانہ میں بھی اس کی یہی حالت قائم رہی' خلیفہ متوکل ۲۳۷ھ میں قاضی احمد بن دؤاد سے ناخوش ہو گیا اور اس کے مال و اسباب اور جاگیروں کے ضبط کرنے کا حکم دیا' قاضی احمد کے بیٹے ابوالولید نے ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم اپنا مال و اسباب بیچ کر خلیفہ کی خدمت میں پیش کئے' متوکل نے قاضی احمد کو معزول کر کے قید کر دیا اور اس کی جگہ یحییٰ بن اکثم کو قاضی القضاۃ کا عہدہ سپرد کیا۔

قاضی احمد ان دنوں عارضہ فالج میں مبتلا تھا' قاضی اکثم کو بھی متوکل نے ۲۳۷ھ میں معزول کر دیا تھا اور اس کی جگہ جعفر بن عبدالواحد کو یہ عہدہ ملا تھا' قاضی احمد بن ابی دؤاد نے اسی سال یعنی ۲۳۷ھ میں اپنے بیٹے ابوالولید کی وفات کے بیس روز بعد وفات پائی' اسی سال حمص میں عیسائیوں نے علم بغاوت بلند کیا اور عامل حمص کو نکال کر خود قابض ہو گئے' خلیفہ متوکل نے دمشق و رملہ کی فوجوں کو حمص کی طرف جانے کا حکم دیا' چنانچہ ان فوجوں نے عیسائیوں کی اس بغاوت کو فرو کیا اور بہت سے عیسائیوں کو شہر بدر کر دیا' اسی سال متوکل نے مصر کے قاضی ابوبکر بن محمد بن ابواللیث کو معزول کر کے کوڑوں سے پٹوانے کا حکم دیا اور اس کی جگہ حارث بن مسکین شاگرد امام مالک کو قاضی القضاۃ مصر مقرر کیا' اسی سال محمد بن عبداللہ بن طاہر بن حسین بن مصعب کو خلیفہ نے پولیس بغداد کی افسری عطا فرمائی جبکہ اس کا بھائی طاہر بن عبداللہ بن طاہر خراسان کا گورنر تھا۔

رومیوں کا حملہ

۲۳۸ھ میں رومیوں کا ایک بیڑہ جس میں سو جہاز تھے ساحل دمیاط پر حملہ آور ہوا' دمیاط کی متعینہ فوج کو عنبسہ بن اسحاق والی مصر نے کسی ضرورت سے مصر میں طلب کیا تھا' رومیوں نے میدان

خالی پا کر دمیاط کو خوب لوٹا' وہاں کی جامع مسجد کو جلا دیا اور مال و اسباب اور قیدیوں کو اپنے جہازوں میں سوار کر کے ٹیونس کی طرف گئے' وہاں بھی یہی برتاؤ کیا' علی بن یحییٰ ارمنی لشکر صائفہ کے ساتھ ممالک روم پر حملہ آور ہوا اور بہت سے عیسائیوں کو قید کر لایا۔

۲۴۱ھ میں ملکہ ندورہ قیصرہ روم نے مسلمان قیدیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی جس نے عیسائی ہونے سے انکار کیا اس کو قتل کر دیا' بہت سے بخوف جان عیسائی ہو گئے پھر کچھ سوچ کر ملکہ نے درخواست کی کہ قیدیوں کو تبادلہ کر لیا جائے' چنانچہ متوکل نے اپنے خادم سیف نامی کو بغداد کے قاضی جعفر بن عبدالواحد کے ہمراہ عیسائی قیدیوں کے ساتھ روانہ کیا اور نہر لامس پر ان قیدیوں کا تبادلہ مسلمان قیدیوں کے ساتھ عمل میں آیا۔

بلاد روم پر حملہ

مذکورہ بالا تبادلہ اسیران کے بعد رومیوں نے پھر بدعہدی کی اور اسلامی شہروں پر اچانک حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے گئے' مسلمان سرداروں نے رومیوں کا تعاقب کیا مگر ناکام واپس آئے۔

اس کے بعد خلیفہ متوکل نے علی بن یحییٰ کو لشکر صائفہ کے ساتھ بلاد روم پر جہاد کرنے کو روانہ کیا اور ۲۴۴ھ میں خود دارالخلافہ کو چھوڑ کر دمشق میں آیا اور دمشق میں قیام کر کے بلاد روم پر فوجیں بھیجنے اور حملہ روم کو کامیاب بنانے میں مصروف ہوا' خلیفہ کے ہمراہ دمشق میں تمام اراکین سلطنت آ گئے اور دفاتر شاہی بھی دمشق میں آ گئے' کیونکہ خلیفہ کا ارادہ مستقل طور پر دمشق ہی میں قیام کرنے کا تھا۔

ابھی خلیفہ کو دمشق میں آئے ہوئے صرف دو ہی مہینے گذرے تھے کہ وہاں وبا پھوٹ نکلی اور خلیفہ کو مجبوراً دمشق سے بغداد آنا پڑا' دمشق سے روانگی کے وقت متوکل علی اللہ بغا کبیر کو ایک لشکر عظیم کے ساتھ بلاد روم پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کر آیا' بغا کبیر نے بلاد روم میں داخل ہو کر ہر طرف قتل کا بازار گرم کر دیا' بہت سے قلعے فتح کیے اور رومیوں کو بے دریغ تہ تیغ کرنے اور اسیر بنانے میں کمی نہیں کی۔

جب رومیوں نے الامان الامان کی آوازیں بلند کیں اور اپنی خطاؤں کی معافی چاہی تو بغا کبیر خلیفہ کے حکم سے واپس آیا' ۲۴۵ھ میں رومیوں نے پھر بدعہدی کی اور موقعہ پا کر مسلمانوں کے شہروں کو لوٹ کر بھاگ گئے' اس کے جواب میں علی بن یحییٰ نے بلاد روم پر حملہ کیا اور خوب لوٹ مار کر واپس ہوا۔

۲۴۶ھ میں رومیوں نے پھر مسلمانوں کو تنگ کیا اور سرحدی مقامات کو لوٹ کر ویران کر دیا۔

اب کی مرتبہ خلیفہ متوکل نے خشکی اور تری کی راہوں سے مختلف مقامات اور مختلف سمتوں سے بلاد روم پر حملہ آوری کے لیے فوجیں متعین کی' ان بری و بحری فوجوں نے بلاد روم میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا' رومیوں نے پھر معافی چاہی اور صلح کے خواہش مند ہوئے' مسلمانوں نے بخوشی اس درخواست کو منظور کر لیا اور نہر لامس پر پھر قیدیوں کا تبادلہ عمل میں آیا۔ اس مرتبہ دو ہزار تین سو قیدی ۲۴۶ھ میں چھڑائے گئے۔

تعمیر جعفریہ

۲۴۵ھ میں متوکل نے ایک جدید شہر موسوم بہ جعفریہ آباد و تعمیر کرایا' اس کی تعمیر میں دو لاکھ دینار صرف ہوئے' وسط شہر میں ایک بہت بڑا محل جس کا نام لولوہ رکھا تھا تعمیر کرایا' اس کی بلندی تمام شاہی محل سراؤں سے زیادہ تھی' اس شہر کو کوئی جعفریہ کوئی متوکلہ کوئی ماخورہ کہتا تھا' اسی سال جعفر بن دینار خیاط نے وفات پائی' اسی سال نجاح بن مسلمہ کو متوکل نے اس قدر پٹوایا کہ وہ مر گیا' نجاح بن مسلمہ بڑے رعب داب کا آدمی کے دفتر فرامین کا افسر تھا اس کی نسبت رشوت کا الزام ثابت ہو گیا تھا اسی لیے اس کو ایسی سخت سزا دی گئی۔

قتل متوکل

خلیفہ متوکل نے اپنے بیٹے منتصر کو ولی عہد اول بنایا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے منتصر پر شیعیت غالب تھی اور اعتزال میں وہ واثق اور معتصم کا ہم عقیدہ تھا' لیکن متوکل پابند سنت اور علمائے اہل سنت کا بڑا قدر دان اور خلق قرآن کے مسئلہ کا تخت مخالف تھا اور شرک و بدعت کو مٹانے میں ہمت کے ساتھ مصروف رہتا تھا' باپ بیٹوں یعنی متوکل و منتصر کے عقائد کا یہ اختلاف آپس کی کشیدگی کا باعث ہوا' متوکل نے ارادہ کیا کہ بجائے منتصر کے اپنے دوسرے بیٹے معتز کو ولی عہد اول بنا دے منتصر اور معتز چونکہ دو جدا جدا عورتوں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے' اس لیے دونوں میں رقابت پہلے ہی سے موجود تھی' اب جب کہ خلیفہ متوکل نے معتز کو منتصر پر ترجیح دینی چاہی تو منتصر اپنے باپ متوکل کا دشمن بن گیا۔

اس سے چند روز پہلے خلیفہ متوکل نے بغا کبیر' وصیف کبیر و صیف صغیر اور دواجن اشرد منی وغیرہ ترک سپہ سالاروں کی بعض حرکات کے سبب ان سے ناراض ہو کر بعض کی جاگیریں ضبط کر لی تھیں' اس لیے ترک متوکل سے ناراض تھے' منتصر اور ترکوں نے مل کر متوکل کے قتل کرنے کی سازش کی' بغا کبیر اگرچہ بلاد روم کی طرف رخصت کر دیا گیا تھا مگر اس کا بیٹا موسیٰ بن بغا محل سرائے شاہی کی حفاظت و

پاسبانی پر مامور تھا۔

بغا صغیر نے منتصر کو اپنا ہم خیال پا کر اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ چند ترکوں کی ایک جماعت کو متوکل کے قتل پر مامور کیا۔ ایک روز رات کو منتصر اور تمام درباری ایک ایک کر کے جب اٹھ آئے اور خلیفہ معہ فتح بن خاقان اور چار دوسرے مصاحبوں کے رہ گیا تو دجلہ کی سمت کے دروازے سے قاتلوں کی مذکورہ جماعت شاہی دربار میں داخل ہو کر خلیفہ پر حملہ آور ہوئی' فتح بن خاقان بھی متوکل کے ساتھ مارا گیا' ان دونوں لاشوں کو وہیں چھوڑ کر قاتل اپنی خون آلود تلواریں لیے ہوئے رات کو ہی منتصر کے پاس پہنچے اور خلافت کی مبارک باد دی' اسی وقت منتصر سوار ہو کر محل سرائے شاہی میں داخل ہوا اور لوگوں سے بیعت لی۔ وصیف اور دوسرے ترکی سرداروں نے حاضر ہو کر بیعت کی۔

یہ خبر عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان وزیر تک پہنچی تو وہ رات ہی کو معتز کے مکان پر آیا مگر معتز کو ذرا دیر پہلے منتصر اپنے پاس طلب کر کے بیعت لے چکا تھا اور معتز مکان پر موجود نہ تھا' عبیداللہ وزیر جب معتز کے مکان پر پہنچا تو فوراً دس ہزار آدمی جمع ہو گئے' جن میں ازروی ارمنی اور عجمی تھے ان لوگوں نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ آپ ہم کو اجازت دیں تو ابھی منتصر اور اس کے ہمراہیوں کا خاتمہ کر دیں' عبیداللہ نے ان لوگوں کو روک دیا اور کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا' صبح ہوئی منتصر نے متوکل اور فتح کے دفن کرنے کا حکم دیا' یہ واقعہ ۴ شوال ۲۴۷ھ کو وقوع پذیر ہوا۔

خلیفہ متوکل چالیس سال کی عمر میں چودہ برس دس مہینے تین دن خلافت کر کے مقتول ہوا۔

متوکل کے بعض ضروری حالات واخلاق

متوکل علی اللہ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی اپنا میلان احیاء سنت کی طرف ظاہر کیا' ۲۳۴ھ میں تمام محدثین کو دارالخلافہ سامرہ میں مدعو کیا اور بے حد تعظیم و تکریم سے پیش آیا' اس سے پیشتر واثق و معتصم کے عہد میں محدثین علانیہ درس نہیں دے سکتے اور رویت الٰہی کے متعلق حدیثیں نہیں بیان کر سکتے تھے' متوکل نے حکم دیا کہ محدثین مساجد میں آزادانہ حدیث کا درس دیں اور صفات باری تعالیٰ اور رویت باری تعالیٰ کے متعلق احادیث بیان کریں' متوکل کے اس طرز عمل سے مسلمان متوکل سے بہت ہی خوش ہوئے اور مساجد میں درس حدیث جاری ہوئے' متوکل نے قبر پرستی کو مٹایا' اس لیے شیعہ اس کے دشمن ہو گئے کیونکہ سیدنا حسین علیہ السلام کی قبر پر جو شرکیہ مراسم لوگوں نے شروع کر دیئے تھے ان کو اس نے موقوف کرا دیا تھا۔

۲۴۰ھ میں اہل خلاط نے ایک ایسی آواز تند آسمان سے سنی کہ بہت سے آدمی اس کے صدمہ

سے مر گئے' عراق میں بیضہ مرغ کے برابر اولے پڑے اور مغرب میں تیرہ گاؤں زمین میں دھنس گئے'
۲۴۲ھ میں شمالی افریقہ' خراسان' طبرستان' اصفحان میں سخت زلزلہ آیا' اکثر پہاڑ پھٹ گئے' اکثر آدمی زمین میں سما گئے' مصر کے گاؤں میں پانچ پانچ سیر وزنی پتھر برسے' حلب میں ماہ رمضان ۲۴۳ھ لوگوں نے ایک پرندے کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو' پھر اللہ اللہ چالیس مرتبہ کہا اور اڑ گیا[1] دوسرے روز بھی ایسا ہی ہوا' اس کی اطلاع حلب والوں نے دارالخلافہ میں کی اور پانچ سو آدمیوں نے اس کی شہادت دی' ۲۴۵ھ میں تمام دینا میں سخت زلزلے آئے' بہت سے شہر و قلعے مسمار ہو گئے' انطاکیہ میں ایک پہاڑ سمندر میں گر پڑا' مکہ معظمہ کے چشموں کا پانی غائب ہو گیا' متوکل نے عرفات سے پانی لانے کے لیے ایک لاکھ دینار دیئے' آسمان سے ہولناک آوازیں سنائی دیں۔

متوکل نہایت سخی تھا شعراء کو اس نے اس قدر انعام دیا کہ اب تک کسی خلیفہ نے نہ دیا تھا' اسی کے زمانہ میں سیدنا ذوالنون مصری[2] نے احوال و مقامات اہل ولایت کو ظاہر کیا تو عبداللہ بن عبدالحکیم شاگرد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے انکار کیا اور ذوالنون مصری کو اس لیے زندیق کہا کہ انہوں نے وہ علم ایجاد کیا جو سلف صالحین نے نہ کیا تھا' حاکم مصر نے ذوالنون مصری کو طلب کر کے ان کے عقائد دریافت کیے تو وہ مطمئن ہو گیا اور متوکل کو ان کا حال لکھ بھیجا' متوکل نے ذوالنون کو دارالخلافہ میں طلب کیا اور ان کی باتیں سن کر بہت خوش ہوا اور بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا۔

متوکل کے مقتول ہونے کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے کیسا برتاؤ کیا' متوکل نے جواب دیا کہ میں نے جو تھوڑا سا احیاء سنت کیا ہے اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا' ابن عساکر کا قول ہے کہ متوکل نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک شکر پارہ گرا ہے اس پر لکھا ہے کہ ''جعفر المتوکل علی اللہ'' جب وہ تخت نشین ہوا تو لوگوں نے اس کے لیے خطاب سوچا کسی نے منتصر تجویز کیا کسی نے اور کچھ لیکن جب متوکل نے علماء کو اپنا خواب بیان کیا تو سب نے متوکل علی اللہ ہی خطاب پسند کیا۔

ایک مرتبہ متوکل نے علماء کو اپنے یہاں طلب کیا جن میں احمد بن معدل بھی تھے' جب سب علماء آ کر جمع ہو گئے تو اس جگہ متوکل بھی آیا' متوکل کو آتا دیکھ کر سب علماء تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے مگر ایک احمد بن معدل بدستور بیٹھے رہے اور کھڑے نہیں ہوئے' متوکل نے اپنے وزیر عبیداللہ سے دریافت کیا کہ کیا اس شخص نے بیعت نہیں کی ہے' عبیداللہ نے کہا کہ بیعت تو کی ہے مگر ان کو کم نظر آتا

1. سنداً یہ واقعہ درست اور ثابت نہیں۔
2. ذوالنون مصری کا شمار مشہور ''صوفیاء'' میں ہوتا ہے۔

ہے' احمد بن معدل نے فوراً کہا کہ میری آنکھوں میں کوئی نقصان نہیں ہے مگر میں آپ کو عذاب الٰہی سے بچانا چاہتا ہوں' کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص لوگوں سے یہ امید رکھے کہ وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے[1] متوکل یہ سن کر احمد بن معدل کی برابر آ بیٹھا۔

یزید مہلبی کہتے ہیں کہ ایک روز مجھ سے متوکل نے کہا کہ خلفاء رعایا پر محض اپنا رعب قائم کرنے کے لیے سختی کرتے تھے مگر میں رعایا کے ساتھ اس لیے نرمی کا برتاؤ کرتا ہوں کہ وہ بہ کشادہ پیشانی میری خلافت کو قبول کر کے میری اطاعت کریں' عمرو بن شیبان کہتے ہیں کہ میں نے متوکل کے مقتول ہونے سے دو مہینے کے بعد متوکل کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا' متوکل نے کہا کہ میں نے احیاء سنت کی جو خدمت انجام دی تھی اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بخش دیا' پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے قاتلوں کے ساتھ کیا ہوگا' متوکل نے کہا کہ میں اپنے بیٹے محمد (منتصر) کا انتظار کر رہا ہوں جب وہ یہاں پہنچے گا تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے فریادی ہوں گا' خلیفہ متوکل علی اللہ شافعی تھا اور یہ سب سے پہلا خلیفہ تھا جس نے شافعی مذہب اختیار کیا تھا۔

منتصر باللہ

منتصر باللہ بن متوکل علی اللہ بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید کا اصل نام محمد اور کنیت ابو جعفر یا ابو اعبداللہ تھی' ۲۲۳ھ میں بمقام سامرہ رومیہ حبشیہ نامی ام ولد کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اپنے باپ متوکل کو قتل کرا کر ۴ شوال ۲۴۷ھ کو تخت خلافت پر متمکن ہوا' اپنے دونوں بھائیوں معتز اور مؤید کو جو اس کے باپ متوکل کے ولی عہد مقرر کیے ہوئے تھے ولی عہدی سے معزول کیا۔

ترک دربار خلافت پر قابو پائے ہوئے تھے اور روز بروز ان کی طاقت ترقی پر تھی منتصر کو ترکوں ہی نے تخت خلافت پر بٹھایا تھا اس لیے وہ اور بھی زیادہ آزادی سے سب پر مستولی ہو گئے تھے' منتصر یہ دیکھ کر کہ ترکوں کی طاقت حد سے زیادہ بڑھتی جاتی ہے اور یہی کسی دن میرے لیے موجب اذیت ہوں گے ان کی طاقت اور اقتدار کے مٹانے پر مستعد ہو گیا۔

اس نے اپنی شش ماہ خلافت کے مختصر زمانہ میں شیعوں پر بہت احسانات کیے' سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر پر لوگوں کو زیارت کے لیے جانے کی اجازت دے دی اور علویوں کو ہر قسم کی آزادی عطا کر دی'

---

[1] ترمذی' ابوداود بہ حوالہ مشکوۃ المصابیح المحقق الالبانی رحمہ اللہ' کتاب الاداب' حدیث ۴۶۹۹۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی موجود ہے۔

اس نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی احمد بن خصیب کو خلعت وزارت عطا کیا اور بغا کبیر کو سپہ سالار اعظم بنایا' بغا کبیر اور دوسرے ترکوں کی ترغیب ہی سے اس نے اپنے بھائیوں کو ولی عہدی سے معزول کیا تھا' ترکوں کی استعلا کو دیکھ کر جب ان کا زور کم کرنے کی طرف متوجہ ہوا تو ترک اس لیے کہ خلیفہ منتصر عقل مند بھی تھا اور بہادر بھی اس سے خائف ہوئے اور سمجھے کہ وہ اپنے ارادے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا' لہٰذا انہوں نے اس کے طبیب ابن طیفور کو تیس ہزار دینار رشوت دی کہ زہر آلود نشتر سے اس کی فصد کھولے' چنانچہ مسموم نشتر سے اس کی فصد طبیب مذکور نے کسی بیماری کا علاج کرتے ہوئے کھول دی۔

۵ ربیع الآخر ۲۴۸ھ کو چھ مہینے سے بھی کم خلافت کر کے فوت ہوا' مرتے وقت کہتا تھا کہ اے میری ماں مجھ سے دین و دنیا دونوں جاتے رہے' میں اپنے باپ کی موت کا باعث ہوا ہوں اور اب میں اس کے پیچھے جاتا ہوں' خاندان کسریٰ میں ایک شخص شیرویہ نامی نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا وہ بھی چھ مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہا تھا۔

مستعین باللہ

مستعین باللہ بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید کا اصل نام احمد اور کنیت ابو العباس تھی' خوب صورت گورے رنگ کا آدمی تھا' چہرے پر چیچک کے داغ اور توتلا تھا' مخارق نامی ام ولد کے پیٹ سے ۲۲۱ھ میں پیدا ہوا تھا' جب منتصر فوت ہو گیا تو ارکان سلطنت جمع ہوئے کہ اب کس کو خلیفہ بنایا جائے' اولاد متوکل میں معتز اور موید موجود تھے لیکن ترک ان کی جانب سے اندیشہ مند تھے اور ترکوں ہی نے ان کو ولی عہدی سے معزول بھی کرایا تھا' لہٰذا معتصم باللہ کے بیٹے احمد کو تخت پر بٹھایا گیا اور مستعین باللہ اس کا خطاب تجویز ہوا۔ مستعین باللہ نہایت نیک فاضل ادیب اور فصیح و بلیغ شخص تھا' ۶ ربیع الآخر ۲۴۸ھ کو تخت نشین ہوا۔

جب مستعین باللہ کو تخت نشین کرنے کے لیے قصر خلافت کی طرف چلے تو محمد بن عبداللہ بن طاہر اور اس کے ہمراہ اور عام لوگوں نے شور و غوغا مچا کر خروج کیا اور معتز کی خلافت کا مطالبہ پیش کیا' آخر ترکوں نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا۔

لڑائی میں بہت سے غوغائی مارے گئے' بہت سے ہزیمت خوردہ اپنی جان بچا کر لے گئے' ادھر لڑائی ہو رہی تھی' ادھر ترک مستعین باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے' ہنگامہ فرو ہوا اور انعام اور عہدے تقسیم ہونے لگے' محمد بن عبداللہ بن طاہر کے پاس بیعت کے لیے پیغام بھیجا گیا اس نے بھی آ

کر بیعت کر لی' تکمیل بیعت کے بعد خبر پہنچی کہ طاہر بن عبداللہ بن طاہر گورنر خراسان کا انتقال ہو گیا' خلیفہ مستعین باللہ نے محمد بن طاہر بن عبداللہ کو گورنر خراسان مقرر کیا۔

اسی عرصہ میں حسین بن طاہر بن حسین کا بھی انتقال ہو گیا جو خراسان کے مشرقی حصہ کا حکمران تھا' اس کی جگہ محمد بن عبداللہ بن طاہر کو مامور کیا' اس کے چچا طلحہ کو نیشا پور کی اور اس کے بیٹے منصور کو سرخس اور خوارزم کی حکومت سپرد کی' حسن بن عبداللہ کو ہرات کی حکومت عطا کی اور اس کے چچا سلیمان بن عبداللہ کو طبرستان کی اور اس کے چچازاد بھائی عباس کو جرجان و طالقان کی حکومت پر روانہ کیا۔

۲۴۸ھ میں عبداللہ بن یحییٰ بن خاقان نے ادائے حج کی اجازت چاہی' خلیفہ نے اجازت مرحمت فرمائی' مگر اس کے روانہ ہونے کے بعد ہی ایک سردار کو عبداللہ بن یحییٰ کے گرفتار و جلاوطن کرنے پر مامور کیا' جس نے اس کو گرفتار کر کے رقہ میں جلاوطن کر دیا' انہیں ایام میں ترکوں نے معتز و موید کے قتل کرنے کا ارادہ کیا' احمد بن خصیب نے ان کو اس فعل ناروا سے منع کیا' خلیفہ مستعین نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی ترکوں کے ایک سردار تامش نامی کو وزارت کا عہدہ عطا کیا تھا اور احمد بن خصیب کو نائب وزیر بنایا تھا' معتز اور موید کو خلیفہ مستعین نے مقام جوسق میں نظر بند کر دیا' چند روز کے بعد احمد بن خصیب کو بھی معزول کر کے نظر بند کر دیا تامش کو وزارت کے علاوہ مصر و مغرب کی حکومت و نیابت بھی سپرد کی' بغا صغیر کو حلوان و ماسبذان کی سند حکومت دی' اشناس کو سپہ سالاری اور عمال سلطنت کی ذمہ داری کا کام سپرد ہوا' غرض تمام بڑے بڑے عہدے ترکوں کو دیئے گئے۔

۲۴۹ھ میں رومیوں نے ممالک اسلامیہ پر حملہ کیا' رومیوں کے مقابلہ میں عمر ابن عبداللہ اور علی بن یحییٰ دو مشہور سردار مع بہت سے مسلمانوں کے شہید ہوئے' ان دونوں سرداروں کی شہادت کا حال سن کر بغداد میں لوگوں کو سخت ملال و افسوس ہوا اور ترکوں کی نسبت شکایات زبانوں پر آنے لگیں' کہ انہوں نے طاقت پا کر خلفاء کو قتل اور شرفاء کو ذلیل کرنے کا تو کام کیا لیکن کفار کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی طرف سے غفلت برتی' اسی لیے دو خادم اسلام سردار شہید ہو گئے اور رومیوں کی جرأت مسلمانوں کے مقابلہ میں بڑھ گئی۔

اس قسم کی باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد میں ایک قسم کی شورش سی برپا ہو گئی اور لوگوں نے جہاد کے لیے تیاریاں شروع کر دیں' اطراف و جوانب سے بھی مسلمان بعزم جہاد آ آ کر شریک ہونے لگے' مسلمان امراء نے روپیہ بھی جمع کر دیا' ایک جم غفیر بغداد سے بغرض جہاد نکل کھڑا ہوا' مستعین اور اس کے اراکین دولت سامرا میں خاموش بیٹھے رہے اور کوئی دخل نہیں دیا' آخر مسلمانوں نے سامرہ پہنچ کر بھی اس قسم کی شورش برپا کر دی اور جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو آزاد کر دیا' اس کے بعد ترکی سردار بغا'

وصیف اور اتامش ترکی فوج لے کران مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے' عوام الناس کا ایک گروہ کثیر مقتول ہوااور جوش وخروش فروہو گیا۔

اتامش چونکہ زیادہ قابو یافتہ اور خزانہ شاہی میں تصرف کرنے کا بھی اختیار رکھتا تھا لہٰذا بغا اور وصیف اس سے رقابت رکھتے تھے۔انہوں نے اتامش کے بعد عبداللہ بن محمد بن علی کو عہدہ وزارت عطا کیا' چند روز کے بعد بغا صغیر اور ابو صالح عبداللہ بن علی وزیر میں ناراضی پیدا ہوئی۔ابو صالح عبداللہ بغا صغیر کے خوف سے سامرہ چھوڑ کر بغداد بھاگ گیا اور خلیفہ مستعین نے محمد بن فضل جرجانی کو وزیر بنایا' غرض خلیفہ مستعین بالکل ترکوں کے ہاتھ میں تھا' سامرہ میں سب ترک ہی آباد تھے اس لیے ترکوں کے قبضہ سے نکلنے کی کوئی کوشش بھی خلیفہ نہیں کرسکتا تھا۔

انہیں حالات میں یحییٰ بن حسین بن زید شہید نے جن کی کنیت ابوالحسین تھی کوفہ میں خروج کیا' کوفہ میں محمد بن عبداللہ بن طاہر کی جانب سے ایوب بن حسین بن موسیٰ بن سلیمان بن علی والی کوفہ تھا' ابوالحسین نے ایوب کو کوفہ سے نکال دیا اور شاہی بیت المال لوٹ لیا اور کوفہ پر قابض ومتصرف ہو گئے۔

ابوالحسین نے کوفہ سے واسط کی طرف کوچ کیا' محمد بن عبداللہ بن طاہر نے حسین بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسین بن مصعب کو روانہ کیا' راستہ میں لڑائی ہوئی' ابوالحسین حسین بن اسماعیل کو شکست دے کر کوفہ میں واپس آ گئے' اور اہل بغداد بھی ان کی امداد پر آمادہ ہو گئے' حسین بن اسماعیل اپنا لشکر مرتب کر کے دوبارہ ابوالحسین یحییٰ بن عمر پر حملہ آور ہوا' کوفہ سے نکل کر یحییٰ نے مقابلہ کیا' سخت لڑائی کے بعد ابوالحسین یحییٰ بن عمر مارے گئے' ان کا سر کاٹ کر سامرہ میں خلیفہ مستعین کے پاس بھیجا گیا جس کو مستعین نے ایک صندوق میں بند کرا کر اسلحہ خانہ میں رکھوا دیا' ابوالحسن یحییٰ ۱۵ رجب ۲۵۰ھ کو مقتول ہوئے۔

ابوالحسین پر فتح یاب ہونے کے صلہ میں خلیفہ مستعین نے محمد بن عبداللہ بن طاہر کو طبرستان میں جاگیریں عطا فرمائیں جن میں ایک جاگیر حدود دیلم کے قریب تھی۔اس جاگیر پر قبضہ کرنے کے لیے جب محمد بن عبداللہ کا عامل گیا تو رستم نامی ایک شخص نے مخالفت کی' آخر دیلم والے اس مخالفت میں رستم اور اس کے دونوں بیٹوں محمد وجعفر کے طرف دار ہو گئے۔

طبرستان میں اس زمانہ میں محمد بن ابراہیم علوی موجود تھے۔محمد وجعفر دونوں بھائیوں نے ان کے پاس آ کر کہا کہ آپ امارت کا دعویٰ کیجئے۔ہم آپ کے حامی ہوں گے۔انہوں نے کہا کہ تم رے میں جا کر حسن بن زید بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن بن زید بن حسن سبط کی خدمت میں یہ درخواست پیش

کر دو وہ ہمارے سردار اور مقتدا ہیں۔ محمد و جعفر نے اپنے باپ رستم سے آ کر کہا' اس نے ایک آدمی رے بھیجا وہاں سے حسن بن زید طبرستان چلے آئے' یہاں دیلم' دربان وغیرہ سے لوگ آ آ کر بیعت ہونے شروع ہوئے' ایک جم غفیر فراہم ہو گیا اور حسن بن زید نے علاقہ طبرستان پر قبضہ کر لیا' اس کے بعد رے بھی قبضہ میں آ گیا۔

یہ خبر سن کر مستعین نے ہمدان کے بچانے کو ایک لشکر بھیجا جس کو شکست ہوئی اس کے بعد موسیٰ بن بغا کبیر کو دارالخلافہ سے معہ فوج روانہ کیا گیا۔ اس نے طبرستان کو تو حسن بن زید کے قبضہ سے نکال لیا' ویلم پر حسن بن زید کا قبضہ رہا' موسیٰ وہاں سے رے کی طرف واپس چلا آیا۔

انہیں ایام میں خلیفہ مستعین نے دلیل بن یعقوب نصرانی کو اپنا وزیر بنایا' چند روز کے بعد باغر نامی ایک ترک کو دلیل نصرانی وزیر سے کوئی شکایت پیدا ہوئی' اس معاملہ میں بغا صغیر اور وصیف نے باغر کو مجرم بتایا' خلیفہ نے اس کو قید کر دیا' ترکوں نے شورش برپا کی' ترکوں کی اس شورش کو دیکھ کر بغا صغیر نے باغر کو قتل کرا دیا' اس سے بجائے فرو ہونے کے شورش اور بھی ترقی کر گئی' تمام سامرا باغی ہو گیا اور ہر طرف سے بلوائیوں کے جھنڈے نظر آنے لگے' مجبوراً خلیفہ مستعین' بغا وصیف' شاہک اور احمد بن صالح بن شیرزاد سامرا سے نکل کر بغداد چلے آئے اور محرم ۲۵۱ھ میں بغداد کے اندر محمد بن عبداللہ بن طاہر کے مکان میں فروکش ہوئے' خلیفہ کے آنے کے بعد دفتر کے آدمی بھی وفاتر لے کر بغداد ہی آ گئے۔

خلیفہ کے بغداد چلے جانے کے بعد ترکوں کو پشیمانی ہوئی اور سامرا سے چھ ترک سردار بغداد میں خلیفہ کے پاس آ کر ملتجی ہوئے کہ آپ سامرا ہی تشریف لے چلیں' ہم سب اپنی حرکات ناشائستہ سے پشیمان اور معافی کے خواہاں ہیں۔

خلیفہ مستعین نے ترکوں کو ان کی بے وفائیاں اور گستاخیاں یاد دلائیں اور سامرہ جانے سے انکار کیا' ترکوں نے سامرہ واپس جا کر معتز بن متوکل کو جیل سے نکالا اور اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی' ابواحمد بن ہارون الرشید بھی اس زمانہ میں سامرہ میں موجود تھا' ابواحمد سے جب بیعت کے لیے کہا گیا تو اس نے کہا کہ میں چونکہ مستعین کے ہاتھ پر بیعت کر چکا ہوں اور معتز اپنی معزولی ولی عہدی سے خود تسلیم کر چکا تھا لہٰذا میں بیعت نہیں کروں گا۔

معتز نے ابواحمد کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور زیادہ اصرار نہیں کیا' بغا کبیر کے دونوں بیٹوں موسیٰ و عبداللہ نے بھی معتز کی بیعت کر لی' اسی طرح جو لوگ معتز کی خلافت کو پسند کرتے تھے وہ معتز کے پاس سامرا چلے گئے' جو مستعین کو پسند کرتے تھے وہ سامرا سے بغداد چلے آئے۔

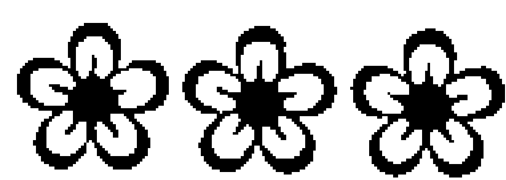
یہی حال صوبوں کے عاملوں اور گورنروں کی ہوا' کچھ اس طرف ہو گئے کچھ اس طرف' بغداد و سامرہ دونوں جگہ دو الگ الگ خلیفہ تھے' مستعین کی طرف خاندان طاہریہ اور خراسانی لوگ زیادہ تھے معتز کی جانب قریباً تمام ترک اور بعض دوسرے سردار بھی تھے' گیارہ مہینے تک جنگ و پیکار کا ہنگامہ دونوں خلیفوں میں برپا رہا۔ باہر کے صوبہ داروں سے دونوں خط و کتابت کرتے اور اپنی اپنی طرف مائل کرتے تھے' یہ جنگ سامرا و بغداد تک ہی محدود نہ رہی' بلکہ باہر کے صوبوں میں بھی اس کے شعلے مشتعل ہونے لگے' مگر زیادہ زور بغداد کے نواح میں رہا کیونکہ باہر والے دارالسلطنت کے نتائج کا انتظار کرتے تھے۔

آخر ماہ ذیقعدہ ۲۵۱ھ میں محمد بن عبداللہ بن طاہر نے جو بغداد میں مستعین کی فوجوں کا سپہ سالار تھا ترکوں پر جو بغداد کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ایسا سخت و شدید حملہ کیا کہ وہ ہزیمت پا کر فرار ہو گئے' بغا اور وصیف بغداد میں مستعین کے ساتھ تھے' اس حملہ میں یہ بھی محمد بن عبداللہ بن طاہر کے ساتھ اپنے چھوٹے چھوٹے دستوں کو لیے ہوئے موجود تھے' یعنی ترکوں کی بہت ہی قلیل تعداد' جو ان دونوں ترک سرداروں کے مخصوص آدمیوں پر مشتمل تھی' مستعین کی فوج میں شامل تھی۔

بغا اور وصیف نے جب ترکوں کو شکست پا کر خراسانیوں اور عراقیوں کے مقابلے سے بھاگتا ہوا دیکھا تو ان کی قومی عصبیت میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ فوراً جدا ہو کر ترکوں کی منہزم فوج سے جا ملے' ان کے پہنچنے سے ترکوں کی ہمت بندھ گئی اور وہ اپنی جمعیت کو درست کر کے پھر لوٹ پڑے اور دوبارہ بغداد کا محاصرہ کر لیا۔

ادھر شہر والوں نے محمد بن عبداللہ بن طاہر کے متعلق خبریں اڑانی شروع کر دیں کہ یہ دیدہ و دانستہ خلیفہ مستعین کو مشکلات میں مبتلا کر رہا ہے' جس سے محمد بن عبداللہ بھی کچھ سست ہو گیا۔

آخر ۶ محرم ۲۵۲ھ کو مستعین باللہ نے معتز باللہ کے پاس ایک تحریر بھیج دی' جس میں معتز باللہ کی خلافت کو تسلیم کر کے خود خلافت سے دست برداری ظاہر کی تھی' خلیفہ معتز نے بغداد میں داخل ہو کر معزول خلیفہ مستعین کو واسط کی طرف نظر بند کر کے بھیج دیا' وہاں مستعین نو مہینے تک ایک امیر کی حراست میں رہا' پھر سامرہ میں واپس چلا آیا اور ۳ شوال ۲۵۲ھ کو خلیفہ معتز کے اشارے سے قتل کیا گیا۔[1]



[1] یہ تھا ان خلفاء کا حال! کہ ایک طرف مستعین باللہ خود خلافت سے دست بردار ہو گیا اور دوسری طرف نئے خلیفہ معتز باللہ نے اسے قتل کرا دیا۔ حالانکہ اسے معاف کر دینا چاہیے تھا۔

معتز باللہ

معتز باللہ بن متوکل علی اللہ بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید ۲۳۲ھ میں بمقام سامرہ ایک رومیہ ام ولد فتحیہ نامی کے بطن سے پیدا ہوا' محرم ۲۵۱ھ سامرہ میں خلیفہ بنایا گیا' ایک سال مستعین باللہ سے جنگ آزمارہ کر مستعین کو خلع خلافت پر مجبور کرنے میں کامیاب ہوا۔ نہایت خوب صورت شخص تھا' جس سال یہ تخت نشین ہوا اسی سال اشناس ترکی مرا تھا' اس نے پچاس ہزار دینار چھوڑے تھے جو معتز نے ضبط کر کے اپنا کاروبار چلایا' معتز جب تخت خلافت پر بیٹھا ہے تو اس کی عمر انیس سال کی تھی' اس نے احمد بن اسرائیل کو وزیر بنایا' محمد بن عبداللہ بن طاہر کو بدستور بغداد کی پولیس پر مامور رکھا' محمد بن عبداللہ بن طاہر خراسان کا گورنر تھا' مگر خراسان میں اس کا نائب رہتا تھا اور وہ خود بغداد میں مقیم تھا' معتز کو ترکوں ہی نے تخت خلافت پر بیٹھایا تھا' وہ بالکل ترکوں سے دبا ہوا تھا۔

بغداد میں جو لشکر رہتا تھا اس میں خراسانی اور عراقی لوگ تھے' اس لشکر کو وظیفے اور تنخواہیں محمد بن عبداللہ تقسیم کیا کرتا تھا۔ معتز نے اس تمام لشکر کو تنخواہیں اور وظیفے دینے بند کر دئے۔ ماہ رجب ۲۵۲ھ میں خلیفہ معتز نے اپنے بھائی موید کو ولی عہدی سے معزول کر دیا اور جیل خانے بھجوا کر قتل کرا دیا۔ رمضان ۲۵۲ھ میں لشکر بغداد نے تنخواہ و وظائف نہ ملنے کے سبب بغاوت کی اور محمد بن عبداللہ بن طاہر کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے' بڑی مشکل سے یہ فساد محمد بن عبداللہ نے فرو کیا۔

اسی سال فوج کے ترکوں اور عربوں میں فساد ہوا۔ طرفین سے خوب خانہ جنگی برپا رہی' عربوں کا ساتھ اہل بغداد نے دیا۔ مگر ترکوں نے آخر دھوکے سے عربوں اور ان کے سرداروں کو قتل و جلاوطن کیا۔

اسی سال خلیفہ معتز نے حسین بن ابی شوارب کو قاضی القضات کا عہدہ عطا کیا' چونکہ رعب خلافت اب اٹھ چکا تھا' اس لیے جابجا صوبہ داروں نے اپنے آپ کو خود مختار سمجھنا شروع کر دیا اور خارجیوں اور علویوں نے خروج شروع کر دیے۔ مساور بن عبداللہ بن مساور بجلی خارجی نے ولایت موصل پر قبضہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا' اور جو سردار خلیفہ کی طرف سے اس کے مقابلہ کو گیا شکست دے کر بھگا دیا۔

۲۵۳ھ میں ترکوں نے وصیف و بغا اور سیما طویل اپنے سپہ سالاروں سے کہا کہ ہم کو چار چار مہینے کی پیشگی تنخواہیں دلوا دو' انہوں نے کہا کہ خزانہ خالی پڑا ہے تم کو تنخواہیں کہاں سے دی جائیں' ترکوں نے شورش برپا کی' ان سرداروں نے خلیفہ معتز سے عرض کیا' معتز خود مجبور تھا کیا کر سکتا تھا' ترکوں نے

وصیف کو پکڑ کر قتل دیا۔
چندروز کے بعد بابکیال اور بغا صیغر میں رقابت پیدا ہوگئی' خلیفہ معتز بابکیال کے حال پر زیادہ مہربان رہنے لگا' بغا نے خلیفہ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا' اس ارادہ کی اطلاع معتز کو ہوگئی اور بابکیال کے آدمیوں نے بغا صغیر کو قتل کردیا۔

محمد بن عبداللہ بن طاہر کی وفات

محمد بن عبداللہ بن طاہر گورنر خراسان نے ۲۵۳ھ میں بغداد کے اندر وفات پائی' محمد بن عبداللہ نے مرنے سے پیشتر اپنی قائم مقامی اور گورنری خراسان کے لیے اپنے بیٹے عبیداللہ کی نسبت وصیت کی تھی' مگر عبیداللہ کے دوسرے بھائی طاہر بن محمد بن عبداللہ بن طاہر نے بھائی کی مخالفت کی۔ محمد بن عبداللہ کی نماز جنازہ پڑھانے پر ہی آپس میں لڑ پڑے' آخر وصیت کے موافق عبیداللہ ہی باپ کا قائم مقام تسلیم کیا گیا' لیکن خلیفہ معتز نے پھر سلیمان بن عبداللہ بن طاہر کو محمد بن عبداللہ بن طاہر کا قائم مقام بنایا اور [illegible] نے بغداد میں قیام کر کے مہمات متعلقہ کو انجام دینا شروع کیا۔

احمد بن طولون

ترکی سرداروں میں بابکیال نامی سردار بھی بغا' وصیف اور سیما طویل کی طرح ایک سربرآوردہ اور نامی سردار تھا' اسی سال یعنی ۲۵۳ھ میں خلیفہ معتز باللہ نے بابکیال کو مصر کی سند گورنری عطا کی' بابکیال نے اپنی طرف سے احمد بن طولون کو بطور نائب حکومت مصر پر مقرر کر کے بھیجا۔
طولون ایک ترک تھا جو لڑکپن میں فرغانہ کی لڑائی میں گرفتار ہو کر آیا تھا' اس نے خاندان خلافت میں پرورش پائی تھی اور غلامان شاہی میں شامل تھا' اس کے بیٹے احمد نے بھی دارالخلافہ میں پرورش پا کر امور سلطنت سے واقفیت حاصل کی تھی' بابکیال کو جب مصر کی سند گورنری ملی تو اس کو یہ فکر ہوئی کہ اپنی طرف سے کس کو مصر کی حکومت پر مامور کر کے بھیجوں' اس کے مشیروں نے احمد بن طولون کا نام لیا' چنانچہ اس نے احمد بن طولون کو مصر بھیج دیا' اور احمد نے مصر پر قبضہ کر کے وہاں کا انتظام کیا' جب معتز کے بعد خلیفہ مہتدی نے بابکیال کو قتل کر کے یارکوج ترکی کو مصر کی گورنری عطا کی تو یارکوج نے بھی اپنی طرف سے احمد بن طولون ہی کو مصر کی حکومت پر مامور رکھا۔
اس طرح احمد بن طولون حکومت مصر پر خوب مضبوطی سے قائم ہوگیا اور پھر اس کی اولاد دور اشتا مصر پر قائم رہی اور اپنا سکہ مصر میں چلایا' غرض ۲۵۳ھ سے مصر کو بھی خلافت عباسیہ سے خارج ہی سمجھنا چاہیے' یا کم از کم یہ سمجھنا چاہیے کہ ۲۵۳ھ سے مصر میں حکومت طولونیہ کی ابتدا ہوئی۔

یعقوب بن لیث صفار

یعقوب بن لیث اور اس کا بھائی عمرو بن لیث دونوں سجستان میں تانبے اور پیتل کے برتنوں کی دوکانیں کرتے تھے' چونکہ اس زمانہ میں خلافت کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے جا بجا بغاوتیں اور سرکشیاں نمودار ہو رہی تھیں' اس لیے خوارج نے بھی خروج شروع کیا' ان کے مقابلہ میں اہل بیت یعنی علویوں کے طرف دار بھی نکل کھڑے ہوئے' انہیں میں ایک شخص صالح بن نظر کنعانی بھی ہوا جو خواہی اہل بیت کا دعویٰ کر کے خروج پر آمادہ ہوا' اس کے گرد امراء و رؤسا وغیرہ عوام الناس کا ایک گروہ جمع ہو گیا' یعقوب بن لیث بھی اسی گروہ میں شامل ہو گیا۔

صالح نے لڑ بھڑ کر سجستان پر قبضہ کر لیا اور خاندان طاہریہ کے ارکان کو وہاں سے نکال دیا' اس کامیابی کے بعد ہی صالح کا انتقال ہو گیا' اس کے بعد درہم بن حسن ایک شخص صالح کا جانشین و قائم مقام ہوا' مگر گورنر خراسان نے اس کو کسی حیلہ سے گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا' صالح کی جماعت نے یعقوب بن لیث کو اپنا امیر بنا لیا' یعقوب نے نہایت ہوشیاری اور شجاعت سے کام لے کر سجستان پر اپنا قبضہ مکمل کیا اور محمد بن عبداللہ بن طاہر کے عامل محمد بن اوس ابناری کو جو ہرات کی حکومت پر متعین تھا' نکال دیا اور ہرات پر قبضہ کر کے خراسان کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا۔

اسی اثناء میں فارس کے گورنر علی بن حسین بن شبل نے کرمان پر قبضہ کرنا چاہا' ادھر سے یعقوب بن لیث نے بھی کرماں کو اپنے تصرف میں لانا چاہا' علی بن حسین کے سپہ سالاروں کو یعقوب بن لیث نے شکست دے کر بھگا دیا' اور آخر فارس کے دارالسلطنت شیراز پر حملہ آور ہو کر ۲۵۵ھ میں شیراز پر بھی قبضہ کر لیا' اس کے بعد فوراً سجستان کی طرف واپس چلا گیا اور دربار خلافت میں ایک درخواست اس مضمون کی بھیج دی کہ اس علاقہ میں بڑی بدامنی پھیل رہی تھی' یہاں کے لوگوں نے مجھ کو اپنا امیر بنا لیا ہے' میں امیر المومنین کا فرمانبردار ہوں۔ اس کے بعد خاندان طاہریہ سے یعقوب لیث نے بتدریج تمام خراسان کو خالی کرا لیا اور قابض و متصرف ہو کر اپنی مستقل حکومت قائم کی۔

طاہر بن حسین کی اولاد نے خراسان پر اب تک مسلسل حکومت کی تھی' اس لیے خراسان کے مستقل اسلامی سلطنتوں کے سلسلہ میں سب سے پہلے خاندانِ طاہریہ کا نام لیا جاتا ہے' مگر حقیقت یہ ہے کہ خاندان طاہریہ کا تعلق برابر دربار خلافت سے رہا اور اس خاندان کا کوئی نہ کوئی شخص بغداد کا افسر پولیس بھی ضرور رہا۔ خلفاء عباسیہ میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ خاندان طاہریہ کی حکومت سے خراسان کو نکال لے' مگر طاہریہ خاندان ہمیشہ اپنے آپ کو خلفاء عباسیہ کا نوکر اور محکوم سمجھتا' اور خلفاء

عباسیہ سے سند گورنری حاصل کرتا اور خراج مقررہ بھی برابر بھیجتا رہا' لیکن یعقوب بن لیث نے جو حکومت قائم کی یہ اپنی نوعیت میں طاہریہ سلطنت سے جداگانہ اور خودمختارانہ تھی' جو دولت صفاریہ کے نام سے مشہور ہے' اس کے تفصیلی حالات آئندہ اپنے مقام پر بیان ہوں گے۔ان شاءاللہ

معتز باللہ کی معزولی اور موت

خلیفہ معتز ترک سرداروں کے قبضہ میں تھا' وہ جو چاہتے کرتے تھے' خزانہ بالکل خالی ہو گیا تھا' بڑے بڑے سرداروں نے خزانہ پر خود تصرف کر لیا تھا' فوج کے آدمی خلیفہ سے اپنے وظائف کا تقاضہ کرتے تھے' خلیفہ سخت مجبور تھا' آخر ایک روز ترکوں نے جمع ہو کر امیرالمومنین کے دروازے پر جا کر شور وغل مچایا اور کہا کہ ہم کو کچھ دلوایئے' ورنہ ہم صالح بن وصیف کو جو آج کل آپ پر قبضہ کیے ہوئے ہے قتل کر ڈالیں گے۔

صالح بن وصیف ایک ترک سردار تھا' خلیفہ اس سے بہت ہی ڈرتا تھا' اس شورش کو دیکھ کر معتز اپنی ماں فتحیہ رومی کے پاس گیا کہ کچھ مال ہو تو اس ہنگامہ کو فرو کر دوں' فتحیہ کے قبضہ میں بہت سا مال تھا' مگر اس نے دینے سے انکار اور ناداری کا عذر کیا' ترکوں نے صالح بن وصیف اور محمد بن بغا صغیر اور باکیال کو اپنا شریک بنا لیا اور ان سرداروں کی معیت میں مسلح ہو کر قصر خلافت کے دروازے پر آئے اور معتز کو بلایا' خلیفہ معتز نے کہلا بھیجا کہ میں نے دوا پی ہے' بیمار اور بہت کمزور ہوں' باہر نہیں آ سکتا' یہ سن کر ترک قصر خلافت میں زبردستی گھس گئے اور خلیفہ معتز کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لائے۔اس کو مارا' گالیاں دیں اور صحن مکان میں برہنہ سر دھوپ میں کھڑا کر دیا' پھر ہر ایک شخص جو گذرتا تھا اس کے منہ پر طمانچہ مارتا تھا' یہاں تک کہ جب خلیفہ کی بے عزتی حد کو پہنچ گئی تو اس سے کہا کہ اپنی خلافت سے دست برداری لکھ دو' معتز نے اس سے انکار کیا تو قاضی القضات حسین بن ابی شوراب کو بلایا اور اراکین سلطنت طلب کئے گئے' ایک محضر لکھا' اس پر قاضی صاحب اور تمام اراکین سلطنت سے دستخط کرائے اور معتز کو معزول کر کے ایک تہ خانے میں بے آب و دانہ بند کر دیا' وہیں اس کا دم نکل گیا۔

یہ واقعہ ماہ رجب ۲۵۵ھ کا ہے اور معتز کی موت ۸ شعبان ۲۵۵ھ کو واقع ہوئی' اس کے بعد لوگوں نے بغداد سے معتز کے چچازاد بھائی محمد بن واثق کو بلا کر تخت سلطنت پر بٹھایا' اور مہتدی باللہ کا خطاب دیا۔

خلیفہ معتز کی ماں اپنے بیٹے کی گرفتاری و بے حرمتی کا حال دیکھ کر ایک سرنگ کے راستے فرار ہو گئی اور سامرا میں کسی جگہ چھپ گئی تھی' جب مہتدی خلیفہ ہو گیا تو ماہ رمضان ۲۵۵ھ میں صالح بن

وصیف سے جو خلیفہ مہتدی کا نائب السلطنت بنا ہوا تھا' امان طلب کر کے ظاہر ہوئی' صالح نے اس کے مال و دولت کا سراغ لگایا تو اس کے پاس سے ایک کروڑ تین لاکھ دینار اور اس سے بہت زیادہ کے جو ہرات نکلے' حالانکہ پچاس ہزار دینار معتز مانگتا تھا اور اتنے ہی میں فوج کی شورش اس وقت فرو ہو سکتی تھی' صالح نے فتحیہ کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر کے کہا کہ اس کم بخت عورت نے پچاس ہزار دینار کے عوض اپنے بیٹے کو قتل کرا دیا حالانکہ اس کے قبضے میں کروڑوں دینار تھے۔ اس کے بعد صالح نے فتحیہ کو مکہ کی طرف بھیج دیا' وہ معتمد کے تخت نشین ہونے تک مکہ میں رہی' پھر سامرہ میں چلی آئی' اور ۲۶۴ھ میں مرگئی۔

مہتدی باللہ

مہتدی باللہ بن واثق باللہ بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید کا اصل نام محمد اور کنیت ابو اسحٰق تھی' اپنے دادا کے عہد خلافت ۲۱۸ھ میں پیدا ہوا اور ۳۷ سال کی عمر میں بتاریخ ۲۹ رجب ۲۵۵ھ تخت نشین ہوا' گندم گوں' دبلا پتلا' خوبصورت' عابد زاہد' عادل اور بہادر شخص تھا' احکام خداوندی کی پابندی کے رواج دینے میں بہت کوشاں تھا' تخت نشیں ہونے کی تاریخ سے مقتول ہونے تک برابر روزہ رکھتا رہا' مگر اس کو کوئی مددگار نہ ملا' اس نے ایسا خراب دور پایا کہ خلافت اسلامیہ کے عزت و وقار کو دوبارہ واپس لانا سخت دشوار تھا۔

ہاشم بن قاسم کہتے ہیں کہ ماہ رمضان میں شام کے وقت مہتدی کے پاس بیٹھا تھا' جب میں چلنے لگا تو مہتدی نے کہا بیٹھ جاؤ' میں بیٹھ گیا' پھر ہم نے افطار کیا' نماز پڑھی اور مہتدی نے کھانا طلب کیا تو ایک بید کی ڈلیا میں کھانا آیا' اس میں پتلی پتلی روٹیاں تھیں' ایک پیالی میں تھوڑا سا نمک دوسری میں سرکہ اور تیسرے برتن میں زیتون کا تیل تھا' مجھ سے بھی کھانے کو کہا' میں نے کھانا شروع کیا اور دل میں سوچا کہ کھانا ابھی اور آتا ہوگا اس لیے بہت آہستہ آہستہ کھانا شروع کیا' مہتدی نے میری طرف دیکھ کر کہا کیا تمہارا روزہ نہ تھا' میں نے کہا تھا' پھر پوچھا کہ کیا کل روزہ نہ رکھو گے؟ میں نے کہا رمضان کا مہینہ ہے روزہ کیوں نہ رکھوں گا' کہا پھر اچھی طرح کھاؤ اور یہ امید نہ رکھو کہ اور کھانا آتا ہوگا' کیونکہ اس کے سوا اور کھانا ہمارے یہاں نہیں ہے۔ میں نے تعجب سے کہا کہ امیر المومنین یہ کیا معاملہ ہے' خدائے تعالیٰ نے آپ کو تمام نعمتیں عطا کی ہیں' مہتدی نے کہا۔

''ہاں یہ سچ ہے' مگر میں نے غور کیا تو بنو امیہ میں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کو پایا کہ وہ کم کھانے اور رعایا کی راحت رسانی کی فکر سے بہت ہی لاغر ہو گئے تھے' پھر میں نے اپنے خاندان پر غور کیا تو مجھ کو

بڑی شرم آئی کہ ہم لوگ بنی ہاشم ہو کر ان کی مانند بھی نہ ہوں' اسی لیے میں نے یہ طرز اختیار کیا جو تم دیکھ رہے ہو۔"

مہتدی نے لہو ولعب کو سختی سے روک دیا تھا' گانے بجانے کو حرام قرار دیا تھا' عاملان سلطانی کو ظلم کرنے سے سخت ممانعت کر دی تھی۔ دفتر کے معاملات میں سختی سے کام لیتا تھا' خود روزانہ اجلاس کرتا اور دربار عام میں انفصال مقدمات کا کام کرتا' منشیوں کو اپنے سامنے بٹھا کر حساب کتاب کرتا تھا۔

مہتدی باللہ کو بھی جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ترکوں ہی نے خلافت پر بٹھایا تھا۔ صالح بن وصیف نے جو ترکوں میں سب سے زیادہ قابو یافتہ ہو رہا تھا مہتدی باللہ کو تخت نشین کرنے کے بعد ہی احمد بن اسرائیل' زید بن معتز باللہ' ابونوح کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اور ان کے مال واسباب کو ضبط کر لیا' پھر حسن بن مخلد کو بھی گرفتار کر کے اس کا مال واسباب ضبط کر لیا۔ خلیفہ مہتدی باللہ جب ان حالات سے اطلاع ہوئی تو بہت رنجیدہ ہوا اور کہا کہ ان لوگوں کے لیے قید ہی کی مصیبت کیا کم تھی جو ان کو ناحق قتل کیا گیا۔

اس کے بعد خلیفہ مہتدی باللہ نے سامرا سے تمام لونڈیوں اور مغنیوں کو نکلوا دیا' محل سرائے شاہی میں جس قدر درندے پلے ہوئے تھے' سب کے مار ڈالنے اور کتوں کے نکلوا دینے کا حکم دیا' قلم دان وزارت سلیمان بن وہب کے سپرد کیا' مگر صالح بن وصیف نے اپنی حکمت عملی اور خوش تدبیری سے سلیمان بن وہب کو بھی اپنے قابو میں کر لیا اور خود حکومت کرنے لگا۔

معتز کی معزولی اور مہتدی کی تخت نشینی کے وقت موسیٰ بن بغا دارالخلافہ میں موجود نہ تھا' وہ رے کی طرف گیا ہوا تھا' اس نے جب یہ سنا کہ صالح نے معتز کو معزول کر کے مہتدی کو خلیفہ بنا دیا ہے تو وہ معتز کے خون کا بدلہ لینے کا اعلان کر کے دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا' یہاں آ کر دربار خلافت میں حاضری کی درخواست بھجوائی' صالح موسیٰ کے آنے کی خبر سن کر روپوش ہو گیا تھا۔

موسیٰ کو خلیفہ نے اندر آنے کی اجازت دی' اس نے آتے ہی خلیفہ کو گرفتار کر کے اور ایک خچر پر سوار کر قید خانہ میں لے جانا چاہا' مہتدی نے کہا موسیٰ اللہ تعالیٰ سے ڈر آخر تیری نیت کیا ہے' موسیٰ نے کہا کہ میری نیت بخیر ہے' آپ یہ حلف کیجئے کہ صالح کی طرف داری نہ کریں گے' خلیفہ نے یہ حلف کر لیا' موسیٰ نے اسی وقت خلیفہ کی بیعت کر لی۔

اس کے بعد موسیٰ نے صالح کی تلاش شروع کی خلیفہ نے یہ کوشش کی' کہ موسیٰ اور صالح میں صلح ہو جائے' اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ موسیٰ اور اس کے ہمراہیوں کو یہ شبہ گذرا کہ صالح کا پتہ خلیفہ کو معلوم ہے اور اسی نے صالح کو چھپا رکھا ہے' چنانچہ موسیٰ بن بغا کے مکان پر ترکوں کا جلسۂ مشورت منعقد ہوا اور خلیفہ مہتدی کے قتل یا معزولی کی تدبیریں سوچی گئیں' اس مجلس کا حال خلیفہ کو معلوم ہو گیا' اگلے دن

سب کو دربار عام میں بلوایا اور مسلح ہو کر دربار میں غضب آلود چہرہ کے ساتھ آیا' ترکوں سے مخاطب ہو کر کہا مجھ کو تمہارے مشوروں کا حال معلوم ہو چکا ہے' تم مجھ کو دوسرے خلفاء کی طرح نہ سمجھنا' جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے' تم میں سے بہت سوں کی جان لے لوں گا' میں وصیتیں کر آیا ہوں اور مارنے مرنے پر آمادہ ہوں' تم یاد رکھو کہ میری دشمنی تمہارے لیے باعث وبال ہوگی' میں قسمیہ کہتا ہوں کہ مجھ کو صالح کا کوئی حال معلوم نہیں کہ کہاں روپوش ہے' یہ سن کر لوگ خاموش رہے اور اس شورش میں سکون پیدا ہو گیا۔

اس کے بعد موسیٰ نے منادی کرا دی کہ جو شخص صالح کو گرفتار کر کے لائے گا وہ دس ہزار انعام پائے گا۔ اتفاقاً ایک جگہ صالح کا پتہ چل گیا' موسیٰ نے اس کو قتل کرا کر اس کا سر نیزہ پر رکھ کر شہر میں تشہیر کرایا' مہتدی کو یہ حرکت ناگوار گذری' مگر ترکوں کی طاقت کے مقابلہ میں خلیفہ کچھ نہ کر سکتا تھا سخت مجبور تھا' آخر خلیفہ نے بابکیال نامی ترک سردار کو خط لکھا کہ موقعہ پا کر موسیٰ کو قتل کر دو' بابکیال نے یہ خط موسیٰ کو دکھا دیا' موسیٰ فوج لے کر قصر خلافت پر چڑھ آیا۔

ادھر اہل مغرب او. اہل فرغانہ نے خلیفہ مہتدی کی طرف سے مدافعت کی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ بابکیال اس عرصہ میں مقید ہو کر خلیفہ مہتدی کے قید خانہ میں آ چکا تھا' خلیفہ مہتدی نے بابکیال کو قتل کرا کر اس کا سر ترکوں کی طرف پھینک دیا' اس سے مخالف ترکوں کا جوش اور بھی بڑھ گیا' اور وہ ترک جو فرغانہ وغیرہ کے خلیفہ کی فوج میں شامل تھے بابکیال کے قتل سے ناراض ہو کر موسیٰ کی فوج میں جا ملے۔

جس زمانہ میں ترکوں نے خلیفہ مہتدی کا محاصرہ کر رکھا تھا بغداد' سامرا اور دوسرے مقامات کی رعایا خلیفہ مہتدی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی کیونکہ رعایا اس خلیفہ کے عدل و داد سے بہت ہی خوش تھی اور خلیفہ صالح کے لقب سے یاد کیا کرتی تھی' مگر نتیجہ اس کا مہتدی کے خلاف نکلا خلیفہ کو شکست ہوئی اور ترکوں نے اس کر گرفتار کر کے خصیتین دبا کر مار ڈالا۔

یہ حادثہ ۱۴ رجب ۲۵۶ کو وقوع پذیر ہوا' خلیفہ مہتدی باللہ نے پندرہ دن کم ایک سال خلافت کی اور ۳۸ سال کی عمر میں مقتول ہوا' اس کے بعد ترکوں نے ابوالعباس احمد بن متوکل کو جو مقام جوسق میں قید تھا قید سے نکال کر تخت نشین کیا' اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور معتمد علی اللہ کا لقب تجویز کیا۔

معتمد علی اللہ

معتمد علی اللہ بن متوکل علی اللہ بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید ۲۲۹ھ میں ایک رومیہ ام ولد

قیان نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا' خلیفہ معتمد نے عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان کو وزارت کا عہدہ عطا کیا' یہ عبیداللہ ۲۶۳ھ میں گھوڑے سے گر کر مرا اور قلم دان وزارت محمد بن مخلد کو ملا۔

علویوں کا خروج

۲۵۶ھ میں ابراہیم بن محمد یحییٰ بن عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی ابی طالب معروف بہ ابن صوفی نے مصر میں اور علی بن زید علوی نے کوفہ میں دولت عباسیہ کے خلاف خروج کیا' ابن صوفی کو مصر میں کئی ہنگاموں اور لڑائیوں کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا' مصر سے بھاگ کر مکہ میں آیا وہاں عامل مکہ نے گرفتار کر کے احمد بن طولون کے پاس مصر میں بھیج دیا' اس نے قید کر دیا' کچھ مدت کے بعد قید سے رہا کر دیا' ابن صوفی مصر سے چھوٹ کر مدینہ میں آیا اور یہیں وفات پائی۔

علی بن زید نے کوفہ میں خروج کر کے وہاں کے عامل کو نکال دیا اور خود کوفہ پر متصرف ہو گیا' خلیفہ معتمد نے شاہ بن میکال نامی سردار کو کوفہ کی طرف بھیجا مگر اس نے علی بن زید کے مقابلہ میں شکست کھائی' تب خلیفہ نے کیجور نامی سردار کو بھیجا' اس نے علی بن زید کو شکست دے کر بھگا دیا۔ شوال ۲۵۶ھ میں کیجور نے علی بن زید پر دوبارہ چڑھائی کی' لڑائی ہوئی اس لڑائی میں علی بن زید شکست پا کر گرفتار ہوا اور کیجور اس کو لے کر دارالخلافہ کی طرف آیا۔

حسین بن زید علوی نے رے پر قبضہ کر لیا اور موسیٰ بن بغا اس کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔

علی نامی ایک شخص نے اپنے آپ کو اس سے چند روز پیشتر علوی ظاہر کر کے اول بحرین میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا پھر احسا چلا آیا' وہاں بھی اپنے آپ کو علوی بتایا مگر سلسلہ نسب جو پہلے بتایا تھا اس کو تبدیل کر دیا' چونکہ جابجا علوی لوگ خروج کر رہے تھے اس کے دل میں بھی امنگ پیدا ہوئی اور اپنے آپ کو علوی بتا کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے میں مصروف ہوا مگر ہر جگہ اس کے نسب کا راز فاش ہوتا رہا کہ یہ علوی نہ تھا۔ آخر بغداد میں اس نے چند غلاموں کو اپنے ساتھ ملایا اور ان کو ہمراہ لے کر بصرہ گیا' وہاں پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ جو زنگی غلام میرے پاس چلا آئے گا وہ آزاد ہے۔ اس اعلان کو سن کر زنگی غلاموں کا انبوہ کثیر اس کے گرد جمع ہو گیا۔ ان غلاموں کے آقا جب علی کے پاس آئے اور اپنے غلاموں کی نسبت اس سے گفتگو کرنی چاہی تو علی نے اشارہ کر دیا' زنگیوں نے اپنے آقاؤں کو فوراً گرفتار کر لیا' پھر علی نے ان کو چھوڑ دیا۔

علی کے جھنڈے کے نیچے زنگی غلاموں کی جمعیت ہر روز ترقی کرتی رہی اور علی ان کو ملک گیری اور تیغ زنی کی ترغیب اپنی پرجوش تقریروں سے دیتا رہا' پھر قادسیہ اور اس کے نواح کو لوٹ کر بصرہ کی

طرف آیا' اہل بصرہ نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی' اس کے بعد بصرہ والوں نے بار بار مقابلہ کی تیاری کی اور ہر مرتبہ شکست ہی کھائی۔

زنگیوں کی فوج نے بصرہ پر قبضہ کرلیا' دربار خلافت سے ابو بلال ترکی چار ہزار کی جمعیت سے مامور ہوا' نہر ریان پر مقابلہ ہوا' زنگیوں نے اس کو بھی شکست دے کر بھگا دیا' غرض زنگیوں نے نہ صرف بصرہ بلکہ ایلہ واہواز اور دوسرے مقامات پر بھی تصرف کرلیا بار بار دربار خلافت سے ترکی سردار فوجیں لے لے کر آئے اور ہر مرتبہ شکست کھا کر واپس گئے' آخر سعید بن صالح نے زنگیوں کو شکست دے کر بصرہ سے نکالا' مگر زنگیوں نے ۱۵ شوال ۲۵۷ھ کو بزور تیغ بصرہ پر دوبارہ قبضہ حاصل کر کے تمام بصرہ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا' بڑی بڑی قیمتی اور خوب صورت عمارتیں جل کر خاکستر اور مٹی کا ڈھیر بن گئیں' لوٹ مار کی انتہا نہ تھی' جو سامنے آیا وہ قتل کیا گیا۔

یہ حالات سن کر خلیفہ معتمد نے محمد معروف بہ مولد کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا اس کا مقابلہ زنگیوں نے بصرہ سے نکل کر نہر معقل پر کیا' لشکر مولد کو شکست دے کر بھگا دیا' اور تمام مال و اسباب کو لوٹ کر بھاگتے ہوؤں کو قتل کیا' پھر نہر معقل کی طرف واپس آ گئے۔

اس کے بعد خلیفہ معتمد نے منصور بن جعفر خیاط کو زنگیوں کے مقابلہ پر مامور کیا' زنگی اپنے سردار علی بن ابان کی ماتحتی میں مقابلہ پر آئے' سخت معرکہ ہوا' صبح سے دوپہر تک برابر تلوار چلی' آخر منصور بن جعفر کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔

اس خبر کو سن کر خلیفہ معتمد باللہ نے اپنے بھائی ابو احمد موفق کو جسے وہ مکہ معظمہ کی گورنری پر مامور کر چکا تھا مکہ معظمہ سے بلایا اور اس کو مصر وقنسرین اور عواصم کی سند گورنری دے کر زنگیوں کے مقابلہ پر مامور کیا اور اس کے ساتھ مفلح کو بھی ایک فوج دے کر بھیجا' یہ دونوں زنگیوں کے مقابلہ کو روانہ ہوئے۔ زنگیوں سے لڑائی ہوئی مفلح مارا گیا اور اس کے ہمراہی فرار ہونے لگے' اس سے موفق کے ہمراہیوں میں بھی پریشانی اور بے ترتیبی نمودار ہوئی' آخر موفق نے طرح دے کر اپنے لشکر کو بچایا اور ترتیب دے کر نہر ابوخصیب کے کنارے آ کر زنگیوں سے نبرد آزما ہوا' زنگیوں کو شکست دی اور ان کی جمعیت کو پریشان کر کے بہت سوں کو گرفتار و قید کر کے اور بہت سے قیدیوں کو ان کی قید سے چھڑا کر واپس سامرا میں آیا۔

مگر اس شکست سے زنگیوں کا فتنہ فرو نہیں ہوا' انہوں نے اپنی جمعیت فراہم کر کے پھر قتل و غارت کا بازار گرم رکھا اور ۲۷۰ھ تک اسی طرح بصرہ اور عراق کے اکثر حصہ پر مستولی رہے۔

[illegible]

مآخذ
ابن ... ابن واصل ابن لیث صفار
۲۵۶ھ میں جب یعقوب بن لیث نے محمد بن واصل سے صوبہ فارس کے چھین لینے کے لیے

چڑھائی کی تو خلیفہ نے بلخ وطخارستان کی گورنری اس کو دے کر واپس کر دیا تھا کہ یعقوب کا قبضہ فارس کے صوبہ پر نہ ہو اور خود عبدالرحمٰن بن مفلح کو فوج دے کر روانہ کیا کہ محمد بن واصل سے صوبۂ فارس چھین کر قبضہ کرو' عبدالرحمٰن اور محمد کی لڑائیاں شروع ہو گئیں۔

عبدالرحمٰن بن مفلح کی کمک پر خلیفہ نے طاشتمر ترکی کو بھی مامور کیا' نتیجہ یہ ہوا کہ طاشتمر ترکی میدان جنگ میں مارا گیا اور ۲۶۲ھ میں محمد بن واصل نے عبدالرحمٰن بن مفلح کو گرفتار کر لیا' اب خلیفہ معتمد نے محمد بن واصل سے خط و کتابت شروع کی اور عبدالرحمٰن بن مفلح کی رہائی کے متعلق تحریک کی' محمد بن واصل نے خلیفہ کے خطوط کا تو کوئی جواب نہیں دیا' مگر عبدالرحمٰن بن مفلح کو قتل کر کے شہر واسط پر حملہ کی تیاری کر دی' جہاں موسیٰ بن بغا معہ فوج مقیم تھا' محمد بن واصل واسط کی طرف چلا تو راستے میں ابراہیم بن سیما اہواز میں سد راہ ہوا۔

ادھر سے ابوالساج نے جس کو خلیفہ نے صوبہ فارس کی سند گورنری انہیں ایام میں دی تھی' اپنے داماد عبدالرحمٰن کو محمد بن واصل کے مقابلہ اور صوبۂ فارس پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا' ابوالساج خود زنگیوں کی جنگ میں مصروف تھا جنہوں نے بصرہ اور اس کے نواح میں قیامت برپا کر رکھی تھی' ابوالساج کا داماد عبدالرحمٰن جب فوج لے کر چلا تو رستے میں زنگیوں کے سردار علی بن ابان سے اتفاقاً مڈ بھیڑ ہو گئی' علی بن ابان نے عبدالرحمٰن کو شکست دے کر مار ڈالا' محمد بن واصل اہواز میں ابراہیم سیما کے مقابلہ میں صف آراء ہوا' اسی اثناء میں خبر پہنچی کہ یعقوب بن لیث صفار سجستان سے فوج لے کر فارس پر حملہ آور ہوا ہے' محمد بن واصل تمیمی ابراہیم بن سیما کے مقابلہ سے منہ موڑ کر فارس کی طرف لوٹا' آخر صفار اور محمد بن واصل کا مقابلہ ہوا' ابن واصل کو شکست ہوئی' وہ میدان جنگ سے اپنی جان بچا کر بھاگا اور یعقوب صفار نے تمام صوبۂ فارس پر قبضہ کر لیا' خراسان پہلے ہی اس کے قبضہ میں آ چکا تھا' اب ۲۶۱ھ میں فارس پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔

دولت سامانیہ کی ابتدا

سامانی خاندان کا حال تو تفصیلی طور پر آگے بیان کیا جائے گا لیکن محض یاد دہانی اور سلسلہ کے مربوط رکھنے کے لیے اس جگہ اس کی ابتدا کا حال بیان کر دینا ضروری ہے۔

اسد بن سامان خراسان کے ایک نامور اور ذی عزت خاندان کا شخص تھا' اسد بن سامان کے چار بیٹے تھے نوح' احمد' یحییٰ' الیاس۔ جس زمانہ میں مامون الرشید خراسان کے دارالسلطنت مرو میں مقیم تھا' اسی زمانہ میں یہ چاروں بھائی مامون الرشید کی خدمت میں حاضر ہوئے' مامون الرشید نے

اپنے وزیر اعظم فضل بن سہل کی تجویز کے موافق ان چاروں کو اچھے اچھے عہدوں پر مامور فرمایا' جب مامون الرشید خراسان میں غسان بن عباد کو اپنا نائب السلطنت اور حاکم خراسان بنا کر بغداد کی جانب روانہ ہوا تو غسان بن عباد نے نوح کو سمرقند کی' احمد کو فرغانہ کی' یحییٰ کو شاش واشروسنہ کی اور الیاس کو ہرات کی حکومت پر مامور کیا۔

جب مامون الرشید نے طاہر بن حسین اپنے مشہور سپہ سالار کو خراسان کی حکومت پر مامور کر کے بھیجا تو طاہر بن حسین نے بھی ان چاروں بھائیوں کو بدستور مامور رکھا' اس کے بعد نوح بن اسد کا جب انتقال ہوا تو طاہر بن حسین نے سمرقند کے علاقہ کو یحییٰ اور احمد کے علاقوں میں شامل کر دیا' اس کے چند روز بعد الیاس نے عبداللہ بن طاہر کے عہد گورنری میں وفات پائی تو عبداللہ بن طاہر نے الیاس کے بیٹے ابواسحاق محمد کو اس کے باپ کی جگہ ہرات کی حکومت عطا کی' احمد بن اسد کے سات بیٹے تھے' نصر' یعقوب' یحییٰ' اسمٰعیل' ابوالاشعث' ابوخانم حمید' اسد۔ جب احمد بن اسد کا انتقال ہوا تو سمرقند کے صوبہ کی حکومت اس کے بڑے بیٹے نصر کو ملی۔

نصر اس صوبہ پر خاندان طاہریہ کے خراسان سے بے دخل ہونے اور یعقوب بن لیث صفار کے قابض ومتصرف ہونے تک حکومت کرتا رہا اور قابض ومتصرف رہا' ۲۶۱ھ میں خلیفہ معتمد علی اللہ نے نصر کے پاس صوبہ سمرقند کی سند گورنری بھیج دی' اب تک اس صوبہ کے حاکم کو حاکم خراسان ہی کے یہاں سے سند حکومت ملا کرتی تھی۔ لیکن ملک خراسان کے قبضہ سے نکل جانے اور یعقوب صفار کے قبضہ میں چلے جانے کے باعث خلیفہ نے مناسب سمجھا کہ کم از کم علاقہ ماوراء النہر ہی میں ہماری سیادت قائم رہے' اس لیے براہ راست دربار خلافت سے نصر کے پاس سند حکومت بھیجی گئی اور لکھا گیا کہ یعقوب صفار سے اس ملک کی حفاظت کرو۔

نصر نے اپنے بھائی اسمٰعیل کو بخارا کی امارت عطا کی اور خود سمرقند میں حکومت کرتا رہا' ۲۷۵ھ میں ان دونوں بھائیوں میں ناراضی پیدا ہوئی' لڑائی تک نوبت پہنچی' اسمٰعیل نے فتح پائی' نصر گرفتار ہو کر اسمٰعیل کے سامنے آیا تو اسمٰعیل نے دوڑ کر بھائی کی قدم بوسی کی اور اس کو تخت پر بٹھا کر خود اس کی فرمانبرداری کا اقرار کیا۔ اور پھر بدستور سابق دونوں بھائی حکومت کرنے لگے۔ اسی اسمٰعیل نے دولت سامانیہ کی بنیاد قائم کی جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

ولی عہدی کی بیعت

ماہ شوال ۲۶۱ھ میں خلیفہ معتمد نے ایک دربار عام کیا اور تمام اراکین دربار کے روبرو اس بات

کا اعلان کیا کہ میرے بعد میرا بیٹا جعفر ولی عہد سلطنت ہے اور اس کے بعد میرا بھائی احمد موفق مستحق خلافت ہے۔ لیکن اگر میری وفات تک جعفر بالغ نہ ہو تو پھر موفق ہی تخت خلافت کا مالک ہوگا اور اس کے بعد جعفر مستحق خلافت سمجھا جائے گا۔

چنانچہ اسی قرارداد پر سب سے بیعت لی گئی' جعفر کو مفوض الی اللہ کا خطاب دیا گیا اور افریقہ' مصر' شام' جزیرہ موصل' ارمینیا کی حکومت اس کو دی گئی' موسیٰ بن بغا کو اس کا نائب مقرر کیا گیا اور احمد موفق کو الناصر لدین اللہ الموفق کا خطاب دے کر بلاد شرقیہ' بغداد' کوفہ' طریق' مکہ' یمن' کسکر' اہواز' فارس' اصفہان' رے' زنجان اور سندھ کی حکومت عطا کی' ان دونوں ولی عہدوں کے لیے دو سفید جھنڈے بنائے گئے' اس بیعت ولی عہدی کے بعد خلیفہ معتمد نے اپنے بھائی موفق کو زنگیوں کی سرکوبی پر مامور کیا۔

جنگ صفار

موفق ابھی زنگیوں کی جانب روانہ نہیں ہونے پایا تھا کہ خلیفہ کے پاس خبر پہنچی کہ یعقوب صفار خراسان کے قبضہ وانتظام سے فارغ ہو کر دارالخلافہ کی طرف فوجیں لیے ہوئے بڑھ رہا ہے' یہ سن کر سب پریشان ہو گئے۔ موفق برادر خلیفہ کا ارادہ بھی زنگیوں کی طرف جانے کا ملتوی ہو گیا' خلیفہ نے خود دارالخلافہ سے کوچ کر کے مقام زعفرانیہ میں قیام کیا اور اپنے بھائی موفق کو صفار کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ موفق کے میمنہ میں موسیٰ بن بغا اور میسرہ میں مسرور بلخی افسر تھا' قلب کی سرداری خود موفق کے ہاتھ میں تھی' صبح سے عصر کے وقت تک نہایت خون ریز جنگ ہوئی' کبھی صفار کی فوج پیچھے ہٹ جاتی تھی کبھی موفق کی' فتح وشکست کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا تھا کہ اتنے میں خلیفہ نے موفق کی کمک کے لیے ایک اور فوج بھیج دی' اس تازہ دم امداد کے آ جانے سے یعقوب بن لیث کی فوج پر آثار ہزیمت نمودار ہو گئے' یعقوب صفار اور اس کی فوج میدان جنگ سے فرار ہو گئے' موفق کی فوج نے اس کے لشکر گاہ کو خوب لوٹا۔

صفار میدان جنگ سے شکست کھا کر خوزستان کی طرف روانہ ہوا اور مقام جندی سابور میں جا کر قیام کیا' موفق صفار کا تعاقب نہیں کر سکا بلکہ واسط میں آ کر مقیم ہوا اور وہاں سے بیمار ہو کر بغداد چلا آیا۔

ادھر موفق اور صفار مصروف جنگ تھے' ادھر محمد بن واصل نے جو پہلے صفار سے شکست کھا کر اور صوبہ فارس چھنوا کر بھاگا ہوا تھا' موقع مناسب سمجھا اور اس نے خروج کر کے میدان خالی پا کر فارس پر

قبضہ کرلیا۔

صفار جب شکست کھا کر جندی سابور میں گیا تو زنگیوں نے صفار کے پاس خط بھیجا اور اس کو خلیفہ کے خلاف جنگ کرنے کی ترغیب دے کر اپنی امداد کا وعدہ کیا' صفار نے اس خط کے جواب میں ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ پوری سورت لکھ کر بھیج دی اور ایک لشکر عمر بن سری کی افسری میں محمد بن واصل کے مقابلہ پر روانہ کر دیا' عمر بن سری نے محمد بن واصل کو فارس سے نکال کر فارس پر قبضہ کرلیا۔

معتمد نے یعقوب صفار کی لڑائی کے بعد موسیٰ بن بغا کو زنگیوں کے مقابلہ پر روانہ کیا' ادھر صفار نے ایک سردار کو اہواز کی طرف روانہ کیا' مقام اہواز پر خلیفہ بغداد' صفار اور زنگیوں کے تینوں لشکر آپس میں معرکہ آراء ہوئے' کوئی کسی کا طرف دار نہ تھا۔

یعقوب صفار جندی سابور سے بجستان کی طرف روانہ ہوا اور نیشا پور پر عزیز بن سری کو اور ہرات پر اپنے بھائی عمر بن لیث کو حاکم مقرر کر گیا' یہ سب ۲۶۱ھ کے واقعات ہیں۔

واسط پر زنگیوں کا قبضہ

یعقوب صفار جندی سابور پر قبضہ کر کے اور اپنا ایک عامل مقرر کر کے بجستان کی جانب گیا تھا' ایک سردار کو اہواز کی جانب بھیج گیا تھا' آخر اہواز پر زنگیوں نے صفار کا قبضہ تسلیم کرلیا اور صفار کے لشکر سے صلح کر کے وہ واسط کی طرف متوجہ ہوئے' وہاں خلیفہ کی طرف سے ایک ترک سردار مامور تھا زنگیوں نے اس کو شکست دے کر واسط پر قبضہ کرلیا اور شاہی فوجیں زنگیوں کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکیں' یہ واقعہ ۲۶۳ھ کا ہے۔

شام پر احمد بن طولون کا قبضہ

۲۶۴ھ میں ماجور نامی ایک ترک شام کی حکومت پر مامور تھا' اس کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے نے شام کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی' احمد بن طولون یہ خبر سن کر مصر میں اپنے بیٹے عباس کو اپنا قائم مقام بنا کر خود دمشق کی طرف متوجہ ہوا' ترک زادے نے اطاعت اختیار کی اور ابن طولون نے ۲۶۴ھ میں دمشق اور اس کے تمام علاقے پر قبضہ کرلیا اور دو برس تک ملک شام میں قیام کر کے اس ملک کا ہر طرح اطمینان بخش انتظام کیا اور ۲۶۶ھ میں شام سے مصر کی طرف روانہ ہوا' اس طرح احمد بن طولون کی حکومت میں مصر و شام دونوں ملک آ گئے۔

یعقوب بن لیث صفار کی وفات

یعقوب بن لیث صفار کی طاقت بہت بڑھ چکی تھی' اگرچہ خراسان وطبرستان وفارس میں احمد بن عبداللہ بجستانی' سعید بن طاہر' علی بن یحییٰ خارجی' حسن بن زید علوی' رافع بن ہرثمہ وغیرہ کئی دعویداران حکومت مصروف زور آزمائی تھے اور ہر ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتا تھا' اور نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کون غالب اور کون مغلوب ہوگا' مگر بظاہر یعقوب بن لیث صفاران میں سب سے زیادہ لائق' عالی حوصلہ اور طاقتور تھا' یعقوب بن لیث کے قبضہ میں ملک بھی بہت وسیع تھا۔

خلیفہ معتمد نے یہ دیکھ کر کہ شام کا ملک بھی نکل گیا' عراق کے بھی ایک بڑے حصے پر زنگیوں نے قبضہ کر رکھا ہے اور کسی طرح زیر ہونے میں نہیں آتے' ادھر خراسان وفارس وغیرہ کے مشرقی صوبے بھی قبضے سے نکل گئے' یہ مناسب سمجھا کہ یعقوب بن لیث کو خراسان وغیرہ صوبوں کی باقاعدہ سند حکومت دربار خلافت سے بھیج دی جائے تاکہ وہ اطاعت وفرماں برداری کے اقرار سے منحرف نہ ہو اور ملک میں انتظام قائم ہو جائے اس کے متعلق بذریعہ خط وکتابت بسلسلہ جنبانی شروع ہو چکی تھی کہ ۹ شوال ۲۶۵ھ کو یعقوب بن لیث صفار نے بعارضہ قولنج وفات پائی' یعقوب صفار کے پاس صوبہ فارس کی گورنری خلیفہ نے روانہ کر دی تھی جو اس وقت پہنچی جب یعقوب صفار کا دم نکل رہا تھا۔

یعقوب کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث صفار تخت نشین ہوا اور اس نے خلیفہ کی خدمت میں اطاعت وفرماں برداری کے اقرار کی عرضی روانہ کی' خلیفہ اسی عرضی کو پڑھ کر بہت خوش ہوا' اور عمرو بن لیث کے نام خراسان' اصفہان' سندھ' بجستان کی سند گورنری روانہ کر کے پولیس بغداد وسامرا کی افسری بھی عطا کی' ساتھ ہی خلعت بھی روانہ کیا' اس فرمان اور خلعت کا اثر یہ ہوا کہ عام طور پر لوگوں نے بطیب خاطر عمرو بن لیث کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور اس کی طاقت بڑھ گئی۔

موفق ومعتضد کے ہاتھوں زنگیوں کا استیصال

زنگیوں کی چیرہ دستی اور لشکر خلافت کا بار باران کے مقابلہ میں شکست پانا کوئی معمولی بات نہ تھی' قریباً دس سال ہو گئے تھے کہ زنگی برابر شاہی لشکر اور نامور سرداروں کو نیچا دکھا رہے تھے اور شہروں کے امن وامان کو غارت کر چکے تھے' ایک ایک زنگی نے دس دس اور پندرہ پندرہ علوی وہاشمی عورتیں اپنے تصرف میں رکھ چھوڑی تھیں' بہبود اور خبیث نامی ان کے سردار ممبروں پر چڑھ کر خلفاء راشدین' اہل بیت اور ازواج مطہرات سب کو گالیاں دیتے تھے' بہبود نے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا تھا' رسالت کا بھی مدعی تھا' قریباً ایک کروڑ مسلمانوں کو قتل کر چکے تھے' پیہم فتح مندی نے ان کی ہیبت دلوں پر طاری کر دی تھی' ترکوں کے غرور بہادری کو بھی انہوں نے خاک میں ملا دیا تھا۔ ترک ان کے نام سے

لرزتے تھے۔

آخر خلیفہ معتمد کے بھائی موفق نے اپنے بیٹے ابوالعباس معتضد کو جو کہ بعد میں معتضد باللہ کے لقب سے خلیفہ ہوا' زنگیوں کی جنگ پر ماہ ربیع الثانی ۲۶۶ھ میں مامور کیا' ابوالعباس معتضد نے واسط کے قریب ایک سخت لڑائی کے بعد زنگیوں کو شکست فاش دی' یہ پہلی قابل تذکرہ شکست تھی جو زنگیوں نے لشکر خلافت کے مقابلہ میں کھائی' اس کے بعد موفق خود بھی بیٹے سے جاملا اور باپ بیٹے نے مل کر زنگیوں کو پیہم شکستیں دینی شروع کیں' حتیٰ کہ چار سال تک برابر مصروف جنگ رہنے کے بعد ۲۷۰ھ کے ماہ صفر کی پہلی تاریخ کو زنگیوں کا سردار خبیث مارا گیا اور فتنہ کا مکمل استیصال ہو گیا تو شہر میں چراغاں کیا گیا اور بڑی خوشیاں منائی گئیں' ادھر موفق اور معتضد دونوں باپ بیٹے زنگیوں کے مقابلہ میں مصروف تھے' ادھر موصل میں خوارج نے ادھم مچا رکھی تھی۔ مساور خارجی جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ۲۶۳ھ میں مارا جا چکا تھا' اس کے بعد اس کے مریدین و متبعین نے جمعیت فراہم کی اور ان کے دو گروہ ہو گئے' یہ دونوں گروہ آپس میں ۲۷۶ھ تک مصروف جنگ رہے' مگر دربار خلافت سے اس علاقہ میں امن و امان قائم کرنے کی کوشش عمل میں نہیں آئی' اسی سے تمام ممالک محروسہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

خراسان کی طائف الملوکی!

یعقوب صفار کا جب انتقال ہوا تو خلیفہ معتمد نے اس کے بھائی عمرو بن لیث کو سند حکومت عطا کر دی' مگر خراسان میں خاندان طاہریہ کے ہمدرد و ہوا خواہ موجود تھے' انہیں میں ایک شخص ابوطلحہ اور دوسرا رافع بن ہرثمہ تھا' یہ حسین بن طاہر کے نام سے جمعیت فراہم کر کے شہروں پر قبضہ کرنا اور اپنی حکومت کی بنیاد قائم کرنا چاہتے تھے' یہ کبھی عمرو بن لیث کے عاملوں کو نکال کر شہروں پر قبضہ کرتے اور کبھی آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے' ان معرکوں اور لڑائیوں میں اسماعیل بن احمد بن اسد بن سامان حاکم بخارا سے بھی مدد طلب کرتے تھے۔

اسماعیل سامانی کبھی ایک کا مددگار ہوتا' کبھی دوسرے کا' اور کبھی عمرو بن لیث صفار کی مدد کے لیے موجود ہو جاتا' غرض ان ممالک میں ایک طوفان بے تمیزی برپا تھا' انہیں حالات میں ۲۷۱ھ میں موفق نے اپنی طرف سے صوبہ خراسان کی گورنری پر محمد بن طاہر کو مقرر کیا' خلیفہ معتمد جو اس سے پہلے عمرو بن لیث صفار کو خراسان کی گورنری دے چکا تھا' اس نے عمرو صفار کو خراسان کی حکومت سے معزول کر دیا۔

محمد بن طاہر خود تو بغداد ہی میں رہا' اپنی طرف سے رافع بن ہرثمہ کو جو پہلے ہی سے مصروف زور آزمائی تھا حکومت خراسان عطا کر کے اپنا نائب بنا دیا' مگر اس سے خراسان اور اس کے ملحقہ صوبوں کی بدامنی اور طائف الملوکی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ابن طولون کی وفات

احمد بن طولون کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ اس کے قبضہ میں مصر و شام کے ملک تھے' خلیفہ معتمد برائے نام خلیفہ تھا' اس کا بھائی موفق اپنی عقل مندی اور شجاعت کے سبب تمام کاروبار خلافت پر حاوی تھا' معتمد نے ابن طولون سے خط و کتابت کر کے یہ چاہا کہ اس کی حمایت میں مصر چلا جائے' یہ ۲۶۹ھ کا واقعہ ہے' جب کہ موفق زنگیوں کی جنگ میں مصروف تھا' موفق نے دوسرے سرداروں کی معرفت معتمد کو سمجھایا اور اس ارادہ سے باز رکھا مگر ابن طولون سے ناراض ہو گیا۔

۲۷۰ھ میں جب موفق زنگیوں سے فارغ ہوا تو اسی سال احمد بن طولون انطاکیہ میں علیل ہو کر فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا خمارویہ بجائے اپنے باپ کے شام و مصر کا حاکم ہوا' موفق نے اسحاق بن کنداج اور محمد بن ابو الساج کو ملک شام پر قبضہ کرنے کے لیے بھیج دیا' چنانچہ ان دونوں سرداروں نے ملک شام کے شہروں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا' خمارویہ نے مقابلہ کے لیے فوج بھیجی' ان دونوں سرداروں نے لڑائی چھیڑنے میں تامل کیا اور مدافعت پر آمادہ رہے' یہ حال معلوم کر کے موفق نے اپنے بیٹے ابو العباس معتضد کو شام کی طرف روانہ کیا۔

معتضد مصری فوج کو پیچھے ہٹاتا دمشق کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا' خمارویہ خود مقابلہ پر آیا' ابو العباس معتضد کو شکست ہوئی اور لوٹ کر دمشق آیا تو اہل دمشق نے شہر کا دروازہ نہ کھولا' مجبوراً طرسوس کی طرف گیا۔ خمارویہ دمشق میں آیا اور شام کے شہروں پر پھر اس کا سکہ اور خطبہ جاری ہو گیا۔ ادھر اہل طرسوس نے ابو العباس معتضد کو بغاوت کر کے نکال دیا اور خمارویہ کا خطبہ جاری کیا' ابو العباس بحالت پریشان و بتاہ بغداد میں واپس آیا۔

طبرستان کے حالات' (علوی' رافع' صفار)

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اہل دیلم کی امداد و اعانت سے طبرستان میں حسن بن زید علوی کی حکومت قائم ہو چکی تھی' ماہ رجب ۲۷۰ھ میں حسن بن زید کا انتقال ہوا' اس کے بعد محمد بن زید اس کا بھائی حاکم طبرستان ہوا' ۲۷۲ھ میں قزوین کے ایک ترکی عامل نے چار ہزار فوج کے ساتھ طبرستان پر چڑھائی کی' محمد بن زید نے آٹھ ہزار فوج لے کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور جرجان میں جا کر پناہ گزیں ہوا

اور فتح مند فوج کے واپس جانے پر پھر طبرستان پر قبضہ کر لیا۔

۲۷۵ھ میں رافع بن ہرثمہ نے جرجان پر فوج کشی کی' محمد بن زید نے مقابلہ کیا اور ایک طویل مدت کے مقابلہ اور معرکہ آرائی کے بعد ۲۷۷ھ میں طبرستان سے بالکل بے دخل ہو گیا' آخر ۲۸۳ھ میں رافع بن ہرثمہ عمرو بن لیث کے مقابلہ میں مقتول ہوا تو محمد بن زید نے پھر طبرستان پر قبضہ کیا' مگر عمرو بن لیث صفار نے اس کو طبرستان سے بے دخل کر دیا۔

۲۸۸ھ میں اسماعیل سامانی نے عمرو بن لیث صفار کو گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا تو محمد بن زید نے پھر ویلم سے خروج کیا اور طبرستان پر قبضہ کر لیا' اس کے بعد اسمٰعیل سامانی نے محمد بن ہارون کو طبرستان کی طرف روانہ کیا اور محمد بن زید مقابلہ کر کے مارا گیا' اس کا بیٹا زید بن محمد بن زید گرفتار ہو کر بخارا کے قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔

عمرو بن لیث صفار

عمرو بن لیث صفار کو دربار خلافت سے خراسان' سجستان وغیرہ کی سند گورنری مل چکی تھی' جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ فارس بھی اس کے قبضہ میں آ چکا تھا' ۲۷۱ھ میں دربار خلافت سے عمرو بن لیث کی معزولی کا فرمان جاری ہوا اور احمد بن عبدالعزیز بن ابی ولف حاکم اصفہان کو حکم دیا گیا کہ عمرو بن لیث کا مقابلہ کر کے فارس کا صوبہ آزاد کرالو' چنانچہ دونوں کی لڑائی ہوئی اور عمرو بن لیث صفار کو شکست ہوئی مگر صوبہ فارس پر عمرو بن لیث کا ہی قبضہ رہا۔

آخر ۲۷۴ھ میں موفق نے خود فارس پر فوج کشی کی اور اس صوبہ کو عمرو بن لیث کے قبضہ سے نکال کر بغداد کی جانب واپس آیا' عمرو بن لیث کرمان و سجستان کی طرف چلا گیا اور سجستان اور خراسان پر کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے لگا' عمرو بن لیث نے دربار خلافت میں تحف و ہدایا بھیج کر اپنا رسوخ بڑھایا اور ۲۷۸ھ میں دربار خلافت سے علاقہ ماوراء النہر یعنی بخارا و سمرقند وغیرہ کی سند حکومت حاصل کر لی۔

ماوراء النہر میں اسمٰعیل بن احمد سامانی کامیابی کے ساتھ حکومت کر رہا تھا' عمرو بن لیث سند ماوراء النہر حاصل کرنے کے بعد لشکر اور سامان حرب کی فراہمی میں مصروف ہوا' جب اسمٰعیل بن احمد سامانی کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے عمرو بن لیث کو لکھا ''میں ایک گوشہ میں سرحدی مقام پر پڑا ہوا ہوں' آپ کے پاس بہت وسیع ملک ہے مجھ کو آپ یہاں پڑا رہنے دیں اور ملک سے میرے بے دخل کرنے کے درپے نہ ہوں' عمرو بن لیث نے کوئی التفات نہیں کیا اور فوج لے کر ماوراء النہر پر حملہ کیا'

اسمٰعیل سامانی مقابلہ پر آیا لڑائی ہوئی' عمرو بن لیث گرفتار ہوا اور سمرقند کے جیل خانہ میں قید کیا گیا' ۲۸۸ھ میں اسمٰعیل سامانی نے اس کو خلیفہ کے پاس بغداد بھیج دیا' خلیفہ معتضد کی وفات تک بغداد کے جیل خانہ میں رہا۔ اس کے بعد مکتفی باللہ نے تخت نشین ہو کر اس کو قتل کرا دیا۔

مکہ و مدینہ کے حالات

مدینہ میں محمد بن حسن بن جعفر بن موسیٰ کاظم اور ان کے بھائی علی بن حسن نے ایک دوسرے کے خلاف رقیبانہ خروج کیا' حکومت کا رعب اٹھ چکا تھا' ہر جگہ خانہ جنگیوں کا بازار گرم تھا' اسی سلسلہ میں مدینہ منورہ کے اندر ان دونوں بھائیوں نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا بہت سے آدمی طرفین سے مقتول ہوئے' ایک مہینہ تک ۲۷۷ھ میں مدینہ منورہ کے اندر نماز جمعہ ادا نہیں ہو سکی' اسی قسم کی حالت مکہ معظمہ کی بھی تھی' مکہ معظمہ میں یوسف بن ابی الساج عامل تھا' اس کی جگہ دربار خلافت سے احمد بن محمد طائی کو سند حکومت مل گئی'

احمد طائی نے اپنی طرف سے اپنے غلام بدر کو امیر حجاج بنا کر بھیج دیا' یوسف نے مقابلہ کیا' مسجد بیت الحرام کے دروازہ پر جنگ ہوئی' یوسف نے بدر کو گرفتار کر لیا' بدر کے لشکریوں اور حاجیوں نے مل کر حملہ کیا اور یوسف کو گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا اور بدر کو آزاد کرا لیا' غرض جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا مضمون تھا۔

موفق کی وفات

خلیفہ معتمد باللہ برائے نام خلیفہ تھا' اس کا بھائی موفق اپنی بہادری و دانائی کے سبب تمام امور سلطنت پر حاوی اور قابض و متصرف ہو گیا تھا اور یوں سمجھنا چاہیئے کہ موفق ہی خلافت کر رہا تھا' اگرچہ وہ باقاعدہ خلیفہ نہ تھا' موفق ولی عہد بھی تھا جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے' اس سے پیشتر ترک سردار دربار خلافت پر قابض و متصرف اور عرصہ دراز سے سیاہ و سفید کے مالک چلے آتے تھے' موفق نے قابو پا کر ان ترک فوجی سرداروں کے زور کو توڑ دیا اور خود قابض و متصرف ہو گیا' چونکہ موفق نے زنگیوں کا زور توڑ کر ان کو نیست و نابود کر دیا تھا اس لیے اس کی اور اس کے بیٹے معتضد کی قبولیت عام مسلمانوں میں بہت بڑھ گئی تھی' ترک سردار زنگیوں کے مقابلہ میں ہمیشہ ناکام و مغلوب ہوتے رہے تھے اس لیے ان کو بھی موفق کی مخالفت کا حوصلہ نہ رہا تھا۔

مگر چونکہ سلطنت کی چول چال پہلے ہی ڈھیلی ہو چکی تھی اور آب و ہوا بگڑ چکی تھی لہٰذا طائف الملوکی کا بازار زیادہ سے زیادہ گرم ہوتا گیا' اور ان طاقتوں کو جو عرصہ سے پرورش پا رہی تھیں اور اب

اپنی اپنی جگہ خود مختاری کا اعلان کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں' دبایا نہ جا سکا' تاہم موفق کا وجود دارالخلافہ میں بہت غنیمت تھا اور کسی کو اتنی جرأت نہ ہو سکی تھی کہ خود خلیفہ کی سیادت سے انکار کر سکے یا خطبہ میں خلیفہ کا نام نہ لے۔

موفق جب فارس اور اصفہان سے بغداد واپس آیا تو درد نقرس میں مبتلا ہو گیا' ہر چند علاج کیا مگر آرام نہ ہوا' ۲۲ صفر ۲۷۸ھ کو فوت ہو کر رصافہ میں مدفون ہوا' اگرچہ خلیفہ معتمد موجود تھا مگر اس کی حیثیت ایک قیدی سے زیادہ نہ تھی' اصل خلیفہ موفق ہی تھا' اب موفق کے فوت ہونے کے بعد اراکین سلطنت اور سپہ سالاران لشکر نے متفق ہو کر موفق کے بیٹے ابوالعباس معتضد کو موفق کی جگہ ولی عہد بنایا اور خلیفہ معتمد نے معتضد کی ولی عہدی کا اعلان کر کے معتضد کو موفق کا قائم مقام بنایا' معتضد چونکہ خوب تجربہ کار اور بہادر شخص تھا' لہٰذا وہ تمام امور سلطنت پر حاوی ہو گیا اور خلیفہ معتمد پھر اپنی اسی حالت میں مجبور و معطل رہا۔

قرامطہ

۲۷۸ھ میں سرزمین کوفہ میں ایک شخص حمدان نامی عرف قرامط نے ایک نیا مذہب جاری کیا' یہ ایک غالی شیعہ تھا' اس کا عقیدہ تھا کہ امام صرف سات ہیں۔

اول امام حسین۔
دوم علی زین العابدین۔
سوم باقر بن علی۔
چہارم جعفر صادق۔
پنجم اسماعیل بن جعفر۔
ششم محمد بن اسماعیل۔
ہفتم عبیداللہ بن محمد۔

اپنے آپ کو وہ عبیداللہ بن محمد کا نائب کہتا تھا حالانکہ عبیداللہ نامی کوئی بیٹا محمد بن اسماعیل کا نہیں تھا۔

محمد بن الحنفیہ بن علی بن ابی طالب کو وہ رسول کہتا تھا' چنانچہ اذان میں یہ الفاظ بڑھا دیے تھے کہ اشھد ان محمد بن الحنفیۃ رسول اللہ۔۔۔۔۔۔۔ بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا تھا' دن رات میں صرف دو نمازیں رکھی تھیں' یعنی دو رکعت قبل طلوع آفتاب' اور دو رکعت بعد غروب آفتاب' وہ کہتا تھا کہ بعض

سورتیں محمد بن الحنفیہ پر نازل ہوئی ہیں' جمعہ کے بجائے دوشنبہ کے دن ہفتہ وہ بابرکت سمجھتا تھا اور اس دن کوئی کام نہ کرتا تھا' سال بھر میں دو روزے فرض سمجھتا تھا' نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال کہتا تھا' غسل جنابت کو غیر ضروری سمجھتا تھا' بعض جانوروں کو اس نے حلال اور بعض کو حرام قرار دیا تھا' جو شخص قرامطہ کا مخالف ہو اس کا قتل کرنا واجب ٹھہرایا تھا' اپنا لقب اس نے قائم بالحق رکھا تھا۔

زنگیوں کے سردار خبیث اور بہبود سے اس نے اپنے اس نئے مذہب کے متعلق گفتگو کی تھی اور ان کو اپنا ہم خیال بنانا چاہا تھا' مگر انہوں نے اس طرف کوئی التفات نہیں کیا' ان کی بربادی کے آٹھ برس بعد اس نے کوفہ میں اپنے عقائد کی اشاعت شروع کی اور بہت سے لوگ اس کے معتقد ہونے لگے' یہ رنگ دیکھ کر کوفہ کے عامل نے اس کو گرفتار کر کے جیل خانہ بھیج دیا۔ اتفاقاً جیل خانہ کے محافظوں نے غفلت کی اور قرمط وہاں سے نکل بھاگا' اس کے متبعین نے یہ مشہور کر دیا کہ قرمط کو جیل خانہ آنے جانے سے نہیں روک سکتا۔

غرض رفتہ رفتہ اس مذہب کا چرچا دور دراز تک ہونے لگا اور لوگ اس میں شریک ہوتے گئے' آج کل ہم اپنے زمانہ کے گور پرستوں' پیر پرستوں کو دیکھ دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ کس طرح وہ جاہل' بے نماز' چانڈو باز لوگوں کو اللہ تعالیٰ رسیدہ اور ولی کامل سمجھ کر ان کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور ان کے ہر ایک حکم کی تعمیل کو ضروری سمجھتے ہیں' لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے احمقوں کی ایک جماعت ہر ایک زمانے میں موجود رہتی ہے۔

ہمارے شہر نجیب آباد میں ایک شخص رہتا ہے شہر کی پیشہ ور فاحشہ عورتیں جو ناچنے گانے کا پیشہ کرتی ہیں ہر جمعرات کو اس کے مکان میں آ کر اپنا گانا سناتی ہیں اور آوارہ مزاج' ناہموار نوجوانوں کو وہاں اس حیا سوز و اخلاق کش جلسہ میں بدچلنی کی تحریک کا موقعہ ملتا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ اور رسول کی شان میں گستاخانہ الفاظ اعلانیہ وہ زبان سے نکالتا رہتا ہے' نماز اور روزہ کا تو بھلا ذکر ہی کہاں ہو سکتا ہے' اس شخص کو کثیر التعداد لوگوں نے خدائی کا مرتبہ دے رکھا ہے' اس کی خدمت میں مؤدبانہ اپنی حاجات عرض کرتے ہیں اور قیمتی تحف و ہدایا سے اس کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں' لذیذ کھانے اور نایاب چیزیں پیش کرتے رہتے ہیں۔

ان معتقدین کے زمرہ میں بڑے بڑے اہل کار' ڈاکٹر' تاجر اور تعلیم یافتہ لوگ شامل ہوتے ہیں' ہر چند کوشش کی گئی کہ کوئی ایسی بات معلوم ہو جس کو اس عقیدت کا سبب قرار دیا جائے مگر کوئی بات ثابت نہ ہو سکی' لہٰذا مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انسانوں میں کچھ تعداد خدائے تعالیٰ ایسی بھی پیدا کرتا ہے کہ آنکھیں رکھتے ہوئے نابینائی کے شیدا اور دماغ ہوتے ہوئے تہی مغزی پر مفتون ہوتے ہیں'

یہی لوگ ہیں جو آج کل بھی ہر جگہ موجود نظر آتے ہیں اور یہی لوگ تھے جنہوں نے قرامطہ[1] کے نو ایجاد مذہب کو قبول کیا اور انہی لوگوں کی موجودگی نے ہمیشہ سیاہ قلب لوگوں کو اپنی اپنی دوکانداریاں چلانے کی جرأت دلائی اور دین اسلام کے مقابلہ میں ہمیشہ مشکلات پیدا کر کے سچے مسلمانوں کے لیے جہاد سیفی ولسانی کا موقعہ بہم پہنچایا۔

لہٰذا ان لوگوں کے وجود کو بھی حکمت الٰہی کے خلاف ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے' اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو سچے مومنوں کو وہ مراتب کس طرح میسر ہوتے جو ان کے خلاف کوشش کرنے سے ان کو میسر ہوئے' اگر نفس امارہ اور شیطان رجیم نہ ہوتا تو اطاعت الٰہی پر اجر کیسے مرتب ہوتا۔

معتضد کی ولی عہدی

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے' موفق کی وفات کے بعد معتضد کو ولی عہد بنایا گیا تھا لیکن یہ ولی عہد جعفر بن معتمد کے بعد تھی۔ جعفر بن معتمد ولی اول اور معتضد ولی عہدی دوم تھا' جیسا کہ اس کا باپ موفق بھی ولی عہد دوم تھا لیکن ۲۷۹ھ میں معتمد نے معتضد کے اقتدار و اثر سے مرعوب ہو کر بجائے اپنے بیٹے جعفر کے معتضد اپنے بھتیجے کو ولی عہدی میں مقدم کر دیا اور اس مضمون کا فرمان ممالک محروسہ میں عاملوں کے نام جاری کرا دیا کہ میرے بعد معتضد تخت خلافت پر بیٹھے گا۔

جنگ روم

خلیفہ معتضد کے عہد خلافت کے حالات پریشان میں ابھی تک رومیوں کا ذکر نہیں آیا' ۲۵۷ھ میں میخائیل بن روفیل قیصر قسطنطنیہ کو اس کے ایک رشتہ دار نے جو صقلبی کے نام سے مشہور تھا قتل کر کے خود تخت سلطنت پر جلوس کیا' ۲۵۹ھ میں رومیوں نے ملطیہ پر فوج کشی کی' مگر شکست کھا کر واپس گئے' ۲۶۳ھ میں رومیوں نے قلعہ کرکرہ متصل طرسوس کو مسلمانوں سے چھین لیا' ۲۶۴ھ میں عبداللہ بن رشید بن کاؤس نے چالیس ہزار سرحدی شامی فوجوں کے ساتھ بلاد روم پر چڑھائی کی' اول فتح حاصل ہوئی مگر بعد میں عبداللہ بن رشید گرفتار ہو کر قسطنطنیہ پہنچا۔

۲۶۵ھ میں رومیوں نے عام اوفہ پر حملہ کیا' چار سو مسلمان شہید اور چار سو گرفتار ہوئے' اسی سال قیصر روم نے عبداللہ بن رشید کو معہ چند جلد قرآن مجید کے احمد بن طولون کے پاس بطور ہدیہ روانہ

---

[1] یہ باطنیوں کا ایک فرقہ تھا جو اس قدر شدت پسند' لڑاکے اور خبثاء تھے کہ ایک سال حج کے موقع پر بیت اللہ شریف سے حجر اسود کو اٹھا لائے تھے اور اسے کئی سال تک اپنے پاس رکھا۔ پھر بڑی مشکل سے وقت کے خلیفہ نے ان سے واپس لیا۔

کیا' ۲۶۶ھ میں جزیرہ صقلیہ کے متصل رومیوں اور مسلمانوں کے جنگی بیڑوں میں لڑائی ہوئی' مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کی کئی جنگی کشتیاں رومیوں نے گرفتار کر لیں' باقی ماندہ نے ساحل صقلیہ میں جا کر قیام کیا۔

احمد بن طولون کے نائب شام نے اسی سال بلاد روم پر ایک کامیاب حملہ کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا' ۲۷۰ھ میں رومیوں نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقام قلمیہ پر جو طرسوس سے چھ میل کے فاصلے پر ہے حملہ کیا' مازیار والی طرسوس نے رومیوں پر شب خون مارا' ستر ہزار رومی مقتول ہوئے' بطریق اعظم گرفتار ہوا اور صلیب اعظم بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی۔

۲۷۳ھ میں مازیار والی طرسوس نے رومیوں پر حملہ کیا اور کامیاب واپس آیا' ۲۷۸ھ میں مازیار والی طرسوس اور احمد جعفی نے مل کر بلاد روم پر حملہ کیا' حالت جنگ میں منجنیق کا ایک پتھر مازیار کے لگا' وہ زخمی ہو کر لڑائی موقوف کر کے واپس ہوا' راستہ میں مر گیا۔

مسلمانوں نے طرسوس میں لا کر دفن کیا' اگرچہ عالم اسلام میں سخت ہل چل مچی ہوئی تھی اور جا بجا خانہ جنگی برپا تھی تاہم رومیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی عظیم الشان کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

وفات معتمد

خلیفہ معتمد علی اللہ بن متوکل علی اللہ نے ۲۰ رجب ۲۷۹ھ میں وفات پائی' سامرا میں مدفون ہوا' معتصم باللہ بن ہارون الرشید کے وقت سے خلفائے عباسیہ کا دارالخلافہ سامرا میں چلا آیا تھا۔ معتمد علی اللہ نے سامرا کو چھوڑ کر بغداد میں رہنا اختیار کیا اور پھر بغداد ہی دارالخلافہ ہو گیا' سامرا کو چھوڑ کر اور بغداد کو دارالخلافہ بنانے ہی کا نتیجہ تھا کہ ترک سردار جو خلافت اور دربار خلافت پر حاوی اور مسلط تھے ان کا زور یک لخت ٹوٹ گیا' دارالخلافہ کی تبدیلی بھی معتمد کے بھائی موفق کی عقل و تدبیر کا نتیجہ تھا۔

معتمد کے زمانہ میں دولت و حکومت کی قوتیں بالکل کمزور ہو چکی تھیں' امرائے سلطنت میں جیسا کہ ایسی حالت میں ہونا چاہیئے تھا نا اتفاقی' عداوت اور ایک دوسرے کی مخالفت خوب زوروں پر تھی' ممالک محروسہ کے ہر حصے اور ہر سمت میں فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا۔ لوگوں کے دلوں سے خلیفہ کا رعب بالکل مٹ چکا تھا' جہاں جس کو موقعہ ملا اس نے ملک دبا لیا' صوبہ داروں نے خراج بھیجنا بند کر دیا' کوئی آئین اور کوئی قانون تمام ملک میں رائج نہ رہا' ہر شخص نے جس ملک پر قبضہ کیا اپنا ہی قانون جاری کیا۔

رعایا پر بڑے بڑے ظلم ہونے لگے' عاملوں نے آزادانہ جس طرح چاہا رعایا کو تختۂ مشق بنایا' بنو سامان نے ماوراء النہر پر' بنو صفار نے سجستان و کرمان' خراسان اور ملک فارس پر' حسن بن زید نے طبرستان و جرجان پر' زنگیوں نے بصرہ وابلہ وواسط پر' خوارج نے موصل و جزیرہ پر' ابن طولون نے مصرو شام پر' ابن اغلب نے افریقہ پر قبضہ کر کے اپنی اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے سردار تھے جو اسی طرح ملکوں اور ولایتوں پر قبضہ کرنے کی فکر میں مصروف اور ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے' خلیفہ کی حکومت وسیادت کا صرف یہ نشان تھا کہ سب جمعہ کے خطبوں میں خلیفہ کا نام لیتے تھے' باقی کوئی حکم خلیفہ کا کوئی نہیں مانا جاتا' موفق نے اپنی تمام طاقت اور ساری عمر فتنہ وفساد کر فرو کرنے میں صرف کر دی' مگر بجز زنگیوں کا استیصال کرنے کے اور کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

اسی زمانہ میں قرامطہ وغیرہ کے آئندہ فتنوں کی بنیاد رکھی گئی۔اسی زمانے میں عبیداللہ بن عبید نے جو سلاطین مصر اور شیعان یمن کا مورث ہے مہدویت کا دعویٰ کیا اور قبیلہ بنو کنانہ کے اکثر افراد کو ہمراہ لے کے ملک مغرب کی طرف گیا اور وہیں ترقی کر کے رفتہ رفتہ مصر وافریقہ میں ایک خودمختار سلطنت کی بنیاد قائم کر سکا۔

اسی زمانہ میں علم حدیث کے مشہور نامور اماموں نے مثلاً امام بخاری' امام مسلم' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' نے وفات پائی' غرض معتمد کی خلافت کے ۲۳ سال اسی انتشار و پریشانی اور بدنصیبی و ناکامی کے عالم میں بسر ہو گئے۔

ہدایت وتبصرہ

خاندان بنو عباس کی حکومت وخلافت کو اب تک ڈیڑھ سو برس گذر چکے ہیں' خلافت عباسیہ کی شان وشوکت اور عروج کا زمانہ پورے سو برس تک رہا اور معتصم باللہ کی وفات یعنی ۲۲۷ھ سے زوال کے علامت شروع ہو گئے اور خلافت پر کہولت کا زمانہ آ گیا' پورے بیس سال یعنی متوکل علی اللہ کے قتل تک یہ کہولت کا زمانہ طاری رہا' اس بیس سال کے عرصہ میں یہ توقع تھی کہ خلافت عباسیہ پھر اپنی اسی صد سالہ شان وشوکت اور قوت وعظمت کو واپس لا سکتی ہے' لیکن ۲۴۷ھ میں متوکل علی اللہ کے قتل ہونے پر یک لخت ان کے تمام اعضاء مضمحل ہو گئے اور اس پر اس طرح بڑھاپا چھا گیا کہ عظمت رفتہ کے واپس آنے کی کوئی توقع نہ رہی؟ اس ضعیفی و پیری کے ۳۲ سال بھی ہم مطالعہ کر چکے ہیں' ابھی یہ ضعیف و ناتواں خلافت کئی سو برس تک زندہ رہنے والی ہے' حکومت اسلامیہ کے بہت سے مرکز الگ

الگ قائم ہو چکے ہیں اور بہت سے قائم ہونے والے ہیں' بہت جلد ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ خلافت بغداد یا خلافت عباسیہ میں نام کی ایک عظمت باقی رہ جائے گی اور وہ خود کوئی طاقت نہ ہوگی۔

اندریں صورت اگر آئندہ خلافت خلفاء عباسیہ کے حالات اسی تناسب اور اسی مذکورہ وسعت کے ساتھ بیان ہوئے تو تاریخ کی دلچسپی غائب ہو جائے گی اور پڑھنے والوں کے دماغ پر ایک نامناسب بوجھ پڑ جائے گا۔ لہٰذا باوجود اس کے کہ اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس میں اختصار کو بہت مدنظر رکھا گیا ہے' آئندہ اس سے بھی زیادہ اختصار وایجاز سے کام لیا جائے گا' خلیفہ معتمد باللہ کے عہد خلافت کا جو حال اوپر لکھا جا چکا ہے اس کی بے ترتیبی خود اس امر کی شاہد ہے کہ ان کے خلفاء کے ذاتی حالات میں قابل تذکرہ اور اہم واقعات بہت ہی کم ہو سکتے ہیں' ہاں ان کے عہد خلافت میں دوسروں کے واقعات اور کارنامے لاتعداد ہیں' کیونکہ نئے نئے خاندان حکومت نمایاں ہو رہے ہیں' ان تمام خاندانوں اور تمام سلسلوں کا متوازی لے کر چلنا محال اور غیر ممکن ہے۔ مگر ان کی ابتداء کا کہ کس طرح خاندان عباسیہ کے تعلق سے وہ برسر اقتدار آئے تذکرہ اشارۃ کر دینا ضروری تھا تا کہ جب ان کا حال مستقل طور پر الگ شروع کیا جائے تو اس ابتدائی تذکرہ کی طرف اشارہ کیا جا سکے۔

آئندہ بھی جو جو نئے خاندان حکومت خلافت عباسیہ کے تعلق سے پیدا ہوں گے ان کا تذکرہ ان شاءاللہ تعالیٰ حسب موقعہ کیا جائے گا۔

خاندان بنوامیہ کی سب سے بڑی خطا یہ ہے کہ اس نے ولی عہدی کو وراثت میں داخل کر کے حکومت اسلامی کی بربادی کا سامان کیا اور اس رسم بد کا مسلمانوں کو عادی بنایا' خاندان بنوعباس کی خطا بھی ان سے کسی طرح کم نہیں ہے کہ انہوں نے بنوامیہ کی ہر ایک چیز کو مٹایا اور ان کا یادگاروں کو فنا کیا مگر اس رسم بد کی خوب حفاظت کی اور مسلمانوں کی بربادی کے اس سامان کو مضبوط سے مضبوط تر بناتے رہے۔

دوسری غلطی ان کہ یہ تھی کہ شروع سے اہل عرب کے مخالف اور نو مسلم ایرانیوں کے ہمدرد رہے' سفاح سے لے کر مامون الرشید تک بجز ایک مہدی کے ہر ایک خلیفہ نے عربوں کی طاقت کو گھٹایا اور مجوسی النسل لوگوں کو ابھارا اور آگے بڑھایا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان بنوعباس کو بنوامیہ کے فتوحات کے دائرہ سے آگے قدم رکھنا نصیب نہ ہوا اور دم بدم ان کی حکومت وسلطنت کا رقبہ محدود ہی ہوتا چلا گیا۔

اسلام کی حقیقی شان اور اسلامی اخلاق پر مجوسیت کا ایک ہلکا سا غبار چھا گیا' یہی مجوسی النسل لوگ خلفاء عباسیہ کے لیے باعث مشکلات رہے' مگر ذی حوصلہ عباسی خلفاء ان مشکلات پر غالب آتے

رہے۔

معتصم باللہ نے مجوسیوں کی قابو یافتہ اور زبردست جماعت کے مقابلہ میں ماوراء النہر کے ترکوں کی، جن کا آبائی مذہب تو مجوسیت ہی تھا مگر قوم اور نسل کے کے اعتبار سے جدا اور خراسانیوں کے غیر تھے ایک نئی جماعت تیار کی۔

معتصم باللہ کی یہ تدبیر ضرور مفید ثابت ہوتی اگر وہ ترکوں کی نئی جماعت کو خراسانیوں سے زیادہ طاقت ور نہ بناتا۔ اور عربوں کو بھی ترقی دے کر ان دونوں جماعتوں کا ہمسر بنا دیتا۔ مگر عربوں کا تعلق خاندان خلافت سے بدستور کم اور منقطع ہوتا رہا اور معتصم باللہ کا سامرہ یعنی ترکی بستی میں سکونت پذیر ہونا ترکوں کی حد سے زیادہ ترقی کا موجب ہوا۔ معتصم باللہ نے غالباً ترکوں کو اس لیے پسند کیا تھا کہ وہ علویوں کے اثر سے پاک تھے عربوں سے اسی لیے اس خاندان نے نفرت کی تھی کہ علوی بھی عرب تھے مگر علویوں کا اثر مجوسی النسل یعنی ایرانیوں پر جن سے بنوعباس نے کام لیا تھا عربوں کی نسبت بھی زیادہ تھا اس لیے انہیں مشکلات کا سامنا رہتا تھا۔

معتصم نے دونوں گروہوں کو چھوڑ کر ایک خالی الذہن تیسرے گروہ کو منتخب کیا مگر ترک ایرانیوں کی طرح شائستہ اور انتظام سلطنت سے واقف نہ تھے ان کے لیے ضرورت تھی کہ ایک زبردست اور چوکس ہاتھ ان سے کام لے اور اپنے کام کا بنائے۔

معتصم کے جانشینوں میں اگر ہارون اور مامون کا دل و دماغ رکھنے والے چند شخص ہوتے تو خلافت عباسیہ کی عظمت و شوکت اور بھی ترقی کر جاتی اور معتصم کا سامرہ کو دارالسلطنت بنانا بڑی ہی عاقلانہ تدبیر سمجھی جاتی، مگر معتصم کے جانشینوں کی کمزوری اور عربی عنصر کے ضعیف تر ہو جانے اور سامرہ کے دارالسلطنت ہونے سے ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا اور معتصم کی جانشینوں کی کمزوری و نالائقی کا کوئی علاج کسی سے ممکن نہ ہوا۔[1] ترک ایک خالص فوجی قوم تھی جس کے پاس دماغ نہ تھا لہٰذا وہ نہ تو اپنی حکومت و سلطنت قائم کر سکے نہ علویوں کی خلافت قائم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ علوی لوگ اب تھک کر اور مایوس ہو کر بیٹھ چکے تھے اور بظاہر کسی ایسے ہی عظیم الشان خطرے کا کوئی اندیشہ خلافت

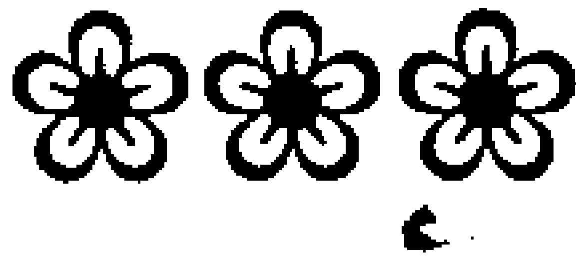
---

1. ان حالات کی اصل وجہ اعیان سلطنت اور عامۃ المسلمین کی اسلام سے دوری تھی۔ اسلام تو اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت کا درس دیتا ہے اور اسلام کے اصول وضوابط اور احکام و مسائل پر عمل کرنے سے اتفاق و اتحاد اور اجتماعیت پیدا ہوتی ہے برکات کا دور دورہ ہوتا ہے۔ خلافت اسلامیہ کے حالات پر اجمالی نظر ڈالنے سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ خلفائے راشدین وغیرہ کو چھوڑ کر حکومتی اور عوامی ہر دو سطح پر جیسے جیسے اسلام پر عمل کرنے سے انحراف اختیار کیا گیا اسی نسبت سے بگاڑ بڑھتا گیا اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت ختم ہوتی چلی گئی۔

عباسیہ کے لیے باقی نہ رہا تھا۔

جب معتصم کے بعد خود دارالخلافہ میں ہنگاموں اور بدتمیزیوں کا طوفان برپا ہوا تو مرکز خلافت کی اس حالت کا اثر تمام صوبوں پر ہوا اور جہاں جو عامل یا والی تھا وہ اپنی خودمختاری اور جداگانہ سلطنت قائم کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہو گیا۔

اندلس' مراقش اور افریقہ کی مثالیں ان کے سامنے موجود تھیں۔ قلب کے ماؤف ہوتے ہی تمام اعضاء کا دوران خون بند ہو گیا اور ان صوبہ داروں اور عاملوں اور عاملوں کی خودمختاری وافراتفری دیکھ کر علوی' خارجی' زنگی' قرمطی وغیرہ بھی قسمت آزمائی کے لیے کھڑے ہو گئے' اب وہ حالت پیدا ہو گئی کہ منصور و ہارون و مامون بھی اگر ہوتے تو شاید کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ متوکل کا قتل خلافت عباسیہ کے لیے نہایت منحوس واقعہ تھا۔ متوکل کے بعد ہی اگر موفق تخت نشیں ہو جاتا تو ممکن تھا کہ وہ حالات کو سنبھال لیتا' مگر موفق کو بحیثیت خلیفہ کام کرنے کا موقعہ نہ ملا' اور اس کے بیٹے معتضد کو جو اپنے باپ ہی کی طرح ذی حوصلہ و باہمت تھا اس وقت خلافت ملی جب مرض لاعلاج ہو چکا تھا۔



باب : ۵

معتضد باللہ

معتضد باللہ بن موفق باللہ بن متوکل علی اللہ بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید کا اصل نام احمد اور کنیت ابوالعباس تھی' ربیع الاول ۲۴۳ھ میں صواب نامی ام ولد کے پیٹ سے پیدا ہوا اور اپنے چچا معتمد باللہ کے بعد ماہ رجب ۲۷۹ھ میں تخت نشین ہوا' خوب صورت بہادر اور عقل مند شخص تھا' سخت گیری اور خوں ریزی سے بھی اگر ضرورت ہوتی تھی تو در گذر نہیں کرتا تھا' باہیبت اور معاملہ فہم تھا' منجموں اور افسانہ گو لوگوں کا دشمن تھا' مامون کے زمانہ سے فلسفہ کا بہت چرچا ہو گیا تھا' معتضد نے فلسفہ اور مناظرہ کی کتابوں کی اشاعت کو روک دیا' تاکہ مذہبی فتنوں اور لڑائی جھگڑوں کا سد باب ہو' رعایا کے خراج میں اس نے کمی کر دی تھی' عدل کا شائق تھا' رعایا پر سے ظلم و ستم کو دور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

مکہ میں دارالندوہ کی عمارت ابھی تک موجود تھی' معتضد نے اس کو گرا کر مسجد بیت الحرام کے پاس ایک مسجد بنا دی' مجوسی النسل لوگوں کی کثرت نے بغداد میں نوروز[۱] کے دن عید منانے اور آگ جلانے کی رسم بھی جاری کر دی تھی۔ معتضد نے اس مجوسی رسم کو حکماً بند کر دیا' خماریہ بن احمد طولون حاکم مصر کی لڑکی سے اس نے عقد کیا' اس نے دفتر میراث قائم کیا اور ذوی الارحام کو بھی میراث میں سے حصہ دلانے کا التزام کیا' اس سے لوگوں نے اس کو بہت دعائیں دیں اور اس کی قبولیت رعایا میں بڑھ گئی۔

معتضد نے ایک مرتبہ قاضی ابوحازم کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ نے فلاں شخص سے لوگوں کا

---

[۱] یہ پارسیوں (آتش پرستوں یا مجوسیوں) کی قومی عید ہے۔ اسے جشن بزرگ بھی کہتے ہیں۔ وہ اپنے ماہ فروردین کے چھٹے دن یہ تہوار مناتے ہیں۔ پارسی زیادہ تر ایران میں رہتے ہیں۔ دور قدیم سے ایران پارسیوں کی آماج گاہ چلا آ رہا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے سینکڑوں سال پہلے سے ایران پر آتش پرستوں کا غلبہ تھا اور یہ ملک اس وقت دنیا کی ایک بڑی مملکت تھی' جو جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح ہوا اور یوں مجوسیوں کا غلبہ ختم ہو گیا بلکہ مجوسی سٹیٹ ختم ہو گئی' فللہ الحمد!

مال دلوایا ہے' میرا بھی کچھ مال اس کے پاس ہے مجھ کو بھی دلواؤ' قاضی نے جواباً کہلا بھجوایا کہ آپ گواہ پیش کریں تو آپ کو بھی ڈگری دی جائے' معتضد کے گواہوں نے قاضی ابو حازم کے سامنے پیش ہونے سے انکار کیا کہ کہیں قاضی ہم کو نا قابل شہادت نہ ٹھہرائے' اس لیے معتضد کو اس کا مال نہ ملا۔

معتضد نے خلافت عباسیہ کا بہت نازک اور خراب دور پایا تھا مگر اس نے بہت کوشش کی کہ خلافت عباسیہ کی حالت سقیم درست ہو جائے چنانچہ اس کی وجہ سے کچھ کچھ ترقی کے آثار نمایاں بھی ہوئے مگر اس کے جانشینوں میں یہ قابلیت نہ تھی کہ رفتار ترقی کو قائم رکھ سکتے۔

معتضد کے تخت نشین ہونے کے چند روز بعد ہی نصر بن احمد سامانی فوت ہو گیا تھا' اس کی جگہ اس کا بھائی اسماعیل بن احمد سامانی ماوراء النہر کا حکمران ہوا' موصل کے علاقے میں خوارج کے دو گروہ آپس میں لڑ رہے تھے' ایک گروہ کا سردار ابو جوزہ ۲۸۰ھ میں گرفتار ہو کر بغداد میں آیا۔ معتضد نے اس کو بڑی تکلیفوں سے قتل کرایا' دوسرے گروہ کا سردار ہارون شاری بدستور مصروف بغاوت و سرکشی رہا' ۲۸۰ھ میں معتضد نے جزیرہ پر خود فوج کشی کی اور قبائل بنی شیبان کو قرار واقعی سزا دے کر اور بہت سا مال غنیمت لے کر بغداد واپس آیا۔

معتضد نے اپنے غلام بدر نامی کو پولیس کی افسری اور عبید اللہ بن سلیمان بن وہب کو قلمدان وزارت عطا کیا' ۲۸۱ھ میں حمدان بن حمدون کو جو قلعہ ماردین پر قابض اور ہارون شاری خارجی سے دوستی پیدا کر چکا تھا' خلیفہ معتضد نے گرفتار کیا اور قلعہ ماردین کو مسمار کرا کر زمین کے برابر کر دیا۔

۲۸۱ھ میں خلیفہ معتضد نے اپنے بیٹے علی المعروف بہ مکتفی کو رے' قزوین' زنجان' قم' جدان کی حکومت پر مامور فرمایا۔

ماہ ربیع الاول ۲۸۳ھ میں خلیفہ معتضد نے اطراف موصل میں پہنچ کر ہارون شاری خارجی کے استیصال کی کوشش میں کامیابی حاصل کی' ہارون کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور بغداد کی طرف واپس آیا' بغداد میں ہارون کو تشہیر کر کے قتل کرا دیا۔ ۲۸۵ھ میں معتضد نے آذربائیجان پر چڑھائی کی قلعہ آمد کو فتح کر کے احمد بن عیسیٰ بن شیخ کو گرفتار کیا اور ماہ ربیع الثانی ۲۸۶ھ میں بغداد واپس آیا......

قرامطہ کا خروج!

۲۸۱ھ میں قرامطہ کے معتقدین میں سے ایک شخص یحییٰ بن مہدی نامی نے مقام قطیف من مضافات بحرین میں وارد ہو کر علی بن معلیٰ بن حمدان کے مکان میں قیام کیا اور کہا کہ مجھ کو مہدی امام زمان نے بھیجا ہے اور وہ بھی عنقریب خروج کرنے والے ہیں'

علی شیعہ تھا' اس نے تمام شیعوں کو فراہم کیا اور امام زمان کا خط جو یحییٰ نے پیش کیا تھا پڑھ کر سنایا' شیعوں نے نہایت خلوص کے ساتھ بوقت ظہور مہدی خروج کا وعدہ کیا' تھوڑے دنوں کے بعد یحییٰ چند روز کو غائب ہو گیا اور پھر آ کر امام زمان کا ایک دوسرا خط پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ ہر شخص یحییٰ کو چھتیس چھتیس دینار نذر کرے' شیعوں نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی' چند روز کے بعد یحییٰ پھر آیا اور تیسرا خط لایا جس میں لکھا تھا کہ تم لوگ اپنے مال کا پانچواں حصہ امام زمان کے لیے یحییٰ کے حوالے کرو۔

۲۸۶ھ میں ابوسعید جنانی نے بحرین میں آ کر مذہب قرامطہ کی لوگوں کو علانیہ دعوت دی' اس نواح میں جو لوگ پہلے سے خفیہ طور پر اس مذہب میں شامل ہو چکے تھے' وہ اب علانیہ آ آ کر جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے' ابوسعید نے سب کو لے کر مقام قطیف میں قیام کیا اور ساز و سامان سے درست ہو کر بصرہ کا قصد کیا' بحرین کے یہ تمام حالات خلیفہ معتضد کو معلوم ہوئے تو اس نے بصرہ کے عامل احمد بن محمد بن یحییٰ واثقی کو لکھا کہ بصرہ کی شہر پناہ تعمیر کرالو چنانچہ چودہ ہزار دینار کے خرچ سے شہر پناہ تیار ہو گئی۔

جس وقت ابوسعید بصرہ کے قریب پہنچا تو دارالخلافہ بغداد سے عباس بن عمر غنوی دو ہزار سواروں کے ساتھ بصرہ کی حفاظت کے لیے آ پہنچا' بصرہ سے باہر ہی عباس اور ابوسعید کی لڑائی ہوئی۔

دو روز کی سخت لڑائی کے بعد ابوسعید نے عباس کو گرفتار کر لیا اور جس قدر آدمی عباس کے ہمراہیوں میں سے گرفتار ہوئے سب کو ابوسعید نے آگ میں ڈال ڈال کر جلا دیا' یہ واقعہ ۲۸۷ھ کے مہینہ شعبان کا ہے۔

ابوسعید قرمطی نے اس فتح کے بعد بصرہ کو چھوڑ کر علاقہ ہجر کا قصد کیا' اہل ہجر کو امن دے کر ہجر پر قبضہ کر لیا اور پھر بصرہ کی طرف آیا۔

اہل بصرہ پہ بہت خوف طاری ہوا مگر بصرہ کے عامل احمد بن محمد واثقی نے سب کو تسکین و تشفی دی' ابوسعید اس مرتبہ بھی بصرہ کو چھوڑ کر اور عباس کو قید سے آزاد کر کے مضافات بحرین کی طرف چلا گیا۔ ۲۸۸ھ میں ایک شخص ابوالقاسم یحییٰ المعروف بہ زکرویہ بن مہرویہ کوفہ میں گیا اور قبیلہ قلیس بن ضمضم بن عدی اس مذہب قرامطہ کی جانب مائل ہو گیا' رفتہ رفتہ یہ جمعیت بڑھنے لگی تو شبل نامی ایک سردار نے ان پر حملہ کیا۔

اس لڑائی میں قرامطہ کا ایک سردار ابوالفوارس نامی گرفتار ہوا' باقی بھاگ کر دمشق کی جانب چلے گئے' ابوالفوارس کو شبل نے خلیفہ معتضد کے پاس بغداد بھیج دیا' معتضد نے اس کو قتل کرا دیا' قرامطہ نے

دمشق میں جا کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی‘ اس وقت دمشق کا حاکم طغج تھا اس نے قرامطہ کا مقابلہ کیا کئی مرتبہ لڑائی ہوئی ہر لڑائی میں قرامطہ نے فتح پائی‘ یہ ۲۸۹ھ کا واقعہ ہے‘ یعنی اس زمانہ میں معتضد باللہ کا عہد حکومت ختم ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔قرامطہ کا باقی حال بعد میں ذکر کیا جائے گا۔

۲۸۶ھ میں خلیفہ معتضد نے اپنے بیٹے علی کو جس کا آئندہ لقب مکتفی ہوا جویرہ اور عواصم کی سند گورنری عطا کی اور حسن بن عمرو نصرانی کو رقہ سے طلب کر کے مکتفی کا میر منشی یا وزیر مقرر کیا۔

۲۸۸ھ میں طاہر بن محمد بن عمرو بن لیث صفار نے ایک لشکر فراہم کر کے فارس کے صوبہ پر قبضہ کرنا چاہا‘ مگر اسماعیل سامانی نے اس کو ٹوکا کہ اس صوبہ پر اگر تم نے تصرف کا ارادہ کیا تو میں آتا ہوں‘ طاہر تو رک گیا مگر خلیفہ معتضد کے غلام بدر نے جا کر فارس پر قبضہ کر لیا۔

وزیر عبیداللہ بن سلیمان بن وہب کے انتقال پر خلیفہ معتضد نے اس کے بیٹے ابوالقاسم کو وزیر اعظم بنایا تھا‘ خلیفہ معتضد کے زمانہ میں رومیوں پر ۲۸۵ھ‘ ۲۸۷ھ‘ ۲۸۸ھ میں مسلمانوں نے چڑھائیاں کیں‘ کبھی رومیوں کا زیادہ نقصان ہوا‘ کبھی مسلمانوں کا۔

وفات معتضد باللہ

۲۸۹ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کثرت جماع کی وجہ سے بیمار ہو گیا‘ مختلف امراض اس پر مستولی ہو گئے تھے‘ نزع کی حالت میں ایک طبیب اس کی نبض دیکھ رہا تھا کہ معتضد نے اس کے ایک لات ماری‘ ادھر طبیب گرتے ہی مر گیا‘ ادھر معتضد کی جان نکل گئی۔

معتضد نے چار لڑکے اور گیارہ لڑکیاں چھوڑیں‘ معتضد کی وفات آخر ماہ ربیع الثانی ۲۸۹ھ میں ہوئی۔

مکتفی باللہ

مکتفی باللہ بن معتضد باللہ بن موفق باللہ بن متوکل علی اللہ بن معتصم باللہ بن ہارون الرشید کا اصل نام علی اور کنیت ابو محمد تھی‘ ایک ترکیہ ام ولد جیجک نامی کے بطن سے پیدا ہوا تھا‘ علی نام کے صرف دو ہی خلیفہ ہوئے‘ ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرا مکتفی باللہ‘ معتضد باللہ نے اس کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔

جب معتضد کا انتقال ہوا تو مکتفی رقہ میں تھا اور بدر غلام فارس میں‘ وزیر اعظم قاسم بن عبیداللہ نے مکتفی کے نام پر لوگوں سے بیعت لی اور مکتفی کے پاس رقہ میں خبر بھیجی‘ مکتفی ۷ جمادی الاول کو

بغداد میں داخل ہوا اور قاسم وزیر کو بے خلعت عطا کیے' مکتفی عادل' خوش خلق اور خوب صورت شخص تھا' وزیر ابوالقاسم بن عبیداللہ یہ چاہتا تھا کہ معتضد کی اولاد میں سے کوئی خلیفہ نہ ہو بلکہ اس خاندان کے کسی اور شخص کو خلیفہ بنایا جائے۔

بدر بن عبیداللہ اس کے ارادے میں سدراہ ہوا اور وزیر کو مجبوراً اپنے اس ارادے سے باز رہنا پڑا' اب مکتفی کے تخت نشین ہونے کے بعد وزیر کو یہ فکر ہوئی کہ اگر بدر نے حاضر دربار ہو کر خلیفہ سے میرے اس ارادے کا تذکرہ کر دیا تو خلیفہ میرا دشمن ہو جائے گا' اس لیے وہ اس کوشش میں مصروف ہوا کہ بدر کے آنے سے پہلے خلیفہ کو بدر کی جانب سے بدگمان کر دے۔

چنانچہ جو بڑے بڑے سردار بدر کے ساتھ فارس میں تھے ان کو بلا لیا گیا' بدر فارس سے واسط میں آیا تو واسط کی طرف ایک فوج روانہ کر دی' بدر چاہتا تھا کہ میں خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کروں' وزیر نے خلیفہ کو بدر کی طرف سے اور بھی برہم کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ بدر کو بغداد پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا۔ بدر نہایت عقل مند اور بہادر اور مدبر شخص تھا' اس کا قتل بالکل اسی قسم کا قتل تھا جیسا ہرثمہ بن اعین کا قتل۔

مامون الرشید کے ابتدائی عہد خلافت میں ہوا' ماہ رجب ۲۸۹ھ میں محمد بن ہارون نے جو اسماعیل سامانی کا ایک باغی سردار تھا رے قبضہ کیا' خلیفہ مکتفی نے فوج بھیجی' اس کو محمد بن ہارون نے شکست دے کر بھگا دیا' تب مکتفی باللہ نے رے کا علاقہ بھی اسماعیل سامانی کو دے دیا' اسماعیل سامانی نے آ کر رے پر قبضہ کیا' محمد بن ہارون شکست کھا کر بھاگا پھر گرفتار ہو کر آیا' اس کو اسمٰعیل نے جیل خانہ میں قید کرا دیا' جہاں وہ شعبان ۲۹۰ھ میں مر گیا۔

قرامطہ کا ہنگامہ شام میں

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ صوبہ بحرین پر قرامطہ نے تسلط کر لیا تھا' اس کے بعد وہ کوفہ میں نمودار ہوئے مگر وہاں شکست کھائی تو دمشق میں پہنچ کر طفج نامی عامل دمشق کو بار بار شکستیں دے کر اس کا محاصرہ کر لیا' مکتفی باللہ نے دمشق میں قرامطہ کی یہ چیرہ دستی دیکھ کر خود بغداد سے کوچ کیا اور ۲۹۰ھ میں رقہ پہنچ کر قیام کیا اور محمد بن سلیمان کو ایک زبردست لشکر دے کر دمشق کی جانب قرامطہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا' محمد بن سلیمان نے بڑی ہوشیاری اور بہادری کے ساتھ قرامطہ کا مقابلہ کیا' قرامطہ کا سردار ابوالقاسم یحییٰ المعروف بہ ذکرویہ ۶ محرم ۲۹۱ھ کو گرفتار ہوا' بہت سے قرامطہ مقتول' بہت سے مقید اور بہت سے مفرور ہوئے' ذکرویہ گرفتار ہو کر رقہ میں مکتفی کے سامنے پیش ہوا' اس نے اس کو قتل کر دیا'

ذکرویہ کے بعد اس کے بھائی حسین نے قرامطہ کو فراہم کر کے بدامنی پیدا کی وہ بھی مقتول ہوا' اس حسین قرمطی نے اپنا خطاب امیر المومنین مہدی رکھا تھا' اس کے چچیرے بھائی عیسیٰ نے اپنا لقب مدثر رکھا اور یہ ظاہر کیا کہ سورہ مدثر میں میرا ہی نام آیا ہے' اس نے اپنے غلام کا نام مطوق بالنور رکھا تھا' غرض ۲۹۱ھ میں سب کے سب یکے بعد دیگرے مقتول ہوئے' اور ملک شام میں یہ فتنہ فرو ہوا مگر یہاں سے قرامطہ نے یمن میں جا کر فتنہ برپا کر دیا۔

مصر میں بنی طولون کا خاتمہ

جب قرامطہ کی جنگ سے فراغت حاصل ہو گئی تو مکتفی رقہ سے بغداد آیا اور محمد سلیمان بھی دمشق سے بغداد کی طرف روانہ ہوا' شام کا اکثر حصہ ہارون بن خمارویہ بن احمد بن طولون کی حکومت میں شامل تھا اور اس سے لڑائی کا ارادہ خلیفہ مکتفی رکھتا تھا نہ محمد بن سلیمان' بلکہ قرامطہ کے استیصال کے واسطے خلیفہ کا خود حرکت کرنا اور اپنی فوجوں کو بھیجنا جہاں اپنی سلطنت کی حفاظت تھی وہاں شاہ مصر کی بھی حمایت تھی' محمد بن سلیمان پہلے خاندان طولون کے یہاں ایک کارگذار سردار تھا' پھر کسی بات پر ناراض ہو کر خلیفہ کے پاس آ کر متوسلین خلافت میں شامل ہو گیا تھا' بغداد آتے ہوئے راستے میں محمد بن سلیمان کو بدر حمامی کا جو ہارون بن خمارویہ کا غلام تھا ایک خط ملا'

بدر حمامی نے لکھا تھا کہ آج کل بنی طولون کی سلطنت کا شیرازہ کمزور اور اقوائے حکمرانی مضمحل ہو گئے ہیں' اگر اس وقت آپ معہ فوج اس طرف چلے آئیں اور مصر پر حملہ آور ہوں تو میں بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آپ کی مدد کو تیار ہوں۔

محمد بن سلیمان یہ خط لیے ہوئے بغداد آیا اور خلیفہ مکتفی کی خدمت میں پیش کیا' خلیفہ مکتفی نے محمد بن سلیمان کو ایک زبردست فوج دے کر فوراً مصر کی جانب روانہ کر دیا' محمد بن سلیمان نے مصر پہنچ کر لڑائیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔

بدر حمامی محمد بن سلیمان کے پاس چلا آیا' ہارون بن خمارویہ مارا گیا' مصر پر محمد بن سلیمان کا قبضہ ہوا' خاندان طولون کے تمام افراد گرفتار کر کے بغداد بھیج د
ھ کا ہے' دربار
خلافت سے عیسیٰ نوشری کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا گیا' محمد بن سلیمان سومت ا س ے پر دلر کے بغداد چلا آیا' وہاں بنی طولون کے حامی سرداروں میں سے ایک سپہ سالار ابراہیم خلنجی نامی نے عیسیٰ نوشری کو بے دخل کر کے خود مصر پر قبضہ کر لیا' بغداد سے فوج بھیجی گئی اول اس کو شکست فاش ہوئی مگر بعد میں ابراہیم شکست پا کر گرفتار ہو گیا اور بغداد کے جیل خانہ میں قید کر دیا گیا' اسی سال خلیفہ نے مظفر بن حاج کو

یمن کی شورش فرو کرنے کے لیے جو قرامطہ نے وہاں پر مچا رکھی تھی سند گورنری دے کر روانہ کیا۔

بنی حمدان

۲۹۲ھ میں خلیفہ مکتفی نے ابوالہیجا' عبداللہ بن حمدان بن حمدون عدوی تغلبی کو صوبہ موصل کی گورنری عطا کی' یکم محرم ۲۹۳ھ کو وہ وارد موصل ہوا' اس کے موصل پہنچتے ہی کردوں نے علم بغاوت بلند کیا' ابوالہیجا مصر سے فوج لے کر کردوں کے مقابلہ کو نکلا مگر شکست کھائی' موصل میں آ کر خلیفہ سے مدد طلب کی' یہاں سے فوج گئی اور ماہ ربیع الاول ۲۹۴ھ میں ابوالہیجا نے کردوں پر فوج کشی کی' وہ خوف زدہ ہو کر کوہ سلیق میں جا کر پناہ گزین ہوئے' بہت دنوں تک محاصرہ اور لڑائی کا سلسلہ جاری رہا' آخر کردوں کے سردار محمد بن بلال نے امن کی درخواست کی جو قبول ہوئی' ابوالہیجا کا تمام صوبہ میں سکہ بیٹھ گیا اور تمام کرد مطیع و منقاد ہو گئے' ۳۰۱ھ میں ابوالہیجا نے خلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا خلیفہ مقتدر نے مونس نامی اپنے خادم کو بھیجا' وہ ابوالہیجا کو گرفتار کر کے بغداد لایا اس کا قصور معاف ہوا اور بغداد میں رہنے لگا' ابوالہیجا کے بھائی حسین و ابوالہیجا دونوں بھائیوں کو معہ دوسرے رشتہ داروں کے جیل خانہ میں قید کر دیا گیا جو ۳۰۵ھ میں رہا ہوئے۔

ترکوں اور رومیوں کے حملے

۲۹۱ھ میں رومیوں نے ایک لاکھ فوج سے بلاد اسلامیہ پر حملہ کیا مگر اس حملہ میں ان کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی' سرحدی سرداروں نے مار کر بھگا دیا' ۲۹۳ھ میں ایک نئے حملہ آور گروہ کا ظہور ہوا' یعنی ترکوں نے جو ماوراء النہر کے شمالی پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے تھے ماوراء النہر پر حملہ کیا' اس طرف سے یہ سب سے پہلا حملہ تھا جو ماوراء النہر پر ہوا' ان وحشی اور جنگلی حملہ آوروں کی تعداد بے شمار تھی اور ایک سیلاب تھا جو امنڈ آیا تھا۔

مگر اسماعیل سامانی حاکم ماوراء النہر نے بڑی ہمت اور استقلال کے ساتھ تمام فوجوں کو یک جا فراہم کر کے ان حملہ آوروں کو اچھی طرح سبق دیا' ہزار ہا گرفتار اور ہزار ہا مقتول ہوئے' باقی بھاگ گئے' اسی سال رومیوں نے مسلمانوں سے صلح کی درخواست کی اور حسب دستور سابق قیدیوں کا تبادلہ عمل میں آیا مگر اس صلح کے بعد ہی رومیوں نے شہر قورس پر شب خون مارا اور ہزار ہا مسلمان بے خبری میں شہید اور گرفتار ہوئے' جامع مسجد کو رومیوں نے جلا دیا اور واپس چلے گئے اسی سال اسماعیل سامانی نے بلاد دیلم اور ترکوں کے بعض علاقے پر بزور شمشیر قبضہ کیا' ۲۹۴ھ میں مسلمانوں نے طرطوس کی طرف سے بلاد روسیہ پر حملہ کر کے بہت سے رومیوں کو گرفتار کیا جن میں ایک بطریق بھی تھا' اس

بطریق نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔

مکتفی باللہ کی وفات

ماہ جمادی الاول ۲۹۵ھ میں ساڑھے چھ برس حکومت کر کے مکتفی باللہ بغداد میں فوت ہو کر محمد بن طاہر کے مکان میں مدفون ہوا' وفات سے پہلے اپنے بھائی جعفر کو اپنا ولی عہد بنایا تھا مکتفی نے مرتے وقت بیت المال میں ڈیڑھ کروڑ دینار چھوڑے' جعفر بن معتضد کی عمر اس وقت تیرہ برس کی تھی اس نے تخت نشین ہو کر اپنا لقب مقتدر باللہ تجویز کیا۔

مقتدر باللہ!

مقتدر باللہ بن معتضد باللہ کا اصل نام جعفر اور کنیت ابوالفضل تھی' ماہ رمضان ۲۸۲ھ میں ایک رومیہ ام ولد غریب نامی کے بطن سے پیدا ہوا' مکتفی باللہ نے مرنے سے قبل جب اپنے ولی عہد کی نسبت لوگوں سے مشورہ کیا تو لوگوں نے اس کو یقین دلایا کہ مقتدر باللہ بالغ ہو گیا ہے' تب اس نے مقتدر کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا' اس سے پہلے ایسی چھوٹی عمر میں کوئی خلیفہ تخت نشین نہیں ہوا تھا' مقتدر کی تخت نشینی کے بعد لوگوں میں اس کے خلع کی نسبت چرچا ہونے لگا۔

وزیراعظم عباس بن حسن کے اختیارات چونکہ وسیع ہو گئے تھے اور خزانہ پر تصرف کرنے کا بھی اختیار چونکہ وزیراعظم ہی کو حاصل تھا اس لیے اور بھی اراکین سلطنت کو مقتدر کی خلافت ناگوار تھی' ادھر وزیراعظم بھی اس لڑکے کی خلافت سے خوش نہ تھا۔ چنانچہ ابوعبداللہ محمد بن معتز کو خلافت پر آمادہ کیا' ابھی مقتدر کے معزول اور محمد معتز کے تخت نشین کرنے کے مشورے اور تیاریاں ہو رہی تھیں کہ ابوعبداللہ محمد بن معتز کا انتقال ہو گیا' اس کے بعد ابوالحسین بن متوکل کو تخت نشین کرنے کا انتظام کیا گیا' اتفاق کی بات کہ ابوالحسین بھی فوت ہو گیا' اس کی اور ابوعبداللہ محمد بن معتز کی وفات کی وجہ سے خلیفہ مقتدر کی حکومت کو ایک قسم کا استحکام حاصل ہو گیا۔

چند روز کے بعد پھر سرگوشیاں شروع ہوئیں اور اراکین سلطنت نے عبداللہ بن معتز کو تخت خلافت کے لیے آمادہ کرنا چاہا' عبداللہ بن معتز نے اس شرط کے ساتھ منظور کیا کہ خون ریزی نہ ہو' تمام اراکین سلطنت اس تجویز میں شریک تھے' مگر وزیراعظم عباس بن حسین اس میں شریک نہ تھا ۲۰ ربیع الاول ۲۹۶ھ کو سب سے پہلے وزیراعظم کو جب کہ وہ اپنے باغ کو جا رہا تھا دفعتاً حملہ کر کے قتل کر دیا گیا' اگلے دن ۲۱ ربیع الاول ۲۹۶ھ کو مقتدر کی معزولی کا اعلان کر کے عبداللہ بن معتز کی بیعت سب

نے کر لی' اس وقت خلیفہ مقتدر چوگان کھیل رہا تھا' اپنی معزولی کا حال سنتے ہی فوراً محل سرائے میں چلا گیا اور دروازے بند کر لیے۔

عبداللہ بن معتز نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنا لقب المرتضیٰ باللہ تجویز کیا اور مقتدر کو لکھ بھیجا کہ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ دارالخلافہ چھوڑ کر باہر آ جاؤ اور خلافت کی ہوس ترک کر دو' مقتدر نے لکھا کہ مجھ کو آپ کے ارشاد کی تعمیل بسروچشم منظور ہے مگر شام تک کی مہلت عطا کر دو۔

رات کو مونس خادم سے دوسرے خدام نے مشورہ کیا کہ کوئی ہنگامہ برپا کرنا چاہیئے' صبح کو حسین بن حمدان قصر خلافت کے دروازہ پر پہنچا تو انہوں نے تیروں کا مینہ برسایا' شام تک مقتدر کے غلاموں نے یہی سلسلہ جاری رکھا' رات کو بتدریج اور لوگ بھی مقتدر کی جمعیت میں شامل ہوتے گئے' نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ بن معتز جدید خلیفہ کو معہ اپنے چند ہوا خواہوں کے روپوش ہونا پڑا' مقتدر نے مونس خادم کو پولس کی افسری عطا کر کے فتنہ کے فرو کرنے کا حکم دیا' ابوالحسن بن فرات کو وزیراعظم بنایا' عبداللہ بن معتز گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔

اسی سال یعنی ربیع الثانی ۲۹۶ھ میں عبیداللہ مہدی کی بیعت افریقہ میں ہوئی اور دولت عبیدیہ شیعہ امامیہ کی ابتداء ہو کر افریقہ میں دولت اغالبہ کا خاتمہ ہوا' اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دولت عبیدیہ کے آغاز اور دولت اغالبہ کے اختتام کا حال اس جگہ بیان کر دیا جائے۔

دولت عبیدیہ کا آغاز!

عبیداللہ مہدی سب سے پہلا بادشاہ اپنے آپ کو محمد بن جعفر بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کا بیٹا بتاتا تھا' لیکن اس کے نسب میں لوگوں نے سخت اختلاف کیا ہے' مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مجوسی تھا' بعض نے اس کو نصرانی کہا ہے۔

شیخ المناظرین قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی عبیداللہ مہدی کے سید یعنی عالی نسب ہونے سے انکار کیا ہے' مشاہیر علماء نے خلیفہ قادر باللہ کے عہد میں جب کہ اس کے نسب کا مسئلہ زیر غور تھا صاف طور پر عبیداللہ مہدی کو اپنے دعویٰ علویت میں کاذب قرار دیا تھا' ان علماء میں ابوالعباس ابیوزہ' ابوحامد اسفرائنی' ابوجعفر نسفی' قدری وغیرہ شامل ہیں' علویہ میں سے مرتضیٰ ابن بطحاوی' ابن ازرق نے بھی عبیداللہ مہدی کو دعویٰ نسب میں دروغ گو اور مفتری قرار دیا ہے۔

عبیداللہ مہدی غالی شیعہ تھا' مگر علمائے شیعہ نے بھی اس کے علوی ہونے سے انکار کیا ہے' مثلاً ابوعبداللہ ابن نعمان نے بھی عبیداللہ مہدی کو علویت کے دعوے میں کاذب قرار دیا ہے۔ امام المورخین

سیدنا علامہ شیخ جلال الدین سیوطی نے بھی بڑے زور کے ساتھ عبیداللہ مہدی کو اپنے نسب کے دعویٰ میں جھوٹا اور مجوسی النسل ثابت کیا ہے۔

مگر علم تاریخ کے ایک اور بہت بڑے امام یعنی ابن خلدون نے عبیداللہ کو علوی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے' انہوں نے مقدمہ ابن خلدون میں بھی اور اپنی تاریخ میں بھی عبیداللہ کو نسب کے دعویٰ میں سچا تسلیم کیا ہے' لیکن ابن خلدون نے اس معاملہ میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ نہایت ہی کمزور اور امام ابن خلدون کے مرتبے کا تصور کرتے ہوئے تو بہت ہی مضحکہ انگیز معلوم ہوتے ہیں' مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ عبیداللہ کے خاندان میں ایک زبردست سلطنت قائم ہوگئی' اگر وہ علوی نہ ہوتا تو لوگ اس کی بادشاہت کو تسلیم نہ کرتے اور اس کے جھنڈے کے نیچے اپنے سر نہ کٹاتے۔

کسی کے نسب کی نسبت ثبوت پیش کرتے ہوئے اس قسم کی دلیل کا پیش کرنا یقیناً ایک تمسخر انگیز چیز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ امام ابن خلدون کے پاس اس معاملہ میں دلیل ایک بھی نہیں ہے' وہ چونکہ خود مغربی ہیں اس لیے ایک مغربی حکمران خاندان کے نسب کا مجہول ہونا ان کو بالطبع ناپسند ہے' اسی طرح وہ مراکش کی سلطنت ادریسیہ کو بھی علوی ہی ثابت کرنے میں پورا زور لگاتے ہیں اور ادریس ثانی کو ادریس اول کا بیٹا ثابت کرنے اور ایک بربری عورت کی عصمت و عفت کو بلاضرورت زیر بحث لانے میں پورا زور صرف کرتے ہیں' کیونکہ وہ بھی ایک مغربی سلطنت تھی۔ ممکن ہے کہ یہ بدگمانی امام موصوف کی نسبت ایک معصیت ہو...... **استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔**

عبیداللہ مہدی نے حمص میں قیام کیا اور اپنے ایک آدمی ابوعبداللہ کو حج کے موقع پر مکہ معظمہ بھیجا۔ وہ مکہ معظمہ میں آیا' یہاں اس نے کتامہ کے حاجیوں کا قافلہ تلاش کر کے ان کے ساتھ خلاملا پیدا کیا' انہوں نے اس کے زہد و ورع کو دیکھ کر خوب خدمت و تعظیم کی۔

حج سے فارغ ہو کر جب وہ لوگ افریقہ کی جانب روانہ ہوئے تو ابوعبداللہ بھی ان کے ساتھ ہی ہولیا' انہوں نے بہت ہی غنیمت سمجھا' کتامہ میں جا کر انہوں نے اس کے قیام کے لیے کوہ انکجان پر ایک مکان بنا دیا جس کا نام فج الاخیار رکھا' وہاں ابوعبداللہ مصروف عبادت رہنے لگا اور لوگ اس کے پاس بڑی گرویدگی کے ساتھ آنے جانے لگے' ابوعبداللہ نے وہاں ظاہر کیا کہ مہدی عن قریب ظاہر ہونے والے ہیں اور انہوں نے ہم کو اسی مقام پر قیام کرنے کی ہدایت کی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ہمارے انصار کا نام مشتق ہے کتمان سے' وہ اہل کتامہ ہی ہوں گے' رفتہ رفتہ ابوعبداللہ کی حکومت و سیادت کتامہ میں قائم ہوگئی۔

یہ خبر جب ابراہیم بن احمد بن اغلب والی افریقہ کے پاس دارالسلطنت قیروان میں پہنچی تو اس

نے ولایت میلہ کے عامل کو لکھا کہ ابوعبداللہ جو کتامہ میں مقیم ہے اس کے حالات سے اطلاع دو عامل نے لکھ کر بھیج دیا کہ وہ ایک تارک الدنیا شخص ہے لوگوں کو نماز روزہ کی نصیحت کرتا رہتا ہے ابراہیم یہ سن کر خاموش ہو گیا' چند ہی روز کے بعد ابوعبداللہ نے اپنی جمعیت کو مضبوط کر کے شہر میلہ پر حملہ کیا اور بعد محاصرہ وہاں کے عامل کو بے دخل کر کے میلہ پر قابض و متصرف ہو گیا' یہ سن کر ابراہیم بن احمد اغلب نے اپنے بیٹے احول کو ایک لشکر کے ساتھ اس طرف روانہ کیا' ابوعبداللہ شہر میلہ سے شکست کھا کر کتامہ کی جانب فرار ہوا اور کوہ انکجان میں جا کر دم لیا' احول وہاں سے قیروان کو لوٹ گیا۔

اسی عرصہ میں ابراہیم بن احمد بادشاہ افریقہ نے وفات پائی اس کا بیٹا ابوالعباس تخت نشین ہوا۔ ابوعبداللہ نے انکجان میں ایک شہر آباد کیا جس کا نام دارالہجرۃ رکھا' احول اس کی سرکوبی کے لیے انکجان کی طرف آیا' ادھر ابوالعباس کا انتقال ہو گیا اس کے بعد اس کا بیٹا زیادۃ اللہ تخت نشین ہوا۔

زیادۃ اللہ نے احول کو بلا کر کسی وجہ سے قتل کر دیا' ابوعبداللہ کو دم بدم طاقت حاصل ہوتی چلی گئی' اس نے اہل کتامہ کا ایک وفد عبیداللہ مہدی کے پاس علاقہ حمص کی طرف جہاں عبیداللہ مقیم تھا روانہ کیا اور اپنی کامیابی اور فتوحات سے اطلاع دے کر لکھا کہ اب آپ اس طرف تشریف لائیں۔

اس وفد کے آنے اور اس خبر کے لانے کا حال جاسوسوں کے ذریعہ خلیفہ مکتفی باللہ کو معلوم ہوا' اس نے فوراً عبیداللہ کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا اور مصر کے گورنر عیسیٰ نوشری کو بھی (اس زمانہ میں عیسیٰ نوشری بنی طولون کی بربادی کے بعد مصر کا گورنر تھا) لکھا کہ عبیداللہ کو جو مصر میں ہو کر گذرے گا گرفتار کر لو' خلیفہ مکتفی کے اس حکم کو بھی ابن خلدون نے عبیداللہ کے سید ہونے کی دلیل ٹھہرایا ہے' یعنی اگر عبیداللہ خاندان اہل بیت سے نہ ہوتا تو مکتفی اس کی گرفتاری کا حکم جاری نہ کرتا' حالانکہ یہ بہت ہی کمزور دلیل ہے' اس لیے کہ ہر ایک ہنگامہ پسند اور خواہان سلطنت شخص کو جو خفیہ طور پر کوششوں میں مصروف ہو گرفتار کرنا ہر ایک سلطنت کا فرض ہوتا ہے' چاہے اس کی سازش اور ریشہ دوانی کا مقام اس سلطنت کے حدود سے باہر ہی کیوں نہ ہو اور ظاہر ہے کہ شاہان افریقہ یعنی خاندان اغلب کے فرماں روا عباسیہ خلافت کی سیادت کو تسلیم کرتے اور خطبوں میں عباسی خلیفہ کا نام لیتے تھے' نیز یہ کہ افریقہ کی سرحد مصر سے ملی ہوئی تھی لہٰذا مکتفی یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ افریقہ میں کوئی فتنہ برپا ہو۔

عبیداللہ حمص سے اپنے لڑکے اور متعلقین کو لے کر چلا' اس نے سوداگروں کی وضع اختیار کر رکھی تھی اور بھیس بدلے ہوئے سوداگروں کے قافلہ کے ساتھ تھا' وہ مصر میں گرفتار ہوا مگر پھر اس کو نوشری نے دھوکا کھا کر چھوڑ دیا' مصر سے گذر کر وہ افریقہ کی حدود میں داخل ہوا' یہاں بھی زیادۃ اللہ کے جاسوس اس کی فکر میں تھے مگر وہ سب سے بچتا بچاتا ریاست سلجماسہ میں پہنچا' وہاں کے حاکم نے اس کو

پکڑ کر معہ اس کے لڑکے کے قید کر دیا۔

زیادۃ اللہ۔ عیش وعشرت میں مصروف تھا' سلطنت کے کاموں کی طرف اس کو مطلق توجہ نہ تھی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوعبداللہ شیعی کی طاقت دم بدم ترقی کرتی گئی اور اس کی کوئی روک تھام نہ کی گئی۔ جب زیادۃ اللہ نے دیکھا کہ ابوعبداللہ شیعی نے افریقہ کے بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا ہے اور دم بدم ملک کو دباتا چلا آتا ہے تو اس نے ایک زبردست لشکر فراہم کر کے ابوعبداللہ کی سرکوبی کے لیے مامور کیا۔

ابوعبداللہ تاب مقاومت نہ لا کر ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا' چھ مہینے اس پہاڑ پر محصور رہا' ساتویں مہینے ایک کامیاب شب خون مار کر لشکر افریقہ کو بھگا دیا اور پھر یکے بعد دیگرے شہروں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا' زیادۃ اللہ نے ایک دوسرے سردار کو پھر مقابلہ پر بھیجا' اس کو بھی شکست ہوئی' تب ۲۹۵ھ میں زیادۃ اللہ نے خاص اہتمام کے ساتھ فوجوں اور سپہ سالاروں کو ابوعبداللہ کی سرکوبی پر مامور کیا' مگر اب ابوعبداللہ کا رعب قائم ہو چکا تھا' سال بھر تک برابر لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا' کبھی ابو عبداللہ کو شکست ہوئی' کبھی لشکر افریقہ کو' اس عرصہ میں ابوعبداللہ کی جمعیت بڑھتی چلی گئی' اور لوگ آ آ کر اس کی فوج میں شامل ہوتے گئے زیادۃ اللہ کی فوج کم ہو رہی تھی' ایک کے بعد دوسرا شہر ابوعبداللہ کے قبضہ میں آتا گیا' یہاں تک کہ زیادۃ اللہ کے سرداران فوج بھی یکے بعد دیگرے ابوعبداللہ کے پاس آ آ کر حاضر ہونے لگے۔ عروہ بن یوسف اور حسن بن ابی خزیر نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔

ماہ رجب ۲۹۶ھ میں ابوعبداللہ نے دارالسلطنت قیروان پر قبضہ کر کے زیادۃ اللہ کو بھگا دیا اور شاہی محلات میں اہل کتامہ کو قیام کا موقعہ دیا' پھر سلجماسہ پر چڑھائی کر کے وہاں کے حاکم السیع بن مدرار کو شکست دے کر گرفتار و قتل کیا اور عبیداللہ مہدی مذکور کو جیل خانہ سے نکال کر گھوڑے پر سوار کیا اور اس کے پیچھے یہ کہتا ہوا کہ ھذا مولاکم لشکر گاہ میں آیا وہاں سے کوچ کر کے شہر رفادہ میں آیا' عبیداللہ کے ہاتھ پر ابوعبداللہ اور تمام لوگوں نے بیعت خلافت کی اور ''المہدی امیر المومنین'' کے لقب سے ملقب کیا' یہ بیعت آخر عشرہ ماہ ربیع الثانی ۲۹۶ھ میں ہوئی اور اسی زور سے دولت عبیدیہ کی ابتداء ہوئی۔

مہدی عبیداللہ نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے داعیوں اور واعظوں کو تمام ملک میں پھیلا دیا' لوگوں نے اس کے مذہب کو قبول کرنے سے انکار کیا تو ان کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اہل کتامہ کو بڑی بڑی جاگیریں اور مناصب عطا کیے جزیرہ صقلیہ کی حکومت پر حسن بن احمد بن ابی خزیر کو مامور کر کے بھیجا جو ۱۰ ذی الحجہ ۲۹۶ھ کو اس جزیرہ میں پہنچا اور ظلم وتعدی سے جزیرہ کی تمام رعایا کا ناک میں دم کر

دیا'

اسی طرح تمام ملک افریقہ میں عامل و والی مقرر کر کے با قاعدہ حکومت شروع کر دی' ۲۹۹ھ میں اہل صقلیہ نے حسن بن احمد بن ابی خزیر کی شکایت عبیداللہ مہدی کو لکھ کر بھیجی اس نے اس کی جگہ علی بن عمر کو گورنر بنا کر بھیج دیا' اہل صقلیہ اس سے بھی ناخوش ہوئے اور اس کو معزول کر کے انہوں نے خود ہی احمد بن موہب کو اپنا امیر منتخب کر لیا' احمد بن موہب نے لوگوں کو مقتدر باللہ عباسی خلیفہ کی اطاعت پر آمادہ کیا اور مہدی کا نام خطبہ سے نکال کر مقتدر باللہ کا نام خطبہ میں داخل کر دیا اور ایک بیڑہ جنگی جہازوں کا مرتب کر کے ساحل افریقہ کی طرف روانہ کیا۔

عبیداللہ مہدی نے مقابلہ کے لیے ایک جنگی بیڑہ حسین بن علی بن خزیر کی ماتحتی میں مقابلہ پر روانہ کیا' دونوں بیڑوں میں بحری جنگ ہوئی' ابن خزیر مارا گیا اور عبیداللہ مہدی کے بیڑے کو اہل صقلیہ نے جلا کر ڈبو دیا۔

ان حالات کی خبر جب بغداد میں پہنچی تو خلیفہ مقتدر باللہ نے احمد بن موہب کے پاس سیاہ خلعت اور جھنڈے روانہ کئے اور اس طرح قریباً ایک سال کے لیے جزیرہ صقلیہ میں عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھا گیا' عبیداللہ مہدی نے ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کر کے صقلیہ کی طرف روانہ کیا جس سے احمد بن موہب کی طاقت ٹوٹ گئی اور اہل صقلیہ نے اس کو گرفتار کر کے معہ اس کے ہمراہیوں کے عبیداللہ مہدی کے پاس بھیج کر خود عفو تقصیرات کی درخواست کی' عبیداللہ مہدی نے حکم دیا کہ احمد بن موہب اور اس کے ہمراہیوں کو ابن خزیر کی قبر پر لے جا کر قتل کر دو...... یہ واقعہ ۳۰۰ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

بیعت ولی عہدی

۳۰۱ھ میں مقتدر نے اپنے چار سالہ بیٹے ابوالعباس کو جو بعد میں قاہر باللہ کے بعد راضی باللہ کے لقب سے تخت خلافت پر بیٹھا تھا اپنا ولی عہد بنایا اور مصر و مغرب کی گورنری اس کے نام کر کے مونس خادم کو اس کی نیابت میں مصر کی طرف روانہ کیا۔

اسی سال حسن بن علی بن حسین بن علی بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے جو اطروش کے نام سے مشہور ہیں صوبہ طبرستان پر قبضہ کر لیا' اطروش نے طبرستان و دیلم میں اسلام کی خوب اشاعت کی اور اس علاقے کے رہنے والوں کو اپنے وعظ و پند سے دائرہ اسلام میں داخل کر کے قوت حاصل کی اور طبرستان پر قبضہ کیا۔

اطروش مذہباً زیدی شیعہ تھا اس لیے ان لوگوں کا جو اطروش کی کوشش سے مسلمان ہوئے تھے یہی مذہب ہوا۔ اطروش کے تمام سرداران لشکر دیلمی تھے' ۳۰۴ھ میں والی خراسان نے طبرستان پر حملہ کر کے اطروش کو قتل کر دیا۔

۳۰۲ھ میں عبیداللہ مہدی نے اپنے سپہ سالار خفاشہ کتامی کو اسکندریہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا' مونس خادم نے جو مصر پہنچ چکا تھا مقابلہ کیا' سخت معرکہ آرائیوں کے بعد مہدوی فوج سات ہزار آدمیوں کو مقتول کرا کر افریقہ کی طرف بھاگ گئی۔

۳۰۷ھ میں عبیداللہ مہدی نے اپنے بیٹے ابوالقاسم کو ایک عظیم الشان لشکر دے کر مصر پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا' جو مونس کے مقابلہ میں شکست کھا کر اور بہت سے سرداروں کو گرفتار کرا کر واپس گیا۔

اسی سال قیصر روم نے مقتدر باللہ سے صلح کی اور دوستی و محبت کے تعلقات قائم کرنے کے لیے اپنے سفیر بغداد میں روانہ کیے جن کے استقبال میں بڑی شان و شوکت کا اظہار کیا گیا۔......۳۰۸ھ میں عبیدی لشکر نے مصر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔

قرامطہ کی شورش عراق میں

قرامطہ کا ایک گروہ صوبہ بحرین پر قابض و متصرف تھا' جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے' ۳۱۱ھ میں قرامطہ کے سردار ابو طاہر سلیمان بن ابی سعید جنانی نے ایک روز رات کے وقت ایک ہزار سات سو آدمیوں کے ساتھ بصرہ پر حملہ کیا' شہر پناہ کی دیواروں پر سیڑھیاں لگا کر چڑھ گئے اور محافظوں کو قتل کر کے دروازے شہر پناہ کے کھول دیئے اور قتل عام شروع کر دیا۔

بصرہ کا عامل سبک مفلحی مطلع ہو کر مقابلہ پر آیا اور قرامطہ کے ہاتھ سے قتل ہوا' ابو طاہر نے بصرہ پر قبضہ کر لیا' سترہ روز تک بصرہ میں قیام کیا' مال و اسباب اور عورتوں بچوں کو گرفتار کر کے اٹھارہویں روز ہجر کی طرف کوچ کر گیا' خلیفہ مقتدر نے اس حادثہ کی خبر سن کر محمد بن عبداللہ فاروقی کو بصرہ کی سند گورنری دے کر بصرہ کی جانب روانہ کیا' محمد بن عبداللہ اس وقت بصرہ میں پہنچا جب ابو طاہر وہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔

۳۱۲ھ میں ابو طاہر قرمطی نے فوج لے کر مکہ سے واپس آنے والے حاجیوں کے قافلوں کو لوٹا اور ابوالہیجا بن حمدانی اور مقتدر باللہ کے ماموں احمد بن بدر کو جو انہیں قافلوں میں تھے گرفتار کر کے لے گیا۔

چند روز کے بعد ان دونوں کو رہا کر دیا اور خلیفہ مقتدر سے اہواز کو طلب کیا' خلیفہ نے انکار کیا تو ابوطاہر نے پھر قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا' خلیفہ نے فوج بھیجی' ابو طاہر نے اس شاہی فوج کو شکست دے کر کوفہ تک اس کا تعاقب کیا اور کوفہ پر قبضہ کر کے چھ روز تک کوفہ میں قیام کیا اور وہاں سے بے حد مال واسباب لے کر ہجر کی جانب روانہ ہوا۔

۳۱۳ھ میں قرامطہ کے خوف سے کسی نے حج نہیں کیا' ۳۱۴ھ میں خلیفہ مقتدر نے یوسف بن ابی الساج کو آذربائیجان سے طلب کر کے بلاد شرقیہ کی حکومت سپرد کی اور ابوطاہر قرمطی کے مقابلہ کا حکم دیا' اس سال کوئی مقابلہ نہ ہوا' رمضان ۳۱۵ھ میں ابوطاہر کوفہ کی طرف فوج لے کر روانہ ہوا' ادھر واسط سے کوفہ کے بچانے کو یوسف چلا مگر ابو طاہر نے یوسف سے ایک روز پہلے پہنچ کر کوفہ پر قبضہ کر لیا' یوسف نے آ کر لڑائی شروع کی یوسف کی فوج ابوطاہر سے شکست کھا کر فرار ہوئی اور یوسف زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا' ابوطاہر نے یوسف کے علاج پر ایک طبیب کو مامور کیا۔

بغداد میں یہ خبر پہنچی تو وہاں سے خلیفہ نے مونس کو روانہ کیا' مونس کے پہنچنے سے پہلے ابوطاہر کوفہ چھوڑ کر عین التمر کی جانب روانہ ہو چکا تھا' ابوطاہر نے کوفہ سے روانہ ہو کر انبار پر قبضہ کر لیا اور وہاں کی فوج کو شکست دے کر بھگا دیا' آخر نصر حاجب بغداد سے چلا اور مونس کے ساتھ مل کر دونوں نے چالیس ہزار فوج سے قرامطہ پر حملہ کیا۔ مگر شکست کھائی' ابوطاہر نے یوسف کو جو اس کی قید میں تھا قتل کر دیا۔

اس شکست کا حال سن کر اہل بغداد سخت پریشان ہوئے اور بغداد چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ شروع ۳۱۶ھ میں ابوطاہر نے انبار سے کوچ کر کے مقام رحبہ کو لوٹا اور ایک شب و روز لشکریوں کے لیے اہل رحبہ کا خون مباح کر دیا۔

اہل قرقسیا نے اس قتل عام کا ہیبت ناک منظر دیکھ کر امن کی درخواست کی جس کو ابوطاہر نے منظور کر لیا' پھر فوجی دستے شب خون مارنے کے لیے ادھر ادھر روانہ کیے' تین روز کی مسلسل جنگ کے بعد رقہ کو فتح کر لیا' اور صوبہ جزیرہ پر قابض و متصرف ہو گیا۔ بغداد سے فوجیں روانہ ہوئیں مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

۳۱۶ھ ماہ شوال میں قرامطہ ہجر کی طرف چلے گئے' پھر چند روز کے بعد انہوں نے سواد واسط عین التمر میں مختلف جماعتوں کی شکل میں ہنگامہ آرائیاں برپا کیں۔ خلیفہ مقتدر نے ہارون بن عزیب صافی بصری اور ابن قیس وغیرہ سرداروں کو قرامطہ کی سرکوبی پر مامور کیا' قرامطہ کی جماعتیں شکست کھا کھا کر اور اپنے علم چھنوا کر فرار ہوئیں اور ان علاقوں میں امن وامان قائم ہوا۔ اسی سال ابوطاہر نے

ایک مکان بنوایا اور اس کا نام دار الہجرت رکھا۔

رومیوں کی چیرہ دستی

۳۱۴ھ میں اہل روم نے ملطیہ کو فتح کر لیا' ۳۱۵ھ میں دمیاط پر قابض ہو گئے' اور شہر کو غارت کر کے جامع مسجد میں ناقوس بجوایا' اسی سال اہل دیلم نے رے اور جبال کے علاقہ پر حملہ کر کے ہزار ہا آدمی قتل کیے' اسی سال رومیوں نے خلاط پر قبضہ کیا اور وہاں کی جامع مسجد میں سے منبر نکال کر اس کی جگہ صلیب قائم کر کے گرجا بنالیا۔

مقتدر کا معزول و بحال ہونا

۳۱۷ھ میں مونس المعروف بہ مظفر نے مقتدر کو معزول کیا' بات یہ تھی کہ مقتدر مونس کی بجائے ہارون بن غریب کو عرض بیگی یعنی حاجب بنانا چاہتا تھا' مونس کو اس کا حال معلوم ہوا تو فوج اور اکثر اراکین کو ہمراہ لے کر قصر خلافت پر چڑھ آیا اور مقتدر کو گرفتار کر کے محمد بن معتضد کو القاہر باللہ کے لقب سے تخت نشین کیا۔ سب نے اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی اور عاملوں کے پاس اطلاعی فرامین بھیج دیے گئے۔

اگلے روز فوج نے آ کر انعام کا مطالبہ کیا' اس مطالبہ کے پورا ہونے میں توقف ہوا تو لوگوں نے غل مچا دیا اور مقتدر کی تلاش میں مونس کے گھر گئے' وہاں سے مقتدر کو کندھوں پر اٹھا کر قصر خلافت میں لے آئے' پھر اس کے سامنے قاہر باللہ کو پکڑ کر لے آئے' مقتدر نے قاہر باللہ کو دیکھ کر کہا کہ تم ذرا خوف نہ کرو اس میں تمہاری کوئی خطا نہ تھی' لوگوں میں سکون پیدا ہوا اور پھر عاملوں کے پاس اطلاعی فرامین بھیجے گئے کہ مقتدر باللہ بدستور خلیفہ ہے' مقتدر نے لوگوں کو انعام و اکرام دے کر خوش کیا۔

مکہ میں قرامطہ کی تعدی

قرامطہ کی حکومت بحرین میں مضبوط و مستقل ہو چکی تھی' قرامطہ کا سردار ابو طاہر تھا' مگر خطبہ میں یہ لوگ عبید اللہ مہدی والی افریقہ کا نام لیتے اور اس کو اپنا خلیفہ مانتے تھے' ۳۱۸ھ میں ابو طاہر قرمطی فوج لے کر مکہ معظمہ کی طرف گیا' یہ حج کا زمانہ تھا' بغداد سے منصور ویلمی امیر حجاج بن کر روانہ ہوا تھا' وہ ۸ ذوالحجہ کو بخیریت مکہ میں پہنچ گیا' ۹ ذوالحجہ کو ابو طاہر پہنچا اور مکہ میں جاتے ہی حاجیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا' مال و اسباب سب کا لوٹ لیا۔

خانہ کعبہ کے اندر بھی لوگوں کو قتل کرنے سے باز نہ رہا' مقتولوں کی لاشیں چاہ زمزم میں ڈال دیں' حجر اسود کو گرز مار کر توڑ ڈالا اور دیوار کعبہ سے جدا کر کے گیارہ روز تک یونہی پڑا رہنے دیا۔ خانہ

کعبہ کا دروازہ توڑ ڈالا۔

محمد بن ربیع بن سلیمان کا قول ہے کہ میں اس ہنگامہ میں مکہ کے اندر موجود تھا' میرے سامنے ایک شخص خانہ کعبہ کی چھت پر محراب کعبہ اکھیڑنے کے لیے چڑھا' میں نے کہا الٰہی یہ ظلم مجھ سے نہیں دیکھا جاتا' اس شخص کا پاؤں پھسلا' سر کے بل گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ ابو طاہر نے گیارہ روز تک مکہ کے باشندوں کو خوب لوٹا' پھر حجر اسود کو اونٹ پر لاد کر ہجر (دارالسلطنت بحرین) کی طرف لے چلا' مکہ سے ہجر تک سنگ اسود کے نیچے چالیس اونٹ ہلاک ہوئے' بیس برس تک حجر اسود قرامطہ کے قبضہ میں رہا' پچاس ہزار دینار اس کے عوض قرامطہ کو دینے منظور کیے لیکن انہوں نے نہیں دیا۔

آخر زمانہ خلافت مطیع اللہ میں حجر اسود ان سے واپس لے کر خانہ کعبہ میں نصب کیا گیا' واپسی کے وقت ہجر سے مکہ تک اس کو صرف ایک اونٹ لے آیا تھا' اس ظلم و زیادتی کا حال عبیداللہ حاکم افریقہ کو معلوم ہوا تو اس نے ابو طاہر کو بڑی لعنت ملامت کا خط لکھا اور اہل مکہ کے مال و اسباب کو واپس کر دینے کی تاکید کی' ابو طاہر نے کچھ حصہ اہل مکہ کے مال و اسباب کا واپس کر دیا' مگر حجر اسود کو واپس نہیں کیا' وہ ۳۳۹ھ میں واپس مکہ آ کر اپنی جگہ نصب ہوا۔

مقتدر باللہ کا قتل

مونس خادم نے ماہ صفر ۳۲۰ھ میں موصل پر قبضہ کر لیا اور سعید و داؤد ابنان عبداللہ بن حمدان اور ان کے بھتیجے ناصر الدولہ حسین بن عبداللہ بن حمدان کو جو خلیفہ کی طرف سے موصل کی حفاظت پر مامور تھے' شکست دے کر بھگا دیا' اس کے بعد بغداد' شام اور مصر کی فوجیں بھی مونس کے پاس چلی آئیں کیونکہ مونس کی داد و دہش سے لشکری خوش تھے۔

ناصر الدولہ بن عبداللہ بن حمدان بھی مونس کے پاس چلا آیا اور اس کے ساتھ ہی موصل میں قیام پذیر ہوا' فتح موصل سے نو روز کے بعد مونس نے بغداد پر چڑھائی کا قصد کیا' مونس اور وزراء خلافت میں سخت ناچاقی پیدا ہو گئی تھی' اسی لیے یہ تمام واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

سعید بن عبداللہ شکست کھا کر بغداد چلا آیا تھا' مونس کے حملہ کی خبر سن کر بغداد سے سعید بن عبداللہ بن حمدان' ابو بکر محمد بن یاقوت اور دوسرے سرداروں کی ماتحتی میں فوجیں روانہ ہوئیں' جب مونس کا لشکر قریب پہنچا تو لشکری بغداد کی طرف بھاگ آئے' مجبوراً سرداروں کو بھی بغداد واپس آنا پڑا' مونس نے بغداد کے قریب پہنچ کر باب شماسیہ پر قیام کیا' یہاں طرفین کے مورچے قائم ہوئے' لڑائی شروع ہوئی' مقتدر قصر خلافت سے نکل کر ایک ٹیلہ پر کھڑا تھا اور آگے فوج لڑ رہی تھی۔

بغداد والوں کو شکست ہوئی' خلیفہ کے ہمراہیوں نے عرض کیا کہ اب آپ یہاں نہ کھڑے ہوں' واپس چلیں۔ خلیفہ وہاں سے چلا' راستہ میں بربریوں کے ایک دستہ فوج نے آلیا جو مونس کی فوج میں شامل تھا' ایک بربری نے تیر چلایا جو مقتدر کے لگا اور وہ گھوڑے سے گرا' اسی بربری نے آگے بڑھ کر مقتدر کا سر اتار لیا' جسم کو ننگا کر کے اور تمام کپڑے اتار کر وہیں چھوڑ دیا۔ سر کو نیزے پر رکھ کر مونس کے پاس لے گئے۔

یہ واقعہ بروز چہار شنبہ ۲۷ شوال ۳۲۰ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ مونس نے ابو منصور محمد بن معتضد کو تخت سلطنت پر بٹھا کر قاہر باللہ کے لقب سے ملقب کیا' علی بن مقلہ کو قلم دان وزارت سپرد ہوا اور عہدہ حجابت پر علی بن بلیق مامور ہوا۔ مقتدر کی ماں کو گرفتار کر کے اس سے روپیہ طلب کیا گیا اور اتنا پٹوایا کہ وہ مر گئی' اسی طرح لوگوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر روپیہ فراہم ہوا۔

قاہر باللہ

قاہر باللہ بن معتضد باللہ بن متوکل ایک ام ولد فتنہ نامی کے بطن سے پیدا ہوا تھا' اس کا نام محمد اور کنیت ابو منصور تھی۔

خلیفہ مقتدر باللہ کے قتل کے بعد اس کا بیٹا عبدالواحد معہ ہارون بن غریب محمد بن یاقوت اور ابراہیم بن رائق کے مدائن کی طرف چلا گیا تھا' وہاں سے واسط اور سوس ہوتا ہوا اہواز پہنچا' قاہر باللہ نے علی بن بلیق اپنے حاجب کو فوج دے کر عبدالواحد اور اس کے ہمراہیوں کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سرداران لشکر کی کوشش اور خط و کتابت کے ذریعہ عبدالواحد اور اس کے ہمراہیوں نے مونس اور خلیفہ قاہر باللہ سے امن طلب کی جو فوراً دی گئی اور یہ سب لوگ بغداد چلے آئے .... محمد بن یاقوت کو خلیفہ نے اپنی مصاحبت میں داخل کر لیا۔ وزیر السلطنت علی بن مقلہ کو محمد بن یاقوت کا مصاحب ہونا سخت ناگوار تھا' اس نے مونس کو بہکایا کہ تمہاری مخالفت و بربادی کے لیے محمد بن یاقوت کوشاں ہے' مونس نے بلیق اور اس کے بیٹے علی بن بلیق حاجب کو خلیفہ کی نگرانی کا حکم دیا' خلیفہ کے پاس محل سرائے میں آنے جانے والی عورتوں تک کی بھی تلاشی لے جانے لگی اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی' خلیفہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مجھ کو نظر بند اور معطل کیا جا رہا ہے تو اس نے بھی بعض فوجی سرداروں سے خفیہ سازش مونس وغیرہ کے خلاف شروع کر دی۔

ادھر مونس اور اس کے ہمراہیوں نے خلیفہ کے معزول کرنے اور ابو احمد بن مکتفی کے خلیفہ

بنانے کی تیاری شروع کی۔ ان کوششوں میں قاہر باللہ کو کامیابی ہوئی۔ علی بن بلیق حاجب' مونس دھوکے سے گرفتار ہو کر قاہر باللہ کے حکم سے قتل کیے گئے۔ محمد بن یاقوت کو حاجب اور ابوجعفر محمد بن قاسم بن عبیداللہ کو وزیر بنایا گیا۔

یہ واقعہ شعبان ۳۲۱ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ انہیں ایام میں احمد بن مکتفی کی تلاش شروع ہوئی' وہ روپوش ہو گیا تھا۔ آخر گرفتار ہوا اور قاہر باللہ نے اس کو دیوار میں چنوا دیا' ان تمام مقتولوں کے مکانات مسمار کر دیے گئے' مال و اسباب خلیفہ نے ضبط کر لیا' ساڑھے تین مہینے وزارت کرنے کے بعد ابوجعفر وزیر بھی معتوب و مقید ہوا اور اٹھارہ روز قید رہ کر بحالت قید فوت ہو گیا۔

خاندان بویہ دیلمی کا آغاز

چونکہ اب تاریخ میں خاندان بویہ کے افراد کا تذکرہ خلفائے عباسیہ کے حالات میں بار بار آنے والا ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس خاندان کی ابتدائی تاریخ بیان کر دی جائے' اطروش یعنی حسن بن علی بن حسین بن علی زین العابدین کا ذکر اوپر آ چکا ہے کہ محمد بن زید علوی کے مقتول ہونے کے بعد اطروش نے ویلم میں جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور تیرہ برس تک برابر ویلم و طبرستان میں مصروف تبلیغ اسلام رہ کر اس علاقہ کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔

اس زمانہ میں ویلم کا حکمران حسان نامی ایک شخص تھا' حسان نے اطروش کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کی کوشش کی مگر اطروش کا اثر ترقی پذیر ہی رہا۔ اس نے مسجدیں بنوائیں اور لوگوں کو اسلام پر عامل بنا کر عشر بھی وصول کرنا شروع کر دیا' آخر اطروش نے ان نومسلموں کی ایک جمعیت مرتب و مسلح کر کے قزوین و سالوس وغیرہ سرحدی شہروں پر حملہ کیا اور ان سب کو اسلام کی دعوت دے کر اسلام میں داخل کر لیا۔

طبرستان کی ولایت سامانی حکمران کے علاقہ میں شامل تھی' طبرستان کے سامانی عامل نے ظلم و ستم پر کمر باندھی' اطروش نے اہل ویلم کو ترغیب دی کہ طبرستان پر حملہ کرو' چنانچہ ۳۰۱ھ میں اطروش نے اہل ویلم کی ایک فوج مرتب کر کے طبرستان پر حملہ کیا اور محمد بن ابراہیم بن صعلوک حاکم طبرستان کو شکست دے کر بھگا دیا اور خود طبرستان پر قابض ہو گیا'

اطروش کے بعد اس کا داماد حسن بن قاسم اور اس کی اولاد طبرستان' جرجان' ساریہ آمد اور استر آباد پر قابض و متصرف ہوئی' مگر ان سب کے فوجی سردار و سپہ سالار دیلمی لوگ تھے' ان دیلمیوں میں ایک شخص لیلیٰ بن نعمان تھا جس کو حسن بن قاسم نے جرجان کی حکومت سپرد کی تھی' یہ لیلیٰ بن نعمان

۳۰۹ھ میں سامانیوں سے لڑتا ہوا مارا گیا' اس کے بعد سامانیوں نے بنی اطروش پر متعدد حملے کئے' ان حملوں کی مدافعت بنی اطروش کی طرف سے سرخاب نامی ایک دیلمی سپہ سالار نے کی اور اسی میں وہ مارا گیا۔ سرخاب کا چچا ماکان ابن کانی دیلمی بنی اطروش کی طرف سے استر آباد کی حکومت پر مامور تھا۔

ماکان نے اپنے ہم وطن دیلمیوں کو اپنے گرد جمع کر کے ایک فوج مرتب کی اور جرجان پر قبضہ کر لیا' ان دیلمیوں میں جو ماکان کے معاون ہوئے تھے ایک نامور سردار اسفار بن شیرویہ دیلمی تھا۔

ماکان نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر کے طبرستان کے اکثر حصہ پر قبضہ کر لیا اور اسفار بن شیرویہ کو کسی بات پر ناراض ہو کر نکال دیا' اسفار ماکان سے جدا ہو کر بکر بن محمد بن الیسع کے پاس نیشا پور چلا گیا جو سامانیوں کی طرف سے نیشا پور کا عامل تھا۔

بکر بن محمد نے اسفار کو ایک فوج دے کر جرجان کے فتح کرنے کو روانہ کیا ان دنوں ماکان طبرستان میں تھا' اور اس کا بھائی ابوالحسن بن کانی اپنے بھائی کی طرف سے جرجان میں مامور تھا۔

یہاں ابوعلی بن اطروش بھی مقیم تھا اور اس کے قبضہ میں کوئی حکومت باقی نہ رہی تھی' ابوعلی نے موقعہ پا کر ایک دن ابوالحسن کانی کو قتل کر دیا اور دیلمیوں کی اس فوج نے جرجان میں مقیم تھی' ابوعلی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ابوعلی نے اپنی طرف سے علی بن خورشید دیلمی کو جرجان کی حکومت پر مامور کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ اسفار سامانیوں کی طرف سے فوج لیے ہوئے جرجان کے قریب پہنچ چکا تھا' علی بن خورشید نے اسفار کو لکھا کہ تم بجائے اس کے کہ ہم پر حملہ کرو ہمارے ساتھ مل کر ماکان پر جو طبرستان میں ہے حملہ کیوں نہیں کرتے' اسفار نے بکر بن محمد سے اجازت حاصل کر کے اس بات کو منظور کر لیا۔

یہ خبر سن کر ماکان بن کانی طبرستان سے فوج لے کر جرجان کی طرف چلا' علی بن خورشید اور اسفار بن شیرویہ نے مل کر اس کا مقابلہ کیا اور ماکان کو شکست دے کر بھگا دیا اور طبرستان پر قابض ہو گئے' چند روز کے بعد علی بن خورشید اور ابوعلی بن اطروش دونوں فوت ہو گئے اور طبرستان پر اسفار بن شیرویہ بلا مزاحمت حکومت کرنے لگا۔ ماکان نے اس موقعہ کو مناسب سمجھ کر اسفار پر حملہ کیا اور طبرستان پر قابض ہو گیا' اسفار بکر بن محمد بن الیسع کے پاس جرجان چلا گیا۔

۳۱۵ھ میں بکر بن محمد بن الیسع فوت ہوا تو سامانی بادشاہ نے اس کی وفات کے بعد اپنی طرف سے اسفار بن شیرویہ کو جرجان کی حکومت پر متعین فرما دیا' اسفار بن شیرویہ کے سرداروں میں ایک شخص مرداویح نامی تھا' اس کو اسفار نے فوج دے کر جرجان سے طبرستان پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔

ماکان بن کانی اپنا لشکر آراستہ کر کے مقابلہ پر آیا' ماکان کو شکست ہوئی اور مرداویح نے

طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ ماکان بھاگ کر حسن بن قاسم داماد اطروش کے پاس مقام رے میں پہنچا' وہاں حسن بن قاسم مارا گیا اور ماکان بھاگ کر رے چلا گیا۔

اسفار نے طبرستان و جرجان پر قابض و متصرف ہو کر نصر بن احمد بن سامان والی خراسان و ماوراء النہر کے نام کا خطبہ جاری کیا۔ اس کے بعد رے کی طرف بڑھا اور رے کو بھی ماکان کے قبضہ سے نکال لیا' ماکان آوارہ ہو کر جبال طبرستان کی طرف چلا گیا' اب اسفار بن شیرویہ کا قبضہ صوبہ رے قزوین' زنجان' ابہر قم اور کرخ پر ہو گیا۔ اور وہ بڑی کامیابی کے ساتھ ایک وسیع ملک پر حکومت کرنے لگا۔ اب اسفار کے دل میں خود مختاری کا خیال آیا اس نے سامانی سلطان سے بغاوت اختیار کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

یہ سن کر خلیفہ مقتدر نے ہارون بن غریب کو فوج دے کر روانہ کیا کہ اسفار سے اس ملک کو چھین لے' مگر ہارون کو اسفار کے مقابلہ میں شکست ہوئی' اس کے بعد نصر بن احمد بن سامان نے اسفار کی سرکوبی کے لیے بخارا سے خود معہ فوج حرکت کی' اسفار نے اپنے قصور کی معافی چاہی اور خراج گذاری کا وعدہ کیا' نصر نے اس کی درخواست منظور کر کے صوبہ رے کی حکومت اس کے پاس رکھی اور خود بخارا کو لوٹ لیا۔

اسفار کے سرداروں میں مرداویج نے اور سرداروں کو اپنے ساتھ شامل کر کے علم بغاوت بلند کیا' اسفار کو پکڑ کر قتل کر دیا اور ہمدان و اصفہان وغیرہ کو بھی فتح کر کے ایک وسیع ملک پر حکومت کرنے لگا' اور ماکان بن کانی کو بلا کر طبرستان و جرجان کی حکومت پر مامور کر دیا' پھر ماکان کو اس حکومت سے معزول کر دیا' ماکان دیلم چلا گیا اور وہاں سے جمعیت فراہم کر کے طبرستان پر حملہ کیا' مگر مرداویج کے عامل سے شکست کھا کر نیشا پور کی طرف بھاگ گیا۔

۳۱۹ھ میں مرداویج نے مناسب سمجھا کہ اپنے تمام مفتوحہ و مقبوضہ ملک کی سند عباسی خلیفہ سے حاصل کر لینی چاہیئے' چنانچہ اس نے ایک درخواست دربار خلافت میں بھیجی کہ مجھ کو ان بلاد کی سند حکومت عطا فرمائی جائے' میں دو لاکھ دینار سالانہ خراج دربار خلافت میں بھیجتا رہوں گا۔ خلیفہ نے یہ درخواست منظور کر کے سند بھیج دی اور اپنی طرف سے جاگیر بھی عطا فرمائی' ۳۲۰ھ میں مرداویج نے گیلان سے اپنے بھائی وشمگیر کو بھی بلوا بھیجا' مرداویج کی حکومت و سلطنت میں ابو شجاع بویہ نامی کے تین بیٹوں نے بسلسلہ ملازمت سرداریاں حاصل کیں اور انہیں کی وجہ سے یہ تمام داستان سنانی پڑی۔

ابو شجاع بویہ دیلمی ایک نہایت مفلس ماہی گیر تھا' مچھلیاں پکڑ کر اپنی اور اپنے عیال کی روزی بڑی محنت اور مشکل سے حاصل کرتا تھا' ایک روز اس نے خواب میں دیکھا کہ میں پیشاب کرنے بیٹھا

ہوں اور میری پیشاب گاہ سے آگ کا ایک شعلہ نکلا جس نے پھیل کر دنیا کو روشن کر دیا۔ اس خواب کی اس نے یہ تعبیر کی کہ میری اولاد بادشاہ ہو گی اور جہاں تک اس شعلہ کی روشنی گئی ہے وہاں تک اس کی حکومت ہو گی' اس کے بعد بویہ ماہی گیر کے تین بیٹے ہوئے جن کے نام علی' حسن' احمد تھے' چونکہ بعد میں ان تینوں بھائیوں نے بڑی ترقی کی اور عماد الدولہ' رکن الدولہ' معز الدولہ کے نام سے صاحب حکومت وعزت ہوئے' لہٰذا کسی نے ان کا نسب یزدجرد شاہ ایران سے ملایا اور کسی نے ان کو بہرام گور کی اولاد میں بتایا' دولت وحکومت کے ساتھ ہی عالی نسبی کی بھی کوشش عام طور پر لوگ کیا کرتے ہیں اور خوشامدی لوگ اس کام کی سرانجام دہی میں سب سے زیادہ مفید ثابت ہوا کرتے ہیں۔

ہمارا شہر نجیب آباد پٹھانوں کا آباد کیا ہوا شہر ہے' یہاں پٹھان ایک معزز قوم سمجھی جاتی ہے' جن کو ہر قسم کی دولت وحکومت وعزت حاصل تھی۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جب پٹھانوں پر تباہی آئی تو بہت سے رام پور' بریلی' شاہ جہاں پور کی طرف جا کر آباد ہو گئے' بہت سوں کی نسلیں منقطع ہو کر نام ونشان گم ہو گیا۔ بہت ہی تھوڑے باقی رہ گئے جن پر افلاس نے طاری ہو کر ایسے ستم ڈھائے کہ وہ اب کسی قطار شمار میں نہیں آتے' ان کے غلاموں اور نوکروں کو چونکہ تلك الایام نداو لها بین الناس کے قانون کے موافق اب خوب دولت وثروت حاصل ہے' لہٰذا بہت سے غلام اپنے آپ کو پٹھان بتاتے ہیں' بہت سے جوگی بچوں نے اپنا سلسلہ نسب نواب نجیب الدولہ سے ملا دیا ہے' بہت سے تیلیوں' سقوں' حجاموں' جلاہوں' مراسیوں' دھوبیوں' باغبانوں اور ماہی گیروں نے علی الاعلان اپنے آپ کو پٹھان اور خان کہلانا شروع کر دیا ہے اور مال ودولت کی فراوانی نے ان کو اپنے اصلی نسب پر قانع نہیں رہنے دیا۔

چنانچہ کسی نجیب الطرفین پٹھان کی اب یہ مجال نہیں ہے کہ ان کو ان کا اصلی شجرہ نسب سنائے اور آج کل کی نئی پود کو سمجھائے کہ نجیب آباد میں کون اصلی پٹھان ہے اور کون نقلی' جب کہ ہم اپنی آنکھوں سے لوگوں کو اپنے نسب تبدیل کرتے اور دوسرے نسبوں میں شامل ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں تو بویہ ماہی گیر کے بیٹوں کا دولت وحکومت کے رفیع مقام تک پہنچ کر اپنا سلسلہ نسب شاہان ایران سے ملا دینا ہم کو حیرت میں نہیں ڈال سکتا۔

ماکان بن کالی نے جب اہل ویلم کو اپنی فوج میں بھرتی کیا تو بویہ کے تینوں بیٹے بھی اس کی فوج میں بھرتی ہو گئے' جب ماکان کو ناکامی ہوئی اور اس کا کام بگڑ گیا تو اس کے بہت سے آدمی جدا ہو ہو کر مرداویح کے پاس چلے آئے' مرداویح نے ان لوگوں کی خوب قدردانی کی اور ہر ایک کو اس کے مرتبہ سے زیادہ مناصب عطا کیے۔ انہیں لوگوں میں بویہ کے تینوں بیٹے بھی شامل تھے' انہوں نے اپنی

خدمت گذاری، مستعدی اور ہوشیاری سے مرداویج کی خدمت میں رسوخ حاصل کر لیا۔ اور مرداویج نے علی بن بویہ کو کرخ کی حکومت پر مامور کر کے روانہ کیا، علی بن بویہ کے ہمراہ اس کے دونوں چھوٹے بھائی حسن اور احمد بھی روانہ ہوئے، ان دنوں مرداویج کی جانب سے رے میں اس کا بھائی دشمگیر حکومت کر رہا تھا۔

دشمگیر نے حسین بن محمد عرف عمید کو اپنا وزیر بنا رکھا تھا، علی بن بویہ جب رے میں پہنچا تو اس نے عمید سے ملاقات کی اور ایک خچر بطور نذر پیش کیا، اس کے بعد کرخ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں جا کر حکومت کرنے لگا۔

مرداویج کو جب علی بن بویہ کہ اس طرح عمید سے ملنے اور نذر پیش کرنے کا حال معلوم ہوا تو اس کو شبہ گذرا کہ کہیں ماکان کے پاس سے آئے ہوئے سردار جن کو اچھے اچھے عہدے اور شہروں کی حکومت سپرد کر دی گئی ہے آپس میں کوئی سازش کر کے باعث تکلیف نہ ہوں، چنانچہ اس نے اپنے بھائی دشمگیر کو لکھا کہ ماکان کے پاس سے آئے ہوئے جن لوگوں کو اس طرف شہروں پر مامور کیا گیا ہے سب کو گرفتار کر لو، چنانچہ بعض تو گرفتار کر لیے گئے مگر علی بن بویہ کو جو کرخ پر قابض ہو چکا تھا فساد برپا ہونے کے اندیشہ سے گرفتار کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

علی بن بویہ نے کرخ کے نواح میں کئی قلعوں کو مفتوح کیا، ان میں سے جو مال ہاتھ آیا وہ لشکریوں کو تقسیم کر دیا، اس سے سپاہیوں کو اس کے ساتھ محبت ہو گئی اور اس کا رعب وداب ترقی کرنے لگا، ۳۲۱ھ میں مرداویج نے ان سرداروں کو جو رے میں نظر بند تھے رہا کر دیا، وہ سب کرخ میں علی بن بویہ کے پاس چلے گئے، اس نے ان کی بہت خاطر مدارات کی۔

انہیں ایام میں ایک دیلمی سردار شیرزاد نامی معہ ایک جمعیت کے علی بن بویہ کے پاس آیا اور اس کو اصفہان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ مرداویج کو جب معلوم ہوا کہ تمام دیلمیوں کا جماؤ علی بن بویہ کے پاس ہو گیا ہے تو اس نے لکھا کہ ان تمام سرداروں کو جو رہا ہو کر گئے ہیں ہمارے پاس واپس بھیج دو۔

علی بن بویہ نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا اور شیرزاد کے ہمراہی میں اصفہان پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا، اصفہان میں ان دنوں مظفر بن یاقوت اور ابو علی بن رستم حکومت کر رہے تھے، یہ دونوں خلیفہ سے ناراض اور بغاوت کا اعلان کر چکے تھے۔

علی بن بویہ نے اصفہان پر چڑھائی کر کے مظفر بن یاقوت کو بھگا دیا، ابو علی بن رستم فوت ہو گیا اور اصفہان پر علی بن بویہ نے قبضہ کر لیا۔ یہ خبر سن کر مرداویج کو بڑی فکر پیدا ہوئی کیونکہ اب علی بن بویہ

کی طاقت بہت ترقی کر چکی تھی۔

اس نے اپنے بھائی وشمگیر کو فوج دے کر اصفہان کی طرف علی بن بویہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا' علی بن بویہ نے مطلع ہو کر اصفہان کو تو چھوڑ دیا اور جرجان پر جا کر قابض ہو گیا۔ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ ۳۲۱ھ کو وقوع پذیر ہوا۔

وشمگیر نے اصفہان پر قبضہ کر لیا مگر پھر مظفر بن یاقوت کو اصفہان کی حکومت سپرد کر دی' علی بن بویہ نے اپنے بھائی حسن کو گازرون کی طرف خراج وصول کرنے کے لیے بھیجا' وہاں راستے میں مظفر بن یاقوت کی ایک فوج سے مقابلہ ہوا' حسن نے اس کو شکست دی اور روپیہ وصول کر کے بھائی کے پاس لایا۔

علی بن بویہ اصطخر کی طرف روانہ ہوا' ابن یاقوت نے ایک زبردست فوج سے تعاقب کر کے علی بن بویہ کو مقابلہ کے لیے للکارا' لڑائی ہوئی علی بن بویہ کے بھائی احمد نے اس لڑائی میں بڑی بہادری دکھائی' مظفر بن یاقوت شکست کھا کر فرار ہوا' اور واسط میں جا کر دم لیا' علی بن بویہ نے شیراز آ کر اس پر قبضہ کیا اور اس طرح تمام صوبہ فارس اس کے قبضہ وتصرف میں آ گیا۔

یہاں لشکریوں نے جن کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی تھی تنخواہوں کا مطالبہ کیا' علی بن بویہ کے پاس اتنا روپیہ نہ تھا کہ بے باق کرے' اس فکر میں ایک مکان کے اندر چھت پر لیٹ گیا' چھت میں سے ایک سانپ گرا' ابن بویہ نے حکم دیا کہ اس مکان کی چھت گرا دی جائے' چھت کو توڑنے لگے تو اس میں سونے کے بھرے ہوئے صندوق برآمد ہوئے۔ یہ تمام مال اس نے لشکر میں تقسیم کر دیا' اس طرح اس فکر سے نجات ملی۔

اس کے بعد اس نے کوئی کپڑا سینے کے لیے درزی کو بلوایا' سپاہی درزی کو بلا کر لائے تو درزی یہ سمجھا کہ اب مجھ کو گرفتار کیا جائے گا' اس نے ڈر کے مارے چھوٹتے ہی کہا کہ میرے پاس صندوقوں کے سوا کچھ اور نہیں ہے اور میں نے ابھی تک ان کو کھول کر بھی نہیں دیکھا ہے' کہ ان میں کیا ہے' چنانچہ اس سے وہ صندوق منگوائے گئے تو ان میں سے اشرفیاں برآمد ہوئیں' علی بن بویہ نے ان پر بھی قبضہ کیا۔

یہ تمام مال مظفر بن یاقوت کا جمع کیا ہوا تھا جو وہ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکا تھا' اتفاق کی بات انہیں ایام میں اس کو دولت صفاریہ کا جمع کیا ہوا خزانہ بھی مل گیا جس کی تعداد پانچ لاکھ دینار سرخ تھی۔

اسی اثناء میں علی بن بویہ ایک روز چلا جا رہا تھا کہ اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے کھدوا کر دیکھا تو ایک بڑا خزانہ برآمد ہوا' اس طرح علی بن بویہ کے پاس بڑا خزانہ جمع ہو گیا اور اس

نے صوبہ فارس پر کامیابی کے ساتھ حکومت شروع کر کے اپنی طاقت کو دم بدم ترقی دینی شروع کی اور مرداویج کا مدمقابل بن کر اس کے لیے خوف وخطر کا باعث ہو گیا۔

راضی باللہ

راضی باللہ بن مقتدر باللہ کا نام محمد اور کنیت ابوالعباس تھی' ۲۹۷ھ میں ایک رومیہ ام ولد موسومہ ظلوم کے پیٹ سے پیدا ہوا' قاہر کے معزول ہونے کے بعد جمادی الثانی ۳۲۲ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا' یہ جیل خانہ سے لا کر تخت پر بٹھایا گیا تھا' اس نے علی بن مقلہ کو وزیراعظم بنایا' محمد بن یاقوت کو گرفتار کر کے قید کر دیا' یاقوت ان دنوں واسط میں تھا' وہ فوج آراستہ کر کے علی بن بویہ کے مقابلہ پر گیا مگر شکست کھائی۔

اسی سال عبیداللہ مہدی مجوسی والی افریقہ پچیس سال سلطنت کرنے کے بعد فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ابوالقاسم بامر اللہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔

قتل مرداویج

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مرداویج نے تمام صوبہ رے' اصفہان اور اہواز وغیرہ پر قابض و متصرف ہو کر دربار خلافت سے سند بھی حاصل کر لی تھی' مگر چندروز کے بعد اس نے بادشاہی کا دعویٰ کر کے سونے کا ایک تخت بنوایا' سپہ سالاروں اور سرداروں کے لیے چاندی کی کرسیاں تیار کرائیں' کسریٰ کی طرح تاج مرصع سر پر رکھا اور بادشاہ کے لقب سے اپنے آپ کو ملقب کیا' پھر عراق و بغداد پر فوج کشی کی تیاری کی اور کہا کہ میں کسرائے فارس کے محلوں کو از سر نو تعمیر کراؤں گا اور عربوں کی حکومت نیست و نابود کر کے از سر نو مجوسیوں کی حکومت قائم کروں گا۔ اس کی اس قسم کی تعلّی کی باتیں اس کے بعض سرداروں کو ناگوار گذریں اور لوگوں نے ۳۲۳ھ میں اس کو اصفہان کے باہر قتل کر ڈالا۔

صوبہ جات کی حالت

خلیفہ راضی باللہ کی حکومت بغداد اور اس کے مضافات کے سوا اور کہیں نہ تھی' نہ کسی صوبہ سے خراج آتا تھا' ہر جگہ خود مختار حکومتیں لوگوں نے قائم کر لی تھیں' جن لوگوں نے خراج مقررہ بھیجنے کے وعدے پر سندیں حاصل کی تھیں انہوں نے بھی اپنے وعدوں کا پورا کرنا غیر ضروری سمجھ رکھا تھا۔ بصرہ پر محمد بن رائق کا قبضہ تھا۔ خوزستان اور اہواز پر ابوعبداللہ بریدی کا قبضہ تھا' فارس کی حکومت علی بن بویہ ملقب بہ عماد الدولہ کے قبضے میں تھی۔ کرمان میں ابوعلی محمد بن الیاس حکمران تھا۔ رے' اصفہان اور جبل

کے صوبوں میں حسن بن بویہ ملقب بہ رکن الدولہ اور وشمگیر برادر مرداویج ایک دوسرے کے مقابل مصروف پیکار تھے۔

موصل' دیار بکر' دیار مصر' دیار ربیعہ بنی حمدان کے قبضے میں تھے۔ مصر وشام پر محمد بن طغج قابض و متصرف تھا' ماوراء النہر اور خراسان کے بعض حصے پر بنی سامان حکمران تھے' بحرین اور یمامہ کے صوبوں پر ابو طاہر قرمطی کی حکومت قائم تھی' طبرستان کے صوبہ پر دیلمی سردار قابض و حکمران تھے' اندلس و مراقش وافریقہ میں تو عرصہ سے خود مختار سلطنتیں قائم ہی تھیں۔

راضی باللہ کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں عماد الدولہ علی بن بویہ نے درخواست بھیجی کہ صوبہ فارس کی سند حکومت مجھ کو عطا فرمائی جائے' میں ایک کروڑ اسی لاکھ درہم سالانہ خراج اس صوبہ سے دربار خلافت میں بھیجا کروں گا۔ خلیفہ نے سند اور خلعت معہ پرچم روانہ کر کے عماد الدولہ کا خطاب دیا اور اس کے بھائی حسن کو رکن الدولہ اور احمد کو معز الدولہ کا خطاب مرحمت ہوا' مرداویج کے مقتول ہونے کے بعد اس کی فوج کے دو حصے ہو گئے' ایک حصہ تو عماد الدولہ کے پاس فارس میں چلا آیا۔ اور ایک حصہ اس کے ایک سردار یحکم نامی کے زیر فرمان رہا۔

یحکم نے دربار خلافت میں پہنچ کر رسوخ حاصل کیا اور جوڑ توڑ ملا کر ان سب سرداروں پر جو دربار خلافت پر قابو یافتہ تھے غالب آیا' امیر الامراء کا خطاب حاصل کر کے خلیفہ اور دربار خلافت پر مستولی ہو گیا اور بغداد میں تحکمانہ انداز سے رہنے لگا' وشمگیر برادر مرداویج نے رکن الدولہ بن بویہ کے مقابلہ میں اصفہان کو چھوڑ کر جبل آذر بائیجان پر قبضہ کر لیا' رکن الدولہ بن بویہ اصفہان پر قابض ہو گیا' معز الدولہ بن بویہ نے اہواز پر قبضہ کر لیا۔ محمد بن رائق نے محمد بن طغج سے شام کا ملک چھین لیا' اس کے قبضہ میں صرف مصر کا ملک رہ گیا' راضی باللہ کے عہد میں خلافت برائے نام تھی' آخر عہد میں یحکم خلیفہ اور دربار خلافت پر ہر طرح قابض و مستولی تھا اور کسی کو اس کی مخالفت کی جرأت نہ تھی' یحکم خود واسط میں رہتا تھا اور اس کا میر منشی بغداد میں خلیفہ کے پاس وزارت عظمیٰ کی خدمات انجام دیتا تھا۔

وفات راضی باللہ

ماہ ربیع الاول ۳۲۹ھ میں چند مہینے کم سات سال تخت نشین رہ کر خلیفہ راضی باللہ نے بعارضہ استسقاء وفات پائی' یحکم نے یہ خبر سن کر اپنے میر منشی کو ہدایات لکھ بھیجیں' انہیں کے موافق ابراہیم بن معتضد باللہ کو متقی للہ کے لقب سے ملقب کر کے ۲۹ ربیع الاول ۳۲۹ھ کو تخت خلافت پر بٹھا دیا گیا۔

خلیفہ راضی باللہ کے عہد خلافت میں محمد بن علی سمعانی معروف بہ ابن ابی الغراقر نے ظاہر ہو کر

خدائی کا دعویٰ کیا' بہت سے لوگ اس کے بھی معتقد ہو گئے' مگر خلافت راضی کے پہلے ہی سال اس کو پکڑ کر قتل کیا گیا' اس کے ہمراہی بھی جنہوں نے توبہ نہ کی مقتول ہوئے' اسی سال قرامطہ نے بغداد اور مکہ کے درمیان ایسی لوٹ مار مچائی کہ بغداد والے حج نہ کر سکے اور ۳۲۷ھ تک حج کا ارادہ کوئی اہل بغداد نہ کر سکا۔

۳۲۷ھ میں ابوطاہر قرمطی نے حاجیوں پر فی شتر پانچ دینار محصول قائم کیا اور لوگوں کو حج کی اجازت دی' یہ پہلا موقعہ تھا کہ حاجیوں کو حج کرنے کا محصول ادا کرنا پڑا' اہل بغداد نے اطمینان سے یہ محصول ادا کر کے حج ادا کیا۔ راضی آخری خلیفہ تھا جس نے خطبہ جمعہ لوگوں کو سنایا' اس کے بعد عام طور پر خلفاء نے یہ کام بھی دوسروں کے سپرد کر دیا۔

متقی للہ!

متقی للہ بن معتضد باللہ بن موفق بن متوکل ایک ام ولد زہرہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا' بعمر ۳۴ سال تخت نشین ہوا' ۲۶ رجب ۳۲۹ھ کو بحکم کردوں کے ہاتھ سے نواح واسط میں مارا گیا' دو برس آٹھ مہینے امیر الامرائی کی' اس کے مرنے کے بعد گیارہ لاکھ دینار کا مال ضبط ہو کر خزانہ خلافت میں داخل ہوا۔ شعبان ۳۲۹ھ میں ابوعبداللہ بریدی نے بصرہ سے فوج لے کر بغداد کا رخ کیا' خلیفہ متقی نے اس کو واپس جانے کو لکھا' جب وہ نہ مانا تو فوج بھیجی' فوج اس کے مقابلہ سے بھاگ آئی' بریدی بغداد میں داخل ہوا' اور خلیفہ سے پانچ لاکھ دینار طلب کیے اور کہلا بھیجوایا کہ اگر آپ نے یہ فرمائش پوری نہ کی تو آپ کو معزول اور قتل کر دیا جائے گا' خلیفہ نے یہ رقم مجبوراً بھیجوا دی۔

۲۴ روز کے بعد رمضان ۳۲۹ھ میں بریدی کی فوج نے تنخواہ نہ ملنے کے سبب بغاوت کی' بریدی بھاگ کر واسط چلا گیا۔ بریدی کے بھاگ جانے کے بعد کورتکین نامی سردار خلیفہ اور دربار خلافت پر مستولی ہو گیا' اس کو امیر الامراء کا خطاب ملا' بغداد میں اب علاوہ ترکوں کے دیلمیوں کا بھی ایک بڑا گروہ موجود ہو گیا تھا۔ بحکم کے زمانہ سے دیلمیوں کا اثر بغداد میں ترقی کرنے لگا تھا' دیلمیوں نے کورتکین کے خلاف شورش برپا کی' ترکوں اور دیلمیوں میں جنگ ہوئی مگر کورتکین کا اثر بدستور قائم رہا۔

محمد بن رایق جو شام پر قابض ہو گیا تھا یہ حالات سن کر خود امیر الامرائی حاصل کرنے کے لیے شام سے بغداد کی طرف چلا' کورتکین نے بغداد سے باہر نکل کر مقابلہ کیا' ابن رایق بزور بغداد میں داخل ہوا' کورتکین گرفتار ہو کر قید ہوا' خلیفہ نے ابن رایق کو امیر الامراء بنا دیا' محمد بن رایق نے ابو

عبداللہ بریدی سے واسط کا خراج زبردستی وصول کیا۔

ماہ ربیع الثانی ۳۳۰ھ میں ابن بریدی نے بغداد پر فوج کشی کی' ابن رایق کو شکست ہوئی' بریدی کے لشکر میں ترک اور دیلمی شامل تھے' شہر میں داخل ہو کر لشکریوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا' خلیفہ معہ ابن رایق اور اپنے بیٹے ابو منصور کے موصل کی طرف بھاگ گیا' قصر خلافت اور اہل بغداد کے مکانوں کو لوگوں نے خوب لوٹا۔

اس لوٹ مار میں بعض قرمطی بھی آ کر شامل ہو گئے' شرفائے شہر کو سخت اذیت و ذلت کا سامنا کرنا پڑا' موصل میں ناصر الدولہ بن حمدان حکمران تھا' خلیفہ کے پہنچنے پر وہ شہر چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

خلیفہ اور ابن رایق نے اس کو تسلی دے کر بلایا' ناصر الدولہ نے محمد بن رایق کو قتل کر دیا' خلیفہ نے ناصر الدولہ کو امیر الامراء کا خطاب دیا اور ناصر الدولہ کے بھائی ابو الحسین کو سیف الدولہ کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔

موصل سے فوج مرتب کر کے ناصر الدولہ اور خلیفہ بغداد کی جانب چلے' ابن بریدی نے جو بغداد پر قابض و متصرف تھا مقابلہ کیا' شوال ۳۳۰ھ میں بریدی کو شکست ہوئی اور ناصر الدولہ معہ خلیفہ بغداد میں داخل ہوا' ناصر الدولہ اور سیف الدولہ بغداد میں خلیفہ کے پاس گیارہ مہینے تک رہے' پھر ان کو اپنے صوبہ موصل کی فکر ہوئی' یہ دونوں بھائی موصل کی طرف روانہ ہوئے' ماہ رمضان ۳۳۱ھ میں توزون نامی سردار نے بغداد میں غلبہ و تسلط حاصل کیا اور خلیفہ نے توزون کو امیر الامرائی کا خطاب دیا۔

چند روز کے بعد یعنی محرم ۳۳۲ھ کو ابو جعفر بن شیرزاد داخل بغداد ہوا' جب کہ توزون واسط کی طرف گیا ہوا تھا' خلیفہ متقی ابو جعفر کے داخل ہونے سے خوف زدہ ہو کر بغداد سے موصل کی طرف بھاگ گیا' توزون اور ابو جعفر نے مل کر موصل پر چڑھائی کی' وہاں ناصر الدولہ اور سیف الدولہ دونوں بھائیوں کو شکست ہوئی' وہ معہ خلیفہ نصیبین کی طرف چلے گئے' نصیبین سے خلیفہ متقی رقہ میں آیا اور توزون کو خط لکھا' توزون نے بنو حمدان سے صلح کر لی اور بغداد کو لوٹ گیا۔ خلیفہ معہ بنو حمدان رقہ میں مقیم رہا۔

انہیں ایام میں معز الدولہ احمد بن بویہ نے جو اہواز پر قابض و متصرف تھا' واسط پر چڑھائی کی' توزون نے موصل سے واپس ہو کر مقابلہ کیا۔

۱۷ ذیقعدہ ۳۳۲ھ میں توزون و معز الدولہ میں جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں معز الدولہ کو شکست ہوئی۔ مگر اس نے دوبارہ حملہ کر کے واسط پر قبضہ کر لیا۔ سنہ ۳۳۲ھ میں رومیوں نے سرحد آذربائیجان کے شہر بردعہ پر حملہ کیا۔ مرزبان دیلم نے یہ خبر سن کر اس طرف فوج بھیجی۔ رومیوں نے مسلمانوں کو

خوب قتل و غارت کیا۔ مسلمانوں نے مجتمع ہو کر ان کا مقابلہ کیا۔ عرصہ دراز تک لڑائی جاری رہی۔ آخر سخت معرکوں کے بعد روسیوں کو مار مار کر ان کے ملک کی طرف بھگا دیا۔

خلیفہ متقی کی معزولی

خلیفہ متقی آخر ۳۳۲ھ تک بنی حمدان کے پاس رہا' اس عرصہ میں خلیفہ اور بنی حمدان کے درمیان کچھ کدورت پیدا ہوئی' خلیفہ نے ایک طرف بغداد میں اور دوسری طرف مصر میں اخشید بن محمد بن طغج کے پاس خطوط بھیجے' ۱۵ محرم ۳۳۳ھ کو اخشید بمقام رقہ خود خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ مصر میں تشریف لے چلیں اور وہیں قیام کریں۔

وزیر نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور مصر کے دارالسلطنت بنانے کے منافع بیان کیے' مگر خلیفہ نے اس بات کو پسند نہ کیا' اتنے میں بغداد سے توزون کا خط آ گیا جس میں خلیفہ اور اس کے وزیر ابن شیرزاد کو امن دی گئی تھی' خلیفہ نے اس خط کو پڑھ کر خوشی کا اظہار کیا اور اخشید کو چھوڑ کر آخر محرم ۳۳۳ھ کو بغداد کی جانب روانہ ہو گیا۔ توزون نے مقام سندیہ میں استقبال کیا اور اپنے خیمہ میں ٹھہرایا' اگلے دن خلیفہ کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا کر اندھا کر دیا' اس کے بعد ابوالقاسم عبداللہ بن خلیفہ مکتفی باللہ کو بلا کر اس کے ہاتھ پر ارا کین دولت نے بیعت کی اور مکتفی باللہ کے لقب سے ملقب کیا'

سب سے آخر میں معزول خلیفہ متقی کو دربار میں پیش کیا گیا' اس نے بھی خلیفہ مستکفی کی بیعت کی متقی کو جزیرہ میں قید کر دیا گیا' پچیس برس اسی مصیبت میں گرفتار رہ کر ۳۵۷ھ میں فوت ہوا' جب قاہر باللہ کو متقی کے اندھا ہونے کی خبر پہنچی تو بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اب ہم دو تو اندھے ہو گئے تیسرے کی کسر ہے' عجیب اتفاق تھا کہ چند ہی روز مستکفی کا بھی یہی حشر ہوا۔

مستکفی باللہ

ابوالقاسم عبداللہ مستکفی باللہ ایک ام ولد موسومہ املح الناس کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ صفر ۳۳۳ھ کو بعمر اکتالیس سال تخت نشین ہوا' ابوالقاسم فضل بن مقتدر باللہ بھی دعویدار خلافت تھا' وہ روپوش ہو گیا' مستکفی نے اس کو بہت تلاش کرایا مگر وہ ہاتھ نہ آیا اور مستکفی کے عہد میں روپوش ہی رہا' مستکفی جب اس کی جستجو میں کامیاب نہ ہوا تو اس کا مکان منہدم کرا دیا۔

خلیفہ مستکفی کے تخت نشین ہوتے ہی توزون فوت ہو گیا' مستکفی نے ابوجعفر ابن شیرزاد کو امیر الامراء کا خطاب دیا' ابن شیرزاد نے تمام انتظامات و اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر بے دریغ روپیہ

خرچ کرنا شروع کیا۔ خزانہ خالی ہو گیا' تمام انتظام درہم برہم ہو گیا چند ہی روز کے بعد بغداد میں چوریوں اور ڈاکہ زینوں کی کثرت نے یہاں تک نوبت پہنچا دی کہ لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کرنے لگے۔

انتباہ!

سلطنت اسلامیہ کا رقبہ اور وسعت مملکت عہد بنوامیہ تک برابر ترقی پذیر رہا' حکومت اسلامیہ کا ایک ہی مرکز تھا اور دمشق کے دربار خلافت سے جو حکم جاری رہتا تھا اس کی تعمیل اندلس اور مراکش کے مغربی ساحل سے چین و ترکستان تک یکساں ہوتی تھی' خلافت اسلامیہ جب بنوعباس کے قبضہ میں آئی تو چند ہی روز کے بعد اندلس میں بنوامیہ کی ایک خود مختار سلطنت الگ قائم ہو گئی اور مسلمانوں کی سلطنت کے بجائے ایک کے دو مرکز ہو گئے۔ پھر چند روز کے بعد مراکش میں ایک تیسرا مرکز حکومت قائم ہوا' اس کے بعد افریقہ و مصر میں ایک اور حکومت قائم ہوئی۔ اب جس زمانہ کے حالات بیان ہو رہے ہیں یہ وہ زمانہ ہے کہ خلیفہ بغداد کی حکومت شہر بغداد میں بھی باقی نہیں رہی ہے' چند روز پہلے دجلہ و فرات کا دوآبہ خلیفہ کی حکومت میں شامل تھا' لیکن جب سے امیر الامراء کا عہدہ ایجاد ہوا' اس وقت سے اس دوآبہ کی حکومت امیر الامراء کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور برائے نام وہ اپنے آپ کو خلیفہ کا محکوم اور نائب کہتا تھا۔

خاص شہر بغداد میں خلیفہ کے احکام کی قدر و منزلت تھی اور بغداد میں وہ سب سے بڑی طاقت سمجھی جاتی تھی' ہر ایک وہ شخص جو دوسروں کو مغلوب کر کے اپنی طاقت کا اظہار کر سکتا تھا' اپنے قوت بازو سے امیر الامراء بن سکتا اور خلیفہ کو مجبوراً اسے امیر الامراء کا خطاب دینا پڑتا تھا' خلیفہ کے ہاتھ میں طاقت اگرچہ کچھ نہ تھی مگر پھر بھی اس کو تھوڑی بہت آزادی ضروری حاصل تھی اور ایک قسم کا رعب و جلال بھی باقی تھا۔

لیکن اب معز الدولہ احمد بن بویہ ماہی گیر اہواز سے آ کر بغداد اور خلیفہ پر مسلط ہوتا ہے' اس کو ملک کا خطاب ملتا ہے' اور اس کے بعد سے یکے بعد دیگرے ملوک ہوتے ہیں' معز الدولہ نے خلیفہ کو نظر بند کر کے ایک معزز قیدی کی حیثیت سے رکھا اور شہر بغداد میں جو اثر اقتدار خلیفہ کو حاصل تھا وہ بھی چھین لیا۔ خلیفہ کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ جب کوئی سفیر باہر سے آئے تو وہ خلیفہ کے دربار میں حاضر کیا جائے اور اس مصنوعی دربار میں خلیفہ کی پرشوکت نمائش کر کے حسب منشاء اس سے کام لیا جائے' کسی شخص کو خطاب دینا' کسی کو کوئی سند عطا فرمانا یہ سب خلیفہ کے ہاتھ سے ہوتا تھا' لیکن خلیفہ کے

اختیار سے نہیں ہوتا تھا' اختیار ہر ایک کام میں ملک ہی کا ہوتا تھا۔

خلیفہ کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی' ملک خلیفہ کی ایک تنخواہ مقرر کر دیتا تھا' یہ تنخواہ جب خلیفہ کو دیر سے ملتی تھی یا نہیں ملتی تھی تو اسے مجبوراً اپنا سامان فروخت کر کے اپنی گذر کرنی پڑتی تھیں' پس جب کہ خلفاء عباسیہ کی یہ حالت ہو چکی ہے تو اب ظاہر ہے کہ حکومت وسلطنت کی تاریخ لکھنے والے کے لیے ان کا تذکرہ غیر ضروری ہو چکا ہے' کیونکہ سوائے صرف لفظ خلیفہ کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہی' مگر چونکہ ہم کو حکومت اسلامیہ کی تاریخ پوری کرنی ہے اور اس میں ان حکمرانوں کا حال بیان ہونا ضروری ہے' جنہوں نے بغداد میں ملک کے نام سے نہ صرف بغداد بلکہ دوآبہ فرات ودجلہ اور دوسرے صوبوں پر بھی حکومت کی ہے لہٰذا ان ملکوں کے حالات بیان کرنے میں ہم کو ابھی تھوڑی دور تک اور انہیں خلفائے عباسیہ کے سہارے سے چلنا چاہیئے' جو اگرچہ شاہ شطرنج سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتے مگر خلیفہ ضرور کہلاتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اب ہم خلفائے عباسیہ کے حالات مطالعہ نہیں کر رہے ہیں' بلکہ حکومت بغداد کے حالات مطالعہ کر رہے تھے۔ ساتھ ہی اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ جابجا صوبوں میں الگ الگ خودمختار حکومتیں اور سلطنتیں قائم ہو چکی ہیں' مگر خلیفہ کے نام کی تکریم سب بجالاتے اور خطبوں میں اس کا نام ضرور لیتے تھے۔

اندلس میں بجائے خود خلافت قائم تھی اور عبیدیین جو شیعہ بلکہ قرامطہ تھے خلافت وامارت کے مدعی تھے' اس لیے اندلس وافریقہ میں خلیفہ بغداد کا نام خطبوں میں نہیں لیا جاتا تھا' مگر باقی تمام ممالک اسلامیہ میں بغداد کے عباسی خلیفہ کو سب خلیفہ مانتے اور اپنا مذہبی پیشوا جانتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ کبھی کبھی ایسا ضرور ہوا ہے کہ خاص بغداد میں کسی ملک نے خلیفہ کا نام خطبہ سے خارج کر دیا اور صرف اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا' مگر دوسرے ملکوں میں خلیفہ کا نام خطبوں میں ضرور شامل رہا۔

خاندان بویہ کی بغداد میں حکومت

خاندان بویہ کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ بویہ کے تینوں بیٹے علی' حسن' احمد حکومت وسرداری حاصل کر چکے ہیں' علی (عماد الدولہ) فارس پر قابض ومتصرف تھا' حسن (رکن الدولہ) اصفہان وطبرستان کی طرف حکومت وسرداری حاصل رکھتا تھا۔ احمد (معز الدولہ) اہواز پر قابض تھا' جب ابن شیرزاد کی امیر الامرائی میں بغداد کے اندر فتنہ وفساد برپا ہو گیا تو معز الدولہ نے جو بغداد سے نسبتاً قریب تھا بغداد پر حملہ کیا۔

شیرزاد بھاگ کر بنوحمدان کے پاس موصل چلا گیا اور معز الدولہ بغداد پر بآسانی قابض و مستولی ہو گیا۔ خلیفہ مستکفی کی خدمت میں حاضر ہوا' اس کو معز الدولہ ملک کا خطاب دیا۔

معز الدولہ نے اپنے نام کے سکے مسکوک کرائے اور بغداد پر پورے قہر و غلبہ کے ساتھ حکومت کرنے لگا' چند روز کے بعد معز الدولہ کو معلوم ہوا کہ خلیفہ مستکفی اس کے خلاف کوئی سازش کر رہا ہے' انہیں ایام میں والی خراسان کا سفیر آیا اور اس تقریب میں دربار عام منعقد کیا گیا' معز الدولہ نے سردربار دو دیلمیوں کو اشارہ کیا' وہ آگے بڑھے' خلیفہ نے سمجھا کہ دست بوسی کے لیے آگے بڑھے ہیں اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا' دیلمیوں نے وہی ہاتھ پکڑ کر خلیفہ کو تخت سے نیچے کھینچ کر ڈال دیا اور گرفتار کر لیا' کسی کی مجال نہ تھی کہ اف کر سکے۔

معز الدولہ اسی وقت سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا اور دیلمی خلیفہ کو کھینچتے اور بے عزت کرتے ہوئے معز الدولہ کے سامنے لائے' اس کی آنکھیں نکال کر قید کر دیا' یہ واقعہ ماہ جمادی الآخر ۳۳۴ھ کا ہے' خلیفہ مستکفی نے ایک برس چار مہینے برائے نام خلافت کی اور ۳۳۸ھ میں بحالت قید فوت ہوا۔

مطیع اللہ

معز الدولہ بن بویہ دیلمی بویہ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا' یہ لوگ چونکہ اطروش کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے اس لیے تمام دیلمی شیعہ تھے' خاندان بویہ شیعیت اور عصبیت میں سب سے بڑھا ہوا تھا' مستکفی کو ذلیل و معزول و مقید اور اندھا کر دینے کے بعد معز الدولہ نے چاہا کہ کسی علوی کو تخت خلافت پر بٹھائے مگر اس کے کسی مشیر نے اس کو اس ارادے سے باز رکھا اور سمجھایا کہ اگر آپ نے کسی علوی کو خلیفہ بنا دیا تو چونکہ آپ کی تمام قوم اس کو مستحق خلافت سمجھے گی اس لیے وہ بجائے آپ کے اس علوی خلیفہ کی خدمت و اطاعت کو مقدم سمجھے گی اور دیلمیوں پر جو آپ کا اثر اب ہے یہ ہرگز باقی نہیں رہے گا' اور نہ آپ کی یہ حکومت و شوکت برقرار رہے گی' لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اسی عباسی خاندان سے کسی شخص کو تخت خلافت پر بٹھاؤ تا کہ تمام شیعہ اس کو غیر مستحق خلیفہ سمجھ کر آپ کی اطاعت و فرماں برداری کے لیے مستعد رہیں' اور اس طرح شیعیت بغداد میں قائم رہے۔

چنانچہ معز الدولہ نے ابو القاسم فضل بن مقتدر کو طلب کیا اور مطیع للہ کے لقب سے تخت پر بٹھا کر رسم بیعت ادا کی اور سو دینار روزانہ اس کی تنخواہ مقرر کر دی' مطیع للہ ایک ام ولد موسومہ مشغلہ کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور جمادی الثانی ۳۳۴ھ میں تخت نشین کیا گیا۔

معز الدولہ نے خلیفہ کی وزارت پر ابو محمد حسن بن محمد مہلبی کو مامور کیا' وزیر درحقیقت ملک ہی کا

وزیر ہوتا تھا کیونکہ خلیفہ تو برائے نام خلیفہ تھا' اوپر ذکر آ چکا ہے کہ موصل پر ناصر الدولہ بن حمدان اور شام پر سیف الدولہ بن حمدان قابض تھا' مصر پر اخشید محمد بن طغج فرغانی فرماں روا تھا۔

ناصر الدولہ نے جب معز الدولہ کے اس طرح بغداد پر مستولی ہونے کا حال سنا تو موصل سے فوج لے کر چلا اور ماہ شعبان ۳۳۴ھ میں سامرا پہنچا' معز الدولہ یہ خبر سن کر مطیع للہ کو ہمراہ لے کر بغداد سے نکلا' معز الدولہ کو شکست ہوئی بغداد میں واپس آیا۔

معز الدولہ معہ مطیع للہ بغداد غربی میں اترا اور بغداد شرقی میں ناصر الدولہ نے آ کر قیام کر دیا طرفین سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا آخر دونوں میں صلح ہو گئی' معز الدولہ نے اپنی پوتی کی شادی ناصر الدولہ کے بیٹے ابو تغلب سے کر دی' ناصر الدولہ موصل کو روانہ ہوا۔

۳۳۵ھ میں ابو القاسم بریدی نے بصرہ میں معز الدولہ کی مخالفت کا علم بلند کر کے تیاری شروع کی' ۳۳۶ھ میں معز الدولہ نے خلیفہ مطیع کو ہمراہ لے کر بصرہ پر چڑھائی کی' ابو القاسم کی فوج کو شکست ہوئی' ابو القاسم بھاگ کر بحرین میں قرامطہ کے پاس چلا گیا اور معز الدولہ نے بصرہ پر قبضہ کر لیا' ابو جعفر صیمری کو بصرہ میں چھوڑ کر معز الدولہ معہ خلیفہ مطیع للہ بغداد چلا آیا۔

۳۳۷ھ میں معز الدولہ نے ناصر الدولہ بن حمدان والی موصل پر چڑھائی کی' ناصر الدولہ تاب مقابلہ نہ لا کر نصیبین چلا گیا' اسی اثناء میں معز الدولہ کے بھائی رکن الدولہ نے خبر بھیجی کہ لشکر خراسان نے جرجان درے پر چڑھائی کی ہے' جس قدر جلد ممکن ہو فوجیں مدد کے لیے بھیجو' معز الدولہ نے ناصر الدولہ سے صلح کر کے موصل سے بغداد کی جانب کوچ کیا اور ناصر الدولہ موصل میں واپس آ گیا۔ ناصر الدولہ سے صلح اس شرط پر کی گئی تھی کہ ناصر الدولہ خراج برابر بھیجتا رہے اور خطبہ میں معز الدولہ' رکن الدولہ' عماد الدولہ تینوں بھائیوں کا نام لیا کرے۔

۳۳۸ھ میں معز الدولہ نے خلیفہ مطیع سے اس مضمون کا ایک فرمان لکھوایا کہ علی بن بویہ المخاطب بہ عماد الدولہ اپنے بھائی معز الدولہ کے ساتھ بطور مددگار کام کرے اور عہدئہ سلطانی میں شریک رہے مگر عماد الدولہ اسی سال فوت ہو گیا' اس کی جگہ رکن الدولہ کو معز الدولہ کا مددگار بنایا گیا۔

۳۳۹ھ میں حجر اسود پھر اپنی جگہ خانہ کعبہ میں لا کر نصب کیا گیا' اس کے گرد سونے کا ایک حلقہ جس کا وزن تین ہزار سات سو ستتر درہم تھا لگایا گیا۔

۳۴۱ھ میں ایک نئے گروہ کا ظہور ہوا جو تناسخ کا قائل تھا' ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ مجھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روح حلول کر آئی ہے' اس کی بیوی کا دعویٰ تھا کہ سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح مجھ میں منتقل ہوئی ہے۔

ایک دوسرا شخص کہتا تھا کہ مجھ میں جبرئیل علیہ السلام کی روح ہے' دعوؤں کو سن کر لوگوں نے ان کو مارا پیٹا' معز الدولہ نے بوجہ شیعہ ہونے کے لوگوں کو ایذا رسانی سے باز رکھ کر ان کا ادب کرنے اور تعظیم سے پیش آنے کا حکم دیا' کیونکہ کہ وہ اپنے آپ کو اہل بیت سے نسبت کرتے تھے۔

۳۴۶ھ میں رے اور نواح رے میں زلزلہ عظیم عظیم آیا' طالقان خسف ہو گیا کل تیس آدمی بچ سکے باقی سب ہلاک ہو گئے۔ رے کے نواح میں ڈیڑھ سو گاؤں زمین میں دھنس گئے' شہر خلوان کا اکثر حصہ زمین میں غرق ہو گیا۔

۳۴۷ھ میں دوبارہ اسی شدت کا زلزلہ آیا۔

اسی سال معز الدولہ نے موصل پر چڑھائی کی کیونکہ ناصر الدولہ سے خراج بھیجنے میں تاخیر ہوئی تھی' ماہ جمادی الاول ۳۴۷ھ میں موصل پر قبضہ کیا۔

ناصر الدولہ نصیبین چلا گیا' معز الدولہ نے موصل میں سبکتگین اپنے حاجب کبیر کو چھوڑ کر خود نصیبین کا قصد کیا' ناصر الدولہ وہاں سے اپنے بھائی سیف الدولہ کے پاس حلب چلا گیا' سیف الدولہ نے معز الدولہ سے خط و کتابت کر کے صلح کی کوشش کی اور ماہ محرم ۳۴۸ھ میں صلح نامہ لکھا گیا۔ اور معز الدولہ عراق کی جانب واپس آیا۔

۳۵۰ھ میں معز الدولہ نے بغداد میں اپنے لیے ایک بہت بڑا قصر تعمیر کرایا جس کی نبیادیں چھتیس گز رکھی گئی تھیں۔

اسی سال رومیوں نے جزیرہ افریطش (کریٹ) کو مسلمانوں کے قبضے سے چھین لیا' یہ جزیرہ ۲۳۰ھ سے مسلمانوں کے قبضے میں چلا آتا تھا۔

معز الدولہ کی ایک اور لعنتی کاروائی

۳۵۱ھ میں معز الدولہ نے جامع مسجد بغداد کے دروازے پر نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد یہ عبارت لکھوا دی "لعن اللہ معاویۃ بن سفیان لو من غصب فاطمۃ فدکا و من صلح عن دفن الحسن عند جدہ و من نفی اباذر و من اخرج العباس عن الشوری۔

ا سبائی گروہ کے باطل مذہب کا حصہ ہے کہ وہ سوائے تین چار صحابہ رضی اللہ عنہم کے باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو منافق کہتے ہیں اور ان پر تبرا کرتے یعنی ان کو گالی گلوچ کرتے ہیں' استغفر اللہ' معاذ اللہ! حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر سختی سے متنبہ فرما دیا تھا کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہنا۔ قابل غور مقام ہے کہ ہم مسلمانوں کو تو یہ دین اسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے ملا ہے۔ معاذ اللہ! اگر وہ سیدھے راستہ پر نہ تھے تو پھر یہ پورا دین ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔ ہم سبائی گروہ کے اس باطل عقیدہ و فکر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

عید غدیر کی ایجاد

معز الدولہ نے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵۱ھ کو بغداد میں عید منانے کا حکم دیا اور اس عید کا نام عید خم غدیر رکھا' خوب ڈھول بجائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں' اسی تاریخ کو یعنی ۱۸ ذی الحجہ ۳۵۱ھ کو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ چونکہ شہید ہوئے تھے لہٰذا اس روز شیعوں کے لیے خم غدیر کی عید منانے کا دن تجویز کیا گیا۔ احمد بن بویہ دیلمی یعنی معز الدولہ کی اس ایجاد کو جو ۳۵۱ھ میں ہوئی شیعوں نے یہاں تک رواج دیا کہ آج کل کے شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عید غدیر کا مرتبہ عید الاضحیٰ سے بھی زیادہ بلند ہے۔

تعزیہ داری کی ایجاد

۳۵۲ھ کے شروع ہونے پر ابن بویہ مذکور نے حکم دیا کہ ۱۰ محرم کو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم میں تمام دوکانیں بند کر دی جائیں' بیع و شرا بالکل موقوف رہے' شہر و دیہات کے تمام لوگ ماتمی لباس پہنیں اور اعلانیہ نوحہ کریں' عورتیں اپنے بال کھولے ہوئے' چہروں کو سیاہ کیے ہوئے' کپڑوں کو پھاڑے ہوئے' سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی' منہ نوچتی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں۔ شیعوں نے اس حکم کی بخوشی تعمیل کی' مگر اہل سنت دم بخود اور خاموش رہے کیونکہ شیعوں کی حکومت تھی' آئندہ سال ۳۵۳ھ میں پھر اسی حکم کا اعادہ کیا گیا اور سنیوں کو بھی اس کی تعمیل کا حکم دیا گیا' اہل سنت اس ذلت کو برداشت نہ کر سکے' چنانچہ شیعہ سنیوں میں فساد برپا ہوا' بہت بڑی خوں ریزی ہوئی اس کے بعد شیعوں نے ہر سال اس رسم کو زیر عمل لانا شروع کر دیا اور آج تک اس کا رواج ہندوستان میں ہم دیکھ رہے ہیں' عجیب بات یہ ہے کہ ہندوستان میں اکثر سنی لوگ بھی تعزیے بناتے ہیں۔

عمان پر قبضہ اور معز الدولہ کی وفات

عمان پر قرامطہ قابض و متصرف تھے' ۳۵۵ھ میں معز الدولہ نے عمان پر براہ دریا فوج کشی کی اور ۹ ذی الحجہ ۳۵۵ھ کو عمان پر قابض ہو گیا اور قرامطہ کو وہاں سے بھگا دیا' ہزارہا قرامطہ مارے گئے' نواسی کشتیاں ان کی جلا کر غرق کر دی گئیں' عمان سے فارغ ہو کر واسط آیا' یہاں آ کر علیل ہوا' پھر بغداد آیا' وزیر مہلبی نے اس سے پہلے عمان پر ۳۵۳ھ میں چڑھائی کی تھی مگر وہ بھی بیمار ہو کر آیا' بغداد میں پہنچ کر ہر چند علاج کیا مگر آرام نہ ہوا' بائیس سال حکومت کر کے ربیع الآخر ۳۵۶ھ میں فوت ہوا۔

عز الدولہ کی حکومت

معز الدولہ نے مرتے وقت اپنے بیٹے بختیار کو اپنا ولی بنایا تھا' وہ معز الدولہ کے بعد عز الدولہ کا

خطاب خلیفہ سے حاصل کر کے حکمرانی کرنے لگا۔ دیلمی لوگ اب اس قدر غالب و مسلط ہو گئے تھے کہ اصل حکمران وہی سمجھے جاتے تھے' خلیفہ کی کوئی حقیقت وحیثیت باقی نہ تھی' چنانچہ وہ اپنے بعد اپنے ولی عہد بھی خود تجویز کرنے لگے' ایک طرف خلیفہ اپنے ولی عہد مقرر کرتے تھے' دوسری طرف یہ حکمران سلطان اپنے ولی عہد مقرر کرتے تھے' خلیفہ کے ہاتھ میں کوئی حکومت نہ تھی بلکہ وہ خود محکوم تھا اور ان سلطانوں کے ہاتھ میں حکومت وطاقت تھی' اسی لیے بغداد میں ان کی ولی عہدی وجانشینی زیادہ اہم سمجھی جاتی تھی کیونکہ اس کا تعلق حکومت وسلطنت سے تھا' یوں سمجھنا چاہیئے کہ بغداد میں دیلمیوں کا پہلا بادشاہ معز الدولہ تھا' اب ان کا دوسرا بادشاہ عز الدولہ تخت نشین ہوا۔

عز الدولہ نے نے ابو الفضل عباس بن حسین شیرازی کو اپنا وزیر بنایا اسی سال جعتی بن معز الدولہ نے بصرہ میں اپنے بھائی عز الدولہ کے خلافت علم بغاوت بلند کیا' ابو الفضل عباس اس کی سرکوبی کو گیا اور مقید کر کے عز الدولہ کے پاس لایا' اس نے اس کو قید کر دیا' ۳۶۲ھ میں عز الدولہ نے ابو الفضل عباس کو وزارت سے معزول کر کے محمد بن بقیہ کو عہدہ وزارت عطا کیا۔

محمد بن بقیہ ایک ادنیٰ درجہ کا آدمی تھا' عز الدولہ کے باورچی خانہ کا مہتمم تھا' اسی سال ابو تغلب بن ناصر الدولہ بن حمدان نے موصل میں اپنے باپ ناصر الدولہ کو قید کر لیا اور خود حکومت کرنے لگا' ابو تغلب کی شادی عز الدولہ کی لڑکی سے ہوئی تھی جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ابو تغلب کے دو بھائی ابراہیم وحمدان موصل سے بھاگ کر بغداد میں عز الدولہ کے پاس آئے اور ابو تغلب کی شکایت کر کے اس کے خلاف عز الدولہ سے امداد طلب کی' عز الدولہ نے اپنے وزیر محمد بن بقیہ اور سپہ سالار سبکتگین کو ہمراہ لے کر موصل پر چڑھائی کی' ابو تغلب موصل سے معہ دفاتر سنجار چلا گیا۔

عز الدولہ موصل میں داخل ہوا اور ابو تغلب نے سنجار سے بغداد کا قصد کیا' یہ سن کر عز الدولہ نے ابن بقیہ اور سبکتگین کو بغداد کے بچانے کے لیے بغداد کی طرف بھیجا اور خود موصل میں رہا' ابن بقیہ ابو تغلب کے پہنچنے سے پہلے بغداد میں پہنچ گیا' اور سبکتگین نے بغداد کے باہر ابو تغلب کا مقابلہ کر کے اس کو روکنا چاہا۔

ادھر ابو تغلب اور سبکتگین کی لڑائیاں شروع ہوئیں' ادھر بغداد میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان فساد برپا ہوا' اس فساد کی خبر سن کر سبکتگین اور ابو تغلب نے آپس میں صلح کر لی' اور یہ ارادہ کیا کہ عز الدولہ اور تمام شیعوں کو بے دخل کر کے نئے خلیفہ کو تخت نشین کرنا چاہیئے' مگر بعد میں کچھ سوچ کر اس ارادے سے باز رہے اور ابن بقیہ کو بغداد سے بلا کر ابو تغلب سے سبکتگین نے شرائط صلح طے کرالیں' ان شرائط کی

موافق عزالدولہ کو ابن بقیہ نے لکھا کہ آپ موصل سے بغداد آ جائیں اور ابو تغلب کو موصل کی حکومت سپرد کر دیں۔

ابو تغلب موصل پہنچا اور عزالدولہ اپنے خسر سے بغل گیر ہو کر ملا' عزالدولہ بغداد کی طرف آ گیا' بغداد آ کر عزالدولہ نے ترکوں کو سخت سزائیں دیں' اس کا حال سن کر سبکتگین نے جو بغداد میں تھا علم بغاوت بلند کیا اور عزالدولہ کے مکان کو لوٹ کر اس کے خاندان والوں کو قید کر کے واسط بھیج دیا' یہ واقعہ ذیقعدہ ۳۶۳ھ میں ہوا۔

اب بغداد میں سبکتگین کی حکومت قائم ہو گئی جو سنی حکومت تھی' شیعوں کو بغداد سے نکال دیا گیا اس کے بعد خلیفہ مطیع کو اس امر پر مجبور کیا کہ اپنے آپ کو خلافت سے معزول کر لو کیونکہ فالج کے مرض سے بیکار اور نا قابل خلافت ہو گئے ہو' چنانچہ ماہ ذیقعدہ ۳۶۳ھ میں خلیفہ مطیع نے اپنے آپ کو معزول کر لیا اور اس کے بیٹے عبدالکریم کو طائع اللہ کے لقب سے تخت خلافت پر بٹھایا گیا' خلیفہ مطیع نے ساڑھے چھبیس برس برائے نام خلافت کی' جب سے ناصرالدولہ بن حمدان نے صوبہ موصل کر دبا لیا تھا اس وقت سے رومیوں کے حملوں کی مدافعت اور رومیوں پر حملہ کرنا اسی سے متعلق ہو گیا تھا۔

پھر جب ۳۶۳ھ میں جب کہ ناصرالدولہ کے بھائی سیف الدولہ بن حمدان نے حلب وحمص پر قبضہ کیا تو رومیوں کی لڑائیوں اور چڑھائیوں کا تعلق سیف الدولہ سے ہو گیا' سیف الدولہ نے بڑی قابلیت اور مستعدی سے رومیوں کے حملوں کو روکا اور ان کو ترکی بترکی جواب دیا۔

۳۶۳ھ میں عزالدولہ نے خلیفہ مطیع للہ کا نام خطبہ سے نکال دیا' اس پر خلیفہ نے بہت رنج و ملال کا اظہار کیا' عزالدولہ نے ناراض ہو کر خلیفہ کی تنخواہ بند کر دی' خلیفہ کو اپنا اثاث البیت فروخت کر کے اپنی گذر کرنی پڑی۔

خلع کے بعد مطیع للہ کا خطاب الشیخ الفاضل تھا' مطیع نے محرم ۳۶۳ھ میں بمقام واسط وفات پائی' ابوبکر شبلی' ابونصر فارابی متنبی شاعر نے اسی خلیفہ کے عہد میں وفات پائی تھی۔

طائع اللہ

ابوبکر عبدالکریم طائع اللہ بن مطیع اللہ ایک ام ولد موسومہ ہزار کے بطن سے پیدا ہوا اور بعمر پینتالیس سال بعد از خلع مطیع بروز چہارشنبہ بتاریخ ۲۳ ذیقعدہ ۳۶۳ھ تخت خلافت پر بیٹھا' سبکتگین کو نصرالدولہ کا خطاب اور پرچم عطا کیا اور بجائے عزالدولہ کے نائب السلطنت اور سلطان بنایا' اسی سال مکہ اور مدینہ میں معز عبیدی فرمانروائے مغرب کے نام کا خطبہ پڑھا جانا شروع ہوا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب خلیفہ مطیع نے خلع خلافت کیا ہے تو بغداد میں سبکتگین کی حکومت تھی اور عزالدولہ بن معزالدولہ اہواز میں تھا' سبکتگین نے عزالدولہ کی ماں اور بھائیوں کو واسط بھیج دیا تھا' یہ خبر سن کر عزالدولہ اپنی والدہ کی ملاقات کو واسط آیا اور اپنے چچا حسن بن بویہ المخاطب بہ رکن الدولہ کو جو فارس میں حکومت کر رہا تھا' سبکتگین اور ترکوں کے خلاف امداد بھیجنے کے لیے لکھا۔

رکن الدولہ نے اپنے وزیر ابوالفتح بن حمید کو ایک فوج دے کر اپنے بیٹے عضدالدولہ کے پاس اہواز میں بھیجا اور عضدالدولہ کو خط لکھا کہ تم بھی فوج لے کر اور ابوالفتح کے ساتھ مل کر اپنے چچازاد بھائی عزالدولہ کی مدد کو پہنچو۔

ادھر سبکتگین نے خلیفہ طائع اللہ اور اس کے باپ مطیع دونوں کو ہمراہ لے کر ترکی فوج کے ساتھ واسط کی طرف کوچ کیا۔ ابوتغلب حاکم موصل نے یہ سن کر موصل سے روانہ ہو کر بغداد پر قبضہ کر لیا' واسط کے قریب پہنچ کر سبکتگین اور مطیع دونوں کا انتقال ہو گیا' ترکوں نے افتکین کو اپنا سردار بنا لیا اور واسط کا محاصرہ کر لیا' افتکین معزالدولہ بن بویہ کا آزاد ترکی غلام تھا' افتکین نے پچاس یوم تک نہایت سختی سے محاصرہ جاری رکھا۔

عضدالدولہ معہ اپنے باپ دریر ابوالفتح بن عمید کے واسط پہنچا' عضدالدولہ کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر افتکین واسط سے محاصرہ اٹھا کر بغداد کی طرف روانہ ہوا اور افتکین کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر ابوتغلب بغداد چھوڑ کر موصل کو چل دیا' عزالدولہ اور عضدالدولہ دونوں نے چند روز واسط میں قیام کیا' پھر دونوں بھائیوں نے چاروں طرف سے بغداد کا محاصرہ کر لیا اور ہر طرف سے رسد کا آنا بند کر دیا۔

اہل شہر کو سخت تکلیف ہونے لگی' ترکوں نے افتکین کے مکان کو لوٹ لیا اور آپس میں فتنہ وفساد برپا کرنے لگے' آخر افتکین خلیفہ طائع للہ کو اپنے ہمراہ لے کر اور محاصرہ توڑ کر صاف نکل گیا اور تکریت میں جا کر دم لیا۔

جمادی الاول میں ۳۶۴ھ میں عضدالدولہ اور عزالدولہ بغداد میں داخل ہوئے' عضدالدولہ نے ترکوں سے خط وکتابت کر کے ماہ رجب ۳۶۴ھ میں خلیفہ طائع للہ کو بغداد واپس بلا لیا اور قصر خلافت میں فروکش کر کے بیعت کی اور عزالدولہ کو گرفتار کر کے خود حکومت کرنے لگا۔ محمد بن بقیہ کو عضدالدولہ نے واسط کی حکومت پر مامور کر کے بھیج دیا' عزالدولہ کا بیٹا زبان نامی بصرہ میں حکومت کر رہا تھا' اس نے عضدالدولہ کی شکایت اور عزالدولہ کے گرفتار کر کے قید کر دینے کا حال لکھ کر رکن الدولہ کے پاس بھیج دیا' رکن الدولہ کو سخت ملال ہوا اور عضدالدولہ کو عتاب آموز فرمان لکھا۔ عضدالدولہ نے اس کے جواب میں اپنے باپ رکن الدولہ کو خط لکھا۔ کہ:

''عزالدولہ میں ملک داری کی قابلیت اور طاقت نہ تھی' اگر میں دست اندازی نہ کرتا تو بنی بویہ کے قبضہ سے بغداد کی حکومت نکل جاتی' میں صوبہ عراق کا خراج تیس لاکھ درہم سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں' اگر آپ صوبہ عراق کی نگرانی وحکومت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہوں تو شوق سے تشریف لائیں' میں فارس چلا جاؤں گا''۔

اس خط سے صاف ظاہر ہے کہ صوبہ عراق اور بغداد دیلمی حکومت کا ماتحت تھا' اور دیلمیوں کا سب سے بڑا حاکم اس زمانہ میں رکن الدولہ تھا جو خراسان میں تھا اور خلیفہ بغداد صوبہ دار عراق کی نگرانی وماتحتی کے اندر بغداد میں قیدیوں کی طرح تھا۔

آخر رکن الدولہ کے حکم کے موافق عضد الدولہ نے عزالدولہ کو قید سے نکال کر عراق کی حکومت سپرد کی اور یہ اقرار کیا کہ عراق میں خطبہ عضد الدولہ کے نام کا پڑھا جائے گا اور عزالدولہ اپنے آپ کو عضد الدولہ کا نائب سمجھے گا' ابوالفتح کو عزالدولہ کے پاس چھوڑا اور خود فارس کی طرف چلا گیا۔

افتکین ان واقعات کے بعد دمشق کی طرف گیا اور وہاں معز عبیدی کے عامل کو نکال کر خود دمشق پر قابض و متصرف ہو گیا' اہل دمشق افتکین کی حکومت سے خوش ہوئے کیونکہ وہاں روافض اپنے اعتقادات کو زبردستی لوگوں سے منواتے اور تنگ کرتے تھے' افتکین کے پہنچنے سے ان کو نجات ملی' افتکین نے بجائے عبیدی سلطان کے خلیفہ طائع کے نام کا خطبہ جاری کیا' یہ واقعہ شعبان ۳۶۴ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

عضد الدولہ کی حکومت

۳۶۲ھ میں رکن الدولہ کا انتقال ہو گیا' اس کے بعد عضد الدولہ اپنے باپ کا جانشین ہوا' عضد الدولہ کے خلاف عزالدولہ نے لشکر کی فراہمی کی تدبیریں کیں' عضد الدولہ اس کے ارادوں سے مطلع ہو کر بغداد پر چڑھ آیا' بغداد پر قبضہ کرنے کے بعد بصرہ پر بھی قابض ہو گیا' یہ واقعہ آخر ۳۶۶ھ کا ہے۔ ۳۶۷ھ کے شروع ہونے پر عضد الدولہ نے اپنے باپ کے وزیر ابوالفتح بن عمید کو جو عزالدولہ کا ہمنوا ہو گیا تھا پکڑ کر اندھا کر دیا اور قید میں ڈل دیا۔

عزالدولہ نے اپنے وزیر عمید کو جو عضد الدولہ کا ہم ساز ہو گیا تھا اندھا کر دیا اور موصل وشام کی طرف چلا گیا' وہاں سے ابوتغلب والی موصل کو اپنا ہمدرد بنا کر اور فوج لے کر بغداد پر حملہ آور ہوا۔

عزالدولہ کو عضد الدولہ نے لڑائی میں گرفتار کر کے قتل کر دیا اور ابوتغلب کے تعاقب میں جا کر موصل وجزیرہ پر قبضہ کر لیا' ابوتغلب آوارہ ہو کر قیصر روم کے پاس چلا گیا' وہاں قیصر نے اپنی لڑکی کی

شادی ابوتغلب سے کر دی۔

بہر حال صوبہ موصل سے چند روز کے لیے بنو حمدان کی حکومت منقطع ہو گئی' ۳۷۲ھ میں عضد الدولہ نے اپنی حکومت کے پانچ برس چھ مہینے کی بعد وفات پائی اور امراء دولت نے اس کے بیٹے کا کیجار کو عضد الدولہ کی جگہ مسند حکومت بٹھا کر صمصام الدولہ کے لقب سے ملقب کیا' خلیفہ طائع اللہ بھی رسم تعزیت ادا کرنے اور حکومت کی مبارک باد دینے صمصام الدولہ کے پاس آیا۔

صمصام الدولہ کی حکومت

صمصام الدولہ کے کئی بھائی تھے' منجملہ ان کے ایک شرف الدولہ تھا' اس نے صمصام الدولہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے فارس پر قبضہ کر لیا' ۳۷۵ھ میں شرف الدولہ نے بغداد پر حملہ کیا' رمضان ۳۷۶ھ میں شرف الدولہ نے صمصام الدولہ کو گرفتار کر کے بغداد پر قبضہ کیا' خلیفہ طائع اللہ نے شرف الدولہ کو کامیابی پر مبارک باد دی' صمصام الدولہ کو فارس بھیج دیا گیا وہاں پہنچ کر صمصام الدولہ آزاد کر دیا گیا۔

شرف الدولہ کی حکومت

شرف الدولہ جب بغداد' عراق پر قابض ہوا تو موصل میں فتنہ وفساد برپا تھا' بنو حمدان میں سے سیف الدولہ کے بعد اس کا بیٹا سعد الدولہ حلب وغیرہ پر حکمران تھا' شرف الدولہ بن عضد الدولہ دو برس آٹھ مہینے کی حکومت کے بعد ۳۷۹ھ میں بعارضہ استسقاء فوت ہوا۔ شرف الدولہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی بہاء الدولہ حکمران ہوا۔

بہاء الدولہ کی حکومت

بہاء الدولہ کو خلیفہ طائع نے حسب دستور خلعت دیا اور مبارک باد دینے خود آیا' بہاء الدولہ نے ابراہیم وحسین پسران ناصر الدولہ بن حمدان کو موصل کی حکومت پر مامور کر کے بطور عامل اپنی طرف سے بھیج دیا' مگر پھر اس انتظام پر پشیمان ہو کر موصل کے سابق عامل کو لکھا کہ ان کو حکومت سپرد نہ کی جائے' لیکن ابراہیم وحسین نے زبردستی موصل پر قبضہ کر لیا' ۳۸۰ھ میں بہاء الدولہ نے اپنے بھتیجے ابوعلی بن شرف الدولہ کو جو فارس میں حکومت کر رہا تھا دھوکے سے بلا کر قتل کر ڈالا اور خود فارس کی طرف روانہ ہوا کہ وہاں کے خزائن پر قبضہ کرے' چنانچہ وہاں پہنچا اور فارس پر قبضہ کیا' اسی اثناء میں صمصام الدولہ نے جو فارس میں موجود تھا اپنے گرد لوگوں کو جمع کر کے ملک پر قبضہ کرنا شروع کیا۔

آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ بہاء الدولہ کے ساتھ اس شرط پر صلح کرنی پڑی کہ فارس پر صمصام

الدولہ کا قبضہ رہے اس صلح نامہ سے سے فارغ ہو کر بہاؤ الدولہ بغداد کی طرف آیا' یہاں آ کر دیکھا تو شیعہ سنیوں میں لڑائی برپا تھی۔ بہاء الدولہ نے دونوں کو مصالحت کرا کر خاموش کر دیا۔

ماہ رمضان ۳۸۱ھ میں خلیفہ طائع اللہ نے دربار عام کیا۔ بہاء الدولہ تخت کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا تھا' امراء دولت آ رہے تھے اور خلیفہ کی دست بوسی کرنے کے بعد اپنی اپنی جگہ پر بیٹھتے جاتے تھے' اسی اثناء میں ایک دیلمی سردار داخل ہوا' دست بوسی کے لیے بڑھا' خلیفہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔۔۔ دیلمی نے ہاتھ پکڑ کر خلیفہ کو کھینچ لیا اور تخت سے نیچے گرا کر باندھ لیا' دربار خلافت اور قصر خلافت لٹنے لگے' بہاء الدولہ اپنے مکان پر آیا اور دیلمی لوگ خلیفہ کو کھینچتے اور بے عزت کرتے ہوئے بہاء الدولہ کے مکان پر آئے' بہاء الدولہ نے مجبور کر کے خلیفہ طائع سے خلع خلافت کا اعلان کرایا اور ابوالعباس احمد بن اسحاق بن مقتدر کو بلا کر قادر باللہ کے لقب سے تخت خلافت پر بٹھایا' طائع کو قصر خلافت کے ایک حصہ میں قید و نظر بند کر دیا اور اس کی ضروریات کا بندوبست کر دیا' ۳۹۲ھ تک طائع اسی حالت میں رہا پھر فوت ہو گیا۔

قادر باللہ!

ابوالعباس احمد قادر باللہ بن اسحاق بن مقتدر ۳۳۶ھ میں ایک ام ولد موسومہ تمنی کے بطن سے پیدا ہوا اور ۱۲ رمضان المبارک ۳۸۱ھ میں تخت پر بیٹھا' صاحب دیانت سیاست داں تھا' نماز تہجد کبھی قضا نہیں کی' اعلیٰ درجہ کا فقیہ تھا' تخت نشینی کے چند روز بعد ماہ شوال ۳۸۱ھ میں قادر باللہ نے ایک دربار منعقد کیا' اس میں بہاء الدولہ اور خلیفہ قادر باللہ نے ایک دوسرے کے وفادار رہنے کی قسمیں کھائیں' قادر باللہ نے اس تذلیل و تحقیر کو جو طائع اللہ کے زمانہ میں خلیفہ بغداد کی ہو چکی تھیں کم کرنے کی کوشش کی اور وقار خلافت کو قائم کرنے کا خواہش مند رہا' مگر دیلمی اس طرح قابو یافتہ ہو چکے تھے اور خلافت کا مرتبہ اس قدر پست ہو چکا تھا کہ قادر باللہ کوئی بہت بڑا تغیر پیدا نہیں کر سکا' تاہم اس نے طائع کے مقابلہ میں اپنے مرتبہ کو ضرور ترقی دی۔

۳۸۰ھ میں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے صمصام الدولہ اور بہاء الدولہ کے درمیان اس بات پر صلح ہو گئی تھی کہ فارس پر صمصام الدولہ کی اور عراق پر بہاء الدولہ کی حکومت رہے' مگر بہاء الدولہ نے ۳۸۳ھ میں فارس پر فوجیں بھیجیں کہ صمصام الدولہ کے عاملوں کو بے دخل کر کے فارس پر قبضہ کر لیں۔

صمصام الدولہ نے ان فوجوں کو شکست دے کر بھگا دیا' ۳۸۴ھ میں بہاء الدولہ نے طغان ترکی کی ماتحتی میں ایک زبردست فوج فارس کی طرف روانہ کی' صمصام الدولہ سے متعدد لڑائیاں ہوئیں'

صمصام الدولہ اور بہاء الدولہ کی لڑائیوں کا سلسلہ ۳۸۸ھ تک جاری رہا' کبھی یہ کامیاب ہوتا کبھی وہ' آخر ماہ ذی الحجہ ۳۸۸ھ میں نو برس فارس میں حکومت کرنے کے بعد صمصام الدولہ گرفتار ہو کر مقتول ہوا اور فارس پر بہاء الدولہ کا قبضہ ہو گیا۔

۳۸۹ھ میں بہاء الدولہ خود فارس کے ملک میں گیا اور عراق کی حکومت ابو جعفر حجاج بن ہرمز کو سپرد کر کے بغداد میں چھوڑ گیا' خلیفہ قادر باللہ نے ابو جعفر کو عمید الدولہ کا خطاب دیا۔

اسی سال یعنی ۳۸۹ھ میں خاندان سامانیہ کے قبضہ سے ماوراء النہر کا بھی تمام علاقہ نکل گیا اور اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

۳۸۴ھ میں خراسان ان کے قبضے سے نکل چکا تھا' بنو سامان کی سلطنت کے نصف حصہ پر تو بنی سبکتگین نے قبضہ کر لیا اور بقیہ نصف پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا تھا جس کا مفصل حال بعد میں ذکر کیا جائے گا' چند روز کے بعد بغداد میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان فساد برپا ہوا' بہاء الدولہ نے فارس میں یہ خبر سن کر عمید الدولہ کو عراق و بغداد کی حکومت سے معزول کر کے ۳۹۰ھ میں ابو علی حسن بن ہرمز کو عنان حکومت دے کر عمید الجیوش کا خطاب دیا۔ عمید الجیوش نے شیعہ سنی فساد کو مٹایا اور اچھا انتظام ملک کیا۔ ۳۹۱ھ میں عمید الجیوش کو معزول کر کے ابو نصر بن سابور کو عراق و بغداد کی حکومت سپرد کی' شیعہ سنیوں میں پھر فساد برپا ہوا' مگر چند روز کے بعد مصالحت ہو گئی۔

۳۵۰ھ میں بہاء الدولہ کا انتقال ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ابو شجاع حکومت کرنے لگا' خلیفہ قادر باللہ نے اس کو سلطان الدولہ کا خطاب دیا۔

سلطان الدولہ کی حکومت

سلطان الدولہ نے جو اپنے باپ بہاء الدولہ کی وفات کے بعد مسند حکومت پر متمکن ہوا اپنے بھائی ابو الفوارس کو کرمان کی حکومت پر مامور کیا' کرمان میں ابو الفوارس کے پاس بہت سے دیلمی جمع ہوئے اور یہ مشورہ دیا کہ تم اپنے بھائی سلطان سے حکومت و ریاست چھین لو' چنانچہ ابو الفوارس نے کرمان سے فوج مرتب کر کے شیراز پر حملہ کر دیا۔ ادھر سے سلطان الدولہ نے مقابلہ کیا' جنگ عظیم کے بعد ابو الفوارس کو شکست ہوئی' سلطان الدولہ نے اس کا تعاقب کیا وہ کرمان واپس آ کر کرمان میں بھی نہ ٹھہر سکا' کیونکہ سلطان الدولہ کئے کرمان تک اس کا تعاقب کیا۔

کرمان سے ابو الفوارس سلطان محمود غزنوی بن سبکتگین کے دربار میں پہنچا' سلطان محمود غزنوی نے اس کی تشفی و تسلی کی اور اپنے ایک سردار ابو سعید طائی کو فوج دے کر اس کے ساتھ کر دیا' ابو الفوارس

یہ امداد لے کر دوبارہ فارس پر حملہ آور ہوا' اس مرتبہ بھی سلطان الدولہ نے شکست دے کر بھگا دیا۔ اس مرتبہ شکست کھا کر ابوالفوارس سلطان محمود غزنوی کے پاس اس لیے نہیں گیا کہ اس نے ابوسعید طائی کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا تھا' چنانچہ بعد شکست وہ مہذب الدولہ حاکم بطیحہ کے پاس گیا' پھر خط و کتابت کر کے سلطان الدولہ سے اپنی خطا معاف کرا کر کرمان کی حکومت پر دوبارہ مامور ہوا۔

ترکوں کا خروج

چین اور علاقہ ماوراء النہر کے درمیان ایک درہ کوہ سے ترکوں کے قبائل نے جو ملک خطا کے رہنے والے تھے خروج کیا اور طغا خان والی ترکستان کے علاقہ میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا' طغا خان نے بلاد اسلامیہ سے فوج جمع کر کے ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکر سے ان کا مقابلہ اور تعاقب شروع کیا' اپنے علاقہ سے نکل کر پہاڑوں کے درے اور تنگ گذرگاہیں عبور کر کے تین مہینے کی مسافت پر پہنچ کر ان کو جا لیا اور دو لاکھ آدمیوں کو قتل کر کے واپس ہوا' اس طرح ان ترکوں کو جنہیں مغل کہنا چاہیئے اچھی طرح نصیحت ہو گئی۔ یہ واقعہ ۴۰۸ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

سلطان الدولہ نے اپنے بھائی مشرف الدولہ کو عراق کا گورنر بنا دیا تھا' مشرف الدولہ نے عراق میں سلطان کو موقوف کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوانا شروع کر دیا اور سلطان الدولہ کو معزول کر دیا' یہ واقعہ ۴۱۱ھ میں واقع ہوا۔

مشرف الدولہ کی حکومت

مشرف الدولہ کی حکومت و امارت کو جب سب دیلمی سرداروں نے جو عراق میں موجود تھے منظور کر لیا تو سلطان الدولہ نے اپنے بیٹے ابو کالیجار کو فوج دے کر روانہ کیا' ابو کالیجار نے اہواز پر قبضہ کر لیا' چند معرکہ آرائیوں کے بعد ۴۱۲ھ میں یہ فیصلہ ہوا کہ عراق پر مشرف الدولہ کی حکومت رہے اور فارس سلطان الدولہ کے قبضے میں رہے' ۴۱۴ھ میں کوفہ کے اندر شیعوں اور سنیوں میں سخت فساد ہوا اور اس فساد کے شعلے بغداد تک بھی پہنچے اور یہاں بھی فساد برپا ہو گیا۔

دیلمی جو قابو یافتہ تھے شیعہ تھے' خلیفہ جو کوئی طاقت نہ رکھتا تھا سنی تھا' ترکوں کی آبادی بغداد و سامرا میں کافی تھی' ترک بھی سب سنی تھے اور اسی بنا پر خلیفہ کے احکام کی تعمیل ضروری سمجھتے تھے' خلیفہ قادر نے ان تمام حالات پر خوب غور کر کے سنیوں کی حمایت اور امداد میں کئی مرتبہ جرأت سے کام لیا اور شیعوں کو ان کی ناشدنی حرکات سے روکا' اس طرح ترکوں اور بغداد کے سنیوں کی ایک معقول تعداد خلیفہ قادر باللہ کی حامی تھی اور یہی وجہ تھی کہ خلیفہ قادر باللہ نے کچھ نہ کچھ رعب و وقار حاصل کیا' ماہ ربیع

الاول ۴۱۶ھ میں مشرف الدولہ نے اپنی حکومت کے پانچویں سال وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بھائی ابوطاہر جلال الدولہ والی بصرہ مسند نشین ہوا۔

جلال الدولہ کی حکومت

مشرف الدولہ کی وفات کے بعد بغداد میں جلال الدولہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا' جلال الدولہ بصرہ سے روانہ ہو کر بجائے بغداد آنے کے واسط چلا گیا' اس پر بغداد والوں نے اس کا نام خطبہ سے خارج کر کے اس کے بھتیجے ابو کالیجار بن سلطان الدولہ کا نام خطبہ میں داخل کر دیا' ابو کالیجار اس زمانہ میں اپنے چچا ابوالفوارس سے کرمان میں جنگ آزما تھا' اہل بغداد نے ابو کالیجار کو بغداد طلب کیا لیکن وہ بغداد نہ آسکا' یہ سن کر جلال الدولہ واسط سے بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ بغداد کی فوجوں نے اس کو بغداد میں داخل نہیں ہونے دیا اور شکست دے کر واپس کر دیا' جلال الدولہ پھر بصرہ چلا گیا۔

جب اہل بغداد کو ابو کالیجار کے آنے سے مایوسی ہوئی تو خراسانیوں ترکوں اور دیلمیوں نے مل کر یہ مشورہ کیا کہ جلال الدولہ کے واپس کر دینے کے بعد اب بہت زیادہ ممکن کہ کوئی کر دیا عرب سردار بغداد پر مستولی ہو جائے' اگر کوئی عرب مستولی ہو گیا تو پھر ترکوں یا دیلمیوں کا بغداد پر قبضہ غیر ممکن ہو جائے گا اور عربوں کی حکومت بصرہ' شام' حجاز' یمامہ' بحرین' موصل وغیرہ صوبوں سے بہت جلد امداد حاصل کر کے مضبوط ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر جلال الدولہ کے پاس خطوط روانہ کیے گئے اور اس کو بلا تامل بغداد کی طرف آنے کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ جلال الدولہ وارد بغداد ہوا اور حکومت کرنے لگا اس کا نام خطبوں میں داخل ہوا۔

۴۱۸ھ میں جلال الدولہ نے حکم دیا کہ نماز پنج وقتہ میں نقارہ بجایا جائے' خلیفہ قادر باللہ نے اس کو بدعت ہونے کی وجہ سے سخت ناپسند کیا اور اس حکم کے واپس لینے کی تاکید جلال الدولہ کو کی۔ جلال الدولہ نے اپنا یہ حکم منسوخ تو کر دیا مگر خلیفہ سے بہت کبیدہ خاطر ہو گیا' چند روز کے بعد پھر خلیفہ نے اجازت دے دی اور جلال الدولہ نے نقارہ بجانے کا حکم جاری کر دیا۔

۴۱۹ھ میں ترکوں میں نے جلال الدولہ کے خلاف بغاوت کی مگر خلیفہ قادر باللہ نے درمیان میں پڑ کر مصالحت کرا دی' اس کے بعد ابو کالیجار نے عراق پر حملہ کیا' جلال الدولہ نے اس کے مقابلہ پر فوجیں روانہ کیں' اس طرح لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا' دونوں ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ ابھی سلسلہ جنگ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ خلیفہ قادر باللہ نے ۴۲۲ھ میں انتقال کیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ابو جعفر عبداللہ قائم بامر اللہ کے لقب سے تخت خلافت پر بیٹھا' شیخ تقی الدین صلاح نے قادر باللہ کو

فقہائے شافعیہ میں شمار کیا ہے۔

قائم بامر اللہ

ابو جعفر عبداللہ قائم بامر اللہ بن قادر باللہ ۱۵ ذیقعدہ ۳۹۱ھ میں ایک ارمنی ام ولد موسومہ بدرالدجیٰ کے بطن سے پیدا ہوا تھا' خوب صورت' عابد' زاہد' ادیب' خوش خط' سخی' صدقہ دینے والا' احسان کرنے والا شخص تھا' جلال الدولہ کے قوائے حکمرانی خود کمزور ہو گئے تھے' اس کی فوج میں آئے دن بغاوت برپا رہتی تھی' ۴۲۵ھ میں جلال الدولہ نے خود بغداد کے محلہ کرخ میں اقامت اختیار کی اور ارسلان ترکی المعروف بہ بساسیری کو بغداد کے حصہ غربی پر مامور کیا' بساسیری نے غلبہ وتسلط حاصل کر کے اہل بغداد کو بہت ستایا اور خلیفہ کو بھی تنگ رکھا اور انواع واقسام کی گستاخیاں کر کے خلیفہ کو بالکل بے دست و پا اور مثل قیدی کے بنا دیا۔

شیعہ سنیوں میں فسادات برپا ہوئے' بساسیری بھی چونکہ شیعوں کا حامی تھا اس لیے سنیوں کو بڑے بڑے نقصانات برداشت کرنے پڑے ۴۲۷ھ میں فوج نے بغاوت کی اور جلال الدولہ کے مکان کا محاصرہ کر کے لوٹ لیا' جلال الدولہ تکریت چلا گیا' خلیفہ قائم بامر اللہ نے بیچ میں پڑ کر فوج کے ترکوں اور جلال الدولہ میں مصالحت کرا دی' ۴۲۸ھ میں جلال الدولہ اور اس کے بھتیجے ابو کالیجار میں مصالحت ہو گئی اور ایک دوسرے نے اتحاد واتفاق کے قائم رکھنے کی قسمیں کھائیں۔

۴۲۶ھ میں جلال الدولہ نے خلیفہ قائم بامر اللہ سے درخواست کی کہ مجھ کو ''ملک الملوک'' کا خطاب دیا جائے' خلیفہ نے علماء وفقہاء سے اس خطاب کے جواز کی نسبت استفتاء کیا' بعض نے جواز کا فتویٰ دیا' بعض نے اس کو ناجائز بتایا' آخر خلیفہ نے جلال الدولہ سے مجبور ہو کر مجوزین کی رائے پر عمل کیا اور جلال الدولہ کو ''ملک الملوک'' کا خطاب دے دیا۔

۴۳۱ھ میں ابو کالیجار نے بصرہ پر فوج کشی کر کے وہاں کے عامل کو بے دخل کر کے قبضہ کر لیا اور اپنے بیٹے عز الملوک کو بصرہ کی حکومت سپرد کر کے خود اہواز کی جانب چلا گیا' اسی سال طغرل بیگ سلجوقی نے خراسان میں سلطان مسعود بن محمود بن سبکتگین کے سپہ سالار کو شکست دی اور نیشاپور پر قابض ہو گیا' اور خراسان پر مستولی ہو کر سلطان اعظم کے لقب سے مشہور ہوا۔

اسی سال طغرل بیگ اور جلال الدولہ کے درمیان صلح نامہ لکھا گیا اور خلیفہ نے اپنے خاص ایلچی قاضی ابوالحسن کو طغرل بیگ کے پاس روانہ کیا' ماہ شعبان ۴۳۵ھ میں جلال الدولہ نے وفات پائی اور لوگوں نے اس کے بیٹے ابو منصور ملک العزیز کو جلال الدولہ کا قائم مقام بنایا' مگر ملک العزیز

لشکریوں کو ان کے حسب منشا انعام و وظائف نہ دے سکا' لشکر میں بددلی پیدا ہوگئی' اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ابو کالیجار نے بہت سا مال سرداران فوج کے پاس بغداد میں بھیج دیا اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا' ماہ صفر ۴۳۶ھ میں وہ بغداد میں داخل ہوا اور خلیفہ نے اس کو ''محی الدین'' کا خطاب عطا کیا۔

۴۳۹ھ میں ابو کالیجار المخاطب بہ محی الدین بن سلطان الدولہ بن بہاء الدولہ بن عضد الدولہ بن رکن الدولہ بن بویہ دیلمی نے سلطان طغرل بیگ سے اپنی بیٹی کا عقد کر کے مصالحت کی۔

ابو کالیجار کی حکومت

ابو کالیجار نے نائب السلطنت بن کر اصفہان و کرمان کے علاقوں پر اپنی تدبیر ورائے اور چالاکی وفوج کشی وغیرہ کے ذریعہ قبضہ کیا اور سوا چار برس حکومت کر کے ۴۴۰ھ میں فوت ہوا' اس کی جگہ بغداد میں اس کا بیٹا ابو نصر فیروز مسند نشین ہوا اور ''ملک الرحیم'' اپنا لقب رکھا۔

ملک الرحیم کی حکومت

''ملک الرحیم'' نے بغداد و عراق میں حکومت شروع کی اور اس کے دوسرے بھائی نے شیراز پر قبضہ کیا' اسی سال اہل بغداد میں سخت فساد برپا ہوا' بنائے فساد وہی شیعہ سنی کا جھگڑا تھا' اس کے بعد ملک الرحیم نے اپنے بھائی ابو منصور خسرو پر جس نے شیراز پر قبضہ کر لیا تھا چڑھائی کی' لڑائیاں ہوئیں' اس کے بعد ملک الرحیم کے دوسرے بھائیوں اور رشتہ داروں نے عراق میں علم بغاوت بلند کیے' ۴۴۲ھ میں شیعوں سنیوں کے درمیان بغداد میں فساد ہوا اور سینکڑوں آدمی طرفین سے مارے گئے۔

اسی سال سلطان طغرل بیگ نے اصفہان پر قبضہ کر لیا اور اپنے بھائی ارسلان بن داؤد کو بلاد فارس کی جانب روانہ کیا۔ ارسلان بن داؤد نے ۴۴۲ھ میں صوبہ فارس پر قبضہ کر لیا' خلیفہ قائم بامر اللہ نے سلطان طغرل بیگ کے پاس ان تمام صوبوں کی سند حکومت بھیج دی جو اس نے فتح کر لیے تھے' ۴۴۳ھ میں عید کے موقعہ پر سلطان طغرل بیگ بغداد میں آیا اور خلیفہ کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا اور خلعت و اعزاز سے مشرف ہو کر واپس چلا گیا۔

۴۴۵ھ میں بغداد کے اندر شیعہ سنیوں میں ایک بڑا فساد برپا ہوا' بغداد کے کئی محلے اس فساد میں جل کر خاک سیاہ ہو گئے' خلیفہ قائم بامر اللہ نے اس فساد کو بہ مشکل فرو کیا' ملک الرحیم شیراز اور بصرہ وغیرہ میں اپنے بھائی بھتیجوں سے مصروف جنگ رہا یہاں تک کہ ۴۴۷ھ کا زمانہ آ گیا۔

اس عرصہ میں سلطان طغرل بیگ نے آذربائیجان و جزیرہ پر قبضہ کیا' رومیوں پر جہاد کیا' وہاں سے بے قیاس مال و دولت حاصل کرنے کے بعد خراسان و فارس کے قبضے کو مکمل کر کے موصل و شام پر

قبضہ کیا' حج ادا کرنے کے لیے بیت اللہ شریف گیا' وہاں سے واپس ہو کر رے وخراسان کے انتظام و اہتمام کی طرف متوجہ ہوا' بغداد اور اس کے نواح میں اوباشوں اور بدمعاشوں نے بڑی بدامنی برپا رکھی تھی' ۴۴۷ھ میں طغرل بیگ نے خلیفہ قائم بامر اللہ کی خدمت میں اطاعت وعقیدت کا ایک خط بھیجا' اسی زمانہ میں ملک عبدالرحیم بصرہ سے بغداد آیا اور خلیفہ کو مشورہ دیا کہ طغرل بیگ سے مراسم اتحاد کا قائم رکھنا ضروری ہے' خلیفہ نے ماہ رمضان المبارک ۴۴۷ھ میں حکم دیا کہ سلطان طغرل بیگ کا نام خطبوں میں لیا جائے۔ سلطان طغرل بیگ یہ سن کر خوش ہوا اور خلیفہ سے حاضری کی اجازت طلب کی' خلیفہ نے اجازت دی اور سرداران لشکر بغداد نے سلطان طغرل بیگ کے پاس اپنی اطاعت وفرماں برداری کے اظہار میں عریضے روانہ کیے' ۲۵ رمضان ۴۴۷ھ کو بغداد میں سلطان طغرل بیگ کے استقبال کا اہتمام کیا گیا۔

بساسیری چونکہ شیعہ تھا اور حاکم مصر عبیدی سے سازش رکھتا تھا' اس نے بغداد میں فساد برپا کرا دیا' طغرل بیگ نے وارد بغداد ہو کر ہر طرح کا انتظام کیا' دیلمیوں کے زور قوت کو توڑا' ۴۴۸ھ کے شروع ہونے پر سلطان طغرل بیگ نے اپنی بھتیجی خدیجہ المخاطب بہ ارسلان خاتون بنت داؤد کا نکاح خلیفہ قائم بامر اللہ سے کر کے خاندان خلافت سے رشتہ داری قائم کی' آخر شوال ۴۴۸ھ کو سلطان طغرل بیگ کے چچا زاد بھائی قطلمش نے بساسیری سے مقام سنجار کے قریب لڑائی کی' قطلمش کو ہزیمت ہوئی۔

بساسیری نے صوبہ موصل پر قبضہ کر کے مستنصر عبیدی حاکم مصر کے نام کا خطبہ جاری کیا اور صوبہ جزیرہ کا والی بھی باغی ہو گیا' سلطان طغرل بیگ نے موصل پر چڑھائی کی اور اس کو فتح کر کے باغیوں کو قرار واقعی سزا دے کر ۴۴۹ھ کے شروع ہونے پر بغداد کی جانب لوٹا' خلیفہ نے بڑی عزت و تکریم کی' ایک دربار منعقد کیا گیا' خلیفہ نے طغرل بیگ کو ''ملک المشرق والمغرب'' کا خطاب دے کر تمام ملکوں کی حکومت وانتظام کی سند عطا کی۔

اس عرصہ میں بساسیری اور والی مصر عبیدی نے سلطان طغرل بیگ کے بھائی ابراہیم کو بہکا کر ہمدان میں بغاوت کرا دی' سلطان طغرل بیگ ہمدان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بغداد سے روانہ ہوا' بساسیری نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر بغداد پر قبضہ کر لیا اور جامع بغداد میں مستنصر عبیدی کے نام کا خطبہ پڑھوایا' یہ واقعہ ذیقعدہ ۴۵۰ھ کا ہے' بغداد کے شیعوں نے بساسیری کی ہر طرح مدد کی' بساسیری نے بغداد کے اندر اذانوں میں ''حی علی خیر العمل ''[1] کا اضافہ کرایا' بساسیری کے مظالم سے تنگ آ کر

[1] اہل سنت کے مطابق قرآن وحدیث سے اذان میں اس جملہ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

بغداد کے سنیوں نے بغاوت کی‘ مگر بساسیری کی فوج سے شکست کھا کر مقتول ہوئے‘ بساسیری نے خلیفہ کے وزیراعظم معروف بہ رئیس الرؤساء کو پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا‘ یہ واقعہ آخر ذی الحجہ ۴۵۰ھ کو وقوع پذیر ہوا۔

بساسیری نے مستنصر عبیدی کے پاس مصر میں بشارت نامہ روانہ کیا اور امداد طلب کی‘ مگر مصر سے کوئی امداد اس کو نہ پہنچی۔

ادھر بساسیری کے پاس خبر پہنچی کہ سلطان طغرل بیگ کو اپنے بھائی ابراہیم کے مقابلے میں فتح حاصل ہو چکی ہے‘ خلیفہ قائم بامر اللہ اور اس کی بیوی ارسلان خاتون کو گرفتار کر کے بغداد سے باہر کسی مقام پر نظر بند کر دیا اور قصر خلافت کو لٹوا دیا گیا‘ طغرل بیگ یہ تمام خبریں سن کر بغداد کی طرف متوجہ ہوا۔

بساسیری یہ خبر سن کر ۶ ذیقعدہ ۴۵۱ھ کو پورے ایک سال کے بعد بغداد سے چل دیا‘ طغرل بیگ بغداد میں داخل ہوا‘ خلیفہ کو بغداد میں بلوایا اور تخت خلافت پر بٹھا کر معذرت کی کہ میری غیر حاضری کی وجہ سے آپ کو اس قدر اذیت پہنچی‘ اس عرصہ میں داؤد برادر طغرل بیگ کا خراسان میں انتقال ہو گیا تھا‘ ۲۵ ذیقعدہ ۴۵۱ھ کو خلیفہ قائم بامر اللہ بغداد میں داخل ہوا۔

دولت سلجوقیہ کی ابتدا

دولت سلجوقیہ کا حال خلفاء عباسیہ کے سلسلہ میں اس طرح بیان نہ ہوگا جیسا کہ دولت بنو بویہ کا حال اوپر ہو چکا۔ دولت سلجوقیہ کی تاریخ علیحدہ کسی باب میں لکھی جائے گی۔ اس وقت یہ بتا دینا ضروری ہے کہ دولت سلجوقیہ کی ابتدا کس طرح ہوئی۔ اس کے بعد خلفاء بنو عباس میں کسی اور خاندان کی حکومت کی تاریخ بیان کرنے کی بھی ضرورت غالباً پیش نہ آئے گی۔ خاندان سامان اور خاندان سبکتگین غزنوی کو بھی ابھی نہیں چھیڑا گیا۔

ترکوں کی قوم سرحد چین سے خوارزم‘ شاش‘ فرغانہ‘ بخارا‘ سمرقند‘ ترمذ تک آباد تھی۔ مسلمانوں نے ان لوگوں کو شکستیں دے کر ان کے سرداروں کو اپنا باج گزار بنا لیا تھا لیکن انہیں کی قوم کے بعض قبائل سرحد چین کے قریب پہاڑوں کے دشوار گزار دروں میں ایسے بھی باقی تھے‘ جو ابھی تک مسلمانوں کی فرماں برداری سے آزاد اور چین و ترکستان وغیرہ سے بالکل بے تعلق زندگی بسر کرتے تھے۔ ان لوگوں نے سنہ ۴۰۰ھ کے قریب اپنے دروں سے نکل نکل کر ماوراء النہر کے ان علاقوں پر چھاپے مارنے شروع کیے جو سامانی خاندان کی بربادی کے بعد وہاں کے ترک سرداروں کے قبضے میں تھے۔

ان علاقوں میں اسلام پھیل چکا تھا۔ سب سے بڑا سردار ایلک خان اس طرف حکمران تھا' لوٹ مار کی چاٹ نے بار باران ترکوں کو جو ابھی تک اسلام سے ناآشنا زندگی بسر کر رہے تھے' ترکستان و ماوراء النہر پر حملہ آور کیا۔ سنہ ۴۱۸ھ تک یہ ترک اپنے پہاڑی دروں سے نکل نکل کر آذربائیجان تک پہنچ گئے تھے اور ملک کی عام بدنظمی اور خلافت اسلامیہ کی کمزوری نے ان کو دور دور تک پہنچنے اور آباد علاقوں کو لوٹنے کا موقع دیا۔

سنہ ۴۱۸ھ میں ان لٹیرے ترکوں کا ایک شریف و معزز قبیلہ جو ابھی تک اپنی جگہ سے نہ ہلا تھا' ترکستان کی طرف متوجہ ہوا اور بخارا سے بیس فرسنگ کے فاصلہ پر ایک سبزہ زار میں سررہ گزر مقیم ہوا۔ اس قبیلے کے سردار کا نام سلجوق تھا۔ یہ لوگ اپنے پیش رو ترکوں کی نسبت مہذب اور شریف الطبع تھے۔ ان کے مویشی ان کے ہمراہ تھے۔ ان کی جمعیت کثیر تھی۔ ان کے جسم زیادہ مضبوط اور یہ لوگ شریف و معزز ہونے کی وجہ سے زیادہ بہادر بھی تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے عامل نے طوس سے محمود غزنوی کو اس نئے قبیلے کے آنے کی اطلاع دی اور لکھا کہ ان لوگوں کا بخارا کے متصل خیمہ زن ہونا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے اس طرف خود توجہ کی اور وہاں پہنچ کر ان ترکوں کے پاس پیام بھیجا کہ اپنا ایک نمائندہ ہمارے دربار میں بھیجو۔ وہاں سے ارسلان بن سلجوق یا اسرائیل بن سلجوق دربار محمودی میں حاضر ہوا۔

محمود غزنوی نے اس کو بطور یرغمال اور بطور ضمانت امن و امان گرفتار کر کے ہندوستان کے قلعہ میں بھیج دیا۔ دو تین سال کے بعد محمود غزنوی فوت ہو گیا اور ترکوں کا یہ قبیلہ اپنے سامنے خراسان کے میدانوں کو سہل الحصول دیکھ کر خراسان میں پھیل گیا۔ جو قبائل ان سے پہلے آ آ کر خراسان میں مصروف و غارت گری تھے' وہ بھی سب آ آ کر ان میں شامل ہونے شروع ہو گئے۔ محمود غزنوی کے بیٹے مسعود غزنوی نے ان کو روکا ٹوکا اور متعدد لڑائیاں ہوئیں مگر بالآخر انہوں نے غزنویوں کو خراسان سے بے دخل کر کے خراسان پر قبضہ کر لیا۔ محمود غزنوی کی اولاد دم بہ دم کمزور ہوتی گئی اور انہوں نے اس قبیلے یعنی سلجوقی سے صلح کر کے خراسان سے دست بردار ہو جانے کو غنیمت سمجھا۔ بویہ کی اولاد آپس کی خانہ جنگی میں مبتلا تھی۔ نیز اس میں سلجوقیوں کے مقابلہ کی قابلیت و ہمت بھی نہ تھی۔ لہٰذا سلجوقیوں نے حیرت انگیز طور پر ترقی کے مدارج طے کیے۔ بغداد میں چونکہ عباسی خلیفہ موجود تھا' اس لیے سلجوقیوں کے دلوں میں اس کا ادب بہت زیادہ تھا۔

سلجوقی قبیلہ اپنی ملک گیری کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے ہی نواح بخارا کے میدانوں میں اسلام کو قبول کر چکا تھا اور شیعوں کے عاشر سے متاثر نہ ہوا تھا کیونکہ ماوراء النہر اور بخارا وغیرہ میں تمام

مسلمان سنی مذہب رکھتے تھے اور یہی سلجوقیوں کا مذہب تھا۔ جو لوگ بنو بویہ کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے انہوں نے بھی سلجوقیوں کو اپنے لیے فرشتہ رحمت سمجھا۔ سلجوقیوں کے سردار طغرل بیگ نے خراسان آذربائیجان جزیرہ وغیرہ کو اول فتح کر کے اپنی طاقت کو بڑھایا۔ اس کے بعد جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بغداد کی طرف متوجہ ہوا۔ اس طرح دیلمیوں کو بے دخل کر کے بغداد میں خود نائب السلطنت کا مرتبہ پایا اور ایک عرصہ دراز تک اس کے خاندان میں حکومت رہی اور اس کے جانشین الپ ارسلان سلجوقی نے دریائے ڈینیوب سے دریائے سندھ تک ایک عظیم الشان سلطنت جو ہر طرح نہایت مضبوط و باہیبت تھی قائم کی۔ بہر حال اب ہم کو خلیفہ قائم بامر اللہ کے بقیہ حالات کی طرف ملتفت ہونا چاہیے۔

سنہ ۴۵۱ھ میں سلطان طغرل کے بھائی چغری بیگ داؤد والی خراسان سے غزنوی سلطان سے صلح کی اور اسی سال ابوالفضل بیہقی نے جو سلطان مسعود غزنوی کا میر منشی تھا' بہ عہد سلطان ابراہیم غزنوی تاریخ بیہقی تصنیف کی۔ چغری بیگ داؤد کے انتقال پر سلطان طغرل بیگ نے اپنی بھاوج' والدہ سلیمان سے نکاح کر لیا۔ اسی سال یعنی ذوالحجہ سنہ ۴۵۱ھ میں سلطان طغرل بیگ نے بساسیری کو جبکہ وہ کوفہ میں پہنچ کر قتل و غارت میں مصروف تھا' حملہ کر کے گرفتار و قتل کیا اور اس کا سر کاٹ کر بغداد بھیج دیا۔ جہاں وہ قصر خلافت کے دروازے پر لٹکایا گیا۔

محرم سنہ ۴۵۲ھ میں سلطان طغرل بیگ نے بغداد کے انتظام سے فارغ ہو کر واسط کی طرف کوچ کیا۔ وہاں کے انتظام سے فارغ ہو کر ربیع الاول سنہ ۴۵۲ھ میں بلاد جبل و آذربائیجان کی طرف روانہ ہوا۔ ۱۵ ربیع الثانی ۴۵۳ھ کو ابوالفتح بن احمد اہواز سے بغداد میں آیا اور خلیفہ نے اس کو قلمدان وزارت عطا کیا۔ چند ہی روز بعد ابو نصر بن جہیر بن مروان کو فخر الدولہ کا خطاب دے کر عہدہ وزارت دیا گیا اور ابوالفتح معزول ہو کر اہواز چلا گیا۔

سنہ ۴۵۳ھ میں سلطان طغرل بیگ نے اپنی بیوی یعنی والدہ سلیمان کے فوت ہونے پر ابوسعد قاضی رے کی معرفت خلیفہ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اپنی بیٹی سیدہ کا نکاح مجھ سے کر دیجیے۔ خلیفہ نے انکار کیا' اس کے بعد طغرل بیگ نے اپنے وزیر عمید الملک کندری کو بھیجا۔ عمید الملک نے جمادی الآخر سنہ ۴۵۴ھ تک بغداد میں مقیم رہ کر خلیفہ کو آمادہ کرنے کی ہر طرح کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور طغرل بیگ کی خدمت میں واپس گیا۔ طغرل بیگ نے بغداد کے قاضی القضاۃ اور شیخ ابو منصور بن یوسف کے نام عتاب آمیز خطوط روانہ کیے۔ ان لوگوں نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر خلیفہ کو لڑکی کا نکاح کر دینے کی ترغیب دی۔ خلیفہ نے دیکھ کر کہ اب یہ معاملہ طول کھینچے گا' اسی کو مناسب سمجھا کہ طغرل

بیگ کے ساتھ لڑکی کی شادی کر دی جائے۔ علاوہ ازیں خلیفہ کی بیوی ارسلان خاتون بھی جو طغرل بیگ کی بھتیجی تھی' خلیفہ کو آمادہ کر رہی تھی۔ بہر حال خلیفہ قائم بامر اللہ نے طغرل بیگ کی درخواست کو منظور کر لیا اور طغرل بیگ کے وزیر عمید الملک کو شہزادی سیدہ کے نکاح کا وکیل مقرر کیا اور اس کے پاس اطلاع بھیج دی۔ چنانچہ ماہ شعبان سنہ ۴۵۴ھ میں تبریز کے کیمپ میں خلیفہ کی بیٹی اور طغرل بیگ کا نکاح ہو گیا۔

اس نکاح کے بعد طغرل بیگ نے خلیفہ اور خلیفہ کی بیٹی کے لیے مال و اسباب اور زر و جواہر ہدیۃً بھیجے اور اپنی فوت شدہ بیوی کی تمام جاگیریں سیدہ بنت خلیفہ قائم بامر اللہ کے نام منتقل کر دیں۔ اس کے بعد محرم سنہ ۴۵۵ھ میں سلطان طغرل بیگ آرمینیا سے بغداد کی جانب روانہ ہوا اور شہزادی کی رخصتی عمل میں آئی۔ طغرل بیگ ماہ ربیع الاول تک بغداد میں رہا۔ اس کے بعد بلاد جبل کی طرف مع اپنی بیوی سیدہ خاتون کے روانہ ہوا۔ جس وقت رے میں پہنچا' بیمار ہو گیا اور ۸ رمضان سنہ ۴۵۵ھ کو فوت ہو گیا۔

طغرل بیگ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ سلیمان بن داؤد چغری بیگ طغرل کا بھتیجا تھا اور ربیب بھی تھا۔ اسی کو عمید الملک نے تخت نشین کیا مگر لوگوں نے اس کی مخالفت کی اور خطبہ میں سلیمان کے بھائی الپ ارسلان بن داؤد چغری بیگ کا نام پڑھا' جو خراسان کا والی اور مرو میں مقیم تھا۔ الپ ارسلان نے یہ سن کر مرو سے رے پر چڑھائی کی۔ عمید الملک نے حاضر ہو کر اظہار اطاعت کے بعد بیعت کی مگر الپ ارسلان' عمید الملک کی طرف سے اندیشہ مند ہی رہا۔ آخر اس نے سنہ ۴۵۶ھ میں عمید الملک کو قید کر دیا اور اپنے وزیر نظام الملک طوسی کو وزیر اعظم بنایا۔ رے میں داخل ہو کر الپ ارسلان نے سیدہ بنت خلیفہ کو بڑی احتیاط اور تکریم کے ساتھ بغداد کی جانب روانہ کیا۔ بغداد میں سلاطین الپ ارسلان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

نظام الملک طوسی' سلطان الپ ارسلان کی طرف سے ۷ جمادی الاول سنہ ۴۵۶ھ کو بغداد میں خلیفہ کی بیعت کے لیے حاضر ہوا۔ خلیفہ نے دربار عام منعقد کیا۔ نظام الملک کو کرسی پر بٹھایا اور ضیاء الدولہ کا خطاب دیا اور سلطان الپ ارسلان کو ''الوالد المؤید'' کا خطاب عطا ہوا۔ سنہ ۴۶۰ھ میں خلیفہ نے فخر الدولہ بن جہیر کو وزارت سے معزول کیا مگر ماہ صفر سنہ ۴۶۱ھ میں دوبارہ قلمدان وزارت عطا ہوا۔ سنہ ۴۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم والی مکہ نے عبیدی مصری کا نام خطبہ سے نکال کر خلیفہ قائم بامر اللہ اور سلطان الپ ارسلان کا نام خطبہ میں داخل کیا اور اذان سے ''حی علیٰ خیر العمل'' کو خارج کیا اور اپنے بیٹے کو بہ طور وفد سلطان الپ ارسلان کی خدمت میں روانہ کیا۔ سلطان نے خوش ہو کر خلعت عطا

کیا۔ تیس ہزار دینار بطور انعام دیے اور دس ہزار سالانہ تنخواہ مقرر کی۔

سنہ ۴۶۳ھ میں حلب کے اندر بھی خلیفہ قائم بامر اللہ اور سلطان الپ ارسلان کا خطبہ پڑھا گیا۔ سنہ ۴۶۲ھ میں قیصر روم ارمانوس نے دو لاکھ فوج سے صوبہ خلاط پر حملہ کیا۔ قیصر ارمانوس کے ہمراہ فرانس اور روس کے بادشاہ بھی تھے۔ سلطان الپ ارسلان نے صرف پندرہ ہزار فوج سے اس دو لاکھ کے لشکر عظیم کو شکست دی۔ روس کے بادشاہ کو گرفتار کر کے اس کے کان اور ناک کاٹ لیے۔ ارمانوس کو گرفتار کر کے اور اطاعت و فرماں برداری کا اقرار لے کر چھوڑ دیا۔ رومیوں کو ایسی عظیم الشان شکست دینے کے بعد سلطان الپ ارسلان نے سنہ ۴۶۵ھ میں ماوراء النہر کا قصد کیا۔ دریائے جیحون کا پل باندھا گیا۔ بیس دن میں سلطانی لشکر نے اس پل کے ذریعہ سے دریا کو عبور کیا۔ ایک قلعہ دار یوسف خوارزمی مجرمانہ حیثیت سے سلطان کے دربار میں پیش کیا گیا۔ سلطان نے کہا کہ اسے چھوڑ دو' میں اس کو تیر کا نشانہ بناؤں گا۔ اتفاقاً تیر خطا ہو گیا۔ یوسف نے دوڑ کر سلطان کو خنجر مارا۔ سلطان زخمی ہوا' حاضرین دربار نے یوسف کو مار ڈالا مگر سلطان اس زخم کے صدمہ سے ۱۰ ربیع الاول سنہ ۴۶۵ھ کو فوت ہو گیا۔ اس کی لاش مرو میں لا کر دفن کی گئی۔ اس کا بیٹا ملک شاہ باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ نے ملک شاہ کے پاس عہد نامہ اور لوائے سلطنت بھیج دیا۔ ۱۵ شعبان سنہ ۴۶۷ھ کو خلیفہ قائم بامر اللہ نے فصد کھلوائی' اس کے بعد سو گیا۔ اتفاقاً رگ نشتر زدہ سے پھر خون جاری ہو گیا اور اس قدر خون جسم سے خارج ہو گیا کہ امید زیست منقطع ہو گئی۔ اسی وقت ارا کین سلطنت بلوائے گئے اور خلیفہ قائم بامر اللہ کے پوتے ابوالقاسم عبداللہ بن ذخیرۃ الدین محمد بن قائم بامر اللہ کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی۔ دوسرے دن خلیفہ کا انتقال ہوا۔ قائم بامر اللہ کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام ذخیرۃ الدین محمد تھا۔ وہ باپ کے سامنے ہی فوت ہو گیا تھا۔ اس کی وفات کے چھ ماہ بعد اس کا بیٹا ابوالقاسم عبداللہ پیدا ہوا تھا۔ ابوالقاسم نے تخت خلافت پر جلوس کیا اور ''مقتدی بامر اللہ'' کا لقب اختیار کیا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ نے ۴۵ سال خلافت کی۔

مقتدی بامر اللہ

ابوالقاسم عبداللہ مقتدی بامر اللہ بن محمد بن قائم بامر اللہ ایک ام ولد ارغوان نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا' انیس سال تین ماہ کی عمر میں تخت خلافت پر بیٹھا' تخت خلافت پر بیٹھتے ہی لہو و لعب اور گانے بجانے کی ممانعت کے احکام جاری کیے' اس کے زمانے میں خلافت کے رعب و اقتدار نے ترقی کی' یہ خلیفہ نہایت متقی' دین دار اور عالی ہمت تھا' شعبان ۴۶۷ھ میں تخت نشین ہوا۔

سلطان ملک شاہ کے ایک سردار اتسز بن آبق خوارزمی نے ذی قعدہ ۴۶۸ھ میں دمشق کو فتح کر کے خلیفہ مقتدی اور سلطان ملک شاہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا' اذانوں سے ''حی علیٰ خیر العمل'' کو خارج کیا اور رفتہ رفتہ تمام ملک شام پر قبضہ کر لیا۔

۴۶۹ھ میں بغداد کے اندر اشاعرہ اور حنابلہ کے درمیان سخت فساد برپا ہوا' بہت سے آدمی طرفین سے مجروح و مقتول ہوئے' پھر یہ فساد فرو ہو گیا۔

۴۷۰ھ میں ملک شاہ نے اپنے بھائی تاج الدولہ تتش کو شام کا ملک جاگیر میں دیا اور یہ بھی اجازت دی کہ جس قدر ملک حاکم مصر کے قبضے سے نکال کر اپنے قبضہ میں لاؤ' وہ بھی اپنی جاگیر میں شامل سمجھو۔

۴۷۰ھ میں تاج الدولہ نے حلب کا محاصرہ کیا' مصری فوج نے آ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا' اتسز نے محصور ہو کر تتش سے امداد طلب کی' وہ حلب سے محاصرہ اٹھا کر دمشق آیا' مصری یہ خبر سن کر بھاگ گئے' تاج الدولہ تتش نے اتسز کو اس کی غفلت کے الزام میں قتل کرا دیا۔

۴۷۶ھ میں خلیفہ مقتدی نے عمید الدولہ بن فخر الدولہ بن جہیر کو وزارت سے معزول کر کے ابو شجاع محمد بن حسن کو وزیر بنایا' ملک شاہ نے عمید الدولہ کو طلب کر کے دیار بکر کی حکومت پر مامور کیا۔

شعبان ۴۷۷ھ میں سلیمان بن قتلمش سلجوقی والی قونیہ نے انطاکیہ کو رومیوں کے قبضہ سے چھین لیا' انطاکیہ ۳۵۸ھ سے رومیوں کے قبضے میں چلا آتا تھا۔

۴۷۹ھ میں یوسف بن تاشفین والی مراکش نے خلیفہ مقتدی کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ جس قدر ملک میرے قبضہ میں ہے اس کی سند مجھ کو دے کر سلطان کا لقب عطا کیا جائے' خلیفہ مقتدی نے اس درخواست کو منظور کر کے اس پاس خلعت و علم روانہ کیا اور ''امیر المسلمین'' کا خطاب عطا فرمایا' اسی یوسف بن تاشفین نے شہر مراقش کی بنیاد رکھی تھی۔

ماہ ذی الحجہ ۴۷۹ھ میں سلطان ملک شاہ پہلی مرتبہ داخل بغداد ہوا' خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خلعت حاصل کیا' اگلے روز خلیفہ کے ساتھ چوگان کھیلا۔ وزیر نظام الملک نے اپنے مدرسہ نظامیہ کا معائنہ کیا' سلطان ملک شاہ ایک مہینہ بغداد میں رہ کر اصفہان کی طرف روانہ ہوا۔

۴۸۱ھ میں ابراہیم بن مسعود بن محمود بن سبکتگین غزنوی فوت ہوا' اس کی جگہ جلال الدین مسعود تخت نشین ہوا۔

۴۸۴ھ میں فرنگیوں نے تمام جزیرہ صقلیہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ جزیرہ سب سے پہلے مسلمانوں نے ۲۰۰ھ میں فتح کیا تھا اس جزیرہ پر اول بنو اغلب حکمراں رہے' پھر عبیدیوں کا قبضہ ہوا' عبیدیوں سے

فرنگیوں نے چھین لیا۔

اسی سال یعنی ۴۸۴ھ کے ماہ رمضان میں سلطان ملک شاہ دوبارہ وارد بغداد ہوا۔

مجلس مولود

۴۸۵ھ میں ملک شاہ سلجوقی نے بغداد میں مجلس مولود بڑی دھوم دھام سے منعقد کی' اسی سال مقام نہاوند میں بماہ رمضان ۴۸۵ھ وزیر نظام الملک طوسی ایک قرمطی کے ہاتھ ۷۷ برس کی عمر مقتول ہوا۔

اسی سال یعنی ۱۵ھ شوال ۴۸۵ھ کو ملک شاہ سلجوقی نے وفات پائی اور اس کے بعد سلطان ملک شاہ کی بیوی ''ترکان خاتون'' اور اس کے بیٹے برکیارق میں لڑائیاں شروع ہو گئیں' ۴۹۶ھ میں برکیارق لڑائیوں سے فارغ ہو کر بغداد آیا' خلیفہ مقتدی نے رکن الدولہ کا خطاب دے کر خلعت نیابت وسلطانی عطا فرمایا۔

کہتے ہیں کہ ملک شاہ کی موت خلیفہ مقتدی کی بددعا کا نتیجہ تھا یعنی ملک شاہ نے خلیفہ سے یہ کہا تھا کہ آپ بغداد چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں تاکہ بغداد کو میں بلاشرکت غیرے اپنا دارالسلطنت بناؤں' خلیفہ نے بمشکل آٹھ روز کی مہلت حاصل کی اور رات دن ملک شاہ کے لیے بددعا میں مصروف رہا' آٹھ دن پورے نہیں ہونے پائے تھے کہ ملک شاہ فوت ہوا اور خلیفہ اس مصیبت سے بچ گیا۔

۵ محرم ۴۸۷ھ کو خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے یکایک وفات پائی' کہتے ہیں کہ ایک پرستار شمس النہار نامی نے اس کو زہر دیا تھا' خلیفہ مقتدی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوالعباس احمد تخت نشین ہوا اور مستظہر باللہ کا لقب اختیار کیا۔

مستظہر باللہ!

ابوالعباس احمد مستظہر باللہ بن مقتدی باللہ ماہ شوال ۴۷۰ھ میں پیدا ہوا اور اپنے باپ کے بعد بعمر سولہ سال تخت نشین ہوا' مقتدی کی وفات کے وقت برکیارق بغداد میں موجود تھا' اس نے بطیب خاطر مستظہر باللہ کی بیعت کی۔

اسی سال تتش اور برکیارق میں رے کے قریب جنگ ہوئی' اس لڑائی میں برکیارق کے ہاتھ سے تتش مارا گیا اور برکیارق کی حکومت کو خوب استحکام حاصل ہو گیا' برکیارق کے بھائی محمد نے قوت حاصل کر کے خراسان پر قبضہ کر لیا' برکیارق اس کے مقابلے کو گیا' ۴۹۲ھ کو بمقام رے جنگ ہوئی'

برکیارق شکست کھا کر خوزستان چلا گیا۔

محمد بن ملک شاہ نے بغداد میں داخل ہو کر ۱۵ ذی الحجہ ۴۹۲ھ کو خلیفہ مستظہر باللہ سے ''غیاث الدنیا والدین'' کا خطاب حاصل کیا' پھر خراسان کی طرف چلا گیا۔

برکیارق نے خوزستان سے واسط پہنچ کر لشکر جمع کیا اور ۱۵ صفر ۴۹۳ھ کو بغداد وارد ہوا' خلیفہ نے مبارک بادد ی' خلعت عطا کیا اور پھر برکیارق کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا' اس کے بعد برکیارق نے محمد بن ملک شاہ پر حملہ کیا' اور ہمدان کے قریب نہر ابیض کے کنارے لڑائی ہوئی اور برکیاق کو شکست ہوئی' اس کے بعد ۱۵ رجب ۴۹۳ھ کو پھر بغداد میں سلطان محمد کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

برکیارق نے شکست پا کر رے میں قیام کیا' یہاں سے اصفہان' پھر وہاں سے خوزستان گیا' وہاں سے فوج فراہم کر کے یکم جمادی الثانی ۴۹۴ھ کو محمد سے پھر جنگ آزمائی کی' اس کو شکست دے کر رے میں آیا' محمد اپنے حقیقی بھائی سنجر کے پاس جرجان چلا گیا' آخر ۱۵ ذیقعدہ کو ۴۹۴ھ کو برکیارق بغداد میں پہنچا اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

غرض سلطان برکیارق اور اس کے بھائی سلطان محمد کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا' کبھی بغداد میں ایک کی حکومت ہوتی کبھی دوسرے کی' کبھی صلح ہو جاتی اور پھر فوراً ہی لڑائی ہونے لگتی' اس مسلسل و پیہم لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عراق و فارس و جزیرہ وغیرہ ممالک کا امن وامان جاتا رہا اور لوگوں کو اپنی عزتوں اور جانوں کا بچانا دشوار ہو گیا' جمادی الاول ۴۹۷ھ میں دونوں بھائیوں کے درمیان ایک صلح نامہ امراء لشکر کی کوششوں سے مرتب ہوا اور دونوں کے درمیان ملک تقسیم ہو گئے' ساتھ ہی یہ شرط بھی دونوں نے منظور کر لی کہ دونوں کے مقبوضہ ممالک میں دونوں کے نام کا خطبہ پڑھا جائے' اس صلح نامہ کی رو سے بغداد کی حکومت سلطان برکیارق کے پاس رہی' صلح نامہ کے چند روز برکیارق اصفہان میں مقیم رہا' وہاں سے بغداد کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں بمقام یزدجرد علیل ہو کر ماہ ربیع الثانی ۴۹۸ھ میں انتقال کیا' مرتے وقت اس نے اپنے بیٹے ملک شاہ بن برکیارق کو اپنا ولی عہد اور امیر ایاز کو اس کا اتالیق بنایا۔

ملک شاہ کی عمر اس وقت صرف پانچ سال کی تھی' برکیارق کے جنازہ کو اصفہان میں لے جا کر دفن کیا گیا' امیر ایاز ملک شاہ کو لے کر ۱۵ ربیع الثانی ۴۹۸ھ میں داخل بغداد ہوا' خلیفہ نے ملک شاہ کو تمام وہ خطابات جو اس کے دادا ملک شاہ بن سلطان الپ ارسلان کو حاصل تھے عطا کیے اور اس کے نام کا خطبہ بغداد میں پڑھا گیا۔

اس کے بعد سلطان محمد نے موصل پر قبضہ کر کے بغداد کا رخ کیا' ۵۰۱ھ میں داخل بغداد ہوا'

امیر ایاز کو قتل کیا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا' ۵۰۲ھ میں سلطان محمد نے بغداد میں اپنے لیے ایک قصر تیار کرایا' اب سلطان محمد بن ملک شاہ کی حکومت پورے طور پر اپنے آبائی ممالک پر قائم ہوگئی اور فتنہ و فساد دور ہوئے' ماہ شعبان ۵۱۱ھ میں سلطان محمد بن ملک شاہ نے وفات پائی اور اس کا بیٹا سلطان محمود باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ خلیفہ نے اس کی تخت نشینی کو قبول و منظور فرما کر خلعت عطا کیا اور ۱۵ محرم ۵۱۲ھ کو مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

اس کے بعد ۱۵ ربیع الآخر ۵۱۲ھ کو خلیفہ مستظہر باللہ نے چوبیس سال تین مہینے خلافت کرنے کے بعد وفات پائی اور اس کا بیٹا ابو منصور فضل تخت نشین ہوا اور اپنا لقب مسترشد باللہ رکھا۔

مسترشد باللہ

مسترشد باللہ بن مستظہر باللہ ربیع الاول ۴۸۵ھ میں پیدا ہوا اور بعمر ۲۷ سال اپنے باپ کے بعد ۱۵ ربیع الآخر ۵۱۲ھ کو تخت نشین ہوا' خلیفہ مسترشد باللہ کے بھائی امیر ابوالحسن بن مستظہر نے بیعت نہیں کی اور بغداد سے واسط چلا گیا' سال بھر کے بعد گرفتار ہو کر آیا اور خلیفہ نے اس کا قصور معاف کر کے قصر خلافت میں ٹھہرایا' خلیفہ مسترشد باللہ کی تخت نشینی کے دوسرے مہینے مسعود بن سلطان محمد سلجوقی برادر سلطان محمود نے جو موصل میں مقیم تھا' خروج کیا اور اپنے ساتھ قسیم الدولہ زنگی بن آقسنقر والی سنجار اور ابوالہیجاء والی اربل کو بھی بلایا اور بغداد میں آ کر اپنا عمل دخل بٹھایا۔

ادھر سلطان محمود کا تیسرا بھائی سلطان طغرل بن سلطان محمد اپنے باپ کے زمانے سے زنجان کا حاکم تھا' سلطان محمود نے ملک طغرل پر چڑھائی کی' ملک طغرل زنجان سے بھاگ گیا' سلطان محمود نے زنجان کو لوٹ لیا۔

جب سلطان محمد کا انتقال ہوا اور سلطان محمود تخت نشین ہوا تو اس وقت سلطان محمد کا بھائی یعنی سلطان محمود کا چچا سنجر ماوراء النہر کا حاکم تھا' سلطان سنجر کا لقب پہلے ناصر الدین تھا' سلطان محمد کے انتقال کے بعد سلطان سنجر نے ماوراء النہر ہمراہ امیر ابوالفضل والی بجستان' خوارزم شاہ محمد امیر انزدار ور علاء الدولہ والی یزد وغیرہ سردار بھی تھے' اس معرکہ میں سلطان محمود کو شکست اور سلطان سنجر کو فتح حاصل ہوئی اور اس نے بڑھ کر ہمدان پر قبضہ کیا' یہ خبر جب بغداد میں پہنچی تو یہاں سلطان سنجر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

سلطان محمود نے بعد شکست اصفہان میں جا کر دم لیا' آخر سلطان سنجر کی ماں یعنی سلطان محمود کی دادی نے کوشش کر کے دونوں میں صلح کرا دی' شرط یہ قرار پائی کہ سلطان سنجر سلطان محمود کو اپنا ولی عہد

تسلیم کرے اور خطبوں میں سنجر کے بعد محمود کا نام لیا جائے' چنانچہ اسی شرط کے موافق سلطان سنجر نے ماوراء النہر غزنہ' خراسان وغیرہ اپنے ممالک میں سلطان محمود کی ولی عہدی کے فرامین بھیج دیے' صرف رے کا علاقہ سلطان سنجر نے سلطان محمود کے مقبوضہ ممالک سے اپنے قبضہ میں لے کر باقی تمام ممالک پر اس کی حکومت کو تسلیم کیا' ادھر سلطان محمود نے اپنے بھائی سلطان مسعود سے صلح کر کے اس کو موصل و آذربائیجان کے صوبے دے دیئے اور اس نے موصل کو اپنا مستقر حکومت بنایا۔

۵۱۳ھ میں سلطان مسعود نے اپنی خود مختاری اور سلطان محمود کی مخالفت کا علم بلند کیا' ۱۵ ربیع الاول ۵۱۴ھ کو دونوں بھائیوں میں لڑائی ہوئی' مسعود کو شکست ہوئی اور موصل کے قریب جا کر پہاڑوں میں پناہ لی' امراء نے درمیان میں پڑ کر دونوں بھائیوں میں صلح کرا دی' سلطان محمود ماہ رجب ۵۱۴ھ میں بغداد واپس آ گیا اور سلطان مسعود پھر موصل میں حکومت کرنے لگا۔ ۵۱۵ھ میں سلطان محمود نے موصل کی حکومت آقسنقر برسقی کو دی اور مسعود کے پاس آذربائیجان کا صوبہ رہا۔

سلطان طغرل کا ذکر اوپر آ چکا ہے' وہ سلطان محمود سے شکست کھا کر گنجہ میں چلا آیا تھا' ۵۱۶ھ میں سلطان محمود اور سلطان طغرل کے درمیان صلح نامہ لکھا گیا' اس کے بعد سلطان محمود نے آقسنقر برسقی کو موصل کے علاوہ واسط کا علاقہ بھی جاگیر میں دے دیا' آقسنقر برسقی نے اپنی طرف سے قسیم الدولہ عماد الدین زنگی بن آقسنقر کو واسط کی حکومت پر مامور کیا' ۵۱۷ھ میں سلطان محمود نے اپنے وزیر شمس الملک کو قتل کر دیا اور شمس الملک کے بھائی نظام الدولہ کو خلیفہ مسترشد باللہ نے اپنی وزارت سے معزول کیا۔

ماہ ذی الحجہ ۵۱۷ھ میں خلیفہ مسترشد باللہ نے خود فوج تیار کر کے دبیس بن صدقہ کی سرکوبی کے لیے بغداد سے کوچ کیا' موصل و واسط کی فوجیں بھی خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' مقام مبارکہ میں لڑائی ہوئی' اس لڑائی میں عماد الدین زنگی بن آقسنقر والی واسط نے بڑی بہادری اور جان فروشی دکھائی اور خلیفہ نے فتح پائی' ۱۰ محرم ۵۱۸ھ کو خلیفہ مظفر و منصور بغداد میں داخل ہوا' یہ غالباً پہلی جنگ تھی جو عرصہ دراز کے بعد عباسی خلیفہ کی سپہ سالاری میں ہوئی' اس کے بعد معلوم ہوا کہ دبیس بن صدقہ بصرہ کو لوٹنا چاہتا ہے' چنانچہ عماد الدین زنگی بن آقسنقر بصرے کی حفاظت کے لیے مامور ہو کر روانہ ہوا اور دبیس وہاں سے ناکام و نامراد ہو کر ملک طغرل بن سلطان محمد کے پاس چلا گیا۔

اسی سال یعنی ۵۱۸ھ میں آقسنقر برسقی جو شحنہ عراق مقرر ہو چکا تھا اور موصل میں رومیوں کے حملوں کے روکنے کی تدابیر میں مصروف تھا' عماد الدین زنگی کو بصرہ کی حکومت سے اپنے پاس موصل میں طلب کیا۔ عماد الدین زنگی بصرہ سے روانہ ہو کر موصل تو نہیں گیا' بلکہ سلطان محمود کے پاس اصفہان

پہنچا' سلطان محمود نے وہاں سے اس کو بصرہ کی سند حکومت دے کر بصرہ کی طرف واپس کر دیا۔

دبیس بن صدقہ جب سلطان طغرل کے پاس پہنچا تو اس نے اس کو اپنے مصاحبین میں داخل کر لیا۔ دبیس نے طغرل کو ابھار کر عراق پر چڑھائی کرا دی ۵۱۹ھ میں طغرل نے معہ دبیس مقام دقوقا میں پہنچ کر قیام کیا' یہ خبر سن کر خلیفہ مسترشد باللہ نے ۵ صفر ۵۱۹ھ کو فوج لے کر بغداد سے بغرض مقابلہ کوچ کیا نہروان میں سامنا ہوا' مگر دبیس اور طغرل دونوں خراسان میں سلطان سنجر کے پاس پہنچے۔

رجب ۵۲۰ھ میں یرنقش زکوی کوتوال بغداد سلطان محمود کے پاس اصفہان پہنچا اور کہا کہ خلیفہ مسترشد باللہ نے فوجیں مرتب کر لی ہیں اور سامان جنگ بھی کافی فراہم ہے اور مالی حالت بھی خلیفہ کی اچھی ہو گئی ہے' اندیشہ ہے کہ خلیفہ قابو سے نہ نکل جائے' یہ سن کر سلطان محمود نے فوجیں آراستہ کر کے خود بغداد کی جانب کوچ کیا' خلیفہ مسترشد باللہ نے جب یہ سنا کہ سلطان محمود بغداد کی جانب آ رہا ہے تو اس کو لکھا کہ تمہارے اس طرف آنے کی ضرورت نہیں ہے' تم دبیس وغیرہ کے سرکشوں کی سرکوبی کے لیے واپس جاؤ' اس سے سلطان محمود کا شبہ یقین کے درجہ کو پہنچ گیا' اور اس نے سمجھا کہ خلیفہ ضرور میرے اثر واقتدار سے آزاد ہونا چاہتا ہے' چنانچہ وہ اور بھی تیزی سے بغداد کی جانب سفر طے کرنے لگا۔

۱۷ ذی الحجہ ۵۲۰ھ کو سلطان محمود بغداد میں داخل ہوا اور خلیفہ غربی بغداد میں چلا گیا' یکم محرم ۵۲۱ھ کو سلطان محمود کے ہمراہیوں نے قصر خلافت کو لوٹا' اہل بغداد تیس ہزار کی تعداد میں خلیفہ مسترشد کے پاس جمع ہو گئے' دریائے دجلہ کے ساحل پر لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا' بہت سی لڑائیوں اور زور آزمائیوں کے بعد خلیفہ اور سلطان میں صلح ہو گئی' ربیع الثانی ۵۲۱ھ کو سلطان محمود بغداد سے ہمدان کی جانب روانہ ہوا اور عماد الدین زنگی کو بصرہ کی حکومت سے بلا کر بغداد کی شحنگی پر مامور کیا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ دبیس اور طغرل دونوں سنجر کے پاس خراسان پہنچ گئے تھے' انہوں نے سنجر کو خلیفہ مسترشد باللہ اور سلطان محمود کی طرف سے برافروختہ وبدگمان کرنے کی کوشش کی' آخر سلطان سنجر خراسان سے فوجیں لے کر رے کی جانب روانہ ہوا' رے پہنچ کر سلطان محمود کو ہمدان سے اپنے پاس ملاقات کے لیے بلوایا۔

مدعا اس طلبی سے یہ تھا کہ اگر سلطان محمود مخالف نہیں ہوا ہے تو چلا آئے گا ورنہ انکار کرے گا' چنانچہ سلطان محمود اپنے چچا سنجر کے پاس بلا توقف چلا گیا' سنجر نے بڑی عزت کا برتاؤ کیا اور دبیس کی سفارش کر کے محمود کے ساتھ کر دیا' محمود دبیس کو ہمراہ لے کر ہمدان واپس آیا اور ۹ محرم ۵۲۲ھ کو معہ دبیس بغداد میں داخل ہوا' دربار خلافت میں دبیس کو پیش کر کے عفو تقصیر کی سفارش کی' خلیفہ نے دبیس کی خطا معاف کر دی' سلطان محمود نے بغداد کی شحنگی پر بہروز کو مامور کیا اور عماد الدین زنگی کو موصل کی گورنری

پر مامور کر کے بھیج دیا۔
جمادی الثانی ۵۲۳ھ میں سلطان محمود بغداد سے ہمدان کی جانب روانہ ہوا' دبیس کو موقعہ مل گیا اس نے بغداد سے روانہ ہو کر حلہ پر قبضہ کر لیا اور خلیفہ کی مخالفت و بغاوت کا علم بلند کیا' خلیفہ نے اس کے مقابلہ کو فوج روانہ کی' ابھی مقابلہ جاری تھا کہ ذیقعدہ ۵۲۳ھ کو سلطان محمود بھی دبیس کی سرکشی کا حال سن کر بغداد پہنچ گیا' دبیس حلہ چھوڑ کر بصرہ کی طرف روانہ ہوا' بصرہ کو خوب لوٹ کر پہاڑوں میں جا چھپا' اور سلطان محمود ہمدان واپس چلا گیا۔
۵۲۵ھ میں شوال کے مہینے میں سلطان نے انتقال کیا' اس کی جگہ اس کا بیٹا داؤد تخت نشین ہوا' بلاد جبل و آذربائیجان میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔
ماہ ذیقعدہ ۵۲۵ھ میں داؤد نے ہمدان سے زنجان کی جانب کوچ کیا' اسی اثناء میں خبر سنی کہ سلطان مسعود نے جرجان سے آ کر تبریز پر قبضہ کر لیا ہے' داؤد نے فوراً تبریز کی جانب کوچ کیا اور محرم ۵۲۶ھ میں تبریز کا محاصرہ کر لیا' چچا بھتیجے میں لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا' آخر دونوں میں مصالحت ہو گئی' داؤد تبریز سے ہمدان چلا آیا۔
مسعود نے تبریز سے نکل کر لشکر فراہم کرنا شروع کیا اور جب عظیم الشان لشکر فراہم ہو گیا تو خلیفہ مسترشد کے پاس بغداد میں پیغام بھیجا کہ میرے نام کا خطبہ پڑھوایا جائے' خلیفہ نے جواب دیا کہ فی الحال خطبہ میں سلطان سنجر کا نام لیا جاتا ہے' تمہارا اور داؤد دونوں کا نام فی الحال نہیں لیا جائے گا۔
اسی عرصہ میں سلجوق شاہ ابن سلطان محمد نے فوج فراہم کر کے بغداد میں آ کر قیام کیا' خلیفہ نے اس کے ساتھ عزت کا برتاؤ کیا۔
ادھر سلطان مسعود نے عمادالدین زنگی والی موصل کو اپنا ہمدرد و معاون بنا کر اس سے مدد طلب کی' عمادالدین زنگی سلطان مسعود کے پاس پہنچا' سلطان مسعود اور عمادالدین زنگی دونوں بغداد کی طرف روانہ ہوئے اور مقام عباسیہ میں قیام کیا' سلجوق شاہ نے مقابلہ کی تیاری کی اور قراجا ساقی کو مقابلہ پر روانہ کیا' ادھر سے عمادالدین زنگی مقابلہ پر آیا' ایک خونریز جنگ کے بعد زنگی کے لشکر کو شکست ہوئی' عمادالدین زنگی شکست کھا کر تکریت کی طرف گیا' تکریت میں ان دنوں نجم الدین ایوب (پدر سلطان صلاح الدین) حاکم تھا' اس نے عمادالدین زنگی کے اترنے کو کشتیاں بھی فراہم کر دیں اور پل بھی بندھوا دیا' زنگی نے دریا کو عبور کر کے موصل کا راستہ لیا۔
سلطان مسعود نے خط و کتابت شروع کر کے سلجوق شاہ اور خلیفہ کو اس بات پر رضا مند کر لیا کہ

عراق کی حکومت سلطان مسعود کے قبضہ میں رہے اور عراق کی حکومت و سلطنت کے علاوہ خطبہ میں سلطان مسعود کے بعد سلجوق شاہ کا نام لیا جائے۔

اس قرارداد کے موافق سلطان مسعود جمادی الاولیٰ ۵۲۶ھ میں داخل بغداد ہوا اور صلح نامہ لکھا گیا' اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ سلطان طغرل اپنے چچا سلطان سنجر کے ہمراہ ہے' دبیس جو پہاڑوں میں جا چھپا تھا وہ بھی سلطان سنجر کے پاس پہنچ گیا' اب ان حالات سے مطلع ہو کر سلطان سنجر معہ طغرل و دبیس رے کی طرف بڑھا' وہاں سے ہمدان کی طرف چلا' ادھر سے مسعود شاہ اور سلجوق شاہ مع قراجا ساقی سنجر کی روک تھام کے لیے بغداد سے روانہ ہوئے' سنجر نے استر آباد سے آگے بڑھ کر مسعود و سلجوق شاہ کا مقابلہ کیا اور دبیس نے بغداد پر حملہ آور ہونے کے لیے کوچ کیا' ادھر مسعود و سلجوق دونوں بھائیوں کو سنجر کے مقابلہ میں شکست ہوئی' ادھر خلیفہ نے خود بغداد سے نکل کر دبیس کا مقابلہ کیا اور اس کو شکست دے کر بھگا دیا۔

سلطان سنجر نے مسعود و سلجوق کی خطا معاف کر دی اور ان کو اپنے پاس بلا کر عزت واحترام سے رکھا اور اپنے بھتیجے طغرل کو عراق کی حکومت سپرد کی اور اس کے نام کا خطبہ جاری کیا' اسی اثناء میں یعنی ذی الحجہ ۵۲۷ھ میں خبر پہنچی کہ والی ماوراء النہر نے علم بغاوت بلند کر کے فوجی تیاریاں شروع کر دی ہیں' ملک سنجر کو فوراً خراسان کی طرف روانہ ہونا پڑا۔

اس زمانے میں سلطان داؤد بن محمود بلاد آذربائیجان کی طرف تھا' وہ فوجیں فراہم کر کے ہمدان کی طرف بڑھا' ادھر سے طغرل مقابلہ پر پہنچا' داؤد کو شکست ہوئی اور وہ شکست کھا کر بغداد کی طرف گیا' سلطان مسعود بھی سلطان سنجر سے رخصت ہو کر بغداد کو آیا' داؤد مسعود دونوں نے مل کر خلیفہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم کو صوبہ آذربائیجان پر قبضہ کر لینے کی اجازت ہو' اجازت ہوئی اور دونوں نے ملک طغرل کے اہل کاروں کو نکال کر آذربائیجان پر قبضہ کر لیا' طغرل مقابلہ پر آیا مگر شکست کھا کر بھاگا' سلطان مسعود نے ہمدان پر قبضہ کر لیا' اور سلطان داؤد آذربائیجان پر متصرف رہا۔

سلطان مسعود کو ہمدان میں معلوم ہوا کہ سلطان داؤد نے آذربائیجان میں خودمختاری و سرکشی کا اعلان کر دیا ہے' اس لیے وہ آذربائیجان کی طرف روانہ ہوا' ملک طغرل نے موقعہ پا کر فوجیں فراہم کیں اور بلاد جبل کو فتح کرنا شروع کیا' سلطان مسعود مقابلہ پر آیا' طغرل نے مسعود کو ماہ رمضان ۵۲۸ھ میں شکست دے کر بھگا دیا' سلطان مسعود شکست کھا کر بغداد آیا اور طغرل ہمدان میں آ کر مقیم ہوا۔

غرض سلجوقیوں کی آپس کی خانہ جنگیوں کا قصہ بہت طویل اور بے مزہ ہے' سلطان طغرل فوت

ہوا اور سلطان مسعود عراق پر قابض و متصرف ہوا' خلیفہ مسترشد اور سلطان مسعود کی ان بن ہو گئی' خلیفہ مقابلہ کے لیے نکلا' دونوں فوجوں نے خوب جدال و قتال کیا' خلیفہ کے لشکر نے نمک حرامی کی اور خلیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا' خلیفہ نے شکست کھائی اور ہمدان کے ایک قلعہ میں قید کر دیا گیا' یہ خبر بغداد میں پہنچی تو اہل بغداد میں ماتم برپا ہو گیا۔

انھیں ایام میں متواتر عراق و خراسان میں زلزلے کئی روز تک آتے رہے' سلطان سنجر نے اپنے بھتیجے سلطان مسعود کو لکھا کہ تم خود خلیفہ کے پاس جاؤ اور معافی مانگو یہ زلزلوں کا آنا اور لوگوں کا مسجدوں میں نمازوں کے لیے نہ آنا کوئی معمولی بات نہیں ہے' امیر المومنین کو نہایت عزت و حرمت کے ساتھ دارالخلافہ بغداد پہنچاؤ' سلطان مسعود نے سلطان سنجر کے حکم کی تعمیل کی اور خلیفہ کی خدمت میں خود حاضر ہوا۔

جو لشکر سلطان مسعود کے ساتھ تھا اس میں سترہ آدمی قرامطہ یا باطنی فرقہ کے بھی شامل ہو گئے تھے' جن کی سلطان مسعود کو خبر نہ تھی' ان باطنیوں نے خلیفہ کے خیمے کے قریب پہنچ کر خلیفہ پر حملہ کیا اور قتل کر ڈالا' خلیفہ کے اس طرح قتل ہونے کا حال جب یکا یک لوگوں کو معلوم ہوا تو باطنیوں کو گرفتار کیا اور وہ سب کے سب قتل کیے گئے' سلطان مسعود کو سخت صدمہ ہوا۔

یہ واقعہ ۱۶ ذیقعدہ ۵۲۹ھ بروز پنجشنبہ وقوع پذیر ہوا' یہ خبر جب بغداد میں پہنچی تو اور بھی حشر برپا ہو گیا اور شہر میں بڑا کہرام مچا اور خلیفہ مسترشد کا بیٹا ابو جعفر منصور تخت خلافت پر بیٹھا اور اس نے اپنا لقب راشد باللہ مقرر کیا۔

راشد باللہ

راشد باللہ بن مسترشد باللہ ۵۰۰ھ میں ایک ام ولد کے بطن سے پیدا ہوا' جب وہ پیدا ہوا تو اس کے پاخانہ کی جگہ نہ تھی' طبیبوں نے ایک چاندی کے نشتر سے شگاف دے دیا اور وہ اچھا ہو گیا' راشد باللہ بغداد میں تخت نشین ہوا ہے تو سلطان مسعود موجود نہ تھا' راشد باللہ کے نام کا خطبہ شہروں میں پڑھا گیا' راشد باللہ نے تخت نشین ہونے کے بعد لوگوں سے مال و دولت کے لینے میں کسی قدر ظلم و زیادتی سے کام لیا' سلطان مسعود کو لوگوں نے شکایات لکھ کر بھیجیں' سلطان مسعود بغداد کی طرف روانہ ہوا' سلطان مسعود کے بغداد کی طرف آنے کی خبر سن کر راشد باللہ موصل کی طرف چلا گیا' سلطان مسعود نے بغداد میں داخل ہو کر ایک محضر تیار کرایا' اس میں بہت سے لوگوں کی شہادت قلم بند کی گئی' جنھوں نے بیان کیا تھا کہ راشد نے فلاں فلاں اشخاص پر ظلم کیا' زبردستی مال چھینا' خوں ریزی کی اور شراب بھی پی'

یہ محضر فقہاء و قضاۃ کی خدمت میں پیش کر کے استفتاء کیا گیا کہ خلیفہ اگر ایسی حرکات کا مرتکب ہو تو نائب السلطنت کو اس کی معزولی کا اختیار ہے یا نہیں؟

اس پر قاضی شہر نے فتویٰ لکھ دیا کہ نائب السلطنت ایسے خلیفہ کو معزول کر سکتا ہے' چنانچہ سلطان مسعود نے راشد باللہ کے چچا محمد بن مستظہر کو تخت خلافت پر بٹھا کر بیعت کر لی اور راشد کی معزولی کا اعلان کر دیا' یہ واقعہ ۱۶ ذیقعدہ کا ہے' راشد کی خلافت ایک سال رہی' محمد بن مستظہر نے تخت خلافت پر بیٹھ کر اپنا لقب مکتفی لامر اللہ تجویز کیا۔

راشد کو جب اپنے معزول ہونے کا حال معلوم ہوا تو وہ موصل سے بلاد آذربائیجان کی طرف چلا گیا اور اپنے لشکریوں کو مال و دولت تقسیم کیا' آذربائیجان کے شہروں کو لوٹ مار سے برباد کیا' وہاں سے ہمدان آیا' یہاں بھی خوب فتنہ و فساد برپا کیا' لوگوں کو پکڑ کر سولی چڑھایا' قتل کیا' علماء کی داڑھیاں منڈوائیں[1] پھر اصفہان پہنچ کر اس کا محاصرہ کیا' اسی اثناء میں بیمار پڑا اور ۱۶ رمضان ۵۳۲ھ کو بعض عجمیوں نے آ کر چھریوں سے اسے قتل کر ڈالا۔

بغداد میں راشد کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو اس کے ماتم میں ایک دن کے لیے دفاتر بند کیے گئے' چادر اور عصا مرتے وقت راشد کے پاس تھے اس کے قتل ہونے پر یہ دونوں چیزیں مقتفی کے پاس بغداد پہنچائی گئی تھیں۔

مقتفی لامر اللہ

ابو عبداللہ محمد مقتفی لامر اللہ بن مستظہر باللہ ۱۲ ربیع الاول ۴۷۹ھ کو ایک حبشیہ ام ولد کے پیٹ سے پیدا ہوا' اور ۱۲ ذی الحجہ ۵۳۰ھ کو تخت نشین خلافت ہوا' اس کے بعد سلطان مسعود نے سلطان داؤد کی سرکوبی و تعاقب کے لیے فوج روانہ کی' داؤد نے مقام مراغہ میں شکست کھائی اور خوزستان پہنچ کر فوجیں جمع کیں اور تستر کا محاصرہ کر لیا۔

سلجوق شاہ جوان دنوں واسط کا حکمران تھا' سلطان مسعود کے حکم سے تستر کو بچانے کے لیے روانہ ہوا مگر داؤد سے شکست کھا کر واپس آیا' سلطان مسعود نے اس خیال سے بغداد کو نہ چھوڑا کہ کہیں راشد بغداد پر نہ چڑھ آئے' مسعود نے عماد الدین زنگی والی موصل کو لکھا کہ مقتفی کے نام کا خطبہ پڑھا جائے' عماد الدین نے جب مقتفی کے نام کا خطبہ پڑھا اور راشد کا نام خطبہ سے خارج کر دیا تو راشد

---

[1] جناب رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق داڑھی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہاں خلیفہ نے جبراً علماء کی داڑھیاں مونڈوائیں۔ اسی سے اس دور کے خلفاء کی دینی حالت کا کافی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ناراض ہو کر موصل سے رجب ۵۳۱ھ میں چل دیا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے' فارس میں بعض سرداروں نے راشد کی حمایت کا قصد کر کے راشد کے پاس جانے کا قصد کیا' سلطان مسعود نے یہ سن کر بغداد سے کوچ کیا اور ان لوگوں کو شعبان ۵۳۲ھ میں شکست دے کر پریشان و آوارہ کر دیا اور وہاں سے آذربائیجان کا قصد کیا۔

ادھر داؤد و خوارزم شاہ اور راشد نے مل کر عراق کا قصد کیا' سلطان مسعود نے ان کو شکست دی' خوارزم شاہ اور داؤد دونوں راشد سے جدا ہو گئے' راشد نے اصفہان کا محاصرہ کیا' اسی اثناء میں راشد کو چند خراسانی غلاموں نے قتل کر دیا' راشد اصفہان کے باہر مقام شہرستان میں مدفون ہوا۔

ادھر سلجوق شاہ نے واسط سے آ کر بغداد پر قبضہ کیا' بڑی بدامنی پیدا ہوئی' اہل بغداد نے سلجوق شاہ کو شکست دے کر بغداد سے نکال دیا۔

ملک میں ہر طرف طائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی اور بدامنی یہاں تک ترقی کر گئی تھی کہ ۵۳۲ھ میں بغداد سے غلاف کعبہ بھی نہیں بھیجا گیا' راستوں کا امن وامان بالکل جاتا رہا۔

۵۳۳ھ میں سلطان مسعود نے بغداد میں آ کر بہت سے ٹیکس جو اہل شہر سے وصول کئے جاتے تھے معاف کر دیئے' چند سال اسی حالت میں گذرے' خاندان سلجوق کے متعدد افراد کے علاوہ دوسرے سرداروں نے بھی اپنی اپنی خود مختاری کی تدبیریں سوچنی شروع کیں۔

سلطان مسعود نے اپنے خاص سرداروں کو جن سے وہ صاف نہ تھا اور جن پر قابو پا سکتا تھا' قتل کرنا شروع کیا' کئی سرداروں کو دھوکے سے قتل کرا دیا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود بہت کمزور ہو گیا' بلاد جبل میں جا کر اس نے اقامت اختیار کی اور بغداد و عراق کو بدامنی کے عالم میں چھوڑ دیا' خلیفہ مقتفی نے اس حالت سے فائدہ اٹھانے میں کوتاہی نہیں کی یعنی خلیفہ نے اپنا اثر واقتدار رفتہ رفتہ قائم کرنا اور اپنی طاقت کو بڑھانا شروع کیا۔

خلیفہ کی طاقت ادھر ترقی کر رہی تھی' ادھر سلطان مسعود اور سلطان سنجر کا اثر بتدریج کم ہو رہا تھا' سلطان سنجر نے مسعود کو ملامت آمیز خطوط لکھے اور امیروں کے قتل کرنے اور بغداد کے قیام کو ترک کر دینے کی خرابیاں سمجھائیں' آخر ۵۴۴ھ میں سلطان سنجر خود مقام رے میں آیا' یہیں سلطان مسعود بھی اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔

رجب ۵۴۴ھ میں ملک شاہ بن سلطان محمود نے بعض سرداروں کو ہمراہ لے کر بغداد پر چڑھائی کی' خلیفہ مقتفی نے شہر کی قلعہ بندی کر کے مدافعت کی اور سلطان مسعود کو طلب کیا' مگر سلطان مسعود رے میں اپنے چچا سنجر کے پاس تھا وہاں سے نہ آ سکا' ملک شاہ بغداد میں تو داخل نہ ہو سکا مگر نہروان کو

خوب لوٹا اور ویران کر دیا' اس کے بعد ۱۵ شوال ۵۴۴ھ کو مسعود وارد بغداد ہوا' پھر ۵۴۵ھ میں ہمدان چلا گیا۔

یکم ماہ رجب ۵۴۷ھ کو سلطان مسعود نے وفات پائی اس کی جگہ سلطان مسعود کے وزیر خاص بیگ نے ملک شاہ بن سلطان محمود کو تخت نشین کیا مگر سلطان مسعود کے مرنے کے بعد خاندان سلجوقیہ کی حکومت بغداد سے جاتی رہی اور اس خاندان میں کوئی ایسا شخص نہ رہا جو امارت و سلطنت کے مرتبے کو قائم رکھ سکتا' اسی لیے سلطان مسعود کو خاندان سلجوقیہ کا خاتم سمجھا جاتا ہے' سلطان ملک شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی ایک سردار کو حلہ پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا' اس نے حلہ پر قبضہ کر لیا شحنۂ بغداد مسعود جلال نامی نے حلہ جا کر ملک شاہ کے سردار کو قتل کر کے خود حلہ پر خود مختارانہ حکومت شروع کر دی۔

خلیفہ مقتفی نے خود فوج لے کر حلہ پر حملہ کیا اور فتح کر کے اہل حلہ سے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار لیا' اس کے بعد خلیفہ نے واسط پر حملہ کر کے اس کو اپنے قبضہ میں لیا اور ۱۰ ذیقعدہ ۵۴۷ھ کو بغداد میں واپس آیا' ۵۴۰ھ میں خلیفہ نے اپنے وزیر زادہ اور امیر ترشک دونوں کو تکریت کی فتح کے لیے روانہ کیا' ان دونوں میں ناچاقی ہوئی' امیر ترشک نے وزیر زادہ کو اہل تکریت کے ہاتھوں میں گرفتار کرا دیا اور خود خراسان کی طرف راستے کے شہروں کو لوٹتا ہوا چل دیا۔

۵۴۹ھ میں خلیفہ مقتفی نے خود تکریت پر چڑھائی کی' شہر کو فتح کر لیا مگر قلعہ تکریت فتح نہ ہوا' خلیفہ نے بغداد میں واپس آ کر اپنے وزیر کو قلعہ شکن منجنیقیں دے کر قلعہ تکریت کے فتح کرنے کو روانہ کیا' وزیر نے جا کر محاصرہ ڈالا' ادھر ارسلان بن طغرل بن سلطان محمد نے ایک فوج لے کر وزیر پر حملہ کیا' یہ خبر سنتے ہی خلیفہ مقتفی خود بغداد سے روانہ ہوا' مقام عقر بابل پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا' اٹھارہ دن کی لڑائی کے بعد خلیفہ کے لشکر کا اکثر حصہ فرار ہوا مگر خلیفہ بڑی بہادری کے ساتھ بقیہ لوگوں کو لیے ہوئے مقابلہ کرتا رہا حتی کہ خلیفہ کو فتح حاصل ہوئی' ارسلان بن طغرل اور اس کے ہمراہی سردار سب میدان چھوڑ کر بھاگ گئے' یکم شعبان ۵۴۹ھ کو خلیفہ بغداد واپس آیا' ۵۵۰ھ میں خلیفہ مقتفی نے وقوقا پر فوج کشی کی مگر چند روزہ محاصرہ کے بعد بغداد واپس آیا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ۴۹۰ھ میں سلطان برکیارق نے سلطان سنجر کو خوزستان کی حکومت سپرد کی تھی' جب سلطان محمد اور سلطان برکیارق میں مخالفت اور لڑائی ہوئی تو سلطان محمد نے اپنے حقیقی بھائی سنجر کو خراسان کی حکومت سپرد کر دی' اسی وقت سے سلطان سنجر کے قبضے میں خراسان کا ملک برابر رہا اور ان کو سلطان محمد کے بیٹے سلطان العراق کے نام سے یاد کرتے رہے۔ ۵۳۶ھ میں ترکوں کے ایک گروہ نے جو ترکان خطا کے نام سے موسوم تھا' ماوراء النہر کے علاقہ کو خوانین ترکستان سے چھین لیا'

سلطان سنجر نے اس گروہ خطاء کو ماوراء النہر سے نکالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا اور بہت سے کار آزمودہ سردار اس لڑائی میں مقتول ہوئے۔ سلطان سنجر کے کمزور ہو جانے کے سبب اس کے ماتحت حکمرانوں نے زور پکڑا اور اسی سلسلہ میں خوارزم شاہ بھی خود مختار ہو گیا' ماوراء النہر میں جو ترک رہتے تھے اور ترکان غز کہلاتے تھے انھوں نے خراسان میں آ کر لوٹ مار اور بدامنی پھیلا دی۔

۵۴۸ھ میں ان ترکوں اور سلطان سنجر کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں سلطان سنجر کو شکست ہوئی اور گرفتار ہو گیا' ان نئے فاتحین نے سلطان سنجر کو قید کر کے اپنے ساتھ رکھا اور خراسان کے شہروں کو لوٹتے ہوئے پھرنے لگے اور ماوراء النہر میں ترکان خطا کو بھی شکستیں دینے لگے' ترکان غز نے سلطان سنجر کو قید کر کے ایک سائیس کے برابر اس کی تنخواہ مقرر کی تھی اور لطف یہ کہ تمام بلاد خراسان میں خطبہ سلطان سنجر ہی کے نام کا جاری رکھا تھا۔

۵۵۱ھ میں سلطان سنجر قید سے نکل بھاگا اور ۵۵۲ھ میں بحالت ناکامی فوت ہوا' اس کے بعد خوارزم شاہ اور اس کی اولاد نے تمام خراسان پر قبضہ کر لیا اور اصفہان و رے کے صوبوں اور آل سبکتگین کے زیر اثر صوبوں پر بھی متصرف ہو گئے اور چنگیز خاں کے خروج تک قابض رہے غرض کہ خلیفہ مقتفی لامر اللہ کے عہد میں دولت خوارزم شاہیہ کی بنیاد قائم ہوئی۔

۵۴۹ھ میں خلیفہ مقتفی نے نور الدین محمود بن عماد الدین زنگی والی حلب کو مصر کی جانب جانے کا حکم دیا کہ وہاں عبیدی حاکم مصر کے پراختلال کاموں میں دخیل ہو' اسی سال نور الدین محمود کو الملک العادل کا خطاب دیا گیا۔

سلیمان شاہ بن سلطان محمد اپنے چچا سنجر کے پاس رہتا تھا اس کو سلطان سنجر نے اپنا ولی بھی بنایا تھا' جب سلطان سنجر کو ترکوں نے گرفتار کر لیا تو سلیمان شاہ اس کے بقیہ لشکر کی سرداری کرنے لگا اور خراسان میں اپنے لیے کوئی مامن نہ دیکھ کر بغداد چلا آیا' ماہ محرم ۵۵۱ھ میں خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا' خلیفہ کی بیعت کی اور نائب السلطنت مقرر ہوا' اس کے نام کا خطبہ بغداد میں پڑھا گیا' ماہ ربیع الاول ۵۵۱ھ میں سلیمان شاہ بغداد سے بلاد جبل کی طرف روانہ ہوا۔

ماہ ذی الحجہ ۵۵۱ھ میں سلطان محمد نے والی موصل اور دوسرے سرداروں کو اپنے ساتھ شامل کر کے بغداد پر چڑھائی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا' لشکر موصل قطب الدین کو اس کے بڑے بھائی نور الدین زنگی نے ملامتانہ خط لکھا کہ تم کو محاصرہ بغداد میں شریک نہیں ہونا چاہیئے تھا' اس لیے قطب الدین زنگی خلیفہ کے خلاف جنگ کرنے سے جی چرا رہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ربیع الاول ۵۵۲ھ میں سلطان محمد محاصرہ اٹھا کر ہمدان کی طرف چلا گیا اور قطب الدین نے موصل کی طرف کوچ کیا۔

سلطان محمد بن محمود بن ملک شاہ محاصرہ بغداد کے بعد بعارضۂ سل بیمار ہو کر ہمدان میں مقیم رہا اور ماہ ذی الحجہ ۵۵۴ھ میں بمقام ہمدان فوت ہوا' اس کے بعد سلجوقی شہزادوں میں تخت نشینی کے متعلق اختلاف رہا' آخر سلطان محمد کے چچا سلیمان شاہ کو جو آج کل موصل میں قطب الدین زنگی کی حراست میں تھا طلب کر کے تخت نشین کیا گیا' اس کے بعد سلیمان شاہ کو سلجوقی شہزادوں کا مقابلہ کرنا پڑا' آخر اس کی حکومت قائم ہو گئی مگر سلیمان شاہ کے ایک سردار شرف الدین نے اس کو اور اس کے وزیر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

اس کے بعد شرف الدین نے ارسلان شاہ بن طغرل کے تخت نشین کرنے کی تجویز کی اور اس کے اتابک ایلدکز کو لکھا کہ اپنے ہمراہ ارسلان شاہ کو لے آؤ' چنانچہ ایلدکز معہ فوج ہمدان آ پہنچا اور ارسلان شاہ کے نام کا خطبہ ہمدان میں پڑھوایا' ایلدکز سلطان مسعود کے غلاموں میں سے تھا' اس نے سلطان طغرل کی وفات کے بعد اس کی بیوی یعنی ارسلان شاہ کی ماں سے نکاح کر لیا تھا' اب ارسلان شاہ کی تخت نشینی کی رسم ادا ہونے کے بعد وہی اتابک اعظم مقرر ہوا اور بغداد میں خلیفہ کے پاس درخواست بھیجی کہ ارسلان شاہ کے نام کا خطبہ بغداد میں پڑھوایا جائے' خلیفہ نے ایلچی کو بے عزت کر کے نکلوا دیا۔

خلیفہ کے وزیر نے محمود بن ملک شاہ بن محمودؒ کے نام کا خطبہ جاری کرنے کی تحریک کی' اس زمانہ میں محمود بن ملک شاہ بن محمود کو جو نوعمر لڑکا تھا اس کے باپ کے مصاحب فارس کی طرف لے کر گئے تھے' وہاں فارس کے حاکم زنگی بن وکلا سلغری نے ان لوگوں سے محمود کو چھین کر قلعہ اصطخر میں نظر بند کر دیا تھا' خلیفہ کے وزیر عون الدین ابوالاظفر یحییٰ بن ہبیرہ نے زنگی بن وکلا حاکم فارس کو لکھا کہ تم محمود کو آزاد کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کے نام کا خطبہ اپنے بلاد مقبوضہ میں جاری کر دو' چنانچہ زنگی نے اس کی تعمیل کی۔

ادھر ایلدکز نے زنگی کو لکھا کہ تم ارسلان شاہ کی بیعت سلطنت کرو' زنگی نے انکاری جواب دیا اور فوجیں فراہم کیں' ایلدکز نے فارس پر فوجیں روانہ کیں' لڑائیاں ہوئیں مگر کوئی اہم نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

۲ ماہ ربیع الاول ۵۵۵ھ میں خلیفہ مقتفی لامر اللہ نے ۲۴ برس ۴ مہینے خلافت کر کے وفات پائی' اور اس کے بیٹے ابوالمظفر یوسف نے مستنجد باللہ کے لقب سے تخت خلافت پر جلوس کیا۔

مقتفی لامر اللہ نے اپنے آپ کو سلجوقی سلطانوں کے اقتدار سے آزاد کر کے عراق و بغداد پر آزادانہ حکومت کی اور اسی لیے وہ خلفاء عباسیہ کے آخری کمزور خلفاء میں ایک نامور اور طاقتور خلیفہ شمار ہوتا ہے۔

دیلمیہ و سلجوقیہ

دیلمی یعنی بنی بویہ نے طاقت حاصل کر کے خاندان عباسیہ کے خلفاء کی عزت کو برباد کیا اور اپنے عہد حکمرانی میں خلافت اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچایا' ان لوگوں کے زمانے میں آئے دن شیعہ سنیوں کے ہنگامے بھی برپا رہے اور مسلمانوں کی طاقت دم بدم کمزور ہوتی رہی' ان کے بعد جب سلجوقیوں نے ان کی جگہ لی اور وہ برسر اقتدار آئے تو خلافت اور خلفاء کی عزت و تعظیم نے ترقی کی' سلجوقیوں نے خاندان عباسیہ کے ساتھ عقیدت مندی کا برتاؤ کیا' سلجوقیوں کی طاقت بنی بویہ سے بدرجہا زیادہ تھی' سلجوقی سلطانوں نے بحیثیت مجموعی خلیفہ سے غداری و بے وفائی کا برتاؤ نہیں کیا' سلجوقیوں کے زمانہ میں مسلمانوں کی ضائع شدہ طاقت و عظمت پھر واپس آئی' سلجوقیوں میں قابلیت ملک گیری و ملک داری بنی بویہ کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ اسی نسبت سے ان میں دین داری اور مذہبیت بھی زیادہ تھی' آخر زمانے میں آپس کی نا اتفاقی اور خانہ جنگی نے دولت سلجوقیہ کا خاتمہ کر دیا اور یہ وہ مرض ہے جس سے دنیا میں کوئی خاندان محفوظ نہیں نظر آتا' بہر حال خلیفہ مقتفی کے زمانہ میں سلجوقیوں کا بھی خاتمہ ہو گیا' اگرچہ سلجوقی سردار اس کے بعد عرصہ دراز تک چھوٹے چھوٹے قطعات ملک پر حکمران نظر آتے رہے مگر نائب السلطنت اور سرپرست ہونے کی حیثیت سے وہ اپنا دور ختم کر چکے۔

مستنجد باللہ

مستنجد باللہ بن مقتفی لامر اللہ ماہ ربیع الثانی ۵۱۰ھ میں ایک گرجستانی ام ولد موسومہ طاؤس کے پیٹ سے پیدا ہوا' ۵۴۷ھ میں ولی عہد بنایا گیا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد ربیع الاول ۵۵۵ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا' ۵۵۶ھ میں ترکمانوں' کردوں اور عربوں نے یکے بعد دیگرے بغاوت کی اور خلیفہ مستنجد نے ان بغاوتوں کو فرو کیا' مقام حلہ میں قبیلۂ بنی اسد کی آبادی زیادہ تھی' ان لوگوں سے سرکشی کے آثار نمایاں ہوئے اور ۵۵۸ھ میں خلیفہ نے تمام بنی اسد کے خلاف فوجیں روانہ کر کے ان کو عراق سے نکال دیا' ۵۵۹ھ میں واسط کے اندر بغاوت ہوئی یہ بغاوت بھی فوجی قوت کی نمائش سے فرو کر دی گئی' ۵۶۰ھ میں خلیفہ کے وزیر عون الدین نے وفات پائی۔

۵۶۳ھ میں مصر کے آخری عبیدی حاکم عاضد لدین اللہ کے وزیر شاور پر ابن سوار نامی ایک شخص نے غالب ہو کر اس کو مصر سے نکال دیا' شاور مصر سے الملک العادل نور الدین زنگی کے پاس آیا' نور الدین زنگی سلاطین سلجوقیہ کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا' اس کے باپ عماد الدین زنگی کا اوپر

ذکر ہو چکا ہے' نورالدین محمود زنگی نے حلب وشام وغیرہ ممالک پر قبضہ کر رکھا تھا اور خلیفہ بغداد کا فرمانبردار تھا' نورالدین محمود کے سرداروں میں نجم الدین ایوب (جس کا ذکر اوپر بھی آ چکا ہے) اور اس کا بیٹا صلاح الدین یوسف بن نجم الدین ایوب اور نجم الدین ایوب کا بھائی اسدالدین شیرکوہ معزز اور اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے' الملک العادل نورالدین محمود نے امیر اسدالدین شیرکوہ کو دو ہزار سواروں کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا' شیرکوہ نے ابن سوار کا کام تمام کیا' مگر شادر نے ان وعدوں کو جو دربار نورالدین میں کر کے آیا تھا پورا نہ کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ فرانسیسی سواحل شام ومصر پر حملے کیا کرتے تھے اور ساحلی مقامات پر قابض ہو گئے تھے' شیرکوہ سے فرمائش کی گئی کہ ان عیسائیوں کو بھی ملک سے خارج کرو' شیرکوہ اور اس کے بھتیجے صلاح الدین نے فرنگیوں کو کئی مہینے کی لڑائیوں کے بعد مصر سے نکال دیا اور خود شام کی طرف چلا آیا' ۵۶۴ھ میں فرانسیسیوں نے پھر مصر پر حملہ کیا' عاضدلدین اللہ نے پھر الملک العادل سلطان نورالدین محمود زنگی کی خدمت میں امداد واعانت کی درخواست کی' نورالدین نے پھر شیرکوہ کو معہ صلاح الدین مصر کی جانب روانہ کیا' فرانسیسی شیرکوہ کے آنے کی خبر سنتے ہی بھاگ گئے اور عاضدلدین اللہ نے شیرکوہ کو اپنا وزیر بنا کر اپنے پاس رکھ لیا' شادر نے علم بغاوت بلند کیا' شیرکوہ نے فوراً اس کا کام تمام کر دیا اور اطمینان سے خدمات وزارت انجام دینے لگا۔

سال بھر کے بعد ۵۶۵ھ میں شیرکوہ کا مصر میں انتقال ہو گیا تو حاکم مصر عاضدلدین اللہ عبیدی نے شیرکوہ کے بھتیجے سلطان صلاح الدین یوسف کو وزارت کا عہدہ دیا' شیرکوہ اور صلاح الدین دونوں اپنے پرانے آقا سلطان نورالدین محمود کے بھی وفادار تھے' اس طرح شام اور مصر دونوں ملکوں کی اسلامی طاقت متحدہ طور پر عیسائیوں کے حملوں کی مدافعت پر متوجہ رہی' ادھر خلیفہ مستنجد باللہ کو بھی عراق کی تمام بغاوتوں کے فرو کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی اور خلیفہ کا اقتدار ورعب پورے طور پر قائم ہو گیا۔ الملک العادل نورالدین زنگی خلیفہ کا وفادار اور اس کے ہر ایک حکم کی تعمیل کو تیار تھا' لہٰذا یہ زمانہ امن وامان اور عراق وشام ومصر کے مسلمانوں کے لیے اطمینان کا زمانہ تھا۔

۹ ربیع الثانی ۵۶۶ھ میں خلیفہ مستنجد باللہ نے بیمار ہو کر وفات پائی' اسی خلیفہ کے عہد خلافت میں سیدنا سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی' مستنجد کے بعد لوگوں نے اس کے بیٹے ابو محمد حسن کو تخت خلافت پر بٹھا کر مستضیٔ بامر اللہ کا لقب دیا۔

مستضی بامراللہ

مستضیئ بامراللہ بن مستنجد باللہ ۵۳۶ھ میں ایک ارمنی ام ولد[1] کے بطن سے پیدا ہوا‘ اس نے تخت نشین ہوتے ہی عدل وانصاف قائم کیا‘ رعایا کے تمام ٹیکس معاف کر دیئے۔

اس کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں مصر کے اندر عبیدیوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا‘ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ صلاح الدین یوسف عبیدیوں کے آخری حاکم عاضدلدین اللہ کا وزیراعظم ہو گیا تھا‘ صلاح الدین نے مصر کی بدامنی کو رفع کر کے ہر قسم کا انتظام کیا اور پورے طور پر ہر ایک محکمہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر حکومت کرنے لگا‘ نورالدین محمود زنگی فرمانروائے شام نے ۵۶۶ھ کے آخری ایام میں سلطان صلاح الدین کو لکھا کہ مصر میں خلیفہ مستضیئ باللہ عباسی کے نام کا خطبہ جاری کرو‘ صلاح الدین یوسف اپنے آپ کو سلطان نورالدین کا نائب سمجھتا تھا‘ اس نے اس حکم کی تعمیل ڈرتے ہی ڈرتے کی اور محرم ۵۶۷ھ کی ابتدائی تاریخوں میں یوم عاشوراء سے پہلے جو جمعہ آیا اس جمعہ میں خلیفہ مستضی بامراللہ کے نام کا خطبہ پڑھا مگر مصر میں کسی نے اس کی مخالفت نہ کی اور خطبہ جمعہ میں خلیفہ مستضی کے نام کو بہ نظر استحسان دیکھا گیا۔

۱۰ محرم ۵۶۷ھ کو عاضدلدین اللہ فوت ہو گیا اور اگلے جمعہ کو تمام بلاد مصر میں خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا گیا‘ اس کی اطلاع سلطان صلاح الدین نے سلطان نورالدین کو دی اور سلطان نورالدین نے خلیفہ مستضیئ کے پاس بغداد میں یہ خوشخبری بھیجی‘ جب یہ خبر بغداد میں پہنچی تو خلیفہ نے خوشی کی نوبت بجوائی اور تمام بغداد میں چراغاں کیا گیا‘ خلیفہ نے اپنے خادم خاص صندل نامی کو جو خلیفہ کی محل سرائے کا داروغہ بھی تھا‘ نورالدین کے پاس بھیجا اور اس کے ہاتھ نورالدین اور صلاح الدین کے لیے خلعت روانہ کئے اور سیاہ پھریرے بھیجے‘ صندل کے پہنچنے پر نورالدین نے بھی بڑی خوشی کا اظہار کیا اور صلاح الدین کے پاس خلیفہ کا خلعت روانہ کیا۔

مصر سے دولت عبیدیہ مستاصل ہو گئی اور دولت ایوبیہ مصر میں قائم ہوئی‘ نورالدین کے قبضہ میں شام جزیرہ وموصل کا تمام علاقہ تھا‘ اب خلیفہ نے اس کے پاس مصر‘ شام‘ جزیرہ‘ موصل‘ دیار بکر‘ خلاط‘ بلاد روم‘ سواد عراق کی سند حکومت لکھ کر بھیج دی اور اس کو ان ممالک میں اپنا نائب السلطنت بنا کر سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا‘ نورالدین کی طرف سے صلاح الدین مصر کا حاکم اور بادشاہ رہا‘ جس طرح صلاح

---

[1] وہ کنیز جس کی اپنے آقا سے اولاد پیدا ہوئی ہو‘ یہ کنیز فروخت نہیں کی جا سکتی تھی۔ اب کنیزوں کو رکھنے کا رواج نہیں رہا۔

الدین نورالدین کا فرمانبردار تھا اسی طرح نورالدین خلیفہ بغداد کا فرمان پذیر رہا' اب خلیفہ مستضیئ سے تمام بادشاہ ڈرنے لگے اور دور دور تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا' کسی کو خلیفہ کی مخالفت کی جرأت نہ رہی۔

خلیفہ نے قطب الدین قائماز کو سپہ سالار افواج بنایا تھا' ۵۷۰ھ میں قائماز نے خلیفہ کے خلاف بغداد میں سرکشی کا اظہار کیا' خلیفہ نے قصر خلافت میں محصور ہو کر اور چھت پر چڑھ کر بلند آواز لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ قطب الدین قائماز کا مال و اسباب تمہارے لیے معاف ہے' یہ سنتے ہی لوگ اس کے گھر پر ٹوٹ پڑے اور ذرا سی دیر میں سب کچھ لوٹ لیا' قائماز بغداد سے فرار ہو کر حلہ پر پہنچا' وہاں سے موصل کی طرف جاتا تھا کہ راستہ میں مر گیا۔

۵۷۳ھ میں خلیفہ مستضیئ کا وزیر عضد الدین ابوالفرج محمد بن عبداللہ حج کے ارادے سے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا' راستہ میں ایک قرمطی نے دھوکے سے اس کو قتل کر دیا اس کے بعد خلیفہ نے ابو منصور ظہیر الدین بن نصر معروف بہ ابن عطاء کو قلمدان وزارت عطا کیا' ماہ ذیقعدہ ۵۷۵ھ خلیفہ مستضیئ بامر اللہ ساڑھے نو برس خلافت کرنے کے بعد فوت ہوا' وزیر ظہیر الدین بن عطاء نے اس کے بیٹے ابوالعباس احمد کو تخت خلافت پر بٹھایا' اس نے ناصر لدین اللہ کا لقب اختیار کیا۔

ناصرلدین اللہ

ناصرلدین اللہ بن مستضیئ بامر اللہ ۱۰ رجب ۵۵۳ھ کو ایک ترکی ام ولد موسومہ زمرد کے بطن سے پیدا ہوا اور ذی قعدہ ۵۷۵ھ میں اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا' بہت ذی ہوش' دور اندیش اور چوکس رہنے والا خلیفہ تھا' تخت نشین ہوتے ہی ممالک محروسہ اسلامیہ میں قاصد روانہ کیے گئے کہ خلیفہ کی بیعت امراء سے لیں' اس زمانہ میں ہمدان' اصفہان اور رے میں بہلوان بن ایلدکز حکومت کر رہا تھا' اس کے پاس بیعت لینے کے لیے شیخ الشیوخ صدر الدین روانہ کیے گئے تھے' بہلوان نے اول بیعت کرنے سے انکار کیا' مگر جب خود اسی کے سرداروں نے دھمکی دی کہ اگر آپ خلیفہ کی بیعت نہ کریں گے تو ہم منحرف ہو جائیں گے تو بہلوان نے بیعت کر لی' ایلدکز اتابک ۵۶۸ھ میں بمقام ہمدان فوت ہو گیا تھا' ایلدکز جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے ارسلان شاہ بن طغرل کا اتالیق و نگران تھا' ایلدکز نے ارسلان شاہ کی ماں سے چونکہ شادی کر لی تھی اس لیے ارسلان شاہ ایلدکز کا ربیب یعنی سوتیلا بیٹا تھا' ایلدکز کی وفات کے بعد ارسلان شاہ کا اتالیق ایلدکز کا بیٹا بہلوان ہوا۔

۵۷۳ھ میں ارسلان شاہ بھی فوت ہوا تو بہلوان نے ارسلان کے بیٹے طغرل بن ارسلان بن

طغرل کو اس کا جانشین کیا اور خود بلادِ مذکور کی حکومت کرتا رہا' ۵۸۲ھ میں جب بہلوان بن ایلدکز نے وفات پائی ہے تو ہمدان' رے' اصفہان' آذربائیجان اور ارمیںیا کے علاقے اس کے زیر حکومت تھے اور طغرل بن ارسلان اس کی کفالت میں تھا' بہلوان کے مرنے پر اس کا بھائی عثمان معروف بہ قزل ارسلان بن ایلدکز اس کا قائم مقام ہوا' طغرل بن ارسلان چند روز تو قزل ارسلان کی کفالت ونگرانی میں رہا' پھر اس سے علیحدہ ہو کر امراء کو اپنے ساتھ ملا کر بعض شہروں پر قابض ہو گیا' چنانچہ قزل ارسلان اور طغرل میں متعدد لڑائیاں ہوئیں' رفتہ رفتہ طغرل کی قوت بڑھتی گئی اور قزل ارسلان کمزور ہوتا گیا' قزل ارسلان نے دربار خلافت میں عرضی بھیجی اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار کر کے طغرل کی طاقت کے بڑھتے جانے سے دربار خلافت کے لیے بھی اندیشہ پیدا ہو جانے کے امکان کا اظہار کیا۔

خلیفہ ناصر لدین اللہ نے سلاطین سلجوقیہ کے محلوں کو جو بغداد میں بنے ہوئے تھے مسمار ومنہدم کرا دیا اور ابوالمظفر عبیداللہ بن یونس کو قزل ارسلان کی مدد کے لیے معہ لشکر روانہ کیا' عبیداللہ ابھی قزل ارسلان تک نہیں پہنچنے پایا تھا کہ ۱۸ ربیع الاول ۵۸۴ھ کو بمقام ہمدان طغرل سے مقابلہ ہو گیا' سخت لڑائی ہوئی' طغرل نے فتح پائی اور عبیداللہ گرفتار ہو گیا' بقیہ لشکر نے بغداد آ کر دم لیا' مگر اس کے بعد قزل ارسلان اور طغرل کی لڑائی ہوئی تو قزل ارسلان نے طغرل کے لشکر کو شکست دے کر طغرل کو گرفتار کر لیا اور قلعہ میں نظر بند کر دیا' اس کے بعد قزل ارسلان ہمدان' رے' اصفہان' وغیرہ کل صوبوں پر استقلال کے ساتھ حکومت کرنے لگا' اور اپنے نام کا سکہ' خطبہ جاری کیا' ۵۸۷ھ میں طغرل بحالت قید قتل کر دیا گیا اور دولت سلجوقیہ کا خاتمہ ہو گیا' جس حکومت وسلطنت کو طغرل بیگ نے قائم کیا تھا اس کا خاتمہ بھی اسی نام کے سلطان یعنی طغرل بیگ پر ہوا۔

۵۸۵ھ میں امیر عیسیٰ والی تکریت فوت ہوا تو اس کے بھائیوں نے تکریت پر قبضہ کیا' خلیفہ ناصر نے ایک فوج بھیج کر تکریت پر اپنا قبضہ کیا اور امیر عیسیٰ کے بھائیوں کو جاگیریں دے دیں' ۵۸۶ھ میں اسی طرح شرعانہ پر قبضہ کیا اور وہاں کے امیروں کو جاگیریں دیں' اس کے بعد ۵۹۱ھ میں خلیفہ ناصر نے خوزستان کی طرف فوجیں بھیج کر اس ملک پر بھی قبضہ کیا اور اپنی طرف سے طاشکین بن بجیر الدین کو خوزستان کی حکومت پر مامور کیا۔

ان ایام میں رے پر قتلغ بن بہلوان بن ایلدکز حکومت کر رہا تھا' خوارزم شاہ نے قتلغ کو شکست دے کر بھگا دیا اور اس علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا' موید الدین ابو عبداللہ محمد بن علی جس نے خوزستان کو خلیفہ کے حکم کے موافق فتح کر کے طاشکین کے سپرد کر دیا تھا' اپنی فوج لیے ہوئے روانہ ہونے کو تھا کہ قتلغ بن بہلوان اس کے پاس پہنچا اور رے کی طرف فوج کشی کرنے کی ترغیب دی' موید الدین قتلغ

کے ہمراہ ہمدان کی طرف گیا' جہاں خوارزم شاہ کا بیٹا لشکر لیے ہوئے پڑا تھا' وہ موید الدین کی خبر سن کر رے کی جانب چلا گیا اور موید الدین نے ہمدان پر بآسانی قبضہ کر لیا' پھر وہ ہمدان سے رے کی طرف روانہ ہوا' ابن خوارزم رے کو بھی چھوڑ کر چل دیا' موید الدین نے رے پر بھی قبضہ کر لیا اور رفتہ رفتہ اس تمام علاقے پر قابض ہو گیا جو قتلغ کے قبضہ میں پہلے تھا۔

خوارزم شاہ نے اول ایک ایلچی موید الدین کے پاس بھیجا اور کہا کہ اس ملک سے اپنا قبضہ اٹھالو' مگر موید الدین نے کہا کہ یہ ملک خلیفہ ناصرلدین اللہ کی فوج نے فتح کیا ہے ہرگز واپس نہ ہوگا' خوارزم شاہ نے ایک زبردست فوج لے کر ہمدان پر حملہ کیا' اسی اثناء میں ماہ شعبان ۵۹۲ھ موید الدین کا انتقال ہو گیا مگر اس کی فوج نے خوارزم شاہ کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا' آخر بغداد کی فوج کو افسر کے نہ ہونے کی وجہ سے شکست ہوئی اور خوارزم شاہ نے ہمدان پر قبضہ کر لیا' اس کے بعد خوارزم شاہ اصفہان پہنچا' اس کو بھی اپنے قبضہ میں لاکر اپنے بیٹے کی نگرانی میں دیا اور ایک زبردست فوج حفاظت کے لیے وہاں چھوڑی۔

اس کے بعد خلیفہ ناصرلدین اللہ نے سیف الدین طغرل نامی ایک سردار کو فوج دے کر اصفہان کی طرف روانہ کیا' سیف الدین نے ابن خوارزم شاہ کو بھگا کر اصفہان پر قبضہ کیا' پھر ہمدان' زنجان اور قزدین پر بھی قبضہ کر لیا اور یہ علاقے خلیفہ ناصرلدین اللہ کے قبضہ وتصرف میں آگئے۔

۶۰۲ھ میں طاشتکین امیر خوزستان نے وفات پائی' خلیفہ ناصر نے اس کی جگہ اس کے داماد سنجر کو مامور فرمایا' ۶۰۶ھ میں خلیفہ کے دل میں سنجر کی طرف سے ناراضی پیدا ہوئی' اس زمانہ میں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے فارس کی حکومت اتابک سعد زنگی بن وکلا کے ہاتھ میں تھی' خلیفہ نے سنجر کی سرکوبی کے لیے اپنے نائب وزیر کو فوج دے کر روانہ کیا کہ خوزستان پہنچ کر سنجر کو سزا دو' جس وقت نائب وزیر خوزستان کے قریب پہنچا سنجر خوزستان کو چھوڑ کر سعد زنگی کے پاس فارس چلا گیا' سعد نے سنجر کی خوب خاطر مدارات کی' ماہ ربیع الاول ۶۰۶ھ میں خلیفہ کی فوج نے خوزستان پر قبضہ کر لیا اور سنجر کو طلب کیا' سنجر نے انکار کیا' لہٰذا لشکر بغداد فارس کے دارلسلطنت شیراز کی طرف بڑھا' اتابک سعد زنگی نے سنجر کی سفارش کے خطوط نائب وزیر کو لکھے' آخر سنجر نائب وزیر کے پاس چلا گیا اور وہ محرم ۶۰۸ھ میں سنجر کو ہمراہ لیے ہوئے بغداد واپس آیا اور پابہ زنجیر دربار خلافت میں پیش کیا' خلیفہ نے اپنے خادم یاقوت نامی کو خوزستان کی حکومت پر مامور کر کے بھیج دیا اور سنجر کو آزاد کر کے خلعت دیا۔

محرم ۶۱۳ھ میں خلیفہ نے اپنے پوتے موید بن علی بن ناصرلدین اللہ کو تشتر (من مضافات خوزستان) کی امارت پر روانہ کیا' اس کا باپ علی ذیقعدہ ۶۱۲ھ میں فوت ہو چکا تھا' اغلمش بہلوان بن

ایلدکز کے سرداروں میں سے تھا' اس نے اپنی بہادری اور دانائی کے ذریعہ بلاد جبل پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کی حکومت استقلال کے ساتھ قائم ہو چکی تھی' ۶۱۴ھ میں اس کو فرقہ باطینہ (قرامطہ) نے قتل کر ڈالا' اغلمش کے قتل ہونے پر اس کے مقبوضہ ملک پر ایک طرف اتابک سعد بن وکلا حاکم فارس نے قبضہ کرنا چاہا' دوسری طرف خوارزم شاہ حاکم خراسان و ماوراء النہر نے قابض ہونا چاہا' اتابک سعد زنگی نے فوج لے جا کر اصفہان کو فتح کیا' ادھر سے خوارزم شاہ مع فوج آ رہا تھا' مقام رے میں دونوں کا مقابلہ ہوا' سخت خونریز جنگ کے بعد اتابک سعد کو شکست ہوئی' خوارزم شاہ نے اس کو گرفتار کر لیا اور اغلمش کے تمام مقبوضہ ملک پر قابض ہو کر دارالخلافہ بغداد میں اپنا خطبہ بطور نائب السلطنت پڑھے جانے کی درخواست خلیفہ کے پاس بھیجی' وہاں سے انکاری جواب آیا۔

خوارزم شاہ نے فوج بغداد کی طرف روانہ کی مگر راستے میں اس قدر برف باری ہوئی کہ اس فوج کا اکثر حصہ ہلاک ہو گیا' باقی کو ترکوں اور کردوں نے لوٹ لیا' بقیہ لوگ بحالت زار خوارزم شاہ کے پاس واپس آ گئے' خوارزم شاہ نے اس کو بدفالی سمجھ کر خراسان کی جانب معاودت کی' تو مفتوحہ ملک پر اپنے بیٹے رکن الدین کو مامور کر کے عماد الملک ساوی کو اس کا مدار المہام بنایا اور اپنے ممالک مقبوضہ سے خلیفہ ناصر کے نام کا خطبہ موقوف کر دیا' یہ ۶۱۵ھ کا واقعہ ہے۔

قبیلہ تاتار کا خروج

۶۱۶ھ میں قبیلہ تاتار نے جو طمغاج علاقہ چین کے پہاڑوں میں رہتا تھا خروج کیا' ان لوگوں کا وطن ترکستان سے چھ مہینے کی مسافت پر تھا' اس قبیلہ کے سردار کا نام چنگیز خان تھا جو ترکوں کے قبیلہ تمرجی سے تعلق رکھتا تھا' چنگیز خان نے ترکستان و ماوراء النہر پر فوج کشی کی اور ترکان خطا سے ان ملکوں کو چھین کر خود قابض ہو گیا۔

اس کے بعد خوارزم شاہ پر حملہ آور ہوا اور خراسان و بلاد جبل کو اس کے قبضے سے نکال لیا' اس کے بعد ارانیہ اور شروان پر قابض ہوا' انھیں تاتاریوں کا ایک گروہ غزنی' سجستان' کرمان وغیرہ کی طرف گیا' خوارزم شاہ ان تاتاریوں سے شکست کھا کر طبرستان کے کسی مقام میں جا کر ۶۱۷ھ میں اکیس سالہ حکومت کے بعد فوت ہو گیا' خوارزم شاہ کو شکست دینے کے بعد تاتاریوں نے اس کے بیٹے جلال الدین بن خوارزم شاہ کو غزنی میں شکست دی اور چنگیز خان دریائے سندھ تک اس کا تعاقب کرتا ہوا چلا گیا' جلال الدین دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہو گیا' چند روز ہندوستان میں رہ کر ۶۲۲ھ میں خوزستان و عراق کی جانب چلا گیا اور آذربائیجان و آرمینیا پر قابض ہو گیا' یہاں تک

کہ مظفر کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

چنگیز خان اور اس کی ملک گیریوں کے حالات بعد میں مفصل بیان کیے جائیں گے' آخر ماہ رمضان ۶۲۲ھ میں ۴۷ سال کی خلافت کے بعد خلیفہ ناصرلدین اللہ نے وفات پائی۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ خوارزم شاہ نے چونکہ خلیفہ سے منازعت کی تھی اور خلیفہ کا خطبہ اپنے ممالک مقبوضہ میں موقوف کر دیا اس لیے خلیفہ ناصرلدین اللہ ہی نے چنگیز خان کو خراسان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی تھی کیونکہ خوارزم شاہ کو خود سزا دینا اور اس سے انتقام لینا خلیفہ کے لیے آسان نہ تھا' ناصرلدین اللہ نے اپنے جاسوس تمام ملکوں اور شہروں میں پھیلا رکھے تھے' وہ لوگوں کے معمولی کاموں اور باتوں سے بھی واقف رہنے کی کوشش کیا کرتا تھا' اکثر لوگوں کو اس کی نسبت شبہ تھا کہ جنات اس کے تابع ہیں اور وہی اس کو خبریں دیتے ہیں' سیاسی چالیں چلنا خوب جانتا تھا' ملکوں میں اس کا رعب خوب قائم ہو گیا تھا' مگر رعایا اس سے خوش نہ تھی اور اس کی سخت گیریوں اور سخت سزاؤں سے نالاں تھی' اسی خلیفہ کے زمانہ میں ۵۸۳ھ میں سلطان صلاح الدین نے رومیوں سے بہت سے شہر فتح کیے' بیت المقدس بھی ۹۱ سال کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔

۵۸۹ھ میں سلطان صلاح الدین یوسف فاتح بیت المقدس نے وفات پائی' اسی خلیفہ کے عہد میں ابوالفرح ابن جوزی' امام فخر الدین رازی' نجم الدین کبریٰ' قاضی خان صاحب النقادیٰ صاحب الہدایہ وغیرہ نے وفات پائی' خلیفہ ناصرالدین اللہ کے بعد اس کا بیٹا ابونصر محمد تخت نشین ہوا اور اس نے اپنا لقب ظاہر بامر اللہ اختیار کیا۔

ظاہر بامر اللہ

ظاہر بامر اللہ بن ناصرالدین اللہ ۵۷۱ھ میں پیدا ہوا' باون سال کی عمر میں اپنے باپ کے بعد یکم شوال ۶۲۲ھ کو تخت نشین ہوا' اس نے تخت پر بیٹھتے ہی عدل وانصاف کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی' رعایا کو آرام پہنچایا' تمام ٹیکس معاف کر دیئے' لوگوں کی جائدادیں جو پہلے خلفاء نے ضبط کی تھیں سب واپس کر دیں' مقروض لوگوں کے قرضے خود ادا کر دیتا تھا' اس خلیفہ کا قول تھا کہ میں نے شام کے وقت دوکان کھولی ہے' مجھے نیکیاں کر لینے دو' ایک مرتبہ خلیفہ خزانہ کی طرف نکل آیا' ایک غلام نے کہا کہ یہ خزانہ آپ کے والد کے زمانہ میں بھرا رہتا تھا' خلیفہ نے کہا مجھے ایسی کوئی تدبیر قابل عمل معلوم نہیں ہوئی کہ یہ پھر بھر جائے' مجھ کو تو خزانہ خالی کرنا ہی آتا ہے' خزانہ کا جمع کرنا تو سوداگروں کا کام ہے۔

علماء کو خاص طور پر اس خلیفہ نے بہت مال و دولت دیا' اس خلیفہ کا زمانہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز

کے زمانہ سے مشابہ تھا' ملک میں بھی امن وامان رہا اور رعایا اس کے عدل وانصاف سے بے حد مسرور اور خوش تھی' مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی اور صرف ساڑھے نو مہینے خلافت کر کے ۱۵ ارجب ۶۲۳ھ کو فوت ہوا' اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو جعفر منصور تخت نشین ہوا اور اپنا لقب مستنصر باللہ تجویز کیا۔

ابو جعفر مستنصر باللہ

مستنصر باللہ بن ظاہر بامر اللہ ۵۸۸ھ میں ایک ترکیہ ام ولد کے پیٹ سے پیدا ہوا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد رجب ۶۲۳ھ میں تخت نشین ہوا' یہ خلیفہ اخلاق فاضلہ میں اپنے باپ سے بہت مشابہ تھا' اس نے عدل وانصاف کے قائم رکھنے میں اپنے باپ کی طرح کوشش کی' دین ومذہب کی پابندی کا اس کو خاص طور پر شوق تھا' بغداد میں اس نے مدرسہ مستنصریہ بنایا اور بڑے بڑے علماء مدرس پر مقرر کیے' اس مدرسہ کی تعمیر کا کام ۶۲۵ھ میں شروع ہو کر ۶۳۱ھ میں ختم ہوا' اس مدرسہ میں ایک کتب خانہ قائم کیا جس میں ایک سو ساٹھ اونٹ پر لاد کر نہایت نفیس ونایاب کتابیں داخل کی گئیں' حدیث' نحو' طب' اور فرائض کے استاد الگ الگ مقرر کیے گئے' ان سب کے کھانے پینے' مٹھائی' میوے اور دوسری چیزوں کا انتظام مدرسہ کی طرف سے ہوتا تھا' بہت سے گاؤں اس مدرسہ کے لیے وقف تھے۔

۶۲۸ھ میں ملک اشرف نے دار الحدیث اشرفیہ کی بنیاد رکھی' ۶۳۰ھ میں اس کی تکمیل ہوئی' ۶۲۹ھ میں محمد بن یوسف بن قلج ارسلان بن سلیمان بن قتلمش بن اسرائیل بن سلجوق جو ایشیائے کوچک کے اکثر حصہ پر قابض ومتصرف تھا فوت ہوا اور اس کا بیٹا غیاث الدین کیخسرو تخت نشین ہوا' ۶۴۱ھ میں تاتاریوں نے غیاث الدین کیخسرو پر چڑھائی کر کے شکست دی اور غیاث الدین کیخسرو نے تاتاریوں کی اطاعت قبول کر کے باج گذاری منظور کی' اس طرح سلاجقہ روم کی دو صد سالہ حکومت کا خاتمہ ایشیائے کوچک میں ہو گیا' غیاث الدین کیخسرو تاتاریوں کی باج گذاری میں ۶۵۶ھ تک حکومت کر کے فوت ہوا' اسی زمانہ میں خاندان عثمانیہ کے مورث اعلیٰ نے سلطنت عثمانیہ کے ایوان رفیع کی بنیادی اینٹ رکھی تھی جس کا حال بعد میں مفصل بیان کیا جائے گا۔

خلیفہ مستنصر نے ملک کے انتظام اور عدل وانصاف کے قیام میں بہت کوشش کی مگر چونکہ ترکوں اور تاتاریوں نے یکے بعد دیگرے ولایتوں اور صوبوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور جلد جلد ایک کے بعد دوسرا ملک ان کے قبضے میں آتا گیا' لہٰذا خلیفہ کی آمدنی کم ہو گئی' صلاح الدین یوسف کی سلطنت جو شام ومصر پر مشتمل تھی' صلاح الدین کے وارثوں کی نااتفاقیوں سے برباد ہو رہی۔

تاتاریوں کے سیلاب نے ماوراء النہر سے بحر روم اور بحر اسود تک کے تمام ملکوں کو تاخت و

تاراج کر ڈالا تھا' تاہم ملک عراق پر خلیفہ کا قبضہ تھا اور تاتاریوں (مغلوں) کے دلوں پر خلیفہ بغداد کا اس قدر رعب قائم تھا کہ وہ خلیفہ کے مقبوضہ ملک کی طرف نگاہ نہیں کر سکتے تھے' اور جس طرح خراسان' آذربائیجان' موصل' شام وغیرہ کے سلاطین خلیفہ کی ناراضی سے ڈرتے تھے' اسی طرح مغل بھی خلیفہ بغداد کی سیادت کو تسلیم کرتے اور کسی قسم کی گستاخی کا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے' یہ تاتاری (مغل) چونکہ آفتاب پرست تھے اور سلجوقیوں کی طرح مسلمان ہو کر نہیں آئے تھے لہٰذا ان کو اس کی پرواہ ہی نہ تھی کہ کس کے نام کا خطبہ مسجدوں میں پڑھا جاتا ہے لہٰذا ان کے مفتوحہ ممالک میں بدستور خلیفہ بغداد کا خطبہ جاری تھی اور اسی لیے خلیفہ کو اطمینان تھا' تاتاریوں کے اس سیلاب کو دیکھ کر خلیفہ مستنصر کا بھائی خفاجی نامی جو مستنصر سے زیادہ بہادر و اولوالعزم تھا کہا کرتا تھا کہ اگر میں خلیفہ ہو جاؤں تو دریائے جیحوں کے پار تک ان تاتاریوں کا نام ونشان مٹا کر چھوڑوں۔

۶۴۱ھ میں خلیفہ مستنصر فوت ہوا تو لوگوں نے اس کے بھائی خفاجی کو تخت پر نہ بٹھایا جو ہر طرح قابل اور مستحق خلافت تھا' بلکہ مستنصر کے بیٹے ابواحمد عبداللہ کو اس لیے ترجیح دی کہ ابواحمد عبداللہ نرم مزاج' سادہ لوح تھا' اراکین سلطنت ایسے ہی خلیفہ کو پسند کرتے تھے تاکہ ان کے اقتدار و حکومت میں ترقی ہو' چنانچہ ابواحمد عبداللہ نے مستعصم باللہ کے لقب سے تخت خلافت پر جلوس کیا۔

مستعصم باللہ

مستعصم باللہ بن مستنصر باللہ ۶۹۰ھ میں ایک ام ولد موسومہ ہاجر کے بطن سے پیدا ہوا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا' اس خلیفہ میں علو ہمت اور بیدار مغزی کی کمی تھی' اگرچہ خود دینداری اور ابتاع سنت کی طرف مائل تھا مگر اپنا وزیر موید الدین ابن علقمی کو بنایا جو غالی شیعہ تھا' ابن علقمی نے عہدہ وزارت فائز ہوتے ہی خلیفہ کو کٹھ پتلی کی طرح اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کو عضو معطل بنا کر سیاہ و سفید کا مالک و مختار بن گیا' ابن علقمی نے شیعوں کو آگے بڑھانا اور ہر قسم کی رعاتیوں سے مستفید کرنا شروع کیا' دیلمیوں کے زمانہ میں جو بدعات جاری تھیں ان کو پھر زندہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ سنیوں کے وہی فسادات پھر برپا ہونے لگے جو دیلمیوں کے عہد اقتدار میں برپا رہتے تھے' ساتھ ہی ابن علقمی اس کوشش میں مصروف ہوا کہ کسی طرح عباسیوں کا نام ونشان گم کر کے بغداد میں علویوں کی خلافت قائم کروں' بغداد میں بعض سمجھدار اور ابن علقمی کے ان فاسد خیالات سے خبردار لوگ بھی تھے' انہوں نے خلیفہ کو ابن علقمی کی غدارانہ کوششوں اور منصوبوں سے آگاہ کیا' خلیفہ اس قدر احمق اور پست ہمت تھا کہ اس نے ان لوگوں کی تمام باتوں کو خود ابن علقمی سے بیان کیا' ابن علقمی نے فوراً

اپنی وفاداری اور فرماں برداری کا یقین دلا کر ان لوگوں کو غدار و فتنہ پرداز بتایا اور خلافت مآب کو اس کا یقین آ گیا' ابن علقمی کا اقتدار اور بھی زیادہ بڑھ گیا۔ اور خیر خواہوں کی زبانیں نصیحت گری سے بالکل بند ہو گئیں' اس کے بعد ابن علقمی نے خلیفہ کو لہو و لعب اور شراب نوشی کی طرف مائل کر دیا اور اندیشہ سے محفوظ ہو گیا' چند روز کے بعد خلیفہ کے بیٹے ابوبکر نے شیعوں کی دست درازیوں کے روکنے کو خود بغداد کے محلہ کرخ پر حملہ کیا جو بالکل شیعوں کی آبادی تھی اور ابن علقمی کی نسبت بھی سخت سست الفاظ کہے اس سے ابن علقمی کو سخت ملال ہوا اور خلیفہ سے شکایت کی غداری میں اور بھی اضافہ ہو گیا' اس نے چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان سے جو تاتاریوں کا سردار اعظم اور خراسان وغیرہ ممالک کا بادشاہ تھا' خط و کتابت شروع کی' ہلاکو خان کے پاس جب ابن علقمی کا پہلا خط پہنچا تو ہلاکو خان نے اس پر زیادہ توجہ نہ کی ابن علقمی نے لکھا تھا کہ میں بڑی آسانی سے بلا جدال و قتال خلیفہ' بغداد اور عراق کے ملک پر آپ کا قبضہ کرا دوں گا' آپ اس طرف ضرور فوج کشی کریں' اس کے جواب میں ہلاکو خاں نے ابن علقمی کے ایلچی سے صرف یہ کہا کہ ''ابن علقمی جو وعدہ کرتا ہے اس کے لیے کوئی کافی ضمانت نہیں ہے' ہم اس کی بات پر کس طرح یقین کر لیں'' حقیقت یہ تھی خلیفہ کی کثرت افواج' عربوں کی بہادری اور اہل بغداد کی شجاعت سے مغل بہت مرعوب تھے' ابن علقمی نے خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر محاصل ملکی کی کمی اور فوج کی تنخواہوں کے زیادہ ہونے کی شکایت کر کے تخفیف لشکر کی تجویز پیش کی اور خلیفہ نے منظور کر لی' لشکر بغداد کا بڑا حصہ دوسرے شہروں اور ولایتوں میں منتشر کر دیا گیا' جو تھوڑے سے آدمی بچے ان کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے یہ صورت اختیار کی بازار کا محصول وصول کرنے کی لشکریوں کو اجازت دے دی' اس سے شہر والوں کو سخت اذیت پہنچی اور لوٹ مار کا بازار شہر میں گرم ہو گیا' فوج کے بہت سے دستوں کو وزیر ابن علقمی نے موقوف کر کے نکال دیا اور خلیفہ سے کہہ دیا کہ ان کو تاتاریوں کی روک تھام کے لیے سرحد پر روانہ کیا گیا ہے مقام حلہ میں شیعوں کی آبادی زیادہ تھی' حلہ کے شیعوں کو آمادہ کر کے ان سے ہلاکو کے پاس خطوط بھجوائے جن میں لکھا تھا کہ ہمارے بزرگوں نے بطور پیش گوئی ہم کو خبر دی تھی کہ فلاں سنہ میں فلاں تاتاری سردار بغداد اور عراق پر قبضہ کر لے گا' ان کی پیش گوئی کے موافق آپ ہی وہ فاتح سردار ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ آپ کا قبضہ اس ملک پر ہونے والا ہے لہٰذا ہم قبل از وقت اپنی فرماں برداری کا اقرار کرتے اور آپ سے اپنے لیے امن طلب کرتے ہیں ہلاکو خان نے ان کے قاصد کو بخوشی امن نامہ لکھ کر دے دیا' ہلاکو خان کے دربار میں نصر الدین طوسی کو بڑا رسوخ حاصل تھا اور وہ وزارت کی خدمات انجام دیتا تھا' نصر الدین طوسی بھی ابن علقمی کی طرح غالی شیعہ تھا اور ابن علقمی کے اس مقصد میں کہ عباسیوں کو برباد کر کے شیعہ خلافت قائم کی جائے بدل شریک و معاون تھا' ابن

علقمی نے نصیر الدین کو خط لکھا کہ جس طرح ممکن ہو ہلاکو
خاں کو بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دو' اس وقت عباسیوں کی تباہی کے لیے بہترین موقعہ حاصل ہے' ساتھ ہی ہلاکو خاں کے نام عریضہ روانہ کیا' اور لکھا کہ میں نے بغداد کو فوجوں سے خالی کر دیا ہے اور سامان حرب سب باہر بھیج دیا ہے اس سے بڑھ کر آپ اور کیا ضمانت چاہتے ہیں' اس عریضہ کے ساتھ ہی والی اربل سے ایک درخواست بھجوائی' اس میں بھی بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دی گئی تھی' ہلاکو کے پاس یہ خطوط اس وقت پہنچے جب کہ وہ قرامطہ یعنی اسماعیلیوں سے قلعہ الموت فتح کر چکا تھا اور اسمٰعیلیوں کا آخری بادشاہ گرفتار ہو کر اس کے سامنے آ چکا تھا' ہلاکو خان نے نصیر الدین طوسی سے مشورہ طلب کیا' نصیر الدین نے کہا علم نجوم سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بغداد پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا اور بغداد پر حملہ آور ہونے میں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا' چنانچہ ہلاکو خاں نے ایک زبردست فوج بطور مقدمتہ الجیش بغداد کی جانب کوچ کیا' جب اس لشکر کے قریب پہنچنے کی خبر مستعصم باللہ نے سنی تو فتح الدین داؤدا اور مجاہدین ایبک کو دس ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا' اس لشکر کا سپہ سالار فتح الدین تھا جو تجربہ کار سپہ سالار اور بہادر شخص تھا' مغلوں کے لشکر کو شکست ہوئی اور وہ میدان جنگ سے فرار ہوئے' فتح الدین نے اسی جگہ قیام کرنا مناسب سمجھا مگر مجاہدین نے اپنی ناتجربہ کاری سے تعاقب کرنے پر اصرار کیا' فتح الدین نے مجبوراً مغلوں کا تعاقب کیا' نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں نے لوٹ کر مقابلہ کیا' پیچھے سے وہ مغل جو کمین گاہ میں چھپ گئے تھے حملہ آور ہوئے' لشکر بغداد بیچ میں گھر کر حواس باختہ ہو گیا' فتح الدین میدان جنگ میں مارا گیا اور مجاہدین نے بھاگ کر بغداد میں دم لیا' مجاہدین ہی کی بدتدبیری سے لشکر بغداد کی فتح شکست سے تبدیل ہو گئی' مگر خلیفہ مستعصم نے اپنی فطری حماقت سے اس بھگوڑے سردار کو دیکھ کر تین مرتبہ کہا الحمدللہ علی سلامتہ مجاھد الدین' گو لشکر بغداد کو شکست ہوئی مگر ہلاکو خاں کا مقدمتہ الجیش بھی پریشان و مجروح ہو چکا تھا اس لیے خلیفہ مستعصم مطمئن تھا کہ رسیدہ بود بلائے دے بخیر گذشت' مگر ابن علقمی جس نے خلیفہ کو اب تک بالکل بے خبر رکھا تھا اپنے دل میں خلیفہ کی حماقت پر ہنس رہا تھا کہ اتنے میں یکایک خبر مشہور ہوئی کہ ہلاکو خاں نے افواج کثیر کے ساتھ بغداد کا محاصرہ کر لیا ہے' اہل شہر نے مدافعت کی کوشش کی اور پچاس روز تک تاتاریوں کو شہر میں نہیں گھسنے دیا' شہر کے شیعوں نے ہلاکو خاں کے لشکر میں جا جا کر امن حاصل کیا اور شہر کے حالات سے مطلع کیا' وزیر ابن علقمی شہر کے اندر ہی رہا اور برابر ہلاکو خاں کے پاس دم بدم کی خبریں بھیجتا رہا' چونکہ وزیر کو اہل شہر سے ہمدردی نہ تھی' لہٰذا اہل شہر دم بدم کمزور و پریشان ہوتے گئے' آخر وزیر ابن علقمی اول شہر سے نکل کر ہلاکو خان سے ملا اور صرف اپنے لیے امن طلب کر کے واپس آیا اور خلیفہ سے کہا کہ میں نے آپ کے

لیے بھی امن حاصل کر لی ہے' آپ ہلاکو خان کے پاس چلیں وہ آپ کو ملک عراق پر اسی طرح قابض و متصرف رکھے گا جیسا کہ غیاث الدین' کیخسر وکو تاتاریوں نے اس کے ملک پر حاکم وفرمان روا رکھا ہے' خلیفہ معہ اپنے بیٹے کے شہر سے نکل کر ہلاکو خان کے لشکر میں پہنچا' ہلاکو خان نے خلیفہ کو دیکھ کر کہا کہ اپنے اراکین سلطنت اور شہر کے علماء وفقہا کو بھی آپ بلوائیں' خلیفہ کو ہلاکو خان نے اپنے لشکر میں روکے رکھا' خلیفہ کا حکم سن کر علماء وفقہا اور اراکین سلطنت شہر سے نکل کر لشکر تاتار میں آئے' ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا گیا' اس کے بعد ہلاکو نے خلیفہ سے کہا کہ تم شہر میں پیغام بھیج دو کہ اہل شہر ہتھیار رکھ کر سب خالی ہاتھ شہر سے باہر آ جائیں' مستعصم نے یہ پیغام بھی شہر میں بھیج دیا' اہل شہر باہر نکلے اور تاتاریوں نے ان کو قتل کرنا شروع کیا' شہر کے تمام سوار و پیادے اور شرفا کھیرے ککڑی کی طرح کئی لاکھ کی تعداد میں مقتول ہوئے' شہر کی خندق ان لاشوں سے ہموار ہو گئی پھر دریائے دجلہ میں ان مقتولوں کے خون کی کثرت سے پانی سرخ ہو گیا' تاتاری لوگ شہر میں گھس پڑے عورتیں اور بچے اپنے سروں پر قرآن شریف رکھ رکھ کر گھروں سے نکلے مگر تاتاریوں کی تلوار سے کوئی بھی نہ بچ سکا' ہلاکو خان نے اپنے لشکر کو قتل عام کا حکم دیا تھا بغداد اور اس کے مضافات میں تاتاریوں نے چن چن کر لوگوں کو قتل کیا' بغداد میں صرف چند شخص جو کنویں یا اسی قسم کی کسی پوشیدہ جگہ میں چھپے ہوئے وہ گئے بچ گئے باقی کوئی متنفس زندہ نہیں چھوڑا گیا' اگلے دن بروز جمعہ ۹ صفر ۶۵۶ھ کو ہلاکو خان خلیفہ مستعصم کو ہمراہ لیے ہوئے بغداد میں داخل ہوا' قصر خلافت میں داخل ہو کر اجلاس کیا' خلیفہ کو سامنے بلوایا اور کہا کہ ہم تمہارے مہمان ہیں' ہمارے لیے کچھ حاضر کرو' خلیفہ پر اس قدر دہشت طاری تھی کہ وہ کنجیوں کو پہچان نہ سکا آخر خزانے کے تالے توڑے گئے' دو ہزار نہایت نفیس پوشاکیں ہزار دینار اور سونے کے زیورات ہلاکو کے سامنے پیش کیے گئے' اس نے کہا کہ یہ چیزیں تو تم نہ بھی دیتے جب بھی ہماری ہی تھیں یہ کہہ کر اپنے درباریوں میں سب کو تقسیم کر دیا اور کہا کہ ان خزانوں کا پتہ بتاؤ جن کا حال کسی کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں مدفون ہیں خلیفہ نے فوراً ان خزانوں کا پتہ بتایا' زمین کو کھود کر دیکھا گیا تو جواہرات اور اشرفیوں کی تھیلیوں سے بھرے ہوئے حوض نکلے' ہلاکو خان کی فوج کے ہاتھ سے بغداد اور مضافات بغداد میں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان مقتول ہوئے اور یہ تمام زہرہ گداز نظارے خلیفہ مستعصم کو دیکھنے پڑے ہلاکو خان نے خلیفہ کو بے آب ودانہ نظر بند رکھا' خلیفہ کو بھوک لگی اور کھانا مانگا تو ہلاکو خان نے حکم دیا کہ ایک طشت جواہرات کا بھر کر سامنے لے جاؤ اور کہو کہ اسے کھاؤ' خلیفہ نے کہا میں ان کو کیسے کھا سکتا ہوں' ہلاکو خان نے کہلا بھیجا کہ تم جس چیز کو کھا نہیں سکتے اس کو اپنی اور لاکھوں مسلمانوں کی جان بچانے کے لیے کیوں نہ خرچ کیا اور سپاہیوں کو کیوں نہ دیا کہ وہ تمہاری طرف سے

لڑتے اور تمہارا موروثی ملک بچاتے اور ہماری دست برد سے محفوظ رکھتے' اس کے بعد ہلاکو خان نے مستعصم کے قتل کرنے کا مشورہ اپنے اراکین سے کیا' سب نے قتل کرنے کی رائے دی' مگر نصیر الدین طوسی و علقمی نے یہ ستم ظریفی کی کہ ہلاکو خان سے عرض کیا کہ مستعصم مسلمانوں کا خلیفہ ہے اس کے خون سے تلوار کو آلودہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ نمدے میں لپیٹ کر لاتوں سے کچلوانا چاہیئے' چنانچہ یہ کام ابن علقمی کے سپرد ہوا اور اس نے اپنے آقا مستعصم باللہ کو نمدے میں لپیٹ کر اور ایک ستون سے باندھ کر اس قدر لاتیں لگوائیں کہ خلیفہ کا دم نکل گیا پھر اس کی لاش کو زمین میں ڈال کر مغل سپاہیوں کے پاؤں سے کچلوا کر پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کرا دیا اور خود دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہا کہ میں علویوں کے خون کا بدلہ لے رہا ہوں' غرض خلیفہ کی لاش کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا' اور خاندان عباسیہ کا کوئی شخص بھی جو مغلوں کے قبضہ میں آیا زندہ نہ بچ سکا۔

اس کے بعد ہلاکو خان نے شاہی کتب خانہ کی طرف توجہ کی جس میں بے شمار کتابوں کا ذخیرہ تھا یہ تمام کتابیں دریائے دجلہ میں پھینک دی گئیں جس سے دجلہ میں ایک بند سا بندھ گیا اور بتدریج پانی سب کو بہا کر لے گیا' دجلہ کا پانی جو اس سے پہلے مقتولین کے خون سے سرخ ہو رہا تھا اب ان کتابوں کی سیاہی سے سیاہ ہو گیا اور عرصہ تک سیاہ رہا' تمام شاہی محلات لوٹ لینے کے بعد مسمار کر دیئے گئے' غرض یہ ایسی عظیم الشان خون ریزی اور بربادی تھی جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی' اسلام پر یہ ایسی مصیبت آئی تھی کہ لوگوں نے اس کو قیامت صغریٰ کے نام سے تعبیر کیا ہے[1] ابن علقمی نے جو اس تمام بربادی و خون ریزی کا باعث ہوا تھا' اب کوشش کی کہ ہلاکو خان بغداد پر حملہ آور ہوا ہے تو ابن علقمی کو بہتری کی توقع دلا دی گئی تھی اور اس کو یقین تھا کہ ہلاکو خان کسی ہاشمی علوی کو خلیفہ بنا کر مجھ کو اس کا نائب السلطنت بنا دے گا لیکن ہلاکو خان نے عراق میں اپنے حاکم مقرر کر دیئے' یہ دیکھ کر ابن علقمی بہت پریشان ہوا بڑی بڑی چالیں چلا اور اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ہلاکو خان کی خدمت میں گڑگڑایا اور خوشامدانہ التجائیں کیں مگر ہلاکو خان نے اس کو اس طرح دھتکار دیا جیسے کتے کو دھتکار دیتے ہیں' چند روز تک ابن علقمی ادنیٰ غلاموں کی طرح تاتاریوں کے ساتھ ساتھ ان کی جوتیاں سیدھی کرتا پھرا' آخر اسی ناکامی کے صدمہ سے بہت جلد مر گیا' خلیفہ مستعصم باللہ خلفاء عباسیہ کا آخری خلیفہ تھا جس نے بغداد میں خلافت کی' ۶۵۶ھ کے بعد بغداد دارالخلافہ نہیں رہا' خلیفہ مستعصم کے بعد دنیا میں ساڑھے تین سال تک کوئی خلیفہ نہ تھا' اس کے بعد رجب ۶۵۹ھ میں مستعصم باللہ کے چچا ابو القاسم

---

[1] اگرچہ محاورتاً اہل زبان بڑے مصائب کو قیامت صغریٰ سے تعبیر کر لیتے ہیں' جس سے ان کا مقصد اس مصیبت یا تکلیف کی شدت کو بیان کرنا ہوتا ہے! لیکن بہرحال ایسے مصائب کو قیامت پر تطبیق دینا یا قیاس کرنا درست نہیں۔

احمد کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی۔

خلفائے عباسیہ مصر میں

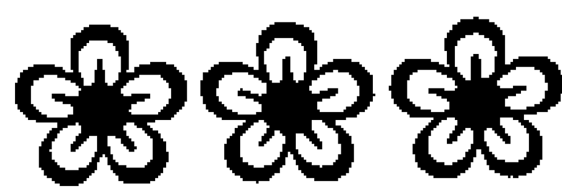
سلطان صلاح الدین بن ایوب نے حکومت عبیدیہ کے بعد مصر میں دولت ایوبیہ کی بنیاد ڈالی تھی جس کا اجمالی تذکرہ اوپر ہو چکا ہے' ۶۴۸ھ تک مصر' شام اور حجاز کی حکومت سلطان صلاح الدین کے خاندان میں رہی' سلطان صلاح الدین چونکہ کرد قوم سے تھے اس لیے دولت ایوبیہ کو دولت کردیہ بھی کہتے ہیں' دولت ایوبیہ کا ساتواں بادشاہ الملک الصالح تھا جو سلطان صلاح الدین کے بھائی کا پرپوتا تھا' اس نے اپنے خاندانی رقیبوں کے خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے علاقہ کوہ قاف یعنی صوبہ سرکیشیا کے بارہ ہزار غلام خرید کر اپنی حفاظت کے لیے ایک جدید آئینی پیدل فوج قائم کی' اس کے عہد سلطنت میں فرانس کے عیسائی بادشاہ نے مصر پر جہازوں کے ذریعہ فوج لا کر حملہ کیا' مملوک فوج نے نہایت بردباری کے ساتھ مقابلہ کر کے فرانس کے بادشاہ کو میدان جنگ میں گرفتار کر لیا' اس کارنامہ کے بعد مملوک فوج کا مرتبہ اور بھی بلند ہو گیا الملک الصالح کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ملک معظم توران شاہ تخت نشین ہوا' مگر دو ہی مہینے کے بعد تخت سلطنت پر الملک الصالح کی محبوب کنیز شجرۃ الدر نامی قابض ہو گئی' اس ملکہ کے عہد حکومت میں بے چینی و سرکشی کے آثار نمایاں ہوئے' بلکہ شجرۃ الدر تین مہینے سلطنت کرنے کے بعد گوشہ نشین ہو گئی اور برائے نام خاندان ایوبیہ کا ایک شخص الملک الاشرف موسیٰ بن یوسف تخت نشین ہوا' اس کے عہد حکومت میں مملوکوں کا زور اور بھی ترقی کر گیا' آخر ۶۵۰ھ میں مملوکوں نے اپنی جماعت میں سے ایک شخص عزیز الدین ایبک صالحی کو الملک المعز کے لقب سے تخت نشین کیا اور مصر میں خاندان ایوبیہ کی حکومت کا سلسلہ ختم ہو کر مملوکیوں یعنی غلاموں کی حکومت شروع ہوئی جو عرصہ دراز تک رہی ۶۵۵ھ میں الملک المعز کے بعد اس کا نوعمر بیٹا علی تخت نشین ہوا اور اس کا لقب الملک المنصور رکھا گیا اور امیر سیف الدین مملوک اس کا اتابک مقرر ہوا' ۶۵۷ھ میں مملوکیوں علماء سے فتویٰ حاصل کر کے الملک المنصور کو اس لیے معزول کیا گیا کہ وہ ابھی بچہ تھا اس کی جگہ امیر سیف الدین تخت نشین ہوا اور الملک المظفر اس کا خطاب تجویز ہوا' عام طور پر مملوک اپنے اندر سے بیس پچیس آدمیوں کو منتخب کر کے ان کو حکومت کا اختیار دے دیا کرتے تھے' یہی بیس پچیس آدمی حکمران کونسل کے ممبر سمجھے جاتے اور اپنے اندر سے کسی ایک شخص کو منتخب کر کے اپنا صدر یا امیر بنا لیتے تھے یہ صدر منتخب ہو کر بادشاہوں کی طرح تخت نشین ہوتا اور سلطان یا ملک کے نام سے پکارا جاتا تھا' سلطان تخت نشین ہونے کے بعد باقی ممبران کونسل کو سلطنت کے بڑے بڑے ملکی عہدے سپرد کرتا تھا' ان میں

یا پچیس عہدیداروں ہی میں سے کوئی وزیر اعظم ہوتا تھا کوئی رئیس المعسکر' کوئی افسر پولس ہوتا تھا' کوئی افسر مال' غرض ان کے سوا باقی لوگوں کو ان سے کم درجے کے عہدے اور اختیارات ملتے تھے' ان کا مرتبہ سب پر فائق ہوتا تھا' مملوک فوج کے کچھ آدمی فوت ہو جاتے یا لڑائی میں مارے جاتے تو فوراً سرکاری خزانہ سے اسی قدر سر کیسی غلام خرید کر تعداد کو پورا کر دیا جاتا تھا' اس نظام پر چراکسمہ یعنی مملوکوں کے طبقہ دوم نے زیادہ عمل درآمد کیا' ہندوستان میں بھی غلاموں کا خاندان حکمران رہا ہے مگر اس میں دو تین بادشاہوں کے سوا باقی سب بادشاہ شمس الدین التمش کی اولاد سے تھے اور اس میں وہی وراثت حکومت کی لعنت موجود تھی' لیکن مصر کے تخت پر متمکن ہونے والے مملوک اکثر زر خرید غلام ہی ہوتے تھے' اور اپنی ذاتی قابلیت کے سبب تخت حکومت تک پہنچتے تھے' مورخین نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی اور دولت مملوکیہ مصر کی اس خصوصیت کو نمایاں اور واضح تر الفاظ میں بیان نہیں کیا' مگر حقیقت یہ ہے کہ دولت مملوکیہ مصر میں گو بعض باتیں قابل اصلاح ضرور تھیں مگر یہ بات بے حد قابل تعریف تھی کہ بادشاہ کے انتخاب کا اکثر آزاد موقعہ لوگوں کو مل جاتا تھا اس سلطنت کے حالات ایک جداگانہ باب میں ان شاء اللہ بالتفصیل بیان ہوں گے' اس وقت صرف اس قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ الملک المظفر نے جب یہ سنا کہ مغل یعنی تاتاری افواج نے بغداد و عراق اور خراسان و فارس و آذربائیجان و جزیرہ و موصل وغیرہ کو برباد و پامال کرنے کے بعد اپنی پوری طاقت سے شام کے علاقے کو برباد اور خاک سیاہ بنانا شروع کر دیا ہے تو وہ اپنا مملوک لشکر اور مصری افواج لے کر مصر سے شام کی طرف متوجہ ہوا اور ۱۵ رمضان المبارک ۶۵۵ھ بروز جمعہ نہر جالوت پر مملوک فوج نے جس کا سپہ سالار رکن الدین بیبرس تھا مغلوں یعنی تاتاریوں کے لشکر عظیم کو ایسی شکست فاش دی کہ آج تک مغلوں کو ایسی ذلت آفریں شکست کھانے کا موقعہ نہ ملا تھا' ہزارہا مغل میدان جنگ میں کھیت رہے اور باقی مملوکیوں کے ۱۶ ذیقعدہ ۶۵۸ھ کو الملک المظفر کے مقتول ہونے پر رکن الدین بیبرس تخت نشین ہوا اور اپنا لقب الملک الظاہر تجویز کیا الملک الظاہر کو تخت نشین ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ خاندان عباسیہ کے سینتیسویں آخری خلیفہ مستعصم باللہ کا چچا ابوالقاسم احمد جو بغداد میں عرصہ سے قید تھا بغداد کی بربادی اور مستعصم کے قتل ہونے کے وقت کسی طرح قید خانہ سے نکل کر اور چھپ کر بھاگ نکلا تھا اور وہ ملک شام کے کسی مقام میں روپوش اور موجود ہے' چنانچہ الملک الظاہر نے دس معزز عربوں کا ایک وفد مصر سے ابوالقاسم احمد بن ظاہر بامر اللہ عباسی کی تلاش میں روانہ کیا' یہ لوگ ابوالقاسم احمد کو ہمراہ لے کر مصر پہنچے الملک الظاہر ابوالقاسم کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر مصر کے تمام علماء و اراکین کو لے کر استقبال کے لیے اپنے دارالسلطنت قاہرہ سے نکلا اور نہایت عزت و احترام سے شہر میں لا کر اس کے ہاتھ پر بتاریخ ۱۳ رجب

۶۵۹ ھ بیعت خلافت کی اور المستنصر باللہ کا لقب تجویز کیا اس کے نام خطبہ پڑھوایا سکوں پر خلیفہ کا نام مسکوک کرایا جمعہ کے دن خلیفہ کے جلوس کے ساتھ جامع مسجد میں آیا بنی عباس کا شرف خطبہ بیان کیا اور خلیفہ کے واسطے دعا کی' بعد نماز خلیفہ نے سلطان ظاہر کو خلعت عطا کیا' ۴ شعبان ۶۵۹ ھ بروز دو شنبہ قاہرہ سے باہر خیمے نصب ہوئے' خلیفہ نے دربار کیا اور اپنی طرف سے الملک الظاہر کو نائب السلطنت قرار دے کر سلطنت مصر کے سیاہ وسفید کا اختیار دیا' یعنی اس مضمون کا ایک فرمان لکھ کر لوگوں کو سنایا الملک الظاہر نے خلیفہ کے لیے واسطے خدمت گار' خزانچی' آب دار اور ضروری اہل کار مقرر کر دیئے اور خزانہ مصر کا ایک حصہ خلیفہ کے لیے مخصوص کر دیا جس میں اس کو تصرف کا اختیار حاصل رہا' اس طرح ساڑھے تین سال بعد مستعصم باللہ ابو القاسم احمد ۲ محرم ۶۶۰ ھ کو جب کہ الملک الظاہر سے فوج لے کر تاتاریوں سے لڑنے کو ملک شام میں آیا ہوا تھا' ایک لڑائی میں گم یا مقتول ہو گیا' خلیفہ کے مفقود الخبر ہونے کے بعد ایک سال تک پھر زمانہ فترت گذرا اور الملک الظاہر نے ایک اور عباسی شہزادے کا پتہ لگا کر بلوایا اور اس کو خلیفہ بنایا' اس شہزادے کا نام ابو العباس احمد بن حسن بن علی بن ابی بکر بن خلیفہ مسترشد باللہ بن مستظہر باللہ تھا' اس کے پر دادا تک کوئی خلیفہ نہ ہوا تھا اس طرح خلیفہ مسترشد باللہ کی اولاد میں پھر خلافت عباسیہ شروع ہوئی اس خلفیہ کا لقب حاکم بامر اللہ تجویز ہوا اور ۸ محرم ۶۶۱ ھ کو وہ تخت نشین ہوا' ۶۷۴ ھ میں الملک الظاہر نے ملک شوڈان کو فتح کیا جو نہایت عظیم الشان فتح سمجھی جاتی ہے' محرم ۶۷۶ ھ میں الملک الظاہر فوت ہوا' الملک السعید تخت نشین ہوا' ۶۷۸ ھ میں الملک المنصور مصر کا سلطان مقرر ہوا' ۶۸۰ ھ میں الملک المنصور نے تاتاریوں کو شام میں پہنچ کر شکست فاش دے کر بھگا دیا' ۶۸۹ ھ میں الملک المنصور فوت اور الملک الاشرف تخت نشین ہوا' ۱۸ جمادی الاول ۷۰۱ ھ کو خلیفہ الحاکم بامر اللہ چالیس سال ۵ مہینے دس دن کی خلافت کے بعد فوت ہو کر قاہرہ میں مدفون ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ابو الربیع مستکفی باللہ خلیفہ بنایا گیا' خلاصہ یہ کہ مصر میں ۹۲۲ ھ تک مملوکوں کی خودمختار سلطنت قائم رہی ۷۸۴ ھ تک سرکیشی مملوک جو مملوک بحریہ کہلاتے تھے حکمران ہوتے رہے اس کے بعد مملوکوں کی ایک دوسری قوم جو چرکسی مملوک کہلاتے تھے بادشاہ ہونے لگے بحریہ مملوکوں کا آخری سلطان الملک صالح رمضان ۷۸۴ ھ میں معزول ہوا اور برقوق چرکس الملک الظاہر کے لقب سے تخت نشین ہوا' اس کے بعد ۹۲۲ ھ تک یکے بعد دیگرے چرکسی (گرجی) مملوک مصر کے بادشاہ ہوتے رہے گرجی یا چرکسی مملوکوں کے آخری سلطان طومان بے کو سلطان سلیم عثمانی کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور مصر کا ملک سلطنت عثمانیہ کو مقبوضات میں شامل ہوا' مملوکوں کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں خلفاء عباسیہ کا دوسرا سلسلہ مصر میں شروع ہو گیا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے' یہ سلسلہ مملوکوں کی حکومت کے

ساتھ ہی ۹۲۲ھ میں ختم ہوا' مصر میں خلفائے عباسیہ کی حالت اسی قسم کی تھی جیسے آج کل پیروں کی گدیاں نظر آتی ہیں' نام کے لیے تو یہ خلیفہ کہلاتے اور اپنے ولی عہد بھی مقرر کرتے تھے' ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے مسلمان بادشاہ ان سے سند حکومت اور خطاب بھی حاصل کرتے تھے' مصر کے مملوک سلاطین بھی اپنے آپ کو ان خلفاء کا نائب السلطنت ہی کہتے تھے اور بظاہر تعظیم و تکریم کا برتاؤ کرتے اور خطبوں میں ان کا نام لیتے مگر حقیقتاً ان کو کوئی قوت و شوکت حاصل نہ تھی' ان کی تنخواہ مقرر تھی' سلاطین مصر ان کو نہ آزادانہ کہیں آنے جانے کی اجازت دیتے تھے نہ کسی شخص کو ان سے ملنے کی اجازت تھی یہ خلفاء اپنے اراکین خاندان کے ساتھ گویا اپنے محدود قصر میں نظر بند رہتے تھے' ان کی حیثیت ایک سیاسی شاہی قیدی کی تھی ان کو خلیفہ کہا جاتا لیکن خلافت اسلامیہ کا مفہوم ان سے اسی قدر بعد رکھتا تھا جس قدر زمین سے آسمان تک کا فاصلہ ہے' سلطان سلیم عثمانی نے مصر پر قبضہ کرنے کے بعد مصر کے عباسی خلیفہ محمد نامی پر بھی قبضہ کیا جو خلفائے مصر کے سلسلہ میں اٹھارواں اور آخری خلیفہ تھا' اس خلیفہ کے پاس جو علم اور جبہ بطور نشان خلافت موجود تھا وہ سلطان سلیم نے اس کو رضامند کر کے لے لیا اور مصر سے چلتے وقت اس آخری عباسی خلیفہ کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گیا اس عباسی خلیفہ نے سلطان سلیم کو امر خلافت میں اپنا جانشین بنا دیا اور اس طرح ۹۲۲ھ میں عباسیوں کی وہ خلافت جو سفاح سے شروع ہو کر اب آٹھ سو برس کے بعد برائے نام اور اسم بے مسمیٰ ہو کر رہ گئی تھی ختم ہوئی اور خاندان عثمانیہ میں جو اس زمانہ میں سب سے زیادہ حق دار خلافت تھا شروع ہوئی' خاندان عباسیہ میں سینتیس خلیفہ بغداد و عراق میں ہوئے اور اٹھارہ مصر میں ہوئے جن کی کل تعداد پچپن ہوتی ہے۔

خاندان عباسیہ کے سلسلہ پر نظر ڈالتے ہوئے اس وقت ہم بہت دور آگے نکل آئے ہیں اب ہم کو پھر اس سلسلہ کے شروع میں واپس جانا ہے اور دائیں بائیں طرف جن ضروری اور اہم شاخوں کو چھوڑتے چلے آئے ہیں ان کا مطالعہ کیے بغیر ہی ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے شاید اس جگہ قارئین کرام کو خلافت عباسیہ کے متعلق کسی تبصرہ اور ریویو کی توقع ہو لیکن میں کہنے کے قابل باتیں سب کہہ چکا ہوں اور اب اس اثر کو جو اس عظیم الشان خاندان خلافت کا انجام دیکھ لینے کے بعد فطری طور سے قلب پر طاری ہوا ہے ضائع کرنا نہیں چاہتا' ہاں! اگلے باب میں بعض ضروری باتیں گوش گذار کر کے اس جلد کو ختم کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔



باب : ۶

پہلی فصل

خلافت بنوامیہ اور خلافت عباسیہ کے حالات ختم ہو چکے ہیں مگر ان حالات کے پڑھنے سے خلفاء کی حکومت و طاقت' فتوحات اور لڑائیوں کا مختصر سا خاکہ ذہن میں قائم ہوتا ہے اور عام طور پر مؤرخین بادشاہوں اور حکمرانوں کے اسی قسم کے حالات اپنی تاریخوں میں لکھتے ہیں۔ انہیں کو بہ طور خلاصہ اوپر درج کیا گیا ہے لیکن آج کل فن تاریخ نے جو ترقی کی ہے' اس کی وجہ سے کسی نئی مرتب کی ہوئی تاریخ میں یہ بھی تلاش کیا جاتا ہے کہ جس زمانہ یا جس سلطنت کی تاریخ ہے' اس زمانہ یا سلطنت میں اصول حکمرانی کیا تھے؟ لوگوں کی معاشرت کیسی تھی اور علمی ترقیات کی کیا کیفیت تھی؟ وغیرہ۔ کتاب مطالعہ کرنے والوں کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے کم از کم اس سے دوگنی تعداد کے صفحات اور درکار ہیں اور کماحقہ یہ خواہش اس مختصر کتاب کے ذریعہ سے پوری نہیں ہو سکتی۔ اس نقص کا اقرار کر لینے کے بعد ذیل میں چند اشارات بعض قابل قدر کتابوں کی مدد سے درج کرتا ہوں۔

سلطنت کے قابل تذکرہ اہل کار اور عہدے دار

خلافت بنوامیہ ایک فاتح و ملک گیر سلطنت تھی اور اس کے زمانہ میں عرب قوم فاتح اور تمام اقوام مفتوح سمجھی جاتی تھیں' عربوں میں مذہبی جوش موجود تھا اور قرآن کریم و سنت رسول اللہ کے سوا کوئی قانون ان کے لیے واجب التعمیل اور نافذ الفرمان نہ ہو سکتا تھا' مسلمان آپس میں بھی لڑتے تھے مگر ان لڑائیوں اور چڑھائیوں کے باوجود عرب و شام و مصر و عراق وغیرہ اسلامی ممالک میں باشندوں کی عام زندگی اور قیام امن کسی پیچیدہ نظام سلطنت کی خواہاں نہ تھی' خلیفہ اہم امور میں مشورے لیتا تھا مگر مشورے لینے کے لیے مجبور بھی نہ تھا' خلیفہ کو بلا طلب بھی مشورے دیئے جاتے تھے اور بسا اوقات اس کو وہ منظور بھی کرنے پڑتے تھے' حکومت میں عام طور پر عربی سادگی موجود تھی' معمولی بدوی خلیفہ تک پہنچ سکتے تھے' اور ان بادیہ نشینوں کی طلاقت لسانی کو خلیفہ کا رعب حکومت مطلق نہیں کر سکتا تھا۔

خلیفہ صوبوں اور ولایتوں کی حکومت پر اپنے نائب مقرر کر کے بھیجتا تھا اور ان کو اس صوبہ یا ولایت میں کامل شاہانہ اختیارات حاصل ہوتے تھے' خلیفہ جس طرح تمام عالم اسلام کا فرماں روا تھا اسی طرح وہ تمام عالم اسلام کا سپہ سالار اعظم بھی ہوتا تھا اسی طرح صوبوں اور ولایتوں کے عامل اپنے صوبے کے بادشاہ بھی ہوتے تھے اور سپہ سالار بھی' وہی مذہبی پیشوا اور نمازوں کے امام ہوتے تھے اور وہی قاضی القضاۃ بھی' خلیفہ کو بھی جب کسی مذہبی مسئلہ کی نسبت شک ہوتا تھا تو علماء اور فقہاء سے دریافت کرنے میں مطلق عاری نہ ہوتا تھا' اسی طرح عاملوں اور والیوں کو بھی علماء اور فقہاء سے استمزاج کرنا پڑتا تھا' بعض اوقات صوبوں میں ایک عامل یعنی گورنر مقرر ہوتا تھا اور اس کے ساتھ ہی دوسرا قاضی یا چیف جج دربار خلافت سے مقرر ہوتا تھا۔ عامل کا کام ملک میں انتظام قائم رکھنا' فوج کشی کرنا' دشمن کی مدافعت کے لیے آمادہ رہنا' رعایا کی حفاظت کرنا اور محاصل ملکی وصول کر کے خزانہ میں جمع کرنا ہوتا تھا' اور قاضی کا کام حدود شرعیہ کو جاری کرنا' انفصال خصومات کی خدمت انجام دینا اور احکام شرعی کی پابندی کرانا ہوتا تھا' قاضی عامل کا محکوم نہ ہوتا تھا جس کے متعلق تمام مالی انتظام ہوتا تھا' اس حالت میں عامل صرف سپہ سالار افواج ہوتا تھا۔

غرض خلافت بنوامیہ میں سادگی زیادہ تھی' شرعی قوانین سے تمام دقتوں کو دفع کر دیا جاتا تھا اور رعایا عدل وانصاف کی وجہ سے بہت خوش حال اور فارغ البال تھی' نہ رعایا سے کوئی نامناسب ٹیکس یا محصول لیا جاتا تھا نہ سلطنت کو انتظام ملک کے لیے زیادہ روپیہ خرچ کرنا پڑتا تھا' خلیفہ تمام اسلامی دنیا کا روحانی پیشوا بھی سمجھا جاتا تھا اور دنیاوی بادشاہ بھی' اس لیے ملک میں امن وامان کے قائم رکھنے میں بڑی آسانی ہوتی تھی' کوئی باقاعدہ وزارت کا عہدہ نہ تھا اور ضرورت کے وقت ہر شخص وزارت کے کام انجام دے سکتا تھا۔

خلافت عباسیہ میں عربوں کے سوا ایرانیوں اور ترکوں کو بھی فاتح قوم کے حقوق ملنے لگے اور بتدریج مفتوح قوم کا اقتدار عرب فاتحین سے بھی بڑھ گیا' اس لیے انتظام ملکی میں پیچیدگی واقع ہوئی' اگر عرب' ایرانی اور ترک سب کو احکام اسلام کے موافق مساوی درجہ میں رکھا جاتا اور حقیقی مساوات قائم ہوتی تو بنوامیہ کے زمانے سے بھی زیادہ سادگی اور خوبی انتظام سلطنت میں نمایاں ہوتی' مگر بدقسمتی سے ایسی صورتیں پیش آتی رہیں کہ ان قوموں میں مخالفت اور رقابت ترقی کرتی رہی' جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ایرانیوں کو عربوں پر فضیلت دی گئی اور ایرانی وساسانی معاشرت کو دربار خلافت نے اختیار کر کے عربی راحت رساں سادگی کو حقارت کے ساتھ رد کر دیا' اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ خلافت اسلامیہ کو ایسی پیچیدگیوں میں مبتلا ہونا پڑا جس سے اس کا اعتبار واقتدار بتدریج کم ہوتے ہوتے فنا ہو

گیا' بہر حال خلافت عباسیہ کے قابل تذکرہ عہدوں کی فہرست پیش کرنا مقصود ہے۔

وزیر اعظم

ابتداء خلیفہ کا ایک ہی وزیر ہوتا تھا اور وہ ہر اعتبار سے خلیفہ کا نائب یا قائم مقام اور تمام صیغوں کا افسر ہوتا تھا' بعد میں جب یہ معلوم ہوا کہ ایک شخص محکموں کی پوری ذمہ داری نہیں لے سکتا تو وزیر اعظم کے ماتحت الگ الگ صیغوں کے وزیر بھی مقرر ہونے لگے' وزیر اعظم کو ابتدائی خلفاء کے عہد میں صرف وہی اختیارات حاصل ہوتے تھے جو خلیفہ تفویض کر دیتا تھا' بہت سے معاملات ایسے ہوتے تھے جن کو کرنے کا اختیار خلیفہ کے سوا کسی دوسرے کو نہ ہوتا تھا' ہاں وزیر اعظم خلیفہ کو مشورہ دے سکتا تھا' اس قسم کے مشورے لینے میں صرف وزیر اعظم ہی نہیں بلکہ دوسرے اراکین سلطنت کو بھی خلیفہ تکلیف دیا کرتا تھا۔

بعض خلیفہ مثلاً ہارون الرشید نے اپنے وزیر اعظم کو سلطنت کے ہر ایک معاملہ میں کلی اختیارات عطا کر دیئے تھے' وزیر اعظم ہی ہر قسم کے احکام جاری کر دیتا اور خلیفہ کو اپنے جاری کردہ اہم احکام کی صرف اطلاع دیتا تھا' ایسے با اختیار وزیروں کا مرتبہ بہت ہی بلند ہوتا تھا اور وہ درحقیقت خلیفہ سے بھی زیادہ سیاہ وسفید کے مالک سمجھے جاتے تھے۔

بعد میں جب خلفاء بہت کمزور ہونے لگے اور دیلمی امیر الامراء یا سلجوقی سلاطین خلافت پر مسلط ہو گئے' خلیفہ کا وزیر اعظم الگ ہوتا اور ان سلاطین کا وزیر اعظم جدا ہوتا تھا' اس زمانہ میں خلیفہ کی وزارت کوئی بہت بڑی چیز نہیں سمجھی جاتی تھی' اس دوعملی کے زمانے میں بعض اوقات خلیفہ کے وزیر کو رئیس الرؤساء اور سلطان کے وزیر کو وزیر کہتے تھے' بعض اوقات خلیفہ کے وزیر کو خلیفہ سے زیادہ اختیارات حاصل ہوتے تھے اور جب کہ خلیفہ کا وزیر سلطان نے مقرر کیا ہو تو خلیفہ اپنے وزیر کا قیدی ہوتا تھا۔

وزیر اعظم کا انتخاب عموماً خلیفہ اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر کرتا تھا اور بعض اوقات وہ نہایت معمولی طبقہ میں سے ایک شخص کو خلعت وزارت دے کر سب سے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیتا تھا اور کبھی ایک وزیر کے بعد اس کے بیٹے کو وزارت کا عہدہ دیا جاتا تھا' جعفر برمکی وزیر ہارون الرشید' فضل وزیر مامون الرشید' نظام الملک وزیر الپ ارسلان وملک شاہ بہت مشہور وزیر ہیں۔

امیر الامراء

یہ عہدہ خلفاء عباسیہ کے دور انحطاط وتنزل میں قائم ہوا اور لوگوں نے خلیفہ پر مسلط ہو کر ا...

الامراء کا خطاب خود اپنے لیے تجویز کر کے خلیفہ سے حاصل کیا' یہ امیر الامراء حقیقتاً عراق و فارس و خراسان کے فرماں روا تھے اور تمام عہدے دار انہیں کے ماتحت اور انہیں کے مقرر کیے ہوئے ہوتے تھے۔ خلیفہ تو صرف نام یا برائے بیعت ہی ہوتا تھا' دیلمیوں کا زمانہ قریباً سو برس تک رہا اور وہ امیر الامراء کہلاتے تھے۔

سلطان

جس طرح دیلمیوں نے امیر الامراء اپنا خطاب تجویز کیا' اسی طرح سلجوقیوں نے اپنے لیے سلطان کا خطاب پسند کیا' یہ سلجوقی سلاطین دیلمیوں سے زیادہ طاقتور' زیادہ دین دار اور دنیا کے زیادہ وسیع رقبہ پر حکمران تھے' مگر دیلمیوں کی نسبت خلیفہ کے زیادہ فرماں بردار تھے' دیلمیوں نے دربار خلافت کے تمام اثر واقتدار کو سلب کر لیا تھا' سلجوقیوں نے خلیفہ کی عظمت کو تسلیم کیا اور خلفاء کو حکومت و فرماں روائی کا بھی موقعہ دیا اور انہیں کے زمانہ میں خلفاء نے اپنی شوکت وحکومت کے واپس لینے کی کوشش میں ایک حد تک کامیابی حاصل کی' خلفاء عباسیہ کے ابتدائی عہد خلافت میں امیر الامراء اور سلطان کے عہدے نہ تھے۔

عامل یا والی

صوبوں اور ولایتوں کے حاکموں کو عموماً اختیارات حاصل ہوتے تھے اور ہر ایک عامل یا والی اپنے صوبہ کی آمدنی کا ایک مقررہ حصہ دربار خلافت میں بھیجتا رہتا تھا' کبھی کبھی کسی صوبہ کے لیے ایک متعین رقم خراج کی مقرر کر کے کسی عامل کو بھیج دیا جاتا تھا' اس کو اس صوبے کے اندرونی انتظام میں کامل آزادی حاصل ہوتی تھی اور وہ مقررہ رقم سال بہ سال خزانہ خلافت میں داخل کرتا رہتا تھا' یہ صورت ٹھیکہ یا اجارہ کی مانند ہوتی تھی' اکثر حالتوں میں عامل کو اپنے صوبے کے آمد وخرچ کا حساب سمجھانا پڑتا تھا' اس حالت میں وہ کسی مقررہ رقم کے ادا کرنے کا ذمہ دار نہ ہوتا تھا' بلکہ جس سال جس قدر روپیہ خرچ سے بچتا اسی قدر بھیج دیتا تھا۔

سرحدی صوبوں کا جو دار الخلافہ سے زیادہ فاصلہ پر ہوتے تھے مثلاً افریقیہ' یمن' ماوراء النہر وغیرہ کا عموماً ٹھیکہ دے دیا جاتا تھا' ان صوبوں سے بہت ہی کم خراج لیا جاتا تھا اور بعض اوقات تو صرف خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جانا ہی کافی سمجھا جاتا تھا جب تک کہ وہ بے وفائی' مخالفت اور بغاوت کا اعلان نہ کریں' لیکن باقی صوبوں کے عاملوں کو خلفاء جلد جلد تبدیل کرتے رہتے تھے۔

صاحب الشرطہ

شہروں میں امن وامان کے قائم رکھنے' بغاوتوں کا انسداد کرنے' چوروں اور ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے سزا دینے کی ذمہ داری جس شخص سے متعلق ہوتی تھی اس کو صاحب الشرطہ کہتے تھے' ہم اس کو محکمہ پولیس کا اعلیٰ افسر کہہ سکتے ہیں' یہ صاحب الشرطہ بغداد میں قیام پذیر رہ کر عراق کے دوسرے شہروں میں اپنے نائب مقرر کرتا اور بعض اوقات افواج عراق کا سپہ سالار اعظم اور حضور صوبہ کا عامل یا گورنر ہوتا تھا' طاہر بن حسین صاحب الشرطہ ہی تھا' اس کے بعد اس کو خراسان کی گورنری ملی تھی' غرض کہ یہ بہت بڑا اور ذمہ داری کا عہدہ تھا' اور اس پر کوئی معمولی شخص فائز نہیں ہو سکتا تھا۔

حاجب

حاجب خلیفہ کی ذات کا محافظ اور خلیفہ کی ذات کے محافظ دستہ کا افسر ہونے کے علاوہ خلیفہ کی خدمت میں سب سے بڑھ کر رسوخ رکھنے والا شخص ہوتا تھا' حاجب سفر و حضر میں ہمیشہ خلیفہ کے ساتھ رہتا اور ہر ایک تنہائی کے وقت خلیفہ کا مونس ہوتا تھا' قصر خلافت کے تمام خدام اور پہرہ چوکی کے سپاہی اسی کے محکوم ہوتے تھے' دربار میں وہ ہر نئے داخل دربار ہونے والے شخص کا ادب آموز اور خلیفہ کے ہر ایک حکم کی تعمیل کے لیے ہمہ اوقات مستعد رہتا تھا۔

حاجب سے بسا اوقات وزیر اعظم کو بھی دبنا پڑتا تھا' حاجب خلیفہ کے رازوں سے واقف اور خلیفہ کا سب سے بڑا معتمد ہوتا تھا' ہارون الرشید نے اپنے حاجب مسرور ہی کے ذریعہ جعفر برمکی کو قتل کرایا تھا۔

قاضی القضاۃ

قاضی القضاۃ کا مستقل عہدہ ہارون الرشید نے قائم کیا تھا جو آخر عہد عباسیہ تک قائم رہا' اس عہدہ کو آج کل شیخ الاسلام کہتے ہیں' قاضی القضاۃ تمام صوبوں اور ملکوں میں اپنے اختیار سے اپنے نائب مقرر کرتا اور ہر صوبہ کا قاضی اپنے اختیار سے ہر ایک شہر میں ایک قاضی مقرر کرتا تھا جس کا کام مذہبی احکام کی حفاظت و پابندی کرانا' خصومات کا انفصال کرنا ہوتا تھا۔

یہ بہت بڑا عہدہ تھا' دربار میں قاضی کا مقام سپہ سالار اعظم اور وزیر اعظم سے کم نہیں سمجھا جاتا تھا' ہر ایک تخت نشین ہونے والے خلیفہ کو باقاعدہ اسی وقت خلیفہ سمجھا جاتا تھا جب کہ قاضی القضاۃ بھی اس کو خلیفہ تسلیم کر لے' کسی خلیفہ کی معزولی کے لیے قاضی القضاۃ ہی سے فتویٰ لیا جاتا تھا' قاضی کو خلیفہ معزول بھی کر سکتا تھا' لیکن نئے خلیفہ کی تخت نشینی کے وقت قاضی کی منظوری لازمی تھی۔

اہم معاملات میں مثلاً کسی ملک پر فوج کشی کرنے یا کسی صوبے کا عامل مقرر کرنے میں قاضی سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا' اگر خلیفہ خود سپہ سالار بن کر کسی ملک پر چڑھائی کرتا تھا تو قاضی القضاۃ اس کے ہمراہ ہوتا تھا' ورنہ ہر فوج کے ساتھ قاضی اپنا ایک نائب مقرر کر کے بھیجتا تھا' عہد ناموں' صلح ناموں' ملکوں کی سند حکومت' خلیفہ کے اہم فرامین اور وصیت نامہ وغیرہ پر قاضی کی مہر ضرور ہوتی تھی۔

رئیس العسکر

اگرچہ ہر ایک خلیفہ' ہر ایک عامل' ہر ایک وزیر اور ہر ایک بڑا آدمی سپہ سالار ہو سکتا تھا' لیکن خلیفہ کی باقاعدہ افواج کا ایک رئیس العسکر یا سپہ سالار اعظم بھی ہوتا تھا' یہ کوئی مستقل اور مدامی عہدہ نہیں سمجھا جاتا تھا' بلکہ ہر ایک دستہ فوج کا ایک سپہ سالار ہوتا تھا' لڑائی کے وقت خلیفہ جس شخص کو چاہتا ذمہ دار اور سپہ سالار اعظم بنا دیتا' جو شخص ہمیشہ بڑی بڑی مہموں میں سپہ سالار بنایا جاتا وہ عام طور پر رئیس العسکر یا رئیس العساکر کہلاتا تھا۔

محتسب

محتسب کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ شہر میں گشت لگا کر لوگوں کو خلاف قانون اور خلاف شرع حرکات وافعال سے باز رکھ کر بداعمالیوں کی سزا دے' محتسب کبھی قاضی القضاۃ اور کبھی صاحب الشرطہ کا ماتحت ہوتا تھا' ہم آج کل کی اصطلاح میں اس کو میونسپل انسپکٹر بھی کہہ سکتے ہیں' وہ سوداگروں اور دوکان داروں کے ناپ تول کے پیمانوں کا بھی معائنہ کرتا اور دھوکا دینے والوں کو گرفتار کر کے سزا دے سکتا تھا' ہر ایک شہر اور ہر ایک قصبہ میں ایک محتسب معہ اپنے ماتحت عملے کے مقرر ہوتا تھا۔

ناظر یا مشرف

خلیفہ سلطنت کے تمام محکموں کی نگرانی کے لیے ایک صدر ناظر مقرر کرتا تھا' جو ایک وزیر سمجھا جاتا تھا' اس کے ماتحت ہر ایک محکمہ کا الگ الگ ناظر یا انسپکٹر مقرر رہتا' مشرف اعلیٰ تمام محکموں کی رپورٹیں حاصل کرنے کے بعد اس کا ضروری خلاصہ خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔

صاحب البرید یا رئیس البرید

ہر ایک صوبہ میں محکمہ ڈاک کی حفاظت ونگرانی واہتمام کے لیے خلیفہ کی طرف سے ایک صاحب البرید یعنی پوسٹ ماسٹر جنرل مقرر رہتا تھا' جس کا کام شاہی ڈاک کی روانگی اور قاصدوں کے لیے راستہ کی چوکیوں میں سواریوں کا بندوبست کرنا ہوتا تھا' اسی کے زیر اہتمام ہر ایک منزل پر گھوڑوں'

خچروں یا اونٹوں کی ایک مناسب تعداد ہمہ اوقات موجود و مستعد رہتی تھی۔

صاحب البرید کا یہ بھی فرض ہوتا تھا کہ وہ اپنے صوبہ کے تمام اہم حالات اور ضروری واقعات کی خبریں بہم پہنچائے اور دربار خلافت کو اس کی اطلاع دے' صاحب البرید کے ماتحت جاسوسوں کی بھی ایک جمعیت رہتی تھی جس کے ذریعہ وہ اس صوبہ کی رعایا' وہاں کے حکام اور صیغوں کے حالات سے خلیفہ کو اطلاع دیتے رہتے تھے' صاحب البرید ہر ایک شہر میں اپنا ایک نائب مقرر کرتا تھا۔

اسی محکمہ کے ذریعہ رعایا کے خطوط بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیے جاتے تھے' اسی صاحب البرید کے ماتحت نامہ بر کبوتروں کا بھی اہتمام رہتا تھا۔

صاحب البرید کے پاس ایک ایسا رجسٹر بھی رہتا تھا جس میں ہر ایک ڈاک خانہ اور چوکی کا فاصلہ سمت اور وہاں کے عملہ کی فہرست درج رہتی تھی۔

کاتب

خلیفہ ایک شخص کو اپنا کاتب یا میر منشی مقرر کرتا تھا' یہ بھی وزراء میں شمار ہوتا تھا' اس کا کام خلیفہ کو باہر کی آئی ہوئی تحریریں سنانا' فرامین لکھنا اور خلیفہ کے حکم کے موافق احکام جاری کرنا اور ضروری دستاویزوں کو حفاظت سے رکھنا ہوتا تھا۔ اسی کے ماتحت مختلف صیغوں کے دفاتر ہوتے تھے۔ مثلاً شاہی فرامین کی نقل محفوظ رکھنے کا دفتر' محکمہ رجسٹری' دیوان الجیوش' دیوان النفقات وغیرہ۔

امیر المنجنیق

یہ فوجی انجینئر کا کام دیتا تھا' سفر مینا کی پلٹن بھی اسی کے ماتحت ہوتی تھی' راستوں کا بنانا' میدان جنگ اور کیمپ کے لیے جگہ کا انتخاب کرنا' دشمن کے قلعوں کو مسمار کرنا' قلعے و مدمے اور مورچے بنانا اس کا کام تھا' قلعوں کے محاصرہ کرنے میں اس کے مشوروں' اور تجویزوں کو ہمیشہ خصوصی اہمیت حاصل ہوتی تھی۔

امیر التعمیر یا رئیس البناء

یہ چیف انجینئر ہوتا تھا' محلات شاہی کی تعمیر و مرمت' شہروں کی آبادی کا تعمیری کام' نہروں کا نکالنا' پلوں کا بنانا' بند باندھنا وغیرہ سب اسی کا کام تھا۔

امیر البحر

جنگی جہازوں اور بحری فوجوں کے افسر کو امیر البحر کہتے تھے' امیر البحر کے ماتحت بہت سے قائد

ہوتے تھے۔ ہر ایک قائد کے ماتحت ایک جنگی جہاز ہوتا تھا' قائد کو کپتان سمجھنا چاہیئے۔

طبیب

ایک سے زیادہ تجربہ کار و ہوشیار طبیب دارالخلافہ میں موجود اور دربار میں حاضر رہتے تھے' علمی مجالس میں ان کی شرکت ضروری تھی' ان کے ماتحت دارالشفاء اور دواخانے سرکاری مصارف سے جاری تھے' ان میں ہر ملک اور ہر مذہب کے طبیب شامل تھے' ان میں سے اکثر دارالتصانیف' دارالترجمہ اور بیت الحکمۃ کی رونق و عزت کا موجب تھے۔

سلطنت کے قابل تذکرہ صیغے اور دفتر

خلیفہ اگرچہ مطلق العنان فرماں روا سمجھا جاتا تھا مگر وہ اپنی حکمرانی و فرماں روائی میں بالکل خلیع الرسن اور آزاد نہ تھا' خلیفہ بناتے وقت جب اس کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی تھی تو اس میں اتباع قرآن وسنت کی شرط ضرور ہوتی تھی' علماء وفقہاء خلیفہ کے خلاف شرع کاموں پر اعتراض کرنے اور اس کو روکنے ٹوکنے کا حق رکھتے تھے' اس حق کے استعمال کرنے میں اگر خلیفہ کی طاقت سدراہ ہو تو عوام اس طاقت کا مقابلہ کر کے اور علماء شرع کی حمایت پر مستعد ہو کر خلیفہ کو نیچا دکھانے اور معزول کرنے پر فوراً آمادہ ہو جاتے تھے' بعض اوقات علماء اپنے اس فرض اور حق کو ادا کرنے میں پہلو تہی کرتے تھے' اسی کا نتیجہ تھا کہ خرابیاں پیدا ہوئیں اور خلافت دم بدم کمزور ہو چلی گئی۔

خلیفہ کی ذات میں جو عظمت وشوکت موجود ہوتی تھی اس کے ذریعہ خلیفہ کبھی کبھی بلامشورہ بھی احکام جاری کر دیتا اور اپنے احکام کی تعمیل کرا سکتا تھا' لیکن عام طور پر رعایا کے بہبود سے تعلق رکھنے والے کام سب مقررہ قوانین وآئین کے تحت انجام پذیر ہوتے تھے اور بحیثیت مجموعی سلطنت کی مشین نہایت باقاعدگی کے ساتھ چلتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ باوجود سلاطین کی آپس کی لڑائیوں اور امراء کی نااتفاقیوں کے عہد خلافت عباسیہ میں علوم وفنون میں ترقی کرنے اور مہذب وشائستہ ہونے کا لوگوں کو خوب موقعہ ملتا رہا۔

خلافت عباسیہ کے ابتدائی ایام میں مختلف علوم وفنون کی بنیاد قائم ہو چکی تھی' قیمتی تصانیف شروع ہو گئی تھیں' اس کے بعد حکومت عباسیہ کمزور ہوتی گئی' مگر ان علمی ترقیات اور علوم وفنون کی نشوونما اور ایجادات کی رفتار میں کوئی کمی اور سستی واقع نہیں ہوئی' اس کا بڑا سبب یہی تھا کہ نظام حکومت جو اسلامی اصولوں پر قائم ہوا تھا وہ سلطنت کے ضعیف اور جنگ وجدل کے قوی ہو جانے کی حالت میں بھی بالکل روگرداں اور سراسر درہم برہم نہیں ہوا بلکہ بدامنی کے زمانے میں بھی اس کی روح موجود رہتی تھی

اور یہی وجہ تھی کہ علمی و معاشرتی و اخلاقی ترقیات کو کبھی زبردست دھکا نہیں لگا۔

سامانیوں' صفاریوں' سلجوقیوں کی حکومتیں زیادہ مستقل اور پائدار نہ تھیں مگر ان کے عہد حکومت اور حدود سلطنت میں بھی بڑے بڑے زبردست عالم پیدا ہوئے اور علوم و فنون کے مشہور اماموں نے اپنے زندہ جاوید کارنامے چھوڑے۔

دیوان العزیز

دربار خلافت کا نام دیوان العزیز تھا' جو وزیر کار سلطنت کے تمام صیغوں پر اختیار کلی رکھتے تھے اور انہیں کے ہاتھ میں زمام سلطنت سمجھی جاتی تھی ان کے دفتر اور ان کے محکمہ پر بھی دیوان العزیز کا لفظ بولا جاتا تھا' تمام دفاتر اور تمام محکمے اور صیغے اسی کے ماتحت ہوتے تھے' وزیراعظم کو متعلقہ صیغوں کے افسروں سے مشورہ کرنے کے بعد احکام جاری کرنے پڑتے تھے۔

دیوان الخراج

اس کو محکمہ مال سمجھنا چاہیئے' یہ محکمہ کبھی براہ راست وزیراعظم کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور کبھی اس کا مہتمم ایک جدا وزیر ہوتا تھا جو وزیراعظم کا ماتحت سمجھا جاتا تھا' کبھی کبھی خلیفہ وزیر مال کا تعلق وزیراعظم سے نہیں رکھتا تھا' بلکہ براہ راست خود اپنے کاتب کے ذریعہ اس کی نگرانی کرتا تھا' کبھی وزیر مال اپنے نائب صوبوں میں خود مقرر کرتا تھا اور وہ اس صوبہ کے گورنر کی ماتحتی سے آزاد ہوتے' عام طور پر وزیر مال صوبوں کے گورنروں کو انتظام مالی میں مختار قرار دے کر انہیں کو جواب دہ اور ذمہ دار سمجھتا تھا۔

دیوان الجزیہ یا دیوان الذمام

اس محکمے میں جزیہ اور ذمیوں کے متعلق کاغذات رہتے تھے' جزیہ کی وصولی' اس کا تقرر' جزیہ کی معافی وغیرہ سب اسی محکمے سے متعلق تھی' اسی محکمے کا مہتمم وزیر مال کا ماتحت سمجھا جاتا تھا' مگر قاضی القضاۃ کے احکام کی بھی اس کو تعمیل کرنی پڑتی تھی' قاضی القضاۃ کے احکام عموماً جزیہ کے کم یا موقوف کر دینے کے متعلق ہوتے تھے کہ فلاں صوبے کے فلاں فلاں اشخاص سے جزیہ وصول نہ کیا جائے وغیرہ۔

دیوان العسکر

اس محکمہ میں فوجی رجسٹر رہتے تھے' اس محکمے کا تعلق براہ راست وزیراعظم یا خلیفہ سے ہوتا تھا' فوج کی تنخواہیں بھی اسی محکمے کے ذریعہ تقسیم ہوتی تھیں' سپہ سالار اعظم بھی اس محکمہ کا افسر سمجھا جاتا تھا' مگر اس کا تعلق صرف اسی قدر ہوتا تھا کہ وہ اپنی موجودگی میں تنخواہیں تقسیم کرا دیتا تھا' بار برداری کے

جانوروں کی خریداری، اسلحہ کی فراہمی، وردیوں کی تیاری وغیرہ کے صیغے بھی اسی محکمے سے تعلق رکھتے تھے۔

دیوان الشرطہ

محکمہ پولیس کے دفاتر وغیرہ کا انتظام ایک الگ افسر کے ماتحت تھا، اسی کے ماتحت محتسب وغیرہ بھی ہوتے تھے، محکمہ پولیس کے سپاہیوں کی تنخواہیں عموماً فوجی سپاہیوں سے زیادہ ہوتی تھی اور پولیس کے سپاہیوں کو زیادہ احتیاط کے ساتھ بھرتی کیا جاتا تھا۔

دیوان الضیاع

اس محکمے کے متعلق ان رقبوں اور ان علاقوں کی آمدنی کا انتظام ہوتا تھا جو عموماً صوبہ عراق میں خلیفہ کی جاگیریں سمجھی جاتی تھیں، ان شاہی املاک کی پیداوار کو بڑھانا، آباد و سرسبز رکھنا سب اسی محکمے سے متعلق تھا۔

دیوان البرید

اس محکمہ کا صدر دفتر بغداد میں تھا، اس دفتر میں ملکوں کے نقشے، ڈاک خانوں کی فہرستیں اور ہر منزل اور ہر راستے کے متعلق ضروری باتیں، ملازمین کے لیے ہدایات، ملازمین اور اہلکاروں کی خدمات کی رپوٹیں اور راستوں کے امن و امان کے لیے یادداشتیں، غرض سب کچھ ہوتا تھا۔

دیوان النفقات

محل سرائے شاہی کے مصارف، انعامات، روزینے، عطیات وغیرہ کے رجسٹر اس محکمے سے تعلق رکھتے تھے۔

دیوان التوقیع

اس دفتر میں ہر ایک اس حکم کی نقل رکھی جاتی تھی جو خلیفہ کے دستخط یا مہر سے جاری ہوتا تھا، یہ محکمہ بھی جس کو محکمہ رجسٹری کہہ سکتے ہیں کاتب کے ماتحت ہوتا تھا۔

دیوان النظر فی المظالم

یہ محکمہ مشرف اعلیٰ کے ماتحت ہوتا تھا، اس محکمہ کا کام شاہی اہل کاروں کے کام کا جانچنا، دفتروں اور رجسٹروں کی غلطیاں نکالنا، دفاتر کا معائنہ کرنا اور بے راہ روی سے اہل کاروں اور افسروں کو روکنا تھا۔

دیوان الانہار

اس محکمے کا کام نہروں کی مرمت ونگرانی کرنا اور آب پاشی کے وسائل بڑھانا تھا' یعنی نہریں نکالنے میں کاشت کاروں کے سوا امراء اور اہل خیر کو آزادی حاصل تھی' کاشت کار یا کسی علاقے کے باشندے اگر کوئی جدید نہر نکالنا چاہتے تھے تو اس نہر کے نکالنے کا نصف خرچ سرکاری خزانہ سے ملتا تھا' اگر پانی کی تقسیم میں ایک گاؤں والوں کا دوسرے گاؤں والوں سے کوئی جھگڑا یا فساد ہو جاتا تھا تو اس محکمہ کے اہل کار دخل دے کر اس کا فیصلہ کر دیتے تھے' ورنہ عام طور پر گورنمنٹ کوئی دخل نہ دیتی تھی' کاشت کار آپس ہی میں سب باتیں طے کر لیتے تھے۔

جدید نہروں کے نکالنے سے حکومت کو صرف یہ فائدہ ہوتا تھا کہ محاصل کی وصولی میں آسانی ہو جاتی تھی اور کاشت کار مال دار و خوشحال ہو کر محاصل کی ادائیگی میں تامل نہ کرتے تھے۔

دیوان الرسائل

اس محکمے کے اہل کاروں کا کام عہد ناموں کے مسودے تیار کرنا' شاہی فرامین کے مضامین لکھ کر مہر ثبت کرانا اور لفافوں میں بند کر کے مہر لگانا' اہم فیصلوں کی نقلیں رکھنا اور کسی منشور کی نقلیں کر کے صوبوں اور شہر میں بھجوانا' عام لوگوں کی درخواستیں لے کر جس محکمے سے اس کا تعلق ہو اس محکمے میں بھجوا دینا اور دفاتر کے لیے مناسب فارم تجویز کرنا تھا۔

دار العدل

اس میں ہر ایک عدالت کے فیصلے پر اپیل ہو سکتی تھی' دار العدل میں قاضی بغداد یعنی قاضی القضاۃ' وزراء' شہر کے فقہاء و علماء سب جمع ہو کر اہم مقدمات کی سماعت کرتے تھے' دار العدل میں خلیفہ بھی بطور صدر شریک ہوتا تھا اور اگر خود خلیفہ کی ذات کو اس معاملے سے کوئی تعلق ہو تو وزیر اعظم یا قاضی القضاۃ کو صدارت کا منصب دیا جاتا تھا' صوبہ داروں پر بغاوت کا الزام لگایا جاتا یا سپہ سالاروں کو سازش سے متہم کیا جاتا تو انہیں اسی عدالت میں پیش ہو کر اپنی صفائی اور برأت پیش کرنے کا موقعہ دیا جاتا تھا' اس عدالت میں وہی شخص بطور گواہ پیش ہو سکتا تھا جو اپنے نیک چلن ہونے کی تحریری سند جس پر قاضی اور محتسب کے دستخط ہوں پیش کر سکتا تھا' بڑے بڑے عالی رتبہ اشخاص اس عدالت میں گواہی دیتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں ہماری نیک چلن پر کوئی اعتراض ہو کر ہماری شہادت مسترد نہ ہو جائے۔

دارالقضاء

ہر ایک شہر کا قاضی اس شہر کا جج' مجسٹریٹ اور منصف ہوتا تھا' اگر اس شہر کے عامل یا گورنر پر بھی کوئی شخص دعویٰ دائر کر دیتا تھا تو اس گورنر کو معمولی مدعا علیہ کی حیثیت سے قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا اور ثبوت پیش کرنا پڑتا تھا۔

غیر مسلموں کے لیے انہیں کی قوم و مذہب کے منصف مقرر تھے جن کی کچہری میں ان کے مقدمات فیصل ہوتے تھے' ان غیر مسلم منصفوں کی عدالت میں غیر مسلموں کے تمام دیوانی اور آپس کے فوج داری مقدمات طے ہو جاتے تھے' لیکن اگر ایک فریق غیر مسلم ہو تو اس حالت میں فریقین رضا مندی سے جس عدالت میں چاہیں اپنا مقدمہ لے جائیں' لیکن ایسے مقدمات کو مرافعہ قاضی کے یہاں کیا جا سکتا تھا' عام طور پر غیر مسلم اپنے مقدمات بھی قاضی ہی کی عدالت میں فیصلہ کرانا چاہتے تھے اور ان کو کسی قسم کی شکایت نہ ہوتی تھی۔

سلطنت کے عام حالات

حکومت کی طرف سے رعایا کے طرز زندگی اور آپس کے تعلقات میں قطعاً کوئی دخل نہیں دیا جاتا تھا' شہروں اور قصبوں کے اندرونی انتظامات بھی سب باشندگان شہر کے اختیار میں تھے' وہ خود ہی آپس میں آزادانہ اپنی حفاظت کی تدبیریں کرتے' اور اگر ایک عامل سے ناراض ہو جاتے تو اس کے وہاں سے تبدیل کرنے کی درخواست خلیفہ کی خدمت میں بھجواتے' اور خلیفہ عموماً ان کی درخواست منظور کر لیتا' اور کسی شہر کا عامل شہر والوں کی رضا مندی کے بغیر مقرر نہ کیا جاتا' ہر ایک شہر کے باشندے بجائے خود ایک فوجی طاقت رکھتے تھے' بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ کسی شہر کے عامل کا کسی فوج نے محاصرہ کر لیا ہے' وہ اپنی سرکاری فوج سے دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے' لیکن شہر والوں نے محاصر دشمن سے مصالحت کر لی ہے تو اس عامل کو مجبوراً شہر چھوڑ کر چلا جانا پڑا ہے۔

شہریوں کے حقوق کو پامال کرنے کی حکام کو عموماً جرأت نہ ہوتی تھی' معمولی سے معمولی آدمی بھی بڑے سے بڑے حاکم بلکہ خلیفہ تک پہنچ سکتا تھا اور جو کچھ اس کے جی میں آئے کہہ گذرتا تھا' خلفاء عموماً اپنے آپ کو ہر دل عزیز اور نافع الناس ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے' علوم و فنون کی قدردانی عام طور پر خلفاء عباسیہ نے بہت کی ہے۔

سفر کے لیے سہولتیں

خلفاء عباسیہ نے عراق' حجاز' فارس' خراسان' موصل' شام وغیرہ میں راستوں کی حفاظت و نگرانی

اور مسافروں کے امن و امان سے گذر جانے کے لیے معقول انتظام کیے تھے' فوجی دستے متعین تھے جابجا تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چوکیاں قائم تھیں' ہر ایک منزل پر شاہی گھوڑے' اونٹ اور دوسری سواریاں موجود رہتی تھیں' ایک مکان ہر منزل پر مسافروں کے ٹھہرنے اور آرام کرنے کے لیے ہوتا تھا' شاہی سواریوں پر جو محکمہ ڈاک کے ماتحت ہوتی تھیں کرایہ دے کر عام لوگ بھی سفر کر سکتے تھے' کبھی کبھی اگر کسی زبردست ڈاکو یا باغی کی وجہ سے راستے مخدوش ہو جاتے تو تجارتی قافلوں کے ساتھ شاہی فوج بھیجی جاتی تھی' اور حاجیوں کے قافلوں کے ساتھ جو شخص امیر حج ہو کر جاتا اس کے ساتھ ایک فوج بھی ہوتی تھی اور وہ حاجیوں کی حفاظت کرتا تھا۔

تجارت کے لیے سہولتیں

ہر ایک شہر میں سوداگروں کی ایک انجمن ہوتی تھی جس میں کسی سرکاری آدمی کا شامل ہونا ضروری نہ تھا' سوداگر لوگ خود اشیاء کے نرخ قائم کرتے تھے' تجارتی مال پر چنگی بہت ہی کم لی جاتی تھی اور اس معاملہ میں تاجروں کو کبھی کوئی شکایت پیدا نہ ہوتی تھی' تاجروں کی عزت شاہی اہل کاروں سے زیادہ ہوتی تھی' تاجروں کو عموماً شاہی درباروں میں باریاب ہونے کا موقعہ دیا جاتا تھا' جو سوداگر باہر سے مال لا کر فروخت کرتے تھے ان کو شہر کا حاکم خوش کر کے واپس کرنے کی کوشش کرتا تھا' گویا ہر ایک تاجر جو باہر سے مال لے کر آیا ہے اس نے اس شہر کے حاکم پر ایک احسان کیا ہے' اگر تاجر کا مال فروخت نہیں ہوا ہے تو حاکم شہر یا سلطان یا خلیفہ بلا ضرورت بھی اس کے مال کو خرید لیتا اور سوداگر کو افسردہ خاطر واپس کرنا نہیں چاہتا تھا۔

جس عامل یا جس حاکم کی حدود حکومت میں تاجروں کا کوئی قافلہ لٹ جائے وہ انتہا درجہ کا غافل اور نالائق سمجھا جاتا تھا' تاجروں کو امرائے شہر اپنے یہاں مدعو کرتے اور عالی جاہ مہمان کی حیثیت سے اس کی مدارات بجا لاتے تھے' اگر کوئی سوداگر کسی دوسرے ملک سے آیا ہے تو اس کے حالات سفر سننے کے لیے خلفاء خود اس کی ضیافت کرتے اور انعام و اکرام سے مالا مال کر کے واپس کرتے تھے' چنانچہ اس طرز عمل نے تجارت کو خوب فروغ دے دیا تھا' یہی وجہ تھی کہ خلفائے عباسیہ کے زمانے میں ہر قسم کی صنعت و حرفت میں خوب ترقی ہوئی اور ہر ایک شہر کسی نہ کسی صنعت کے لیے مشہور ہو گیا' اسی طرح ایک جگہ کی پیداوار دوسری جگہ جانے لگی۔

اہل عرب تو قدیم ہی سے تجارت پیشہ تھے' لیکن خلافت عباسیہ کے عہد حکومت میں ایرانیوں کو بھی تجارت کا شوق ہو گیا' اور اس شوق نے یہاں تک ترقی کی کہ مسلمان سوداگر شمال میں بحر شمالی کے

ساحل تک اور جنوب میں افریقہ کے جنوب تک پہنچنے لگے' جس کے ثبوت میں خلفاء عباسیہ کے عہد کی بغدادی مصنوعات سویڈن اور مڈغاسکر میں علمائے طبقات الارض نے تلاش کی ہے' بعض خلفاء مثلاً واثق باللہ نے باہر سے آنے والے سوداگروں اور تمام اشیاء درآمد پر محصول معاف کر دیا تھا۔

سرکاری محاصل

زراعت اور غلہ کی پیداوار پر بجائے نقد روپیہ وصول کرنے کے عموماً (بٹائی) مقاسمہ کا قاعدہ جاری تھا' پیداوار کا ۲/۵ حصہ سرکاری خزانہ کے لیے لیا جاتا تھا اور ۳/۵ کاشت کار کو چھوڑ دیا جاتا تھا' جہاں کاشت کار کو آبپاشی کے لیے محنت کرنی پڑتی تھی وہاں کاشت کار کو ۳/۴ چھوڑ دیا جاتا تھا' اور لگان سرکاری صرف چوتھائی حصہ لیا جاتا تھا' بعض زمینوں کی پیداوار پر صرف ۱/۵ لیا جاتا تھا اور ۴/۵ کاشتکار کے قبضہ میں رہتا تھا۔

انگوروں اور کھجوروں وغیرہ کے باغات پر اسی مقاسمہ کے اصول کو مدنظر رکھ کر نقد لگان لگا دیا جاتا تھا اور نقدی کی شکل میں وصول ہوتا تھا' بعض صوبے مثلاً بحرین' عراق' جزیرہ وغیرہ میں بکثرت ایسے کاشتکار تھے کہ ان کی زمینوں پر خلافت راشدہ کے زمانہ میں بوقت فتح معاہدہ کے ذریعہ پیداوار پر محصول مقرر کر دیا گیا تھا وہ گویا استمراری بندوبست تھا' ان کاشتکاروں پر کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا تھا۔

محصول تشخیص کرنے کے وقت اکثر زمینیں بلامحصول چھوڑ دی جاتی تھیں اور کاشت کاروں کو ذرا ذرا سے بہانوں پر محصول معاف کر دیا جاتا تھا' حکومت کی نظر اس بات پر زیادہ رہتی تھی کہ کاشت کار خوش حال اور فارغ البال رہیں تاکہ علاقہ کی آبادی اور سرسبزی میں فرق نہ آنے پائے' ملک کا بہت بڑا رقبہ ایسا تھا کہ اس پر پیداوار کا صرف دسواں حصہ مقرر تھا۔

ذمی جن سے فوجی خدمت نہیں لی جاتی تھی' اور ان کے جان و مال کی حفاظت سلطنت کے ذمہ تھی' فوجی مصارف کے لیے نہایت معمولی ٹیکس ادا کرتے تھے' جو اپنی خوشی سے فوجوں میں بھرتی ہو جاتے ان پر ٹیکس یعنی جزیہ نہیں لگایا جاتا تھا' مسلمانوں کے لیے فوجی خدمت لازمی تھی' ذمیوں میں سے بھی بوڑھوں' بچوں اور ناداروں کو جزیہ معاف کر دیا جاتا' مسلمانوں سے ایک اور ٹیکس صدقات کے نام سے وصول کیا جاتا تھا' مال دار مسلمانوں سے زکوۃ کے نام سے ایک ٹیکس وصول ہوتا تھا' اس کو انکم ٹیکس سمجھنا چاہیے۔

سرکاری مصارف

سرحد روم پر جو فوجیں مستقل طور پر سرحدی چھاؤنیوں میں رہتی تھیں' ان کو دوسری فوجوں کے

مقابلے میں زیادہ تنخواہ ملتی تھی' ان فوجوں میں عموماً ہر ایک سپاہی کو (چاندی کے سکے سے حساب کریں تو) پندرہ روپیہ سے تیس روپیہ تک تنخواہ دی جاتی تھی' ایک فوج دارالخلافہ میں ہمیشہ موجود رہتی تھی' فوج کا ایک حصہ راستوں کی حفاظت پر مقرر اور ہزار ہا مرحلوں کی چوکیوں پر منقسم تھا' بڑے بڑے شہروں اور مرکزی مقاموں میں بھی فوج کی ایک تعداد موجود رہتی تھی' شہروں کی حفاظت کے لیے جو پولس محتسب کے ماتحت اور صاحب الشرطہ کی نگرانی میں رہتی تھی' اس کو بھی سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی تھی' خزانہ کی ایک بہت بڑی مقدار فوج کے لیے صرف ہو جاتی تھی' محکمہ ڈاک کے سپاہی' سواری کے جانور اور اہل کاران ڈاک کا خرچ بھی اسی میں شامل سمجھنا چاہیئے۔

رضا کار جو عموماً سرحد روم کی لڑائیوں میں شامل ہونے کے لیے بھرتی ہو کر جاتے تھے' ان کو کھانا' سواری اور تمام ضروری چیزیں سلطنت کی طرف سے ملتی تھیں' ان کی غیر موجودگی میں ان کے اہل و عیال کو نقد وظیفہ یا کھانے پینے کی اجناس سرکاری طور پر مہیا کی جاتی تھی' جنگ کی حالت میں فوج کے خورد و نوش کا تمام اہتمام اور بوجھ سرکاری خزانہ پر پڑتا تھا' رومیوں کے ساتھ لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا' اس لیے خلفاء کو سرحد روم پر بہت سے شہر آباد کرنے اور قلعے بنانے پڑے' صوبوں کی فوجوں کے تمام مصارف صوبوں کے خزانے پر پڑتے تھے' مگر سرحد روم' بغداد' عراق' محکمہ ڈاک' راستوں کی حفاظت کرنے والی اور خلیفہ کی ذاتی فوج اور رضا کاروں کی افواج کے تمام مصارف خلیفہ کے مرکزی خزانہ سے پورے کیے جاتے تھے' ہر ایک نیا تخت نشین ہونے والا خلیفہ فوج کو انعام دیتا تھا۔

بڑے بڑے اہل کاروں کو جاگیریں بھی دی جاتی تھیں اور ان کی تنخواہیں بھی مقرر ہوتی تھیں' شہروں اور قلعوں کی تعمیر کے علاوہ مدرسے' سرائیں' پل' نہریں' کنویں' مسجدیں وغیرہ بھی ہمیشہ تعمیر ہوتے رہتے تھے' صناعوں' موجدوں اور کاریگروں کو بڑے بڑے انعامات اور وظیفے دیئے جاتے تھے جن سے ان کی خوب ہمت افزائی اور دوسروں کو ترغیب ہوتی تھی' حکیموں' طبیبوں' شاعروں' عالموں' فقیہوں کو بے دریغ انعام و اکرام سے مالا مال کیا جاتا تھا' بعض عیسائی اور یہودی طبیب بغداد میں اس قدر مال دار ہو گئے تھے کہ خلیفہ کے سوا کوئی دوسرا شخص مال و دولت میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

بغداد میں بہت سے مدرسے تھے جن کے شاہانہ مصارف بڑی سیر چشمی سے ادا کیے جاتے تھے' اسی طرح دوسرے شہروں میں اعلیٰ درجہ کے دارالعلوم قائم تھے۔

اسلحہ سازی' پارچہ بافی' قند سازی' دوا سازی' عطر سازی کے کارخانے بڑے بڑے شہروں میں قائم تھے اور حکومت کی طرف سے ان کی خوب ہمت افزائی ہوتی تھی' ریشمی اور اونی کپڑوں کے کارخانے اور بلور کے برتن بنانے کی صنعت خلفاء کی توجہ سے بہت ترقی پذیر ہوئی۔

خلیفہ کو اپنے خزانہ میں کئی کئی ہزار خلعت' دوشالے' اونی کپڑے' خوب صورت چادریں' اور بیش بہا تلواریں' برچھے' ڈھالیں' کمانیں وغیرہ محض اس لیے موجود رکھنے پڑتے تھے کہ یہ چیزیں بطور انعام اور بطور نشان عزت اعلیٰ درجہ کے بہادروں' عالموں' صناعوں اور موجدوں کو دیتا رہے' دوسرے ملکوں کی قیمتی اشیاء جو ان ملکوں کے سوداگر لے کر آتے تھے بڑی بڑی قیمتوں پر خلیفہ سب کو خرید لیتا اور اپنے خزانے اور توشہ خانے میں داخل کرتا تھا اور یہ سب چیزیں بطور انعام لوگوں کو دیتا رہتا تھا۔

فوجی انتظام

فوج کی مجموعی تعداد ہر زمانے میں کم و زیادہ ہوتی رہی' بہت سے جیش تھے' ہر ایک جیش میں قریباً دس ہزار سپاہی ہوتے تھے' جیش کے افسر کو امیر الجیش کہتے تھے' امیر الجیش کے ماتحت دس قائد ہوتے تھے' ہر ایک قائد کے ماتحت ایک ایک ہزار سپاہی ہوتے تھے' ہر ایک قائد کے ماتحت دس نقیب ہوا کرتے تھے' ہر ایک نقیب سو سو سپاہیوں کا افسر ہوتا تھا' ہر ایک نقیب کے ماتحت دس عارف ہوتے تھے' ہر ایک عارف دس دس آدمیوں پر افسر ہوا کرتا تھا۔

فوج کی وردی میں کبھی کبھی خلفاء اپنے ذوق کے موافق تغیر و تبدل کر دیتے تھے' مثلاً معتصم نے ترکوں کی فوج کی وردی پر لیس ٹکوایا تھا' ہر ایک جیش کے ہمراہ ایک دستہ بان اندازوں کا ہوتا تھا' ایک کمپنی سفر مینا کی بھی ہوتی تھی جن کے پاس بیلچے اور کلہاڑیاں بھی ہوتی تھیں' بعض اوقات فوج کی وردی نہایت قیمتی کمخواب کی ہوتی تھی' بار برداری کے لیے اونٹوں اور خچروں کی کافی تعداد ہوتی تھی' پیدل فوج کے پاس نیزہ' تلوار اور ڈھال ہوتی تھی' یہ حربیہ کہلاتی تھی' جس پیدل فوج کے پاس تیغ و سپر کے علاوہ تیر کمان بھی ہوتی تھی اس کو رامیہ کہتے تھے' ہر ایک سپاہی کے سر پر خود' جسم میں چار آئینہ' ہاتھوں میں آہنی جوشن و دستانے اور پاؤں میں موزے ہوتے تھے۔

ہر ایک جیش کے ہمراہ انجینئروں کی بھی ایک معقول تعداد ہوتی تھی' چند طبیب اور جراح بھی ضرور ہمراہ ہوتے تھے' دواؤں کا ذخیرہ' اور دوا سازی کا تمام سامان یعنی سفری شفا خانہ اور زخمیوں کے اٹھانے اور لانے کے لیے بار برداری کا سامان اور پالکیاں بھی ہوتی تھیں' ہر ایک جیش کے ہمراہ ایک رسالہ سواروں کا بھی ہوتا تھا' یہ سوار اعلیٰ درجہ کے نیزہ باز اور تیر انداز ہوتے تھے۔

جب خلافت میں ضعف آ گیا اور بنو بویہ مسلط ہوئے تو فوجی سرداروں کو جاگیریں دینے کا قاعدہ ایجاد ہوا کہ فوجی افسر خود اس قطعہ زمین کے محاصل سرکاری سے اپنی تنخواہیں وصول کر لیں' اس قاعدے کے جاری ہونے سے کاشت کاروں پر مظالم ہونے لگے۔

جب ترک یعنی سلجوق خلافت پر مسلط ہوئے تو انہوں نے تمام سلطنت اسلامیہ میں اپنے یہاں کے دستور کے موافق یہ قاعدہ جاری کیا کہ ہر ایک عامل اور ہر ایک والی کو ایک ایک سپہ سالار قرار دے کر اس حصہ ملک کی آمدنی کے اعتبار سے ایک معینہ تعداد کی فوج ہمہ اوقات تیار رکھنے کا ذمہ دار قرار دیا' یعنی فوجی سرداروں کو قطعات ملک دے کر ان کی تمام وکمال حکومت اور ہر قسم کا انتظام سپرد کر دیا' جن کا فرض تھا کہ ضرورت کے وقت عند الطلب مقررہ تعداد کی فوج لے کر حاضر ہوں' اس طرح تمام ملک کی حکومت فوجی سرداروں کے قبضہ میں آ گئی اور قدیمی عمال اور جاگیردار سب معطل ہو گئے' شاہی مرکزی خزانہ سے فوج کا تعلق نہ رہا' بلکہ فوجی سرداروں کو اپنی اپنی جاگیروں سے خود اپنی تنخواہیں وصول کر لینے اور ان کو کم وزیادہ کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا' خلیفہ کو مجبوراً اپنی فوج نظام کم کرنی پڑی' جس سے خود بخود خلیفہ کی طاقت سلب ہو گئی۔

سلجوقیوں کے کمزور ہونے پر خلیفہ بغداد نے صوبہ عراق پر پھر براہ راست اپنا قبضہ جمایا اور اپنی آمدنی کو بڑھا کر وہی پرانا قاعدہ کہ فوج کو انتظامی افسروں کے کام سے کوئی تعلق نہ ہو جاری کیا۔

علمی ترقیات

بغداد میں ہارون الرشید کے زمانے سے بیت الحکمہ جاری تھا' عہد مامونی میں یونانی' سریانی' عبرانی' سنسکرت' فارسی وغیرہ زبانوں کی کتابیں ترجمہ کرنے کے لیے ایک بہت بڑا محکمہ جاری ہوا' خلیفہ علمی مباحثہ کی مجلس ترتیب دیتا اور بحث ومناظرہ میں خود حصہ لیتا' امیروں' وزیروں اور بڑے بڑے آدمیوں کے یہاں علماء کے جلسے ہوتے' علمی مسائل پر خوب زور شور سے بحثیں ہوتیں اور سننے والے اپنے دماغ کو روشن کرتے۔

کتابوں کی تصنیف وتالیف وترجمے میں جس طرح علماء کی ایک بڑی تعداد مصروف رہتی' اسی مناسبت سے کتابوں کی نقلیں تیار کرتے' کتب فروشوں کی بڑی قدر ومنزلت تھی اور وہ کتابوں کی نقلیں تیار کرانے میں مصروف رہ کر محرروں کی ایک بڑی تعداد کو مصروف کار رکھتے تھے' علمی تحقیقات اور حصول علم کے لیے لوگ دور دراز ملکوں کے سفر اختیار کرتے اور واپس آ کر اپنے ہم وطنوں اور شاہی درباروں کے لیے ایک قیمتی وجود ثابت ہوتے تھے' عہد خلافت عباسیہ میں علم نحو ایجاد ہوا۔

(۱) (علم نحو اس سے پہلے کی ایجاد ہے)۔

اور اس پر بڑی کتابیں لکھی گئیں' لوگوں نے سفرنامے لکھے' علم احادیث مدون ہوا' اصول حدیث پر کتابیں لکھی گئیں' علم کلام' علم فقہ' علم عروض وغیرہ پر ہزار ہا کتابیں تصنیف ہوئی اور نہ صرف

بغداذ بلکہ شہر و ملک میں مصنفین مصروف تصنیف تھے۔

طب، طبعیات، جراحی، تشریح الابدان پر بڑی بڑی قیمتی کتابیں تیار ہو کر شائع ہوئیں، دوا خانے بھی اسی زمانے کی ایجاد ہیں، علم تاریخ کی تدوین اور ترتیب و تہذیب کا فخر بھی اسی زمانے کو حاصل ہے، علم ہیئت میں عباسیوں نے بڑی بڑی مفید ایجادات کیں۔

مامون الرشید نے دو مرتبہ ایک درجہ کا فاصلہ سطح زمین پر ناپ کر اس بات کو ثابت کیا کہ زمین کا محیط ۲۴ ہزار میل ہے، رصد گاہیں تعمیر کرائیں، فن تعمیر پر کتابیں لکھوائیں، دوربین اور گھڑی بھی عہد عباسیہ کی ایجاد ہے۔

تصوف و اخلاق علم الٰہیات پر بڑی بڑی معرکۃ الآراء تصانیف اسی عہد میں ہوئیں، ریاضی، کیمیا، طبقات الارض، علم حیوانات علم نباتات، علم منطق وغیرہ علوم پر نہ صرف کتابیں تصنیف ہوئیں، بلکہ ان تمام علوم کو مسلمانوں نے ایجاد کیا، جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے، اس کے لیے ایک علیحدہ مستقل ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔

ان علمی ترقیات میں خلافت امویہ اندلسیہ بھی خلافت عباسیہ سے کسی طرح کم نہیں رہی۔

دوسری فصل

ہم اب تک جو کچھ پڑھ چکے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے خلافت راشدہ کے تفصیلی حالات مطالعہ کیے، رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی ان کے خاندان کا شخص جو قریبی رشتہ دار ہونے کے سبب ان کی جائیداد کا وارث قرار دیا جاتا رسول اللہ ﷺ کی قائم کی ہوئی سلطنت کا حکمراں یا خلیفہ نہیں ہوا، اور یہ فیصلہ تعلیم اسلام کے عین موافق ہوا تھا۔

خلفائے راشدین میں ہر ایک خلیفہ کی اولاد موجود تھی، اور خلفاء کے ان بیٹوں میں ہر قسم کی قابلیت و اہلیت بھی موجود تھی، مگر کسی خلیفہ نے اپنی اولاد کو اپنا جانشین بنانا نہیں چاہا اور نہ ان کے خاندان میں حکومت و سلطنت متوارث ہوئی، صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بیٹے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کوفہ والوں نے خلیفہ بنایا، مگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے چھ ہی مہینے کے بعد اس خلافت و حکومت کو سیدنا امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیا۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کیا کہ انہوں نے خود اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد اور جانشین بنایا[1] اور

---

[1] فاضل مؤلف کے اس انداز تحریر سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی غلطیاں تحریر کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہمیں تو حدیث میں اس بات سے منع فرما دیا گیا ہے۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح المحقق الالبانی رحمہ اللہ) ←

حکومت اسلامیہ کو جو تمام مسلمانوں کی کثرت رائے سے کسی شخص کی سپرد ہو سکتی تھی اپنی ذاتی چیز کی مانند اپنے اختیارات سے اپنی اولاد کے سپرد فرما دیا' تاہم انہوں نے اس بات سے علانیہ انکار نہیں کیا کہ حکومت اسلامیہ کسی فرد واحد یا کسی ایک خاندان کی ملکیت نہیں ہے' اسی لیے انہوں نے یزید کی بیعت کے لیے تمام مسلمانوں کو رضا مند کرنے کی کوشش فرمائی۔

سیدنا امیر معاویہؓ کا یہ عمل بھی کچھ زیادہ اہم اور نقصان رساں نہیں ہو سکتا تھا' کیوں کہ اس زمانے کے مسلمانوں نے اس کی اصلاح کے لیے زبردست کوشش شروع کی' اسی کوشش کے سلسلے میں حادثہ کربلا[1] پیش آیا' اور اسی کوشش کی کامیابی سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی' اور سیدنا امیر معاویہؓ کا خاندان حکومت اسلامیہ سے محروم کر دیا گیا تھا' مگر سیدنا امیر معاویہؓ کے مذکورہ عمل کے ساتھ دوسری عبداللہ بن سبا یہودی کی سازش بھی ایک مخالف اسلام کوشش تھی' یعنی حکومت اسلامیہ کے نظام اساسی کو درہم برہم کرنے کے لیے دو طاقتیں اثر انداز ہوئیں' ایک اندرونی لغزش جس کو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور دوسری بیرونی مخالفت جس کو سبائی سازش کہا گیا ہے' یہ دونوں چیزیں مل کر اور اسلامی جامہ پہن کر ایک فتنہ عظیم بن گئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف حکومت اسلامیہ کا ستون مرکز ثقل سے کسی قدر ہٹ گیا' دوسری طرف اس کو آماج گاہ حوادث بھی بننا پڑا۔

ولی عہدی اور وراثت کی رسم بد کو مروانی خلفاء نے پائدار بنا دیا اور نا قابل و نا اہل لوگوں کو تخت خلافت پر متمکن ہونے کا موقعہ ملنے لگا' جس سے سلطنت اسلامیہ کے رعب و عظمت کو صدمہ پہنچا' اور سبائی تحریک سے فائدہ اٹھانے کے لیے سلطنت اسلامیہ کے خلاف کوششوں کا سلسلہ بھی سلسلہ حکومت کے متوازی جاری رہا۔

آخر اموی یا مروانی خلفاء کے بعد عباسی تخت خلافت پر قابض ہوئے اور ان کے قابض ہوتے ہی حکومت اسلامیہ کی تقسیم شروع ہو گئی' عباسیوں کی حکومت سے پیشتر بنو امیہ تمام عالم اسلامی پر حکومت کرتے تھے اور مرکز خلافت ایک ہی تھا لیکن عہد عباسیہ کی ابتدا ہی میں اندلس کا ملک جدا ہو گیا اور وہاں ایک الگ حکومت قائم ہوئی جس کو خلفاء عباسیہ سے کوئی تعلق نہ تھا' اس کے بعد مراکو' اس کے

← کتاب المناقب والفضائل' حدیث ۶۰۱۴)

[1] حادثہ کربلا ایک بہت بڑی سازش کے نتیجہ میں پیش آیا۔ اس سازش میں سبائی گروہ اور مجوسی النسل لوگ شامل تھے اور یہ سازش یہ تھی کہ جناب حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کو خلافت اسلامیہ سے ٹکرا دیا جائے۔ مختصراً ہمیں اسی ایک نقطہ پر نگاہ کو مرکوز کرنا ہو گا کہ جن ہزاروں کوفیوں نے حسین کو کوفہ میں آنے کی دعوت دی تھی' آپ کے تشریف لے جانے پر وہ سب بے وفا اور جھوٹے نکلے اور ان کے خطوط ظاہر ہونے پر سب نے اپنے تحریر کردہ خطوط کی تردید کر دی۔

بعد افریقیہ اور اسی طرح یکے بعد دیگرے بجائے ایک سلطنت اسلامیہ کے بہت سی اسلامی سلطنتیں قائم ہوگئیں۔

خلافت بنوامیہ کے بعد خلافت عباسیہ کا حال بھی ہم ختم کر چکے لیکن دوسری سلطنتوں کو جو اس خلافت کے ابتدائی زمانے سے کٹ کٹ کر الگ الگ قائم ہوتی رہی ہیں چھوڑتے چلے آتے ہیں لہٰذا خلافت عباسیہ سے فارغ ہونے کے بعد اب تیسری جلد میں ہم کو ان کے حالات مطالعہ کرنے ہیں اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مضامین اور واقعات کے تسلسل کو ذہن نشین کرانے کے لیے حکمران خاندانوں کا ایک مجمل خاکہ پیش کر دیا جائے۔

ہسپانیہ!

ہسپانیہ کو مسلمانوں نے فتح کر کے ۹۳ھ میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی اور یہ ملک خلفاء بنوامیہ کا ایک صوبہ بن گیا تھا' ۱۳۸ھ تک وہاں خلفائے بنوامیہ کی طرف سے مثل اور صوبوں کے امیر و عامل مقرر ہو کر آتے اور حکومت کرتے رہے' جب عباسیوں نے اموی حکومت کو برباد کر دیا اور خود قابض و متصرف ہو گئے تو امویوں کے دسویں خلیفہ ہشام کا پوتا عبدالرحمٰن کسی نہ کسی طرح عباسیوں کی تیغ خوں آشام سے بچ کر اندلس پہنچ گیا اور ۱۳۸ھ میں وہاں پہنچ کر اپنی حکومت قائم کر لی' لشکر عباسیہ نے حملہ کیا تو اس کو بھی شکست دی اور اندلس کے شہر قرطبہ (کارڈوا) کو دارالسلطنت بنا کر اپنی شاندار حکومت کی ابتداء کی' یہ حکومت اس کے خاندان میں ۴۲۲ھ تک رہی۔

ان اندلسی خلفاء کی شان و شکوہ اور قوت و عظمت نے تمام براعظم یورپ کو مبہوت کر دیا' اور ان کی تہذیب و علمی دوستی نے تمام دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا' ان کے کارنامے بنوعباس کے کارناموں سے زیادہ دلچسپ اور زیادہ سبق آموز ہیں۔

۴۲۲ھ میں اندلس میں طائف الملو کی شروع ہوئی اور اموی خاندان کی پر شوکت خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ اندلس کی اموی خلافت کے بعد اندلس کا ملک چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں میں تقسیم ہو گیا' جنھوں نے قرطبہ' اشبیلیہ' غرناطہ' بلنشیہ ' طلیطلہ' مالقا وغیرہ شہروں کو اپنا اپنا دارالحکومت بنایا' چند روز کے بعد شمالی افریقہ کے مسلمان حکومتوں نے اندلس کے اکثر حصے کو اپنے ماتحت بنایا۔[1]

ادھر عیسائی سلاطین نے کی مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا

---

[1] یہ وہ دور تھا جب دنیا بھر کے عیسائی حکمران مسلسل منظم و قوی ہو رہے تھے' اپنے فوجی و دفاعی وسائل بڑھاتے چلے جا رہے تھے اور مسلمان مسلسل روبہ تنزل تھے اور آپس کی لڑائیوں میں مصروف عمل تھے۔

لڑا کر جب خوب کمزور کر لیا' تو پھران کو اس طرح تختہ مشق ستم بنایا کہ شاید آج تک کسی قوم نے کسی قوم کے ہاتھ سے ایسے مظالم نہ سہے ہوں گے اور عالم انسانیت کے چہرے پر کبھی ایسے سیاہ داغ نہ لگائے گئے ہوں گے' جیسے کہ اسپین کو فتح کرنے والے عیسائیوں نے لگائے۔

اسپین یا ہسپانیہ کی تاریخ آج تک مسلمانوں کو خون کے آنسو رلا رہی ہے اور ہسپانوی مسلمانوں کے برباد ہونے کی داستان دلوں کو فگار اور سینوں کو زخمدار بنانے کی خاصیت رکھتی ہے۔

سلطنت ادریسیہ مراقش

۱۷۲ھ میں مراقش بھی خلافت عباسیہ کی حکومت سے جدا ہو گیا اور وہاں ایک الگ خود مختار حکومت قائم ہوئی' یہ سلطنت اگر چہ سلطنت ہسپانیہ کے پڑوس میں تھی' مگر جس طرح خلفائے عباسیہ کی مخالفت کرتی تھی اسی طرح خلفاء اندلسیہ یعنی سلطنت ہسپانیہ کی بھی مخالف تھی' یہ قریباً دو سو سال تک قائم رہی' سو سوا سو برس تک تو ادریسی سلاطین خود مختار رہے' پھر عبیدیوں کی ابتدا افریقہ میں ہوئی تو انہوں نے ان کو اپنا باج گذار بنالیا' اس کے بعد اس سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور چند روز تک معمولی رئیسوں کی طرح حکمراں رہ کر معدوم ہو گئے۔

حکومت اغلبیہ (افریقیہ)

۱۷۴ھ سے صوبہ افریقہ (ٹیونس) بھی خلافت عباسیہ سے آزاد ہو گیا اور ابراہیم بن اغلب کی اولاد نے سو سال سے زیادہ عرصہ تک بڑی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی' ۲۱۹ھ میں سلطنت اغلبیہ نے جزیرہ صقلیہ کو عیسائیوں سے فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا اور آخر تک اس پر قابض و متصرف رہی' اس خاندان میں بعض بڑے ذی حوصلہ اور لائق فرماں روا گذرے ہیں' جب اس ملک میں عبیدیوں نے خروج کیا تو حکومت اغلبیہ ہی کی بنیادوں پر اپنی سلطنت قائم کی اور سلطنت ادریسیہ کی خود مختاری کو سلب کر کے حکومت اغلبیہ کے دارالسلطنت قیروان کو اپنا دارالسلطنت بنایا' یہاں تک کہ وہ مصر پر بھی قابض ہوئے' اور پھر مصر میں اپنا دارالحکومت تبدیل کر لیا' سلطنت اغلبیہ کی تاریخ' دارالسلطنت ادریسیہ سے زیادہ دلچسپ ہے' ۲۹۲ھ میں اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

اس خاندان نے نہ صرف جزیرہ صقلیہ (سسلی) ہی کو فتح کیا' بلکہ مالٹا اور سارڈینیہ کو بھی فتح کر لیا تھا' ان کی بحری طاقت بہت زبردست تھی اور تمام بحر روم پر سلاطین اغلبیہ کا قبضہ تھا' بعض اوقات ان کے جہاز یونان و اٹلی و فرانس کے ساحلوں پر بھی تاخت و تاراج کر آتے تھے۔

حکومت زیادیہ یمن

۲۰۳ھ میں محمد بن زیاد جو زیاد بن ابی سفیان کی اولاد سے تھا' یمن کا حاکم مقرر ہوا' اس کے خاندان میں ۴۰۲ھ تک یمن کی حکومت رہی' محمد بن زیاد نے زبید نامی شہر آباد کر کے اس کو اپنا دارالحکومت بنایا' یمن کے متصل صوبہ تہامہ کو بھی اس نے بزور شمشیر فتح کیا' حضر موت تک کا علاقہ بھی فتح کر لیا تھا' اس خاندان میں بعض بہت با اقبال' اور صاحب جبروت بادشاہ ہوئے۔

۲۸۸ھ میں ان کی سلطنت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر علویوں نے زیدیہ حکومت قائم کی' اس کے بعد بتدریج اس سلطنت کے حدود مختصر ہوتے گئے' زیادیہ سلطنت اگرچہ خود مختار تھی' مگر خلفاء عباسیہ کے نام کا خطبہ اس میں پڑھا جاتا تھا' زیادیہ کے علاوہ جب یمن کے ایک حصہ میں زیدیہ حکومت قائم ہوئی تو اس نے اپنی حدود حکومت میں اس خطبہ کو بھی اڑا دیا' سلطنت زیادیہ جب کمزور ہو گئی تو اس کے غلاموں اور غلاموں کے غلاموں نے حکمرانی شروع کر دی' اس کے بعد یمن میں یکے بعد دیگرے بہت سے خاندانوں نے حکومت کی' خاندان زیادیہ کی تاریخ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

زیادیہ کے بعد یمن میں یعفوریہ' نجاحیہ' صلیحیہ' ہمدانیہ' مہدیہ' زوریہ' ایوبیہ' رسولیہ' طاہریہ وغیرہ خاندان یکے بعد دیگرے ۱۰۰۰ھ تک خود مختارانہ حکمراں رہے' ان میں بعض خاندان شیعہ اور بعض سنی تھے' ان کی تاریخیں اپنے اندر کوئی نمایاں دلچسپی نہیں رکھتیں۔

حکومت طاہریہ (خراسان)

۲۰۵ھ میں مامون الرشید عباسی نے طاہر بن حسین کو خراسان کا گورنر مقرر کیا تھا' اس کے بعد خراسان کی حکومت پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک اسی کے خاندان میں رہی' خاندان طاہریہ عملاً خراسان میں خود مختارانہ حکومت کرتے رہے اور اسی لیے خراسان کو اسی وقت سے خلافت بغداد سے الگ سمجھنا چاہیئے' خاندان طاہریہ کے فرماں روا اپنے آپ کو خلیفہ بغداد کا محکوم سمجھتے اور خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے لیکن دربار خلافت کو خراسان کے اندرونی انتظام میں کوئی دخل نہ تھا۔

دولت صفاریہ (خراسان وفارس)

۲۵۴ھ میں یعقوب بن لیث صفار نے فارس پر قبضہ کر کے اس صوبہ کو خلافت عباسیہ سے جدا کر لیا' اور ۲۵۹ھ میں خراسان پر بھی قابض ہو کر دولت طاہریہ کا خاتمہ کر دیا' خاندان صفاریہ نے قریباً چالیس سال حکومت کی' پھر خاندان سامانیہ نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

طاہریہ وصفاریہ کے حالات جس قدر گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں وہی کافی ہیں' ان کی

تاریخ علیحدہ بیان کرنے کی اب ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا قارئین کرام ان دونوں خاندانوں کی تاریخ آئندہ جلدوں میں تلاش نہ فرمائیں۔

دولت سامانیہ (ماوراء النہر وخراسان)

سامانیوں کا حال بھی کسی قدر اوپر بیان ہو چکا ہے' ۲۹۰ھ میں جب سامانیہ حکومت ماوراء النہر نے صفاریوں سے خراسان' علویوں سے طبرستان چھین لیا تو ماوراء النہر یعنی سمرقند و بخارا سے لے کر خلیج فارس اور بحیرہ قزوین تک اس حکومت کی حدود وسیع ہو گئیں' اسی زمانے سے صوبہ ماوراء النہر بھی خلافت عباسیہ کی ماتحتی سے آزاد ہو گیا' سامانی خاندانوں نے سوا سو سال تک حکومت کی' اس سلطنت نے علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کے فروغ دینے میں قابل قدر حصہ لیا۔ بخارا و سمرقند علوم و فنون کے مرکز بن گئے اور وہاں ایسے ایسے زبردست علماء پیدا ہوئے کہ آج تک دنیا میں ان کی شہرت موجود ہے۔

قریباً نصف صدی کے بعد خراسان و فارس و طبرستان حکومت سامانیہ کے قبضے سے نکل گئے اور دولت بنی بویہ نے ان علاقوں پر اپنی حکومت قائم کر کے سامانیوں کو بے دخل کر دیا' پھر اس خاندان میں ترک غلاموں کے قابو یافتہ ہونے سے جلد جلد زوال آنا شروع ہوا' ۳۸۴ھ میں اس خاندان کے ایک ترکی غلام الپتگین نے سلطنت سامانیہ کے اس حصہ پر جو دریائے جیحوں کے جنوب میں تھا خود مختارانہ قبضہ کر لیا اور ۳۸۰ھ سے ۳۸۹ھ تک ایلک خاں ترک نے سامانی سلطنت کے باقی اس حصہ پر جو دریائے جیحوں کے شمال میں ہے قبضہ کر کے اس خاندان کو نیست و نابود کر دیا۔

خاندان سامانیہ کی تاریخ اس لیے اور بھی زیادہ دل چسپ ہے کہ اسی سلطنت سے الپتگین کی سلطنت قائم ہوئی اور الپتگین کی سلطنت کا وارث سبکتگین ہوا جس کا بیٹا محمود غزنوی ملک ہندوستان کے بچے بچے کے لیے موجب دلچسپی اور جاذب توجہ ہے۔

قرامطہ (بحرین)

۲۸۶ھ میں صوبہ بحرین خلافت عباسیہ سے جدا ہو گیا اور اس میں قرامطہ نے اپنی خود مختار سلطنت قائم کی اور اپنے ظالمانہ طرز عمل سے مخلوق اللہ تعالیٰ کو بے حد پریشان رکھا' قرامطہ کے مظالم اور بدعنوانیاں' ایک جداگانہ مستقل باب میں بیان ہو سکیں گی' قرامطہ کی حکومت بحرین میں ۳۶۴ھ تک رہی' اس کے بعد دوسرے خاندانوں نے بحرین پر قبضہ کیا اور بہت سی خود مختار ریاستیں بحرین اور اس کے نواحی صوبوں میں حکومت کرنے لگیں۔

علویہ طبرستان

۲۵۰ھ سے ۳۱۶ھ تک علویہ زیدیہ نے طبرستان کی ولایت میں اپنی حکومت کا سکہ چلایا' دولت سامانیہ نے اس کو غارت کیا' اس کے بعد پھر بھی کئی رقیب اس نواح میں ایک دوسرے سے دست و گریبان رہے اور انہیں سے بنی بویہ پیدا ہو گئے' ان کا حال اجمالاً اوپر بیان ہو چکا ہے۔

صوبہ سندھ

۲۶۵ھ میں صوبہ سندھ بھی خلافت عباسیہ سے بالکل بے تعلق اور آزاد ہو گیا' یہاں دو خود مختار ریاستیں مسلمانوں کی قائم ہو گئیں' جن میں ایک کا دارالحکومت ملتان اور دوسری کا دارالحکومت منصورہ تھا' سلطنت منصورہ میں ملک سندھ کا جنوبی حصہ شامل تھا اور ملتان کی حکومت شمالی حصہ پر قائم تھی' اس کے علاوہ توران' قصدار' کیکانان' مکران' مشکی وغیرہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی عرب سرداروں نے قائم کر لی تھیں جو ان بڑی ریاستوں کی ماتحتی اور خراج گذاری تسلیم کر چکی تھیں' اس طرح تمام صوبہ سندھ خود مختار اور خلیفہ بغداد کی حکومت سے آزاد ہو چکا تھا مگر یہاں خطبہ ہر جگہ خلیفہ بغداد کے نام کا پڑھا جاتا تھا' یہ تمام ریاستیں بتدریج کمزور ہوتے ہوتے سو یا سوا سو سال کے عرصہ میں معدوم ہو گئیں' مگر ملتان کی ریاست اس وقت تک قائم تھی جب کہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ آوری شروع کی ہے اور ہندوؤں نے اس کو ہندوستان آنے کی تکلیف دی ہے۔

دولت بنی بویہ دیلمیہ

دیلمیوں نے ۳۲۲ھ سے ۴۴۷ھ تک یعنی قریباً سوا سو سال فارس و عراق پر حکومت کی' ان دیلمیوں نے بجائے اس کے کہ کسی بعید ترین صوبہ کو خلیفہ کی حکومت سے جدا کرتے خود خلیفہ اور صوبہ عراق پر اپنا تسلط قائم کر کے حقیقتاً اور معناً خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر دیا' مگر خلیفہ کا نام اور نام کی خلافت باقی رکھی۔

ان کی وجہ سے خلافت عباسیہ کے وقار و اعتبار کو جو صدمہ پہنچا اس کا حال گذشتہ اوراق میں مجملاً بیان ہو چکا ہے' چونکہ یہ لوگ خلافت عباسیہ پر مسلط و مستولی ہو گئے تھے اور خلیفہ انہیں کے ہاتھ میں مثل کٹھ پتلی کے تھا' لہٰذا خلفاء عباسیہ کے سلسلہ میں بنو بویہ کا حال اور ان کی حکومت کی کیفیت مسلسل نام بنام بیان کر دی گئی ہے' آئندہ اب ان کے تذکرے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

دولت طولونیہ (مصر)

ابن طولون کا ذکر اوپر آ چکا ہے' بنی طولون نے ۲۵۴ھ سے ۲۹۲ھ تک مصر پر حکومت کی' یہ اگرچہ

خودمختار تھے اور مصر کا صوبہ گویا ۲۵۴ھ میں خلافت عباسیہ سے جدا ہو چکا تھا' مگر مصر میں خطبہ خلیفہ بغداد کے نام کا پڑھا جاتا تھا' بنی طولون نے ملک شام کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا تھا' اس طرح شام و مصر میں ایک ایسی سلطنت قائم ہو گئی تھی' جو اگرچہ اپنے آپ کو خلیفہ بغداد کی فرماں بردار بتاتی تھی' مگر دربار بغداد کو شام و مصر کی حکومت سے بے تعلق کر دیا تھا۔

دولت اخشیدیہ (مصر و شام)

مصر و شام سے جب بنی طولون کی حکومت جاتی رہی' تو چند روز کے لیے ان دونوں صوبوں کے حاکم دربار خلافت سے مقرر ہو کر آنے لگے اور بظاہر یہ دونوں صوبے پھر خلافت عباسیہ میں شامل ہو گئے' ۳۱۶ھ میں مقتدر باللہ خلیفہ بغداد نے محمد بن طغج کو رملہ کا حاکم مقرر کیا' ۳۱۸ھ میں اس کو دمشق کی حکومت سپرد کی گئی اور ۳۲۳ھ میں اس کو مصر کی حکومت دی گئی' محمد بن طغج ماوراء النہر کے علاقہ فرغانہ کے قدیمی حکمراں خاندان سے تعلق رکھتا تھا' یعنی اس کے بزرگ فرغانہ کے امیر تھے' اس زمانہ میں فرغانہ کے امراء کو اخشید کے لقب سے پکارتے تھے' محمد بن طغج نے مصر کی حکومت پر فائز ہو کر ۳۲۷ھ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا اور اپنا لقب اخشید رکھا' ۳۳۰ھ میں اس نے شام پر بھی قبضہ کر لیا' اور ۳۳۱ھ میں ملک حجاز کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر کے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی اور ایسا کرنے میں اس کو اس لیے زیادہ دقت پیش نہیں آئی کہ دربار خلافت کو دیلمیوں نے بیکار و بے اثر بنا دیا تھا' خلیفہ کا رعب اور خوف دلوں سے مٹ چکا تھا۔

خاندان اخشیدیہ نے ۳۵۶ھ تک ان ملکوں پر حکومت کی' اس کے بعد عبیدیوں نے اول مصر کو پھر چند روز کے بعد شام کو بھی فتح کر لیا۔

دولت عبیدیہ (مصر و افریقہ و شام)

۲۹۶ھ میں افریقہ (تیونس) کے اندر دولت اغلبیہ کا خاتمہ ہوا' اور اس کی جگہ دولت عبیدیہ قائم ہوئی' دولت عبیدیہ نے ۳۵۶ھ میں خاندان اخشیدیہ کے ایک طفل خورد سال سے مصر کا ملک چھین لیا اور قاہرہ کو اپنا دارالسلطنت قرار دے کر اس کی شہر پناہ تعمیر کرائی' ۳۸۱ھ میں عبیدیوں نے حلب پر قبضہ کیا' اور بہت جلد ان کی سلطنت سرحد مراقش سے شام کے ملک تک وسیع ہو گئی' چونکہ عبیدیوں نے قیروان کو چھوڑ کر اپنا دارالحکومت قاہرہ بنا لیا' اس لیے بحر روم کے جزیرے اور مغربی اضلاع ان کے قبضے میں باقی نہ رہ سکے' لیکن بحر روم کے مشرقی حصے میں ان کی سیادت مسلم ہو گئی اور مشرقی مقبوضات سے مغربی نقصانات کی تلافی ہو گئی مگر مغربی علاقے جو ان کے قبضے سے نکلے' ان میں سے اکثر

عیسائیوں کے قبضے میں پہنچے اور مشرقی علاقے انہوں نے مسلمانوں ہی سے چھینے' لہٰذا عبیدیوں کے مصر میں آنے سے عیسائیوں کو فائدہ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا۔

عبیدیوں نے خلافت کا دعویٰ بھی کیا' اور لوگوں سے جوان کے تحت حکومت تھے اپنی خلافت کی بیعت لی اور اپنے آپ کو خلیفہ کہلوایا' اس طرح دنیا میں خلافت کے تین سلسلے قائم ہوئے۔

پہلا اور سب سے بڑا سلسلہ تو وہی ہے جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قائم ہو کر خاندان عثمانیہ کے آخری خلیفہ سلطان عبدالمجید خان تک قائم رہا' یہ سلسلہ سب سے بڑا ہے' اس کے پہلے حصے کا نام خلافت راشدہ' دوسرے حصے کا نام خلافت بنوامیہ' تیسرے حصے کا نام خلافت عباسیہ بغداد' چوتھے حصے کا خلافت عباسیہ مصر' پانچویں حصے کا نام خلافت عثمانیہ ہے' ہم اس طویل سلسلے کے چار حصے ختم کر چکے ہیں' اب پانچواں حصہ باقی ہے جو آئندہ جلدوں میں مذکور ہو گا۔ دوسرا سلسلہ خلافت وہ ہے جو اندلس میں عبدالرحمٰن ثالث کے زمانے سے شروع ہو کر اسی خاندان پر ختم ہو گیا' اس سلسلہ خلافت کو بھی علمائے اسلام نے خلافت حقہ تسلیم کیا ہے' اور خلفائے اندلس کو خلفائے اسلام تصور کرتے ہیں' یعنی ان کی فرماں برداری ان مسلمانوں کے لیے جو ان کی حدود سلطنت میں رہتے تھے' ضروری اور ان کی بغاوت معصیت تھی۔

تیسرا سلسلہ جو عبیدیوں نے جاری کیا تھا' اس کو علماء اسلام نے سلسلہ خلافت تسلیم نہیں کیا' نہ ان کو خلیفہ مانتے اور نہ اسلامی نقطہ نظر سے ان کو مستحق تکریم سمجھتے ہیں' ان لوگوں نے شرک و بدعت کو رواج دیا' شعائر اسلام کی بے حرمتی کی اور انواع واقسام کی بداعمالیوں کے مرتکب ہوئے۔

بہرحال عبیدیوں کی حکومت ۵۶۷ھ تک قائم رہی' اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس سلطنت کا خاتمہ کر کے مصر میں ایوبی سلطنت قائم کی اور خلافت عباسیہ کا خطبہ مصر میں پھر جاری ہوا۔

دولت بنوحمدان (موصل و جزیرہ و شام!)

ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان بن حمدون بن حارث بن لقمان بن اسد بن حزم نے ۲۸۹ھ میں صوبہ موصل کے اندر خود مختارانہ حکومت کی بنیاد ڈالی اور قریباً سو برس تک بنوحمدان نے موصل و جزیرہ و شام میں حکومت کی' ان لوگوں نے خلفاء عباسیہ کا خطبہ اپنے حدود مملکت میں جاری رکھا' ان میں سیف الدولہ اور ناصر الدولہ بہت نامور اور زبردست حکمراں گذرے ہیں' سیف الدولہ شام میں اور ناصر الدولہ موصل میں حکومت کرتا تھا' بنواخشید یہ سے شام کا اکثر حصہ انہوں نے چھین لیا تھا' جزیرے پر

بھی ان کا تسلط ہو گیا تھا' بنو بویہ یعنی دیلمیوں سے بھی ان کی معرکہ آرائیاں ہوئیں اور ان معرکوں میں انہوں نے ہمسرانہ مقابلہ بنی بویہ کا کیا' کبھی کبھی خلیفہ بغداد پر بھی ان کا تسلط قائم ہو جاتا تھا۔

ان کے عہد حکومت میں رومیوں پر فوج کشی اور رومیوں کی فوج کشی کی مدافعت کا تعلق دربار خلافت سے بالکل منقطع ہو گیا تھا' بنو حمدان ہی رومیوں پر فوج کشی کرتے اور ان کے حملوں کا جواب دیتے تھے' ان میں سیف الدولہ نے رومیوں پر بڑے بڑے کامیاب جہاد کیے اور اس معاملہ میں خوب ناموری اور شہرت حاصل کی۔

آخر میں صرف صوبہ شام ان کے قبضے میں رہ گیا تھا' بعد میں بنو حمدان کی حکومت ان کے غلاموں کے قبضہ میں چلی گئی' جنہوں نے ملک شام میں عبیدیوں کا خطبہ جاری کیا' آخر ۳۸۰ھ میں اس حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور موصل میں بنو عقیل بن کعب بن ربیعہ بن عامر نے اپنی حکومت قائم کی' اور صوبہ جزیرہ پر قابض و متصرف ہو گئے۔

اس کے بعد ملک شام کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر متعدد عربی سرداروں نے اپنی حکومتیں قائم کر لیں جو برائے نام کسی بڑی طاقت کے ماتحت ہوتے اور کبھی اپنی مطلق العنانی کا اعلان کرتے' یہاں تک کہ سلجوقی بغداد پر قابض و متصرف ہونے کے بعد شام کے علاقوں پر چھا گئے اور وہاں انہوں نے اپنی طرف سے عامل مقرر کیے یا خود اپنی حکومت قائم کی۔

ریاست بنو سلیمان (مکہ)

مکہ معظمہ کی حکومت پر دربار خلافت بغداد سے عاملوں کا تقرر ہوا کرتا تھا' مگر ۳۰۱ھ میں ایک شخص محمد بن سلیمان نے جو سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ بن علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھا' اپنی خود مختار حکومت قائم کی (محمد بن سلیمان کو سلیمان بن داؤد کا بیٹا نہیں سمجھنا چاہیے' ان دونوں سلیمانوں کے درمیان غالباً دو تین شخص اور ہیں' محمد بن سلیمان کی قائم کی ہوئی یہ ریاست ۴۳۰ھ تک قائم رہی۔

اس سوا سو سال سے زیادہ عرصہ میں مکہ معظمہ کے اندر بڑے بڑے فساد اور ہنگامے برپا رہے' چار پانچ شخصوں نے اس خاندان میں مکہ کی حکومت کی' مگر ان کی حکومت عجیب قسم کی تھی' ایام حج میں مصر اور بغداد کے قافلے آتے اور امارت حج اور خطبہ پڑھنے میں جھگڑا ہوتا' آپس میں لڑتے اور حاکم مکہ کوئی چیز نہ سمجھا جاتا اگر بغداد کا امیر غالب ہوا تو اس نے بنو بویہ اور خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھا' اگر مصری امیر حج غالب ہو گیا تو اس نے بنو اخشید کے نام کا خطبہ پڑھا' پھر جب عبیدی مصر پر غالب و متصرف ہو گئے تو عبیدیوں اور عباسیوں کے خطبہ میں جھگڑا ہوتا' ادھر قرامطہ آ جاتے تو انہیں کا عمل دخل

قائم ہو جاتا' وہ تمام حاجیوں کو قتل کرتے اور لوٹ مار مچا دیتے' کبھی مصری لوگ سنگ اسود کی بے حرمتی کرتے' پتھر مارتے اور سنگ اسود کو گالیاں دیتے تو عراقی لوگ مشتعل ہو کر ان کو قتل کرنا شروع کرتے' اسی زمانے میں قرامطہ سنگ اسود کو اکھیڑ کر بحرین لے گئے اور بیس یا زیادہ برسوں کے بعد مکہ میں واپس بھیجا۔

غرض ایام حج میں بنو سلیمان کی حکومت کا کوئی نشان مکہ میں نہیں پایا جاتا تھا' یہ لوگ زیدیہ شیعہ تھے' اس لیے بالطبع عبیدیوں کی جانب مائل تھے' مگر ان کی حالت یہ تھی کہ جس کو طاقت ور دیکھتے اسی کا کلمہ پڑھنے لگتے۔

ریاست ہواشم (مکہ)

سلیمانیوں کے بعد مکہ میں ابو ہاشم محمد بن حسن بن محمد بن موسیٰ بن عبداللہ بن ابی الکرام بن موسیٰ جون کی اولاد نے اپنی حکومت قائم کی' یہ لوگ بھی مثل بنو سلیمان کے مکہ کے حاکم رہے' دولت سلجوقیہ کے ابتدائی عہد حکومت میں ان لوگوں نے خلفاء بغداد کے نام کا خطبہ پڑھنا شروع کیا' آخر میں جب سلاطین سلجوقیہ کمزور ہو گئے تو ہواشم نے پھر عبیدیوں کے نام کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا' ۵۶۷ھ میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے دولت عبیدیہ کا خاتمہ کر دیا' تو ہواشم مکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا' یعنی حجاز و یمن پر بھی صلاح الدین کا قبضہ ہو گیا اور مکہ میں سلطان کی طرف سے عامل مقرر ہو کر آنے لگے۔

چند روز کے بعد مکہ پر بنو قتادہ نے اپنی حکومت قائم کی' ان کے بعد بنو نمی نے حکومت کی' ان کے بعد اور لوگ قابض و متصرف رہے' یہاں تک کہ سلیم عثمانی نے حجاز پر قبضہ کیا' اس وقت سے مکہ کے حاکم شریف مکہ کے نام سے سلاطین عثمانیہ مقرر کرتے رہے' یہاں تک کہ ہمارے زمانہ میں شریف حسین[1] نے سلطنت عثمانیہ سے بغاوت کر کے حکومت اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچایا اور عالم اسلام میں نہایت ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا گیا' بظاہر اس نے عیسائیوں کی سیادت تسلیم کر کے خاندان سادات کو بدنام کیا اور ہاشمیوں کے نام پر دھبہ لگا دیا۔

---

[1] یہ خلافت عثمانیہ (ترکی) کی طرف سے مکہ پر گورنر تھا۔ مکہ کے گورنر کو شریف مکہ کے سرکاری خطاب سے یاد کیا جاتا تھا جبکہ اس کا اصل نام حسین بن علی تھا۔ اس نے خلافت عثمانیہ سے بغاوت کر کے خفیہ طور پر انگریزوں (سلطنت برطانیہ) سے تعلقات استوار کر کے ان سے خفیہ معاہدہ کر لیا اور خلافت عثمانیہ کے خاتمہ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' نجد و حجاز/ علامہ رشید رضا مصری' مترجم الشیخ عبدالرحیم ......اور......محمد بن عبدالوہاب' ایک مظلوم اور بدنام مصلح مسعود عالم ندوی۔

دولت مروانیہ (دیار بکر)

کردوں کے قبیلہ کا ایک شخص ابوعلی بن مروان تھا' اس نے ولایت دیار بکر میں ایک خودمختار حکومت قائم کی' جو اس کے خاندان میں ۳۸۰ھ سے ۴۸۹ھ تک یعنی سو برس سے زیادہ مدت تک قائم رہی۔ آمد' ارزن' میافارقین اور کیفہ وغیرہ شہر اسی ریاست میں شامل تھے' یہ لوگ عبیدیین مصر کی اطاعت کا اقرار کرتے تھے' اسی لیے عبیدیوں نے ان کو حلب کی حکومت دے دی تھی' اس طرح وہ گویا حمدانیوں کے قائم مقام ہو گئے تھے' یہ لوگ دولت بویہ کی اطاعت کا بھی اقرار کرتے تھے' سلجوقیوں کے حملے سے ان کا خاتمہ ہو گیا۔

دولت غزنویہ (افغانستان)

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ الپتگین نے سلطنت سامانیہ کے جنوبی حصہ پر قبضہ کر کے اپنی ایک الگ حکومت قائم کر لی تھی' الپتگین کے بعد اس کا داماد سبکتگین اس سلطنت کا مالک ہوا' سبکتگین کا بیٹا محمود غزنوی تھا' اس خاندان نے ۳۵۱ھ سے ۵۵۲ھ تک حکومت کی' محمود غزنوی کے زمانے میں اس سلطنت کی وسعت و طاقت شباب پر تھی' پنجاب و ملتان سے لے کر خراسان کے مغربی سرے تک اور خلیج فارس سے لے کر دریائے جیحون تک یہ سلطنت پھیلی ہوئی تھی' محمود غزنوی نے ایک طرف بخارا و سمر قند تک حملے کیے تو دوسری طرف کالنجر (بنگالہ) اور سومناتھ تک حملہ آور ہوا' سلطنت کو جب زوال آیا تو خراسان پر خوارزم شاہیوں نے قبضہ کر لیا اور افغانستان و پنجاب پر خاندان غوری قابض و متصرف ہو گیا۔

غزنویوں کو ہمیشہ خلیفہ بغداد کی اطاعت و فرماں برداری کا اقرار رہا' سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں سلجوقیوں نے اپنے قدیمی مسکن یعنی مغربی چین کے پہاڑوں سے نکل کر بخارا کے میدانوں میں سکونت اختیار کی اور پھر بتدریج ایشیائے کوچک تک پھیل گئے' سلطان محمود غزنوی نے ماوراء النہر کا علاقہ بھی فتح کر لیا تھا' اس خاندان کی تاریخ مفصل طور پر تاریخ ہند میں درج کی جائے گی۔

دولت سلجوقیہ

سلجوقیوں کی حکومت ۴۳۰ھ سے ۷۰۰ھ تک کم و بیش ڈھائی سو سال قائم رہی' ابتدائی زمانہ ان کا بڑا شاندار تھا' آخر میں ان کے بہت سے ٹکڑے ہو گئے اور شروع ہی سے ان کے کئی طبقات قائم ہو چکے تھے' ان کا سب سے بڑا سلسلہ وہ تھا' جس میں الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی جیسے مشہور آفاق

سلاطین ہوئے' ان کو سلاجقہ ایران کہتے ہیں' ان کا کسی قدر حال اوپر بھی بیان ہو چکا ہے اور آئندہ مفصل بیان کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ' ان کے علاوہ سلاجقہ کرمان' سلاجقہ عراق' سلاجقہ شام' سالاجقہ روم وغیرہ بھی مشہور ہیں' ان سب خاندانوں کی تاریخ دلچسپی سے خالی نہیں' پھر ان سلجوقیوں کے غلاموں اور اتابکوں کی سلطنتیں قائم ہوئیں' وہ بھی بہت مشہور اور اسلامی تاریخ کی زینت کہی جا سکتی ہیں۔

سلجوقیوں کا ظہور ایسے وقت میں ہوا جب کہ دیلمیوں کی چیرہ دستی نے خلافت بغداد کو سلطنت بے عزت اور کمزور کر دیا تھا' سلطنت اسلامیہ کے لوگوں نے تکے بوٹی کر لیے تھے' اور جدا جدا خود مختار ریاستیں اور بڑی بڑی بادشاہتیں قائم ہو چکی تھیں جیسا کہ اسی فصل میں اوپر بیان ہوتا چلا آتا ہے' سلجوقیوں نے خلافت عباسیہ کے مٹے ہوئے اقتدار کو پھر چمکایا اور بہت سے چھوٹے خاندانوں کو حکومت و فرماں روائی کی کرسی سے جدا کر کے ایک عظیم الشان اور طاقتور سلطنت میں خلیفہ کی بزرگی اور وقار کو قائم کیا' مگر چونکہ سلجوقیوں کی طاقت تمام تر فوجی اور جنگی اجزاء سے مرکب تھی اور سپہ سالاران افواج ہی کو انہوں نے ملکی انتظام اور ملک داری کا کام سپرد کر دیا تھا' لہٰذا چند روز کے بعد اس طاقت کا شیرازہ بکھر گیا اور تمام سلجوقی سردار الگ الگ صوبوں اور ولایتوں پر خود مختارانہ قابض ہو کر اسی گذشتہ طائف الملو کی کو پھر واپس لانے کا موجب ہوئے۔

سلجوقی لوگ نومسلم تھے مگر ان میں خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا' وہ علوی سازشوں' سبائی ریشہ دوانیوں سے بالکل پاک تھے' انہوں نے دین اسلام کی خدمت کے موقعے خوب پائے' جہاں تک ان کے امکان میں تھا انہوں نے مذہبی علوم اور نیک لوگوں کی خوب خدمتیں کیں' وہ خلفائے عباسیہ کی تکریم محض اس لیے کرتے تھے کہ ان کو پرانی اسلامی روایات کے موافق مستحق تکریم جانتے تھے' لیکن وہ عباسیوں' امویوں' علویوں کی رقابتوں سے مطلق متاثر نہیں ہوئے' نہ ان کو کسی ایک فریق سے عداوت تھی' نہ دوسرے سے بے جا محبت' وہ سیدھے سادھے اور سچے پکے مسلمان تھے' انہوں نے عیسائیوں کے خوب مقابلے کیے اور ان کے دلوں پر مسلمانوں کی شمشیر خاراشگاف کی وحشت وہیبت پھر قائم کر دی اور عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو ایسا دھکا دیا کہ وہ دور تک پیچھے ہٹ گیا' سلجوقیوں ہی کی حکومت کا نتیجہ تھا کہ خلفاء عباسیہ کی حکومت صوبہ عراق پر آخر تک قائم رہی۔

ان کے زوال کا سبب وہی چیز تھی جو ہر ایک قوم کے زوال کا سبب ہوا کرتی ہے' یعنی آپس کی نا اتفاقی اور ایک دوسرے سے دست و گریبان ہونا۔ سلجوقیوں کی طاقت جیسا کہ بیان ہوا ایک جنگی طاقت تھی' فوج جس پر اس طاقت کا دارومدار تھا' اس کے افسر تر کی غلام ہوتے تھے' جو دشت قپچاق سے

منگوا کر خریدے جاتے تھے' ان زرخرید غلاموں پر سلاطین سلجوقیہ کا سب سے زیادہ اعتماد تھا' ان کی وفاداری میں ان کو مطلق شبہ نہ تھا' اسی لیے فوجوں کی افسری ان غلاموں کو دی جاتی' اور انہیں کو صوبوں اور ولایتوں کی حکومت سپرد ہوتی' یہ غلام شائستہ ہو کر جب سرداری کے مرتبے پر پہنچتے تو بڑے وفادار اور بہادر ثابت ہوتے تھے' سلاطین سلجوقیہ اپنے نوعمر اور کم سن شہزادوں کی اتالیقی پر انہیں مملوک سرداروں کو مامور کرتے اور انہیں غلاموں کی نگرانی و اتالیقی میں سلجوقی شہزادوں کی ادب آموزی ہوتی' اس لیے ان مملوکوں یعنی ترک غلاموں کو اتابک (اتالیق) کے نام سے پکارنے لگے' اتابک کے معنی ترکی زبان میں ایسے سردار کے ہیں۔

جب سلاطین سلجوقیہ آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہو گئے تو ان مملوکوں یعنی اتابکوں نے موقعہ پا کر اپنی مستقل حکومتیں جابجا قائم کر لیں' طغتگین جو سلجوق تتش کا مملوک تھا' وہ تتش کے نوعمر بیٹے وفاق سلجوقی کا اتابک مقرر ہوا اور وفاق کے بعد تتش سلجوقی کی سلطنت کا مالک ہو گیا اور دمشق میں حکومت کرنے لگا۔

عماد الدین زنگی سلطان ملک شاہ سلجوقی کے مملوک کا بیٹا تھا' اس نے موصل اور حلب میں اتابکی سلطنت قائم کی۔

عراق کے سلجوقی سلطان مسعود کا ایک قبچاقی غلام تھا' اس نے آذربائیجان میں اتابکی سلطنت قائم کی۔

سلطان ملک شاہ سلجوقی کا ثانی کا انوشتگین نامی ایک مملوک تھا' اس کی اولاد میں شاہان خوارزم شاہیہ تھے۔

اسی طرح سلغر ایک تابک سردار تھا' جس نے فارس میں اتابکی سلطنت قائم کی۔

غرض چھٹی صدی ہجری میں تمام سلجوقی سلطنت پر سلجوقیوں کے افسران فوج قابض و متصرف ہو کر اپنی اپنی مستقل بادشاہتیں قائم کر چکے تھے۔

اتابکان (شام و عراق)

ملک شاہ سلجوقی کا ترکی غلام آقسنقر تھا جو ملک شاہ کا حاجب بھی تھا' وہ حلب اور شام و عراق کی حکومت پر مامور تھا' ۵۲۱ھ میں آقسنقر کے بعد اس کا بیٹا عماد الدین عراق کا حاکم مقرر ہوا' اسی سال اس نے موصل' سنجار' جزیرہ اور حران کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا' ۵۲۲ھ میں شام کے اکثر حصے اور حلب وغیرہ پر بھی قابض ہو گیا' عماد الدین نے عیسائیوں اور رومیوں کے مقابلے میں خوب جہاد

کیے اور بڑی نیک نامی عالم اسلام میں حاصل کی۔

عمادالدین کے بعد شام کی حکومت اس کے بیٹے نورالدین محمود کو ملی اور موصل وعراق دوسرے بیٹے سیف الدین کے قبضہ میں آیا' نورالدین محمود نے عیسائیوں کے مقابلے میں اپنے باپ سے زیادہ جہاد کیے اور اس کام میں بڑی شہرت و ناموری پائی' نورالدین محمود کے بعد اس خاندان کے اور بھی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو گئے' اسی خاندان کی ایک شاخ کی قائم مقام دولت ایوبیہ ہوئی اور عماد الدین زنگی کے خاندان میں سوا سو برس تک حکومت وسرداری باقی رہی۔

اتابکان (اربیلا)

عمادالدین زنگی کے ترکی افسروں میں ایک افسر زین علی کوچک بن بلکتگین تھا' اس نے اس کو موصل میں اپنا نائب مقرر کیا تھا' ۵۳۹ھ میں زین الدین علی کوچک نے سنجار' حران' تکریت' اربل یعنی اربیلا کو اپنی حکومت میں شامل کیا اور اربل کو اپنا دارالحکومت بنا کر اپنی الگ حکومت قائم کی' یہ حکومت زین الدین علی کوچک کے خاندان میں ۶۳۰ھ تک قائم رہی' اس کے بعد خلیفہ بغداد کا اس پر براہ راست قبضہ ہو گیا تھا۔

اتابکان (دیار بکر)

ارتوق بن اکسب سلجوقی فوج کا ایک افسر تھا' اس کے بیٹے ایل غازی نے ۴۹۵ھ میں اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی' اس خاندان میں تیمور کے زمانے تک برائے نام حکومت باقی تھی' سلطان صلاح الدین کے زمانے میں یہ لوگ سلطان موصوف کے فرماں بردار وماتحت ہو گئے تھے۔

اتابکان (آرمینیا)

قطب الدین سلجوقی کے غلام سلیمان قطبی نے ۴۹۳ھ میں شہر خلاط کو دولت مردانیہ سے چھین کر اپنی حکومت قائم کی' اس کی اولاد میں ۶۰۴ھ تک جب کہ دولت ایوبیہ نے اسے فتح کیا حکومت باقی رہی۔

اتابکان (آذربائیجان)

سلطان مسعود سلجوقی کے قبچاقی غلام ایلدکز نے آذربائیجان میں اپنی حکومت قائم کی' جو ۵۳۱ھ سے ۶۴۳ھ تک ایک سو ایک برس قائم رہی۔

اتابکان (فارس)

ترکوں کے ایک گروہ کا سردار سلغر نامی ایک ترک تھا' وہ طغرل بیگ سلجوقیوں کے ہمراہیوں

میں شامل ہو گیا' اس کی اولاد میں سنقر بن مودود نے ۵۴۳ھ میں فارس پر قبضہ کیا۔ اس کے خاندان میں ۶۸۶ھ تک فارس کی حکومت رہی' اسی خاندان کا ایک باشادہ اتابک سعد خوارزم شاہ کا خراج گذار بن گیا تھا' اسی کے نام پر شیخ مصلح الدین شیرازی نے اپنا تخلص سعدی رکھا تھا' اتابک سعد کے بعد اتابک ابوبکر تخت نشین ہوا' اس نے اکتائی خان مغل کی اطاعت اختیار کر لی تھی' اسی اتابک ابوبکر کا ذکر شیخ سعدی نے گلستاں میں کیا ہے۔

اتابق (ترکستان)

اس خاندان کا بانی اتابک طاہر تھا جو اتابکان فارس کا ایک فوجی سردار تھا' جس سال سنقر بن مودود نے فارس پر قبضہ کیا اسی سال ابوطاہر کو لرستان پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا تھا' چنانچہ ۵۴۳ھ میں ابو طاہر نے لرستان پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کی بنیاد قائم کی' جو ۷۴۰ھ تک قائم رہی' اسی خاندان کا ایک شعبہ لرستان کو چک پر دسویں صدی ہجری تک حکومت کرتا رہا۔

اتابکان (خوارزم شاہیہ)

بلگاتکین غزنوی کا ایک ترکی غلام انوشتکین تھا جو سلطان ملک شاہ سلجوقی کا آب دار ہو گیا تھا' اس کو ملک شاہ نے خوارزم یعنی خیوا کا حاکم مقرر کیا تھا' اس کے بعد اس کا جانشین اس کا بیٹا ہوا' جس کا نام خورازم شاہ تھا' اس نے اپنی حکومت کو ترقی دی' دریائے جیحوں کے کنارے تک اپنی حکومت کو وسعت دے کر خراسان واصفہان کو بھی فتح کر لیا' خوارزم شاہ کے بیٹے علاء الدین محمد نے ۶۰۷ھ میں بخارا و سمرقند بھی فتح کر لیا' ۶۱۱ھ میں افغانستان کے ایک بڑے حصہ کو غزنین تک فتح کر لیا' پھر اس نے شیعہ مذہب اختیار کر کے یہ ارادہ کیا کہ خلافت عباسیہ کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر نیست و نابود کر دے' ابھی اس ارادے میں کامیاب نہ ہونے پایا تھا کہ چنگیز خان نے حملہ کر کے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا' آخر مغلوں نے اس کی خوب پریشان کیا اور وہ ان کے سامنے سے بھاگتا اور فرار ہوتا پھرا' آخر بحیرہ قزوین کے ایک جزیرے میں ۶۱۷ھ میں مر گیا۔

اس کے تین بیٹے تھے' وہ بھی باپ کے بعد مغلوں کے آگے آگے بھاگتے پھرے' ایک بیٹا جلال الدین خوارزمی بھاگ کر ہندوستان بھی آیا اور دو برس ہندوستان میں رہ کر پھر واپس چلا گیا' آخر ۶۲۸ھ میں مغلوں نے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا' خوارزم شاہیوں کی حکومت ۴۷۰ھ سے ۶۲۸ھ تک رہی' مگر بارہ سال اس سلطنت پر ایسے عروج کے گذرے کہ وہ سلطنت سلجوق کی ہم پلہ سمجھی جاتی تھی۔

دولت ایوبیہ

اتابکان شام وعراق کا ذکر اوپر ہو چکا ہے' ان میں عماد الدین زنگی نے کردستان کے رہنے والے ایک کرد سردار مسمی ایوب بن شادی کو شہر بعلبک کا محافظ وحاکم اپنی طرف سے مقرر کیا تھا' رفتہ رفتہ وہ بڑا سردار ہو گیا' ایوب کا ایک چھوٹا بھائی شیر کوہ تھا' عماد الدین کے فوت ہونے پر جب اس کا بیٹا نورالدین محمود زنگی تخت نشین ہوا تو اس نے شیر کوہ کو حمص اور رحبہ کی حکومت عطا کی' شیر کوہ کی قابلیت و بہادری کا اندازہ کر کے نورالدین نے شیر کوہ کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا' جب نورالدین نے شیر کوہ کو مصر کی طرف بھیجا تو اس کے بھتیجے صلاح الدین نے ۵۶۴ھ میں اپنی حکومت کی بنیاد قائم کی' پھر بہت جلد اس کی حکومت میں مصر وشام وحجاز وغیرہ شامل ہو گئے۔

صلاح الدین کی قائم کی ہوئی سلطنت کا نام دولت ایوبیہ ہے' اس خاندان میں ۶۴۸ھ تک حکومت قائم رہی۔ صلاح الدین کے بعد اس خاندان کے بھی کئی ٹکڑے ہو گئے' حماۃ میں اس خاندان کی ایک شاخ ۷۴۲ھ تک قائم رہی' جو شاخ اس خاندان کی مصر میں حکمراں تھی' اس کو ایوبیہ عادلیہ کہتے ہیں' انہیں کے جانشین میں مصر میں مملوک ہوئے۔

دولت مملوکیہ مصر

دولت ایوبیہ مصر کے بعد مصر میں مملوک سلاطین کی حکومت ۵۶۰ھ سے شروع ہوئی' ان کا ذکر بھی اوپر آ چکا ہے' ان مملوکوں کے بھی دو سلسلے ہیں' پہلا سلسلہ مملوک بحریہ اور دوسرا مملوک گرجیہ کہلاتا ہے' ۹۲۲ھ میں ان کا بھی خاتمہ ہو گیا اور بجائے ان کے مصر میں حکومت عثمانیہ قائم ہوئی۔

سلاطین سلجوقیہ کے جانشینوں کا ذکر کرتے ہوئے ہم بہت دور آ گے نکل گئے ہیں' اور ترتیب زمانی کے اعتبار سے ابھی کئی مشہور وزبردست سلطنتوں کی طرف اشارہ کرنا باقی ہے جو اس سے بہت پہلے زمانہ میں قائم ہوئی تھیں' لہٰذا اب خراسان وعراق وشام وغیرہ مشرقی ممالک کو چھوڑ کر ہمیں مغرب کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

دولت زیریہ تیونس

جب دولت عبیدیہ نے قیروان سے قاہرہ میں اپنا دارالحکومت تبدیل کیا ہے' تو اس زمانہ میں مصر سے مراکش تک تمام شمالی افریقہ ان کے زیر حکومت تھا اور بحر روم میں دولت عبیدیہ کی بحری طاقت سب پر فائق سمجھی جاتی تھی مگر قاہرہ (مصر) میں دارالحکومت کے تبدیل ہو جانے کے بعد مغربی ممالک پر اس سلطنت کا رعب قائم نہ رہ سکا' چنانچہ تیونس میں خاندان زیریہ کی مستقل حکومت ہو گئی جو ۳۶۲ھ

سے ۵۴۳ھ تک قائم رہی۔

دولت صمادیہ الجیریا

الجیریا میں خاندان صمادیہ کی مستقل حکومت قائم ہوگئی' اور یہ حکومت ۳۹۸ھ سے ۵۴۷ھ تک قائم رہی' اسی طرح عبیدیوں کے دارالسلطنت کے تبدیل ہونے پر مراقش میں بھی قبائل بربر خود مختار ہو گئے تھے جن کو خاندان مرابطین نے اپنا محکوم بنایا۔

دولت مرابطین

عہد خلافت بنوامیہ میں یمن کے بعض قبائل علاقہ بربر یعنے تیونس والجیریا ومراکو میں آ کر آباد ہو گئے تھے' ان لوگوں نے بتدریج اپنے وعظ و پند اور اپنی اسلامی زندگی کے نمونہ سے بربریوں کو اسلام میں داخل کیا اور انہیں کی سعی و کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ بربری لوگوں نے اسلام کو قبول کیا' انہیں میں سے ایک قبیلہ مراکش میں قیام پذیر تھا' ۴۴۸ھ میں قبیلہ لمتونہ کے فقیہ عبداللہ بن یاسین کے وعظ و پند سے وہ بربری لوگ جو اب تک اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے مسلمان ہو گئے اور انہوں نے عبداللہ بن یاسین کو اپنا سردار بنانا چاہا مگر عبداللہ نے انکار کر کے ابوبکر بن عمر ایک شخص کی طرف اشارہ کیا' چنانچہ نو مسلم بربریوں نے ابوبکر بن عمر کو اپنا سردار بنا کر امیر المسلمین کے نام سے پکارنا شروع کیا' اس جمعیت کو دیکھ کر اردگرد کے بہت سے قبائل آ آ کر جمع ہونے شروع ہوئے۔

مراکش میں ان دنوں کوئی مستقل حکومت قائم نہ تھی' بلکہ الگ الگ قبائل کی حکومتیں قائم تھیں' اور کوئی کسی کا محکوم نہ تھا' اس طائف الملوکی کے زمانے میں ابوبکر بن عمر کی طاقت دم بدم ترقی کرنے لگی' ابوبکر بن عمر نے اپنے ہمراہیوں کو مرابطین کا خطاب دیا' یعنی سرحد اسلام کی حفاظت کرنے والی فوج' انہیں کو ملثمین بھی کہتے ہیں' ابوبکر نے بربری قبائل میں خدمت اسلام کا جوش پیدا کر کے ان کو خوب بہادر و اولوالعزم بنا دیا اور مراقش سے مشرق کی جانب پیش قدمی کر کے سجلماسہ کو فتح کر لیا اور اپنے چچازاد بھائی یوسف بن تاشفین کو سلجلماسہ کا حاکم مقرر کیا۔

یہ یوسف بن تاشفین بڑا دین دار اور بہادر و عقل مند تھا' ۴۵۳ھ میں جب ابوبکر بن عمر کا انتقال ہوا' تو یوسف بن تاشفین اس ملک کا بادشاہ ہوا' ۴۶۰ھ میں یوسف نے شہر مراکش آباد کیا اور اسی کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔

۴۷۲ھ میں جب کہ عیسائیوں نے ہسپانیہ کے مسلمان رئیسوں کو اپنی حملہ آوریوں سے بہت تنگ کیا تو انہوں نے یوسف بن تاشفین سے مدد کی درخواست کی' یوسف بن تاشفین نے اندلس یعنی

ہسپانیہ میں جا کر عیسائیوں کو ایک بڑے معرکہ میں شکست فاش دے کران کی کمر توڑ دی' اس کے بعد وہ تین ہزار بربری یعنی لشکر مرابطین کو اندلس میں حفاظت کے لیے چھوڑ کر خود افریقہ یعنی مراکش کو واپس چلا آیا۔

چار برس کے بعد عیسائیوں نے پھر اندلس کے مسلمانوں کو تنگ کیا اور انہوں نے یوسف سے مدد کی استدعاء کی' اس مرتبہ اس نے عیسائیوں کو۔۔۔ شکست فاش دے کر اندلس کے اسلامی علاقے کو اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنالیا' غرض مرابطین کی حکومت میں بہت جلد اندلس' مراکش' ٹیونس' الجیریا' طرابلس شامل ہو گئے' بحری قوت کی جانب اس خاندان نے زیادہ توجہ نہیں کی' ۵۵۱ھ تک مرابطین کی حکومت قائم رہی' اپنے بہادرانہ کارناموں سے ایک سو سال تک انہوں نے عیسائی طاقتوں کا ناطقہ بند رکھا۔

دولت الموحدین

بربر کے قبیلہ مسمودا کا ایک شخص ابوعبداللہ محمد بن تومرت جو جبل سوس کا باشندہ تھا' علم حدیث و اصول وفقہ کا جید عالم اور عربی علم وادب کا خوب ماہر تھا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی وہ خوب مستعد تھا' نصیحت گری وحق گوئی میں اس کے سامنے امیر وغریب کا مرتبہ یکساں تھا! اس کے زہد نے اس کو سادہ لباس اور سادہ غذا پر قانع کر دیا تھا' ایک جماعت اس کی تابع تھی اور اس کو مہدی کے نام سے پکارتی تھی' اپنے متبعین میں اس کو شاہانہ اختیارات حاصل تھے' ۵۲۲ھ میں جب اس کا انتقال ہوا تو وہ اپنے فرقہ کی جس کا نام موحدین رکھا تھا امارت اپنے دوست عبدالمومن کو سپرد کر گیا۔

عبدالمومن نے سلطنت مرابطین کے خلاف خروج کر کے فتوحات شروع کر دیں' آخر دو سال کے عرصہ میں اس نے مرابطین سے بہت سا علاقہ چھین کر ۵۲۴ھ میں اپنی حکومت قائم کر لی' ۵۴۱ھ میں اس نے مرابطین کے دارالسلطنت مراکو کو فتح کر لیا اور چند روز کے بعد ان کا خاتمہ کر کے۔۔ اندلس میں فوج بھیجی' اندلس ومراکش پر قبضہ کر لینے کے بعد اپنا لقب امیر المومنین رکھا' اس کے بعد ۵۴۷ھ میں الجیریا کو فتح کر کے صمادیہ خاندان کا خاتمہ کر دیا' طرابلس کو فتح کر لینے کے بعد اس کی سلطنت' سرحد مصر سے بحر اطلانطک تک قائم ہو گئی جس میں اندلس کا ملک بھی شامل تھا۔

۶۳۲ھ میں موحدین کی فوج کو عیسائیوں کے مقابلے میں ایسی سخت شکست ہوئی کہ وہ اندلس میں اپنی حکومت قائم نہ رکھ سکے' مگر اندلس کے سلاطین غرناطہ برابر عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہے' اندلس کی حکومت کے نکل جانے سے خاندان موحدین میں ضعف وتنزل کے آثار نمایاں ہو گئے' اس

کے بعد سلطان صلاح الدین نے طرابلس ان سے چھین لیا' پھر خاندان حفصہ نے جو تیونس میں موحدین کی طرف سے بطور نائب حکمراں تھا' خودمختاری کا اعلان کر دیا' پھر الجیریا میں خاندان زیانیہ بھی خودمختار ہو گیا' پھر ملک مراکش میں کئی مدعیان سلطنت اٹھ کھڑے ہوئے' آخر ۶۶۷ھ میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور اس کی جگہ مراکش میں خاندان مرینیہ حکمراں ہوا۔

دولت حفصیہ تیونس

موحدین نے اپنی جانب سے تیونس میں حفص نامی ایک شخص کو نیابت وحکومت پر مامور کیا تھا' اس کے خاندان میں یہ عہدہ نسلاً متوارث ہوا' آخر ۶۲۵ھ میں اس خاندان نے خودمختاری اختیار کی' اس خاندان نے قریباً تین سو سال تک تیونس میں نیک نامی کے ساتھ حکومت کی' آخر ۹۴۱ھ میں عثمانی امیر البحر باربروسا خیر الدین نے تیونس کو فتح کر کے مقبوضات عثمانیہ میں شامل کیا اور اس خاندان کا خاتمہ ہوا۔

دولت زیانیہ الجیریا

موحدین کی جانب سے صوبہ الجیریا میں خاندان زیانیہ کا جو شخص حاکم مقرر ہوا تھا اس نے خاندان حفصیہ کی تقلید میں ۶۳۳ھ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا' ان لوگوں کا دارالسلطنت تلمسان تھا' ۷۹۶ھ تک ان کی حکومت رہی' پھر مراکش کے خاندان مرینیہ نے ان کے ملک پر قبضہ کر کے ان کو نیست ونابود کر دیا۔

دولت مرینیہ مراکش

خاندان مرینیہ ۵۹۱ھ میں مراکش کے پہاڑی علاقہ پر خودمختارانہ قابض ومتصرف تھا' ۶۶۷ھ میں انہوں نے موحدین کے دارالسلطنت پر قبضہ کر کے تمام مراکش پر اپنی حکومت قائم کر لی' اور ۷۹۶ھ میں اس خاندان کو اسی خاندان کے ایک شعبہ نے برباد کر دیا اور خود اس کا قائم مقام ہو گیا' اس کے بعد اس ملک میں مسلمانوں کی دو چھوٹی چھوٹی رقیب حکومتیں قائم ہوئیں جن کا شغل آپس میں ہنگامہ کارزار گرم رکھنا ہوا۔

یہاں تک ممالک مغربیہ کی صرف ان سلطنتوں کی فہرست بیان ہوئی ہے جو خلافت عباسیہ کی ہمعصر یعنی ۹۰۰ھ سے پہلے پہلے تھیں' خلافت عباسیہ کے ختم اور خلافت عثمانیہ کے شروع ہونے کے بعد ممالک اسلامیہ کی جو حالت ہوئی یا جو کثیر التعداد نئی سلطنتیں دنیا کے ہر حصے میں قائم ہوئیں ان کا ذکر اس فصل میں نہیں کیا جائے گا' کیونکہ یہ خلافت عباسیہ کی معاصر نہ تھیں' اس کے بعد خلافت عثمانیہ اور

اس کی معاصر تمام اسلامی سلطنتوں کا حال بیان کیا جائے گا' اور چونکہ خلافت عثمانیہ ۱۳۴۲ھ تک قائم رہی لہٰذا خلافت عثمانیہ اور اس کی معاصر سلطنتوں کا حال لکھ لینے کے بعد تاریخ اسلام مکمل ہو جائے گی' اس فصل میں جن حکومتوں کی فہرست بیان ہو رہی ہے' ان میں سے بعض ایسی بھی ہیں کہ ان کا تذکرہ صرف اسی قدر کافی ہے جو اس فہرست میں بیان ہوا' لیکن اکثر ایسی ہیں کہ ان کی تفصیلی تاریخ بیان ہونی چاہیے اگرچہ وہ تفصیل بھی خلاصہ اور نہایت مختصر مگر مکمل خلاصہ ہوگا' انہیں حکومتوں کے حالات کا مجموعہ تاریخ اسلام کی تیسری جلد ہوگی۔

اس فصل میں ممالک مشرقیہ کی بعض سلطنتوں کی طرف ابھی اور اشارہ کرنا باقی ہے۔ مثلاً

دولت اسماعیلیہ حشاشین

سیدنا جعفر صادق کے بیٹے موسیٰ کاظم کو اثنا عشری شیعہ امام موصوف کا جانشین اور امام مانتے ہیں' لیکن موسیٰ کاظم کے ایک بھائی اسمٰعیل تھے' جو لوگ بجائے موسیٰ کاظم کے ان کے بھائی اسمٰعیل کو امام مانتے ہیں وہ شیعہ اسمٰعیلیہ کہلاتے ہیں' دولت عبیدیین اسماعیلی شیعوں کی سب سے بڑی سلطنت تھی' اسماعیلیوں نے اپنے حصول مقصد کے لیے ہمیشہ پوشیدہ اور خفیہ کارروائیوں اور نہاں در نہاں سازشوں سے کام لیا۔

سلطنت عبیدیہ نے اپنے عقائد اور خیالات کی اشاعت کے لیے شروع ہی سے ایک خفیہ محکمہ قائم کر دیا تھا جس کے ذریعہ داعیوں کو اپنی مملکت میں ہی نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی بھیجا جاتا تھا' یہ داعی واعظوں' درویشوں اور تاجروں وغیرہ کی شکل میں تمام اسلامی ممالک کے اندر پھیلے ہوتے تھے اور لوگوں کو اسماعیلی عقائد کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے' ان کے کفریہ عقائد قابل نفریں اور نہایت خطرناک تھے' قرآن شریف کو یہ لوگ قابل عمل نہیں جانتے تھے' اسمٰعیل بن جعفر صادق کو پیغمبر مانتے اور رسول اللہ ﷺ کا ہم رتبہ خیال کرتے اور محمد مکتوم بن اسمٰعیل بن جعفر صادق کو بھی نبی یقین کرتے تھے' ان کے نزدیک اماموں کی تعداد سات تھی' بانی دولت عبیدیہ کو ساتواں امام قرار دیتے اور عبیدیہ سلاطین کی فرماں برداری و اطاعت کو ذریعہ نجات ثابت کرتے تھے وغیرہ' ان داعیوں کی کوششوں نے سلطنت عبیدیہ کو بہت فائدہ پہنچایا اور اس کی قبولیت کو بڑھایا تھا۔

حسن بن صباح ایک شخص رے کا باشندہ تھا' اس کے نسب میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ عربی النسل تھا' اس کے آباء واجداد یمن سے آئے تھے' بعض کا قول ہے کہ وہ مجوسی النسل تھا[1] بہر

[1] اس نے قلعہ الموت میں اپنی سلطنت قائم کر رکھی تھی۔ اس کے پیروکار حشیشین کہلاتے تھے۔ حشیش کا نشہ ان کی زندگی کا لازمہ تھا۔ بعض نے حسن بن صباح کو عربی النسل یہودی کہا ہے۔

حال حسن بن صباح کے باپ اور اہل خاندان کا عقیدہ شیعی تھا' حسن بن صباح نے نیشا پور میں تعلیم پائی تھی' وہ عمر خیام اور نظام الملک طوسی وزیر اعظم الپ ارسلان و ملک شاہ کا ہم سبق رہ چکا تھا' نہایت ذہین اور خوددار شخص تھا۔

مستنصر عبیدی کے زمانہ میں حسن بن صباح مصر پہنچا' وہاں اس کی بڑی عزت و تکریم ہوئی' سال بھر سے زیادہ عرصہ تک وہ مصر میں شاہی مہمان اور مستنصر کے مصاحب کی حیثیت سے رہا۔ وہاں اس نے عقائد اسمٰعیلیہ سے پوری واقفیت حاصل کر کے مستنصر کے ہاتھ پر بیعت کی اور دولت عبیدیہ کے اعلیٰ درجہ کے داعیوں میں شمار ہوا' جب حسن بن صباح اسماعیلی داعی بن کر روانہ ہوا تو اس نے مستنصر سے پوچھا کہ آپ کے بعد کس کے احکام کی تعمیل کروں اور آپ کے بعد میرا امام کون ہوگا' مستنصر نے کہا کہ میرے بعد تمھارا امام میرا بیٹا نزار ہوگا' چنانچہ اسی وجہ سے حسن بن صباح کی قائم کی ہوئی جماعت کو نزاریہ بھی کہتے ہیں۔

مصر سے عراق و ایران میں واپس آ کر حسن بن صباح نے مختلف شہروں میں تھوڑے دنوں اقامت اختیار کی اور لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کیا' یہاں پہلے ہی سے اسمٰعیلی داعیوں کی کوشش سے بہت سے شیعہ اور غیر شیعہ اسمٰعیلیہ خیالات کے پیرو ہو چکے تھے' اس لیے حسن بن صباح کو بہت جلد بہت سے معاون و مددگار مل گئے۔

ملک شاہ کی طرف سے صوبہ اصفہان و قہستان کا حاکم مہدی علوی تھا' حسن بن صباح نے دھوکہ دے کر مہدی علوی سے اپنی عبادت گاہ بنانے کے لیے قلعہ الموت کو خرید لیا' اس قلعہ میں بیٹھ کر اس نے ہر قسم کی مضبوطی کر لی اپنے معتقدین کو جمع کر کے اور ارد گرد کے جاہل و جنگ جو قبائل میں اپنا اثر قائم کرنے کے بعد اپنی حکومت کی بنیاد قائم کی اور شیخ الجبل کے نام سے مشہور ہوا' اس نے بعض عجیب و غریب عقائد و اعمال ایجاد کر کے ان کی تلقین کو لوگوں کی' اس نے فدائیوں کا ایک گروہ تیار کیا' ان فدائیوں نے بڑے بڑے کام کیے' دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں' وزیروں' عالموں کو حسن بن صباح قلعہ الموت میں بیٹھا ہوا اپنے فدائیوں کے ہاتھ سے قتل کرا دیتا تھا' حسن بن صباح نے اپنے مشہور داعی کیا بزرگ امید کو اپنا ولی عہد و جانشین بنایا' اس کے بعد کیا بزرگ امید کی اولاد میں کئی پشت تک حکومت قائم رہی۔ آخر ۶۲۵ھ میں ہلاکو خاں کے ہاتھ سے اس حکومت کا خاتمہ ہوا' یہ سلطنت جو حسن بن صباح نے قائم کی تھی قہستان میں ۴۸۳ھ تک' پونے دو سو سال تک قائم رہی' اس اسمٰعیلی حکومت کی دھاک ساری دنیا میں بیٹھی ہوئی تھی' اور بڑے بڑے شہنشاہ فدائیوں سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ دھوکے اور دشمن کو تنہا پا کر اچانک حملہ کرتے تھے۔

ملک شام پر عیسائیوں کے صلیبی حملے

یورپ کے عیسائیوں نے متفق و متحد ہو کر مسلمانوں پر سنہ ۴۹۰ھ سے حملے شروع کیے۔ عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں یعنی پادریوں نے تمام یورپ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر دیوانہ بنادیا تھا اور ملک شام کو مسلمانوں کے قبضے سے نکال لینے کو اعلیٰ درجہ کی مذہبی خدمت اور ذریعہ نجات قرار دیا گیا تھا۔ عیسائیوں کے ان حملوں[1] کا سلسلہ تین سو سال تک جاری رہا۔ یورپ کے تمام عیسائی بادشاہ اپنی ہر قسم کی متحدہ طاقت صرف کرنے اور بہ ذات خود عیسائی حملہ آوروں کے ساتھ ملک شام کی طرف آنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ ان تمام لڑائیوں اور چڑھائیوں کا سلسلہ تاریخ اسلام کا ایک دلچسپ باب ہے اور اس داستان کو ایک ہی جگہ مسلسل بیان کیا جائے گا' ان شاء اللہ! ان صلیبی لڑائیوں کا وہ حصہ جہاں صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں کا مقابلہ کیا ہے' نہایت اہم اور بہت دلچسپ ہے۔

دولت مغلیہ ایشیا

ملک چین کے شمالی پہاڑوں سے چنگیز خان کی زیر قیادت مغلوں یا تاتاریوں کے گروہ نے مغرب کی جانب خروج کر کے ترکستان' ماوراء النہر' خراسان' آذربائیجان' اصفہان' افغانستان' فارس' عراق' شام' ایشیائے کوچک' روس' آسٹریا' تک کے تمام ملکوں کو اپنی لوٹ مار اور قتل و غارت کا آماجگاہ ساتویں صدی ہجری کے شروع بنا لیا تھا' سینکڑوں حکومتوں کو برباد اور سینکڑوں حکمران خاندانوں کو مستاصل کر دیا' ساتویں صدی ہجری کے وسط یعنی ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں نے بغداد کو لوٹا اور بغداد کے آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کیا' اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

۶۲۴ھ میں چنگیز خاں کے فوت ہونے پر مغلوں کی حکومت کے کئی ٹکڑے ہو گئے تھے' چنگیز خاں کی اولاد ایک کا حصہ چین پر حکمراں ہوا' ایک حصہ نے ترکستان و ماوراء النہر میں اپنی حکومت قائم کی' ایک حصہ نے خراسان و ایران پر اپنی حکومت قائم کی' ایک حصہ بحر قزوین کے شمالی و مغربی حصہ پر فرماں روا ہوا' ان میں مغلوں کی وہ حکومت جو ایران و خراسان میں ہلاکو خاں نے قائم کی تھی زیادہ قابل توجہ ہے' چند روز کے بعد ان مغلوں کی اکثر حکومتیں اسلامی حکومتوں میں تبدیل ہو گئیں' یعنی مغلوں نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام کے خادم بن گئے' دو سو یا پونے دو سو برس کے بعد براعظم ایشیاء میں مغلوں کی حکومتیں کمزور ہوتے ہوتے نابود ہونے لگیں' اور ان کی جگہ کثیر التعداد چھوٹی چھوٹی ریاستیں جابجا ایران و خرسان و عراق و ماوراء النہر میں قائم ہو گئیں۔

---

[1] ان جنگوں کو صلیبی جنگیں یا مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی مقدس جنگیں (Crusades) کہتے ہیں۔

۸۰۰ھ کے قریب ان مغلوں کے تنزل و بربادی کے عالم میں ایک شخص تیمور سردار ہوا' اس نے اپنی ملک گیریوں اور فتح مندیوں سے تمام براعظم ایشیا میں ایک تہلکہ برپا کر دیا اور دنیا کو چنگیز خان کی ملک گیریوں کا تماشا پھر دکھا دیا' تیمور چونکہ مسلمان تھا اس لیے اگرچہ قتل و غارت کے ہنگامے اس کے ذریعہ بھی بہت رونما ہوئے تاہم اس کی ملک گیریاں چنگیزی حملوں کے مقابلے میں زیادہ باقاعدہ اور مہذبانہ تھیں' تیمور کی اولاد ان تمام ملکوں کی وارث ہوئی' جن پر چنگیز خان کی اولاد نے حکومت کی تھی' جس طرح چنگیز خان کی اولاد کی تنزل ہوا' بالکل اسی طریقہ اور اسی رفتار سے تیمور سے تیمور کی اولاد کا زوال ہوا' جتنے دنوں چنگیزی مغلوں نے ایشیا کے ملکوں پر حکومت کی تھی' قریباً اتنے ہی دنوں تیموری مغلوں کا دور دورہ رہا۔

جب ایران و ترکستان وغیرہ سے تیموری خاندان کی حکومت مٹ گئی تو تیمور کی اولاد میں ایک شخص بابر پیدا ہوا' اس نے ہندوستان وافغانستان میں ایک زبردست حکومت کی بنیاد ڈالی جو عرصہ تک اس کے خاندان میں باقی رہی۔

دولت عثمانیہ ترکی

ترکان غز کا تذکرہ اوپر کہیں آ چکا ہے' ان ترکان غز کے اکثر قبائل کو سلجوقیوں نے دھکیل کر صوبہ ارمینیا اور بحیرہ قزوین کے ساحلوں کی طرف پہنچا دیا تھا' انہیں میں ایک وہ قبیلہ تھا جس کو سلطنت عثمانیہ قائم کرنے کا فخر حاصل ہوا' جب سلاطین سلجوقیہ کا دور دورہ ختم ہوا اور تاتاریوں نے ایشیا کے ملکوں میں ہنگامے برپا کرنے شروع کر دیئے تو اس زمانے میں ایشیائے کوچک کے اس حصہ میں جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھا' دس بارہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں' ان ریاسیوں میں اکثر سلجوقی شہزادے یا سلجوقیوں کے موالی حکومت کرتے تھے' انہیں میں ایک ریاست سرحد آرمینیا پر ترکان غز کے مذکورہ قبیلہ کے سردار سلیمان خان کے قبضہ میں تھی' ۶۲۱ھ میں جب مغلوں نے علاء الدین کیقباد کی ریاست پر حملہ کیا تو سلیمان خاں اور اس کے بیٹے ارطغرل نے اپنے ہم قوم ترکوں کو لے کر مغلوں کے خلاف علاء الدین کیقباد کی مدد کی' یہ مدد عین وقت پر پہنچی اور اس سے مغلوں کو شکست کھا کر فرار ہونا پڑا لہٰذا علاء الدین کیقباد سلجوقی نے سلیمان کو خلعت دے کر اپنی فوج کا سپہ سالار بنایا اور اس کے بیٹے ارطغرل کو شہر انگورہ کے قریب ایک وسیع جاگیر عطا کی۔

علاء الدین سلجوقی کا دارالسلطنت اس زمانہ میں شہر قونیہ تھا' ارطغرل کی جاگیر اور ریاست قیصر روم کے علاقے کی سرحد پر واقع تھی' ارطغرل نے اپنے باپ کے فوت ہونے پر اپنی ریاست کو وسیع کیا'

کچھ علاقہ سلطان قونیہ سے انعام واکرام کے طور پر حاصل کیا اور کچھ عیسائی علاقے کو دبایا' اس طرح ارطغرل کی ایک قابل تذکرہ ریاست قائم ہوگئی' مغلوں نے ایشیائے کوچک کے ان چھوٹے رؤساء سے کچھ زیادہ تعرض نہیں کیا اور ان کو ان کے حال پر قائم رہنے دیا۔

۶۴۱ھ میں علاء الدین کیقباد سلجوقی کے بیٹے غیاث الدین کیخسرو کو مغلوں کا خراج گذار ہونا پڑا' ۶۵۷ھ میں ارطغرل کا بیٹا عثمان خان پیدا ہوا' ۶۸۷ھ میں ارطغرل فوت ہوا اور اس کا بیٹا عثمان خان بعمر تیس سال باپ کی جگہ ریاست کا مالک وفرماں روا ہوا' شاہ قونیہ یعنی غیاث الدین کیخسرو سلجوقی نے اپنی بیٹی کی شادی عثمان خان سے کر دی اور اس کو اپنی فوج کی سپہ سالاری کا عہدہ بھی عطا کیا' ۶۹۹ھ میں غیاث الدین کیخسرو سلجوقی جب مقتول ہوا تو تمام سلجوقی ترکوں نے سلطنت قونیہ کے تخت پر عثمان خان کو بٹھایا اور اس طرح اپنی قدیمی ریاست کے علاوہ قونیہ کا علاقہ بھی عثمان خان کے زیر تصرف آ گیا' عثمان خان نے اپنے آپ کو سلطان کے لقب سے منسوب کیا' یہی پہلا سلطان ہے جس کے نام سے اس کے خاندان میں سلطنت عثمانیہ قائم ہوئی۔

عثمانی سلاطین نے بہت جلد تمام ایشیائے کوچک پر قبضہ کر کے قیصر روم کی حکومت کو ایشیا سے نابود کر دیا' ۷۶۳ھ میں سلاطین عثمانیہ نے ایڈریا نوپل کو فتح کر کے اپنا دارالسلطنت بنایا اور صوبہ طرابلس پر قبضہ کر کے براعظم یورپ کے جنوبی ومشرقی حصہ میں اسلامی حکومت قائم کی' قیصر روم نے دب کر صلح کی اور عثمانیہ طاقت سے اپنے بقیہ ملک کو بچایا' اس کے بعد عثمانیوں نے عیسائیوں کو شکستیں دے دے کر یورپ میں اپنے مقبوضات کو وسیع کرنا شروع کیا۔

آخر ۷۹۲ھ میں آسٹریا' بلگیریا' بوسنیا' ہنگری وغیرہ کے عیسائی سلاطین نے متحد ومتفق ہو کر ایک نہایت عظیم الشان فوج کے ساتھ سلطنت عثمانیہ پر حملہ کیا' سلطان مراد خان عثمانی نے اپنی قلیل التعداد فوج سے مقام کسووالے[1] پر عیسائیوں کے اس لشکر عظیم کا مقابلہ کیا اور سب کو شکست فاش دے کر تمام براعظم یورپ کو ہلا دیا۔

۷۹۹ھ میں تمام براعظم یورپ نے مل کر جس میں فرانس وجرمنی وغیرہ کی افواج بھی شامل تھیں' سلطنت عثمانیہ کو بیخ وبن سے اکھیڑ دینے کا تہیہ کیا اور مقام نکوپولس میں سلطان بایزید ابن سلطان مراد خان سے معرکہ آرائی ہوئی' اس لڑائی میں سلطان بایزید نے جو بایزید یلدرم کے نام سے مشہور

---

[1] عصر حاضر میں (۹۱-۱۹۹۰ء) میں عیسائیوں نے یورپ کی واحد مسلم ریاست بوسنیا اور اس کے دارالحکومت کسووا میں جس طرح لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا اور اس مسلم ریاست کو تباہ کیا' شائد یہ انہوں نے ۷۹۲ھ کی اپنی شکست فاش کا بدلہ لیا ہو۔

ہے یورپ کی متفقہ افواج کو شکست فاش دی۔ اور ایسی شاندار فتح حاصل کی کہ اس لڑائی میں بیس سے زیادہ ایسے عیسائی سردار قیدیوں میں بایزید کے سامنے پیش ہوئے جو بادشاہ یا شہزادے تھے۔

اس شکست فاش نے تمام عیسائی دنیا میں خوف و ہراس پیدا کر دیا اور عیسائی سلاطین نے شکست خوردہ اپنے ممالک میں جا کر صلیبی جنگ کے اشتہار شائع کیے اور تمام عیسائی مذہبی جوش میں پھر پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ جمع ہو کر بایزید یلدرم سے نبرد آزمائی پر مستعد ہو گئے۔ بایزید یلدرم نے اس مرتبہ بھی سب کو شکست فاش دے کر تمام یورپ سے فرماں برداری کا اقرار لیا۔

اس زمانے میں قیصر روم قسطنطنیہ میں ڈرا اور سہا ہوا بیٹھا تھا' اس نے عثمانیوں کے خلاف خفیہ طور پر عیسائی جہادیوں کو امداد پہنچانے میں کمی نہیں کی تھی' لہٰذا بایزید یلدرم نے ارادہ کیا کہ سب سے پہلے قیصر کو سزا دے کر جزیرہ نما بلقان سے عیسائی حکومت کا نام و نشان مٹا دے اور اس کے بعد تمام براعظم یورپ کو فتح کر کے دنیا سے عیسائیوں کا استیصال کر دے' وہ ابھی قیصر پر حملہ کرنے نہ پایا تھا کہ براعظم ایشیا کی طرف سے خبر پہنچی کہ تیمور ایک زبردست فوج لے کر بایزید یلدرم کے ایشیائی مقبوضات پر حملہ آور ہوا ہے' چنانچہ بایزید یلدرم کو فوراً ایشیائے کوچک میں آنا اور تیمور کا مقابلہ کرنا پڑا اور ۸۰۴ھ میں جنگ انگورہ ہوئی' اس لڑائی میں تیمور فتح مند اور بایزید یلدرم گرفتار ہوا اور براعظم یورپ پامالی سے بچ گیا۔

اس کے بعد یہ معلوم ہوتا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کا اب خاتمہ ہو گیا ہے' لیکن چند برس کے بعد عثمانیہ سلطنت پھر اسی عروج و شوکت کی حالت میں دیکھی گئی جیسی کہ وہ بایزید یلدرم کے زمانے میں تھی اور قریباً پچاس ہی سال کے بعد محمد خان ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے جزیرہ نما بلقان سے عیسائی حکومت کو متاصل کر دیا۔

اس کے بعد سلطان سلیم خان نے ایرانیوں کو شکست فاش دی' مصر کو فتح کیا' عراق اور عرب کو اپنے قبضہ میں لایا اور ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم کر کے ۹۲۲ھ میں خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر کے عثمانیوں میں خلافت اسلامیہ کے سلسلے کو جاری کیا جیسا کہ اوپر اس کا ذکر آ چکا ہے' اس خاندان کی تاریخ نہایت دلچسپ اور مسلمانوں کے لیے بے حد عبرت آموز ہے۔

ترکان کاشغر

فرغانہ کے مشرقی قطعات میں جو ترک قبیلے مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے دولت سامانیہ کے زوال پذیر ہونے پر اپنی خود مختارانہ حکومت قائم کی جو ۳۲۰ھ سے ۵۶۰ھ تک قائم رہی' ان میں ایلک خان مشہور حاکم ترکستان ہوا ہے' ان کا دارالحکومت کاشغر تھا' یہ ترکان غز میں سے تھے اور ترکان عثمانی

انہیں کے ہم وطن تھے' ترکان سلجوقی کے ظہور وخروج پر اکثر ترکان غزار میدیا و آذربائیجان کی طرف چلے گئے' ترکان سلجوق بھی انہیں کے ہم وطن و ہم قوم تھے' جو قبائل مغرب کی جانب آوارہ ہو کر چلے گئے انہوں نے بحیرہ قزوین کے اردگرد اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں اور جو مشرق کی جانب دھکیل دے گئے تھے انہوں نے مشرقی ترکستان یعنی کاشغر میں حکومت کی بنیاد ڈالی تھی۔

شاہان ہندوستان

ہندوستان کا ایک صوبہ یعنی ملک سندھ پہلی صدی ہجری میں خلافت اسلامیہ کی حدود میں شامل ہو گیا تھا' عرصہ دراز تک سندھ کے عامل دربار خلافت سے مقرر ہو کر آتے رہے' اس کے بعد جب خلافت عباسیہ میں ضعف وانحطاط پیدا ہوا تو سندھ میں کئی اسلامی خودمختار ریاستیں قائم ہو گئیں' رفتہ رفتہ ان اسلامی ریاستوں کے رقبے محدود ہوتے گئے' محمود غزنوی کے حملوں تک ایک ریاست سندھ میں موجود تھی' محمود غزنوی نے پنجاب وملتان پر قبضہ کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔

جب غزنویوں کے قائم مقام غوری ہوئے تو انہوں نے تمام شمالی ہند کو فتح کر کے ہندوستان میں اسلامی حکومت اور مستقل بادشاہت قائم کی' پہلا مسلمان بادشاہ جو ہندوستان میں سریر آرائے حکومت ہوا قطب الدین ایبک تھا جو شہاب الدین غوری کا غلام تھا' غلام خاندان کے بعد خلجی خاندان نے حکومت کی' خلجیوں کے بعد تغلق حکمراں ہوئے' خاندان تغلق کے بعد خضر خان کا خاندان فرمانروا ہوا' اس کے بعد لودی فرماں روا ہوئے' لودیوں کے بعد مغل ہندوستان میں آئے مگر شیر شاہ نے ان کو نکال کر اپنی سلطنت قائم کی' مغلوں نے دوبارہ ہندوستان کو شیر شاہ کے خاندان سے فتح کر کے اپنی حکومت قائم کی' اس کے بعد انگریز ہندوستان میں آئے۔

یہ مسلمان خاندان جن کا اوپر نام لیا گیا دہلی و آگرہ میں رہتے تھے' انہیں کے معاصر اور بھی مسلمان سلاطین ہندوسان کے مختلف صوبوں میں فرماں روا ہوئے مثلاً بہمنی خاندان' شاہان گجرات شاہان جون پور' شاہان بنگالہ' شاہان مالوہ وغیرہ' ان سب کا حال اور ہندوستان کی پوری تاریخ ایک الگ کتاب میں بیان ہوگی' اسی میں خاندان غزنین اور خاندان غوری کا تذکرہ کیا جائے گا۔

سلطنت جلائرہ عراق

مغلوں یعنی تاتاریوں کی حکومت کو زوال آیا تو مغلوں کے فوجی سرداروں نے جابجا اپنی حکومتیں قائم کر لیں' منجملہ ان کے خاندان جلائر نے ۷۳۶ھ سے ۸۱۴ھ تک عراق میں حکومت کی' ان کا دارالسلطنت بغداد تھا' اس خاندان کی حکومت کا بانی شیخ حسن بزرگ جلائر تھا' اس کا بیٹا اویس خان ۷۵۷ھ میں اپنے باپ کی وفات پر تخت نشین ہوا' اس نے آذربائیجان اور تبریز کو ترکمانوں سے

۷۵۹ھ میں چھین لیا اور ۷۶۶ھ میں موصل اور دیار بکر کو بھی اپنی حکومت میں شامل کیا' ۷۸۴ھ میں اس کا انتقال ہوا تو کردستان اس کے بیٹے بایزید کو ملا اور عراق و آذربائیجان وغیرہ پر اس کے دوسرے بیٹے سلطان احمد جلائر کی حکومت قائم ہوئی۔

۷۹۶ھ میں تیمور نے سلطان احمد جلائر کا تمام ملک فتح کر لیا اور احمد جلائر بھاگ کر مصر چلا گیا' وہاں مملوک سلطنت میں کئی سال پناہ گزیں رہنے کے بعد جب کہ تیمور سمرقند کی طرف واپس گیا' احمد جلائر پھر آ کر اپنی مملکت قدیمہ پر قابض ہو گیا' ۸۱۳ھ میں احمد جلائر قرا یوسف ترکمان کی لڑائی میں مارا گیا اور اس کا بھتیجا شاہ ولد بغداد میں تخت نشین ہوا' آخر ۸۱۴ھ میں اس کا قراقونلی ترکمانوں نے خاتمہ کر دیا۔

دولت مظفریہ

مغلیہ سلاطین کے دربار میں امیر مظفر خراسانی ایک مشہور زبردست سردار تھا' اس کے بیٹے مبارز الدین کو ۷۱۳ھ میں مغل بادشاہ ابوسعید نے فارس کی گورنری عطا کی' ۷۱۵ھ میں فارس پر کرمان کا بھی اضافہ ہو گیا' اس نے فارس و کرمان پر قابض و متصرف ہو کر خود مختاری کا اعلان کیا' اس خاندان میں ۷۵۹ھ تک حکومت رہی' حافظ شیرازی مشہور شاعر اسی خاندان کے بادشاہ شجاع نامی کے دربار میں عزت کا مرتبہ رکھتے تھے۔

ترکمانان قراقونلی آذربائیجان

یہ بھی مثل جلائر خاندان کے مغلیہ افواج کی سرداری رکھتے تھے' اس خاندان نے آذربائیجان میں نہروان کے جنوبی ملکوں میں اپنی حکومت قائم کی اور ۷۸۰ھ سے ۸۷۴ھ تک حکمراں رہے' ان میں قرا یوسف ترکمان بہت مشہور ہے' ان لوگوں سے آق قونلی ترکمانوں نے حکومت چھین لی۔ قراقونلی کے معنی سیاہ بھیڑ کے ہیں۔ یہ لوگ اپنے جھنڈے پر سیاہ بھیڑ کی تصویر بناتے تھے اس لیے ان کو قراقونلی کہا جاتا ہے' اسی طرح آق قونلی کے معنیٰ سفید بھیڑ کے ہیں' جو لوگ اپنے جھنڈے پر سفید بھیڑ کی تصویر رکھتے تھے وہ آق قونلی کہلائے۔

اق قونلی خاندان

آق قونلی ترکمانوں نے بھی دیار بکر کے نواح میں اپنی ریاست ۷۸۰ھ میں قائم کر لی تھی' انہوں نے ۸۷۴ھ میں قراقونلی ترکمانوں کو آذربائیجان سے بالکل بے دخل کر کے اپنی حکومت تمام آذربائیجان و دیار بکر پر قائم کر لی تھی مگر ۹۰۷ھ میں شاہ اسماعیل صفوی نے ان کی سلطنت کو مٹا کر تمام

ممالک پر قبضہ کر لیا۔

دولت صفویہ

۸۰۴ھ میں جب بمقام انگورہ تیمور کو فتح حاصل ہوئی تو بہت سے ترک تیموری لشکر نے گرفتار کر لیے' بعد فتح ان قیدیوں کو لیے ہوئے تیمور شیخ صفی الدین اردبیلی کی خدمت میں حاضر ہوا' شیخ صفی الدین اپنے آپ کو امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے بتاتے تھے' مگر سنی مذہب رکھتے تھے' تیمور نے جب شیخ سے کسی خدمت کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کی تو شیخ نے کہا ان ترک قیدیوں کو آزاد کر دے' تیمور نے اسی وقت ترک قیدیوں کو آزاد کر دیا' قیدیوں نے آزاد ہو کر شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی اور شیخ کی خدمت میں رہنے لگے۔

تیمور تو اردبیل سے چلا گیا لیکن شیخ کے گرد سر فروش خدام کا ایک مجمع کثیر فراہم ہو گیا اور نسلاً بعد نسل شیخ کی اولاد کے ساتھ ان ترک مریدوں کی اولاد نے وفاداری کا اظہار کیا حتیٰ کہ شیخ کی اولاد میں اسمٰعیل صفوی کو بادشاہ بنا کر چھوڑا' اسماعیل صفوی شیعہ عقیدہ رکھتا تھا' ۹۰۳ھ میں وہ ایران کے بعض شہروں پر قابض و متصرف ہوا اور پھر رفتہ رفتہ تمام ملک ایران پر قابض ہو گیا' ۹۶۰ھ میں سلطان سلیم عثمانی نے اس کو مقام خالدران پر جو تبریز سے بیس فرسنگ کے فاصلہ پر ہے' شکست فاش دی اور صفوی سلطنت کے بعض مغربی صوبوں کو اپنی حکومت میں شامل کر کے شام و مصر کی طرف متوجہ ہو گیا' اسمٰعیل صفوی اس شکست کے بعد دس سال تک زندہ رہا' اس کے بعد اس کی اولاد میں ایران کی حکومت سلطنت جاری رہی' یہاں تک کہ ۱۱۴۸ھ میں نادر شاہ ایرانی نے اس خاندان کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت قائم کی۔

اس کے بعد ایران' اور افغانستان پر پٹھانوں کی حکومت قائم ہوئی' پھر ایران میں سلطنت قا... شروع ہوئی' اور افغانستان اب تک پٹھانوں کے قبضہ میں ہے۔

اجمالی نظر

حکمراں خاندانوں اور اسلامی حکومتوں کی مندرجہ بالا فہرست کے مطالعہ کرنے کے بعد ... دوم ختم ہو رہی ہے' جلد سوم کے مطالعہ کرنے والے کے دماغ میں سلطنت اسلامیہ کی نسبت ایک ... قائم ہو سکے گا اور وہ یہ اندازہ کر سکے گا کہ کس کس زمانہ میں کون کون سا خاندان کہاں کہاں حکمرا... اس اجمالی علم و واقفیت کے بعد خلافت عباسیہ کے خاتمہ تک اس کی پوری حالت اور رفتار تنزل ... اندازہ ہو سکے گا' ادھر آئندہ جلد سوم میں انہیں خاندانوں کے جو حالات بیان ہونے والے ... کے سمجھنے میں یہ فہرست مطالعہ کرنے والے کی بے حد امداد کرے گی۔

تخریج شدہ ایڈیشن

تاریخ اسلام

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ

دوم

مکتبہ خلیل
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7321113